رجسٹرڈ نمبر ۷۵۱۔ ن
جلد اول ۔ جنوری سنہ ۱۹۱۶ء ۔ نمبر ۳ ۔ منجانب انجمن اسلامیہ دہلی

تمدن

معاشرتی ۔ تمدنی ۔ ادبی ۔ فلسفی ۔ اخلاقی ۔ تاریخی ۔ اور علمی مضامین کا

مخزن

ایڈیٹر ۔ ایم ۔ اے ۔ قاری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قاری
محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
جذبات الاقوام ۔ خان بہادر جناب مرزا سلطان احمد صاحب	۱	انوکھا جھانسا ۔ جناب خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت لکھنوی	۴۴
آئینۂ ہستی ۔ جناب سید محمد اسمعیل صاحب رسا ہمدانی گیاوی	۶	یادِ رفتگاں ۔ جناب سید ابو الحسن صاحب ناطق	۵۱
غالب اور آتش ۔ جناب محمد ابراہیم صاحب تنویر دہلوی	۹	تخیلات سجالی ۔ "جان بل"	۵۲
عباسی خلفا کا علمی شغف ۔ جناب مولانا احمد امجد صاحب متعلم ندوہ	۲۱	غزلیات حضرات ثاقب قزلباش لکھنوی ۔ صفی لکھنوی ۔ عزیز لکھنوی ۔ حسرت موہانی ۔ آشفتہ لکھنوی ۔ آسی ۔ رضا الٰہ آبادی ۔ آسط سبوانی ۔ بسمل	۵۹
حسد ۔ جناب نصیر حید رضا صاحب بی ۔ اے	۲۵		
قصیدہ ۔ ابو العظم جناب نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل دہلوی	۳۳		
شعراء عرب کا ... ۔ جناب مولانا سید علی صاحب حسب ...	۳۶		

نامدرن انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا ... مطبع
مقام اشاعت ... لکھنؤ ... قاری
قیمت سالانہ قسم اول ... قیمت سالانہ قسم دوم ... نمونہ کے پرچے کی قیمت ۴ر

قواعد

(۱) "تمدن" ہر ماہ کی ۷ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر برا اثر پڑے یا ذاتیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے ہوئے ہوں درج "تمدن" نہیں ہوتے۔

(۳) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۲۰ تاریخ تک آ جانے چاہئیں۔

(۴) جو مضمون کسی دوسرے رسالے میں شائع ہو چکا ہو اس کو "تمدن" کے لیے ارسال نہ کرنا چاہئے

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی نمبر نہ پہنچے تو اسی ماہ کی ۳۰ تاریخ تک طلب کریں ورنہ پھر چار آنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہو گا۔

(۶) ناتمام مضامین درج "تمدن" نہیں ہو سکتے۔

تمدن

جذبات الاقوام

برگ برگ گلبن امیدم از لب تشنگی
بازبانِ حال مے گوید کہ یاراں را چہ شد

اس کائنات میں جو کچھ ہم دیکھتے یا جو کچھ پاتے ہیں عام اس سے کہ ہم اب تک اسکی کیفیت اور حقیقت سے واقف ہو چکے ہوں یا ابھی انکشاف حقیقت کی حقیقت نہ کھلی ہو اُن سب میں ایک قسم کی نسبت اور رشتہ ہے خواہ وہ نسبت اور رشتہ نوعیت کے اعتبار سے ہو یا جنسیت اور شخصیت کی جہت سے اس نسبت اور رشتہ کے ساتھ قدرت کی جانب سے ایک اور رشتہ بھی رکھا گیا ہے جو ایک رشتہ کو دوسرے رشتہ سے باعتبار نوعیت جنسیت اور شخصیت کے ملاتا ہے ملاتا ہی نہیں بلکہ ایک نسبت دوسرے نسبت سے انجذابی رنگ میں متلاصق ہونے کی کوشش میں رہتی ہے اور چاہتی ہے کہ کسی دوسری ہستی سے اس رنگ میں

نسبت پیدا کرے کہ اُس نسبت سے اُسکی نسبت اُس فوقیت اور اُس برتری پر
فائز ہو جو فوقیت اور جو برتری اس کائنات میں ایک ہستی یا نظام ہستی کو قائم
اور ثابت رکھنے کے واسطے ایک ایسی لابدی شرط شمار ہوتی ہے جس سے یہ تمام
کائنات دیدہ و نادیدہ اپنے اپنے رنگ میں جامۂ ہستی زیب تن کیے ہوئے ہے
جب یہ شرط مفقود ہو جاتی ہے تو نظام ہستی میں بھی فتور آجاتا ہے اور اس
حالت میں صرف وہی ہستی اس کائنات میں قائم اور ثابت رہتی ہے جو اصول
تنازع للبقاء رہنے کے قابل ہے یا رہ سکتی ہے۔

کھلے یا موٹے الفاظ میں اس عمل یا اس خاصہ کا نام کشش یا جذبہ رکھنا
زیادہ تر موزوں ہے اور یہی نام کسی رنگ میں بھی رکھا جاسکتا ہے ہم تھوڑے
سے غور کے بعد یہ بات یقینی رنگ میں کہہ سکتے ہیں کہ فیضان قدرت سے ہر ہستی
میں ایک مواد کشش یا جذبہ کا رکھا گیا ہے ہر ہستی اور ہر شے اس کشش اور اس
جذب کی وجہ سے اپنی ہستی کو محض قائم ہی نہیں رکھتی بلکہ مقابلتاً قائم رہنے کی
کوشش بھی کرتی ہے گو اس تگ و دو میں بعض وقت اُسکی اپنی ہستی بھی معرض
زوال میں جا پڑتی ہے اور بعض اوقات ایسی کشمکش کی بھی نوبت آجاتی ہے
کہ خود ایک ہستی بھی جامۂ ہستی میں رہنے سے بیزار ہو جاتی ہے اور چاہتی ہے
کہ اُسکا رشتۂ ہستی ٹوٹ جائے اور وہ اس عدم میں جا رہے جہاں اُسکی ہستی کا
ذکر بھی نہ ہو۔

کسی شخصیت کو کسی ایک شے یا کسی ایک ہستی میں جسطرح کشش اور جذب ہوتا ہے
اسی طرح خاندانوں۔ کنبوں اور قوموں کی بھی ایک کشش یا ایک جذب ہوتا ہے
جسطرح ایک شخصیت ایک ہستی دوسری شخصیت دوسری ہستی کے مقابلہ میں
اپنی ذات کی حفاظت کرتی اور قائم و ثابت رہنا چاہتی ہے اسی طرح ایک کنبہ

ایک خاندان ایک قوم بھی اسی کشمکش میں رہتی ہے یا ہر ایک کنبہ خاندان اور قوم کو اسی کشمکش میں رہنا چاہیے۔

جس طرح شخصیتیں۔ خاندان اور کنبے ہمیشہ اس فکر اور تردد میں رہتے ہیں کہ انفرادی رنگ میں اُن کی شخصیت۔ اُنکا خاندان اور اُنکا کنبہ مقابلتاً اپنی ہستی قائم رکھ سکے اسیطرح اجتماعی رنگ میں قومیں بھی اس کشمکش میں رہتی ہیں جو لوگ شخصیتوں۔ خاندانوں اور کنبوں کے رجحاناتِ ہستی پر غور کرنے کے عادی ہیں وہ اجتماعی رجحانات یا اقوامی رجحانات کا پتہ بھی بخوبی لگا سکتے ہیں کیونکہ دونوں صورتیں ایک ہی اصول اور ایک ہی شرط کے ماتحت کام کرتی ہیں اگر ایک شخصیت دوسری شخصیت پر غالب آکر اپنی شخصیت کو فائق اور ممتاز بنا سکتی ہے یا مقابلتاً قائم اور ثابت رہ سکتی ہے تو ایک قوم کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ دوسری قوم کے مقابلہ میں خود کو ایک ممتاز درجہ پر رکھنے کی کوشش میں رہے۔

اخلاقی رنگ میں یہ کہنا کہ یہ عمل اخلاق کے خلاف ہے یا انصاف اس کا متقاضی نہیں ہے اُس ضابطہ اور اُس قانون سے بے خبری کا ثبوت دیتا ہے جو نظام اقوام میں ہی نہیں بلکہ نظام کائنات میں بھی ساری اور شمول ہے

جب ایک شخصیت یا ایک قوم کسی دوسری شخصیت یا دوسری قوم کے مقابلہ میں ساعی ہوتی ہے تو اُسکا ہمیشہ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ دوسری شخصیت یا دوسری قوم صفحۂ ہستی سے محو کر دی جائے بلکہ یہ کہ وہ اس کشمکش میں خود کو قائم رکھ سکے وہ ہی دوسری شخصیت یا قوم کو اُس کوشش سے منع نہیں کرتی جسکی وہ خود مشتاق اور رہین ہے البتہ اپنے وسائل کے تابع بنائے امور اور اُن ذرائع پر بخوش اسلوبی اور بغیر کسی مانع کے قابض اور دخیل رہنا چاہتی ہے جو اسکے ارد گرد ایک ہستی یا نظام ہستی کے قائم رکھنے کے واسطے موجود یا منصہ پائے جاتے ہیں قدرت کی

جانب سے بہت کچھ ہمیں مفت بھی دیا گیا ہے اگر ہم اُسکی قیمت لگائیں یا قیمت پر اُنکا فیصلہ ہو تو شاید کوئی ہستی بھی اس کائنات زندگی میں ثابت اور قائم نہ رہ سکے جن بعض عناصر پر انسان کی زندگی کا بہت کچھ مدار ہے اور جنکے بغیر کوئی زندگی بھی اس کامیابی سے اس دارالحیات میں رہ نہیں سکتی اگرچہ وہ اسوقت ہمیں محض ارزاں ہی نہیں بلکہ مفت سے بھی زیادہ تر سہل معلوم دیتے ہیں اُنکا نرخ یا گرانی اُس وقت معلوم ہو سکتی ہے جب کبھی اُن کا ایک ادنیٰ جزو بھی ہمیں تلاش کرنے پر۔ تلاش کرنے پر ہی نہیں بلکہ ایک گراں بہا معاوضہ دینے پر بھی میسر نہیں آتا۔ اگر ایک پیاسے کو پانی نہ ملے اور اسکے ارد گرد وہ مل بھی نہ سکے تو اُس حالت میں اُسکی ضرورت اور اُس قطرہ کی قیمت اور گراں بہائی کا وزن ہو سکتا ہے اور ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ایک قطرہ پانی کی قیمت بھی کیا کچھ ہو سکتی ہے دوسرے الفاظ میں یہ کہنا پڑے گا کہ

انسان کی زندگی ایک قطرہ پانی پر موقوف ہے یا انسان کی زندگی ایک قطرۂ آب کی رہین ہے۔ اگر ایک وقت پانی میسر نہیں آسکتا تو انسان کی زندگی بہت کچھ زوال پذیر ہو سکتی ہے۔ اور انسان یہ معلوم کر سکتا ہے کہ ان مفت چیزوں کی قیمت بھی کس قدر گراں ہے۔ قدرت کی جانب سے جو چیزیں جو عناصر اور جو مواد ہمیں مفت دیا گیا ہے اُسپر اگرچہ بعض وقت بعض ہستیاں قبضہ کرنے کا حق حاصل کرتی ہیں اور مختلف انسانی دلائل سے اُن پر اپنا حق جتاتی ہیں لیکن دراصل جو کچھ ہمیں مفت دیا گیا ہے وہ کسی ایک کا حق نہیں ہے سب کائنات کا اُسمیں حصہ بخرہ ہے۔

اگر کوئی ہستی یہ دعوے کرتی ہے تو وہ ایک مغالطہ میں گرفتار ہے اور وہ اپنے حق کو حقوق عامہ پر فوقیت دیتی ہے اور یہ چاہتی ہے کہ قدرت کی جانب سے

صرف اُسی کے نام پر تمام عناصر کی رجسٹری کردی جائے اور کوئی دوسری ہستی اُس میں شرکت نہ رکھے ہم کسی دوسری ہستی کو اس خوان یغما سے بند نہیں کر سکتے لیکن ہیں قدرت نے یہ بھی سکھایا پڑھایا ہے کہ جہانتک ہو سکے جلب منافع اور سلب مفاد میں جائز طریق سے کوشش کی جاے اپنا حق لیا جائے دوسرے کے حق میں دست اندازی نہ کی جاے اس عمل اور اس طریق کا نام ہستی کی کشمکش ہے اور اسی کو علمی رنگ میں تنازع للبقاء کہتے ہیں -

ہر نوع کو اس کائنات میں ایک وسیع فیلڈ دیا گیا ہے اور یہ ہدایت کی گئی ہے کہ افراد نوع اُس احاطہ میں اپنی اپنی بساط کے موافق بود و باش رکھیں وہ آسایش اور وہ مفاد حاصل کرنے کی کوشش کریں جو اُن کو اس کائنات میں مل سکتا ہے اور جسکے وہ مستحق ہیں یا خود کو مستحق جانتے ہیں یہ جدا بات ہے کہ اس کشمکش اور اس تگ و دو سے کوئی قوم یا کوئی دوسری شخصیت جلب منافع اور سلب مفاد سے رہ جائے مثلاً ایک دہانۂ آب پر لوگ پانی لینے جاتے ہیں ہر شخص اس کوشش میں رہتا ہے کہ اُسے اپنی ہستی کے مطابق پانی سے حصہ ملے اگر اس کشمکش میں کوئی محروم رہ جائے تو یہ کسی دوسری ہستی کا گناہ نہیں ہوگا یہ کامیابی اور یہ مایوسی اُس ضابطہ کوشش اور اُس طریق عمل کے ماتحت ہے جو ہر ہستی کا معمول ہے اگر ایک منڈی میں ایک خریدار صبح ہی صبح پہنچکر تازہ اور عمدہ پھل خرید لاتا ہے اور دوسرا شام کو آتا ہے تو یہ قصور پہلے خریدار کا نہیں ہے وقت کسی کے ساتھ بے وفا نہیں ہے وقت کی قیمت ہمیشہ وقت پر ہی پڑتی ہے وقت کو کوئی دھوکا نہیں دیسکتا ہے البتہ وقت اکثر اوقات دھوکا دے جاتا ہے -

غافل ز فکر خویش دلا یکنفس مباش　　　چوں فکر روزگار ندانستۂ کہ چیست

(باقی آئندہ)　　　سلطان احمد

آئینۂ ہستی

پہلا رخ

(جسمیں یہ دکھلایا گیا ہے کہ موت لازمی ہے اور اس سے بچنا محال)

لا جلد بھر کے جام مئے ناب ساقیا   مُردوں کو جو جلائے وہ دے آب ساقیا
دل کو نہیں ہے صبر کی اب تاب ساقیا   جاگ اُٹھوں جلد دور ہو یہ خواب ساقیا
دنیا کا رنگ دیکھ کے دل اپنا سرد ہے
آنسو بھرے ہیں آنکھوں میں پہلو میں درد ہے
یوسف لقا حسینوں کی چاہت فضول ہے   ان ظالموں سے مہر و محبت فضول ہے
دنیا میں جاہ و مال کی الفت فضول ہے   عز و وقار دولت و ثروت فضول ہے
کیا اعتبار دہر کا ناپائدار ہے
پیغام موت گردشِ لیل و نہار ہے
دن بھر ترقیوں پہ ہے کیا رونق جہاں   کس شان سے ہے مہر جہانتاب ضوفشاں
نور و ضیا سے طور کا ہر بام پر گماں   ملتا نہیں اندھیرے کا ڈھونڈے سے بھی نشاں
لیکن لفافہ کھل گیا جب شام ہو گئی
لیلائے صبح شب کو سیہ فام ہو گئی
وہ بزم جسمیں عیش و مسرت کا ہے سماں   ہر سمت جسمیں نور کی روشن ہیں بتیاں
غنچہ ہے گلعذاروں کا ہیں جمع مہوشاں   محفل پہ صاف بزم سلیماں کا ہے گماں
دیکھو بوقت صبح تو ویران پاؤ گے

عشرت کدہ وہ سارا بیابان پاؤ گے

وہ باغ جس میں جوش پہ فصل بہار ہے　　ہر سو کھلے ہیں پھول چمن لالہ زار ہے
نسرین و نسترن پہ غضب کا نکھار ہے　　فرط خوشی سے محو ترنم ہزار ہے
کل دیکھنا فسردہ و پامال ہو گیا
جور خزاں سے باغ کا کیا حال ہو گیا

وہ گھر کہ جس میں آج ہے شادی کی دھوم دھام　　خوشیاں منائی جاتی ہیں با جاہ و احتشام
کل دیکھنا کہ گور و کفن کا ہے اہتمام　　ویران گھر پڑا ہے مکیں کا لحد مقام
نیرنگ جتنے دہر میں صبح و مسا کے ہیں
یہ سب نشان آمد پیک قضا کے ہیں

دنیا میں کوئی مثل سکندر ہوا تو کیا　　قاروں سے بڑھ کے کوئی تونگر ہوا تو کیا
جمشید سا کسی کا مقدر ہوا تو کیا　　جام جہاں نما جو میسر ہوا تو کیا
اک روز اس جہاں سے گزرنا ضرور ہے
پیدا ہوا ہے جو اسے مرنا ضرور ہے

افسوس مومنو تمہیں اپنی نہیں خبر　　ڈوبے ہوئے ہو عیش و مسرت میں سربسر
خوف اجل ہے دل میں نہ اللہ کا ہے ڈر　　ہرگز نہ چھوڑے گی تمہیں موت اپنے وقت پر
اولاد جاہ و مال نہ کچھ کام آئے گا
اپنا پرایا کوئی نہیں ساتھ جائے گا

ایسی بھی اک گھڑی کبھی آئے گی دیکھنا　　مخلوق تم سے آنکھ چرائے گی دیکھنا
بیماری ساتھ موت کو لائے گی دیکھنا　　جان عزیز بھی کبھی جائے گی دیکھنا
الٹا اثر دکھائے گا نسخہ طبیب کا
ٹلتا نہیں مٹائے سے لکھا نصیب کا

وہ ماہران رمز شریعت کدھر گئے — شمعِ مبینِ بزم حقیقت کدھر گئے
وہ واقفانِ راہِ طریقت کدھر گئے — تھی حق پسند جنکی طبیعت کدھر گئے

جو اپنے علم و فن میں عدیم المثال تھے
خاکِ لحد ہیں آج جو کل با کمال تھے

لقمان سا حکیم جہاں سے گذر گیا — سقراط سا فہیم و خردمند مر گیا
حکمت کا جام ناصر خسرو جو بھر گیا — حاتم بھی اپنا نام سخاوت میں کر گیا

عذرا رہی نہ وامق دیوانہ رہ گیا
شیریں و کوہ کن کا بس افسانہ رہ گیا

کھلتے ہیں پھول باغ میں مرجھانے کیلئے — لاتے کا دل ہے داغ الم کھانے کے لیے
سرسبز نونہال ہیں کمہلانے کے لیے — بادِ خزاں ہے بوے فنا لانے کے لیے

باغ جہاں میں نام کو رنگ بقا نہیں
جس گُل کو سونگھیے کہیں بوے وفا نہیں

سید محمد اسمعیل رسا ہمدانی گیاوی

رباعیات اکبر

گر جیب میں زر نہیں تو راحت بھی نہیں — بازو میں سکت نہیں تو عزت بھی نہیں
گر علم نہیں تو زور و زر ہے بیکار — مذہب جو نہیں تو آدمیت بھی نہیں

گذرا ہے مری نظر سے سب کا جلوہ — سب سے بہتر ہے روز و شب کا جلوہ
کہتا ہے عجم میں جم ہے موجود — کہہ دو کہ عرب میں دیکھو رب کا جلوہ

دم‌افشانی نے تری قطرہ کو دریا کر دیا — دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے — کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

"النظامیہ"

غالب اور آتش

غالباً اس بات کے بیان کرنے کی ضرورت تو بہت ہی کم ہے کہ قسام ازل کے ہاں سے مقبولیت کا بیش بہا جوہر ہر کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ اور جس کسی کو یہ بیش بہا خلعت پہنادیا گیا ہے اُس کا بجبر چھین لینا بھی کسی کے قبضۂ قدرت میں نہیں ہے مندرجۂ بالا تمہید کے ختم کرنے کے بعد ہم اُس مضمون پر ایک منصفانہ نظر ڈالتے ہیں جو جناب یاس صاحب جانشین آتش مغفور نے مرزا غالب اور آتش مرحوم کی ایک غزل کا موازنہ کر کے گلدستۂ خیال بابو ڈ میں ماہ نومبر کے نمبر میں شائع کرایا ہے۔ لکھنے کے لیے تو جناب یاس صاحب نے بھی یہی لکھا ہے کہ ہم منصفانہ پہلو کو مدنظر رکھینگے مگر جو دلائل آپ نے غالب کے اشعار کو پست ثابت کرنے کے لیے دیے ہیں وہ اُن لوگوں کے نزدیک جو غالب کے بجا طور پر طرفدار ہیں کچھ زیادہ وقیع نہیں ہیں۔ چونکہ آپ خود بھی جو کچھ لکھتے ہیں وہ حضرت آتش کے رنگ میں ڈوبا ہوا بتایا جاتا ہے۔ اس لیے ضرور ہے کہ اُن کی نظر میں دوسرا کوئی شاعر اسقدر وقیع نہوگا جیسے کہ حضرت آتش۔ مگر دنیائے شاعری جانتی ہے کہ غالب غالب ہیں اور آتش آتش۔ یوں تو کہنے کے لیے شاید کسی کو آتش صاحب مرحوم کی استادی میں بھی شک نہوگا۔ مگر غالب کے مقابلہ پر اُن کے اشعار لانا کسی سنجیدہ شاعر سے زیادہ قابلیت رکھنے والے کا کام ہے۔ اول تو دونوں کے رنگ تغزل میں زمین و آسمان کا فرق۔ غالب معانی آفرینی نازک خیالی کے دلدادہ۔ اردو کو یہ کہکر ٹالنے والے کہ گنجینۂ راز مجموعۂ اُردو کہ بیرنگ منست۔ آتش صاحب

صفائی زبان کے سوائے مضمون آفرینی سے بیزار - یا مجبور - پھر ان دونوں کا توازن طبع کیا - اور اگر موازنہ کیا بھی جائے تو وہی نتیجہ نکلے گا "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" - چنانچہ اسی بنا پر ہم غالب اور آتش کی اُسی غزل کا جو جناب یاس صاحب اپنے قلم انصاف رقم سے لکھ چکے ہیں موازنہ کرتے ہیں انصاف صرف ناظرین پر ہے ہم اپنے مضمون میں یاس صاحب کی وہ کمزوریاں بھی پبلک کو دکھائیں گے جو انھوں نے ایک مسلم الثبوت اُستاد پر چوٹیں کر کے ثابت کی ہیں - اول تو مرزا غالب کا زیادہ تر طبعی میلان فارسی گوئی کی طرف تھا - اور اُردو کی محاورہ بندی اور صفائی زبان کو ہیچ سمجھ کر انھوں نے ذوق کے جواب میں یہ کہہ دیا تھا کہ ع

انچہ اندر شعر فخر تست آن ننگ من ست

مگر کسی حکیم کا مقولہ ہے کہ ع ہر یکے را بہر کارے ساختند - ہر کارے و ہر مردے - چونکہ مرزا دنیا میں صرف اسی شاعری کے لیے خلق ہوئے تھے اسواسطے جب اُنھوں نے احباب کے سمجھانے بجھانے - یا ضرورت زمانہ کی وجہ سے خود ہی اردو کی طرف توجہ کی تو اُسمیں بھی وہ وہ رنگ برنگ کے خوشنما پھول کھلائے - جنکا جواب اُردو کی شاعری کے باغ میں مشکل سے ملتا ہے بلکہ نہیں ملتا - میر جیسے باکمال کا دیوان بھی بعض اوقات اُن کے جوابوں سے قریب قریب خالی نظر آتا ہے - اور اُستاد آتش جیسے تو خدا جانے کتنے شاعروں کے دیوانوں کو توان کا جواب دیکھنے کے لیے اُٹھانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی - یاس صاحب غالب کی مقبولیت کو بے معنی بتاتے ہیں اور ان کی تقلید کو صرف حسن عقیدت یا جہل مرکب خیال فرماتے ہیں مگر ہمیں آج دنیا میں ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی کہ دنیا نے کسی شخص میں بغیر کسی خاص کمال کے

پانے کے اُسے مانا۔ اور اُسکے قول وفعل کو معتبر سمجھا ہو۔ یاس صاحب مرزا کی زبان کو دیوزاد کی زبان کہیں اسکا بجز اسکے اور کوئی جواب نہیں ہو سکتا کہ وہ فارسی ملی ہوئی اُردو کے لطف سے نا آشنا ہیں ورنہ کم سے کم وہ غالب کے اشعار ریختہ میں فارسی کے لفظ دیکھکر بلا تکلف یہ نہ فرما دیتے جو کچھ جوش ناانصافی میں فرما گئے ہیں۔ غالب کی اُستادی اُسکی ہمہ دانی کا ثبوت دنیا میں اس سے زیادہ ملنا محال ہے کہ خود جناب یاس نے بھی مجبوری سے یہ کلمہ کہدیا ہے کہ میں اُنکے اچھے شعر کا عاشق ہوں اس سے اتنا تو ضرور پتا چلگیا کہ غالب کے ہاں اچھے شعر بھی ضرور ہیں رہے انکے قابل اعتراض شعر جن پر یاس صاحب معترض ہیں اُنہیں ہم لکھتے ہیں اور ان کی خوبیوں سے معترض صاحب کو آگاہ کرتے ہیں جاننے والے مشتے نمونہ از خروارے کے موافق سمجھ لیں گے کہ غالب کا وہ کلام جو بعض احباب کی سمجھ میں نہ آئے وہ بے معنی نہیں ہے بلکہ حقیقتاً اُنکی ہی سمجھ کا قصور ہے وھو ھذا

(۱) (آتش)

پامال کیجیے اُنہیں رفتار ناز کا
طاؤس و کبک رکھتے ہیں دعوی نیاز کا

صاف صاف شعر ہے مگر جناب یاس جو اسے مُلا صائب کے شعر کے مصداق پر تصوف کے حدود میں لیجاتے ہیں وہ سوائے الہام کے اور کیا کہا جائے۔ ہماری نظروں میں تو یہی پُرانی شاعروں کی شاعری ہے گل و بلبل کے افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی رہی یہ بات کہ عارفانہ نقطۂ خیال سے اگر اسکو دیکھا جائے تو بڑے پلہ کا شعر ہے" اسکا یہی جواب ہے ؎

کسانے کہ یزداں پرستی کنند   بر آواز دولاب مستی کنند

ع ہوا سے ہلتے نہیں ہیں یہ تنے درخت ہاتھوں کو مل رہے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ لہذا

اوقات دیکھا گیا ہے کہ اکثر اہل دل ذرا ذرا سی بات پر بے خود اور مدہوش ہو گئے ہیں۔ چنانچہ سنا ہے ایک مالن سوے اور چوکے کا ساگ بیچ رہی تھی کسی نے دریافت کیا کہ سویا کس نرخ سے دیا ہے اور چوکا کس نرخ سے اُس نے سیدھا سا جواب دیا کہ۔ سویا۔ سوچ کا۔ ایک عارف کامل سُن کر مدہوش و بیخود ہو گئے۔ اس نظر سے دیکھیں تو ہمیں کسی بڑے سے بڑے شاعر کے دیوان میں بھی کوئی ایسا شعر نہ ملیگا جو حقیقی اور مجازی پہلو نہ لیے ہو۔ پھر اگر آتش جیسے شاعر کے کلام میں ایسا ہے تو کیا کمال ہے۔ نہیں بلکہ یہ سب کچھ سُننے والے کے خیالات پر منحصر ہے ابتذال و اعزاز سے صرف سامع کے دل کا اندازہ ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔ رہی شاعری وہ رہی ہے جسمیں جو جھلک دکھائی گئی ہو وہ صاف نظر آئے چنانچہ مرزا غالب کا مطلع ملاحظہ ہو۔

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا (غالب)
یہاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

اسمیں تصوف کا جو رنگ ادا کیا ہے ممکن نہیں کہ شاعر کی اُسپر نظر نہ پہنچے۔ اور (نحن اقرب الیہ من حبل الورید) کا نقشہ آنکھوں کے سامنے نہ کھینچ جاسے۔ بخلاف آتش کے شعر کے کہ کوئی غیب دان اُڑاے تو عرش اعلےٰ تک اسکا مضمون پہنچ جاسے۔ ورنہ اگر خواہ مخواہ اُسکے اندر تصوف ٹھونسا جائے تو وہی المعنی فی بطن الشاعر کی مصداق بن کر رہ جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ غالب کے اس مطلع کا غالب کی زبان سے بھی نکل جانا تعجب کی نظر سے دیکھنے کے قابل ہے۔

کیونکر وہ ناز نہیں کرے بے نیازیاں (آتش)
اندازسے بھی حوصلہ عالی ہے ناز کا

میرے خیال میں بے نیازی کو ناز کہنا غلط سے کم نہیں اور اس طریقہ سے اگر شعر کو

دیکھا جاے تو آتش صاحب دھوکہ کھا گئے ہیں۔ اسکے صرف یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ ھابذتیں عشاق کی خبر گیری وغیرہ سے بے نیاز ہے۔ اور یہی بے نیازی اُس کا ناز ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ بے نیازی کو ناز نہیں کہتے۔ اُسے تغافل یا استغنا کے سواے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ حالانکہ یاس صاحب نے اسکے معنی دوسرے لکھے ہیں۔ مگر جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ وہ بھی فرمارہے ہیں کہ۔ وہ بے نیاز ہے اُسے کوئی پروا نہیں۔ اور کہیں کہتے ہیں کہ وہ ہمہ تن ناز ہے۔ خیال کا یہ جوہر اُٹھا کر دیکھیے یاس صاحب نے اگرچہ اہل دلی کے سبب سے۔ اسے بھی تصوف کا خلعت پہنایا ہے۔ مگر ٹھوکریں خوب خوب کھائی ہیں۔ رہا یہ امر کہ وہ فرماتے ہیں اسمیں صفائی بیان و زبان ہے۔ میرے خیال میں یاس صاحب نے ان کے دوسرے ہمعصروں کے دیوان نہ دیکھے ہوں گے ورنہ اس معمولی شعر۔ یا مصرعہ کو ایسا نایاب نہ بتاتے

رنگ شگفتہ صبح بہار نظارہ ہے
یہ وقت ہے شگفتن گلہاے ناز کا (غالب)

یہ وہ شعر ہے جس پر یاس صاحب نے یہ راے قائم کی ہے کہ یہ شعر وہی شاعر کہہ نہیں سکتا۔ یہ وہ شعر ہے جس سے یاس صاحب جیسے عالی خیالوں کے دماغ کو تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے۔ مگر افسوس کہ سعدی علیہ الرحمہ کا مقولہ بھی اسکے ساتھ ہی ساتھ شاید اُن کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ۔ چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

اسمیں شک نہیں کہ مرزا غالب نے اسمیں استعارات اور تشبیہیں بدیع استعمال کی ہیں مگر سواے خاص خاص دماغوں کے ہر شخص اُنکو سمجھ سکتا ہے مرنا کے لیے ایسا ہی شعر باعث فخر ہے کیونکہ ان کی شاعری کا بہترین اور غالب رنگ یہی ہے

جسکے خود یاس صاحب بھی قایل ہیں - رہی یہ بات کہ یاس صاحب کے نزدیک اسکے اہمال کی دلیل یہ ہے کہ ہر کسی نے نئے نئے معنی پیدا کیے ہیں - ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ نے کون سے دس پانچ معانی دیکھے کیونکہ خود جناب یاس حسرت کی شرح کو جو انھوں نے شرح نہیں کی ہے بلکہ ایک ادنی مطابقت کی وجہ سے اسے دوسرے شعر کا مماثل ٹھہرایا ہے - غلط بتا چکے - رہی طبا طبائی صاحب کی شرح اسکی نسبت آپنے کوئی بُری راے قائم نہیں کی ہے - تیسرے بذات خود آپنے کوئی معنی نہیں بیان کیے - پھر کیونکر کہدیا کہ شعر مہمل ہے اور اسمیں اکثر معانی پیدا ہوتے ہیں - حضرت یاس نظر انصاف سے ملاحظہ فرمائیں گے تو انھیں نظم صاحب کی شرح میں بھی نقص نظر آئے گا - اگرچہ انھوں نے اپنی حد کے موافق اسکی شرح خوب کی ہے مگر پورا مفہوم نہیں سمجھا سکے ہیں اس سے لوگوں کی نارسائی ذہن کی شکایت ہوسکتی ہے نہ کہ غالب کی شاعری کی -

رہی یہ بات کہ یاس صاحب نے بھی فرمایا ہے اور خود نظم صاحب نے اپنی شرح میں اکثر جگہ لکھا ہے کہ جس میں چند معانی پیدا ہوں وہ شعر کچھ شعر نہیں ہے غالباً قرآن شریف کو ان دونوں صاحبوں نے ملاحظہ فرمایا ہوگا اور اگر پڑھے نہ ہونگے تو پڑھے لکھوں سے یہ ضرور سُنا ہوگا کہ اسکی مختلف تفاسیر ہیں اور ہر فرقہ اپنے اپنے خیال کو صحیح جانتا ہے - اور پھر بھی حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالے علما اور مفسرین کی جماعت سے فرمائے گا کہ میرے کلام کو اسکے سمجھنے کے موافق کسی نے نہیں سمجھا - اس سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ کلام غالب معاذ اللہ کلام اللہ کا مماثل اور مقابل ہے - بلکہ میرا المشار یہ ہے کہ چند معانی کی صورت میں ایک شعر میں نظر آنی حُسن شعر ہیں نہ کہ عیب - میں یہ بھی مانتا ہوں کہ اسمیں ایک مرجح پہلو کی ضرورت ہے مگر ساتھ ہی یہ کہ اگر اور محاسن پیدا ہوں تو

کچھ بُرائی نہیں ہے۔

درحقیقت غالبؔ نے اسمیں وہ نازک خیالی دکھائی ہے جو ان کے حریفوں کو حسد کی آگ سے جھلسنے والی ہے اسمیں مرزا نے ایک محاورہ کا مفہوم پیدا کیا ہے جو نہایت ہی لطیف ہے۔ اور صاحب فہم اسکو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ لفظاً معشوق نے میرا رنگ اُڑایا۔ وہ رنگ پریدہ مثل صبح بہار کے ہے۔ رنگ شکستہ اگرچہ صرف صبح سے تشبیہ پا سکتا ہے مگر صبح بہار سے اُسکو اسلیے مشابہ کیا ہے کہ گلہا ے ناز شگفتہ ہوں گے۔ صبح بہار میں پھولوں کا کھلنا۔ اور پھولوں کے کھلنے سے صبح بہار پیدا ہونا لازم وملزوم ہیں۔ اور اس جگہ مرجح پہلو پھولوں کے کھلنے سے صبح بہار کا پیدا ہونا ہے۔ نہ کہ برعکس اور اس وقت جو پھول کھلنے والے ہیں وہ ناز کے پھول ہیں۔ یعنی میرا رنگ اُڑتا دیکھکر اب تازہ گلِ ناز کھلیں گے۔ کبھی وہ مجھپر ستم کریگا کبھی اُسے اپنے حُسن پر ناز ہوگا۔ کبھی وہ ناز پر مغرور ہوگا۔ کہ میرے دیکھنے سے صبح پیدا ہوتی ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ ناز کرے گا اور گل نرگس شگفت کا مضمون یہ ہوگا کہ مجھکو کوئی دیوانہ خیال کرے گا۔ کوئی کچھ کوئی کچھ

اتنی معنوی خوبیوں کا اس ذرا سے شعر میں ادا کر دینا اعجاز شاعری نہ کہا جائے تو اور کیا ہو سکتا ہے یاس صاحب نے ساری باتوں سے چشم پوشی کر کے صرف مشکل استعارات پر نظر ڈالی۔ اور ایک معمولی درجہ سے بھی گرا ہوا شعر اسکے مقابلہ میں لکھکر غالب کو شاعری کے درجہ سے بھی گرا دیا یہ اگر اُن کی ناانصافی نہیں تو اور کیا ہے۔ زمانہ جانتا ہے کہ غالبؔ کے یہاں صرف لفظوں کی شاعری ہے کم سے کم اگر اُنکا لفظ نکال کر بجاے اُسکے ویسا ہی لفظ نہ رکھدیں جو خود غالب ہی رکھ سکتے ہیں تو اُنکے شعر میں وہ بات نہ رہے گی جو غالبؔ کے لیے شایاں ہے کہاں آتش کا شعر۔ اور کہاں یہ سحر معانی۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

غالب کے شعر میں ایک اور بھی نازک معنی پیدا ہوتے ہیں وہ یہ کہ بہار نظارہ کے اثر سے میرا رنگ فق ہو کر مثل صبح کے ہو گیا۔ لہذا گلہائے نازک کے کھلنے کا یہ موقع ہے۔ یعنے اب تو جسقدر ناز کرے بجا ہے کہ تیرے اندر یہ صفت موجود ہے

آتش

عمر خضر سے اُسکی زیادہ ہو زندگی
دھووَن پیے جو یار کی زلف دراز کا

اوّل تو اس شعر میں خضرؔ کی ض متحرک ہے یہ بڑی حد تک غلط ہے دوسرے اگر کہیں نہ کہیں سے تلاش کرکے دکھا یا بھی جائے کہ خضرؔ متحرک صحیح ہے تو اس شعر میں سوائے اسکے اور خوبی نظر نہیں آتی کہ چونکہ اُس کی زلف دراز ہے اس لیے اُسکے دھووَن کا بھی یہ اثر ہے کہ آدمی کی عمر زیادہ ہو جائے باقی نہ اسمیں تصوف ہے نہ تلمیح ہے نہ ایہام ہے۔ یاسؔ صاحب نے بلا وجہ اسے ایک رسم کی طرف منسوب کر دیا ہے حالانکہ اس میں اشارۃً بھی کہیں اُسکا ذکر نہیں رہا دھووَن کا لفظ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب یاسؔ کی آنکھ میں بھی کانٹا بن کر کھٹکا ہے مگر چونکہ خوش عقیدگی کا حلقہ زیب گلو تھا اسلیے اُسکو بھی عمدہ اور بے مثل کہتے بنی ہے اور سوا سے اپنے ایک زمانہ کو مردہ دل قرار دیا ہے۔ اور اسے بھی زبان و مضمون کا بہترین نمونہ قرار دیا ہے اور اسکے مقابلہ میں غالبؔ کے شعر کو بے حقیقت ٹھہرایا ہے۔ مگر انصاف ناظرین پر ہے۔

غالب

تو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز
میں اور دکھ تری مژہ ہائے دراز کا

ہائے نا انصافی ایسے شعر کو جسمیں کمال عشق اور جوش رقابت ناز و انداز حسرت و ارمان کی تصویریں کھینچدی گئی ہیں اُسے تیرا ہی کام تھا کہ بے معنی اور معمولی کہلا کر چھوڑ ا

آتش

ظاہر ہے گرم جوشیِ پروانہ کا اثر
روشن ہے حال شمع کے سوز و گداز کا

شعر کے اچھے ہونے میں کلام نہیں۔ مگر یہ مضمون اتنا پامال ہے کہ ہر شاعر کے دیوان میں دس بیس شعر ایسے ہی مضامین کے ضرور مل جائیں گے۔

غالب

صرفہ ہے ضبط آہ میں میرا وگرنہ میں
طعمہ ہوں ایک ہی نفس جانگداز کا

عموماً شعرا آج تک یہی مضمون لکھتے آئے ہیں کہ آہ کے ضبط کرنے سے دل پھک گیا اور چپکے چپکے جل گیا۔ یہ ہوا اور وہ ہوا مگر مرزا نے مضمون کو علی الرغم ادا کیا ہے کہ ضبط آہ سے میرا فائدہ ہے اگر ایسا نہ ہو تو ایک ہی نفس میں کام تمام ہو جائے کیونکہ سوز عشق سے میرا ہر نفس جانگداز ہے۔ صرفہ فائدہ کے معنی میں مرزا نے دوسری جگہ بھی استعمال کیا ہے ؎

بے صرفہ ہی گذرتی ہے ہو گرچہ عمر خضر — حضرت بھی کل کہینگے کہ ہم کیا کیا کیے

غالب

ہیں بسکہ جوش بادہ سے شیشے اچھل رہے
ہر گوشۂ بساط ہے سر شیشہ باز کا

حسرت صاحب نے اس شعر کی خوب شرح لکھی ہے۔ فی الواقع شیشہ بازی ایک فن ہے جو اب تک بھی رائج ہے عموماً نٹ بھی ایک اسی قسم کا تماشا کرتے ہیں کہ سر پہ پانی کا کوئی برتن بھر کر رکھ لیتے ہیں۔ اور بانس وغیرہ پر چڑھ کر اچھلتے کودتے ہیں رقاصی کا بھی ایک فن ہے جو اب تک مشہور کتھک کرتے ہیں۔ اس شعر میں سوائے تعقید کے جو مرزا کے لیے باعث ننگ نہیں اور کوئی نقص نہیں ہے۔ اسمیں ایک خاص سین دکھایا گیا ہے۔

غالب — کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز + ناخن پہ قرض اس گرہ نیم باز کا

معنی صاف ہیں حسرت اور نظم صاحب دونوں کی شرح صحیح ہے۔ مگر یاس صاحب کا اعتراض غلط ہے دل کو گرہ نیم باز سے تشبیہ دینا اور پھر اسکا ناخن پر تقاضا کرنا۔ نہایت لطیف مضمون ہے اگر یہاں ناخن غم ہوتا تو شعر تو بے معنی ضرور ہو جاتا۔ یاس صاحب نے یہ خیال نہ فرمایا کہ اگر گرہ نیم باز کا تقاضا ناخن غم پر ہوتا تو بے فائدہ تھا کیونکہ ناخن غم اگر اسے کھولتا تو کھل نہ سکتا تھا۔ وہ تو خود گرفتگی کی وجہ سے گرہ ہوا ہے پھر گرفتگی میں اور بھی گرفتگی پیدا ہوتی تو نیم باز بھی نہ رہتا بلکہ اس جگہ لفظ ناخن ہی بہت مناسب ہے جس سے یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ غموں کی گرفتگی کی وجہ سے میرا دل گرہ ہو گیا۔ اب میں اُسے ایک مدت سے اپنے ناخن سے کھولنا چاہتا ہوں مگر ایسی گرہ ہے کہ ابتک وہ نیم باز ہے مگر دل برابر ایست تقاضا ناخن پر کر رہا ہے کہ اسے بالکل کھولدے۔ جب ناخن کی کاوش سے دل کی گرہ باز ہو جائے گی یعنی پورا پورا زخم ہو جائے گا تب مجھے چین آئے گا اسی مضمون کو ایک جگہ اور پہلو کے ساتھ ادا کر گئے ہیں دیکھیے۔

غالب

شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذت فراق
تکلیف پردہ داری زخم جگر گئی

علےٰ ہذا جب دل بالکل کھل جائے گا۔ یعنی وہ گرہ کی صورت نہ رہے گا تو دل مٹ جائے گا۔ اور دل کے مٹتے ہی تمام غم مٹ جائیں گے۔

اس شعر کی بُرائی میں یاس صاحب نے غالب کو بُرا کہنے میں کسر نہیں اُٹھا رکھی ہے اور باتوں کے سوائے ایک جگہ یہ بھی المقام فرمایا ہے کہ جب غالب لکھنؤ آئے تو یہاں کے لوگوں نے خوب خوب مذاق اُڑایا۔ معاذ اللہ غالب کے اس شعر کی شرح فرماتے ہوئے ؎

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کُھلتا یعنی ہوسِ سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو

نظم صاحب فرماتے ہیں کہ غالب خدا جانے کب لکھنؤ آئے اُن کا آنا کسی کو معلوم نہیں ہوا۔ اور یہ بڑا تعجب ہے۔ خدا جانے یاس صاحب نے کس تاریخ سے یہ قصہ اخذ کیا ہے اچھا ہوتا اگر حوالہ دیدیتے۔ میرے خیال میں نظم صاحب کو یاس صاحب سے کسی طرح کم معلومات نہیں ہے اگر کچھ قصہ ہوتا تو وہ مہذبانہ الفاظ میں اُسکا اشارہ ضرور کر دیتے۔ غالب صاحب کا لکھنؤ آنا تو اُن کے شعر سے ضرور ثابت ہے مگر کسی سے ملنا ثابت نہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر وہ لکھنؤ آتے تو ناسخ وغیرہ وغیرہ اُن کے اکثر احباب موجود تھے شاید وہ اگر غالب بے معنی اشعار بھی سُناتے تو ایسی ہجو نہ کرتے۔ کیونکہ وہ زمانہ تو اور تھا محبت اور صداقت دلوں میں بھری ہوئی تھی آج بھی کسی مشہور شاعر کے بے معنی کلام کو سنکر واہ واہ کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاتا۔ تیسرے یہ کہ غالب خود وضعدار آدمی تھے وہ ایسے مسخرے جلسوں میں اپنے شعر کیونکر سنا سکتے تھے۔ آزاد مرحوم نے آبحیات میں اُنکی وضعداری کی دو ایک مثالیں لکھی ہیں اُردوے معلّٰی میں اُن کی وضعداری کا رقعات سے پتہ چلتا ہے جو اُنکی وضع کی پابندی کا اُنکی شاعری سے اندازہ ہوتا ہے ایک جگہ فرماتے ہیں

سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسشِ حال
کہ یوں کہے کہ سرِ رہگذر ہے کیا کہیے

اس سے اُنکے حالات کا اندازہ ہوتا ہے کہ شرفاے دہلی کے چلن کے موافق اُن کے نزدیک بھی بازار میں باتیں کرنا بُرا اور معیوب تھا۔ خدا جانے یاس صاحب نے کہاں سے یہ اتہام لگایا ہے۔ بالفرض اگر یہ صحیح بھی ہے تو کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے کیونکہ لکھنؤ اور دہلی میں ہمیشہ سے شاعرانہ نفاق ہے غالب کو

تنہا پاکر اگر ایسا کیا گیا ہو تو کیا بعید ہے۔

تاراج کاوشِ غمِ ہجراں ہوا اسد
سینہ کہ تھا دفینہ گہر ہائے راز کا
غالب

اس پر کچھ لکھنا بے سود ہے خود حضرت یاس اسکے مداح ہیں۔

میں آتش کے اُن اشعار کا نقل کرنا فضول سمجھکر چھوڑتا ہوں جو یاس صاحب نے لکھے ہیں۔ کیونکہ مجھے آتش صاحب سے دشمنی نہیں کہ خواہ مخواہ انکے اشعار کا خاکہ اڑاؤں۔ میں انھیں شاعر جانتا ہوں مگر حافظ اور سعدی اور خسرو اور غالب کا مقابل نہیں گردانتا۔ پہلے شاعری کا جیسا دور تھا اُسمیں آتش بھی اچھے کہنے والوں میں تھے اب یاس صاحب جو کچھ چاہیں ٹھہرائیں۔ میں نے غالب کے شعروں کی حقیقت اپنی بساط کے موافق ضرور دکھا دی ہے اس پر غالب کے تمام دیوان کو قیاس فرمالیجیے۔

البتہ میرا یہ جی چاہتا ہے کہ غالب کے چند اشعار کا آتش سے مقابلہ کروں اور اُن کے مضامین کا موازنہ کروں اور یہ فرق دکھاؤں کہ جہاں دونوں اُستادوں نے کسی ایک مضمون کو ادا کیا ہے اُسمیں کیا فرق ہے۔ جیسے کسی آیندہ اشاعت میں ہدیۂ ناظرین کروں گا۔

محمد ابراہیم منور دہلوی

بیگم

افسوس ہے کہ اسوقت تک رسالۂ بیگم کے خریداروں کی کافی درخواستیں نہیں آئیں۔ اسلیے میں اسکو اس ماہ سے شائع کرنے سے قاصر رہی جسوقت خریداروں کی کافی تعداد ہو جائیگی اُس وقت رسالہ شائع کیا جاے گا۔

ح۔ ج۔ قاری بیگم

عباسی خلفاء کا علمی شغف

اسلامی سلطنتوں میں مختلف علوم و فنون کی اشاعت کے لحاظ سے عباسی اور اموی دو سلطنتیں نہایت ممتاز شمار کی جاتی ہیں، لیکن عباسی سلطنت کا ابتدائی زمانہ اس حیثیت سے اور بھی ممتاز تھا کہ حکومت کی عنان ایسے سلاطین کے ہاتھ رہی جو خود صاحب فضل و کمال ہونے کے علاوہ نہایت علم دوست، علوم کے بہت زیادہ مروج، ارباب تالیف و تصنیف کے بیحد قدردان اور کاملین فن کے دل سے طلبگار رہتے اُن کے ان اوصاف نے ہر قوم و ملت کے اہل کمال کا نہایت جوش سے خیر مقدم لوا کیا، اور ملک کے چاروں طرف سے مشاہیر علماء و فضلا اور بڑے بڑے ماہرین فن کو سمیٹ کر دار السلطنت بغداد میں جمع کر دیا، جسکی بدولت بغداد تمام علوم و معارف کا مرکز بن گیا اور وہیں یونان و فارس اور روم و ہندوستان کے مردہ علوم میں از سر نو روح پھونکی گئی اور نقلی علوم کے ساتھ ساتھ عقلی علوم نے دوبارہ نشو و نما پائی۔

ان خلفاء کا علمی شغف اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ وہ رنج و مصیبت کے وقتوں میں بھی علمی تذکروں سے ہی اپنی طبیعتیں بہلایا کرتے تھے، منصور کی بابت یہ واقعہ مذکور ہے کہ جب اسکے لخت جگر جعفر کا انتقال ہوا اور وہ اسکی تجہیز و تکفین سے فراغت پا کر اپنے قصر شاہی میں داخل ہوا اسوقت اس نے اپنے وزیر ربیع کو حکم دیا "جاؤ ہمارے خاندان میں کوئی ایسا شخص ہو تو بلا لاؤ جو کچھ اشعار سنا کر میرے غمزدہ دل کو تسکین دے" ربیع نے بنی ہاشم میں ہر جگہ تلاش کیا مگر اسوقت کوئی بھی ایسا نہیں ملا جو اپنے شعر و سخن سے بادشاہ کا غم غلط

کرسکے اسوقت منصور نے نہایت افسوس کے ساتھ کہا "خدا کی قسم اپنے بیٹے کی وفات کے رنج سے یہ رنج بہت بڑا ہے کہ ہمارے خاندان میں ایسا شخص نہ ہو جو فن ادب سے دلچسپی نہ لینے کے سبب کچھ بھی اشعار محفوظ نہ رکھتا ہو"

خلفاء عباسیہ کی علم دوستی نے عام لوگوں کے دلوں میں بھی عجیب و غریب علمی تحریک پیدا کردی تھی گوشہ گوشہ سے علمی تذکروں کی گونج سنائی دیتی قدم قدم پر علمی مذاکرہ کے لیے مجلسیں قائم ہوا کرتیں، خاص شاہی دربار میں شعرا، فلسفی، مناظر، متکلم غرض سبھی قسم کے اصحاب علم و فن حاضر ہوا کرتے مشاعرے اور مذاکرے کی مجلسیں منعقد ہوتیں جن میں ہر شخص اپنی اپنی قابلیت کے جوہر دکھلاتا اور داد سخن کے علاوہ گرانقدر انعام اور صلوں سے اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی"

ایک دفعہ شاہی دربار سجا ہوا تھا بڑے بڑے شعرا وہاں حاضر تھے ہارون رشید نے اُن سے کہا جو شخص فی البدیہ اس مصرع پر مصرعہ لگائے وہ جو مانگے دیا جائیگا مصرعہ یہ تھا: "اَلْمُلْکُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ" جماز نے فوراً دوسرا مصرعہ اور ایک شعر اور پڑھکر سنایا۔

اَلْمُلْکُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ　　وَلِلْخَلِیْفَةِ بَعْدَهٗ

وَلِلْمُحِبِّ اِذَا مَا　　حَبِیْبُهٗ بَاتَ عِنْدَهٗ

یعنے ملک خدا کا ہے اور اُسکے بعد خلیفہ کا اور پھر اس عاشق کا جسکے پہلو میں اُسکا محبوب شب گذارے، ہارون رشید فی البدیہ یہ جواب سُن کر بہت خوش ہوا اور حوصلہ افزائی کے لیے صلے میں دس ہزار درہم اُسکو دیے،

ایک مرتبہ ہارون رشید نے حاضرین دربار سے پوچھا کہ "کیا تم میں سے کسی کو اسکا پہلا مصرعہ یاد ہے، ومن یسال الصعلوک این مذاهب اوم

کس کا شعر ہے" لیکن کسی کو پہلا مصرعہ معلوم نہیں تھا سب چپ رہے، اصمعی ان دنوں سخت بیمار تھا اس لیے دربار میں نہ آسکا بادشاہ نے اسحٰق موصلی کو جواب دریافت کرنے کے لیے ایک ہزار دینار دے کر اسکے پاس روانہ کیا اصمعی نے جواب میں لکھ بھیجا کہ یہ شعر نشناس نہشلی کا ہے اور پہلا مصرع یہ ہے"

وسائلۃ بالغیب عنی وسائل
ومن یسال الصعلوک این مذاہب

رشید نے فضل کو ایک انگوٹھی جسکی قیمت ۱۶۰۰ دینار تھی اس صلے میں عطا کی کہ اس نے کسی عرب کے نہایت بہتر شعر کو جو بھیڑیے کے متعلق تھا پڑھکر سنایا ان واقعات سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ صرف ایک ایک بیت اور مصرعہ کے عوض شعرا کی کسقدر حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔"

خلفاء عباسیہ کی علم دوستی کی حد تو یہاں تک پہنچی کہ ایک خلیفہ نے شہنشاہ مشرق سے محض اس غرض سے اعلان جنگ کیا کہ وہ ایک مشہور مہندس کو بغداد میں درس دینے کے لیے بھیجنے پر مجبور ہو جائے،

لیکن ان سب خلفاء میں مامون کا نام علمی دنیا میں بہت زیادہ روشن ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس نے علم کی خدمت جسقدر انجام دی ہے تمام متمدن قومیں اسکے علمی احسانات کی زیر بار ہیں اگر اسکی سخت سے سخت کد و کاوش اور بے انتہا کوششوں کی بدولت یونان اور روما کے مقفل خزانوں کی کتابیں حاصل کر کے ترجمہ نہ کرائی جاتیں تو آج ان علوم و معارف کا صفحۂ ہستی پر پتہ نہیں لگتا۔ مامون کے علمی ذوق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی آستینوں پر اقلیدس کے مقالہ اولیٰ کی شکل پنجم کا طغرا بنا ہوا تھا کیونکہ یہ شکل اُسکو نہایت مرغوب تھی اسیوجہ سے عربی میں پانچویں شکل کو شکل مامون کہتے ہیں

مامون نے شاہ یونان کو خط لکھا کہ حکیم لیو کو اجازت دی جاے کہ مجھکو یہاں اگر فلسفہ پڑھا جائے جسکے عوض میں صلح دائمی کا وعدہ اور پانچ ٹن سونا دینا منظور کرتا ہوں۔

یہ واقعہ مامون کی نہایت علم دوستی اور بلند حوصلگی کا پتہ دیتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آج بڑی سی بڑی متمدن اور علم دوست سلطنت نے بھی ایسی مثال نہیں پیش کی ہے کہ ایک ماہر فن کے طلب کرنے کے لیے دوسری سلطنت سے صلح دائمی کا وعدہ کیا ہو۔

ہندوستان کے ایک راجہ نے اپنی ریاست کے مشہور حکیم دوبان کو مامون کی خدمت میں بھیجا اور خط میں لکھا کہ جو ہدیہ آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں دنیا میں اس سے بڑھ کر مفید اور نادر اور معزز تحفہ نہیں ہو سکتا،

اسی اولوالعزم خلیفہ کی بابت مشہور ہے کہ وہ ہر کتاب کے ترجمہ کے عوض کتاب کے برابر تول کر سونا دیا کرتا تھا، اس کا قول تھا کہ "علما خدا کے ان خاص بندوں میں ہیں جنھیں اس نے انسان کے فہم و ادراک کو کامل کرنے کے لیے انتخاب کیا ہے یہ لوگ دنیا کی شعلیں اور رہبر نوع انسانی ہیں اگر یہ نہوں تو دنیا پھر اپنی اصلی وحشی حالت پر آجائے"

احمداللہ متعلم ندوہ

پرانے نمبر

بعض حضرات ہم سے پرانے نمبر طلب کرتے ہیں۔ ہمارے پاس پرانے نمبر نہیں ہیں اور اگر مل سکتے ہیں تو "تمدن" کے سابق دفتر دہلی سے مل سکتے ہیں۔

منیجر

حسد

مندرجہ ذیل مضمون لارڈ فرانسس بیکن کے قابل دماغ کا نتیجہ ہے۔ جو کہ میں ناظرین "تمدن" کے لیے اُردو میں ترجمہ کرکے پیش کرتا ہوں، لارڈ بیکن انگلستان کے اُن چند اہل قلم میں سے ہیں جنکے نام انگلیوں پر شمار کیے جاسکتے ہیں میں لارڈ بیکن کے چند پرلطف مضامین ہدیۂ ناظرین کرنے کے بعد اُنکے مختصر گر نصیحت خیز سوانح واقفیت عام کے لیے "تمدن" کی وساطت سے ملک میں پیش کرونگا۔ ع

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

نصیر

کوئی جذبہ انسان کو گرویدہ کرنے اور اُسپر جادو چلانے میں ایسا با اثر نہیں ہے جتنا کہ عشق اور حسد، ان دونوں میں زبردست خواہشیں بھی مضمر ہیں اسی وجہ سے یہ انسانی دماغ اور تخیلات میں نہایت سرعت کے ساتھ جگہ پیدا کرلیتے ہیں۔ اور اسی بنا پر یہ جذبات بہت جلد آنکھوں میں اپنا گھر کرلیتے ہیں، خصوصاً اس وقت جبکہ کوئی لطیف شے سامنے موجود ہوجاتی ہے اور اگر دنیا میں دل آویزی کوئی شے ہے تو یہ نکتے اس میں چار چاند لگا دیتے ہیں۔

انجیل میں حسد کو بُری آنکھ سے تعبیر کیا ہے، اور نجومی بھی ستاروں کی نحوست کو بُرے منظر سے تشبیہ دیتے ہیں، چنانچہ حسد کرنے کے وقت انسان کی آنکھ میں ایک قسم کی تڑپ اور چمک محسوس ہوتی ہے بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ حاسد کی آنکھ کی تڑپ اور چنچل پن اس وقت زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے جبکہ محسود شان اور شوکت، عزت اور جلال کے زیورسے آراستہ نظر آتا ہے، کیونکہ ایسا خوشنما منظر

تلوار حسد کے لیے سان کا حکم رکھتا ہے۔ ماسوا اسکے ایسے موقعوں پر محسود کی روح گویا پردۂ غیب سے باہر نکل پڑتی ہے، اور حسد سے اک جھڑپ سی ہو جاتی ہے۔

گو یہ حیرت خیز باتیں اپنے مقام پر خاص وقعت رکھتی ہیں، لیکن میں یہاں انکو نظر انداز کرکے اس مضمون پر روشنی ڈالوں گا کہ کس قسم کے اشخاص حاسد ہوتے ہیں، کس قسم کے اشخاص محسود ہوتے ہیں اور ملکی اور خانگی حسد میں کیا فرق ہے۔

جس شخص کی طبیعت اور طینت میں اتقا اور نیکیاں موجود نہیں وہ ہمیشہ دوسروں کے اتقا اور نیکیوں سے حسد کرتا ہے کیونکہ انسانی دماغ کی غذا یا تو اپنی بھلائی کی فکر ہے یا دوسروں کی برائیوں کی جستجو، اور جس شخص میں اول الذکر کی کمی ہے وہ آخرالذکر پر لوٹ پڑتا ہے اور جس کسی کو کہ دوسروں کی سی نیکی اور پرہیزگاری حاصل کرنے سے نا امیدی ہو جاتی ہے وہ اُن کی خوبیوں پر دھبہ لگا کر اُن کے برابر ہو جانے کی فکر میں ہمیشہ سرگرداں رہتا ہے۔

جس شخص میں تجسس اور تفحص کا مادہ زیادہ ہوتا ہے وہ عموماً حاسد ہوتا ہے، کیونکہ ہر شخص کے تمام خانگی معاملات کا جان لینا اک محض ناممکن امر ہے، خصوصاً اس وقت جبکہ خود اپنے کاموں کے جھمیلوں سے فرصت نہیں ملتی اس لیے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ دوسروں کی ثروت اور دولت کو دیکھکر اک ایسی لذت حاصل کرتا ہے جو کہ محض لہو و لعب سے پیدا ہو سکتی ہے لیکن جس کسی کو اپنے ہی کاموں سے سر اٹھانے کی مہلت نہیں وہ بھلا کسی سے حسد کیا خاک کرے گا، کیونکہ حسد اک آوارہ خواہش ہے جسکے پاؤں میں چکر ہے، اسلیے وہ گھر میں نچلی نہیں بیٹھ سکتی بلکہ سڑکوں اور گلیوں میں ماری ماری پھرتی ہے۔

رئیس زادے عموماً اُن نئے شخصوں سے حسد کرنے لگتے ہیں جو کہ ترقی کے زینوں پر چڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور یہ بھی انسان کی نظر کی ایک غلطی ہے کہ جبکہ وہ

دوسروں کو ترقی کرتا ہوا دیکھتا ہے اپنے تئیں گھٹتا ہوا محسوس کرتا ہے،

عیب دار اشخاص، بوڑھے، حرامزادے اور ہیجڑے عموماً حاسد ہوتے ہیں کیونکہ وہ شخص جو اپنے معاملات کی درستگی خود نہیں کرسکتا وہ دوسروں کی شہرت اور عزت ملیامیٹ کرنے میں سر سے پاؤں تک کوشش کرتا ہے۔ لیکن ہاں اگر یہ عیوب خوش قسمتی سے کسی نامور اور جیالے شخص میں موجود ہوں تو وہ بات جاتی رہتی ہے، کیونکہ وہ اپنے فطری نقص کو اپنی عزت اور مرتبت کا ایک عمدہ ذریعہ تصور کرتا ہے چنانچہ ایسی باتیں نہایت فخر کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں کہ فلاں لنگڑے نے دنیا میں ایسے ایسے کارنمایاں کیے کہ معجزہ وہی معلوم ہوتے ہیں اس دعوے کی تائید میں امیر تیمور لنگ کی مثال، نہایت تزک کے ساتھ پیش کی جا سکتی ہے

بعینہ یہی حالت اُن شخصوں کی ہے جو کہ آلام اور مصائب کی سختیاں جھیل کر ترقی حاصل کرتے ہیں، کیونکہ وہ کچھ زمانے کی نظروں سے گرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اس لیے وہ دوسروں کے نقصان کو اپنی مصیبتوں کا معاوضہ خیال کرتے ہیں۔

وہ لوگ جو کہ اپنی حماقت اور تلون طبعی سے بیک وقت بہت سے امور میں کمال حاصل کرنے کے آرزومند رہتے ہیں ہمیشہ حاسد ہوتے ہیں۔ گو اُن کو اپنے مقصد حاصل کرنے کے لیے کاموں کی کمی نہیں رہتی مگر تاہم بہت سے امور میں اور لوگ اُن سے بڑھ جاتے ہیں اور یہ اُنکے سمند ناز پر اک تازیانہ ہو جاتا ہے۔ یہی حالت شہنشاہ ایڈرین کی تھی۔ جو کہ شاعروں مصوروں اور معماروں سے پرلے درجہ کا حسد رکھتا تھا، جس کی بنیاد محض اس پر تھی کہ وہ اُن سے اُن فنون میں بازی لیجانا چاہتا تھا مگر نہ لے جا سکتا تھا۔

ہم رتبہ، عزیز، اور وہ جو کہ ساتھ ہی ساتھ پلے اور پڑھے ہیں دینے۔

مقابلوں کو اپنے سے بڑھتا ہوا دیکھکر اُن سے حسد کرنا شروع کر دیتے ہیں کیونکہ ایسی حالت میں خود اُن کی موجودہ ثروت اور عزت آپ اُنکھوں میں کھٹکتی ہے، اور گویا اُن کو ملامت کرتی نظر آتی ہے، اور یہ امر دوسروں کی نظروں میں صاف صاف دکھائی دیتا ہے، اس لیے آتش حسد شہرت اور گفتگو سے دوچند مضاعف ہو جاتی ہے۔ قابیل کا حسد، ہابیل کے لیے خوفناک اور ہلاک زیادہ تر اسوجہ سے ہوا کہ جس وقت اُن کی قربانی نے درگاہ خداوندی سے شرف قبولیت حاصل کیا، اس وقت اس منظر کا تماشائی کوئی دوسرا نہیں تھا۔ اس لیے حسد کی آگ بڑھتے بڑھتے خون کے درجہ پر پہنچ گئی۔

اب میں محسود کی جانب متوجہ ہوتا ہوں متقی اور ابرار جبکہ معرفت خدا کی معراج حاصل کر لیتے ہیں اسوقت اُن سے بہت ہی کم حسد کیا جاتا ہے کیونکہ معرفت خدا کا جامہ خاص انہیں کے جسم کے لیے تراشا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ماسوا اس کے کوئی شخص کسی کی ریاضت اور تکلیف سے حسد نہیں کرتا۔ نہ کسی کے قرض ادا کرنے سے۔ بلکہ اُسکے جاہ و جلال، انعام و اکرام۔ عنایت اور سخاوت کا حسد ہمیشہ مدمقابل سے وابستہ رہتا ہے۔ اور جہاں مقابلہ نہیں ہے حسد بھی مفقود ہے۔ اسوجہ سے بادشاہوں سے حسد سوا بادشاہوں کے دوسرا نہیں کرتا۔ یہ امر غور کرنے کے قابل ہے کہ نالائق اور نااہل جبکہ وہ ترقی حاصل کرنی شروع کرتا ہے اُسوقت زیادہ محسود ہوتا ہے، لیکن بعد کو یہ آگ کچھ بجھ سی جاتی ہے۔ برخلاف اسکے صاحب ثروت اور دولت اس وقت زیادہ محسود ہوتے ہیں جبکہ اُن کی دولت دیرپا اور مستقل نظر آتی ہے۔ کیونکہ اُسوقت تک گو اُنکی نیکیاں اور بخشش بدستور قائم رہتی ہیں مگر اسکی روشنی اور چمک کچھ ماند پڑ جاتی ہے۔ کیونکہ نئے اشخاص اُن سے زیادہ ترقی حاصل کر کے اُن کے روشن کارناموں پر تاریکی کا پردہ ڈال دیتے ہیں

شریف زادے اپنی ترقی کے معراج میں بہت کم محسود ہوتے ہیں کیونکہ یہ ترقی اُنکی خاندانی شرافت اور بزرگی کے لحاظ سے حق بحقدار رسید کی مصداق معلوم ہوتی ہے۔ اسوا اسکے اُن کی شہرت اور دولت میں کچھ نمایاں اضافہ دکھائی نہیں پڑتا۔ کیونکہ حسد کی شعاع اس آفتاب کے مانند ہے جسکی چمکتی ہوئی کرنیں سطحی مقاموں کے بہ نسبت ڈھلواں اور اونچی زمینوں پر زیادہ پڑتی ہیں، اس وجہ سے جو لوگ کہ بتدریج ترقی کے زینوں پر صعود کرتے ہیں وہ ان لوگوں سے کم محسود ہوتے ہیں جو کہ دفعتاً ترقی پا جاتے ہیں۔

وہ جن کی شہرت کے دامن سے صعوبات سفر آلام اور مصائب وابستہ ہیں بہت کم محسود ہوتے ہیں کیونکہ انسان خیال کرتا ہے کہ اُس نے یہ عزت و شہرت لوہے کے چنے چبا کر حاصل کی ہے۔ اور لوگ اکثر ایسوں پر رحم کھاتے ہیں اور رحم ہمیشہ حسد کے زخم کو مندمل کرتا ہے۔ یہ بات آئے دن دیکھنے میں آتی ہے کہ بڑے بڑے مدبر اور ملکی فدائی ہمیشہ اپنی زندگی کے کارناموں پر حسرت اور معیبت کے حاشیے چڑھاتے ہیں اور یہ اسی وجہ سے نہیں کہ وہ اسکو واقعی محسوس کرتے ہیں بلکہ محض حسد کے لپکتے ہوئے شعلے کو فرو کرنے کے لیے لیکن یہ خیال اُنھیں لوگوں کے لیے موزوں اور مناسب ہے جن کو یہ خدمت سلطنت کی جانب سے انجام دینے کے لیے ودیعت کی جاتی ہے نہ اُن لوگوں کے لیے جو کہ جان بوجھکر ملکی امورات کا جوا اپنے کندھوں پر لیتے ہیں۔ کوئی چیز حسد کی آگ کو زیادہ تیز نہیں کرتی، مگر بے ضرورت، خود غرضانہ اور نامناسب طور پر بہت سے کاموں کو اپنے ذمے لینا جس سے دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اور کوئی چیز آتش حسد کو خاموش نہیں کرتی مگر اپنے ماتحت ملازموں اور افسروں کے حقوق کی حفاظت اور اُن کے منصب اور درجے کے موافق اُن سے سلوک کرنا جس سے حسد کے

عوض ہر دلعزیزی کا تمغہ حاصل ہوتا ہے اور ایسے نیک اور شفقانہ برتاؤ سے حسد اور اُس شخص کے درمیان میں اک گہرا پردہ حائل ہو جاتا ہے۔

سب سے زیادہ حسد کے ہتھے وہ چڑھتے ہیں جو کہ اپنی دولت اور ثروت کی رفعت کو نخوت اور کبر، شوخی اور گستاخی سے ملوث کر دیتے ہیں، اور ایسے لوگ کبھی خوش و خرم نہیں معلوم ہوتے مگر اسوقت جبکہ وہ اپنے ارتفاع اور بزرگی کی رطب اللسانیاں کرتے ہیں، یا جبکہ وہ کسی اختلافی معاملے میں نصرت اور سرفرازی حاصل کرتے ہیں برخلاف اسکے بہت سے عاقل بعض اوقات جان بوجھ کر حسد کے جھنڈے چڑھ جاتے ہیں اور دیدہ و دانستہ ایسے کاموں میں آلام و مصائب، رنج و توبیخ برداشت کرتے ہیں جن سے اُن کو بہت کم تعلق ہوتا ہے، بہرحال اتنی بات تو اظہر من الشمس ہے کہ رفعت و اقتدار کی گاڑی سادہ اور پاک زندگی میں جبکہ وہ بدنفسی اور خباثت سے معرا ہے حسد کے ناقابل برداشت بار سے بالکل محفوظ رہتی ہے، لیکن اگر اسکی بنیاد مکر اور خدع، کبر اور غرور پر ہوتی ہے تو اُسکے بوجھ کی سنبھال ذرا مشکل ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ میں نے شروع میں بیان کیا ہے حسد کے کاموں میں کچھ جادو کا رنگ بھی دکھائی دیتا ہے۔ اسلیے حسد کا عمدہ علاج اُس جادو کا اُتار ہے جسکا بہتر ذریعہ اپنے سر کے بوجھ کو دوسرے کے سر تھوپ دینا ہے اور اس مقصد کے لیے عقلمند آدمی اپنے ڈھب کے لوگوں کو انتخاب کر لیتے ہیں، اور حسد کی اُس آگ کو جو کہ ان کے خلاف بھڑک اُٹھتی اُن کندۂ ناتراشوں کی جانب مشتعل کر دیتے ہیں، اور یہ نزلہ عموماً ناصحوں اور ملازموں اور کبھی ہم رتبوں اور آشناؤں پر گرتا ہے لیکن طرفہ مزہ تو یہ ہے کہ اس آگ کو سہنے کے لیے جیالے اور جوشیلے آدمیوں کی کمی نہیں جو کہ اسمیں خود اپنی شہرت کا راز مضمر خیال کر کے بہر عنوان آتشِ حسد کو

برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

اب میں ملکی حسد کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ ملکی حسد میں کچھ نہ کچھ خوبیاں ہیں مگر ذاتی یا خانگی حسد میں کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ ملکی حسد ایک قسم کا جادو ہے جو کہ بڑے بڑے سر برآوردہ لوگوں کی رفعت اور شہرت میں خرابی پیدا کر دیتا ہے اگر وہ خودی اور انانیت کی طرف راغب ہوتے ہیں گویا یہ مقتدر لوگوں کے لیے اک لگام ہے تاکہ وہ اپنے حد اعتدال سے آگے قدم نہ بڑھانے پائیں۔

اس ملکی حسد کو "ناخوشی" سے تعبیر کر سکتے ہیں جسکو میں اچھی طرح سے سادہش کے بیان میں عرض کروں گا، ملک اور سلطنت میں یہ مرض، مرض متعدی کے مانند ہے۔ کیونکہ جسطرح مرض متعدی اس شے تک پھیل جاتا ہے جو کہ صحیح اور اپنے رنگ پر قائم ہے، اسی طرح جبکہ یہ حسد (ناخوشی) ملک میں جا گھستا ہے تو وہ عمدہ اور بہترین کاموں میں گھن لگا دیتا ہے اور ملک کی خوشبودار چیزوں کو متعفن کر دیتا ہے۔

ملکی حسد بادشاہوں اور سلطنتوں کے بہ نسبت وزیروں اور خاص خاص افسروں پر اپنا اثر زیادہ ڈالتا ہے۔ لیکن یہ اک امر یقینی ہے کہ جبکہ حسد کی آگ، کسی خاص وزیر پر، جبکہ اسکی کوئی ذاتی غرض اور منفعت وابستہ نہیں ہوتی یا تمام وزراے سلطنت پر مشتعل ہوتی ہے تو اسکا پوشیدہ مگر گہرا اثر سلطنت کی بنیاد پر نہایت خوفناک طریقہ سے پڑتا ہے۔ ملکی حسد کے متعلق بیان پر اسی قدر کافی ہے۔

لیکن نفس حسد کے متعلق اتنا اور اضافہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تمام جذبات سفلی میں حسد ہی اک ایسا جذبہ ہے جو انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتا اور سخت تکلیف پہنچاتا ہے، دوسرے جذبات شاذ و نادر وقوع میں

میں آتے ہیں۔ لیکن حسد ہمیشہ اک نہ اک پیرا اپنا بخار نکالتا ہے یہ بات مشہور ہے کہ عشق اور حسد انسان کو گھلا ڈالتے ہیں جو کام دوسرے جذبات اتنی کامیابی کے ساتھ نہیں کر سکتے، کیونکہ وہ اسقدر متواتر اور مسلسل نہیں ہوتے۔

حسد اسفل جذبات ہے، اسی وجہ سے یہ شیطان کی خاص صفت ہے۔ کیونکہ شیطان" وہ حاسد ذات ہے جو کہ رات کے وقت گیہوں میں جَو ملا دیتا ہے اور چونکہ ہمیشہ ایسا ہی وقوع میں آتا ہے کہ حسد اپنا کام دغا بازی اور مکر سے تاریکی میں کرتا ہے، اور گندم جیسی اچھی چیز چونکہ اسکی آنکھوں میں خار سی کھٹکتی ہے اس لیے وہ اس میں جَو کی آمیزش کر دیتا ہے۔

نصیر بی۔ اے

نظم

"قلزم اوقات"

بحرِ ذخار ترا جنبشِ امواج ہے سال — جوشِ طوفاں ہیں شب و روز ہیں تیرے نہاں
قلزمِ وقت ترے گہرے الم کا پانی — شور سے اشک کے قطروں کے ہوا ہے کھاری
سیل پر شور نگا لیتا ہے پانی کے تلے — جزر و مد تیرا ہر انساں کو جھک جھک کے گلے
ہیں اگرچہ ترے فتراک میں نخچیر بہت — تو بھی ترکش میں ہوس کے ہیں ترے تیر بہت
زہر اگلتا ہے تباہی کا جو اخگر بن کر — تو نگل جاتا ہے انسان کو اژدر بن کر
ہضم کر جاتا ہے بربادیوں کا اپنی نجار — تری گردن پہ سدا رہتا ہے اک بھوت سوار
امن کے وقت بتوں کی طرح دمساز ہے تو — موجِ طوفاں میں بھی اک آفتِ ناساز ہے تو

بحرِ ذخار ترے کبر کو توڑے گا کون
پنجۂ ظلم و ستم کو ترے توڑے گا کون

"ترجمہ از شیلے"

بی۔ اے

قصیدہ وداعی سر سید علی امام صاحب بہادر ممبر کونسل وائسرائے بہنگام اتمام مدت ممبر کونسل بموقعہ ڈنر حاذق الملک بہادر بتاریخ ۲۹ نومبر روز دوشنبہ ۱۹۱۵ء عرض ہوا

ابو المعظم نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی

مرتفع تھی جو نگاہوں سے نقاب دوری — شومیٔ بخت سے ہے آج حجاب دوری
ساقیا بزم میں لا جام شراب دوری — ہیں گزک کے لیے موجود کباب دوری
سرگراں دیکھیے احباب کو کب تک رکھے — مے فرقت کا اثر بادۂ ناب دوری
ناطقہ کہنے ہوا بند سوال مایوس — سامعہ کو جو ملا صاف جواب دوری
تیری فرقت میں جو آنکھوں سے بہینگے آنسو — اُنکے معنی ہیں لغت میں مرے آب دوری
کر رہے ہم سخنی سے جو تری سسکی ہمیں — اُنھیں آنکھوں کو نظر آتا ہے خواب دوری
خوگر لطف جو ہونگے تری نزدیکی کے — اُن سے کسطرح ہو برداشت عتاب دوری
گریہ دولت ہے تو محروم رہیں اس سے دوست — دشمنوں کو ملے یہ دُر خوش آب دوری
جو نہ آتا تھا کبھی پیک نگہ کو بھی نظر — وہی منڈلانے لگا سر پہ عقاب دوری
ماہ کے دیکھیے جلباب تعدد رہیے وا — تا کجا کھنچتی ہے دیکھیں یہ طناب دوری
اس کڑی کو بھی خدا چاہے تو ہم جھیلینگے — دل میں ظاہر تو نہیں طاقت و تاب دوری
پاس والوں سے کہے دیتے ہیں گر کی یہ بات — جانستاں ہوتی ہے درگاہ جناب دوری
ہمنشینوں کے لیے بعد ہے سم قاتل — قطرۂ زہر کہو آب حباب دوری
میرے دل سے کوئی دوری کی حقیقت پوچھے — عنفوان دوری کا ہے عین شباب دوری
اور فکروں سے ملی تھی ہمیں کس روز نجات — کہ لگا جان کو یہ روگ عذاب دوری
چارہ گر یہ تو بتا دے عوض شربت وصل — لکھدیا نسخہ میں کیوں تو نے لعاب دوری

حاذق الملک کے گھر آج وداعی تماڈنر — پیش جو ڈش ہوئی تھی آج وہ قاب دوری
سونپا اللہ کو لخت دل امداد امام — تیری فرقت سے ہمیں لب لباب دوری
ہے اقانیم سہ گانہ کی طرح نام ترا — جسنے دیکھی ہی نہیں کسر حساب دوری
ایک تو جز ہے علی اور امام و سید — ہر سہ ایسے ہیں ہم جیسے جواب دوری
کچھ گنہ بھی تو نہیں تھا تری نزدیکی میں — کہ نظر آئی ہمیں راہ ثواب دوری
آج کل پھر ملاقات جو وا ہے ترا در — اصل میں نام اسی در کا ہے باب دوری
مجمع احباب کا دیتا ہے نظر کو دھوکا — اسی نزدیکی کا ہے عرق شراب دوری
آرزو یہ ہے کہ ہو نسبت مساعد اتنی — دیکھیں ہم کو ملے شکل غیاب دوری
ہے گذارش کہ ملیں ہمکو عرائض کے جواب — بھول جانا نہیں کچھ داخل داب دوری
گاہ گہ اپنی زیارت سے مشرف کیجو — اس سے بڑھتی نہ رہے فرد حساب دوری
ریل پہنچا دیگی کل تجھکو یہاں سے پٹنہ — تیز تر اس سے نہیں کوئی دواب دوری
اپنے جانے کے ترانے نہ سُنا تو ہم کو — نغمہ زن چھیڑ نہ تو تار رباب دوری
شرح و تفصیل کی حاجت نہیں ہمکو کچھ بھی — ہمکو معلوم ہیں سب خیر و صواب دوری
عارضی عزم ہے لندن کا وطن ہو پٹنہ — بیش و کم اتنا ہے معلوم نصاب دوری
عزم لندن کا ہوتا تو ابھی رُک سکتے اور — جانتے ہیں سبب و وجہ شتاب دوری
تجھکو سیلون میں کر دینگے ترے چلنے سوا — ملکے تر کر دینگے آنکھوں سے رکاب دوری

ختم کر جلد کہیں افسانۂ ہجران سائل
لوگ کب تک سنیں مضمون کتاب دوری

ریویو
زبان دانی

خواجہ محمد عبد الرؤف صاحب عشرت لکھنوی پریسیڈنٹ انجمن چشمۂ سخن ندوہ و سکریٹری انجمن اصلاح سخن

لکھنؤ نے اس کتاب کو بہت محنت سے تصنیف کیا ہے۔ اسمیں اُردو زباندانی کے قواعد درج ہیں اور اُردو سیکھنے والے کے لیے بے انتہا مفید ہے یہ کتاب اس میں بطور کورس شامل ہونے کے قابل ہے مصنف سے احاطۂ خانساماں لکھنؤ کے پتہ پر ۲ ؍ میں مل سکتی ہے۔ تقطیع ۱۸-۲۲ حجم ۸۴ صفحہ

جذبات بھاشا

یہ وہ کتاب ہے جو حضرت نیازؔ فتحپوری کے سحر نگار قلم سے نکلی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اس کتاب کو مرتب کرکے حضرت نیازؔ نے اُردو لٹریچر اور بخصوصیت کے ساتھ اردو اُردو شاعری کے لیے ایسا مصالحہ پیش کیا ہے جسکے لیے اُردو ہمیشہ حضرت نیازؔ کی شکرگذار رہے تو کچھ زیادہ نہیں۔ اس کتاب میں بھاشا کے چند مشہور شاعروں کے کلام کا اقتباس درج کیا ہے اور پھر اسکے معنی میں اپنے خاص انداز سے حضرت نیاز نے وہ لطافت بھردی ہے کہ وہ شخص بھی جو بھاشا سے بالکل ناواقف ہو محض معنی پڑھ کر محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا دوہوں کے انتخاب میں بعض ایسے دوہے بھی آگئے ہیں جو اخلاق کے معیار سے گرے ہوئے ہیں جن کا خود قابل مصنف نے اعتراف کیا ہے مگر ان کی وہ تشبیہات جو وسعت خیال کو صرف ہندوستان کے حدود تک۔ کستی ہیں قابل داد ہیں اور اسی وجہ سے وہ درج کتاب ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ اسکے علاوہ بعض دوہوں نے صرف اسوجہ سے داد لی ہے کہ وہ بھاشا کے ہیں اگر وہ ہی دوہے شعر کی صورت میں زبان اردو میں ہوتے تو غالباً حضرت نیاز کا قلم اُنکی داد نہ دیتا۔

ناظم دائرۃ الادب بھی اُردو داں پبلک کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ اُنھوں نے اس کتاب کو شایع کیا۔ کتاب کی لکھائی چھپائی اور کاغذ بہت عمدہ ہے حجم ۸۸۔ صفحہ ہے۔ قیمت ۱۲ ؍ ناظم دائرۃ الادب دہلی سے مل سکتی ہے۔

شعراء عرب
اور
اُن کا سالانہ مشاعرہ

(بسلسلہ اشاعت سابق)

قبل اسکے کہ میں شعراء عرب کی فہرست ہدیہ پیش کروں اور انکے زمانۂ جاہلیت کے ادب کو تنقید کی روشنی میں لاؤں ضروری اور نہایت ضروری ہے کہ پہلے عربی زبان کی اجمالی حالت سے ناظرین کو آگاہ کردوں ہرچند کہ کسی علمی یا تاریخی خیال کو اردو کی ایسی محدود زبان میں مختصر طور پر ذکر کرنا پھر اس خیال کو بھی ساتھ ہی ساتھ لیے رہنا کہ مقدمات بھی مختصر رہیں اور اختصار میں مقدمات کا فائدہ اور غرض بھی نہ مفقود ہونے پائے ایک دراہم امر ہے لیکن تا امکان اسی قدر تمہیداً تحریر کروں گا کہ جسقدر میرے مضمون کی اثبات نوعیت کے لیے مفید اور آئندہ ناظرین کی اس بصیرت کے لیے ضروری ہے جس پر مضمون کا مدار دلچسپی ہے

یوں تو دنیا میں ہزاروں زبانوں نے لباس وجود پہنا اور خوب خوب حسبت پہنا عالم میں اپنی اپنی ہستیوں کو علمی اور غیر علمی ہر حیثیت سے برقرار رکھا اور مدتوں رکھا لیکن پھر ایک نہ ایک دن انھیں میں کی اکثر زبانیں مثل زندی - قبطی - کلدانی - زنشوری - سریانی - فنیقی - حومری - یونانی - بربری وغیرہ وغیرہ کے گواہ جن قوموں میں وہ پیدا ہوئی تھیں اور جن کی نشوونما کے ساتھ انکی نشوونما ہوئی تھی انکی ترقی و تنزل کے رنگ میں ہی ڈھلی ہوئی یا تو بالکل دفتر عالم سے نیست و نابود ہوگئیں اور یا باقی بھی ہیں تو بیکار بیجان جسد بے روح کی طرح ہیں میں اسوقت نہ سب زبانوں کی تفصیلی فہرست اور انکے تاریخی زندگی و مدارج

نشو و نما کو پیش کرنے پر تیار ہوں اور نہ میرے مشاغل تعلیم مجھکو اتنی فرصت دینے کو موجود ہیں لیکن ہاں صرف اسقدر جس سے ایک اجمالی بصیرت ناظرین تمدن کو حاصل ہو جائے۔ دنیا کی وہ تمام مختلف زبانیں جو ابتدائے آفرینش عالم سے پیدا ہوتی رہیں اور مٹتی رہیں اُن سب کی مکمل فہرست شاید اسوقت دنیاوی تاریخ کا کوئی ورق نہیں پیش کرسکتا لیکن ہاں اُسی قدر پیش کیا جاسکتا ہے جن کو بسیط تاریخوں نے اپنی آغوش میں امانت رکھ لیا ہے جیسا کہ بعض محققین حال کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام زبانیں دنیا میں اسوقت جتنی رائج ہیں یا انکے پہلے تھیں ان سب کا ماخذ اور السنہ قدیمہ و اصلیہ کہے جانے کی مستحق بلکہ مصداق صحیح یہ تین زبانیں ہیں آریانی۔ تورانی۔ سامی۔ آریانی اور تورانی سے سنسکرت فارسی۔ انگریزی۔ فرنچ۔ لاطینی۔ چینی۔ تاتاری۔ ترکی وغیرہ وغیرہ پیدا ہوئیں انمیں علمی اور غیر علمی دونوں شامل ہیں اگرچہ یہ امر بھی قابل ذکر تھا کہ ابتک کون کون زندہ ہیں اور کون مردہ ہو چکیں لیکن میرے مضمون سے اسکو کوئی خاص تعلق نہیں ہے اسوجہ سے ترک کرتا ہوں تیسری زبان اصلی زبانوں میں سے سامی ہے اسی سے عربی۔ حبشی۔ عبرانی۔ نبطی۔ تدمری۔ آرامی۔ کلدانی۔ سریانی وغیرہ وغیرہ پیدا ہوئی ہیں۔ اور بعض مورخین کی رائے ہے کہ زبان عربی اُس خاندان السنہ سے ہے جسکا نام سیماطیقی ہے اور اسے عبرانی سے بہت مشابہت ہے اگرچہ زبان عربی کے متعلق کوئی یہ نہیں بتاسکتا کہ یہ موجودہ حالت میں کب سے آئی لیکن ہاں بقدر شعراء جاہلیت کے کلام سے یہ رائے قائم ہوسکتی ہے کہ رسالتمآب صلعم کے زمانہ سے ایک صدی قبل تک عربی زبان درجہ کمال کو پہنچ چکی تھی زندگی اور علمی زندگی وسعت اور غیر معمولی وسعت جس زبان کو حاصل ہوئی وہ یہی عربی زبان ہے چنانچہ ابن سیدہ کے لغت جسکا سال وفات ۴۵۸ھ ہے اُسوقت بھی بیس جلدوں میں تھے

اگرچہ حال کی تحقیقات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس ڈیڑھ سو برس کے اندر عربی زبان نے بہت ترقی کی ہے اور تقریباً چار ہزار کے لغات دخیل ومعرب اپنی ہمسایہ زبانوں سے اور نیز جو اُس سے ہم مشرب ہوے ہیں مثل جرمنی چینی روسی ۔سواحل وجزائر ہند حبشی ۔عبرانی ۔اسپینی انگریزی قبطی مصری ۔سنسکرت سریانی ۔لاطینی ۔فرنچ ۔ایتالین ۔ترکی ۔یونانی فارسی وغیرہ وغیرہ سے لیے ہیں لیکن زبان عربی ان سے قطع نظر کرکے بجاے خود ایک ایسی وسیع زبان ہے کہ جس نے بغیر کسی کی مدد کے ہزاروں علوم کو اپنی آغوش میں لے لیا بلکہ دوسری زبانیں اپنی علمی اور غیر علمی ضرورتوں میں اسی کی منت پذیر رہیں وہ زبان جس نے لاکھوں الفاظ سے دوسری زبانوں کو مدد دی اگر اُس نے کچھ الفاظ اپنے فاتحانہ استحقاق سے دوسری زبانوں سے بطور خراج لے بھی لیے اپنی زندگی کو تازہ اور پرزور بنانے کے لیے تو یہ کوئی منقصت نہیں ہوسکتی ۔دیکھو دنیا کا مشہور سیاح برک ہارٹ جس سے زیادہ اس امر کو جانچنے والا کوئی شخص نہیں ہوسکتا وہ یوں لکھتا ہے اس سیاح کی راے زبان عربی کی دلیل وسعت کے علاوہ اسکی فصاحت و بلاغت پر ایک زبردست بیّنہ ہے (البتہ عربی بول چال میں کثرت سے محاورے ہیں جو شاید اور کسی زبان میں نہیں پائے جاتے لیکن باوجود اُن وسیع ممالک کے جنمیں زبان عربی بولی جاتی ہے یعنی موگاڈور سے مسقط تک جو کوئی انمیں سے ایک محاورے کو بھی سیکھ لے تو وہ دوسرے محاورے کو بخوبی سمجھ سکتا ہے)

موسیو سدیو لکھتا ہے کہ یہ امر نہایت قرین قیاس ہے کہ عربوں ہی کی زبان سے جو آٹھویں صدی عیسوی سے بحر متوسط پر قابض تھے فرنسیسی اور اطالوی زبانوں میں اکثر وہ الفاظ اخذ کیے گئے جو جہازرانی اور بحری انتظام سے متعلق تھے یہ بھی قرین قیاس ہے کہ جس وقت باقاعدہ اور مستقل فوجیں یورپ میں قائم

ہونے لگیں تو افسروں کے نام اور لڑائی میں نعرے کے الفاظ بھی عربوں سے لیے گئے۔ اور انتظام مملکت کے متعلق اصطلاحیں بھی بغداد و قرطبہ سے اخذ کی گئیں فرانس کے طبقۂ ثالث کے سلاطین پوری طرح عربوں کے مقلد تھے اور اسی وجہ سے شکار کے متعلق اکثر الفاظ عربی الاصل ہیں لیکن زیادہ تر جو الفاظ ہمیں عربوں سے ملے ہیں وہ علمی اصطلاحات ہیں ہمارا علم ہیئت ان اصطلاحوں سے معمور ہے اکثر ستاروں کے نام عربی ہی ہیں اور علم ریاضی کے اصطلاحات اور علم کیمیا کے اصطلاحات اور علم حیوانات کے اصطلاحات اور علم طب کے بہت سے اصطلاحات اور ادویہ کے نام عربی سے اخذ کیے گئے۔

بس مقدمات میں اس سے زائد میں کچھ نہیں لکھنا چاہتا اس زبان کی فصاحت و بلاغت کے متعلق صرف سکوت کے ساتھ کلام الٰہی کو پیش کرتا ہوں اس میں شک نہیں کہ عربوں کے زبردست متخیلہ کو اپنے جذبات صادقہ ادا کرنے کے لیے ایک ایسی وسیع و زبردست علمی زبان ملی جسکی آغوش میں فصاحت و بلاغت صرف اٹھکھیلیاں کر کرکے بڑھی اور پروان ہی نہیں چڑھی بلکہ اسمیں پیدا بھی ہوئی ہاں ہاں بیشک بیشک میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ عربوں کے زبردست تخیلات عربوں کے فطری جذبات شاعری عربوں کی حقائق قدرت کی صورت اور مناظر فطرت کی واقعہ نگار طبیعتیں کبھی عالم میں حسن قبول کی معراج الکمال نہیں حاصل کرسکتی تھیں اگر خود زبان عربی اپنی جامعیت و کمال کے چار چاند اُن میں نہ لگاتی اور عرب کی زمین ہی حسن و عشق کے جذبات مضمر نہ ہوتے۔

عرب کی سرزمین پر پہلا شخص امرئ القیس بن حجر بن حارث بن عمرو بن آکل المرار بن معاویہ بن ثور بن کندہ ہے جس نے قصیدہ عکاظ کے شاعروں میں سب سے پہلے بالا جیتا ہے اور تمام فصحا سے عرب کے دلوں پر اپنی فصاحت و بلاغت کا

سکہ بٹھا دیا۔ خانۂ کعبہ پر اسکے قصیدہ کا لٹک جانا اس بات کی دلیل تھا کہ تمام فصحاے عرب کی گردنیں اسکے آگے جھک گئیں امری القیس اپنے عہد و قوم کے شیخ قبیلہ کے رشتہ داروں میں تھا" ایک چھوٹی سی سلطنت جو ہر ہر قبیلہ کے لیے اُس عہد میں علیحدہ علیحدہ حاصل ہوتی تھی اُسکا ایک رکن بھی تھا یہ اپنے چچا شرجیل کی بیٹی عنیزہ پر عاشق تھا افسوس کہ ہم مضمون کی طوالت کے خیال سے اسکا تفصیلی کیرکٹر نہیں پیش کر سکتے اس زبردست شاعر میں صرف شاعری کا متخیلہ ہی زبردست نہ تھا بلکہ عاشق مزاجی درجۂ کمال پر تھی بچپن طبیعت کے ساتھ ہی ساتھ پہلو میں دل گداختہ اور دل گداختہ میں حسن و عشق کے سچے جذبات لہریں مار رہے تھے طبیعت میں سوز و گداز تھا سوز و گداز میں جذب اور غضب کا جذب تھا آنکھیں مناظر قدرت و فطرت کا جس سے زائد وحشی مزاج عربوں کے لیے عالم میں کوئی چیز دلچسپ ہو ہی نہیں سکتی حس اور لیوا احس کرتی تھیں اسی سے تو اثر ہے اور قیامت کا اثر ہے اعراب جاہلیت کے کلام میں سوائے واقعات و استعارات و کنایات کے کہیں بنوٹ کا پتہ بھی نہیں ہے لیکن یہ بات اعراب جاہلیت ہی سے مخصوص ہے۔ اُس زمانہ کے بعد کی شاعری سے یہ بات نسبتاً بہت کم ہوگئی جبسے اعراب نے درباری اور خوشامدی شاعری شروع کردی عربی کلام کی تنقید کسی غیر زبان میں اسی طرح پر ہے کہ جیسے جواہرات اپنے معدن سے علیحدہ ہونے پر قوت میں کم اور بہت کم ہو جاتے ہیں۔ خیر امری القیس کہتا ہے

قفا نبک من ذکری حبیب ومنزل ۔ بسقط اللوی بین الدخول فحومل

فتوضح فالمقراة لم یعف رسمها ۔ لما نسجتها من جنوب وشمأل

عرب کا وہ کوسوں کا چٹیل میدان ہر طرف سوائے مناظر فطرت اور خدا ساز ساونگی کے کوئی غیر چیز نظر نہیں آتی ایسے مناظر عام قاعدہ ہے اسیران محبت اور سودائیان

عشق کے لیے بہت دلکش و دلچسپ ہوا کرتے ہیں خصوصاً ایسے مزاج والوں کے لیے جنکے عشق و محبت کی نشو و نما بھی ایسے ہی مقامات پر ہوئی ہو۔ امری القیس اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُسی وادی سے گذر رہا تھا جہاں اُن مکانات کے کچھ مٹے مٹے نشانات باقی رہگئے ہیں جنہیں اسکے دل کی مالک عنیزہ کبھی مقیم تھی اور اب اُس مقام پر ہے جہاں امری القیس کی کبھی حسرت دیدار نکلتی تھی بھلا اسوقت کیونکر ممکن ہے کہ فطری طور پر امری القیس اپنی معشوقہ کی یاد پر مجبور نہو جائے اُن نشانات کا دیکھنا تھا کہ ہمارے عاشق مزاج کی طبیعت بگڑی دل پر ایک چوٹ لگی اور دبی ہوئی فرقت کی آگ بھڑکی اور خوب ہی بھڑکی ایک ہوک سی اُٹھی اور امری القیس تیورا یا آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے نہ رو کنے والی طبیعت کو دم کے لیے روکا ابھی پورے طور پر سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ پھر ایک بجلی سی دل پر گری اور یہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ ٹھہرو ٹھہرو لے میرے ساتھیوں (قفا) صیغۂ امر ہے تثنیہ کا یہ بات عادات عرب سے ہے کہ واحد کو تثنیہ سے اکثر خطاب کرتے ہیں جیسا کہ پروردگار عالم نے خازن جہنم کو صیغۂ تثنیہ سے مخاطب کیا ہے القیا فی جہنم میں اور بعضوں نے اسکی تصریح یوں کی ہے کہ اس محل پر تثنیہ تاکید کے فائدہ کے لیے ہے کہ یا قفا محل پر قف قف کے ہے یعنی امری القیس اپنے ساتھی سے بیخودی کے عالم میں کہہ رہا ہے ارے اے میرے ساتھی ٹھہر ٹھہر میری رائے میں محل صرف بھی اسی کا ہے بنک صیغۂ متکلم ہے معنی اسکے رونے کے ہیں اور ساتھی کے ساتھ رونے کے ہیں مصرعہ اول کے یہ معنی اب ہوے کہ ٹھہر ٹھہر اے میرے ساتھی تاکہ ہم اور تو دونوں مل کر یاد معشوق اور منزل معشوق میں رولیں۔ دوسرے مصرع میں واقعہ نگاری اور مصوری کا کمال دکھاتا ہے بسقط اللوی بین الدخول فحومل جو لوگ رموز شاعری اور دقت شاعری سے واقف ہیں وہ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ اہم ترین شعبہ شاعری میں واقعہ نگاری ہے دوسرے مصرع میں کہتا ہے اور اپنے ساتھی کو جگہ بتاتا ہے

رہنے کی کہ اس عظیم تودۂ ریگ کے پاس جو درمیان دخول و حومل (یہ دونوں نام ہیں مقاموں کے) کے واقع ہے اور

فتوضح فالمقراۃ لم یعف رسمها ۔ لما نسجتها من جنوب و شمائل

درمیان توضح و مقراۃ کے واقع ہے (یہ بھی نام ہیں مقامات کے) گویا دخول و حومل اور توضح اور مقراۃ منزل معشوق کے حدود اربعہ تھے جنکو امری القیس اپنے ساتھی کو بتا رہا ہے پھر اُسی کے بعد یہ بھی بتا رہا ہے کہ ابھی تک وہ نشانیاں منزل معشوق کی باقی ہیں باد جنوبی و باد شمالی کے تیز جھونکے اُسے ابھی تک مٹا نہیں پائے ہیں اس بیان سے بظاہر مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ افسوس کل جس پر عنیزہ کے حسن و جمال کا آفتاب چمک رہا تھا آج اسکا یہ نقشہ ہے کہ باد جنوبی کے جھونکے اسکے منزل کے اُجڑنے کے بعد جو نشانیاں باقی رہگئی ہیں اُسکے مٹانے کے لیے خاک اُڑا کے لاتے ہیں اور اُسپر ڈالتے ہیں تاکہ وہ نشانیاں مٹجائیں اور باد شمالی کے جھونکے اُس خاک کو اُڑا لیجاتے ہیں اور ممکن ہے کہ یہ مقصود ہو کہ افسوس کسقدر قیمتی تھیں وہ لذتیں جو عنیزہ کے دیدار سے اس مقام پر نصیب ہوتی تھیں رتیلی زمین پر بنے ہوے نشانات کو باد جنوبی اور شمالی کے جھونکے ابھی ہٹا بھی نہ سکے اور وہ لذتیں فراق کے پہاڑوں کے نیچے دب کے نیست نابود ہوگئیں قابل غور یہ امر ہے کہ امری القیس اپنے جذبات واردات قلبی اور حسیات باطنی کا کیسا زبردست مفسر ہے تمام اصل واقعات کو کتنے پر سوز لہجے میں ادا کر رہا ہے اسکے انھیں دو شعروں میں اور بھی بہت سی خوبیاں ہیں جنکو بلحاظ طول نظرانداز کرتا ہوں لیکن منجملہ اُنکے ایک جلیل تاریخی فائدہ جو ہم کو اس مقام پر حاصل ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ اُس زمانہ کے اعراب کی زندگی اور عنوان معاشرت اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے اکثر قبائل اپنی زندگی خانہ بدوشی کی بسر کرتے تھے آج اس وادی میں خیمے اور چھولداریاں ہیں تو کل اُس وادی میں ڈیرہ ہے کسی ایک مقام پر مستقل زندگی بسر نہیں کر سکتے تھے اسکی وجہ کیا تھی اسکی وجہ یہ تھی کہ مویشیوں پر اوقات گذرانی ہوتی تھی جہاں اچھی چراگاہیں ہوتی تھیں وہاں قیام ہوتا تھا اور جب چری ختم ہو جاتی تھی تو پھر دوسری وادی تلاش کرنا پڑتا تھا انھیں اشعار پر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ اور طرز معاشرت بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے ہر قبیلے میں رائج تھا۔

(باقی آئندہ)

سید علی آشفتہ لکھنوی

انوکھا چھانسا

ابھی کل کی بات ہے لکھنؤ کے راجہ اندر اودھ کے تخت حکومت پر براج رہے تھے سارا شہر پرستان بنا ہوا تھا دربار میں وہ چہل پہل تھی کہ دیکھنے والوں کی آئی بھوک بھاگتی تھی پچاس روپے کے تنخواہ والے تو امیر ہوتے تھے لیکن پانچ روپے کا نوکر بھی وہ ٹھاٹھ رکھتا تھا کہ آجکل کے لکھ پتی کو بھی یہ ساز و سامان ملنا مشکل ہے وجہ یہ تھی کہ ہر چیز سستی تھی غلہ بکثرت پیدا ہوتا تھا اودھ کی پیداوار باہر نہیں جاتی تھی لوگوں میں ہندوستانی دستکاریوں کی قدر تھی مزاجوں میں آرام طلبی کاہلی نہ تھی وضع میں سادگی تھی تکلفات نہ تھے ٹکے سیر سے زیادہ کوئی اناج نہ تھا غریب سے غریب گھر میں آئے دن مہمان بنے رہتے تھے فقیروں کے چہرے سے آسودگی اور بحالی ٹپکتی تھی گھر گھر شادیاں رچا کرتی تھیں گلی گلی جلسے ہوتے تھے قیصر باغ کے رہس کی دھوم تھی بادشاہ خود ہمہ داں اور قدرداں تھے جس فن کا کامل آتا تھا کھپ جاتا تھا اور یہ مادہ اودھ کے بادشاہوں میں ہمیشہ سے تھا ایک مثل مشہور ہے کہ دلی اجڑ کر لکھنؤ آباد ہوا یہ سچ ہے آج دہلی کے تمام مایۂ ناز شاعر تمام صناع تمام گوئیے تمام سلطنت کے تخت دل لکھنؤ کے دامن میں میٹھی نیند سو رہے ہیں ملک الشعرا میر تقی میر مرزا سودا میر سوز جرأت انشا صاحبقران جعفر زٹلی یہ سب اسی لکھنؤ میں خاک ہوئے

آخری شاہ اودھ کی بھی قدردانی کا یہی حال تھا انکے زمانے میں دہلی کے ایک شریف خاندان کے چشم و چراغ نے آوارہ وطن ہو کر لکھنؤ کا سفر کیا ریل تو تھی نہیں بہلی پر سوار ہو کر ڈیڑھ مہینے میں لکھنؤ تک پہنچا نصیب اشہر کی آئینہ بندی دیکھکر ہکا بکا ہو گیا۔

[redacted]

رہنے کی کہ اس عظیم تودۂ ریگ کے پاس جو درمیان دخول و حومل (یہ دونوں نام ہیں مقاموں کے) کے واقع ہے اور

فتوضح فالمقراۃ لم یعف رسمها   لما نسجتها من جنوب وشمائل

درمیان توضح و مقراۃ کے واقع ہے (یہ بھی نام ہیں مقامات کے) گویا دخول و حومل اور توضح اور مقراۃ منزل معشوق کے حدود اربعہ تھے جنکو امرء القیس اپنے ساتھی کو بتا رہا ہے پھر اسی کے بعد یہ بھی بتا رہا ہے کہ ابھی تک وہ نشانیاں منزل معشوق کی باقی ہیں باد جنوبی و باد شمالی کے تیز جھونکے اسے ابھی تک مٹا نے نہیں پائے ہیں اس بیان سے بظاہر مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ افسوس کل جس پر عنیزہ کے حسن و جمال کا آفتاب چمک رہا تھا آج اسکا یہ نقشہ ہے کہ باد جنوبی کے جھونکے اسکے منزل کے اجڑنے کے بعد جو نشانیاں باقی رہگئی ہیں اسکے مٹانے کے لیے خاک اڑا کے لاتے ہیں اور اسپر ڈالتے ہیں تاکہ وہ نشانیاں مٹجائیں اور باد شمالی کے جھونکے اس خاک کو اڑا لیجاتے ہیں اور ممکن ہے کہ یہ مقصود ہو کہ افسوس کسقدر وقتی تھیں وہ لذتیں جو عنیزہ کے دیدار سے اس مقام پر نصیب ہوتی تھیں ریتلی زمین پر بنے ہوے نشانات کو باد جنوبی اور شمالی کے جھونکے ابھی ہٹا بھی نہ سکے اور وہ لذتیں فراق کے پہاڑوں کے نیچے دب کے نیست نابود ہو گئیں قابل غور یہ امر ہے کہ امرء القیس اپنے جذبات و واردات قلبی اور حسیات باطنی کا کیسا زبردست مفسر ہے تمام اصل واقعات کو کتنے پرسوز لہجے میں ادا کر رہا ہے اسکے انھیں دو شعروں میں اور بھی بہت سی خوبیاں ہیں جنکو بلحاظ طول نظر انداز کرتا ہوں لیکن منجملہ انکے ایک جلیل تاریخی فائدہ جو ہم کو اس مقام پر حاصل ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ اس زمانہ کے اعراب کی زندگی اور عنوان معاشرت اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے اکثر قبائل اپنی زندگی خانہ بدوشی کی بسر کرتے تھے آج اس وادی میں خیمے اور چھولداریاں ہیں تو کل اس وادی میں ڈیرہ ہے کسی ایک مقام پر مستقل زندگی بسر نہیں کر سکتے تھے اسکی وجہ کیا تھی اسکی وجہ یہ تھی کہ مویشیوں پر اوقات گذرانی ہوتی تھی جہاں اچھی چراگاہیں ہوتی تھیں وہاں قیام ہوتا تھا اور جب چری ختم ہو جاتی تھی تو پھر دوسرا وادی تلاش کرنا پڑتا تھا انھیں اشعار پر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ اور طرز معاشرت بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے ہر قبیلے میں رائج تھا۔

(باقی آئندہ)

سید علی آشفتہ لکھنوی

انوکھا جھانسا

ابھی کل کی بات ہے لکھنؤ کے راجہ اور اودھ کے تخت حکومت پر براج رہے تھے سارا شہر پرستان بنا ہوا تھا دربار میں وہ چہل پہل تھی کہ دیکھنے والوں کی آئی بھوک بھاگتی تھی پچاس روپے کے تنخواہ والے تو امیر ہوتے تھے لیکن پانچ روپے کا نوکر بھی وہ ٹھاٹھ رکھتا تھا کہ آجکل کے لکھ پتی کو بھی یہ ساز و سامان ملنا مشکل ہے وجہ یہ تھی کہ ہر چیز سستی تھی غلہ بکثرت پیدا ہوتا تھا اودھ کی پیداوار باہر نہیں جاتی تھی لوگوں میں ہندوستانی دستکاریوں کی قدر تھی مزاجوں میں آرام طلبی کاہلی نہ تھی وضع میں سادگی تھی تکلفات نہ تھے ٹکے سیر سے زیادہ کوئی اناج نہ تھا غریب سے غریب گھر میں آئے دن مہمان بنے رہتے تھے فقیروں کے چہرے سے آسودگی اور بحالی ٹپکتی تھی گھر گھر شادیاں رچا کرتی تھیں گلی گلی جلسے ہوتے تھے قیصر باغ کے رہس کی دھوم تھی بادشاہ خود ہمہ داں اور قدر داں تھے جس فن کا کامل آتا تھا کھپ جاتا تھا اور یہ مادہ اودھ کے بادشاہوں میں ہمیشہ سے تھا ایک مثل مشہور ہے کہ دلّی اجڑ کر لکھنؤ آباد ہوا یہ سچ ہے آج دہلی کے تمام مایۂ ناز شاعر تمام صناع تمام گوّیے تمام سلطنت کے تخت دل لکھنؤ کے دامن میں میٹھی نیند سو رہے ہیں ملک الشعرا میر تقی میر مرزا سودا میر سوز جرأت انشا صاحبقران جعفر زٹلی یہ سب اسی لکھنؤ میں خاک ہوئے

آخری شاہ اودھ کی بھی قدر دانی کا یہی حال تھا انکے زمانے میں دہلی کے ایک شریف خاندان کے چشم و چراغ نے آوارہ وطن ہو کر لکھنؤ کا سفر کیا ریل تو تھی نہیں پیدل پر سوار ہو کر ڈیڑھ مہینے میں لکھنؤ تک پہنچنا نصیب ہوا شہر کی آئینہ بندی دیکھکر ہکا بکا ہو گیا۔

ایک قدیم رشتہ دار کی وساطت سے دربار شاہی دیکھنا نصیب ہوا مردہے نے کمال ادب سے نصف قد خمیدہ کر کے سلام کر لیا اور کہا نیچی نظر کیے ہوئے مودب کھڑے رہو منھ سے نہ بولنا نظر اُٹھا کر نہ دیکھنا ہاتھ پاؤں نہ ہلانا حرکت نہ کرنا ہنسی نہ آئے کھنکھارنا نہیں ہونٹ نہ ہلانا اشارہ نہ کرنا ان تمام قیود نے ایسا متاثر کیا کہ غریب سارے جسم سے تھر تھر کانپنے لگا اور عرض بیگی نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا منشی قمر علی دہلوی حاضر ہے نگاہ روبرو۔

بادشاہ نے اشارہ ابرو سے سلام کیا اور منشی صاحب بیت الانشا کے منشیوں میں تیس روپیہ ماہوار کے ملازم ہو گئے اب حیثیت اور سے اور ہو گئی محالیخاں کی سرے میں تین سو ل لے کر مکان بنوا یا اور اہل خانہ کو بھی لکھنؤ میں بلوا لیا منشی صاحب بہت نیک طینت اور خوش اخلاق آدمی تھے سارا محلہ خوش تھا خوشنویس بے بدل تھے ایک لڑکا تھا جو باپ کی طرح نیک اور خوش سلیقہ تھا ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھا اسکے بعد کوئی اولاد نہ ہوئی اس سبب سے بہت لاڈ پیار تھا اسپر بھی پندرہ برس کے سن میں اُردو فارسی کے علم سے کما حقہ فراغت کر کے تحصیل عربی کی طرف مشغول ہوا ابھی زیر تحصیل تھا کہ زمانے نے دوسری کروٹ لی غدر ہو گیا گھر لٹ گیا اور تمام شرفا تباہ اور برباد ہوئے منشی صاحب بیک بینی و دوگوش چھ مہینے کے بعد گھر واپس آئے۔

۲

مدت کے بعد لڑکے کی شادی ایک عزیز قریب کے یہاں جو انھیں کی طرح آفت رسیدہ وطن تھے اور کسی قدر آسودہ حال تھے ہو گئی لڑکی بھی اپنے ماں باپ کی اکلوتی تھی اور ناز و نعم کی پلی ہوئی پھر امیر گھر کی بیٹی میاں بیوی میں کچھ بھی طرح میزان نہ بیٹھی اور ان بن رہنے لگی میاں چاہتے تھے محنت مزدوری کر کے پیسا کماؤں اور بقدر ہمت ضعیف والدین کی خدمت کروں بیوی چاہتی تھی کہ میاں لباس پوشاک سے آراستہ رہیں اور سارے گھر پر حکومت کریں دن رات گھر میں بڑے بڑے مکان کی اینٹیں رہیں بچیں۔

میاں ہنر انی تک کو جھک جھک کر سو سو دفعہ سلام کرتے تھے بیوی نے عید بقر عید بھی ساس سسرے کو ہاتھ اٹھا کر سلام نہیں کیا اور انکو حقیر سمجھ کر منہ لگایا تو بھلا دوسرا کیا چیز تھا سسرال کی ہر چیز کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی تھی کوئی اچھے سے اچھا کپڑا خاطر میں نہ آتا تھا ایک روز غریب شوہر نے عید کی تقریب پر بیوی کے لیے اودی گرنٹ کے پائجامے کا کپڑا خریدا کیا اور خیال تھا کہ بیوی دیکھ کر شاد شاد ہو جائے گی بیوی نے دیکھ کر کہا اودی یہ کس کام کی گرنٹ نگوڑی ہے یہ کیسی بدروپ ہے اور اسپر رنگ ایسا گہرا ہے کہ بالکل سیاہ معلوم ہوتی ہے۔

میری ماں نے بھی ایک دفعہ ایسا ہی پائجامہ بنایا تھا مجھے پھوٹے دیدوں بھی نہ بھایا آخر بسنتی کو دیدیا میاں نے سنکر ایک آہ سرد بھری اور دل میں کہا اگر ایسے ہی دماغ ہیں تو اس غریب گھر میں بسر ہونا مشکل ہے جان پر کھیل کے بیوی کے واسطے دوسرا کپڑا اسکی پسند کا لایا اور بہت تکلف سے پائجامہ ماں نے سی سلا کر تیار کیا لیکن بیوی بنو کو عید کے دن وہ بھی پہننا نصیب نہوا کہنے لگی برس برس کے دن میں کو ایسی سردی میں سویرے سویرے نہیں نہا سکتی اگر پائجامہ دو چار دن پہلے سے تیار ہو گیا ہوتا تو ایکدن پہلے نہا کر بدل لیتی اسکے علاوہ مجھے کچھ عید پر نئے کپڑے بدلنے کی خوشی نہیں ہے اور نہ ترسی بلکی ہوں کہ اچھے اچھے کپڑے دیکھ کر رال ٹپک پڑے وہ نگوڑا پائجامہ ہے کیا میں نے اس سے اچھے اچھے کپڑے پہن کر پھاڑ ڈالے ہیں۔

ماں باپ کے خوف سے غریب مہر علی یہ سب نکتوڑے اٹھایا کیا اور ایسی ایسی باتوں پر خاک ڈالتا رہا لیکن وہ سمجھتا تھا یہ سب نخرے مجھ سے نہ اٹھیں گے شادی کو دس برس ہو گئے ماں باپ نے انتقال کیا اور میاں مہر علی یکہ و تنہا بیک بینی و دو گوش ہیں اور وہی بد مزاج بیوی ہے۔ بیوی کے سر سب کام آ پڑے اسکی امید مہر علی کو تھی اس لیے اس نے ایک ماما نوکر رکھی جو اسکو وقت پر کھانا پکا دیا کرے مگر اسپر بھی

کوئی دن کمبخت ایسا نہ ہوتا تھا جسمیں میاں بی بی میں دو چار مرتبہ ٹھائیں ٹھائیں نہوتی ہو اور بیوی لڑ جھگڑ کر میکے نہ چلی جاتی ہوں اسپر خرچ کی وہ زیادتی کہ توبہ ہی بھلی تھی آخر مکان رہن ہوگیا اور جب وہ روپیہ بھی صرف ہوگیا تو میاں بیوی میں جوتی پیزار بٹنے لگی بیوی اُٹھکر اپنے میکے چلی گئیں اور میاں بھی کچھ ایسے عاجز آگئے تھے کہ گھر کی ماما کو جواب دے کر اور اپنا اسباب خانگی فروخت کرکے ؎

نہ سنتہ کی لی اور نہ شنگی کی لی — نکل گھر سے پھر راہ جنگل کی لی

(۳)

حیدر آباد کی ریاست میں میاں مہر علی وکالت کر رہے ہیں اور تقدیر کچھ ایسی موافق ہے کہ لاکھوں کے وارے نیارے ہو رہے ہیں شام کو امیرانہ دربار ہوتا ہے مگر بندۂ خدا نے وطن میں بھول کر بھی کسی کو خط تک نہ لکھا اور نہ اپنی موت زندگی کی خبر دی بیوی بھی صبر شکر کرکے بیٹھ رہی اور برس دو برس میکے میں رہ کر اسے تجربہ ہوگیا کہ میاں کے سوکھے ٹکڑے میکے کے خوانِ نعمت سے کہیں بہتر تھے لیکن اب پچھتائے کیا ہوتا ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

کچھ دنوں کے بعد میاں مہر علی نے اپنی دوسری شادی ایک غریب گھر میں کر لی بیوی بہت نیک بخت اور سعید ملی گویا تلافی مافات ہوگئی اور دونوں عیش و عشرت میں بسر کرنے لگے۔

(۴)

موسیٰ ندی میں ایک یوروپین لڑکا نہایت حسین گر پڑا اور ڈبکیاں کھا رہا ہے ہجم غفیر ہے لیکن کسی کی یہ ہمت نہیں ہوتی کہ کود کر نوجوان کی جان بچائے اتفاق سے ایک رئیس عمدہ لباس میں جا رہے تھے بھیڑ دیکھکر وہ بھی اسطرف آنکلے اور لڑکے کو ڈوبتا دیکھکر انسانی ہمدردی کے لحاظ سے آپ بھی دھڑام سے کود پڑے ڈوبتے کو

تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے لڑکے نے ایک رفیق پایا تو وہ ایسا بدحواس ہوکر لپٹ گیا کہ
قریب قریب دونوں آدمی ڈوبنے لگے مگر رئیس پیراک تھا اس نے اپنے حواس قائم رکھے
سارے تماشائی دعا مانگ رہے تھے خدا نے قبول کرلی لڑکا کمر سے لپٹا ہوا ہے اور وہ
مرد آدمی آہستہ آہستہ کنارے کی طرف آرہا ہے خدا خدا کرکے دونوں نے نجات
پائی اور تمام لوگ خوش ہوے۔ ایک روزنامہ اخبار کے ایڈیٹر صاحب بھی اسی بھیڑ میں
تماشا دیکھ رہے تھے لوگوں سے حضرت کا نام نامی دریافت کیا ایک صاحب نے کہا
آپ انکو نہیں جانتے منشی مہر علیصاحب وکیل دہلوی ہیں آج ہندوستان میں کافی
شہرت رکھتے ہیں بہت نیک اور شریف آدمی ہیں ایڈیٹر خاص یوروپین تھا اسکی غیرت نے
یہ تقاضا نہ کیا کہ ایک محسن قوم کے احسانات پر پردہ پڑا رہے فوراً انکو نوٹ لیا
اور دوسرے دن کچھ مزید حالات دریافت کرکے نہایت چٹپٹی عبارت کے ساتھ اس
خبر کو شائع کیا اور منشی مہر علی کی تصویر بھی شائع کردی اخبار ہاتھوں ہاتھ فروخت
ہوا منشی مہر علی نے بھی دیکھا جامے سے باہر ہوگئے اور بہت غصہ کیا منھ میں کف بھر آ
ایڈیٹر کو ہزاروں گالیاں دیں اپنا منھ نوچا۔ کیا بری ساعت سے میں نکلا تھا کہ
اس آفت کا سامنا ہوا خدا اپنا رحم کرے دیکھیے اب کیا ہوتا ہے افسوس ہزار افسوس
میں تو کہیں کا نہ رہا اور اسی بدحواسی میں اٹھے ہوے اپنے ایک دوست ڈپٹی صا
کے پاس گئے اور ان سے کہنے لگے خدا کے واسطے میری مدد کرو میں ایک بلا میں
گرفتار ہوگیا ہوں اب کیا ہوگا بات یہ ہے کہ کل کا اخبار تو آپ نے ملاحظہ فرما
ہوگا اس کمبخت نے میری تصویر بھی چھاپ دی اور میرے خاندانی حالات لکھد
لکھنؤ میں میرے خاندان کی ایک بیوی تھی نہایت بدمزاج بدبخت فسادن فتنہ
بلاے بد میں اسکے ہاتھ سے بہت نالاں تھا آخر اس کمبخت کے ہاتھ سے لکھنؤ
حیدرآباد چلا آیا اور آجتک کسی دوست آشنا کو کوئی خط نہ لکھا پہلے میرے خسر

ایک اعلان شائع کیا تھا کہ ہمارا عزیز اس صورت کا گم ہوگیا ہے جو کوئی پتہ لگادیگا پانچسو روپیہ انعام دیے جائیں گے میں نے کچھ دنوں کے بعد یہ چالاکی کی کہ ایک دوست کی معرفت انکو خط بھیجدیا کہ اس آدمی کا انتقال ہوگیا وہ لوگ صبر کر کے خاموش ہو رہے اب اس خبر کے شائع ہونے سے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میری پہلی عورت آ گئی نہو تو میری عزت خاک میں مل جائے اور گھر بھی برباد ہو اس لیے کوئی صلاح بتائیے ڈپٹی صاحب نے کہا اچھا آپ کی اس امر میں مدد کروں گا اسٹیشن ماسٹر میرا دوست ہے میں اُس سے کہدوں گا کہ اگر لکھنؤ سے کوئی مسافر زنانی سواری کے ساتھ آئے تو مجھے اطلاع دے منشی صاحب نے کہا لیکن میرا نام نہ بتائیے گا ڈپٹی صاحب بولے استغفراللہ کیا آپ نے مجھے نرا بیوقوف سمجھ لیا ہے

(۵)

سہپہر کا وقت ہے ڈپٹی صاحب کی گاڑی اسٹیشن پر کھڑی ہے اور ڈپٹی صاحب اسٹیشن ماسٹر سے کچھ سرگوشی کر رہے ہیں اور اسٹیشن ماسٹر سُن سُن کر گردن ہلا رہے ہیں جب سب سُن چکے تو کہنے لگے اسمیں کچھ دال میں کالا معلوم ہوتا ہے مجھ سے صاف صاف حال کہو تو رہائی ممکن ہے ورنہ ادھوری باتسے میری تشفی نہیں ہوتی اور مجبور ہو کر مجھے آپ کے بیان کی پولیس میں رپورٹ کرنا ہو گی۔ ڈپٹی صاحب نے جب اسٹیشن ماسٹر کے تیور بدلے ہوے دیکھے تو کہا معاذاللہ میں تمھیں ایسا بد باطن نہیں سمجھتا تھا تم نے آج برسوں کی ملاقات کو خاک میں ملا دیا خیر سُن لو میرے ایک دوست کا راز ہے تم جانتے ہو کہ منشی مہر علی صاحب وکیل میرے ایک دوست ہیں وہ اپنے گھر سے روپوش ہو کر یہاں چلے آئے اسکو ایک مدت دراز ہوی اور آج تک لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ زندہ ہیں لیکن ایک ڈوبتے ہوے یوروپین لڑکے کی جان بچانے کے صلے میں ایک انگریزی اخبار

بغیر اطلاع اُنکا فوٹو شائع کردیا جس سے اُن کو یہ خوف ہے کہ کہیں اُنکی پہلی بیوی صاحبہ انکی جان پر ناذل نہ ہوجائیں اس خوف سے اُنھوں نے مجھ سے مدد چاہی تھی میرا خاص کوئی معاملہ ہے نہ یہ کوئی جرم کی بات تھی مگر تم اتنے بدگمان ہو گئے کہ مجھے یہ راز کھولنا پڑا اسٹیشن ماسٹر صاحب نے فرمایا اچھا آپ اطمینان رکھیں میں آپ کا حکم بجالاؤں گا اور جب ایسا موقع ہوگا براہ راست منشی صاحب کو اطلاع دوں گا۔

(۶)

ایک دن نو بجے دن کو اسٹیشن ماسٹر نے ایک خط میں لکھا۔ ڈیر آج ایک عورت لکھنؤ کے فلاں محلہ سے آئی ہے اور تمھارا مکان دریافت کررہی ہے ذرا ہوشیار رہو جاؤ۔

منشی صاحب دیکھتے ہی سکتے کے عالم میں ہوگئے اور فوراً اُٹھکر اپنی بیوی سے سارا قصہ گڑ گڑا کر بیان کیا اور کہا میں چادر اوڑھ کر چارپائی پر دراز ہوتا ہوں تم کہنا میں ان کی دور کی عزیز ہوں وہ تو آج مر گئے صرف تجہیز و تکفین کے لیے آئی ہوں کچھ دیر کے بعد ایک بگھی آئی اور ایک جوان عورت گھر میں اُتری اور پوچھنے لگی منشی مہر علی صاحب کہاں ہیں بیوی نے نہایت آبدیدہ ہوکر کہا وہ آج رات کو قضا کے ہاں سدھار گئے ان کا یہاں کوئی عزیز نہ تھا مجھ سے دور کی عزیزداری تھی اسلیے تجہیز و تکفین کی غرض سے آئی ہوں عورت نے کہا ہے ہے یہ کیا غضب ہوگیا لوگوں ذرا مجھے لاش تو دکھادو ایک بندکمرے میں لاش رکھی تھی عورت کو لیگئے اور اندھیرے کے سبب سے اس نے ایک چراغ جلاکر میاں کا مُنھ دیکھا اور خوب رولی پیٹی اس کے بعد اس نے آنسو پونچھکر اور صرف زیور کا صندوقچہ لے کر باقی اسباب میں قفل لگا کر کہا اچھا ٹھہرو

میرے دو چار عزیز بھی آئے ہوئے ہیں جو ایک مکان میں رہتے ہیں یہ اسباب دکھکر ابھی آتی ہوں اور میں خود انکی تجہیز و تکفین کروں گی یہ کہکر وہ صندوقچہ لے کر نو دو گیارہ ہو گئی۔

میاں کو کچھ شک گزرا کہا تم نے یہ کیا غضب کیا میں تو کمرے میں تھا مجھے اسکی کیا خبر تھی کہ وہ اسباب بھی سمیٹ رہی ہے تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی یہ میری بیوی ہرگز نہیں تھی کوئی بدمعاش عورت تھی مجھے اسکی آواز پر شک ہوا تھا مگر جب تم مردہ کہہ چکی تھیں تو کیونکر شک کی حالت میں بول سکتا تھا جب دن بھر دوبارہ وہ عورت واپس نہ آئی تو منشی صاحب کو یقین ہو گیا کہ واقعی وہ میری بیوی نہ تھی اور اسٹیشن ماسٹر نے فریب سے میرا سارا گھر مسوالیا دو تین روز تک میاں بیوی میں چخ چلا کی ایک کو ایک بیوقوف بناتا تھا منشی صاحب اور ڈپٹی صاحب نے سارا شہر چھان مارا عورت کا کہیں پتہ نہ لگا ایک ٹکٹ کلکٹر سے معلوم ہوا کہ اُس دن لکھنؤ سے کوئی آدمی نہیں آیا تھا ہو نہ ہو یہ اسٹیشن ماسٹر کی بدمعاشی ہے وہ ہمیشہ اپنے دوستوں کو زک دیا کرتا ہے اور اُس دغابازی سے اسکی معقول آمدنی ہے آخر منشی صاحب صبر شکر کرکے بیٹھ رہے

عشرت لکھنوی

یادِ رفتگان

وت ہے یہ آرزوِ دل مجھ کو — اگلے لوگوں میں لیے دیتی ہے شامل مجھکو
نے ہیں جو گزرے ہوے احباب مجھے — اب کہاں چین مجھے ہائے کہاں خواب مجھے
ستاتی ہے پرانوں کی محبت دلکو — کھینچتی ہے وہ اخوت وہ مروت دل کو
کہیں بیٹھے ہوئے پاؤں تو پکڑ لاؤں میں — وہ کہاں ہونگے اب اللہ کہاں جاؤں میں

رکھ کے بھول آیا ہوں میں بھول گئے رکھ آیا ہوں
انکو روتا ہوں جنھیں گاڑ کے پچھتایا ہوں

چھوڑ جانے کے ہیں اپنوں سے مجھے شکوے آج — یوں سمجھئے کہ اکھڑتے ہیں گڑے مردے آج
زہر اگلوانے لگی تلخیِ ایام فراق — لب پہ ہے تذکرۂ حسرت و آلام فراق
ہو گئے خود زندۂ جاوید مرے یار گئے — دل وہ مظلوم ہے سب جیتے جسے مار گئے

سانس باقی ہے تو آہوں کے سہارے ہوں میں
زندہ در گور ہوں میں گور کنارے ہوں میں

کھلی ہستی ہے ان ارواح ان اجساد میں گم — عقل گم کیوں نہ ہو میں ہوں عدم آباد میں گم
جان مردوں میں ہے جسکی وہی زندہ ہو نہیں — جیسے اک بھول بھلیاں کا تماشا ہو نہیں
فکر اجسام میں میں زیر زمیں رہتا ہوں — یاد ارواح میں افلاک نشیں رہتا ہوں

محویت شوق کی دیتی ہے مرے دلکو سکون
غم فرقت سے رہائی ہو تو اچھا ہے جنون

سید ابوالحسن ناطق

تخیلاتِ رجالی

یہ تو نہیں کہ "رجالی" کوئی پاگل، مجنوں، مخبوط الحواس شخص ہو۔ البتہ اُسکی بعض بعض باتیں مخالفین کی نگاہ سے، جنون کی سرحد سے کچھ زیادہ فاصلہ پہ نظر نہیں آتی تھیں! وہ دن بھر میں کم و بیش چار دفعہ کھاتا تھا، تمام رات پاؤں پھیلا کر سوتا تھا اور کسی مشہور سوزخوان کی آواز پر روتا بھی تھا! لیکن اسمیں صنفِ نازک سے نفرت کرنے کی عادت، معمولی حدود سے بہت وسیع نظر آتی تھی! خدا جانے وہ گریجویٹ تھا یا نہ تھا مگر بی۔ اے کا دُم چھلا جا و بیجا تحریر میں استعمال کرنے کا عادی نہ تھا! اسکے والد ایک معزز شخص تھے جنھوں نے۔ "رجالی" کا بیان ہے کہ۔ دو دفعہ لاہور کا سفر ایک مرتبہ بھوپال کی سیاحی اور تین مرتبہ بمبئی کا حج کیا تھا! جو کچھ بھی ہو "رجالی" شریف خاندان شخص تھا اور سوائے چند خاص عادات کے بھلا مانس بھی تھا!

ان ہی خاص عادات میں سے اُسکا وہ تنفر بھی تھا جو اُسکو طبقۂ نسواں، حقوقِ نسواں، تعلیمِ نسواں، اور ہر ایک نسوانی چیز سے تھا! نسائیت کا وہ پُرجوش مخالف بھی تھا اور اس مخالفت کو حق بجانب بھی سمجھتا تھا! جسطرح نسائی گروہ نسائیت میں شعریت، معصومیت، مظلومیت، اور خدا جانے کیا کیا پا لینے کا عادی ہے، اسیطرح رجالی صنفِ نازک میں تریاہٹ، فضول خرچی، تنک مزاجی، چڑچڑا پن، خود سری، تکبر اور تباہ کن مذاق، بدلائل ثابت کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا! انسانی آبادی میں مفسدہ افکار بنانے کا تنہا ذمہ دار۔ وہ۔ طبقۂ نسواں کو بتاتا تھا! وہ کہتا تھا کہ عورت فطرتاً ناقابلِ قدر اور کم قیمت سی چیز ہے۔ وہ اپنے پاؤں پر تمام عمر میں سے کسی وقت بھی

کھڑی نہیں ہو سکتی! اوّل اوّل تو اپنی بھولی باتوں سے باپ کو اپنا کفیل بناتی ہے پھر متاعِ حُسن کی گرم بازاری کے بل پر شوہر کے سر پر اپنی زندگی کا بوجھ ڈال دیتی ہے، اور جب نظروں میں دلفریبی کی چمک زائل ہو جاتی ہے تو بیٹے سے کہتی ہے کہ وہ جنت کو اُسی کی پاپوش کے نیچے سمجھے! وہ تمام عمر اپنی زندگی کا بوجھ۔ مرد پر کسی نہ کسی رنگ میں ڈالے رہتی ہے اور اسی کے بل پر جیتی ہے! پھر غضب یہ کہ "ظالم مارے اور رونے نہ دے" کی طرح بیچارے گھن چکر بن جانے والے مرد کو ظالم بتاتی ہے! خود تو اُسکی بیش بہا آزاد زندگی کو پابندی کے جال میں پھانس کر "زن تیل لکڑی" کے نذر کر دیتی ہے اور خود ہی اسکی چیخ پکار ڈالتی ہے کہ مرد نے اسکی زندگی کو وبالِ جان بنا دیا! مرد فی الحقیقت نہ عورت کو قید کرنا چاہتا ہے اور نہ خود مقید ہونا چاہتا ہے وہ بلوغ کی حد میں داخل ہوتے ہی اپنے سہارے پر کھڑا ہو سکتا ہے اس لیے قید و پابندی اُسکی نظر میں سوائے طوقِ لعنت کے اور کچھ نہیں جچتی! عورت باپ کو فانی چیز سمجھتے ہی اپنا کفیل تلاش کرنے کی فکر میں سرگرم ہوتی ہے۔ پہلے اپنی آزادی کو اپنے مقصدِ حصولِ رزق کے نذر کر دیتی ہے اور پھر نہایت بے پروائی کے ساتھ شوہر کی آزادی و انسانیت کو بھینٹ چڑھا دیتی ہے! طوقِ لعنت کی معادن عورت! پابندی کی موید عورت! مرد کی قربانی چڑھانے کی ذمہ دار عورت!!"

"رجالی" کے تخیلات پر اپنی رائے کی جھول ڈالنا میری عادت نہیں اسلیے ہر دعوے کی سچائی اور کذب کا ذمہ دار "رجالی" ہی سمجھا جا سکتا ہے نہ میں! میں اُسکے خیالاتِ عُریان کو پبلک کے سامنے بلا کسی رنگ چڑھانے کے پیش کر دینے کا مرتکب ضرور ہوتا ہوں! بذاتِ خود مجھے نہ "رجالی" کی تعریف کی ضرورت نہ نسائی کی ہجو کی: میں نسائیت و رجولیت کی باہمی غرض سے جس پر باوجود نقص امن عامّی کے

کوئی دفعہ تعزیرات ہند عائد نہیں ہوتی۔ بیحد متنفر ہوں! اسقدر ضرور سمجھتا ہوں کہ "رجالی" کی بعض بعض باتیں کسی قدر صحیح مانے جانے کے لائق نظر آتی ہیں! مثلاً خواہش نسل کی فکر جسقدر تیز اور پُرجوش عورت میں ہوتی ہے، مرد میں کبھی ہرگز نہیں ہوتی! عورت مرد کو اپنی تنہا ملکیت بنانے کا رجحان ہمیشہ سے رکھتی ہے، خود پیدا کرنیوالے کی آنکھوں میں ایک مرد۔ بظاہر انصاف۔ چار عورتوں کا کفیل بننے کے لائق ہے! لیکن عورت سوکن کا نام سُنتے ہی ایسی چراغ پا ہوتی ہے کہ خدا و رسول کے الفاظ بھی اُسکی تنگ نظری اور خود غرضی کو بجھا نہیں سکتے، وہ کسی طرح فراخدلی کے ساتھ مرد کو چار عورتوں کا کفیل بنتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی، اور مساوات کے رنگ میں اپنے وجود کو۔ نئی روشنی کے بدولت۔ وحدت الوجود کے حد تک پہنچانا چاہتی ہے!

"رجالی" مساوات سے بکلّم متنفر تھا، وہ کہتا تھا کہ "نسائیت و رجولیت کو مساوات کے رنگ میں۔ برابر مقدار میں ہونے سے کوئی کارآمد مرکب نہیں بن سکتا"! خدا جانے اسکا مذاق آمیز دعوی کس حد تک قابل تسلیم ہے!

رجالی کی خاص عادات میں سے ان کے دماغ کی بلند پروازی بھی سمجھنی چاہئے جاڑے کی طویل راتوں میں جب وہ سرشام سے خواب خرگوش کے استقبال میں بدقسمتی سے تنہا۔ لیٹ کر انتظار کرتا تھا تو اسکا دماغ سبک بال تخیلات کی فضائے اثیر میں ایروپلین بنا ہوا نسائیت کی پُرامن راجدھانی پر خدا جانے کیسے کیسے حملے کیا کرتا تھا! ان ہی راتوں میں سے ایک رات کو "رجالی" نے سوچا

"اگر میں عورت ہوتا"

تو کیا کرتا؟ سب سے پہلے تو خیال آتے ہی نسائیت نے آدبوچا اور ننھا سا کلیجہ دھک سے ہو کر بانسوں اُچھلنے لگا۔ مگر رفتہ رفتہ منہ زور اشہب خیال قبضہ میں آچلا اور "رجالی" نے اپنے مخالفتِ نسائیت کے لحاظ سے ایک خیالی عجائب خانہ کی بنیاد

ڈالنی شروع کر دی! "رجالی" کے دماغ نے عجائب خانۂ نسائی کی تقسیم ذیل کے کمروں، درجوں، یا پنجروں میں کی تھی:-

درجۂ اوّل :-

اس درجہ میں نمونہ کے طور پر ایسی چند فیشن کی پوجنے والی نوعمر لڑکیاں ہوتیں جو شوہر کی گاڑھی کمائی کو بلا کسی پرواہ کے ریشمی ساریوں، خوشنما کپڑوں، اور قیمتی زیور کے نذر کر دینا حق بجانب سمجھتی ہیں! جو گھر سے لے کر باہر تک ہر چیز کو مغربی سانچے میں ڈھالنا فخر، اور مغرب کا پس خوردہ جاننا عزت سمجھتی ہیں! شوہر قرض دار ہو جائے ایمان فروشی اختیار کرے، چوری کرے یا ڈاکہ ڈالے، مگر اُن کے معیار تہذیب کو نئی پوشاک اور نئی چیزوں سے برابر اُجالتا رہے! سینا پکانا بچوں کی تربیت گھر کا حساب کتاب: یہ سب اُنکی اونچی شخصیت کے لیے ناموزوں حرکات ہیں۔ البتہ وہ کھانا چاہتی ہیں تو عمدہ اور میز پر؛ پہننا چاہتی ہیں تو بہترین درزی کا سلا ہوا، بچوں کو دیکھنا چاہتی ہیں تو سرتاپا "بابا لوگ"؛ سیر کرنی چاہتی ہیں تو لینڈو میں؛ وقت گذارنا چاہتی ہیں تو کلب میں: اور یہ سب کچھ اُسی غریب شوہر کے بل پر جو اخراجات کے بوجھ کے مارے وقت سے پہلے دُہرا اور رشک خرما سوکھا چھوارہ بنجاتا ہے! ایسی عورتیں اپنی ذات کو قابلیت و لفریبی اور حسن صبر سوز کا مجموعہ سمجھتی ہیں! گویا اُنکا وجود دلربا بیچارے بدقسمت مرد کے لیے نزول رحمت ہے۔ وہ اپنی زندگی کو اُنکی اطمینانِ رعنائی و دلربائی پر قربان کر دے! ایسی بیوی کرنا اخراجات کے لحاظ سے۔ ایک کمنا ہاتھی پال لینے کے برابر قرار پائے گی!

درجۂ دوم :-

اس درجہ میں ایسی تعلیم یافتہ خاتونیں ہوتیں جو اپنی ٹوٹی پھوٹی اُردو کی لیاقت اور فارسی کی شُد بُد پر ایک ڈگری یافتہ مرد کو اپنے سے کچھ بھی زیادہ لائق سمجھنے لگے

کبھی تیار نظر نہیں آتیں! "عصمت" سے لیکر "خاتون" تک ہر پرچہ انکی نظر سے گذرتا ہے، بعض بعض رشحات قلمی سے سرفراز بھی کیے جاتے ہیں، اور دو چار تصانیف مستقل ان کی دماغی کارپردازی کے ثبوت میں طبع بھی ہو چکی ہیں! اگر کسی نے انگریزی میں بھی ٹانگ لڑائی تو ماں باپ اور شوہر پر ایسا ناقابل برداشت احسان کیا جسکا معاوضہ سوائے ان کا فرشِ راہ بن جانے کے اور کچھ نہیں ہو سکتا! انکی شخصیت علمیت کی ایسی شمعِ شب افروز ہے کہ شوہر و متعلقین کے پروانے ہر وقت اسیر عقیدت چڑھائے جائیں تو بجا ہے! شہر کی کوئی مجلس نسوانی - یا جلسۂ قومی انکے قدوم میمنت لزوم سے بچ نہیں سکتا! وہ لکچر بھی دے سکتی ہیں، وعظ بھی کہہ سکتی ہیں اصلاح قوم پر صفحہ کے صفحہ سیاہ بھی کر سکتی ہیں! گھر کے مصارف جسمیں شوہر کے آرام و آسایش کے اخراجات بھی شامل ہیں - اصلاح قوم کے شکنجہ میں کھینچکر صفر کی حد تک پہنچائے جاتے ہیں، اور اس طرح تمام اخبار، رسائلِ نسوان، اور نسائی چندوں کی پوری ڈالی جاتی ہے! یہ عورتیں انگریزی مذاق سے متنفر سہی، مگر اسلامی کٹھ مُلّا پن انپر اس درجہ مسلط ہوتا ہے کہ ہر چیز فضول خرچی کے معیار سے جانچے جانے پر وبال جان ہو جاتی ہے! شوہر کو مولویت کا زندہ نمونہ بنانا انکا مقصد عظیم ہوتا ہے! افسوس ہے کہ ڈاڑھی سے وہ خود محروم رکھی گئیں، تاہم شوہر کی ڈاڑھی ان کے قلب قومی کے لیے باعث اطمینان بنجاتی ہے! سنت پر وہ ہمیشہ چلتی ہیں اور فرض پر شوہر کو چلانا چاہتی ہیں! خدانخواستہ آل انڈیا کانفرنس میں ہو آئیں تو گویا حریت کے سانچے میں ڈھل گئیں؛ گویا بیوی کا وجود گھر میں ایک ایسی زندہ مجلد کتاب کا وجود ہو گیا جو دلائل الخیرات بھی ہے اور امام غزالی کی کوئی مشہور تصنیف بھی -

درجۂ سوم :-

اس درجہ میں وہ چند متلاشی شوہر عورتیں رکھی جاتیں جو اپنی شخصیت کی ہمہ دانی فنظر خیرہ کرنے والی قابلیت کا اعلان نئے نئے رنگ میں کرنا جانتی ہیں!! انکے دنیا سے نرالے نام ہی اپنے انوکھے پن کی وجہ سے سننے والے کو محو تجسس بنانے کے لیے کافی ہیں! یہ اپنی ذات کا ایڈورٹائز۔ علمی رنگ میں اس خوبی کے ساتھ کرنے کی قابلیت رکھتی ہیں کہ اچھے اچھے تعلیم یافتہ حضرات انکے پھندے سے نہیں نکل سکتے بلکہ پھندے میں آجانے کے بعد اُنھیں علم ہوتا ہے کہ مضمون نگار مس صاحبہ کی قابلیت کا اندازہ جو کچھ ان کے دماغ نے کیا تھا اسکو حقیقت سے وہی نسبت ہے جو ایک عدد کو اپنے جذر المکعب سے ہوتی ہے! ایسی خاتونیں اپنی ہر صفت کو "ٹیچرز پلز" یا "وتولیا سوپ" کے ایڈورٹزمنٹ کے اصولوں پر مشتہر کرتی ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ایڈورٹائز کرنا ان کا حصہ ہے!

درجہ چہارم :۔

اس میں ہر قوم وملت، ہر ملک وزمانے کی لاتعداد عورتیں ہوتیں جو ضرورت سے زیادہ بناؤ سنگھار کو زندگی کا مقصد اعلےٰ سمجھتی ہیں۔ پُرانے زمانے میں عطر وتیل مسی سرمہ کی بھرمار تھی تو اب لیونڈر اور پلوم کا پالش کیا جاتا ہے! یہ طبقہ نہایت بڑا۔ بلکہ کل نسوانی آبادی کا ۹۰ فیصدی حصہ۔ ہوتا! کیونکہ دلربائی کا پیشہ صنف نازک کا ہر جگہ، ہر زمانہ اور ہر آب وہوا میں، دلچسپ مشغلہ رہا ہے! مرد کا دل ایک ایسا لوہا سمجھا جاتا ہے جو کبھی ان کے بالوں کے مقناطیس سے، تو کبھی ان کی تبسم دنداں نما کے مقناطیس میں گزوں کے فاصلے سے اُڑ کر چپک جاتا ہے! ماننا پڑتا ہے کہ، بلا کسی استثنا کے، ہر عورت چاہے وہ کیسی ہی نفرت انگیز چشم و ابرو رکھتی ہو۔ اپنے آپ کو مرد کے مائل کرنے کا اہل سمجھتی ہے۔ یہ صورتی ایک ایسی چیز ہے جسکو یہ طبقہ محض مرد کے لیے مخصوص کرتا ہے یعنی کسی کے محض عورت

ہونے کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ وہ بدصورت نہیں ہو سکتی - اور بدصورت بھی ہو تو، مرد کے لیے پھر بھی قابلِ پرستش قرار پاتی ہے! کسی کو محض اپنی سیاہی زلف پر ناز ہے، تو کسی کو سرخ سفید رنگ پر؛ کسی کو ایک جوڑی چلبلی ہوئی آنکھوں پر فخر ہے؛ تو کسی کو صراحی دار گردن پر! غرض تمام بدنمائی کے باوجود کوئی نہ کوئی چیز ایسی ضرور ہے جس کے بدولت وہ ہر مرد کو اپنا شکار ہو جانے کا ایمان کامل رکھتی ہے! اس لحاظ سے صنفِ نازک کا نوّے فی صدی حصّہ وہ قرار پاتا ہے جو مرد کو اپنا شکار جائز سمجھتا ہے اور تیرِ نظر کے استعمال میں اپنے آپ کو قادر انداز مانتا ہے!

رات زیادہ آ چکی تھی! رجالی کا دماغ عجائب خانہ کی تکمیل میں مصروف ہوتے ہوتے، شہر خموشاں کی سرحد میں داخل ہو گیا اور "رجالی" خراٹے لینے لگے! امید کی جاتی ہے کہ - بشرط بیداری - آیندہ کسی وقت "رجالی" کے خواب کی بسیط داستان سُننے میں آسکے!!

"جان بل"

غزلیات

حضرت مولانا ثاقب قزلباش لکھنوی

چمن کا ذکر کیا اب تو خدا کو یاد کرتے ہیں   خوشی صیاد کو ہوتی ہے جب فریاد کرتے ہیں
خدا آباد رکھے ہمسفیرانِ گلستاں کو   جو کوئی پھول کھلتا ہے تو ہمکو یاد کرتے ہیں
ہماری داستانِ غم رولاتی ہے زمانے کو   وہ ہم ہیں جو زبانِ غیر سے فریاد کرتے ہیں
اسیرانِ قفس خود بھی بہت کچھ کہہ گذرتے ہیں   چمن کے تذکرے آپہیں جب صیاد کرتے ہیں
نہیں معلوم میں کس حال میں ہوں باغ عالم میں   قفس والے بھی مجھکو دیکھکر فریاد کرتے ہیں
عدو صیاد و گلچیں کیوں ہوے میرے نشیمن کے   یہ تنکے بھی ہیں اس قابل جنھیں برباد کرتے ہیں
خود اُنکا حسن میری دادخواہی اُنسے کرتا ہے   وہ آئینہ لیے ہیں اور مجھکو یاد کرتے ہیں
لحد پر چلنے والے تھم کہ ہم کچھ کہہ نہیں سکتے   زمیں رکھتی ہے منھ پر ہاتھ جب فریاد کرتے ہیں

سرِ گورِ غریباں کچھ نہ پوچھو حالِ دل ثاقب
زمانہ جن کو بھولا ہے ہم اُن کو یاد کرتے ہیں

حضرت مولانا صفی لکھنوی

تنِ بیجاں میں جاں آتی ہے لیکن دم نکلتا ہے   مسیحا بن کے کوئی قاتلِ عالم نکلتا ہے
وہ عالم ہے کہ منھ پھیرے ہوے عالم نکلتا ہے   شبِ فرقت کے غم جھیلے ہوؤں کا دم نکلتا ہے
وہاں بالوں میں کنگھی ہو رہی ہے خم نکلتا ہے   یہاں رگ رگ سے کھنچ کھنچ کر ہمارا دم نکلتا ہے
الٰہی خیر ہو اُلجھن پہ اُلجھن بڑھتی جاتی ہے   نہ میرا دم نہ اُنکے گیسوؤں کا خم نکلتا ہے
ٹھہر اے دل ابھی احوالِ محشر پوچھے دیتے ہیں   کوئی رازِ محبت کا اگر محرم نکلتا ہے
نہیں چھوٹے بھی اُسکو امتحاں گاہِ محبت میں   جو دامن زخم کا آلودۂ مرہم نکلتا ہے

فنا ہو جا کہاں تک گریۂ طاقت گداز آخر — بخارِ دل کہیں رونے سے اے شبنم نکلتا ہے
رگِ دل کوئی شاید کھل چلی ہے نشترِ غم سے — لہو بھی آنسوؤں کے ساتھ اب کم کم نکلتا ہے
قیامت ہی نہ ہو جائے جو پردہ سے نکل آؤ — تمہارے منھ چھپانے میں تو یہ عالم نکلتا ہے
بظاہر کر دیا تھا بند جن کو چارہ گر تو نے — پھر اُن زخموں سے رس رس کر لہو ہر دم نکلتا ہے
شکستِ رنگِ رخ آئینۂ بیتابیٔ دل ہے — ذرا دیکھو تو یوں ہر غمزدوں کا دم نکلتا ہے
غرض پینے سے ہے ساقی وہ جلوے بھی نکل آئیں — تکلف برطرف بیکار جامِ جم نکلتا ہے
نگاہِ التفاتِ مہر اور اندازِ دل جوئی — مگر اک پہلوئے بیتابیٔ شبنم نکلتا ہے
کھلے گا جب کھلے گا منھ کسی کے دادخواہ نکلا — ترا اے صورِ محشر کیوں ابھی سے دم نکلتا ہے

صفیؔ کشتہ ہوں ناپرسانیوں کا اہلِ عالم کی
یہ دیکھوں کون میرا صاحبِ ماتم نکلتا ہے

حضرت مولانا عزیزؔ لکھنوی

بڑھتی نہ احتیاطِ دلِ ناصبور کی — یہ آگ ہے لگائی ہوئی برقِ طور کی
حسرت تھی قلبِ نور میں تیرے ظہور کی — تقدیر چمکی برقِ تجلائے طور کی
جنبش میں ہے حجاب دلوں میں ہے اضطراب — یہ سب علامتیں ہیں کسی کے ظہور کی
دیکھے بغور کوئی وسیع النظر اگر — صحرائے اعتبار ہے خاک ان قبور کی
آخر حجابِ ناز میں وہ مسکرا دیے — کیسی ضدیں تھیں یہ ارنی گوئے طور کی
آئے ہیں وہ تو پاس بلائے انھیں کوئی — اب سوجھتی نہیں ہے کوئی چیز دور کی
زاہد نے اپنے رنگ میں بدلا ہے نامِ حسن — اک وہم دلفریب ہے تخئیل حور کی
جس سے بنا ہوئی ہے ہیولائے عشق کی — کچھ خاک تھی وہ میرے دلِ ناصبور کی
یہ کہہ کے بزمِ وعظ میں اک جام پی لیا — کب تک رکھیں امید شرابِ طہور کی
ہوتا نہیں ہے کوئی زمانے میں کیا جواں — اللہ کوئی حد ہے تمہارے غرور کی

جس نے سُنا کبھی مرے مرنے کا واقعہ	تہا رو بن کے اُسنے شکایت ضرور کی
بیمارِ غم ہے منتظرِ حکم آخری	اب چاہیے ہے صرف اجازت حضور کی
ذرات میں فضا کے تموج ہے قہر کا	آشوب گستر آہ کسی نے ضرور کی
بیمارِ غم پر آپ نے احسان تو کیا	اتنا مگر کہوں گا کہ غفلت ضرور کی
واعظ بُرا نہ جان محبت وہ روح ہے	جو وُردِ تہ نشیں ہے شرابِ طہور کی
کانٹے زبان حضرت واعظ میں پڑ گئے	تعریف کرتے کرتے شرابِ طہور کی
دریا مہیب رات اندھیری کنارہ دور	کس کو بھلا امید یہاں سے عبور کی
شاید کہ مر گیا ہے اس انداز پر کوئی	ایجاد ہو رہی ہیں ادائیں غرور کی
شکوہ ہے مجکو فطرتِ ہستی فریب سے	اُسکو تو اطلاع تھی ان سب امور کی
مدت سے جذب ہو رہی تھی اک نگاہِ شوق	آخر کو شکل بن ہی گئی برقِ طور کی
دل تابعِ کشش تھا کشش تابعِ جمال	ہاں ہاں محبت آپ سے کی اور ضرور کی

اک بات تھی کہ چبھ گئی دل میں مرے عزیزؔ
بھولوں گا میں ہنسی نہ شکستہ قبور کی

حضرت مولانا حسرت موہانی

تجھکو پاسِ وفا ذرا نہ ہوا	ہم سے پھر بھی ترا گلا نہ ہوا
ایسے بگڑے کہ پھر جفا بھی نہ کی	دشمنی کا بھی حق ادا نہ ہوا
جان عاشق نثارِ دوست ہوی	شادیِ مرگ کا بہانہ ہوا
کٹ گئی احتیاطِ عشق میں عمر	ہم سے اظہارِ مدعا نہ ہوا
تیرے اس التفات کا ہوں غلام	جو ہوا بھی تو برملا نہ ہوا
حُسن کی شان سادگی سے بڑھی	طرّۂ زلف گردِ دِ تا نہ ہوا
کچھ عجب چیز ہے وہ چشم سیاہ	تیر جس کا کبھی خطا نہ ہوا

رو برو اُس کے کچھ نہیں معلوم
کیا ہوا بے خودی میں کیا نہ ہوا

خم کے خم غیر پی گئے ساقی
ہمکو اک جام بھی عطا نہ ہوا

حیف ہے اُس کی بادشاہی پر
تیرے کوچے کا جو گدا نہ ہوا

مر گئے ہم تو مٹ گئے سب رنج
یہ بھی اچھا ہوا بُرا نہ ہوا

ڈر گیا اُس نگاہ برہم سے
دل کو یارائے التجا نہ ہوا

جب تلک میرے دل میں جان رہی
درد مایوسِ مرحبا نہ ہوا

مل گئی مجھکو صبر عشق کی داد
وہ جو شرمندۂ جفا نہ ہوا

قانعِ رنج عشق تھا حسرت
عیش دنیا سے آشنا نہ ہوا

حضرت آشفتہ لکھنوی

وہ ہمدردی سے سُننے آئے ہیں پھر داستاں میری
خداوندا مرے قابو میں رہیو نا زباں میری

زمیں تنگ ہو رہی ہے دشمن نام و نشاں میری
بنا ئینگے میرے احباب اب تربت کہاں میری

دل زخمی میں ٹانکے دے دیے یہ کیا قیامت کی
مٹا دی بخیہ گر کیوں لذت درد نہاں میری

ملا ہے مدتوں کے بعد اب فرمان آزادی
نکالی جا رہی ہیں بیڑیوں سے ہڈیاں میری

بٹھاتی ہے مجھے ہر ہر قدم پر دوری منزل
دل بیتاب وہ اگلی سی طاقت اب کہاں میری

سُنا ہے جانچنے آتے ہیں وہ اپنے اسیروں کو
سمیٹی جا رہی ہیں جا بجا سے ہڈیاں میری

سر محشر شکایت میں کسی کا نام جب آیا
بڑی مشکل سے آئی میرے قابو میں زباں میری

فلک جلاد تم بے مہر اور تقدیر برگشتہ
خدا جانے کہاں سے خاک پہنچیگی کہاں میری

الٰہی خیر کرنا رنگ بے ڈھب ہے زمانے کا
سُنا کرتا ہے اکثر جھک کے باتیں آسماں میری

جناب عبدالباری صاحب آسی

وہ بت نا آشنا ہے اُسکو کیونکر آشنا کرلوں
تو ہی انصاف سے کہہ اے دل مضطر میں کیا کرلوں

ٹھہرئیے عمر گذراں صبر کرلے موت تھوڑا سا
وہ مجھپر کچھ جفا کرلے میں اس سے کچھ وفا کرلوں

زباں ہی کا ٹنا اچھا مرا سر ہی قلم کرنا
بس اتنی سی اجازت دو کہ عرض مدعا کرلوں

دل ایسا پس گیا سوچ خرام ناز دلبر سے
جواب چاہوں تو دل میں بھی نشان نقش پا کرلوں

کہا کرتے ہیں مرنا ہے حیاتِ عاشق مضطر
مرا مرنا جو جینا ہے تو میں خود کو فنا کرلوں

سنا ہے یہ کہ کعبے میں کبھی رہتے تھے بت پہلے
وہاں بھی اُسکو ڈھونڈھوں فرض ہے یہ بھی ادا کرلوں

خدا میری دعا میں دے اگر تاثیر اے آسی
تو سب سے پہلے آہ نارسا کو میں رسا کرلوں

حضرت رضا صدیقی الہ آبادی

نامرادی میں ترا نام وہ کرجاتے ہیں
رشک دشمن میں جو بے موت ہی مرجاتے ہیں

دشت وحشت کی تڑھی آبلۂ پا سے بہار
یہ وہ موتی ہیں جو کانٹوں پہ بکھر جاتے ہیں

سحر آمیز ہیں کس درجہ تمھارے انداز
آنکھوں ہی آنکھوں میں دل میں اُتر جاتے ہیں

رشک دشمن نہ سہی آپ ہی کا جور سہی
مرنے والے تو کسی طرح سے مرجاتے ہیں

ابھی کچھ دیر بھی تو آپ کو آئے نہ ہوی
پھر یہ جلدی ہے کہ چھوڑ وہیں گھر جاتے ہیں

غیر کے ساتھ کبھی اور کبھی تیغ بہ کف
اپنے بیمار کی پرسش بھی وہ کرجاتے ہیں

روز ہو جاتے ہیں دو چار شہید ابرو
روز صدقے ترے خنجر کے اُتر جاتے ہیں

لطف دیتا ہے اُن آنکھوں کا حیا سے جھکنا
جب وہ پہلو سے مرے وقت سحر جاتے ہیں

تیغ و شمشیر کی حاجت نہیں کچھ اُنکے لیے
بانکے تیور کی اداؤں سے جو مرجاتے ہیں

اک یہ قسمت ہے جو بن بن کے بگڑتی ہی رہی
اک وہ گیسو ہیں بگڑ کر جو سنور جاتے ہیں

کوستے ہیں وہ مجھے منھ پہ مرے یہ کہہ کر
ہم دعائیں جنھیں دیتے ہیں وہ مرجاتے ہیں

اپنی چلتی تو بہت کرتے ہیں نالے میرے
شب غم آکے تسلی مری کرجاتے ہیں

اے رضا ہے وہ غضب وقت قیامت کی گھڑی
میرے گھر ہو کے جو وہ غیر کے گھر جاتے ہیں

حضرت باسطؔ بسوانی

ہوتی ہے بلبلِ نالاں کی صدا بھی اچھی — تم جو سن لو تو مری آہِ رسا بھی اچھی
غیر کے کہنے سے کرتے ہو وفا کیا حاصل — اپنی خاطر سے کرو تم تو جفا بھی اچھی
لطف شوخی کا نہیں جان کے شوخی کرنا — ہو بناوٹ سے جو خالی تو حیا بھی اچھی
مژدۂ وصل بنے کاش اجل کا پیغام — شادیِ مرگ کی صورت میں قضا بھی اچھی
ہو مبارک تجھے گلگشت چمن اے لیلےٰ — تیرے مجنوں کو تو جنگل کی ہوا بھی اچھی
دشمنی شیخ سے مجھکو نہ برہمن سے ہے بیر — دَیر بھی خوب ہے کعبہ کی فضا بھی اچھی

خون ناحق کا مرے کون ہے پرساں باسطؔ
ضد ہے قاتل کو کہ ہے اس سے حنا بھی اچھی

جناب امین الحسن صاحب بسملؔ

ہے فسونِ نگہِ شوق جو نادانوں پر — یہ دوپٹے نہیں ٹھہرینگے کبھی شانوں پر
بل ہے ابرو پہ نگاہوں میں چمک تیغ پہ ہاتھ — آج جوبن ہے ترے حُسن کے دربانوں پر
یہ جو دیکھا ہے کہ بلبل ہے قفس تک میں بھی شاد — بجلیاں گرتی ہیں صیاد کے ارمانوں پر
تو جفا ترک نہ کر یہ بھی مسیحائی ہے — اے ستمگر یہی احسان ہو دیوانوں پر
عبرت انگیز ہے محفل سے پشیماں اُٹھنا — رحم آتا ہے مجھے آپ کے مہمانوں پر

شکر قاتل کا ادا ہو نہیں سکتا بسملؔ
ایک احسان یہ بھاری ہے سب احسانوں پہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پچھال صابن کیا ہے

ہمارے خاندانی طبیب کی ایجاد ہے

[illegible]

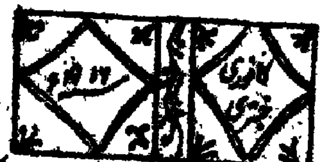
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی جنتری



سنہ ۱۹۱۶ء کی کافوری جنتری نہایت خوبصورت اعلیٰ درجہ کے چکنے کاغذ پر چھپی ہے اور بلا قیمت محصول ڈاک قدردانوں کے پاس بھیجی جاتی ہے اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو ایک کارڈ پر دس مشرق جگہ کے شریف لکھے پڑھے اشخاص کے نام اور پورا پتہ لکھ کر بھیج دیجیے۔ جنتری بذریعہ ڈاک آپ کی خدمت میں روانہ کر دی جائے گی۔

تندرستی کی گفتگو

سبھی اپنی صحت کو درست رکھنے کے لیے امیر سے غریب تک فکر میں رہتے ہیں اور اپنی من مانی جیسا سوجھتی ہے ویسا ہی کرتے ہیں۔ دولتمند گھی۔ دودھ۔ میوہ وغیرہ کھاتے ہیں اور قیمتی دوا کی تلاش کرتے ہیں۔ غریب کم خرچ بڑی۔ بوٹی اور ٹھیلے کے کھوج میں رہتے ہیں۔ اس جاڑے کے موسم میں ایسے مقویات کا کھانا بھی نہایت مفید ہوتا ہے کیونکہ اس موسم میں ہر چیز مریض کے موافق ہوتی ہے اس فکر اور دقت کو دور کرنے کی نہایت ہی آسان ترکیب ہے جسمیں نہ تو زیادہ پریشانی ہوتی ہے اور نہ اسقدر لیاقت سے باہر خرچ ہے وہ ڈاکٹر ایس کے برمن کی مقوی باہ عمدہ گولیاں ہیں۔ آپ بھی آزمائش کرکے دیکھیے۔ یہ بھوک کو بڑھاتی ہیں اور خون کو نیا پیدا کرتی ہیں۔ جوانی میں بے اعتدالیوں کی وجہ سے جو خرابی پیدا ہو جاتی ہے اور جوانی میں بڑھاپے کی سی حالت ہو جاتی ہے۔ یہ سب شکایتیں دور کرکے نیا خون اور نیا جوش پیدا کرتی ہیں۔

لال شربت　　　لال شربت　　　لال شربت

اگر

آپ چاہتے ہیں کہ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو تندرست دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو لال شربت پلا دیں کلیجہ کی کمزوری [illegible] کو دور کرنا چاہتے ہیں تو لال شربت پلا دیں پیدائش کے وقت سے [illegible] فائدہ کرتی ہے پینے میں شیریں اور [illegible] ہونے کی وجہ سے [illegible] استعمال کرتے [illegible] کر دیکھیے قیمت [illegible]

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ [illegible] تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

رجسٹرڈ نمبر قسم اول ا ے۔ ۱۵۷

جلد ۱۱ فروری سنہ ۱۹۱۶ء نمبر ۵

تمدن

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی اور علمی مضامین کا

مخزن

ایڈیٹر ایم۔ اے قاری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قاری

محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
جذبات الاقوام۔ جناب خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب	۱	میرا خیال ہے کہ ہم گلستاں جہاں کے پھول ہیں۔ ایک نظم	[illegible]
کحل الجواہر۔ حضرت ثاقب قزلباش لکھنوی	۹	ویران صنم خانے۔ جناب سید سجاد حیدر صاحب بی۔ اے (علیگ)	[illegible]
نئے دولہا کے خیالات۔ جناب مرزا محمد اشرف صاحب گورگانی بی۔ اے	۱۰	اکیلا بلبل۔ جناب غلام محمد صاحب طور ایم۔ اے	۳۳
ترک محبت۔ جناب محمد باسط علی صاحب باسط	۱۹	مسلمانوں کے پہلی صدی کے علمی کارنامے۔ جناب جلال الدین	[illegible]
مسٹر ٹالم لولا کی ڈائری کے چند اوراق۔ جنگجو بیوی کا صلح پسند خاوند	۲۱	ابوالفیض فیضی۔ جناب ابوالحسنات صاحب ندوی	۴۸
		عرب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ۔ جناب مولانا حکیم سید عبد [illegible]	[illegible]
عورت کے جذبات پر دو سہیلیوں کے خیالات۔ ایک ہندوستانی مسلمان عورت	۲۷	غزلیات۔ حضرت لیق لکھنوی۔ عزیز لکھنوی۔ [illegible]۔ محشر لکھنوی۔ ثاقب قزلباش لکھنوی۔ آشفتہ لکھنوی [illegible]	

پبلشر محمد [illegible] قاری — پرنٹر [illegible] علی

نارد ریانڈ یا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا

مقام اشاعت پل چھاؤلال لکھنؤ

قیمت سالانہ قسم اول [illegible] — نمونے کی پرچہ کی قیمت [illegible] — قیمت سالانہ قسم دوم [illegible]

قواعد

(۱) "تمدن" ہر ماہ کی ۱۷ تاریخ کو لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے۔

(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر برا اثر پڑے یا ذاتیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے ہوئے ہوں درج "تمدن" نہیں ہوتے۔

(۳) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۳۰ تاریخ تک آجانے چاہئیں۔

(۴) جو مضمون کسی دوسرے رسالے میں شائع ہو چکا ہو اُسکو "تمدن" کے لیے ارسال نہ کرنا چاہیے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی نمبر نہ پہنچے تو اُسی ماہ کی ۳۰ تاریخ تک طلب کریں ورنہ پھر چار آنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا۔

(۶) ناتمام مضامین درج "تمدن" نہیں ہو سکتے۔

تمدن

جذبات الاقوام

(گذشتہ سے پیوستہ)

ہمارا انسانی کائنات جو اسوقت مختلف اقوام کے اندر تقسیم شدہ ہے اور جو تقسیم دن بدن ایک مستقل حدود میں آتی جاتی ہے اس کائنات میں ایک مضبوط حق اور مضبوط دعویٰ رکھتی ہے اور ہر انسانی کائنات یا ہر ہر قوم کو شخصیت کی طرح ایک کشش اور ایک جذب حاصل ہے اگر ہم جذبات شخصیتوں کا احساس رکھتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ جذبات الاقوام سے ہم نابلد رہیں وہی قوم بحیثیت ایک قوم کے دائرۂ حیات میں رہ سکتی ہے جو دوسری اقوام کے جذبات سے واقف ہے اور جو ایسی حس رکھتی ہے جو قوم اپنی ہمسایہ اقوام کے احساسات اور تصرفات و جذبات سے واقفیت نہیں رکھتی وہ دوسرے الفاظ میں اپنی ہستی اور اپنی ہستی کے احساسات و ضروریات سے بھی واقفیت نہیں رکھتی وہ ان جذبات سے ناواقف ہے جو دوسری اقوام کو اپنے اندر جذب کر سکتے ہیں طبعاً

ہر ہستی کی یہ آرزو رہتی ہے کہ اُسے کوئی دوسرا جذب نہ کرسکے دوسرے اُسمیں وقتاً فوقتاً جذب ہوتے رہیں۔ حسین ہمیشہ چاہتا ہے کہ اُس کی شمع حسن کے سب پروانہ ہوں حسن کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی ہے کہ اُسکی مدح و تعریف سے کوئی زبان خالی نہ رہے ہر کوچہ میں اُسکا اثر ہو اور ہر منزل میں اُسکی آؤبھگت کی جائے بصورتی بھی گو بجائے خود ایک طاقت اور ایک کشش رکھتی ہے مگر وہ محض ایک ہوس ہوتی ہے اور بہت کم لوگ طبعاً اس طرف مجذوب ہوتے ہیں یہی حالت اُس شخصیت اُس کنبہ اور اُس قوم کی ہوتی ہے جو دوسری شخصیتوں کنبوں اور قوموں کے مقابلہ میں کوئی حسن اقبال۔ حُسن تدبر حسن تمدن اور حسن طریق عمل رکھتی ہے وہ ہمیشہ اس خواہش میں رہتی ہے کہ دوسری قومیتیں اُس میں رفتہ رفتہ مجذوب ہوتی جائیں یہاں تک کہ سر سے پاؤں تک اُس میں رنگی جائیں اور اُسکا روپ اختیار کریں اور اُسی کا کلمہ پڑہیں۔

بوے تو زبوے گُل سشناسد
آن راکہ دماغ بوشناس ہست

اگر کہا جائے کہ کسی قوم کی ایسی خواہش اور ایسا ارادہ اور ایسا طریق عمل عدل و انصاف یا ضابطہ قدرت کے خلاف ہے تو یہ ایک ایسی غلطی ہے جو صرف اس وجہ سے عاید ہوتی ہے کہ ہم ضابطہ قدرت اور اسکے عدل و انصاف سے واقفیت نہیں رکھتے۔ ہر کھلے میدان میں جو قدرت کی جانب سے کُل کائنات کے حصہ بخرے میں رکھا گیا ہے اور جو شرا کتا سے آزاد ہے ہر شخص اور ہر قوم دوڑ دھوپ کی کامل آزادی رکھتی ہے اور ہر ایک کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی بساط کے مطابق اُس سے اپنا حصہ لے اور اپنی آسائش کے حاصل کرنے میں زور لگائے۔ کسی قوم کو یہ حق حاصل نہیں کہ قدرتی فیضان کے حاصل کرنے سے کسی دوسری

قوم کو روکے اور مزاحمت کرے ہر شخص اور ہر قوم قدرت کی جانب سے وافر وسائل سعی اپنے قبضہ میں رکھتی ہے کوئی وجہ نہیں کہ اُن سے کام نہ لیا جائے اور قسمت آزمائی نہ کی جائے۔ بمصداق۔

لیس للانسان الا ما سعیٰ

جب قدرت مفت بخشتی ہے تو ہمیں بھی اپنی مساعی کے ماتحت مفت ہی لینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ گو ہماری کوششیں بھی بجائے خود بہت کچھ قیمت رکھتی ہیں لیکن بعض مواد اس کائنات میں ہیں ایک بڑی حد تک مفت ہی ملتے ہیں کوئی قوم قوت جاذبہ سے خالی نہیں بعض اقوام کا جاذبہ رفتہ رفتہ بعض ناقص بواعث کے ماتحت کمزور پڑ گیا ہے اور بعض کا ترقی پا چکا ہے ہر جاذبہ کی یہ طبعی خواہش ہے کہ

(الف) وہ دوسرے جاذبہ پر غالب آئے۔

(ب) دوسرے اُس میں جذب ہو جائیں۔

(ج) اگر وہ اوروں کو جذب نہیں کر سکتا تو خود کسی میں جذب نہ ہو

(د) یا کم سے کم یہ کہ اُسکا جاذبہ بجائے خود ثابت اور قائم رہے۔

(ھ) اُس کا جاذبہ گویا اُسکی ہستی ہے۔

ہر جاذبہ دوسرے جاذبہ کے مقابلہ میں بایں مدعا لگا رہتا ہے کہ اُس کے ہندسے اُس کی قوت اور اُسکے ودسٹ بڑھیں وہ بہ نسبت اوروں کے ممتاز اور ایک جداگانہ ہستی ثابت ہو اور قائم بھی رہے اور اگر کوئی دوسری ہستی اُسکے متمتعات تمدنی و اقتصادی پر قابض ہونا چاہے تو اُس کے پاس اُنکی حفاظت کا سامان اسقدر ہو کہ اُسے کسی قسم کی مایوسی کا سامنا نہ ہو نہیں کہ دوسری قوم یا دوسری قومیں اُسکی موجودگی میں اُسکی طرح اپنے متمتعات کی

نگراں نہ رہیں بلکہ یہ کہ اُسکی ہستی مقابلتاً محفوظ رہے جس طرح ایک ہوشیار کسان اور کسانوں کے مقابلہ میں اپنی کھیتی باڑی کی حفاظت کرتا اور اسکی ترقی میں کوشاں رہتا ہے اور اپنے فوائد کو ہاتھ سے نہیں دیتا اور ہر مناسب موقع کی تلاش میں لگا رہنا ایک فرض سمجھتا ہے اور اسی طرح اسکے مقابلہ میں دوسرے کسان بھی اپنی اپنی جگہ پر کوشاں رہتے ہیں ایسے ہی اقوام کا بھی حال ہے۔

قوموں کے ہی نہیں بلکہ شخصیتوں کے جاذبات یہی ہوتے ہیں جن پر اُنکی زندگی کا دارومدار ہوتا ہے جاذبات کے کم ہونے یا نہ رہنے سے قومیں برباد ہوجاتی ہیں اور رفتہ رفتہ اُنکی ہستیاں مٹ جاتی ہیں مٹ جانے اور نہ رہنے سے یہ مطلب ہے کہ

(۱) یا تو وہ بالکل ہی مٹ جاتی ہیں۔

(۲) یا ایسی کمزور ہوجاتی ہیں کہ اُن کا عدم وجود برابر ہوجاتا ہے۔

قوموں کے جاذبات وہی جاذبات ہوتے ہیں جو شخصیتوں کے ہیں شخصیتیں جس قدر جذبات جداگانہ رکھتی ہیں وہ قومی رنگ میں بصورت اجتماعی قومی جذبات کی صورت اختیار کرتے ہیں شخصی جذبات انفرادی ہیں اور قومی جذبات اجتماعی قومی یا اجتماعی جذبات کی اقسام حسب ذیل ہوسکتی ہیں۔

(الف) مذہبی جاذبہ۔

(ب) اخلاقی جاذبہ۔

(ج) تمدنی جاذبہ۔

(د) اقتصادی جاذبہ۔

ان چاروں جذبات کے سوائے ایک پانچواں جاذبہ سیاسی بھی ہے جو ہماری بحث سے خارج ہے۔ ہر قوم کا یہ فرض اعلےٰ ہے کہ وہ اپنے جاذبات کے قائم رکھنے کی

کوشش میں رہے نہ صرف قائم رکھنے میں ہی بلکہ اس میں بھی کہ اُسکے جاذبات مترقی ہوں اور بہ خوش اسلوبی اُن سے کام لیا جا سکے اور دوسری قومیں رفتہ رفتہ اُن کی متمنی رہیں اور انہیں شامل ہو کر اُن کی تعداد اور مجموعہ میں اضافہ کریں اُنکا مذہب - اُن کے اخلاق اُن کا تمدن اُن کے اقتصادیات اس عمدگی اور اس خوش اسلوبی سے موثر ہوں کہ دوسری شخصیتوں اور قوموں کے دل و دماغ اُنکی طرف رفتہ رفتہ متوجہ ہوتے جائیں -

کسی قوم کے جاذبات قومی اُس صورت میں مترقی اور پاکیزہ رہ سکتے ہیں - ایسی قوم کی قومی حسیات قومی ادراکات قومی تصرفات اور مترقی جذبات کی رفتار میں سبکی - تیزی تمکنت - استقلال پیدا ہوتا جائے اور خود قوم کو یہ اعتماد ہو کہ اُسکی قومی قوتیں اس درجہ پر پہنچ چکی ہیں کہ جلب منافع اور سلب مضار کے اعتبار سے صحیح قوتیں خیال کی جا سکتی ہیں موثر بھی ہو سکتی ہیں اور متاثر بھی -

جب تک قومی قوتوں قومی جذبات پر اعتماد نہ ہو تب تک کوئی قوم دنیا میں برقرار اور قائم نہیں رہ سکتی قوموں کو باصول خودداری ایسی اعتمادی قوتیں پیدا کرنی چاہئیں جو خود تو کسی میں جذب نہوں لیکن دوسروں کو خود میں جذب کرنے کی طاقت موثرہ رکھتی ہوں - یہ بات اُسوقت تک نہیں ہو سکتی کہ جب تک قوموں میں خودداری کا مواد پیدا نہ ہو - پیدا ہی نہ ہو بلکہ مستقل طور پر رہے بھی اور اُس سے کام بھی لیا جائے جو قوم دوسروں کو خود میں جذب کرنے کی طاقت نہیں رکھتی وہ ایک ایسا جمود رکھتی ہے جو بمنزلہ سکرات یا بیہوشی کے ہے

دنیا میں ہر چیز خصوص زندہ اشیاء کی زندگی حرکت ہے جو جمود کے خلاف ہے حرکت کا اثر یہ ہے کہ وہ رفتہ رفتہ بڑھتی جاتی اور استقامت پذیر ہوتی جاتی ہے اور اُسکا دائرہ بڑھ کر خارجی اشیاء کا محیط ہوتا ہے جس سے اُسکی طاقت موثرہ

اور متاثرہ دونوں رنگوں میں مترقی ہوتی ہے دیکھو جو مذہب اپنے اندر یہ طاقت نہیں رکھتا کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اس میں منتقل ہوسکیں اُسکا جاذبہ یا ہاضمہ قوی شمار نہیں ہوتا اور وہ رفتہ رفتہ یا تو کمزور پڑجاتا ہے یا اُسکا دائرہ کم ہوتے ہوتے بالکل ایک نقطہ رہ جاتا ہے یہی مثال قوموں کی بھی ہے وہی قوم ترقی پذیر ہوگی جس کا جاذبہ اور ہاضمہ قوی ہو جاذبہ اور ہاضمہ اُس صورت میں قوی ہوسکتا اور بڑھ سکتا ہے کہ جب اُسکے وسائل صحیحہ حاصل اور موجود ہوں ایسے وسائل حسب ذیل ہوسکتے ہیں یا ہونے چاہییں۔

(۱) حسن و قوت مذہب۔

(۲) حُسن تمدن۔

(۳) حسن اخلاق۔

(۴) حسن اقتصادیات۔

(۵) حسن اتفاق و خلوص۔

یہی تمہ سرور یہ ہے جو قوموں کو عروج اور اقبال کی راہیں دکھاتا ہے اسی کی برکات قوموں کو اپنے مرکز پر قائم رکھتی ہیں وہ قوم جو بدقسمتی سے گرچکی ہے غور کرے اور دیکھے کہ کیا اُس میں یہ تمہ سرور یہ پایا جاتا ہے اور کیا اُس کی اُسے ضرورت ہے اور کیا اس کمی کی وجہ سے اُسکی حالت اور اُسکا رشتہ کمزور پڑتا جاتا ہے اگر غور کرنے کے بعد واقعی یہ کمی پائی جاتی ہے تو اُسکا فرض ہے کہ وہ مڑکر دیکھے کہ کسقدر فاصلہ پر اُسکا ابتدائی مرکز رہ گیا ہے۔ ہر قوم کا مرکز اور کرہ جداگانہ ہوتا ہے یہ کہنا کہ کُل قومیں ایک ہی مرکز اور ایک ہی کرہ پر ترقی کرسکتی ہیں غلط ہے ہر قوم اور ہر گروہ کا مرکز ترقی کرہ عروج جداگانہ ہوتا ہے اُسی پر آن کردہ ترقی اور عروج حاصل کرسکتی ہے۔

اگر کسی قوم نے مذہبی راہوں سے ترقی کی منزل پائی ہے تو وہی راہیں اُسکے واسطے موجب عزت و احترام ہوسکتی ہیں دوسری راہوں کا لینا اُس کے واسطے اگرچہ بادی النظر میں یا چندروزہ خوشنما اور خوش آیند معلوم دیتا ہے لیکن دراصل وہ سماں ایک فریب وہ تخیل ہے جو قوم دوسری اقوام کے اصولی جذبات یا مرکزی جذبات کی مقلد ہے اور اپنے اصولی یا مرکزی جذبات سے رفتہ رفتہ دور ہٹتی جاتی ہے وہ اپنے ادبار اور تنزل کے قریب تر ہوتی جاتی ہے۔

کائنات انسانی ایک دوڑ رکھتی ہے۔ وہی قوم اس دوڑ میں قائم رہ سکتی ہے جو اپنا مرکز نہ چھوڑے اور دوسرے کے جذبات میں خود منجذب نہو جائے کوشش یہ ہونی چاہیے کہ دوسری طاقتیں اسکے حسن جذبات حسن تصرفات کو دیکھکر اُنھیں جذب ہو جائیں جو چشمہ پانی لیتا نہیں بلکہ ہمیشہ پانی دیتا ہی رہتا ہے وہ اخیر پر خشک ہو جاتا ہے اور لوگوں کے واسطے اُسکا وجود مفید نہیں رہتا اگر ایک قوم دوسری قوم کے جذبات میں منجذب ہونا بُرا اور نقصان رساں خیال نہیں کرتی تو کیا بایں حالات یہ کہا جاوے گا کہ وہ اپنے قومی جذبات قومی مرکز کی عزت کرتی ہے یا اُس سے اُسکو کوئی محبت اور تعلق ہے۔

جو شخص اپنا گھر چھوڑ کر ہمیشہ دوسروں کے گھروں میں رہتا اور اُنھیں رسوم کا پابند اور خوگیر ہوتا ہے اُسکا گھر کبھی آباد نہیں رہ سکتا وہ ایک ویرانہ شمار ہوگا اُسے گھر کون کہہ سکتا ہے۔ قومی تحفظ کا بڑا اصول یہ بھی ہے کہ قومیں پیچھے ہٹ کر اپنا پُرانا مرکز بھی دیکھیں کہ وہ کیا شان و شوکت رکھتا تھا اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو تو ذرا پیچھے ہٹو بے شک آگے چلنا ایک ترقی ہے لیکن اپنے مرکز سے ہٹ جانا اور اُسکی خبر نہ لینا ایک تنزل بھی ہے اگر ایک شے زمین پر سے اوپر پھینکی جائے اور وہ زمین کا مرکز چھوڑ چکے تو اس کا حشر

کیا ہوگا یا تو وہ معلق ہوگی اور یا جو یا خلا میں ہمیشہ کے واسطے پَرّاں رہے گی کیا یہ ترقی ہوگی اصل ترقی مرکز کا قائم رہنا ہی ہے جو ترقی کوئی مرکز ہی نہیں رکھتی وہ ترقی نہیں بلکہ ایک تنزل اور ایک ایسی سبیل جو کبھی منزل مقصود پہ پہنچا نہیں سکتی۔

ہر قوم جذبہ اور کشش رکھتی ہے جذبہ اور کشش کا یہ کام نہیں ہونا چاہیے کہ دوسروں کو دوڑتا دیکھکر چابک یا قمچی مار کر روکے اور یہ چاہے کہ اُسکو روک کر خود بڑھے بلکہ یہ کہ خود تیزی سے بڑھے اور آگے نکلے اور اپنے حسن جذبات سے دوسروں کو گرویدہ بنائے اور یہ کوشش کرے کہ دوسری شخصیتیں اور دوسری قومیں اُسمیں منجذب ہوں یہ اُس وقت تک نہیں ہو سکتا کہ جب تک کوئی قوم اپنے جذبات سے آگاہ نہ ہو اور یہ نہ جانے کہ اُن کی حشمت اور پیمانہ کسقدر ہے اور اُن میں کس قدر طاقت پیدا کی جا سکتی ہے۔ اور اُن سے کہاں تک کام لیا جا سکتا ہے۔

جو قوم یہ جانتی ہی نہیں کہ اُسکے جذبات کیسے ہیں اور اُن کی کیفیت کیا ہے اور کس طرح شخصی جذبات قومی جذبات کا رنگ اختیار کرتے ہیں اور کس طرح اُنھیں مجموعی حالت میں مفید بنایا جا سکتا ہے اور کس طرح دوسری قومیں اور دوسری شخصیتیں اُن میں شامل ہو سکتی ہیں وہ اس کش مکش کی دنیا میں بمشکل قائم اور ثابت رہ سکتی ہے لوگ عموماً انفرادی رنگ دیکھنے کے عادی ہیں اجتماعی رنگ میں دیکھنے کے عادی نہیں ہیں حالانکہ قومی رنگ میں بھی دیکھنا لازمی ہے۔

در عشق نہ تسبیح نہ زنار ضرور است
تارے بکف از طرۂ دلدار ضرور است

سلطان احمد

کحل الجواہر

حضرت ثاقب قزلباش لکھنوی

جان خوش ہے باغ ہستی میں دل مسرور ہے
کیا بہار زندگی جب آنکھ ہی بے نور ہے

صورت رحمت کمان ہے نیا ہے آنکھوں میں سیاہ
جل رہا ہے دل کہ ٹھنڈا کیوں چراغ طور ہے

دید کے قابل تماشا گاہ عالم ہے مگر
وائے محرومی اگر آنکھوں سے تو معذور ہے

وہ طلسمی لوح سب کہتے ہیں جسکو مردمک
سات پردوں میں یہ راز تجلی مستور ہے

ایک نقطہ ہے جو ہے صورت کش ارض و سما
ایک تل ہے جسمیں عالم کی فضا محصور ہے

صنعتیں ہیں کلک قدرت کا مرقع دیکھیے
انطباع شکل کا حیرت نما دستور ہے

کب چھپی تصویر کب آنکھوں سے غائب ہوگئی
نقش اول کیا ہوا جب دوسرا منظور ہے

منطبع ہوتی ہیں لاکھوں رنگ کی شکلیں مگر
کوئی دھبا لوح پردہ جائے کیا مقدور ہے

دیدۂ بینا بڑی نعمت ہے دیکھو غور سے
لطف ہستی ہے جو آنکھوں میں ضیا دستور ہے

کور ہونا ہے گوارا یا بصارت ہے عزیز
اے مریض چشم بتلا کیا تجھے منظور ہے

کیوں ہے یہ آشوب کیوں جاری ہے پانی آنکھ سے
آگیا ہے کچھ ورم پردوں میں یا ناسور ہے

خیر تقبی کی نہیں آنکھوں میں دانے ہیں اگر
پتلیاں دھندلی ہوئیں تو روشنی کا فور ہے

ابتدائے ہر مرض میں چاہیے فکر علاج
حد سے گذرا درد تو لقمان بھی مجبور ہے

دو قدم زحمت اٹھا آنکھوں کی صحت کے لیے
تو ہے ناواقف نہ دارالطب کچھ ایسا دور ہے

اس مطب میں خاص آنکھوں ہی کا ہوتا ہے علاج
یہ مکاں آلات نوایجاد سے معمور ہے

ہیں اطبا حاذق فن جامع فضل و کمال
علم کا مخزن ہے یہ عاد الشفا مشہور ہے

اس توجہ کا جو ہے ثاقب کے حال زار پر
زیر بار منت و احساں دل رنجور ہے

یہ نظم جناب ... صاحب پروفیسر طبیہ کالج لکھنؤ کی فرمائش سے لکھی گئی

نئے دولہا کے خیالات

میرے ایک دوست کی حال ہی میں شادی ہوئی ہے۔ میاں تعلیم یافتہ ہیں۔ امیر ہیں۔ خوبصورت ہیں توانا و تندرست ہیں۔ نیک خیال و نیک اعمال ہیں۔ بیوی ہر طرح سے میاں کے حسب دلخواہ ہیں۔ کبھی کبھی غریب خانہ پر بھی تشریف لے آتے ہیں کل اُن سے اس جدید تعلق کے متعلق گفتگو ہوئی۔ جو کچھ یاد رہا ہدیۂ تحریرؔ کی نذر کرتا ہوں

میں۔ سید صاحب (یہ صاحب سید ہیں)۔ آپ کی تاہل کی نسبت کیا رائے ہے۔

سید صاحب۔ آپ رائے دریافت کرتے ہیں یا میرا تجربہ پوچھتے ہیں۔

میں۔ جی ہاں یہی سمجھیے۔ آپ کو اس نئی زندگی کا اب تجربہ ہوا ہے۔ آپ نے اسکے متعلق کیا رائے قائم فرمائی۔

سید صاحب۔ رائے کے لفظ کو تو آپ چھوڑ ہی دیں۔ یوں فرمائیے کہ شادی کرنے کے بعد تمھاری زندگی میں کیا انقلاب ہوا۔

میں۔ بہت اچھا یوں ہی سہی۔

سید صاحب۔ یا اس سوال کو اس طرح پیش کیا جائے کہ بیوی کیسی ملیں اور گھر کی کیا حالت ہے۔

میں۔ بہت اچھا۔ یوں ہی سہی۔

سید صاحب۔ یعنی میں اس بات کا جواب دوں کہ بیوی کیسی ملیں یا اس سوال کا کہ گھر کی کیا حالت ہے؟

میں۔ میں تو بیوی اور گھر اور رہنا بلانا زندگی سب کے ایک ہی معنی سمجھتا ہوں۔

سید صاحب۔ مگر میں نہیں سمجھتا۔ بیوی بیوی ہے۔ گھر گھر ہے۔ زندگی زندگی ہے۔

میں - فرد فرد تو درست اور بجا۔ لیکن جب یہ تینوں چیزیں آپ سے ایک وقت میں مدت العمر کے واسطے متعلق ہو جائیں تو اُسکا نام آپ کیا رکھیں گے۔

سید صاحب - گھونسلا۔

میں - بہت خوب - وہ کیوں ؟

سید صاحب - وہ یوں کہ اول تو مشابہت تامہ انساں اور چڑیا کی بود و باش میں ہے - دوسرے یہ کہ میں فطرتی تعلقات کے متعلق فطرت کی اصطلاحات سے گفتگو کیا کرتا ہوں۔

میں - بہت اچھا گھونسلا ہی صحیح سہی - مگر سوال یہ ہے کہ یہ گھونسلا کیسے درخت پر ہے کس شاخ پر ہے - کیسے تنکوں کا ہے - یا چھت کی کڑی میں بنا ہے یا کمرہ کی کانس پر - یا کسی جھاڑی میں ہے - دن کی دھوپ اور رات کی سردی کا کیا علاج کیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

سید صاحب - جناب یہ گھونسلا بنا ہے گلاب کے درخت میں - پھولوں کے س[illegible] پتیوں کی اوٹ میں - خوشبودار تنکوں کا - باغ کی روش کے پاس بہار کے موسم میں - ٹھنڈی ہوا میں - دائیں طرف چنبیلی کھلی ہوئی ہے بائیں طرف مولسری کا درخت ہے جس میں بہت سے گانے والے پرند رہتے ہیں جو صبح سے شام تک وقت وقت کی راگنی راگ الاپتے رہتے ہیں جنکے سریلے نغموں نے باغ کو ایسا دلکش بنا دیا ہے کہ کسی وقت باہر نکلنے کو جی نہیں چاہتا۔

میں - پھر آپ نے گھونسلے کے بدلے بارہ دری کیوں نہ پسند فرمائی - اُسی کو باغ میں اُٹھا کر رکھ لیتے - چار طرف پھولدار درخت بھی لگ جاتے - سامنے روشوں کے کناروں سے اٹکھیلیاں کرتا ہوا پانی بھی جاری ہو جاتا - ایک سنگ مرمر کا حوض بھی اس میں لگ جاتا اُسمیں ایک فوارہ لگوا لیتے ٹھنڈی

ہوائیں بھی چلتیں خوشنوا پرند بھی چہچہاتے۔ بارہ دری میں ایک آرام چوکی پر آپ بیٹھ جاتے۔ سامنے بیگم صاحبہ رونق افروز ہوتیں۔ فوارہ جاری ہو جاتا۔ سورج کی کرنیں فوارہ کی اچھلکر گرتی ہوئی دھاروں کے مسلسل قطروں پر پڑتیں اور آپ اُس کے رنگوں کو دکھا کر بیگم صاحبہ سے پوچھتے کہ بتاؤ کتنے رنگ ہیں۔

سید صاحب۔ بس یہی ما بہ الاختلاف ہے۔ کہاں گھونسلا۔ کہاں بارہ دری فطرت اپنے اصلی رنگ میں جسطرح گھونسلے میں نظر آتی ہے۔ بارہ دری۔ کوٹھی۔ محل۔ شیش محل۔ کسی جگہ نظر نہیں آتی۔

میں۔ میری رائے ناقص میں تو فطرت کا رنگ ہر جگہ نظر آ سکتا ہے۔ ہاروں رشید کے محلات اور برکنگھم پیلس سے لے کر صحرائے افریقہ کے جنگلی حبشیوں کے جھونپڑوں اور غاروں تک۔ سب جگہ فطرت ہی فطرت نظر آ سکتی ہے۔

سید صاحب۔ غار اور جھونپڑے کی حد تک تو میں آپ کا کسی قدر ہم خیال ہو سکتا ہوں مگر اس سے آگے چل کر میرے نزدیک فطرت صحیحہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور انسانی تہذیب کی قلعی شاہ و گدا پر ایسی چڑھتی ہے کہ اصلیت حجاب در حجاب ہو جاتی ہے۔

میں۔ معاف کیجیے گا میں خدا موٹی عقل کا آدمی ہوں۔ ذرا سمجھا کر بات کیجیے۔ کیا آپ تہذیب انسانی کو قلعی اور خارج از فطرت خیال کرتے ہیں۔ میرے نزدیک تو تہذیب حُسن فطرت کا نام ہے۔

سید صاحب۔ بشرطیکہ .... (چپ ہو گئے)

میں۔ بشرطیکہ؟ آگے بھی تو کچھ فرمائیے۔

سید صاحب۔ جناب گھونسلا گھونسلا ہے۔ بارہ دری بارہ دری ہے۔

میں۔ تسلیم کیا۔ مگر آپ کو کونسی چیز پسند ہے۔ بارہ دری یا گھونسلا۔

سید صاحب۔ گھونسلا!

میں۔ تشریح و توجیہ؟

سید صاحب۔ بس یہ نہ پوچھیے۔

میں۔ ضرور پوچھوں گا اور آپ ضرور بتائیں گے۔

سید صاحب۔ اچھا تو سنیے۔ تھوڑی سی دیر کے واسطے منطق و فلسفہ و تہذیب سے قطع نظر کر لیجیے۔ اور ذرا میرے ساتھ وہاں چلیے

میں۔ چلیے اوس وادیٔ پُر فضا۔ رشک زمرد سبزہ زار۔ لہراتے ہوئے پانی۔ عنبر بیز و جاں بخش نسیم۔ دلربا چھاؤں اور جاں فزا دھوپ کی سیر آج سے بیس پچیس برس پہلے میں نے بھی کی ہے۔ اب فرمائیے میں وہیں پہنچ گیا۔

سید صاحب۔ ذرا آپ ہی غور کیجیے۔ آپ نے بجاے ایک قدرت کی سینری کے اُس زندگی کی تشبیہ کسی اور چیز سے کیوں نہ دی جیسے ونڈسر پلیس یا تاج محل یا کوئی نمایش گاہ۔

میں۔ ہر چند قائل ہو کر، اسلیے کہ گھونسلے کی خوبیوں پر آپ کے خیالات سے مستفید ہونا منظور ہے۔

سید صاحب۔ جب آپ کے دماغ سے تہذیب و ایجاد کا بکھیڑا نکل گیا تو اب آپ میرا مطلب سمجھ لیں گے۔ اور وہ یہ ہے۔

عورت کو ایک گانے والے پرندے سے بہت مشابہت ہے۔ اتنی کہ دنیا کی کسی اور چیز سے نہیں ہے۔ عورت کی فطرت پر اگر غور کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی گانے والی چڑیا پر (جیسے کہ اگن۔ شاما۔ چنڈول۔ شکر خورہ۔ یا کنار ی وغیرہ ہیں) کچھ ہڈیاں کچھ گوشت و پوست چڑھا کر کچھ زنانے کپڑے پہنا کر اُسکا نام عورت رکھدیا ہے۔

میں۔ تشبیہ تو واقعی نئی ہے اور آپ کے علم الحیوانات کے ساتھ مذاق صحیح کو

ظاہر کر رہی ہے مگر میں ذرا اسکی اور بھی تشریح سننی چاہتا ہوں۔

سید صاحب۔ جی ہاں۔ لیجیے۔ میں عرض کرتا ہوں۔ پہلے صورت ظاہری لیجیے پر تو اس کے بیشک نہیں ہیں لیکن کپڑوں کی تراش خراش میں کچھ اضافہ کرکے اُنکا قائم مقام خاصہ پیدا کر لیا ہے۔ کسی ملک میں کچھ ہے کسی میں کچھ ہے مگر ہے سب جگہ کچھ نہ کچھ یوروپ میں جاکٹ ہے پیٹی کوٹ ہے فروک ہے۔ گون ہے اور خدا جانے کیا کیا اپنے ملک میں دوپٹے ہیں چادریں ہیں برقع ہے۔ انگرا ہے تہپوشی ہے وغیرہ وغیرہ اسی طرح یکرنگی سے بھی اسکو بالطبع نفور ہے۔ جیسے پرندوں میں سوائے کالے کوّے اور سفید کبوتر کے کوئی یکرنگ پرندہ نظر نہیں آئے گا اسی طرح عورتوں میں بھی سوائے رانڈ بیوہ بڑھیوں کے کسی کو آپ یک رنگ لباس میں نہ دیکھیں گے۔

آواز کو لیجیے۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ بولنے سے کام۔ پرندہ اپنی منقار کو چگنے کے وقت کے علاوہ ہر وقت نغمہ سرائی میں مصروف رکھتا ہے۔ اسی طرح یہ خدا کی بندی بھی فقط اس یقین پر کہ اُسکی آوازمیں سُننے والے کو موسیقی کا لطف آتا ہے۔ بولے جاتی ہے۔ سدھائی ہوئی شامایا سبز گیہوں کے کھیت کا چنڈول کیا بولے گا جو یہ بے پَر کی چڑیا بولتی ہے۔ اسی طرح نقل و حرکت کا مقابلہ کیجیے۔ آپ نے خوبصورت چڑیوں کو اپنے گھونسلے کے آس پاس بلا وجہ و بے مطلب اُڑتے پھرتے دیکھا ہوگا؟

میں۔ آپ کا ہی دیکھنا کافی ہے۔

سید صاحب۔ میرا ہی کیوں؟ آپ نے بھی ضرور دیکھا ہوگا کہ کبھی گھونسلے سے باہر نکل بیٹھیں۔ کچھ چونچ سے پر کھجاسے۔ ادھر اُدھر دیکھکر اس شاخ سے اُس شاخ پر پہنچ گئیں۔ کبھی اُس پھول پر جا بیٹھیں۔ اور ابھی پھول کی ٹہنی اسکے ہلکے پھلکے بوجھ سے جھولنے بھی نہ پائی تھی کہ یہ وہاں سے اُڑکر پھر اپنے گھونسلے کے

پاس آبیٹھیں۔ پھر کچھ بولیں۔ پھر زمین پر اُتر آئیں۔ ذرا ادھر اُدھر پھُدک کر چلیں پھر اُڑ گئیں۔ اور کسی بڑے درخت کے سایہ دار پتوں میں غائب ہو گئیں۔ اور جب وہاں نر کی نظروں سے اوجھل ہونے کا احساس ہوا تو بولنے لگیں۔ غرض یہ کہ دن بھر نقل و حرکت سے کام۔

یہی حالت عورت کی ہے۔ اتنا معلوم ہو جائے کہ میرا چلنا پھرنا اُٹھنا بیٹھنا بولنا چالنا۔ گنگنانا کسی کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ پھر دیکھیے۔ اس کمرے سے اُس کمرے میں۔ اس کمرے سے صحن میں۔ صحن سے پلنگ پر۔ پلنگ سے اُتر کر آئینہ کے سامنے جا کھڑی ہوئیں۔ پھر سنگھار میز پاس آبیٹھیں کچھ کنگھی چوٹی کی۔ کچھ اپنے لمبے بالوں کی تعریف کی کہ کمبخت خواہ مخواہ اُلجھ جاتے ہیں۔ پھر کچھ پان کا شغل کیا جب کوئی کام پیش نظر نہیں ہوا تو بولنا شروع کر دیا "لے آج آپ دفتر نہیں گئے" یا "پان بنا دوں" یا "ڈاک آگئی؟" وغیرہ وغیرہ۔ جواب میں اگر ایک سکنڈ کی دیر لگ گئی تو خفا ہو گئیں۔ پھر کیا تھا۔ سمند ناز کو اک اور تازیانہ ہوا۔ "اللہ اللہ بات کا جواب ملنا بھی مشکل ہے۔ اگر قدر دان نے آنکھوں ہی آنکھوں میں عفو تقصیر چاہا تو کہہ دیا کہ "ہم نہیں بولتے" پھر کوئی آکر خود بولتا ہے اور بلواتا ہے۔

میں۔ ظاہری حالت کے واسطے تو اتنا ہی لکچر کافی ہے۔ اب کچھ طبیعت کے متعلق بھی کہہ ڈالیے۔ مگر اس سے زیادہ خاکہ نہ اُڑائیے گا مبادا دنیا کا نصف حصہ آپ سے ناراض ہو جائے۔ جسکو بالطبع نرمی اور تعریف پسند ہے۔

سید صاحب۔ ناراضگی کے وجوہات مجکو معلوم نہیں کہ کیا ہو سکتے ہیں۔ میں تو عورت کی تصویر کو قدرت کے نگارخانہ میں بہترین جگہ دے رہا ہوں۔

میں۔ مجھے خوف ہے کہ وہ شاید اس جگہ کو پسند نہ کرے۔ مگر میں آپکی طرفداری کروں گا اور آپ کا نام اس مضمون کے پڑھنے والوں پر ظاہر نہیں کروں گا۔

سید صاحب - تو کیا آپ ان باتوں کو پبلک میں شائع کریں گے -

مَیں - آپ جانتے ہیں کہ جو چیز دلچسپ ہے اُسکی مالک پبلک ہوتی ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ آپ کے خیالات دلچسپی سے خالی نہیں ہیں اس لیے پبلک کی تواضع کیوں نہ کی جائے -

سید صاحب - اچھا منظور رہے مگر میرا نام ظاہر نہو -

مَیں - اس کا مَیں وعدہ کرتا ہوں -

سید صاحب - اس شرط پر مجھے بھی انکار نہیں - طبیعت بھی اُسکی پرندگی طبیعت سے مشابہ ہے - مرد میں تصنع - تکلف - تہذیب - بوجہ بیرونی زندگی کے تجربہ کے زیادہ ہوتی ہے اور بالخصوص تعلیم یافتہ اشخاص میں - تہذیب سے مراد میری وہی تہذیب ہے سبکو مَیں تہذیب کہتا ہوں - جس کا اصل اصول دفع الوقتی اور رفع شر ہے - نہ وہ جسکو آپ حُسن فطرت فرماتے ہیں پرند کا ہر فعل عین فطرت ہے - اسی طرح عورت کے افعال وجذبات تاوقتیکہ اُسکو حالات وصحبت متاثر نہ کریں بالکل فطرت کے مطابق ہوتے ہیں اُسکی طبیعت ابتدا ہی سے آغوش فطرت میں پرورش پاتی ہے - اُس کی جسمانی ہستی محض ایک غلاف اُسکی نطرتی اور روحانی روشنی کا ہوتا ہے جس طرح سے کہ لیمپ کی تیز روشنی کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے اُن (غیر شفاف) چمنی لگائی جاتی ہے اسی طرح اُس کی روحانی روشنی کو اُسکی جسمانی فطرت کے غلاف سے چھپایا گیا ہے - گویا عورت کے اندر ایک اور عورت ہوتی ہے اور وہی اصل عورت ہے - وہی اُسکی فطرت ہے جس میں روح کی تجلیات دمکتی ہوئی نظر آتی ہیں - مرد میں اور اسمیں یہ فرق ہے کہ مرد کی روحانیت اس جدید تہذیب کی دنیا میں بہت جلدی زائل ہو جاتی ہے اور عورت کی

روحانیت اگر مخالف حالات کا اثر اس پر نہ پڑے تو تمام عمر رہ سکتی ہے - وہ جیسی پیدا ہوئی تھی ویسی ہی قبر تک جا سکتی ہے جس طرح پرند کہ جب سے اس نے اپنے پروں سے کام لینا شروع کیا اس وقت تک کہ جب وہ موت کا شکار ہو یکساں ہوتا ہے ہیں - آپ کا یہ آئیڈیل اتنا بلند ہے کہ جتنے شیئے ہیں یہ سب کی تشبیہ لونا کافی سمجھتا ہوں -

سید صاحب - تو پھر کیا آپ اسکو پھول سے تشبیہ دیں گے - یا نسیم سحری سے یا بوئے گل سے یا بجلی کی چمک سے یا ابر سے یا بارش سے یا سورج کی کرن سے یا موتی سے ؟ میری رائے میں اس سے بہتر کوئی تشبیہ نہیں ہے - ان میں سے کسی میں اتنا حسن نہیں ہے جتنا ایک خوبصورت گانے والے پرند میں ہوتا ہے ہیں - مجھ پر - چونکہ - بہت سے آپ کو خاص رغبت بھی معلوم ہوتی ہے -

سید صاحب - نہیں میں پرندکو ایک نہایت مرغوب دل چیز سمجھتا ہوں چمن کی بہار پرندکے نغمہ سے ہے - گل و شگوفہ انہیں کے طفیل سے ہے - نیچر کا موسیقی پرندکے گلوسے خوش نوا میں رکھ دیا ہے خود انسان اپنے دلکش موسیقی میں اسی کا شاگرد ہے - اسکے علاوہ حسن قدرت کا بہت سا حصہ پھول اور پرند میں تقسیم ہو گیا ہے اور بہت تھوڑا سا بیرستان و سمندر و ابر و بارش و دریا و بجلی و آفتاب و مہتاب و ستارے و فضائے آسمانی و صبح و شام وغیرہ کو دیا گیا ہے ان میں سب قدرت زیادہ ہے حسن قدرت کم ہے - کسی میں قدرت کی وسعت - کسی میں طاقت - کسی میں انتظام - کسی میں نیض کسی میں عظمت نظر آتے ہیں - بیشک یہ آیات ہیں - اور وحدۃ الوجود کی جھلک ان میں زیادہ نظر آتی ہے مگر اللہ جمیل و یحب الجمال کی تشریح پھولوں اور پرندوں کے مشاہدہ سے سمجھ میں آتی ہے ان میں سے پھولوں کو میں درجۂ ادنی دیتا ہوں - اسکی ہستی قدرت کے عجائب خانہ میں فقط اس چیز کی ہے

جو سجائی اور دکھائی جاتی ہے اور اتنا ہی اسکا فرض ہے - مگر پرند کی خوبصورت ہستی اپنی نقل و حرکت سے کارخانۂ قدرت میں حصہ لینے والی معلوم ہوتی ہے جو تمام زندگی ادائے فرض فطرتی میں صرف کرتی ہے -

پھول حُسن ساکن ہے - پرند حسن متحرک ہے - عورت میں اور پرند میں صرف یہ فرق ہے کہ ہے وہ بھی حُسن متحرک - مگر بوجہ ہم جنسی کے مرد کے سکون قلب و راحت جسمانی کے لیے پرند سے زیادہ مفید و ضروری ہے - اور ایک اعلےٰ درجہ کا اخلاقی و روحانی نمونہ ہونے کی وجہ سے ازبس ضروری ہے - قدرت نے تبسم کیا تو پھول پیدا ہوا - جب اپنی تعریف میں کچھ گانے لگی تو پرند پیدا ہوا - جب اس تبسم نغمہ سرائی سے دل میں تفریح کا اثر اور روحانیت کا نشہ پیدا ہوا تو عورت پیدا ہوی - یہ قدرت کی آخر اور مختتم پیدائش ہے - اب آپ مجھے معافی دیں گے اگر میں گھر کو گھونسلے سے اور بیوی کو ایک خوشنما گانے والے پرند سے تشبیہ دوں -

میں - تو یوں کہیے کہ "چوں چوں کرتی آئیں بی چڑیا"

سید صاحب - پان کھا کر رخصت ہوے اور یہ فرماتے گئے کہ "مرزا صاحب اب آپ بڈھے ہوگئے ہیں"

محمد اشرف

دائرۃ الادب دہلی کی کتابیں اور سیاہی

عطر سخن	شاعر کا انجام	جذبات بھاشا	انتخاب : د ج
۸/	۱۲/	۱۲/	۳/

قسم دوم فی تولہ	ادبی سیاہی قسم اول فی تولہ
۱۰/	۲/

دفتر "تمدن" پل چھاؤلال لکھنؤ سے طلب فرمائیں

ترک محبت

حضرت باسط بسوانی

سکونِ قلب تو حاصل ہوا ترکِ محبت سے اُٹھایا ہاتھ ہمنے اُس بتِ بدخو کی الفت سے
سراپا بیوفا نکلے بتانِ عالمِ فانی اُنھیں ہے کام بیدادِ و غرور و کبر و نخوت سے
لگا کر آگ الفت کی خبر لیتے نہیں ہرگز کوئی جل جل کے مر جائے کہ یونہی جائے سوزِ فرقت سے
بلا سے عاشقِ ناکام کاٹے کوئی اندوہ و حرماں میں اُنھیں ہے کام ہردم راحت و آرام و عشرت سے
بلا سے گر تڑپ کر رات کاٹے چاہنے والا سحر تک کام اُنھیں رہتا ہے اپنے خوابِ راحت سے

ہوا ہے صبر ہمکو بھی۔ ابھی ہم رو کے بیٹھے ہیں
جو تھا داغِ محبت دلمیں اُسکو دھو کے بیٹھے ہیں

غرض ہمکو نہیں باقی رہی کچھ بزمِ کثرت سے مزا آتا ہے اک عالم کا اپنے کنجِ خلوت سے
کسی کے وصل کی خاطر جگر کاوی نہیں باقی کلیجہ اب نہیں جلتا کسی کے سوزِ فرقت سے
نہیں ہے نام کو بھی ناتوانی لاغری باقی نہیں دشوار اب چلنا ہمیں ضعف و نقاہت سے
نہ شوریدہ سری ہے وہ نہ اب وہ سر میں ہے سودا گریباں اب نہیں ڈرتا ہے اپنا دستِ وحشت سے
خدا کا شکر خودداری کی میں اب اصلیت سمجھا مجھے مطلب بتوں کی ہے خوشامد سے نہ منت سے

نہیں ارمان ساقی دل کو اب جامِ محبت کا
ہوا ہے رنگ کچھ اب اور ہی اپنی طبیعت کا

مرے لب پر نہیں ہرگز ہے اب دلدار کا چرچا دلِ وارفتہ کا چرچا دلِ بیمار کا چرچا
کہاں ہے زلفِ شبگوں کا جبینِ نور افشاں کا کہاں چینِ جبین کا ابروے خمدار کا چرچا
کہاں تیرِ مژہ کا اور کہاں ہے چشمِ فتاں کا کہاں ہے ناوکِ تیرِ نگاہِ یار کا چرچا

کہاں ہے اب رخ انور کا اور روئے کتابی کا — کہاں ہے مصحف رخ کا گل رخسار کا چرچا
کہاں ہے ذکر اب لب ہائے لب شیریں و نازک کا — کہاں ہے اب کسی جادو بھری گفتار کا چرچا
کہاں ہے دست نازک کا - کہاں ہے ساق سیمیں کا — کہاں ہے اب کسی کی فتنہ زا رفتار کا چرچا
کہاں ہے اب کسی کی بیوفائی - کج ادائی کا — کہاں اعدائے دیں کا کہاں اغیار کا چرچا

دل مردہ شگفتہ ہے مرا گل کی طرح دیکھو
زباں پر نغمۂ شادی ہے بلبل کی طرح دیکھو

محبت کی نگاہوں میں ملی اصلا نہ آسائش — عبث بیسود ہے اس عرصۂ ہستی کی پیمائش
میں سمجھا سرد مہری زمانہ سے ہے یہ مطلب — بتان بیوفا نے کی ہے مجھ سے اب یہ فہمائش
نہ ہو تو مبتلا اس ہستی فانی کی الفت میں — کرے گی دل ترا تاریک آخر کو یہ آلائش
عبث نقش و نگار دہر فانی پر ہے تو شیدا — خیال پاک سے آراستہ کر اپنے دل کی زیبائش

چھڑایا ہے الٰہی تو نے گر قید مجازی سے
منور کر دے میرے دل کو اپنی دلنوازی سے

ناولہائے قاری

قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی - دہلوی (علیگ) کے اخلاقی ناول سعید سعادت شاہد رعنا جو بد بار چھپ کر قدر دانوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں اب ایک مجموعہ کی صورت میں چھپوائے گئے ہیں۔ ۳۰۰ صفحہ کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور جس میں مصنف کی ایک تصویر بھی ہے۔

۴ قیمت پر دفتر رسالہ "تمدن" [illegible] لکھنؤ سے مل سکتی ہے

مسٹر بالم ٹولا کی ڈائری کے چند اوراق

۲- جون - رات گرمی بہت تھی ۲ بجے تک سخت لُو چلتی رہی نیند نہ آئی - صبح دورے جانا تھا - ۴ بجے ریل جاتی ہے کیا بُرا وقت ہے رات کو بیگم صاحب سے خرچ کے روپے لینے بھول گیا - ۳ بجے اُٹھا اور ۳ ½ بجے تک بالکل تیار ہو گیا - بیگم صاحب کو کس طرح جگاؤں - ۳ بجکر ۵ منٹ ہو گئے کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی - ٹہلتا رہا گاڑی دروازے پر کھڑی ہے - کیا کروں - ماما عظمت سے کہا ذرا بیگم صاحب کو جگا - خود پردے کو سرک گیا کہ خفگی کی آنچ نہ آئے - عظمت نے کئی دفعہ بیگم صاحب بیگم صاحب کہا خیرست نباشد - ہر آواز پر میں پردے کو سرکتا جاتا تھا - عظمت بہت منہ چڑھی ہے - آخر پاؤں پکڑ کر آہستہ سے ہلایا کون کمبخت ہے ... اور ایک لات ... اور فضیحتا - میں تو چپکے سے باہر نکل گیا - یہ جانیں وہ جانیں - ۳ بج کر ۴۰ منٹ ہو گئے تھے - اسٹیشن پر خزانچی ملے گا اُس سے روپیہ لے لوں گا - رسید دیدو بلا سے - دورے بخیر گذشت - بیگم صاحب آج دن بھر ناراض رہیں گی - مگر میں باہر رہوں گا - ماما عظمت بڑی بیہودہ ہے ریل کا وقت بڑا نامعقول ہے بیگم صاحب کا اس میں کیا قصور ہے - دو بجے تو سوئی تھیں -

. . . .

۴- اگست - آج دن بھر بارش ہوئی - شام کو کھلا - کئی دن سے موسم کی خرابی کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنا نہ ہوا - ۶ بجے شام سے احباب آنے شروع ہوئے - یہ سالا جانخاں بھی بہت دن بعد آج کہیں سے آ نکلے - بڑے مزے کے آدمی ہیں - مگر ان سے بیگم صاحب ناراض ہیں کیونکہ ان کی دو بیویاں ہیں اور فوجی آدمی ہیں - حقہ بہت

پیتے ہیں جب آتے ہیں چلموں پر چلمیں بھری جاتی ہیں - ایک دفعہ بیٹھ گئے تو اُٹھنے کا نام نہیں لیتے - آج بھی ۱۰ بج گئے کھانے کا وقت ہوا اور گذر گیا اور صحبت احباب میں مجھے معلوم نہ ہوا - پان دو دفعہ منگائے آگئے - تیسری دفعہ پان منگائے آدھ گھنٹہ ہو گیا مگر نہ آئے - حقّے کی چلم گئے بھی دیر ہوی - رسالدار صاحب نے غل مچانا شروع کیا کہ حقہ نہیں بھرا گیا - خیر چلم تو آگئی مگر پان نہ آئے - ماما عظمت نے کواڑ کے پیچھے سے مولا بخش ملازم سے کہا کھانا تیار ہے - میں نے بھی سن لیا مگر ٹال گیا پھر باتوں میں لگ گیا پھر مولا بخش نے کھانے کی یاد دہانی کرائی - میں نے حاضرین سے تو اضعتہً پوچھا کہ کھانا منگاؤں مگر سب نے انکار کیا - جوں جوں دیر ہوتی جاتی تھی مجھ پر خوف طاری ہوتا جاتا تھا - آخر جس بات سے ڈرتا تھا وہ ہو کر رہی - رسالدار صاحب اپنی بیوی نمبر ۲ کی تابعداری کا ذکر کر رہے تھے کہ بچاری کھانا لیے بیٹھی راہ دیکھ رہی ہوگی - خواہ رات کے بارہ بجے گھر پہنچیں مگر کیا مجال جو وہ بندی اللہ کی پلک جھپکائے کھانا کھلا کر ہاتھ دُھلا کر حقہ لا کر رکھے گی - رسالدار صاحب لیٹے حقہ پیتے رہیں گے اور وہ پاؤں دباتی رہے گی حتیٰ کہ رسالدار صاحب سو جائیں گے تب بچاری بیوی اپنے پلنگ پر جا لیٹے گی - رات کو خواہ دو بجے سوئے مگر صبح ہی چار بجے سے اُٹھ کر رسالدار صاحب کے لیے چار تیار کرے گی - یہ چار گرمی جاڑے برابر پیتے ہیں - یہ نہیں کہ نوکر چاکر نہیں - گھر میں دو دو مائیں ہیں - باہر ایک ذاتی ملازم چار اردلی اور ساری فوج کے سوار مگر رسالدار صاحب کی بیوی میاں کا کام ملازمہ سے کرانا اپنی ہتک سمجھتی ہیں - ...... رسالدار صاحب یہ ذکر کر ہی رہے تھے کہ کواڑوں پر دو تین دفعہ زور سے دستک کی آواز آئی سب نے مڑ کر دیکھا میں سمجھ گیا اور سہم گیا - آخر بیگم صاحب کی خشم آلودہ آواز جگر کے پار ہو گئی "آدھی رات ہونے آئی اوبا یہ محفل برخواست نہیں ہوتی - اندر آتے ہو تو آؤ ورنہ میں

کنڈیاں لگواتی ہوں"۔

حاضرین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور چلنے کی تیاری کی۔ میں نے بھی نہ روکا۔ مگر رسالدار صاحب نے ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگے "چل یار ہمارے ہاں چل کر سو رہ یہاں کنڈی لگ جانے دے اور ایک مہینہ بھر وہیں رہ کنڈی آپ ہی کھل جائے گی اور آیندہ پھر کبھی نہ لگے گی"۔ میں کھسیانی ہنسی ہنسا اور میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر دستک ہوی۔ آخر رسالدار صاحب کے بھی پیر اکھڑ گئے گھر جاکر جو نہ ہونی تھی وہ ہوی۔ اور بول چال بند ہوگئی۔ مگر غور کیا تو قصور اپنا ہی پایا۔

. . . .

۲۵۔ دسمبر۔ آج رات کو رسالدار صاحب کے ہاں دعوت تھی۔ بلاوا صبح ہی آچکا تھا۔ نہ جاتا تو مشکل رسالدار جما خان جیسا شخص میری سات پیڑھی پُن ڈالتا۔ جانے میں بیگم صاحب کی خفگی کا ڈر کیونکہ اُنکا حکم تھا کہ رسالدار صاحب کے ہاں نہ جایا کرو۔ آخر بیگم صاحب سے بہانہ کیا کہ سرکاری کام ہے اور ہم دعوت میں پہنچے۔ کھانا کھاتے ہی اُٹھا کہ دیر ہونے سے شبہ نہ ہوجائے اور ٹھیک ۹ بجے گھر پہنچ گیا تھا مگر اندر گھر کے سب دروازے بند تھے۔ بہت کھٹکھٹایا مگر کچھ سنائی نہ ہوی۔ نوکر نے تجویز بتائی کہ دیوار کودی جائے مگر چوروں کو راستہ بتانا اور اندر پہنچکر چور کی بھول میں جوتے کھانا کس نے بتایا ہے۔ آخر اتنی جلدی دروازے کیوں بند ہوگئے باہر مردانے کے کمرے میں قمرالدین داروغہ سے بستر مانگ کر سو رہا۔

۲۶۔ دسمبر۔ صبح گھر میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مولابخش کی گواہی ہو رہی ہے۔ بیگم صاحب کواڑ کے پیچھے کھڑی ہیں۔ ماما عظمت بیچ میں دروازے میں کھڑی ہے اور مولابخش باہر سے جواب دے رہا ہے۔ بیگم صاحب کے سوال ماما عظمت دوہراتی ہے۔ مولابخش کو اتنا فائدہ ہے کہ سوال وہ بیگم صاحب کی زبان سے سُن لیتا ہے

اور اتنے ما باعظمت دُہرائے تنے وہ جواب گڑھ لیتا ہے۔ چند سوالات جو میں نے
چپکے سے سنے وہ یہ تھے "تو بیان سے کہتا ہے کہ مجھکو خبر نہیں"۔ "رسالدار صاحب کا
آدمی تو صبح نہیں آیا تھا"۔ "رات گھر میں سوئے تو بستر کہاں سے آیا"۔ "اچھا تو
کوچوان کو بلا لا اُس سے پوچھوں کہ گاڑی کہاں کہاں لے گیا تھا"۔ میں ڈرا کہ اب
بھید کھلا۔ میں نے ذرا گھبرا کر کہ مقدمہ بند ہو۔ مگر میری موجودگی میں بھی پیشی
ختم نہوئی میں پریشان تھا کہ کیا کروں۔ مگر مولا بخش بڑا ہوشیار آدمی ہے۔ اُسنے
جواب لاکر دیا کہ کوچوان باہر گیا ہوا ہے۔ یہ سنتے ہی میں باہر نکل آیا۔ کسی نے
رات کی کیفیت رسالدار صاحب سے بیان کردی وہ آگئے۔ بیگم صاحب کی
خفگی سے ڈر کر باہر آیا تھا کہ رسالدار صاحب کا سامنا ہوا۔ اُلٹا مجھکو ہی ڈانٹنا
شروع کیا۔ جب مجھے تمام خبر دی تب جواب دے چکے [illegible]
بیان کرچکا اور بیگم صاحب [illegible] رسالدار صاحب نے
[illegible] الفاظ میں کہا "تابیوں نہیں"۔ مجھے ایک بچپنے کا
سبق یاد آگیا اور میں نے فوراً جواب دیدیا "تا یا یا میرے دل کی پیاری"۔
اسی دن سے میرا نام تابع فرمان پڑ گیا۔

. . . .

۳ - فروری - ۲۰ - اگست - ۱۵ - دسمبر کے واقعہ ہائلہ سے میرا گھر سے نکلنا
بند ہوگیا۔ کوئی ملنے آتا ہے تو مجھے خبر نہیں کی جاتی بلکہ پہلے بیگم صاحب کو اطلاع
کی جاتی ہے۔ اگر کوئی نامناسب شخص ملنے آئے تو وہ کہلا بھیجتی ہیں کہ صاحب
گھر میں نہیں ہیں۔ اور میں چپ بیٹھا سنا کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ شاعر نے مردہ
بدست زندہ کیوں باندھا زندہ بدست زندہ تو اُس سے بھی بدتر ہے۔ مگر نہیں
اسمیں بھی میرا ہی فائدہ ہے جب تک آدمی تارک الاحباب نہو کوئی دنیا کا بڑا کام

نہیں کرسکتا۔ آج رسالدار صاحب پھر آنکلے۔ نوکر نے حسب دستور جواب دیدیا کہ گھر میں نہیں ہیں۔ شاید رسالدار صاحب کو میری قید محض کا حال معلوم ہوگیا ہوگا وہ گھر میں گھسنے لگے کہ بہن سے کہنا وہ پردہ کریں بھائی کو ہم خود ڈھونڈھ لیں گے اُدھر بیگم صاحب کی خفگی۔ اور میری طرف قہر کی نظریں۔ رسالدار صاحب نے زیادہ لحاظ نہیں کیا اور گھر میں گھس آئے میں بیٹھا تماشا دیکھتا رہا۔ بیگم صاحب بھاگیں میں ہنسنے کو تھا کہ فوراً میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ مجھے بھی گھسیٹا۔ چوکی پردے میں گرنے ہی والا تھا کہ رسالدار صاحب آنکھوں پر ہاتھ رکھے سامنے کھڑے کیا کہتے ہیں کہ چور پکڑ لیا ہے۔ بہن آپ اب پردے میں چلی جائیں۔ میں ان گھر گھسنے دوست سے بھگت لونگا حریت و مساوات ابھی خواب میں ہیں۔

---

۵ مارچ۔ تعلیم نسواں بھی اچھی چیز ہے۔ جب تک پردہ ہے تب تک تعلیم نسواں کی بہت ضرورت ہے۔ یہ پردہ دار کے لیے شغل بیکاری ہے۔ بیگم صاحب شب و روز اخبار بینی و مضمون نویسی میں لگی رہتی ہیں۔ آج ایک بڑے مزے کا لطیفہ ہوا بیگم صاحب کفایت شعاری اور خانہ داری پر مضمون لکھ رہی تھیں۔ چاء کا وقت آگیا ملازمہ نے پاس میز پر چاء کے برتن لا رکھے۔ بیگم صاحب کا انہماک اسقدر تھا کہ ان کو خبر نہ ہوئی کہ کب چاء کے برتن رکھے گئے۔ مرغی ادھر اُدھر تاک میں پھر رہی تھی۔ توس پر ٹھونگ مارنے کے لیے اس طرح چاء کے برتنوں پر آئی کہ کشتی برتن سمیت نیچے آئی۔ چاء کا سارا سٹ ٹوٹ گیا مگر کاغذی کفایت شعاری اور خانہ داری جاری رہی۔ عملی کفایت شعاری اور خانہ داری تو گھریلو پرانے فیشن کی چیز ہے سٹ تو گھر میں ٹوٹا کسی کو کیا خبر۔ دس بارہ روپیہ کی بات ہے مگر مضمون تو دنیا بھر میں پڑھا جائے گا۔ سب کو خیال ہوگا کہ مضمون نگار خود بڑی زبردست منتظم ہوگی

صاحب کمال ہونا اتنی مفید بات نہیں ہے جتنی صاحب کمال مشہور ہونا۔

. . . .

یکم یکم اپریل۔ کسی نے غضب کا اپریل فول کیا۔ آج کے "رسالہ حقوق نسواں" میں میرے نام سے ایک مضمون شائع کرایا ہے جس کی سرخی "جنگجو بیوی" رکھی ہے۔ بیگم صاحب کو شبہ ہے کہ میں نے اس رسالے میں اُن کے لیے ایک آئینہ رکھدیا ہے۔ مجھے پر شبہ ہونے پر تعجب نہیں ہے شبہ کی تو گنجائش ہی نہیں جب میرا نام موجود ہے مگر تعجب اس امر پر ہے کہ وہ تو جنگجو نہیں پھر کیوں شبہ کرتی ہیں کہ "جنگجو بیوی" اُن کا اپنا مرقع ہے۔ میں نے لاکھ کہا کہ نہ میں نے یہ مضمون لکھا نہ تم مخاطب ہو نہ یہ تمھاری تصویر ہے ممکن ہے کسی نے میرے نام سے مضمون لکھا ہو۔ ممکن ہے مضمون نگار میرا ہمنام ہو مگر شام تک جنگ جاری رہی۔ آخر جب میں عاجز آگیا اور رونے لگا تو میں نے کہا کہ تم جیتیں اور میں ہارا۔ واقعی میں غلطی پر تھا جو یہ سمجھتا تھا کہ تم جنگجو نہیں ہو۔

راقم جنگجو بیوی کا صلح پسند خاوند

اسلام بائی قاری

یعنے

قاری سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) سیاح جاپان و انگلستان کے انگریزی زبان میں متصوفانہ مضامین کا مجموعہ۔ یہ مضامین بڑی قدر کے ساتھ امریکہ کے مشہور رسالوں میں چھپے تھے اب دوبارہ چھاپ کر نہایت خوبصورت جلد میں ہدیۂ شائقین کیے جاتے ہیں۔ قیمت میں بھی تخفیف کر دی گئی ہے اور اب تا اطلاع ثانی اسکی قیمت مع محصول ڈاک ۱۲؍ ہے

پتہ: دفتر رسالہ "تمدّن" پُل جھاؤ لال لکھنؤ

عورت کے جذبات

پردو سہیلیوں کے خیالات

(۱)

میں حیران ہوں کہ خدا نے یہ بدبخت بے بس و ناچار مخلوق (عورت) بھی کیوں بنائی؟ میرے خیال میں اس سے کچھ بھی فائدہ نہیں پیدائش نسل انسانی کا کوئی اور ذریعہ بھی ہو سکتا تھا صرف اتنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں مصیبت میں پھنسایا ہے تو جس گھر میں بیٹی پیدا ہو جائے ایک نحوست سمجھی جاتی ہے اور تو اور وہی جس نے نو ماہ پیٹ میں رکھکر طرح طرح کے مصائب و تکالیف جھیل کر یہ دن حاصل کیا کہ اپنی ایک ہمجنس کو دنیا میں لائی) دایہ سے یہ سن کر کہ "لڑکی ہے" مغموم و رنجیدہ ہو جاتی ہے۔ آہ آہ اے ناچیز عورت تو کیوں بنائی گئی۔ سُنی سنائی تو خیر سب سے پہلے میں آپ بیتی سُناتی ہوں۔

میں جب اپنے والدین کے گھر پیدا ہوئی تو کوئی چھ لڑکیوں پر ساتویں بیٹی نہ تھی کہ مصیبت و بار خیال کی جاتی بلکہ مجھ سے پیشتر بفضل خدا تین بیٹے گھر کی رونق و دولت ماں باپ کی راحت ذریعہ بخشش و نجات آخرت کنبہ و خاندان بھر کی عزت موجود تھے لیکن پھر بھی مجھے پتھر کنکر سے بدتر سمجھا گیا۔ سب کے دل جل گئے ایسے کہ گویا خدا کے گھر ان لوگوں نے بیٹے کی قیمت ہی بھیجی تھی اور غیر توقع ان کو بیٹی دی گئی۔ خیر جیسے تیسے ماں نے دل پر صبر کی سل رکھی اور مجھے پرورش کیا جب میں پیدا ہوئی میرا بھائی صرف سال بھر کا تھا اسکا دودھ نہ چھڑایا گیا کہ ابھی بچہ کمزور ہے بلکہ آدھا اُسکو آدھا مجھے پلایا۔ اسپر بھی وہ بیمار ہو گیا تو میری

دادی صاحبہ نے یہ حکم دیا کہ "دیکھو بہو بیگم ہمارا نور دیدہ لخت جگر لاڈلے میاں" (لڑکے کا نام) بیمار ہو گیا ہے تم اسکا دودھ کم نہ کرو لڑکی اب چار ماہ کی ہے اسکو گائے کے دودھ پر لگا دو" ہائے میری بدنصیبی کہ جو حق خدا کی طرف سے بیٹے بیٹی کو برابر ملا ہے دنیا والوں نے اسے بھی غصب کیا محض اس لیے کہ میں بیٹی تھی۔ بیٹے صاحب تو سوا سال کے ہوکر بھی ماں کا ہی دودھ پئیں اور میں غریب چار ماہ کی گائے پر لگائی جاؤں۔ خیر یہ بھی ہوا میں نے اُسی پر پرورش پائی چھٹے مہینے مجھے (کلھیا کھچڑی ساگودانہ وغیرہ) چٹائی جانے لگی اور میں اسی غذا پر تین سال کی ہوگئی۔

اب میرا بھائی چار اور میں تین برس کی تھی دونوں سب کے ساتھ بیٹھکر کھانا کھاتے تھے۔ مگر اس میں بھی بہت امتیاز تھا اچھا بُرا سرد گرم باسی تازہ ثقیل زود ہضم ان باتوں کا خاص لحاظ رکھا جاتا۔ ماں کی تو نہیں کہہ سکتی مگر دادی صاحبہ خاص نگرانی کرکے مجھے اناپ شناپ کھلا دیتیں یا اصیل سے کھلوا دیتیں تھیں اور لاڈلے صاحب کو اپنے ہاتھ سے تیار کرکے خود کھلاتی تھیں۔ میرا ہی اکثر روز زکام کبھی بخار کبھی سو ہضمی ہو جاتی تھی۔ جس سے گھر بھر بیچین ہوتا تھا۔ تیلے انصاف والو کیا میرا معدہ ہی پتھر تھا کسی حکیم کسی ڈاکٹر سے پوچھ کر بتاؤ کہ کیا بہ نسبت لڑکے کے لڑکی کی قوت ہاضمہ زیادہ مضبوط و اچھی ہوتی ہے؟ مجھے خوب یاد ہے کہ شام کو جب تازہ کھانا تیار ہونے میں دیر ہوتی تھی اور ہم دونوں کو بھوک لگتی تو کوئی ماما باسی روٹی دال سے یا شکر وغیرہ سے مجھے بہلا کر سلا دیتی اور لخت جگر کے لیے تازہ مغرب میں دم کرکے خود دادی اماں ارارُوٹ نان پاؤ یا انڈا وغیرہ جلدی سے کھلا دیتیں۔ ہے ہے میرا جگر پھٹتا ہے وہ اوقات یاد کرکے جب کہ کوئی اچھی چیز میرے بھائی کھاتے ہوتے اور وہ کم ہوتی یا مجھے نہ دیتے تو اُن کو تو کوئی کچھ نہ کہتا مجکو مانگتے ضد

کرتے دیکھکر گھرکیاں دے کر سب ہٹا دیتے یا کوئی خراب سی چیز دے کر
بہلانا چاہتے۔ یہ حالت دیکھ دیکھکر میں نے بھی اچھی طرح سمجھ لیا کہ درحقیقت میں کم
وقعت و ناچیز جنس ہوں اور وہ تینوں عرش کے تارے ہوں جوں جوں سمجھ آتی گئی مثل
گھر کے لوگوں کے میں بھی اُنھیں تینوں کی پرستش میں مصروف ہوتی گئی اگر
کوئی شے اچھی پاتی بھی تو دن بھر بچا بچا کر رکھتی کہ شام کو بھیّے مدرسے سے آئینگے
تو دوں گی۔ وہ مجھے دق کرتے میری دوپٹیا (دوپٹہ) کھینچ بھاگتے میری
گڑیا کی ٹانگیں چیر کر کیچڑ میں پھینکدیتے مگر میں تھی کہ اُنھیں کے نثار نہایت
منت سے کہتی "اچھے بھیّا میں صدقے جاؤں میری گڑیا دیدو" جب اور بڑی
ہوی تو یہ بھی دیکھا کہ میرا لباس کیسا ہوتا تھا اور ان کا کیسا۔ اکثر امّاں جان
اپنے پرانے پاجاموں کو کاٹ کر میری انگیا بنا دیتی تھیں معمولی ڈورئیے نینوں
کی ڈوپٹیا بنائی اور رنگ دی میں اُنھیں کو خوش خوش پہنتی تھی ان کے لیے
نئے قیمتی کپڑے آتے وہ ولایتی بوٹ پہنتے میں چھ آنے (۶/) والی جوتیاں
جو چلنے میں پیر سے نکل نکل جاتی تھی۔ ہاں جب کبھی عید بقرعید کے موقعوں پر
اُن کے اچھے کپڑے دیکھکر ضد کرتی کہ میرے بھی ایسے ہوں تو دادی جان
ڈانٹتیں کہ چل دور مردار نظر نہ لگا اللہ میرے بچوں کو پھاڑنا نصیب کرے
وہ باہر اندر جانے والے ہیں پھر وہ گھر کے مالک ہیں تیری انکی کیا برابری ہے
میں صبر کر کے رہ جاتی اور وہی جوڑا پہنتی جو دادی اماں کے جہیز کے کسی
کے پاجامے کو کاٹ کر بنا تھا اور بھائی کی مخمل کی پرانی قمیص کی کاٹ کر
امّاں جان نے صدری سیدی تھی اور اپنے پھٹے کریب کے ڈوپٹہ میں گز
بھر کی اوڑھنی نکال کر چھوٹا گوٹا ٹانکدیا تھا۔ پھر اگر وہ مجھسے جلدی پھٹ جاتا
تو یہ خفگی کہ وہ لونڈیا کے جسم میں کانٹے ہیں یا جلدی جلدی کپڑے پھاڑتی ہے

میں کھانا تک سیوں" اور یہ کسی کو خیال نہ آتا کہ لڑکوں کے کپڑوں پر کسقدر روپیہ لگا ہے اور پھر وہ درزی نے سیے ہیں اُن کی تو سلائی ہی اِسقدر گئی ہے کہ جتنی لاگت میرے جوڑے پر بھی نہیں لگی۔ خیر خدا نے وہ زمانہ بھی گذارا۔ اب میں ۱۳ - ۱۴ سال کی جوان بیٹی گھر سنبھالنے کے قابل تھی اپنے کپڑے سیتی کھانا پکوانا گھر کی صفائی چھوٹے بچوں کا رکھنا یہ تمام فرائض جو اماں جان کے متعلق تھے مجھپر عائد ہو چکے تھے۔ اگر ان میں سے کسی کام میں ذرا بھی کوتاہی ہو جاتی (صرف نماز قرآن وغیرہ میں لگ کر) تو بھپر قیامت ٹوٹتی سب کے طعنے کہ "نوج ایسی بیٹی پیدا ہو جس گھر میں جوان بیٹی ہوتی ہے کسی کو ہاتھ نہیں ہلانا پڑتا یہ باتیں یہاں تو نبھ جائینگی مگر پرائے گھر جا کر قدر کھل جائے گی" غرض کہ میں سہم سہم کر ۱۲ گھنٹے دن اور ۴ گھنٹے رات کام ہی میں گذارتی۔ اور دیکھو میرے پڑھانے کا کسی کو خیال بھی نہ آتا تھا۔ ملانی کی تلاش ہوتی تھی قرآن شریف پڑھانے کے لیے مگر وہ دس روپیہ ماہوار مانگتی تھی۔ کوئی کھانا کپڑا بھی ساتھ چاہتی تھی اس لیے وہ بھی مقرر نہ ہوئی۔ جب اور ہوش آیا تو دادی جان سے پوچھ پوچھکر خود ہی قرآن شریف ختم کر لیا۔ برخلاف اسکے لڑکوں کے لیے پانچواں سال لگتے ہی مولوی ماسٹر مقرر ہو گئے پھر ان کو اسکولوں میں داخل کیا گیا اسکے بعد بڑے بھائی جان کو ولایت بھیجنے کے خیال سے پیسہ پیسہ کر کے ابا جان نے سخت تکلیف اُٹھا کر دس یا بارہ ہزار روپیہ جمع کیا اور اُن نور بصر کو بغرض تعلیم روانہ انگلینڈ کیا جنھوں نے بجائے دس کے بیس ہزار خرچ کر دکھایا اور ابا جان کو قرض لیکر بھیجنا پڑا۔ اور وہاں سے آئے تو ایک میم صاحبہ ساتھ لائے جنکو لیکر علٰحدہ کوٹھی میں رہے۔ پہلی بیوی بیچاری کو ابا جان نے بھرا۔ اُنکی کمائی سب میم صاحبہ پر صرف ہوتی تھی اور برابر قرض ہوتا تھا جو مجبور ہو کر ایک

گاؤں فروخت کرکے ادا کیا گیا۔ یہ راحت و مسرت و دولت و عزت ان دلبندوں سے حاصل ہوئی جنکو خون پانی ایک کرکے پرورش کیا گیا۔ میں غریب گھر کی انمول خدمتگزار بیماروں کی تیماردار ہمدرد جاں نثار بری تھی بُری۔ پندرھویں سال میری شادی کردی گئی ظاہرا اچھا گھر دیکھکر دیا گیا جو کچھ قسمت کا تھا وہ بھی ملگئی مگر میرے وہی نصیب میرے ساتھ تھے۔ اب سنو مختصر سا سُسرال کا حال اوّل اوّل چند روز تو دُلہن پن کی خاطر ہوئی پھر وہی دن آئے جو آنے تھے کوئی خدا نہ کرے شوہر میرا دشمن نہ تھا بلکہ مساوات زمانہ کے موافق مجھ سے محبت کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میری حالت سُنو۔ اب میں سُسرال سے الگ اپنے شوہر کی جاے ملازمت پر تھی اور پانچ بچوں کی ماں۔

جاڑوں میں صبح پانچ بجے اُٹھتی۔ گو ایک اصیل بھی تھی مگر شوہر کے حکم کے مطابق خود ہی آگ جلا کر پانی گرم کرتی چاء بناتی۔ جب وہ مُنھ ہاتھ دھو کر چاء پی کر باہر کے کمرہ دفتر میں چلے جاتے تو بچوں کو اُٹھا کر مُنھ دُھلاتی ایک نہ دو پورے پانچ۔ دو گھنٹے ان کے کپڑے بدلانے ناشتہ کرانے میں صرف ہو جاتے۔ ماما گھر میں جھاڑو دیتی برتن مانجتی۔ میری نماز بھی صبح کی کسی نہ کسی دن قضا ہوتی تھی کیونکہ بچے جاگ پڑتے اور رونے لگتے تھے تو وہ کہتے کہ جلدی چپ کراؤ گھر دوزخ ہوگیا میں یہاں آنا بند کردوں گا۔ اس لیے بہت ہی احتیاط کرنا پڑتی تھی۔ گو میرا شوہر کچھ بُرا نہ تھا لیکن فضول خرچ اور بہت سا وقت دوستوں بھیوں میں گذرانے والا ضرور تھا اکثر راتوں کو باہر رہتا تھا۔ اور جب بچے پیدا ہوگئے انھوں نے راتوں میں جاگنا رونا شروع کیا تو یہی عذر کرکے کہ نیند آنی حرام ہے اندر کا سونا چھوڑ دیا۔ اب یہ حالت تھی کہ مہینہ میں اگر آٹھ راتیں باہر کے کمرہ میں سوتے تو بائیس راتیں غائب مجھے سب پتہ چل جاتا تھا مگر اُف کرنے کی اجازت

نہ تھی۔ سَو روپیہ ماہوار تنخواہ تھی جسمیں پچاس کل اخراجات خانگی کے لیے مجھے ملتے تھے اور پچاس اُنکا جیب خرچ تھا میں اسپر بھی شاکر تھی کیونکہ میری پرورش اسی طرح ہوی تھی۔ اور اب مجھے یہ ثابت ہوگیا تھا کہ میرے والدین نے جس طریق سے مجھے پرورش کیا ایک ہندوستانی عورت کے لیے یہی ضروری ہے کیونکہ نازونعم کی پلی لڑکی آیندہ زندگی کی سختیاں صبر و تحمل کے ساتھ کبھی برداشت نہیں کرسکتی۔

اوہو میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی سُنانا تھا اپنا روزنامچۂ زندگی۔ ہاں تو میں بچوں کے کام سے فارغ ہوتی اتنے ماما کھانے کا حکم لینے کو آجاتی۔ گودام میں جاکر جنس تول کردیتی۔ پھر ننھے بچوں میں گرفتار۔ ان کا کوئی کپڑا سیتی۔ اس میں وقت گذرتا بارہ بجے یا تو وہ خود کھانا کھانے آجاتے یا دفتر منگا بھیجتے اگر کھانا دفتر جاتا تو جو کچھ تھا باہر کے خیال سے بھیجدیتی خود چٹنی سے کھالیتی۔ اور آجاتے تو خیر کچھ مجھے بھی بچ رہتا اسکے بعد نماز ظہر کا وقت تھا پھر شام کے پکنے کو جنس دینی بچوں کو ناشتہ کرانا۔ بستر لگانا۔ سب خود کرنا ہوتا تھا کپڑے تک ان کے گھر میں دھوتی تھی۔ مگر اسقدر محنت پر بھی وہ (شوہر) اپنی خوشی ظاہر نہ کرتے تھے ہر وقت رنجیدگی میری ناقابلیت کی شکایت ہی رہتی تھی سہ پہر سے جو نکلتے تھے تو رات کے گیارہ بارہ بجے تک آتے تھے اور حکم تھا کہ روٹی تازی تازی گرم توے سے اُترتی ملے۔ اب ایک روپیہ ماہوار کی ملازمہ ماما کو بارہ بجے تک جاگنے اور یہاں رہنے کی کیا ضرورت تھی نہ میں زور ہی کرسکتی تھی شام سے فرصت پائی روٹی لی اور گھر چلی گئی۔ اب میرا یہ نقشہ ہے کہ باورچیخانہ میں آٹا گندھا پیڑے بنے آگے رکھے آگ جلاے توا چڑھاے بیٹھی ہوں کہ جیسے ہی بوٹ کی آواز آئے فوراً چپاتی ڈالوں ایک بچہ جو شیرخوار ہے گود میں ہے دوسرا ضد کرد ہا ہے کہ اماں چلو تو پلنگ پر لیٹوں بڑے تینوں یہ کہتے ہیں کہ "ہم اکیلے تو دالان میں نہیں سوتے

ڈر لگتا ہے تم بھی چل کر بیٹھو تو سوئیں" پانچوں مجھے لپٹے ضد کر رہے ہیں اور میرے
آگے آٹے کی لگن خشکی کا طباق دھرا ہے اُنکی تکلیف و ضد اُٹھا رہی ہوں مگر
اُن کے باپ کے لیے گرم روٹی کا انتظام نہیں چھوڑ سکتی آخر نیند سے مجبور ہو کر
بڑے تینوں تو وہیں پلنگ پر (باورچی خانہ میں ایک پلنگ پر میں نے دری بچھا رکھی تھی)
لیٹ کر سو گئے چوتھا وہیں میرے قریب پیڑھی پر پاؤں لٹکائے اونگھ گیا پانچواں
تو گود میں تھا ہی جو میرا دودھ نہیں خون چوس رہا تھا۔ روزانہ اسی حالت میں کسی
دن گیارہ - کسی دن بارہ بجتے جب وہ آتے فوراً ہی چپاتی بنا کر توے پر ڈالتی
اب سنو اس ناخدا ترس کی بجائے خوش ہونے و افسوس کرنے کے یہ کہتا کہ اُف
تم بھی کسقدر نادان ہو پرورش اولاد کے بالکل ناقابل ہو نعیم جو نہیں کیا کرتا
دھوئیں میں بچوں کو ڈالا ہوا ہے اس بیچارے کے پیر زمین میں لٹک رہے
ہیں - ان کو سُلا کر یہاں آنا تھا لاؤ جلدی کھانا" اور ایک آواز میں یہ سب کچھ
ادا کیا اور سر اُلٹے پیروں باہر بیٹھک میں چلے گئے میں نے جلدی جلدی کھانا نکالا
بڑے لڑکے کو (جس کی عمر آٹھ سال کی تھی) جگا کر باہر بھیجا کہ کھانا تیار ہے اور
خود بچوں کو سمیٹ کر دالان میں چلی گئی تب باہر سے نوکر آیا اور سینی اُٹھا لے گیا
بچوں کو سُلایا جلدی جلدی پان بنائے - باہر بھیجے کہیں ایک بجے برتن آ جانے
پر پلنگ پر پڑی اور صبح ہی ۵ بجے پھر اُٹھنا - کسی دن وہ گھنٹے بھر کو کھانا کھا کر
اندر آ جاتے تھے ورنہ وہیں سو رہتے تھے - صبح چاء پینے آئے پندرہ منٹ بعد
پھر باہر - اب آجکل یہ ہے میری عین بہار زندگی جس کی تمنائیں کنواری لڑکیوں
کو ہوتی ہوں گی - دنیا کی نظروں میں کچھ بھی بُرا نہیں خدا کے فضل سے تنخواہ میاں
نوکر یا پنج بچوں کی ماں گھر بار سب کچھ حاصل ہے - شوہر بھی سمجھتا ہے کہ جیسا میں نے
بیوی کو رکھا ہے دوسرا کم رکھے گا - اور میں صبر و تحمل سے سب

برداشت کر رہی ہوں۔ یہ ایک میرا ہی حال نہیں بلکہ قریب قریب سب مسلمان مستورات ہند کی یہی حالت ہے۔ جس کی ان کو کچھ شکایت نہیں۔ اپنے سہاگ قائم رہنے کی دعائیں کرتی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ اُنھیں میں مَیں بھی ایک ہوں۔

لیکن اے انصاف دار ! خدائے عادل و رحیم کے بندوں اتنا سمجھ رکھو کہ ایک دن تم کو بھی کسی طاقت کے سامنے جواب دینا ہوگا۔ یہ خودمختاری خود فعلی چند روزہ ہے جب بیکسوں کی فریاد سُنی جائے گی تم سے بھی پرسش ہوگی۔ ہماری تو اچھی یا بُری گذر رہی ہے گذر جائے گی۔

ایک ہندوستانی مسلمان عورت

شکریہ اس امر کے اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ "تمدن" کی موجودہ حالت کیا ہے کیونکہ انصاف پسند ناظرین "تمدن" نے گذشتہ چھ ماہ میں بخوبی اندازہ کرلیا ہوگا۔ ناظرین "تمدن" کی خدمت میں اسقدر عرض کردینا نا موزوں نہ ہوگا کہ وہ اگر "تمدن" کو اس سے بہتر حالت میں دیکھنے کے خواہشمند ہیں تو انکو "تمدن" کی توسیع اشاعت کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر "تمدن" کے ناظرین میں سے صرف تئیں حضرات نے بھی ہم کو ایک ایک خریدار عنایت کیا تو ہم یقیناً اس قابل ہوجائیں گے کہ سابق کی طرح "تمدن" میں تصویریں بھی شائع کرنے لگیں گو اس زمانے میں جبکہ کاغذ کی گرانی ناقابل برداشت ہے کسی رسالے کے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ وہ اپنی ظاہری آب و تاب قائم رکھ سکے مگر ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر ہم کو تئیں خریدار اور مل گئے تو ہم تصویریں بھی شائع کرنی شروع کر دینگے۔ جن حضرات نے اسوقت تک توسیع اشاعت میں کوشش فرمائی ہے ان کے نام نامی شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہیں :-

جناب چودھری شفیق الرحمان صاحب رئیس۔ جناب چودھری حامد حسین خانصاحب رئیس۔ جناب قاضی عبدالعزیز صاحب عزیز۔ جناب ڈاکٹر مشرف الحق ایل۔ ایچ ڈی۔ جناب مولانا حکیم سید علی صاحب آشفتہ لکھنوی۔

میرا خیال ہے کہ

ہم گلستان جہاں کے پھول ہیں

(دوسری سہیلی کے خیالات)

کیسی ہی پُر بہار جگہ کتنا ہی پُر فضا چمن کسقدر دلچسپ مقام کیوں نہو اگر وہاں یہ گُل وفا (یعنی عورت) موجود نہیں ہے تو اُس کی دل کشی و دلفریبی میں اکگونہ کمی ہے۔ میں تو یہی سمجھتی ہوں شاید اس لیے کہ ابتداء عمر سے اپنے پیارے باپ اپنے عزیز بھائیوں ماموؤں چچاؤں وغیرہ سے ایسا ہی سُنا ہے جسکا یہ نتیجہ ہے کہ میرے دل میں عورت ذات کی بہت ہی قدر ہے اور نہ میرے اپنے ہی دل میں بلکہ یہ سمجھتی ہوں کہ کُل مردوں کے دل میں اس صنف نازک کی قدر ہے اور بغیر اسکے وہ اپنے زندگی کو پُر لطف نہیں بنا سکتے۔ اوروں کو تو جانتی نہیں اپنا کچھ حال سُناتی ہوں شروع سے آج تک کا مختصر مختصر قصۂ زندگی یہ ہے اماں جان کی شادی کے دس سال بعد میں پیدا ہوئی میری پیدائش کی وہ دھوم وہ خوشی ہوئی کہ کسی کے بیٹے کی نہوئی ہوگی۔ تمام گھر والے سرور و انبساط سے پھولے نہ سماتے تھے۔ خوش قسمتی سے میرے دادا جان بھی زندہ تھے۔ چھوٹے چچا تہدوقیں چھوڑتے پھرتے تھے۔ پھر تمام گھر دادا جان کو انعام کے لیے لپٹ گیا اُنھوں نے بھی بہت خوشی سے اپنے روپیوں کی تھیلی کا منھ کھول کر خوب انعام دیا اُسی وقت سے شادیانے بجنے لگے بڑے ہی سامان سے چھٹی و عقیقہ ہوا ہزاروں روپیہ صرف کیا گیا۔ اب میں دادا جان کی گود کی رونق دل کا چین آنکھوں کی ضیا رہتی۔ گھر بھر مجھپر قربان ہوتا تھا میری پرورش و تربیت کا انتظام تھا

ایک بچی کے دودھ پلانے کو دُو دُو انائیں مقرر تھیں تین کھلائیاں۔ غرض کہ جوں جوں بڑھتی گئی میرے چاؤ چونچلے بڑھتے ہی گئے۔ گو میرے بعد خدا نے میری اماں جان کو بیٹے بھی دیے مگر جو میری قدر تھی اُن کی نہ تھی۔ پانچواں سال لگا تو بڑی دھوم دھام سے بسم اللہ کی گئی۔ ابا جان بھی دادا جان کے برابر ہی مجھے چاہتے تھے۔ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ "کہتے بیٹوں کی ماں تم ہو اور بیٹی میری ہے" چنانچہ ایسا ہی ثابت کیا لڑکوں کو اماں جان نے پرورش کیا اور میں باپ کی گود میں پلی۔ جب وہ زمانہ نزدیک آیا کہ مجھے علیحدہ کرنے کی فکر کی جائے تو اماں جان نے اس کام پر زور دیا مگر ابا جان نے جہاں تک ہو سکا ٹالا۔ وہ کہتے تھے کہ "میں بغیر اپنی ننھی کے گھر میں کس طرح رہوں گا میں اس کی شادی نہ کروں گا" لوگ بہت ہی ٹوکنے لگے میری بھی عمر پندرہ سال سے اوپر نکل گئی بیسیوں جگہ سے پیام آئے جو صرف علیحدگی کے خیال سے ابا جان نے نامنظور کر دیے۔ لیکن تا بہ کے؟ آخر مجھے جدا کرنا پڑا کیا دل پر صبر کی سل رکھ کر ایک رشتہ تجویز ہوا۔ اللہ کی بھی بہت ہی مہربانی میرے حال پر ہوئی کہ میرا آیندہ زندگی کا ساتھی کچھ کم چاہنے والا نہ تھا۔ وہ ایسا ملا جس نے عاشق باپ کی جدائی میں مجھے سنبھالا خوش کیا اور خوش رکھا۔ تمام سسرال مجھے آنکھوں پر بٹھاتی اور کیوں نہ بٹھاتی جب کہ میرا ناز بردار میرا قدردان شوہر مجھ پر دل سے فدا ہوتا تھا۔ دُلہنا پے کے چند دن بہت ہی جیش و آرام سے کٹے۔

اسکے بعد مجھے اپنا گھر کرنا پڑا۔ میرا عزیز شوہر مجھے اپنی نوکری پر لے گیا۔ جہاں ایک چھوٹے سے مختصر خوشنما گھر میں میں نے اپنے لیے آغوش محبت پھیلائے پایا۔ میں یہ جانتی تھی کہ میرے چہار طرف محبت ہی محبت برس رہی ہے۔ اس

پیارے جان سے پیارے مکان کی ہر در و دیوار سے میرے لیے پیار ٹپک رہا ہے اسکے چھوٹے باغیچے سر سبز گملے معطر گلدستے مجھے چاہتے اور اپنی محبت بھری خوشبو سے اظہار الفت کر رہے ہیں۔ اور کیا بتاؤں اس مکان عزیز کے سب سے زیادہ عزیز دو گوشوں کی بابت جو مجھے جان سے زیادہ عزیز ہوگئے تھے ایک تو میرا کمرہ دوسری وہ جگہ جہاں بائیں باغ میں روش پہ ایک چھوٹا سا بنچ پڑا تھا جس پہ میرے آرام کے خیال سے میرے راحت رسان حقیقی (بعد خدا میرے مالک مجازی) نے ایک سبز مخملی گدا (کشن) ڈال رکھا تھا اس بنچ پہ ہم روزانہ صبح صبح طلوع آفتاب سے پیشتر نسیم سحر کا لطف اُٹھانے جا کر بیٹھا کرتے تھے۔ اُسوقت کی بہار اسوقت کی دلچسپی و دلفریبی کوئی میرے دل سے پوچھے۔

پوچھے تو مگر میں شاید بیان نہ کرسکوں۔ اُن جذبات پُر لطف کا دل سے زبان تک لانا محال ہے۔ تاہم جس قدر سُنا سکتی ہوں سنو میرا شوہر اس وقت سونے سے اُٹھکر لباس شب خوابی میں ہی ادھر چلا آتا تھا اُسکا سفید دھاری دار سلیپنگ سُوٹ سر کے پریشان بکھرے ہوئے بال چمکیلی کشادہ پیشانی پہ کچھ عجیب مدہوش کرنے والے ثابت ہوتے تھے۔ چونکہ اسوقت ذرا سردی ہوتی تھی میں چاہتی کہ وہ اپنا رگ لپیٹ کر باہر چلیں مگر نہیں مانتے تھے ہمیشہ میری ہی گرم شال لے کر آتے اور یہ کہتے کہ "اس میں جو خوشبو دلپسند ہے وہ میرے موٹے کمبل میں کہاں۔ اُسکو تو میں سالوں سے اوڑھ رہا ہوں کچھ لطف نہیں پایا سوا بوجھ ناگوار کے۔ مگر اس چادر محبت میں جو آرام ملتا ہے اسکو میں ہی جانتا ہوں" چنانچہ میری کسی ہلکے رنگ کی شال اُنپر ہوتی تھی اور اُن کے اوور کوٹ کا بالائی شولڈر کیپ میرے سر پر چونکہ وہ یمن

سال کا اُنکا وہ استعمالی تھا اُس میں وہی خوشبو بسی تھی جو اُن کے جسم میں تھی - بس ہم دونوں کمرہ سے نکل کر اُس گوشۂ الفت میں آکر اُس بنچ پر بیٹھ جاتے - مجھے کچھ خبر نہ رہتی کہ کہاں ہوں -

اک عجب حالت مخموریت میں وہ دھندلا وقت گذرتا جب زرد زرد سفیدی سحر نمودار ہونے لگتی تو میں بہت خوش ہوتی کہ اب اُن کا چہرا مجھے نظر آنے لگے گا - پَو پھوٹتے ہی وہاں اور چند جاندار بھی آکر ہمارے شریک حال ہوتے اور پُرمسرت گانوں سے ہمارے بیہوش وبے فکر دلوں کو ہوشیار کرنا چاہتے یعنی کچھ خوبصورت چڑیاں ننھے غنچون پر بیٹھکر چہچہانا شروع کرتیں اِن کی خوشگوار و بیدار کرنے والی شیریں آوازوں سے ہم چونکتے ہشیار ہوتے اور اپنے اُس مالک حقیقی کی بندگی کا خیال آتا جس نے وہ نعمت مجھے بخشی تھی - بس وہیں وضو کرکے دو رکعت فریضہ ادا کرتے - پھر تھوڑا ٹہلتے کھلتے ہوے پھولوں سے دل بہلاتے جن پر شبنم کے قطرے مثل ننھے موتیوں کے چمکتے ہوتے تھے - جو سورج کی کرنوں سے آدھے سفید آدھے سُنہری نظر آتے تھے - اور اکثر مذاق سے وہ ان پر ہاتھ رکھکر کہتے کہ " لاؤ یہ چھوٹے موتی یہاں سے اُٹھا کر تمھارے بالوں میں پرودوں " پھر چند چھوٹے خوبصورت پھول توڑ کر میرے سر پر لگا دیتے اب سورج اچھی طرح نکل آتا نوکر لوگ کمرے صاف کر چکتے اور ہم واپس اندر جاتے - منھ ہاتھ دھوکر بال بناتے کپڑے بدلتے کہ چاء تیار ہونے کی اطلاع ملتی بعض بعض دن ہم اپنے ہاتھ سے وہیں چائے بنا کر پی لیتے - میرے ہاتھ کی بنی ہر ایک چیز کو وہ بہت پسند کرکے شوق سے کھاتے - اسکے بعد اپنے کمرے دفتر میں جا بیٹھتے اور میں گھر کے کاموں کی طرف متوجہ ہوتی - نوکروں کی صفائی جھاڑ پونچھ سے مجھے اطمینان نہوتا تھا ایکبار پھر ہر ایک چیز کو اپنے ہاتھ سے صاف کرتی کھانا پکوانے کو جنس تلواکر بھیجتی اور

اس سے فراغت پا کر کچھ لکھنے پڑھنے یا سینے لگ جاتی۔ ۹ بجے وہ دفتر جاتے لیکن اس اثنا میں بھی چند بار کئی کئی منٹوں کو میرے کمرے میں کھڑے ہو جاتے تھے قریب بارہ ۱۲ کبھی ایک بجے کے دفتر سے واپس آ کر کھانا کھاتے وہ وقت بھی بہت اچھا گذرتا پھر تھوڑی دیر آرام کر کے سہ پہر کے کاموں میں مشغول ہوتے میں نماز ظہر سے فارغ ہو کر باورچی خانے کا سامان دلواتی۔ اور بعد عصر اکثر ہم دونوں کسی ایک جگہ شام کی ہوا خوری کو چلے جاتے کبھی وہ الگ اپنے دوستوں میں اور میں الگ بھی ٹہلتے جاتے لیکن اسوقت کا بیقراری سے انتظار ہوتا تھا کہ کب گھر پہنچیں اور وہی راحت میسر ہو کہ ہم ایک جگہ ہوں۔ بعد مغرب کبھی قریب عشا گھر واپس ہوتے اکثر میں گھر ہی ہوتی تھی اُن کے بوٹ کی آہٹ سُن کر خوشی سے دل اُچھل پڑتا وہ کمرے میں داخل ہونے کی جلدی کرتے اور میں دروازہ میں جا کر لینے کی۔ غرضکہ ہم ایک دوسرے سے الگ ہو کر ایک منٹ بھی پوری خوشی حاصل نہ کر سکتے تھے۔

کچھ دن تو اسی طرح تنہائی و بیفکری میں گذرے پھر بفضل خدا وہ زمانہ آیا جو اگر نہ آتا تو میں دنیا کی بدنصیب بے اولاد ناشگفتہ مراد عورتوں میں شمار کی جاتی۔ خدا نے وہ وقت دیا جسکے لیے میں حقیقتاً بنائی گئی تھی۔ یعنی ہمارے گھر کا چراغ گُل مراد ہم کو ملا۔ میرے لڑکا پیدا ہوا۔ بالکل اپنے باپ کی شکل۔ جس سے میں بہت خوش ہوئی کہ جس وقت اس کا باپ گھر موجود نہوا کرے گا میں اسکی پیاری شکل دیکھ لیا کروں گی اپنے باپ کو بھی وہ بہت عزیز تھا وہ کہتے تھے کہ ابتک جو ہم لوگ اپنے گھر کے ان بیجان پھولوں سے دل خوش کیا کرتے تھے یہ بیفائدہ تھا اب خدا نے زندہ و اصلی پھول دیا ہے مگر یہ بھی تمھاری ہی خوبی ہے اگر تم نہ آتیں تو میں اس گُل کو کیونکر پاتا تمھارے ہونے سے نہ صرف میرا باغیچہ میرے گملے اور گلدستے ہی سر سبز تر و تازہ رہتے

لگے بلکہ ایک اور سب سے زیادہ قیمتی و خوشنما و دل خوش کن پھول بھی تم نے کھلایا
بچہ پیدا ہونے سے میری مصروفیت زیادہ اُسکی طرف ہونے لگی۔ اس سے پہلے مجھے صرف رات دن ایک اُسی کے خیال میں اُسی کے محبت و آرام و خوشی کے انتظام میں لگا رہنا یا گھر کی دیکھ بھال و کیاریوں کا سینچنا ہی رہتا تھا۔ اب اس نوشگفتہ پھول کی پرورش بھی عاید ہو گئی۔ میری مسرتوں میں ایک بیش بہا اضافہ ہوا۔ اُن سے فراغت پا کر بھی میں دن بھر اپنے ننھے بچے اور گھر کے پھولوں میں مصروف رہنے لگی۔ میں نہیں بیان کر سکتی کہ کس قدر خوشی تھی اسکا اندازہ خود میں بھی نہیں لگا سکتی۔ دنیا میرے لیے بہشت اور میں اپنے گھر کی حور تھی۔ صرف اتنا کہہ سکتی ہوں۔

کس طرح لوگ کہتے ہیں کہ عورت "ناچیز ہے بیکار ہے عورت وبال جان ہے" جگ بیتی کو کیا جانوں میں تو آپ بیتی کہتی ہوں۔ میں تو اپنے میکے اور پھر اپنے شوہر کے لیے گویا نعمت غیر مترقبہ تھی میں بہت خوش ہوں کہ دنیا میں آنے کا میں نے پھل پایا۔ سب سے زیادہ قابل قدر و قیمتی شے یعنی "محبت" وہ میں نے بھرپور حاصل کی۔ میرا شوہر مجھے اپنی جان سے زیادہ چاہتا ہے اگر میں اُسپر پروانہ وار نثار ہوں تو وہ مثل بھونرے (گو یہ تشبیہ غلط ہے بھونرا بدنما سیاہ اور میرا شوہر خوبصورت چاند کا ٹکڑا) کے میرے گرد مجھپر فدا ہوتا ہے۔ میں اسکو دیکھ کر جیتی ہوں تو وہ بھی میرا ہی دم بھرتا ہے۔ غرض کہ میں دنیا میں ایک گہوارۂ محبت میں جھولکر ایک پرنشاط و بے فکر زندگی بسر کر رہی ہوں۔ خدا میرے سے نصیب سب کو دے۔ اب ایک آخری تمنا یہ ہے کہ اپنے ابا جان و بھائیوں کے سامنے اپنے شوہر کے ہاتھ سے وہ قیام گاہ ابدی بھی حاصل کروں جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ میرا شوہر میرے باپ اپنے محبت بھرے ہاتھوں سے مجھے تہ خاک آرام سے سلائیں۔ آمین یا رب العالمین۔ ایک خوش نصیب عورت

ویران صنم خانے

بچپن! بچپن کا پرستشکدہ! جسکا گنبد نیلگوں تھا، تاروں کی جبیں قندیلیں لٹکی ہوئی تھیں، وہ قندیلیں جو ہماری تمناؤں کے بعد جھلمل جھلمل کرتی ہوئی اور ہماری طرف دیکھتی ہوئی، جانی پہچانی آنکھیں بن کر لٹکتی تھیں، جسمیں ہوا، ایک بازو میں امید ایک بازو میں بیم لیے ہوئے ہم تک آتی تھی اور کسی کو بے آرام کرتی ہیں تو لوریاں دیتی تھی سرسبز مرغزاروں سے راگ، رنگین سمندروں سے سازہائے موسیقی اس پرستشکدہ تک آتے تھے۔ معبد طفلی! ہم تمام پھولوں سے، درختوں سے، میدانوں سے باتیں کرتے تھے اور تمام جھینگر، اور ٹڈے اور چھوٹے چھوٹے پرند ہمارے ساتھ شریک ہو کر اس پرستشگاہ میں پرستش کرتے تھے۔ اے معبد طفلی! تیری ایک بلیغ زبان تھی جو ہمارے روح کے تمام جذبات اور انقلابات کی ترجمانی کرتی تھی۔ کسی معبد کا سنگ در تجھ جیسا شفاف نہیں۔ کوئی معبد ایسی آہنگ شیریں سے بھرا ہوا نہیں، نہ کسی کی زمین میں ایسی چکا چوند کرنے والے رنگوں سے پچی کاری کی گئی ہے۔ اور ہاں کوئی پرستشگاہ ایسی نہیں جہاں عظمت وقدرت الٰہی کے ساتھ ساتھ غضب الٰہی، ایسے سیاہ رنگوں، ایسے مدہش آوازوں سے قلب پر مستولی ہوتا ہو۔ کونسا معبد ہے کہ جسکی دیواروں کے اندر معبود ایسا ضیادار ہو، اور اس کوکب مزین عبادتگاہ میں خود پجاری بھی چمک رہا ہو اور روز افزوں لذت حیات سے متلذذ ہو۔

رات کو تیری تبسم اور ساکت قندیلوں کے سائے میں تیری مدہم اور مبہم روشنیوں میں کائنات کی تھکی ہوئی آواز کو سن سن کر ہم سوتے تھے، اور دن کو تیرے اس نور میں جاگتے تھے جو فضا کو روشن کیے ہوئے ہوتا تھا اور کائنات کے ساتھ ہمیں بھی آغوش

نور میں لے لیتا تھا ہم کیسے اور کیوں پرستش کرتے تھے ہمیں خبر نہ تھی مگر سادہ حسن حیات ہماری نماز تھی اور ہماری ہر اک حرکت ارکان نماز۔ اسقدر صمیمی اسقدر شدید زندگی وہ زندگی جو صرف زندہ رہنے کے قدرتی لطف اُٹھانے کے لیے ہو کیا پرستش کی پہلی شکل نہیں ہے؟ اس سے زیادہ صحیح اس سے زیادہ طبیعی پرستش کیا ہو سکتی ہے؟ اس خوبصورت معبد میں ہر دن ہماری زندگی میں نئی عجائبات پیش کرتا تھا اور ہماری روح کو ایک تازہ مسرت انگیز لرزش حیات بخشتا تھا اور ہم ایک غیر اختیاری وجد کی حالت میں گویا سجدہ ہائے پرستش کرتے تھے۔

ہمارا پہلا معبد! معبد طفلی! چند سال ہم نے تیرے گنبد کے نیچے پرستش میں گذارے تیری پوجا کی۔ بعد میں جب دوسرے معابد میرے سر پر آ آ کر گرے اور میری روح پریشان و نا امید ہوی اور میرا دل کسل اور فتور سے بھرا تو میں نے ہمیشہ تیری قندیلوں کی روشنیوں میں جا کر پناہ لینے کی کوشش کی۔ مگر آہ تو بھی اُن معابدوں ہی کی طرح بیجان و خاموش ہو گیا۔ تیری قندیلیں میری روح تک نہیں پہنچتیں تیری نسیم لوریاں نہیں لاتی، بلکہ وہ اب ایک نابینا قدرت کا جھکڑ ہے جو درختوں کو اُکھاڑتا ہے نشیمنوں کو ویران کرتا ہے۔ تیرے آبشاروں سے اب کوئی موسیقی پیدا نہیں ہوتی، بلکہ وہ ایک آوازۂ یاس ہے جو یتیم انسانیت کے جگر سے نکل رہی ہے یا وہ انسان کی صدائے الامان ہے جسے کہیں امان نہیں۔ جا تجھے بھی خراب ہونا تھا اے معبد تو خراب ہو ہی چکا تیری قندیلیں بجھ گئیں اور تیرے مرغزار سوکھ گئے تیرے معطر و سرسبز چشمے تپتے ریگستان ہو گئے تو بھی اک تاریک اور ویران عالم ہو گیا اس کھنڈر میں بیٹھ کر میں اپنے معبد کا ماتم کر رہا ہوں۔

. . . .

عشق و محبت کے بت! ان فانی معبدوں کے لیے کون ایسا ہے جسنے معبد نہیں بنائے صنم خانۂ عشق بھی کیسا رنگین ضیا دار پُر نظر صنم خانہ تھا۔ وہ کیسے صاف شفاف قبۂ بلور کے ذریعہ تاروں کی چمک، شفقوں کے رنگوں کو بڑھا بڑھا کر اپنے میں لیتا تھا۔ اُس کے حجروں میں سے جو نغمے سُنائی دیتے تھے وہ ایک دوسرے سے محبت کرنے والے دلوں کے

ترانے تھے۔ اس معبد میں وہ نوجوان جمع تھے جو پھولوں سے لدے پھندے تھے جنکے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور جنکی روح عشق کی وجد سے رقصاں۔ مگر اسکی محراب میں میں نے ایک نوجوان دوشیزہ دیکھی جسکا چہرہ سالہا سال کے انتظار سے اپنی تر و تازگی غائب کر چکا تھا، جسکی آنکھوں میں حزن و ملال نے مستقل طور پر جگہ کر لی تھی یہ بیوقوف لڑکی اپنے حبیب کا انتظار کر رہی تھی جو اُسے کبھی نہ ملے گا اس نے میرے سامنے جان توڑ دی، اور میں نے اُسے معبد کے دروازے میں ۔ مٹی کے اندر دفن کر دیا تاکہ وہ روندی جائے اُن شیشے کے ٹکڑوں کو جنھیں وہ بلور سمجھے ہوئے تھی میں نے اُسکے مدفن پر ڈال کر ایک نہایت سیاہ اور نہایت موٹی چادر سے اسے ڈھانپ دیا۔

سب سے زیادہ بیہودہ، سب سے زیادہ مضحک اور سب سے زیادہ دھوکا دینے والا معبد؟ معبد عشق، جہاں خمار آنکھیں، اشارات محبت کر رہی ہوں اور دعوت عشق دے رہی ہوں، وہاں میں نے دو آنکھوں میں ضرور دھوکا اور خیانت پنہاں دیکھی جہاں دو ہاتھ ایک دوسرے کو محبت سے دبا رہے ہوں، وہاں ایک ضرور دوسرے کو فریب دے رہا ہے۔

طفلی، و عشق کے ویران معبدوں کو چھوڑ کر میں آگے بڑھا، افکار و احساسات کے نادیدہ افقوں کی طرف، زندگی مدہش تیزی کے ساتھ مجھے لیگئی اور میں نے دوسروں کے معبدوں کے دروازوں میں سے اندر جھانکا۔ مگر میری نگاہ نے نہایت گہرے پردوں میں سے گذر کر دیکھا تو یہ دیکھا کہ ہر جگہ ویران معبدوں کے سوا کچھ نہیں ہر قلب یہی کہتا کہ میں کبھی تجلی گاہ ارمان تھا، کبھی، اب نہیں۔ وہ علوم جنکے لیے حکما سر کھپا رہے ہیں، وہ سوز و گداز بشری جنکی ترجمانی شعرا کر رہے ہیں، دوستی، عشق، دین، فکر بشر سب کے سب آخر میں دیکھیے تو ویران معبد ہی نظر آتے ہیں۔ دماغ اور قلب کے ویران صنم خانے۔

اب انھیں "حسرت و یاس و تمنا سیر کرتے ہیں"۔

سجاد حیدر

اکیلا بلبل

حضرت طور۔ ایم ۔ اے

چمنستان محبت کا اکیلا بلبل! اے گلِ تر! وہ ترا چاہنے والا بلبل
عمر بھر رند جو میخانۂ جلوہ کا رہا بوسہ آشام ترے روئے مطّرا کا رہا
رنگ و بو پر جو ترے جان دیا کرتا تھا مئے نظارہ کو پی پی کے جیا کرتا تھا
جس کی منقار سے جاری تھی ترنم کی شراب جسکی ہر موج نفس تھی نغموں کے حباب

آج کیوں اُسکی نوا سرمۂ گفتار ہوئی؟
بند منقار ہوئی! آنکھ نوا بار ہوئی

تونے اے گُل! مری جانب سے جو مُنھ پھیر لیا خون ہو ہو کے جگر دیدۂ تر سے ٹپکا
بے رُخی سے تری جل جلکے ہوا سینہ کباب بہ گئی جو خُم دل میں تھی مسرت کی شراب
اب طبیعت میں تلاطم نہیں ہنگاموں کا اب کہاں شور وہ اگلا سا ہ آشاموں کا

گرمیِ سوز جگر سے مجھے بیتابی ہے
موجزن سینہ میں کیفیت سیمابی ہے

آ۔ خدا کے لیے ۔ پیمان وفا تازہ کریں چمن عشق کی پژمردہ فضا تازہ کریں
پھر پلا جلوۂ شاداب کی صہبا مجکو پھر دکھا روضۂ رضواں کا نظارا مجکو
آنکھ کو لذت دیدار سے بینا کر دے لب کو تعلیم نوا سے شکر آما کر دے

ہے سحر گاہ تماشا رخ خنداں تیرا
طور ہوتا ہے ابد مرغ غزلخواں تیرا

مسلمانوں کے پہلی صدی کے طبی کارنامے

یہ فخر کم کسی مذہب کو حاصل ہوگا کہ وہ صحت اور یقین کے ساتھ دعویٰ کرسکے کہ اسکے ماننے والوں نے پہلے ہی صدی سے علمی میدان میں تگ و پو شروع کردی تھی، لیکن اگر اسلامی تاریخ صحیح ہے، اور یقیناً صحیح ہے تو میں اپنی پوری طاقت سے دعویٰ کرسکتا ہوں کہ مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جس نے عالم وجود میں قدم رکھتے ہی علمی خدمات انجام دینی شروع کردیں۔

فن طبابت ان فنوں میں سے ہے جس سے عرب کچھ پہلے سے بھی واقف تھے مگر ان کی طب عامیانہ تجربات اور ناواقفانہ تخیلات سے زیادہ وقیع نہ تھی ہر مرض کا آخری علاج انکے نزدیک داغنا تھا۔ عرب کی طبی ترقی کا اصلی دور رسول اللہ صلعم کے زمانے سے شروع ہوتا ہے۔

اس عہد کا سب سے پہلا طبیب حارث بن کلدۃ ثقفی تھا۔ علمی اعتبار سے جیسا خوش نصیب تھا ویسا ہی مذہبی حیثیت سے بڑا بدقسمت بھی تھا ۱۳ھ یعنی خلافت ثانیہ تک زندہ رہا مگر مسلمان نہ ہوا۔ باوجودیکہ تمام بنی ثقیف بلکہ سارا عرب مسلمان ہوچکا تھا مگر ایک بندۂ خدا حارث بن کلدۃ تھا جو منکر کا منکر ہی رہا۔ پھر بھی اس لحاظ سے قابل قدر ضرور ہے کہ عرب کی اس عام جہل دوستی کے زمانے میں جب پڑھنا لکھنا کیا بلکہ پڑھے لکھوں کے پاس بیٹھنا بھی ایک جرم عظیم تھا۔ یمن شام اور ایران کا سفر اختیار کرکے فن طب کی تکمیل کی اور پوری مہارت حاصل کی حارث نے اپنی تعلیم جندیسا بور ایران کے ایک علاقہ میں ختم کی۔ کچھ دنوں تک ایران ہی میں مطب جاری رکھا۔ وہاں کے طبقۂ رؤسا میں اچھی خاصی عزت حاصل کرلی تھی

کہ وطن کی محبت جوش میں آئی اور ایران سے اپنے وطن مالوف طائف میں چلا آیا تعجب ہے کہ باوجود تمام تر جہالت اور علم کشی کے عربوں نے اسے بڑی نعمت غیر مترقبہ سمجھا۔ یورپ والوں کی طرح بیلا یدعتی کہکر قتل نہ کیا جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس سے مسلمانوں کا معالجہ کراتے تھے چنانچہ جب حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہوے تو آپ نے اسی کو بلایا اور آپ کا علاج کرایا بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا فھو بیطب حارث اچھا علاج کرتا ہے۔

یہ محض ایک عرب ہونے کی حیثیت سے ایک غنیمت آدمی نہ تھا بلکہ ایرانیوں جیسی ترقی یافتہ قوم نے اسکی وجہ سے عرب پر رشک کیا، ایک دفعہ یہ عرب کی طرف سے ایک وفد کے ساتھ نوشیرواں کے دربار میں گیا، بادشاہ کو یہ معلوم کرکے پہلے سخت حیرت ہوی کہ ریگستان عرب میں بھی اس پایہ کا ایک شخص موجود ہے لیکن جب اس نے اسکا امتحان لیا تو لقد اعطیت علماً وخصصت فطنة وفہما خدا نے یقیناً تمھیں خاص علم و ذکاوت بخشی" کہ ہی دینا پڑا۔ اور نہایت پُرزور مگر مہذب الفاظ میں عرب سے ایران چلے آنے کی راے دی جس کا جواب اس نے حب وطن کی وجہ سے نفی میں دیا دوران تقریریں نوشیرواں نے ہنسکر یہ کہا کہ عرب ایک وحشی قوم ہے اور تم ایک حکیم ہو حارث نے جواب دیا عالیجاہ! حقیقتاً وحشیوں ہی کو حکیم (مصلح) کی حاجت ہوتی ہے۔

اس کا بیٹا نصر بن حارث بھی ایک قابل قدر طبیب تھا، باپ سے فن طب حاصل کرلینے کے بعد یمن وشام میں جاکر مہارت حاصل کی۔ مذہبی لحاظ سے اپنے باپ سے بھی زیادہ بدبخت واقع ہوا تھا، بیچارہ حارث اگرچہ مشرک تھا مگر مفسد نہ تھا لیکن نصر بہت بڑا مفسدہ پرداز اور فتنہ انگیز تھا جس کو اسکی شرارتوں کی وجہ سے بدر کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قتل کرڈالا۔

عہد نبوت کے بہترین طبیب حکیم الامۃ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ تھے جو ایک طرف تو اچھے جسمانی طبیب تھے، دوسری طرف روحانی طبیب ہونے کا تمغہ بھی حاصل کر لیا تھا۔ ابن ابی رمثہ فن جراحی میں خاص کمال رکھتا تھا جو حارث اور نضر کو بھی میسر نہ تھا۔ اغلب یہ ہے کہ مسلمان بھی تھا۔

جب عہد خلافت گذر کر سلطنت قائم ہوتی ہے تب بھی ہم مسلمانوں کو علمی خدمت سے کنارہ کش نہیں پاتے باوجود مسلسل خانہ جنگیوں اور عام شور و شغب کے مسلمانوں کے ہاتھوں سے دامن علم ہرگز نہ چھوٹ سکا۔ امیر معاویہؓ کے عہد میں دو بڑے بڑے طبیب موجود تھے ایک ابن اثال دوسرا ابو الحکم۔ آپ نے دونوں کو اپنے دربار میں بلا لیا، خصوصاً ابن اثال کو ہمیشہ آپ اپنے ساتھ رکھتے تھے اور اسکی علمی باتوں سے لطف اُٹھاتے تھے ابن اثال مذہباً یہودی تھا مگر پھر بھی امیر معاویہؓ کے دربار میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ابو الحکم ایک عیسائی طبیب (بلکہ حکیم) تھا جس کے علمی کمال نے امیر معاویہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا جب یزید کو امیر الحاج بنا کر مکہ بھیجا تو ابو الحکم بھی ساتھ تھا اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ امیر کو اسپر کتنا اعتبار تھا۔ اسکا بیٹا حکم بھی ایک ماہر حکیم تھا جس نے بنی عباس کے زمانہ میں خاصی شہرت حاصل کی اگرچہ یہ بھی پہلی صدی کے حکماء میں گنا جا سکتا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ پہلی صدی کے غیر مترتب باغ کا ایک غنچہ تھا جو دوسری صدی میں کھلا۔

خالد بن یزید کو علوم عقلیہ کی تحصیل کی طرف توجہ ہوی چنانچہ خالد نے طب اور کیمیا سیکھنے کے لیے ایک حکیم کو ملازم رکھا جس کا نام حکیم[1] مریانوس تھا، یہ حکیم پہلا شخص ہے جسے ایک مسلمان کو علوم عقلیہ سکھانے کا فخر حاصل ہوا چنانچہ حکیم خالد بن یزید ایک ماہر طبیب اور کامل علم کیمیا ہوگیا۔ (باقی آئندہ) جلال ندوی۔

[1] حکیم اُس شخص کو کہتے ہیں جو تمام علوم عقلیہ کا ماہر ہو۔

ابوالفیض فیضی

شاعری پر ملک و قوم اور آب و ہوا کا جو اثر پڑتا ہے وہ ایسا نہیں جسکو عام نگاہیں دیکھ سکیں علی الخصوص ایسے ممالک جو قریب ہوں اور ایسی قومیں جو ایک دوسرے کے آس پاس کی رہنے والی ہوں۔ انکی شاعری اور انکے مذاق میں امتیاز کرنے کے لیے بہت کاوش اور دقت نظر کی ضرورت ہے ایک زمانہ گذرا کہ صدیوں تک فارسی ہندوستان کی تیغ زبان کا اصلی جوہر رہ چکی ہے۔ فارسی شاعری جب ہندوستان میں آئی تو اسکا نقشہ کچھ اور تھا۔ مگر جب ہندوستان کے جوش طبع نے اسمیں رنگ آمیزیاں کیں تو اسکے سادہ نقش و نگار پر لطف اور دلچسپ طور پر رنگین ہو گئے۔

ہندوستان کی آب و ہوا نے فارسی شاعری پر کیا اثر ڈالا۔ یہ بحث تفصیل اور وضاحت طلب ہے اسکے لیے میں کسی اور وقت کو مناسب سمجھتا ہوں۔ نیز وہ کون بزرگ تھے جنھوں نے فارسی شاعری کے سادہ چہرہ پر رنگین استعارات اور دلآویز تشبیہات کا غازہ ملا۔ اس حصۂ بحث کو بھی میں اسی وقت کے لیے اٹھا رکھتا ہوں لیکن میں اسوقت جس شخص کے حالات زندگی اور شاعری کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا ہوں وہ بھی اس لڑی کا ایک بیش بہا موتی ہے۔

یہ مضمون کوئی مفصل سوانح عمری نہیں اس لیے واقعات بہت اختصار کے ساتھ لکھوں گا۔ اور اجمالی طور پر حالات زندگی لکھنے کے بعد اگر موقع ملا اور فرصت نصیب ہوی تو کچھ اس کے کلام کا نمونہ پیش کرکے اسپر بھی ایضاح و تبصرہ لکھوں گا۔

ابوالحسنات ندوی

نام اور نسب

ابو الفیض نام، فیضی تخلص ہے آخر میں فیاض تخلص کیا - چنانچہ اس بارہ میں خود اسکے دو بیت شاہد ہیں ؎

زین پیش کہ سکۂ ام سخن بود   فیضی رقم نگین من بود

اکنوں کہ شدم بعشق مرتاض   فیاضیم از محیط فیاض

مگر شہرت فیضی ہی کی ہوئی - خاندان کے بارہ میں اسکے چھوٹے بھائی ابو الفضل کا جو بیان ہے - میں یہاں پر صرف اسکا ذکر کر دینا کافی سمجھتا ہوں - ابو الفضل نے اپنی کتاب آئین اکبری کے خاتمہ پر اپنے خاندان کے حالات میں جو کچھ لکھا ہے اس کا ملخص اور ماحصل یہ ہے -

"اسلاف میں سے کچھ دولت و امارت، کچھ علم و فضل اور کچھ عزلت نشینی اور ترک دنیا کے لباس میں اپنی عمریں بسر کر گئے - ان زندہ دلوں کا وطن یمن تھا - پانچویں پشت میں شیخ موسیٰ نامی بزرگ میرے دادا تھے - جن کا خیال ابتدا سے ترک دنیا اور زاویہ نشینی علم و فضل کی طرف مائل تھا - مگر بار چھوڑ کر ترک وطن اور سفر پر آمادہ ہوئے - اور نویں صدی میں علاقہ سندھ کے قصبہ ریل میں پہنچے - اور یہیں خانہ داری پھیلائی - شیخ موسیٰ اگرچہ جنگل سے آکر شہر میں آباد ہوئے لیکن اپنی تمام عمر درویشانہ انداز سے گزاری - ان کے بیٹے پوتے بھی انکے نقش قدم پر چلتے رہے - دسویں صدی کے آغاز میں شیخ خضر یعنی ابو الفضل کے دادا کو آرزو ہوئی کہ اولیاء ہند سے ملاقات کریں اور دریائے عرب کی سیر کرتے ہوئے اپنے بزرگوں کی نسل سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہو جائے - یہ بزرگ اسی خیال سے بہت سے رشتہ داروں اور دوستوں کو لے کر ناگور (جو اجمیر کے شمال و مغرب میں واقع ہے) میں وارد ہوئے - یہاں

کئی نیک سیرت بزرگوں سے نیاز حاصل کیا۔ ان کے فیوض سے فیضیاب ہوئے اور ان ہی کے ایما سے سفر کا ارادہ فسخ کر کے ناگور ہی میں سکونت اختیار کی ابتدا میں شیخ خضر کے کئی بچے ہوئے مگر سب مر گئے۔ آخر ۹۱۱ھ میں شیخ مبارک اللہ (یعنے ابوالفضل اور فیضی کے باپ) پیدا ہوئے۔"

شیخ مبارک اپنے زمانے کا ایک بےمثل عالم تھا۔ زمانے کے دست حسد کی یہ فطرت ہے کہ جب کسی باکمال کے ستارے کو فضل و کمال کے آسمان پر چمکتا دیکھتا ہے تو اسپر مصائب و آلام کی خاک ڈال کر دھندلا کر دیتا ہے۔ شیخ مبارک نے بھی ان ہی مصائب و آلام سے تنگ آکر اپنے وطن ناگور کو چھوڑا اور ایک مدت پریشاں حال اور بے خانماں رہنے کے بعد شیخ یوسف مجذوب اور علاؤالدین مجذوب کے ارشاد سے ۶ محرم ۹۵۰ھ میں آگرہ آئے اور دریائے جمنا کے پار شہر کے مقابل چار باغ نامی بستی میں سکونت اختیار کی۔ وہاں ایک قریشی گھرانا رہتا تھا جو علم و فضل سے مالامال تھا شیخ مبارک نے اسی خاندان میں شادی کی۔

فیضی کی پیدایش

۹۵۴ھ جبکہ ہندوستان کا تخت حکومت شیرشاہ کے بیٹے سلیم شاہ کی جلوہ فرمائی سے بارونق ہو رہا تھا تو آگرہ کے مقابل چارباغ کی سرزمین بھی عالم معنی کے تاجدار کی آمد آمد کی خبر سنکر کچھ عجب نشاط انگیز اور بہاردار ہو رہی تھی دریائے جمنا کی موجیں خوشی کے مارے اچھل اچھل جاتی تھیں کہ عنقریب اسکے پاس سے ایک ایسا چشمہ جاری ہونے والا ہے جو دنیا کے سوکھے اور مرجھائے ہوئے پودوں میں ایک تازگی اور نئی روح پھونکدے گا۔ بالآخر اسی سال جبکہ شیخ مبارک کا سن ۴۳ سال تک پہنچ چکا تھا۔ ان کے گھر میں پھر فضل و کمال کا ماہ کامل یعنی شیخ ابوالفیض فیضی پیدا ہوا۔

سن شعور اور تحصیل علم

بچپن کی زندگی نہایت افلاس و عسرت میں گذری۔ باپ کی نحوست کے سایہ میں وہ وہ تکلیفیں اٹھائیں جو ناقابل برداشت تھیں۔ غریب باپ بھی نوشتۂ تقدیر کو کیا کرے جو کچھ لکھا تھا اسکو کون مٹا سکتا تھا۔ باایںہمہ صعوبت و مصائب بیٹے کی تعلیم سے ذرہ برابر بھی غافل نہیں رہا۔ خود فضلائے عصر کا سرتاج تھا۔ اسلیے بیٹے کی تعلیم کے لیے کسی دوسرے کی احتیاج نہ تھی۔ خود تعلیم دیتا تھا۔ ہر علم کی کتابیں نہایت خوش اسلوبی سے پڑھائیں ہر فن میں دستگاہ پیدا کر دی علوم عقلی و نقلی سب میں ایک مہارت اور ملکہ پیدا کر دیا۔

فن شاعری

فیضی نے شاعری میں جو فضل و کمال دکھایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاعرانہ دل و دماغ لے کر پیدا ہی ہوا تھا۔ اور ملک الشعرا کا جو خطاب اسکو اکبر کے دربار سے ملا۔ وہ در اصل روز ازل ہی سے قسام ازل نے اپنے دربار خاص سے اسکو عنایت کیا تھا فیضی نے اور علوم و فنون کی طرح شاعری کے لیے بھی کسی دوسرے کے آگے زانوے شاگردی تہ نہیں کیا۔ جو کچھ سیکھا اپنے باپ سے سیکھا۔ اس فن کے تمام اسرار و رموز بھی اسکے باپ شیخ مبارک ہی نے اسپر کھولے۔ شیخ مبارک اگرچہ خود شاعر نہ تھا لیکن ہمہ دان فاضل تھا اسلیے بیٹے کا کلام دیکھتا، اسمیں زبان اور فصاحت و بلاغت کی چاشنی پیدا کرتا۔ رموز سخن اور نکتہ نکتہ سے بیٹے کو آگاہ کرتا یہانتک کہ فیضی ایکدن سپہر شاعری پر ہلال بنکر طلوع ہوا اور بدر کامل بن کر چمکا۔

فن طب

علاوہ ان علوم و فنون کے فیضی نے علم طب کو بھی حاصل کیا۔ اور اسمیں بھی پوری مہارت اور دستگاہ پیدا کی مگر اس سے بجز خدمت بندگان الٰہی اور کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ علاج کرتا تھا لیکن کسی سے اجرت نہ لیتا تھا۔ بلکہ بسا اوقات جب اسپر

تنگی رزق نہ ہوتی تو دوائیں بھی مریضوں کو اپنے ہی پاس سے دیتا۔ رفتہ رفتہ جب اوج و اقبال نے منہ دکھایا اور افلاس و ادبار نے ہمیشہ کے لیے پیٹھ پھیری تو رفاہ عام کی غرض سے ایک شفاخانہ بھی کھول دیا۔

شیخ مبارک کے فضل و کمال نے اس کے بہت سے حاسد بھی پیدا کر دیے۔ جو ہر موقع پر تکلیفیں پہنچاتے رہتے تھے۔ اور ان حاسدین میں مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری اور شیخ عبدالنبی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ لوگ عوام میں بھی با اثر تھے۔ اور ان ہی کے ہاتھوں میں سلطنت کی باگ بھی تھی۔ شیخ مبارک اپنے استغنا و دلی اور علم و فضل کے آگے انکو کب خاطر میں لاتے تھے۔ شدہ شدہ کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ یہ لوگ شیخ مبارک کی ایذا رسانی کے در پے ہوے۔ کبھی تشیع کا الزام لگایا، کبھی فرقہ مہدوی کا پیرو مشہور کیا۔ غرض آئے دن ایک نہ ایک نئی مصیبت شیخ مبارک کے سر پر لاتے رہے۔

فیضی کی شہرت اور دربار اکبری میں طلبی

یہانتک کہ جب فیضی کے عطر سخن کی شمیم انگیزی فضاے عالم میں پھیلکر دربار اکبری میں پہنچی۔ تو فیضی کی شاعری اور اسکے فضل و کمال نے اکبر سے سفارش کی۔ اور شہنشاہ اکبر نے فیضی کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ بدخواہ حاسدوں سے اسوقت بھی نہیں رہا گیا اور اس رحمت و عنایت کی طلب کو قہر و عتاب کے رنگ میں رنگ دیا۔ اور حاکم آگرہ کو اسطرح لکھا کہ "شیخ مبارک کے لڑکے فیضی کو وہ جہاں اور جس حال میں ہو سواروں کے ساتھ دربار میں بھیجدو" کچھ بات گئی تھی، چند ترکوں نے گھر پر آکر شور مچایا۔ دشمنوں نے ان سپاہیوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ شیخ مبارک بیٹے کو چھپا دے گا۔ اور تم سے بہت حیلے حوالے کرے گا۔ ڈرا کے دھمکا کے اور سخت گیری کے بغیر کام نہ چلے گا۔ ادھر اتفاق یہ کہ واقعتہً فیضی گھر میں نہ تھا۔ باغ کی سیر کو گیا ہوا تھا۔ ترک سپاہیوں نے جب بہت شور و غل مچایا اور شیخ مبارک کو خبر ہوئی تو انھوں نے صاف طور پر جو حقیقت حال تھا

وہ ظاہر کردیا۔ سپاہیوں کو دشمنوں کی بات کا یقین آگیا کہ شیخ بہانہ کرتا ہے اور زیادہ شور و غل مچانا شروع کیا۔ قریب تھا کہ کوئی فتنہ پیدا کردیں حسن اتفاق سے فیضی آپہنچا۔ حال معلوم کرنے پر سفر کی تیاریاں شروع کیں۔ لیکن افلاس و غربت کے مارے آمدنی کا رستہ بند تھا۔ سامان سفر کس طرح مہیا ہو۔ خیر عقیدتمندوں اور شیخ مبارک کے شاگردوں کے ذریعہ یہ مرحلہ بھی طے ہوگیا۔ اور رات ہی کو فیضی گھر سے روانہ ہوگیا

فیضی دربار اکبری میں

فیضی تو گھر سے روانہ ہوگیا لیکن ادھر گھر کے تمام لوگ رنج و الم کے دریا میں ہاتھ پاؤں مارنے لگے اور نہایت اضطراب کے ساتھ اس خبر کو سننے کے لیے پریشان تھے کہ بادشاہ نے کیا سلوک کیا۔ چند روز کے بعد یہ خبر آئی کہ شہنشاہ جہاں نے غریب نوازی کی اور اپنے رحم و کرم کے سایہ میں جگہ دی۔

فیضی جب اکبر کے پاس پہنچا تو اکبر ایک ایسے کمرہ کے اندر بیٹھا تھا جسکے گرد جا لیدار کٹہرا لگا تھا۔ فیضی جب حاضر کیا گیا تو اس سے باہر کھڑا تھا۔ اسوقت فیضی نے بادشاہ سے مخاطب ہوکر برجستہ اور فی البدیہہ یہ رباعی پڑھی۔

بادشاہا درون پنجرہ ام ازسر لطف خود مرا جا دہ
زانکہ من طوطی شکر خارم جائے طوطی درون پنجرہ بہ

اکبر اس کے اس حسن استدعا اور برجستہ گوئی سے بہت محظوظ ہوا۔ اور بہ لطف و عنایت کے ساتھ اندر آنے کی اجازت دی۔ (باقی دارد)

ابو سحنات ندوی اشرفپوری

ہم سب کے لیے یہ بڑی خوشی کی بات ہوتی اگر ہم بہتری کی اتنی ہی زیادہ قدر کرتے جتنی بدتری کی مذمت کرتے ہیں۔" "سوفٹی"

اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(بسلسلہ اشاعت سابق)

میں نے "تمدن" کے گذشتہ نمبر سے امرئ القیس کے کلام کو پیش کرنا شروع کیا ہے جی تو یہی چاہتا ہے کہ اُسکے پورے قصیدہ کی تنقید ناظرین تمدن کی خدمت میں پیش کروں اور اسکے تمام اصناف کلام اور خوش مذاقی اور بد مذاقی پر تنقیدی حیثیت سے گہری نظر ڈالوں لیکن اول تو اپنی عدیم الفرصتی اور مشاغل تعلیم دوسرے مضمون کی طوالت کا خیال مانع ہے لہذا اسکے کلام سے وہ مخصوص مقامات پیش کرتا ہوں جو اصناف شاعری میں کسی صنف سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ مذاق شاعری اور مذاق عشق میں حد مشترک ہیں اس قسم کا کلام پیش کرنے سے ایک یہ بھی غرض ہے کہ ہر طبقہ اور ہر مذاق کے حضرات بقدر ذوق امرئ القیس کے کلام سے حظ اُٹھا سکیں میں امید کرتا ہوں کہ مجھکو ناظرین "تمدن" امرئ القیس کے کلام کو سلسلہ کے ساتھ پیش کرنے سے معاف فرمائیں گے۔

معشوق کی تعریف اور اُس کا سراپا

مُهَفْهَفَةٌ بَيْضَاءُ غَيْرُ مُفَاضَةٍ ۔۔۔ تَرَائِبُهَا مَصْقُولَةٌ كَالسَّجَنْجَلِ

یعنی میری معشوقہ نازک کمر اور صبیح رنگ ہے اور اُسکا شکم چپیدہ ہے یعنی بھدا اور اعتدال حسن سے گرا ہوا نہیں ہے اور سینہ مثل آئینہ کے چمکدار و درخشاں ہے یہ تمام اوصاف جسمانی جو اس شعر میں امرئ القیس نے دکھائے ہیں اسمیں کوئی شک نہیں کہ امرئ القیس کی حسن پرستی اور نظر انتخاب کو ثابت کر رہے ہیں اور اس شعر سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اہل ہند کی طرح عرب سانولے رنگ کو قابل تعریف نہیں سمجھتے تھے۔

كَبِكْرِ الْمُقَانَاةِ الْبَيَاضِ بِصُفْرَةٍ　　غَذَاهَا نَمِيرُ الْمَاءِ غَيْرُ مُحَلَّلِ

اس شعر میں امرئ القیس معشوق کے رنگ کی تعریف کرتا ہے اور مختلف چیزوں سے تشبیہ دیتا ہے یعنی میری معشوقہ کا رنگ مثل اول بیضۂ شترمرغ کے ہے کہ جسکی سفیدی میں مناسب زردی ملی ہوی ہے یا مثل ایک دانۂ صدف کے ہے جسکی سفیدی زردی کی جھلک لیے ہوتی ہے جسکی نشو و نما ایسے صاف اور خالص پانی سے ہوی ہے جس پانی تک کسی کا ہاتھ نہیں پہنچا ہے یہ بات عادات عرب سے ہے کہ عورتوں کی تشبیہ ایسے ہی چیزوں سے دیتے ہیں انکے مذاق میں زردی مائل سفیدی حسن ہے میرا خیال ہے غالباً اس رنگ سے امرئ القیس کی مراد کندنی رنگ ہے یہ رنگ ہم لوگوں کے مذاق میں بھی قابل تعریف ہے۔

وَفَرْعٍ يَزِينُ الْمَتْنَ اَسْوَدَ فَاحِمٍ　　اَثِيثٍ كَقِنْوِ النَّخْلَةِ الْمُتَعَثْكِلِ
غَدَائِرُهَا مُسْتَشْزِرَاتٌ اِلَى الْعُلٰى　　تَضِلُّ الْعِقَاصُ فِي مُثَنًّى وَمُرْسَلِ

یہ دونوں شعر معشوقہ کے بالوں کی تعریف میں کہے ہیں یعنی اُسکے لانبے لانبے سیاہ اور بہت سیاہ بال جو زینت دیتے ہیں اُسکی پشت کو اور وہ نہایت کثرت سے گُتھے ہوے اور پیچدار یعنی گھونگر والے ہیں اور پیچیدگی میں مثل بار آور درخت کے خوشبودار گُتھے ہوے خوشوں کے ہیں جو بسبب اپنی کثرت کے ایک دوسرے میں در آگئے ہیں اس تشبیہ کی نیچرل سادگی میں نہایت معنی خیز چند باتیں مضمر ہیں جو اسکے علاوہ اور تشبیہ میں پیدا ہی نہیں ہو سکتے جن حضرات کو مناظر فطرت اور نیچرل حسیات سے دلچسپی ہے انکو اس شعر میں نسبتاً زائد لطف ملے گا۔ دوسرا شعر بھی بالوں کی تعریف میں ہے کہتا ہے کہ میری معشوقہ کے سر پر اس کثرت سے بال ہیں کہ کچھ حصہ اُنکا ریشمی اور چکدار ڈوروں سے بالاے سر گوندھکر باندھ دیا گیا ہے اور کچھ جوڑے کی طرح باندھے گئے ہیں لیکن یہ دونوں حصے بالوں کے اُسکی گندھی ہوی چوٹیوں اور کھُلے ہوے بالوں سے

اس طرح چھپ گئے ہیں کہ بالکل نہیں معلوم ہوتے۔ دیکھنے کے قابل اس مقام پر یہ بات ہے کہ جوڑا اور وہ بھی گھنے ہوئے بالوں کا جوڑا ایک نمایاں چیز ہے اسکا چھپنا بالوں سے اور وہ بھی غیر محسوس طریقہ پر بالوں کی اُس کثرت کو بتلا رہا ہے کہ جو غیر معمولی شان رکھتے ہیں، اس شعر سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ عرب کی عورتیں اپنے بالوں کی آرایش اُس عہد میں اس طریقہ سے کرتی تھیں اور یہی غالباً اُس زمانے میں سب سے بہتر طریقہ آرائش تھا جسکو ہمارے حُسن پرست امرئ القیس نے اپنی معشوقہ کے لیے منتخب کیا ہے واقعی خوش قسمت تھا اور بہت خوش قسمت تھا امرئ القیس حُسن پرستی اور شاعری کے لحاظ سے جسکے عشق اور شاعرانہ جذبات کی نشو ونما ایسے خطّہ میں ہوئی جسکے ذرّہ ذرّہ میں حُسن وعشق کا ہیولا مضمر تھا اور صرف یہی نہ تھا بلکہ حُسن کو اپنے تمام اثرات کا احساس اور پورا احساس بھی ہوتا تھا۔

وَكَشْحٍ لَطِيفٍ كَالْجَدِيلِ مُخَصَّرٍ وَسَاقٍ كَأُنْبُوبِ السَّقِيِّ الْمُذَلَّلِ

اس شعر میں معشوق کی کمر اور پنڈلیوں کی تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کمر اُسکی نزاکت اور نرمی میں مثل مہار ناقہ کے ہے جو نرم اور لچکدار ہوتی ہے اور پنڈلی اُسکی مثل گھمو کے ہے جو اپنی شادابی اور ترو تازگی اور صفائی کی وجہ سے جھکی رہتی ہے یا مثل اُس بندیئے کے ہے جسکو پانی شاداب و نرم کرتا رہتا ہے ان تشبیہوں سے اعراب کے طرز معاشرت اور زندگی کا پتا چلتا ہے جیسا طرز معاشرت تھا ویسے ہی خیالات اور تصرفات شاعری بھی ہیں لیکن ہر شعر سے ایک نیچرل انداز تخیل ٹپک رہا ہے اور یہی اُسمیں دیکھنے کے قابل بات ہے

وَتُضْحِي فَتِيتُ الْمِسْكِ فَوْقَ فِرَاشِهَا نَؤُومُ الضُّحَى لَمْ تَنْتَطِقْ عَنْ تَفَضُّلِ

اس شعر میں معشوق کی خوابگاہ ناز اور حُسن کے مدارج کمال دکھاتا ہے کہتا ہے کہ جب صبح کرتی ہے محبوبہ میری اور خواب ناز سے بیدار ہوتی ہے تو بستر خواب پر مشک کے ریزے

پائے جاتے ہیں جو اُسکے سونے کی حالت میں اُسکے جسم سے پیدا ہو کر بستر کو معطر کرتے ہیں اور جب وہ جامۂ شبخوابی پہن لیتی ہے تو اُسکے بعد کمر کسنے کی ضرورت نہیں رہتی ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ کمر کس کے سوتا یہ اُن لوگوں کی شان سے ہے کہ جنکو صبح ہوتے ہی فرائض کام انجام دینا ہوتے ہیں میری معشوقہ کو اسکی کیا ضرورت ہے اس شعر میں گویا عنیزہ کی شانِ امارت بھی ظاہر کرنا مقصود ہے۔

تُضِیْءُ الظَّلَامَ بِالْعَشِیِّ کَاَنَّھَا   مَنَارَةُ مُمْسیٰ رَاھِبٍ مُتَبَتِّلِ

اس شعر میں معشوقہ کے حُسنِ عالم سوز کو ایک ایسی پیاری تشبیہ کے ساتھ ادا کرتا ہے کہ تو یہ معاذ اللہ رے سادگی اور اللہ رے جذب کوئی ایسا ہی پتھر کا کلیجے والا ہوگا یا کیفیات حسن وعشق سے بالکل بیگانہ جسمیں امرئ القیس کی اس تخیل سے حرکت دِل نہ پیدا ہو جائے لکھتا ہے کہ میری عنیزہ کے چہرہ کی روشنی یعنی اُسکی برق حُسن تاریکی کو اسطرح روشن کردیتی ہے گویا کہ وہ راہب خدا رسیدہ یعنی تارک الدنیا لوگوں کی شمع ہے یعنی جس طرح راہبوں کا چراغ شام عام تاریکی میں بھولے بھٹکے ہوے مسافروں کو اپنی تیز روشنی سے فائدہ پہنچاتا ہے اُسی طرح عالم کی روشنی کے لیے میری معشوقہ کی شمع جمال ہے اول تو عنیزہ کی تشبیہ شمع سے یہی بجاے خود ایک پیاری اور نازک تشبیہ ہے پھر اُسپر خدارسیدہ لوگوں کی قید نے معنوی خوبیوں میں اور چار چاند لگا دیے میرے خیال میں ہمیں کوئی شک نہیں کہ یہ شعر داخلی اور خارجی پہلوؤں سے نہایت دلکش جواہرات کا مجموعہ ہے۔

اَلَا رُبَّ خَصْمٍ فِیْكِ اَلْوٰی رَدَدْتُہٗ   نَصِیْحٍ عَلٰی تَعْذَالِہٖ غَیْرِ مُؤْتَلِ

اب میں بعض وہ اشعار اس مقام پر لکھتا ہوں جسمیں امرئ القیس نے اپنی معشوقہ عنیزہ سے مخاطب ہو کر اظہار وفا کیا ہے اور شبہاے فراق کی گذری ہوئی مصیبتیں اور شب فراق سے عالم بیخودی میں باتیں بیان کی ہیں کس قدر خوش قسمت ہے وہ عاشق جسکو

فراق کی تکلیفوں کے اظہار کا موقع معشوق سے نصیب ہو کہتا ہے امرء القیس جس کا
حاصل یہ ہے کہ بہت سے ناصح جنھوں نے سختی کے ساتھ تیری محبت سے باز رکھنا چاہا
گو میری بہتری کے خیال سے لیکن میں نے اُنکو واپس کر دیا اور کچھ بھی اُنکی نصیحتوں کا اثر
نہیں لیا یعنی میرے قدم تیری محبت میں نہ ڈگمگا نا تھے نہ ڈگمگائے اور دنیا کی کوئی قوت
تیری محبت پر غالب نہ آسکی میرے خیال میں یہی وہ سچّے جذبات ہیں جو محبت بھرے
دل کی جان اور حُسن وعشق دونوں کے لیے سرمایۂ ناز ہیں۔

وَلَیْلٍ کَمَوْجِ الْبَحْرِ اَرْخیٰ سُدُوْلَہٗ عَلَیَّ بِاَنْوَاعِ الْهُمُوْمِ لِیَبْتَلِی

اور بہت سی فراق کی راتیں ہیں کہ جنھوں نے مثل سمندر کی موجوں کے قسم قسم کے اندوہ و
صدمات کے ساتھ اپنی تاریک پوششوں کو میرے اوپر ڈال دیا کہ تیری محبت
میں میرا امتحان وفا لیں اور آزمائیں میری قوت صبر وشکیبائی کو۔

فَقُلْتُ لَہٗ لَمَّا تَمَطّٰی بِصُلْبِہٖ وَاَرْدَفَ اَعْجَازًا وَنَاءَ بِکَلْکَلِ

پس کہا میں نے اُس شب فراق سے جب کہ وہ رات ڈھل کے بڑھی اور اُسکے پچھلے
یعنی آخری ساعتیں ایک دوسرے کے بعد آنے لگیں اور اُن ساعتوں کا سلسلہ باوجود
حصہ آغاز ختم ہو جانے کے نہ ٹوٹتا۔

اَلَا اَیُّهَا اللَّیْلُ الطَّوِیْلُ اَلَا انْجَلِیْ بِصُبْحٍ وَمَا الْاِصْبَاحُ مِنْکَ بِاَمْثَلِ

یعنی اے بڑھتی ہوئی اور طولانی شب فراق اپنی تاریکی کو نور سے بدل دے تاکہ مجھکو
رنج سے رہائی ہو۔

فَیَالَکَ مِنْ لَیْلٍ کَاَنَّ نُجُوْمَہٗ بِاَمْرَاسِ کَتَّانٍ اِلٰی صُمِّ جَنْدَلِ

یعنی واے ہو تجھپر اے شب فراق تو عجب رات ہے گویا کہ تیرے ستارے رسن ہاے
کتان سے بھاری پتھروں میں بندھے ہوے ہیں کہ اپنی جگہ سے جنبش ہی نہیں کرتے
دیکھو ایک فراق کے مارے ہوے دل کے جذبات حسرت زدہ زبان سے یوں ادا ہوے ہیں

آتش عشق کے پھونکے ہوئے عالم بیخودی میں یوں مناظر قدرت کو مخاطب کر کے بھڑکے ہوئے شعلوں پر آب پاشی کرتے ہیں مضطرب دل کو عالم بیکسی میں تسکین دینے کا یہ طریقہ ہے اُمنڈتے ہوئے جذبات محبت کا آتش غم سے جب یوں انقلاب ہوتا ہے تو اثر اپنے آغوش میں لے کر زمین کے طبقات اور آسمان کے پردوں میں آگ لگا دیتا ہے فضا میں کرۂ عشق سے جب اسے سیمابی ذرات اُڑا اُڑا کر پہنچتے ہیں اور متوجہ کرتے ہیں تو دلوں پر بجلیاں ٹوٹتی ہیں اور پتھر کے کلیجے پانی ہوتے ہیں ایسے فراق نصیبوں کو پھر وصال معشوق کیونکر نصیب ہو۔

حسرت ہے تیری زندگی پر اے امرئ القیس کاش ہماری بھی نشو و نما اُسی خاک بلا انگیز سے ہوتی جس سے تو تھا جیسا میرا جی چاہتا ہے ویسی تنقید اس آخری شعر کی نہیں کر سکتا۔ اس شعر میں امرئ القیس نے جذبات نفسانی کو دکھایا ہے دراصل جذبات کا تعلق حسیات نفسانی سے زیادہ ہے۔ اسوقت مجکو ایک اردو کے زبردست شاعر کا اسی مضمون کا ایک شعر یاد آ گیا ہے جسکو ناظرین "تمدّن" کی دلچسپی کے لیے پیش کرتا ہوں دیکھو جلالؔ مرحوم اسی خیال کو کس فلسفیانہ انداز سے ادا کرتے ہیں ؎

میں دیکھتا ہوں کہ گردش ہی آسماں میں نہیں ... نہ جائے گی مرے گھر سے نہ جائیگی شب غم

(باقی آئندہ) آشفتہ لکھنوی

ضروری گذارش

"تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں اُنکا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ ذریعہ وی۔ پی بھیجا جائیگا جسکا وصول کرنا اُن کا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔

منیجر

غزلیات

جناب نواب عسکری مرزا خانصاحب عرف ابن صاحب بلیغ لکھنوی

لاش نکلی اسطرح گھر سے ترے ناکام کی
جسنے دیکھا رو دیا کچھ حد نہ تھی کہرام کی

غش وہ آتا ہے کہ دنیا کی نہیں رہتی خبر
کچھ عجب تاثیر ہوتی ہے ترے پیغام کی

دوستی کرتے ہی تم سے اک قیامت ہوگئی
ساری دنیا بنگئی دشمن ہمارے نام کی

نفع اتنا میکدے سے شیخ کو حاصل ہوا
پھرگئی تصویر آنکھوں میں چھلکتے جام کی

گر خدا چاہیگا خلوت گاہ بھی دیکھینگے ہم
ابتدا تو ہوگئی ہے نامہ و پیغام کی

یاالٰہی ہمکو دیوانہ کہیں سب حشر تک
مدتوں سے فکر ہے اپنے بنائے نام کی

صبر کرتے کرتے آخر ہوگیا مجھکو جنون
اور باتیں ڈھونڈ لیے میرے لیے الزام کی

کل جو ہونا ہے پھر اُس سے آج فرصت کیوں نہو
زندہ رہجائیں مریں کس کو خبر انجام کی

عمر بھر قسمت میں اب رونا ہی رونا ہے بلیغ
اُٹھ گئیں دنیا سے سب باتیں مرے آرام کی

حضرت عزیز لکھنوی

مرے پُر زور رونا تو ضبط کی قوت دکھا دینا
نہ آئیں وہ تو اکدن آگ اس گھر میں لگا دینا

مریض ہجر کو تم زہر دینا یا دوا دینا
مگر بالیں سے دم بھر چارہ سازونکو ہٹا دینا

بھلا پھر کر سکینگے چارہ گر کیا مندمل اُسکو
تری تفریح ہو جس دلکے زخموں کا ہوا دینا

تمہارا فرض ہے اپنی سی کوشش چاہیے تمکو
مگر آساں نہیں ہے میری ہستی کا مٹا دینا

تنگافت اک ہو چلا تربت میں جو آ نکلی مجھ میں
ذرا اے جانے والے قبر پر میری مسکرا دینا

یہاں وہ وقت ہے اب دلکی زندگی عطتی جاتی ہے
تمھیں تو کھیل ہے اک باتوں باتوں میں لا دینا

کوئی تدبیر بن پڑتی نہیں کیا ہونیوالا ہے
مجھے آسان ہوتا کاش اُنھیں دلسے بُھلادینا

مری میّت پہ کس دعوی سے وہ کہتے ہوے آئے
ہٹادینا ذرا ان رونیوالوں کو ہٹا دینا

اُٹھینگی آندھیاں غم کی جو ذرہ بھی رہا باقی
زمین دشت غربت خاک میری سب اُڑا دینا

کسی کو دیکھکر ایسا نہو مَیں پھر بہک جاؤں
مجھے روز جزا اک دوسرا دل اے خدا دینا

تمھارے سامنے اک دفتر راز محبت ہے
بد شولری کسی بیمار غم کا لب ہلا دینا

یہ کہکر قبر پہ پھر یاد اپنی کر گئے تازہ
ارے لے مرنے والے اب مجھے دلسے بھلا دینا

یہ مانا قلب کی جنبش نظام زندگانی ہے
ٹھہر جائے مرا دل چارہ گر ایسی دوا دینا

بہت گہری نظر ہے عشق پر حسن ستمگر کی
خداوندا مجھے جو درد دینا لادوا دینا

عزیز اُن دفتر پند و نصیحت کھلنے والا ہے
بڑھے گر اختلاج دل تو ناصح کو دعا دینا

جناب نواب سعید امین احمد خاں صاحب طالب رئیس دہلوی

یہ دل کسی نہ کسی وجہ داغ دار رہا
ہزار شکر کہ یہ باغ پُر بہار رہا

صبا کی ضد سے جو اُڑتا مرا غبار رہا
بڑے عروج پہ بار و میں خاکسار رہا

نہ لالہ زار رہا اور نہ سبزہ زار رہا
کہ سیل اشک سدا صرف جوئے بار رہا

پلائی اتنی سبھوں کو چھکادیا ساقی
رہا تو تشنہ مے مجھسا بادہ خوار رہا

وفا شعار فروتن جہاں سے مستغنی
مدام شیوہ مردان روزگار رہا

شکار گاہ میں آیا ہے گلچلا یہ کون
کہ زخم سے نہیں خالی کوئی شکار رہا

تمام عمر کا ہے درد سر مئے الفت
یہ وہ نہیں کہ گھڑی دو گھڑی خمار رہا

جفائیں آپ کی مانا کہ بیحساب رہیں
مگر ہماری وفاؤں کا کیا شمار رہا

خودی میں خود نہ رہے جب ہم خدا تھا
نہ کوئی غیر رہا پھر نہ کوئی یار رہا

ہمارے گریہ نے ٹھنڈا کیا کسی کا دل
ذرا نہ سنگ میں باقی کوئی شرار رہا

نگاہ بھر کے جو تم دیکھتے رہے دل کو | وہ میفروش رہے اور یہ میگسار رہا
درود لاکھوں کروروں سلام ہوں اُس پر | جو عفو خواست عاصی کا خواستگار رہا
چلا ہے راستہ کترا کے دیکھ تو زاہد | وہ میکدے سے کوئی تجھکو ہے پکار رہا

نہ پھنستا دام محبت میں کب تلک طالب
وہ سادہ لوح بہت دن تو ہوشیار رہا

حضرت محشر لکھنوی

دوست پہ حال اپنا عیاں کر دیا | دل میں جو تھا صاف بیاں کر دیا
مر گیا دل دفن میں کیا اہتمام | تھوڑی سی مٹی میں نہاں کر دیا
دیکھ سکے کون جمال حبیب | جس نے کہ روشن یہ جہاں کر دیا
رہ چکے خاموش بس اے دردِ ہجر | کر دیا اب قصد فغاں کر دیا
مر کے بھی اس درد کی پائی نہ حد | جسنے مجھے محو فغاں کر دیا
اپنے اس ارمان پہ میں خود نثار | جس نے تمھیں محو فغاں کر دیا
جستجوے دوست میں ہم مر گئے | شوق نے بے نام و نشاں کر دیا
اس پہ خفا مجھ سے خدائی ہوی | راز محبت کو عیاں کر دیا

دلبہ ہے محشر یہ کرم عشق کا
واقفِ اسرار نہاں کر دیا

حضرت ثاقب قزلباش لکھنوی

تمام عمر کی غفلت کے بعد خواب آیا | اُٹھا جو پردۂ ہستی مجھے حجاب آیا
اجل نصیب تھا شامِ وصال خواب آیا | وہ بے حجاب ہوے تو مجھے حجاب آیا
بلا ہے شام جوانی سے خوش نہو اے دل | سنبھل کہ عمر کی دنیا میں انقلاب آیا
بڑھاے حوصلے دریادلی نے ساقی کے | ذرا سے جام میں سو بار آفتاب آیا

زمانے والوں کو پہچاننے دیا نہ کبھی بدل بدل کے لباس اپنے انقلاب آیا
کوئی صدا نہیں آتی کہ کون ہے کیا ہے کہاں بھٹک کے دلِ خانماں خراب آیا
سوائے یاس نہ کچھ گنبدِ فلک سے ملا صدا بھی دی تو پلٹ کر وہی جواب آیا
حریفِ مے نہیں سمجھا تو کیوں مری جانب لہو کے گھونٹ پیے ساغرِ شراب آیا
سُنائیں کیا تمھیں نیرنگِ عشق کا قصہ تمام عمر نہ آنکھیں کھلیں نہ خواب آیا
ہٹے نہ اپنی طبیعت سے حُسن و عشق کبھی ہزار بار زمانے میں انقلاب آیا
کھٹک وہ دل میں ہے پیدا جو آج تک نہ ہوئی سمجھ رہا ہوں کہ طفلی گئی شباب آیا
اگر وہ آئیں مری قبر پر تو میں پوچھوں مجھے مٹا کے کبھی پھر بھی انقلاب آیا

کفن بچھا دیا ثاقب صنم پرستی نے
خدا کے سامنے جاتے ہوئے حجاب آیا

حضرت آشفتہ لکھنوی

مری عمرِ رواں منجدھار تک پہنچے گی مشکل سے یہ کشتی ہو کے طوفانی چلی ہے اپنے ساحل سے
بھرے آتے ہیں آنسو کیا کروں مجبور ہوں دل سے شریکِ بزم ہوں لیکن الگ بیٹھا ہوں محفل سے
زمیں مشکل سے سنبھلی آسماں سنبھلا ہے مشکل سے خداوندا یہ کس نے آہ کھینچی دُکھ بھرے دل سے
مرتب ہو رہی ہے اک نئی تاریخ دنیا کی مرے اُجڑے ہوئے گھر سے مری ویران منزل سے
ذرا سی ٹھیس اس پھوڑے میں لگ جانا قیامت ہے ہزاروں زخم اور ناسور بہ نکلے مرے دل سے
رگِ جاں اب جہاں تک ہو سکے نرمی مناسب ہے ندامت سخت جانی کی رہی جاتی ہے قاتل سے
بجھا دو شمعِ تربت کھول دو یا اپنے بالوں کو کسی کی منتظر آنکھوں میں نیند آئیگی مشکل سے
لیے جاتی ہے آہستہ مجھے رحمت طلب ہستی خدا معلوم کتنا فاصلہ باقی ہے منزل سے
ذرا تم بھی تو دیکھو شانِ آزادی اسیروں کی نکالی جا رہی ہیں ہڈیاں طوق و سلاسل سے
دلِ بیمار کی حالت پہ آتا ہے مجھے رونا سمجھتا ہوں کہ یہ بیمار اب سنبھلے گا مشکل سے

نہ پوچھو تم نہ پوچھو اُف میں دیوانہ نہ ہو جاؤں ۔۔۔ ہوا کرتی ہیں تنہائی میں کیا باتیں مرے دل سے
لسے مرنا تو تھا مرتا مگر یہ کرب سٹ جاتا ۔۔۔ تمہیں ہو وقت میں اُٹھنا نہ تھا بالیں بسمل سے
اُنھیں ہاتھوں نے خنجر جنہیں تھا اب دل سنبھالے سے ۔۔۔ نگاہ یاس میری کہہ دیا کیا تونے قاتل سے
انہیں ٹوٹی ہوئی قبروں میں ساماں قیامت ہے ۔۔۔ کبھی محشر بپا ہوگا اسی خاموش محفل سے
خداوند زمانے بھر کا جسمیں ساز و ساماں تھا ۔۔۔ دھواں تھوڑا سا وقت واپسیں نکلا ہے اُس دل سے

یہ کیسی رہگذر تھی عالم ہستی کی آشفتہ
مجھے ہاتھوں ہی ہاتھوں لے لیا منزل نے منزل سے

حضرت خلیق دہلوی

ساقی بھر جام لال شربت کے ۔۔۔ دیکھ بادل اُٹھے وہ رحمت کے
کچھ پری کے نہ حور جنت کے ۔۔۔ ہم تو عاشق ہیں آدمیت کے
زر کے طالب ہیں اور نہ صورت کے ۔۔۔ ہم ہیں بھوکے فقط محبت کے
حشر کا وعدہ کر گئے وہ تو ۔۔۔ دن گِنا کیجیے قیامت کے
ایک دو تو ہمیں دکھا دیجیے ۔۔۔ چشم بد دور اپنی صورت کے
جنکو بھولا سمجھتے تھے پہلے ۔۔۔ اتنے پر کالے ہیں وہ آفت کے
دل ناداں کے واسطے یہ بت ۔۔۔ کیا کھلونے ہیں دست قدرت کے
دو قدم چل کے دیکھ لیجیے گا ۔۔۔ ہوش اُڑ جائینگے قیامت کے
اپنی صورت پہ وہ بھی عاشق ہیں ۔۔۔ صدقے اللہ تیری قدرت کے
حضرت دل کا دم غنیمت ہے ۔۔۔ یہ بھی اچھے ہیں اپنی عادت کے
آب خنجر میں یہ مزا پایا ۔۔۔ پی لیے گھونٹ جیسے شربت کے
میرا تنہائی میں رفیق رہا ۔۔۔ ہم ہیں ممنون دردِ فرقت کے
بیکسی ہی مزار عاشق کی ۔۔۔ آنسو پونچھے گی شمع تربت کے
خانۂ دل میں آج کل اپنے ۔۔۔ دور دورے ہیں درد فرقت کے

سب ہیں خُلق خلیق سے واقف
یاد ہیں ڈھنگ اسکو ملت کے

جلد ۱ مارچ سنہ ۱۹۱۶ء نمبر [illegible]

تمدن

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی اور علمی مضامین کا

مخزن

ایڈیٹر ایم اے قادری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قادری

محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

صفحہ		صفحہ	
۴۰	پردہ اور تعلیم نسواں - ام یوسف صاحبہ	۱	[illegible] - مولانا احمد اللہ صاحب ندوی
[illegible]	[illegible]	۲	[illegible] حیات - خان بہادر [illegible]
۵۰	[illegible]	۵	[illegible] - غلام حسین صاحب [illegible]
	[illegible]	۱۰	[illegible] ضیاء الدین [illegible]
۵۶	مسلمانوں [illegible]	۱۶	[illegible] - رشید احمد صاحب [illegible]
	[illegible]	۲۰	[illegible] صاحب [illegible]
۵۹	[illegible]	۲۸	[illegible] - مولوی محبوب [illegible] صاحب [illegible]
[illegible]	[illegible]	۳۶	[illegible]
[illegible]	[illegible]	۳۷	[illegible] حسین صاحب [illegible]

[illegible] پریس لکھنؤ میں چھپا [illegible]

مقام اشاعت [illegible] لکھنؤ

قواعد

(۱) "تمدن" ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے

(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر برا اثر پڑے یا ذاتیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے ہوئے ہوں درج "تمدن" نہیں ہوتے۔

(۳) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ تک آجانے چاہئیں۔

(۴) جو مضمون کسی دوسرے سلسلے میں درج ہو چکا ہو اُسکو "تمدن" کے لیے ارسال نہ کرنا چاہیے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی نمبر نہ پہنچے تو اُسی ماہ کی ۲۰ تاریخ تک طلب کریں ورنہ پھر چار آنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا۔

(۶) ناتمام مضامین درج "تمدن" نہیں ہو سکتے۔

غور طلب چٹھی

علم مسمریزم ہم سے مفت سیکھکر دنیا میں نام پاؤ اور عقبیٰ میں سرخرو ہو کر جاؤ۔ پانی پر دم کرکے ہر ایک بیماری کا علاج یا دوا معمول کو بتلا کر گذشتہ و آئندہ زمانے کے حالات معلوم کرنا۔ دائرہ بھرنا۔ آسمانی روحوں سے بات چیت۔ گھر بیٹھے دور دراز ملکوں کی سیریں۔ بسی کرن اینی عمل تسخیر۔ ہمیشہ تندرست رہنے اور طویل العمر ہونے کا راز۔ اپنی موت کا حال چھ ماہ پہلے معلوم کرنا۔ کسی کو مسخر کرکے حاکم یا افسر کو اپنے اوپر مہربان بنانا۔ امتحان میں کامیابی حاصل کرنا۔ جادو کی انگوٹھی اور کراماتی آلہ بنانا۔ اسم اعظم۔ علم النفس وغیرہ۔ غرضیکہ یہ سب کچھ تین ماہ کے قلیل عرصہ میں چھپے ہوئے اسباق و مقناطیسی آلات کے ذریعہ سے گھر بیٹھے سکھایا جاتا ہے۔ اسباق نہایت ہی آسان ہیں۔ مبتدی کو ہر روز دس پندرہ منٹ معمولی محنت کرنا پڑتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہمارا سکھانے کا طریقہ دنیا بھر کے عاملوں سے نرالا ہے۔ ایک نہیں۔ دو نہیں سیکڑوں شاگرد کامیاب ہو چکے ہیں جنکے سرٹیفکٹ علیحدہ کتابی صورت میں [illegible]۔ علم مسمریزم اور اس سے متعلق ہنر کس شرط پر مفت سکھائے جاتے ہیں۔ یہ جاننے کے لیے [illegible] ٹکٹ کی قیمت یا [illegible] ٹکٹ بھیجدیجیے اور اپنا نام و پتہ خوشخط لکھیے۔

الراقم "سرچ معرفت" مسمریزم ہاؤس لاہور

تمدن

فن تاریخ

(۱)

تاریخ کی حقیقت

موجودہ زمانے میں فن تاریخ نے باعتبار اپنے اعلیٰ مقصد اور شاندار نتائج کے جو غیر معمولی منزلت مہذب و متمدن قوموں میں پیدا کر لی ہے اس بنا پر یہ موضوع نہایت طویل بحث کا محتاج ہے لیکن قلت وقت، کثرت مشاغل اور ہجوم افکار مجھے زیادہ شرح و بسط کا موقع نہیں دیتے اسلیے یہ مختصر مضمون اگرچہ تاریخ کی بیشمار خوبیوں اور نہایت عجیب مسائل کے ذکر کے لیے ناکافی ہوگا تاہم اسکی اہمیت و عظمت ایک حد تک معلوم ہو سکتی ہے۔

تاریخ کی حقیقت سمجھنے کے لیے پہلے ہم کو یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ عالم میں جسقدر واقعات رونما ہوتے ہیں انکی نوعیت مختلف ہوتی ہے اور زمانے کے تغیر کے ساتھ ساتھ ان

ہزاروں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ آج جو واقعہ ظاہر ہوتا ہے پانچہزار برس پیشتر دوسرے رنگ میں اسکا ظہور ہوا تھا، اس لحاظ سے انسان کے تمدّن، معاشرت، عادات اور مذہب کی مختلف قیدوں کے ساتھ اُسکے گذشتہ حالات کی تحقیق کیجائے تو چند دَور نکلینگے اور ہر دور کی خصوصیت دوسرے سے ممتاز حیثیت میں نظر آئیگی، مثلاً

انسان کا پہلا دور وہ تھا جب وہ جنگلی پھل قدرتی میوے، دریاؤں کی مچھلیاں، آبشار اور چشموں کے پانی پر گذارا کرتا وحشی جانوروں کی طرح پہاڑ کی کھوہوں میں کے غاروں میں دھوپ کی شدت، جاڑوں کی سردی، برسات کے موسلا دھار پانی سے اپنے آپ کو بچایا کرتا، دوسرا دور وہ آیا جسمیں اُس نے جانوروں کو سدھایا اور اُن سے اپنی ضرورتوں میں کام لینا سیکھا اُنکے گوشت کو اپنی غذا اور کھالوں کو اپنا لباس بنایا اور غوں غاں کے بجائے ٹوٹے پھوٹے چند الفاظ اپنے اظہار مطلب کے لیے سیکھے تیسرا دور وہ تھا جب اُس نے گلّہ بانی شروع کی، رہنے کے لیے جھونپڑے بنائے، کھانا پکانے کے لیے آگ اور نمک کو تلاش کیا۔ اناج اُگانے کے لیے زراعت شروع کی، اسکے بعد جوں جوں نسل انسانی روے زمین میں پھیلتی گئی توں توں انسانی تمدن میں نئے باب کا اضافہ ہوتا گیا، غرض یہ تمام واقعات اور حالات تاریخ کا سرمایہ ہیں اور ان ہی مختلف رنگوں سے تاریخ کی عمارت میں گلکاریاں کی جاتی ہیں اسلیے اسکی تعریف مختصر لفظوں میں اس طرح کی جا سکتی ہے کہ "تاریخ وہ علم ہے جس سے گذشتہ لوگوں کے مختلف حالات کا پتہ لگایا جاسکے۔"

تاریخ کی ابتدا

(۲)

اسمیں شک نہیں دنیا میں نسل انسانی کا وجود ہزاروں برس سے ہے مگر ابتدائی زمانہ نہایت تاریک اور دشواریوں سے مملو ہے اور اسپر تاریخی حیثیت سے کچھ بھی

روشنی نہیں ڈالی جاسکتی، اُس زمانے کے جو حالات بیان کیے جاتے ہیں اُنکی بنیاد محض ظن اور تخمین پر ہے، البتہ چند ہزار برس پیشتر کے حالات تاریخ کی روشنی میں لائے گئے ہیں انکا ماخذ زیادہ تر توریت ہے۔ بہرحال اس فن کے ماہرین نے تاریخ کو تین دور میں تقسیم کیا ہے:

(۱) قرون اولی یعنی ابتدائی چند صدیاں یہ دور سنہ ۳۰۰۰ قبل مسیح سے شروع ہوکر سنہ ۵۰۰ء میں ختم ہو جاتا ہے۔

(۲) قرون وُسطی، درمیانی چند صدیاں یہ دور سنہ ۵۰۰ء سے سنہ ۱۵۰۰ء کے قریب قریب آخر تک شمار کیا جاتا ہے۔

(۳) قرون اخیرہ، اس دور کی ابتدا سنہ ۱۵۰۰ء کے اختتام سے کچھ ہی پیشتر ہو جاتی ہے۔

اب ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ تاریخ کی ابتدا کب اور کیونکر ہوئی اور کس قوم نے تاریخ کو مدون کیا لیکن ناظرین کو یہ سنکر نہایت تعجب ہوگا کہ مصری، یونانی، کلدانی، رومانی وغیرہ باوجودیکہ نہایت پرعظمت وجبروت قومیں گذری ہیں اور انھوں نے عقلی علوم وفنون میں ایک حد تک خاصی ترقی حاصل کی تھی اس بنا پر قدرتاً یہ خیال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ انکی کوشش اور علمی شغف کے سبب فن تاریخ بھی محروم نہوگا لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس نایاب گوہر سے بالکل تہیدست تھیں صرف یونانیوں کی بابت اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اس قوم میں کچھ کچھ تاریخ کا رواج تھا، ہومر یونان کا نہایت فصیح اور مشہور شاعر گذرا ہے اسنے چند واقعات اپنے اشعار میں قلمبند کیے ہیں اسلیے بعضوں کی رائے ہے کہ تاریخ کی بنیاد اسی کے ہاتھ سے پڑی ہے اسکے بعد سنہ ۴۵۰ قبل مسیح میں ہیرودوٹس ایک نامی شخص گذرا اس نے بہت سے تاریخی واقعات جمع کیے اور تاریخ کی ایک کتاب لکھی جسکا ترجمہ مختلف زبانوں میں اب ہوگیا ہے، اس بیان سے معلوم ہوسکتا ہے کہ تاریخ کی ابتدا

یونانیوں کے زمانے میں ہوئی، مگر کوئی مستقل حیثیت اسکی قائم نہیں ہوئی تھی جب اسلام کا قدم دنیا میں آیا اس نے جس طرح اور دیگر علوم و فنون کا نہایت گرمجوشی سے خیر مقدم ادا کیا تاریخ بھی اس عزت سے محروم نہیں رہی اور اسی زمانے میں اسکی تدوین مکمل ہوئی اور اس نے مستقل حیثیت قائم کرلی۔

(۳)

تاریخی واقعات کے ذرائع

تاریخی واقعات جن جن چیزوں سے معلوم کیے جاسکتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) عینی مشاہدہ اسکا یہ مطلب ہے کہ مورخ انھیں باتوں کو قلمبند کرے جنکو اسنے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اگرچہ یہ قسم بہ نسبت تمام دوسری قسموں کے زیادہ موجب یقین ہے مگر اسمیں بھی یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ مورخ نے نتائج کے استنباط کرنے میں غلطیاں کی ہیں اور اصل واقع کی تہ تک نہیں پہنچ سکا ہے۔

(۲) سماعی روایات، اس سے یہ غرض ہے کہ مورخ خود واقع میں موجود نہ تھا بلکہ دوسروں سے زبانی روایتیں سُنکر واقعات جمع کردیے ہیں۔

(۳) قصائد اور عام اشعار، تاریخی سرمایہ بہم پہنچانے میں اشعار بہت بڑا ذریعہ بنے ہیں جس زمانے کے اشعار ہوں اس زمانے کے لوگوں کا عام مذاق طبیعت کا رجحان، خیالات اور جذبات کا پورا پورا پتہ ان سے لگایا جاسکتا ہے۔

(۴) دفاتر سلطانی، یعنی ملکی کاغذات جن سے یہ تحقیق ہوسکتی ہے کہ اس زمانے میں سلطنت کے احکام کس قسم کے تھے رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے کیا کیا وسائل عمل میں لائے گئے بادشاہ اور حکام وقت کے استبداد اور عدل گستری کا حصہ اسمیں کسقدر شامل تھا۔

(۵) سکے، منار، عمارتیں اور دیگر آثار قدیمہ، ان چیزوں سے تاریخی پر از اسرار معلومات

حاصل کرنے میں بہت زیادہ مدد ملی ہے قدیم مناروں اور عمارتوں نے گذشتہ قوموں کی معاشرت، ذہنی قوت اور کارناموں کے معلوم کرنے کے لیے رہبر طریق کا کام دیا ہے، کیونکہ ایک مکان جو انجینیری کے اصول کے مطابق تعمیر کیا گیا ہو اور ایک وہ جو بالکل سادہ اور بغیر انجینیری کے اصول کے بنایا گیا ہو ان دونوں مکانوں میں علمی حیثیت سے جو فرق ہوگا وہی فرق انکے تعمیر کرنے والوں میں صاف نظر آئے گا۔"

(باقی آیندہ)

الحمد اللہ

اک اور کرم بانیِ بیداد کیے جا
ٹھوکر سے مری قبر کو برباد کیے جا

سنتا ہوں کہ امید پہ قائم ہے زمانہ
صیاد معین مری میعاد کیے جا

رکنے کے نہیں فصل بہاری میں جو وحشی
تدبیر جو ہو تجھ سے وہ حداد کیے جا

ہمت کا تقاضا ہے کہ اُف منہ سے نہ نکلے
اور درد یہ کہتا ہے کہ فریاد کیے جا

وہ نقش نہیں مٹ کے جو ابھرے ہیں کبھی پھر
تو گوشہ نشین ناحق کی یہ بہزاد کیے جا

پہچان لے پابندِ قفس ذوقِ طبیعت
صیاد کا دل بہلے گا فریاد کیے جا

الفت کی یہ ہے شان کہ دل اور جگر کو
قربانِ نگاہِ ستم ایجاد کیے جا

دم گھٹ گیا للہ قفس رکھدے چمن میں
اتنی سی تو خاطر مری صیاد کیے جا

ہر روز نیا رنگ وفا دیکھنا میرا
ہر روز نئے تو ستم ایجاد کیے جا

مانا کہ اثر دل پہ کسی کے نہیں ہوتا
فریاد مگر اے دلِ ناشاد کیے جا

معلوم ہے جو کچھ مری قسمت میں لکھا ہے
صیاد مگر تو مجھے آزاد کیے جا

دکھلا دے نیا رنگ وفا اے دلِ غمگیں
وہ بھولتے جائیں تجھے تو یاد کیے جا

واللہ المناک ہے کس درجہ یہ منظر
میں چپ رہوں اے چرخ تو بیداد کیے جا

مل جائیں گے یہ سب بھی تصدق میں اسی کے
اے صدر خدا ہی کو تو بس یاد کیے جا

صدر الاسلام صدر

شخصی اور قومی حسیات

جس حالت اور جس کیفیت کا نام ہم زندگی رکھتے ہیں وہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ چند حسیات کا ایک محسوسہ اور معمولہ مجموعہ ہے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص زندہ ہے یا اُسکی بھی کوئی ہستی ہے تو اُس کی دلیل یہی ہوتی ہے کہ وہ حسیات رکھتا اور اُن سے اپنے رنگ میں کام لیتا ہے جب انسان مرجاتا ہے تو اُسکی تمام حسیات جو اس جسم یا اس حالت کے تابع یا متعلق ہیں مرجاتی ہیں نہ ناطقہ رہتا ہے نہ لمس اور نہ بصارت اور نہ سماعت وہی انسان جو ابھی ابھی بولتا چالتا اور تمام حسیات کا مالک تھا ایک دم کے نکلنے سے بالکل ایک تختہ یا مٹی بن جاتا ہے اگرچہ یہ سلسلہ حسیات برسوں تک محسوس اور معمول رہتا ہے لیکن ایک دم کے نہ آنے سے اُسکا نشان بھی نہیں ملتا۔

حسیات اور کیفیات حسیات شروع ہی سے انسان کے حصہ میں آجاتی ہیں اگرچہ ہے قدر مراتب اُنکی حالت اور کیفیت ہمیشہ جداگانہ ہوتی ہے لیکن یہ مواد ہر ایک انسانی ہستی کو حاصل ہوتا ہے کوئی جزو یا کوئی ذات اس سے خالی نہیں ہوتی ایک بچے سے لے کر ایک بڈھے تک میں یہ کیفیت پائی جاتی ہے جس طرح ایک بچہ رفتہ رفتہ ترقی پذیر ہو کر نشو و نما پاتا ہے اسی طرح یہ حسیات اور کیفیات حسیات بھی نشو و نما پاتی رہتی ہیں جسم کی بالیدگی موجب ہوتی ہے۔ بالیدگی قوتوں اور حسیات کی عقل و فراست بھی ایک وجدانی اور ذہنی حس ہی ہے اسکی بالیدگی بھی رفتہ رفتہ ہی ہوتی ہے دیکھو ایک بچہ کی عقل و فراست وہ کیفیت نہیں رکھتی جو بعد میں نصیب ہوتی ہے۔

اگرچہ تجربہ۔ مشق۔ مشاہدات اور اجتہادات بعد میں عقل و فراست کی پختگی کا باعث ہوتے ہیں لیکن عقل و فراست بھی رفتہ رفتہ ہی مترقی ہوتی ہے ایک تجربہ کار جس خوبی سے رائے لگاتا اور اجتہاد کرسکتا ہے ایک بچہ ویسا نہیں کرسکتا اسکی نسبت ہر پھر کر یہی کہا جاتا ہے۔

گاہ باشد کہ کودک ناداں

باوجود حسیات کی موجودگی کے بھی اُسے پوری عقل و فراست رکھنے والا نہیں کہا جائے گا اگرچہ ہر فرد شخصیت کی حسیات جداگانہ اور منفرد ہوتی ہیں لیکن اُن سب افرادی حسیات میں ایک نسبت مشترکہ بھی ہوتی ہے خواہ نوعیت کے اعتبار سے اور خواہ فعلی اور انفعالی اعتبار سے بصارت اور سماعت کا گو مختلف افراد میں وزن اور رنگ جداگانہ ہوگا لیکن من جہت بصارت اور سماعت اُن میں ایک نسبت بھی ہوگی اور وہی غرض مشترکہ سے تعبیر پاتی ہے جبکہ ان حسیات کا نام ہی زندگی یا زندگانی ہے تو دوسرے الفاظ میں یہ کہا جائے گا کہ ان حسیات اور کیفیات حسیات کی بدولت ہی ہمیں دولت حیات حاصل ہوتی ہے۔ ایک فردی یا ایک شخصی زندگی جو کچھ اپنے اندر حسیات رکھتی ہے وہی اُسکی زندگانی کا سرمایہ ہے حسیات کی تعبیر دو طور پر کیجا سکتی ہے

(الف) منفردانہ رنگ میں۔

(ب) اجتماعی رنگ میں۔

ایک فرد یا ایک شخصیت میں جسقدر حسیات پائی جاتی ہیں اُن کے تصرفات اور عملیات کا علم اور ادراک کبھی منفردانہ محسوس ہوتا ہے اور کبھی مجموعی صورت میں یہ حسیات گویا بجائے خود ایک ایک ہستی اور ایک ایک قوت ہیں جب کبھی اُنکا ادراک اجتماعی رنگ میں ہوتا ہے تو اُس وقت یہ سمجھا جاتا ہے کہ۔

دراصل ایک ہی قوت اور ایک ہی جذبہ کام کر رہا ہے کام کرتے کرتے یا کام لیتے لیتے انسان یہ سوچنے لگتا ہے کہ اسمیں دراصل ایک ہی طاقت کام کر رہی ہے جب کبھی کسی شخص یا کسی فرد کی حس زائل ہو جاتی ہے تو اُس حالت میں یہ کہا جاتا ہے کہ

(اُس کی یا میری حس زائل ہو گئی ہے)

احساسی قوتوں کے کم زور پڑ جانے سے انسان کی زندگی ایک دھندے یا ایک وبال میں پڑ جاتی ہے گو ایسا انسان بظاہر چلتا پھرتا ہے لیکن دراصل عملی رنگ میں اُسکی زندگی ہو چکی ہوتی ہے بعض لوگوں کے خیال میں زندگی صرف خورد و نوش چلنے پھرنے اور بات چیت کرنے ہی کا کام ہے یہ ایک غلطی ہے یہ تو زندگی کے عوارض ہیں۔ زندگی سے مراد دراصل ایک عملی حالت یا عملی کیفیت ہے جو اُسکے کاموں اور حسیات سے ظاہر اور منکشف ہوتی ہے۔ ایک پُرانا شعر کسی کا ہے۔

زندگی زندہ دلی کا ہے نام
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

زندہ دلی سے مراد ہنسی مخول مذاق اور مسخرا پن ہی نہیں بلکہ مراد عملیات کی کیفیات بھی ہیں زندہ دل بھی وہی رہ سکتا ہے جو عملی رنگ میں زندگی رکھتا ہو جو شخص کوئی زندگی ہی نہیں رکھتا وہ زندہ دل کس طرح ہو سکتا ہے افرادی یا شخصی حسیات سے قومی حسیات کی داغ بیل پڑتی ہے۔ قوم کیا ہے وہ مجموعہ کثیر افراد یا کثیر شخصی زندگیوں کا جو منفردانہ رنگ میں پایا جاتا ہے اور جو خود کو ایک ہی سلسلہ یا ایک ہی مرکز سے منسوب کرتا ہے یہ سلسلہ یا یہ مرکز بھی افراد منتشرہ ہی کی جدوجہد کا حصہ ہوتا ہے جب رفتہ رفتہ چند افراد ایک مرکز مجوزہ پہ ثابت قدم ہو جاتے ہیں تو اُسکا نام کبھی ایک فرقہ اور کبھی ایک قوم

پڑ جاتا ہے باوجودیکہ دوسری اقوام کے افراد منتشرہ کی اغراض اور حسیات بھی اُن افراد سے کچھ نہ کچھ نسبت رکھتی ہیں اور اُن میں بھی اُنکا عکس ایک حد تک پایا جاتا ہے

قوموں کی حدبندی کس طرح ہوتی ہے اسکی مختلف صورتیں ہیں۔

(الف) نسلی حدبندی۔

(ب) ملکی حدبندی۔

(ج) مذہبی حدبندی۔

تین صورتیں ہیں جن پر عموماً قوموں کی حدبندی کا بہت کچھ مدار ہے بعض قومیں صرف امتیاز نسلی کی وجہ سے ایک قوم کہلاتی ہیں۔ بعض قوموں کی حدبندی ملکی اغراض اور ملکی رشتوں کے تابع ہوتی ہے بعض کی حدبندی مذاہب کی بدولت ہے میرا اس حدبندی سے منشا اندرونی شاخوں کا نہیں ہے بلکہ ایک مجموعی حصۂ قوم کا۔ مذہبی حدبندی کا اثر عموماً دوسری دو صورتوں پر بھی حاوی ہوتا ہے لیکن بعض اقوام میں اسکا اثر صرف نہیں ہوتا ہے۔

ہندو قوم کی حدبندی اندرونی امتیازات کی وجہ سے بہت ہی پریشان کی جا سکتی ہے برہمن کی تقسیم نے اس اندرونی تفریق کو ایک بڑے اسکیل پر قائم کر رکھا ہے اور اُسمیں ابتک کسی فرق آنے کی امید نہیں ہے گو کہ شروع شروع میں اسکی بنیاد ایک تمدنی فلسفہ پر بہت سی ضروریات کے ماتحت رکھی گئی تھی۔

ان چار برنوں کے چلانے کا ذریعہ اسوقت صرف ایک ہندو دھرم اور ملک ہندوستان ہی ہے ان مرکزوں یا ان نقاط پر آکر ہندو قوم کو ایک قوم کہا جاتا ہے گویا ہندو قوم اندرونی تفرقات کو قائم رکھکر مذہب اور ملک کی اغراض سے

تابع ہوکر ایک قوم بنتی ہے۔

چینی اور جاپانی قومیں ملکی اور مذہبی نقطۂ خیال سے ایک قوم کہلاتی ہیں چینی ہمیشہ چینی کہلانے کو ترجیح دیتا ہے اور جاپانی جاپانی کہلانے کو لیکن ان ملکوں کے اندر جو افراد دوسرے مذاہب کے مثلاً مسلمان اور عیسائی رہتے ہیں وہ اگر ایک طرف خود کو چینی اور جاپانی کہتے ہیں تو دوسری مذہبی تفریق کی وجہ سے خود کو مسلمان اور عیسائی کہیں گے۔ زردشتی افراد قوم بھی مذہبی اور ملکی نقطۂ خیال سے ایک قوم ہیں۔ عیسائی اقوام کی بڑی بھاری تفریق نسلی اور ملکی اغراض اور شرائط کے تابع ہے اگرچہ انکا مذہب عموماً ایک ہے لیکن ایک انگلستانی کبھی فرانسیسی اور ایک فرانسیسی انگلستانی اور ایک جرمن انگلستانی اور انگلستانی جرمن کہلانا پسند نہیں کرے گا یہ تفریق اور یہ امتیاز یہانتک وسعت پذیر ہے کہ ان مختلف ممالک اور نسلوں کی رسوم میں بھی ایک بڑی حدتک فرق پایا جاتا ہے گو ان میں کرسچین مذہب ہی ایک حد مشترک ہے لیکن جب نسلی اور ملکی بحث بیچ میں آپڑتی ہے تو پھر رشتۂ مذہب کی طاقت ایک بڑی حدتک گھٹ جاتی ہے ایک یونانی ایک سروین کے ساتھ گو اپنا مذہبی رشتہ رکھتا ہے لیکن جب یونانی اور سروین نسلوں کی بحث چھڑ جاتی ہے تو مذہبی اثر بہت کمزور پڑ جاتا ہے یورپ میں مختلف گروہوں اور مختلف اقوام پر مذہب نے ایسا اثر نہیں کیا جو دیگر سب رشتوں سے مضبوط خیال کیا جائے۔

یونانی ایک یونانی ہے اور سروین ایک سروین ہے تاوقتیکہ مسیح علیہ السلام کے نام کی تقدیس نہیں ہوتی۔ بعض دفعہ یہ مذہبی رشتہ بھی بہت کچھ ڈھیلا پڑ جاتا ہے کیونکہ مذہب کی اندرونی تفریقات کی وجہ سے بعض واقعات پیدا ہوکر گڑبڑ ڈالدیتے ہیں مسلمانوں کی بابت یہ بحث اور بھی پیچیدہ ہو جاتی ہے لیکن نتیجہ خیز ضرور

چاہیے۔

میں بالفعل چند منٹوں کے واسطے مسلمانوں کو ایک قوم سے تعبیر کروں گا اس قوم کی حقیقت اور کیفیت یہ ہے کہ اس میں نہ مختلف اقوام ہی کے بلکہ مختلف ممالک اور مختلف نسلوں اور مختلف ذریات کے افراد بھی ایک کثیر تعداد میں شامل ہیں صرف مختلف ممالک اور مختلف قوموں اور مختلف نسلوں ہی کے بلکہ مختلف مذاہب کے افراد سے بھی یہ قوم ترکیب یافتہ ہے مسلمانوں میں بھی اندرونی قومی فرقہ بندیاں ہیں جنہیں دوسرے الفاظ میں مختلف گروہوں سے تعبیر کرنا زیادہ تر موزوں ہوگا لیکن باوجود اس پریشان رشتہ بندیوں کے بھی مذہب مسلمانوں پر زیادہ غالب ہے اسلام نے تمام قومی درجہ بندیاں توڑ دی ہیں گو اس وقت تک کچھ درجہ بندیاں پائی جاتی ہیں مگر درحقیقت انکا خاتمہ ہوچکا ہے۔ جب ایک انگریز اور ایک یونانی و فرنچ سے سوال کیا جائے کہ تم کون ہو تو اس کا پہلا جواب یہ ہوگا کہ

میں انگلش ہوں۔ فرنچ ہوں۔ یونانی ہوں۔

اگر کسی ہندو سے سوال کیا جائے کہ تم کون ہو تو گو وہ خود کو کھتری برہمن جتلا کر ہندو ہی کہے گا مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ اسکا جواب مبہم اور کسی قدر دور ہوگا کیونکہ دراصل ہندو کسی مذہب کا نام نہیں ہوسکتا بلکہ ہندو کا زیادہ تر قریبی اطلاق ملک ہند سے ہونا موزوں ہے۔ ایک دوسرا لفظ آریہ بھی ہے اسکا اطلاق بھی کچھ بہت صاف نہیں ہے میری رائے میں اس سے ثابت یا ظاہر ہے کہ اس پرانی اور نامور قوم میں ملکی خصوصیت مذہبی خصوصیت پر غالب ہے اور اس کے بعد نسلی خصوصیت کا زور ہے۔

ایک مسلمان سے جب پوچھا جاتا ہے کہ تم کون ہو تو سب سے اول اسکا یہ جواب ہوگا کہ میں مسلمان ہوں'

اس جواب سے ثابت ہے کہ مذہب اسلام رفتہ رفتہ قوم یا قومیت کے رنگ میں بھی رنگا گیا ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ دائرۂ اسلام میں آکر کوئی قوم یا قومیت گزشتہ باقی نہیں رہتی ایک نئی قوم مسلمان کے نام سے مل جاتی ہے اب دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہیے کہ۔

مسلمان ایک مذہب بھی ہے اور ایک قوم بھی۔ مذہبیت اس قومیت سے وہی نسبت رکھتی ہے جو خود اسلام کو اپنے آپ سے ہے ہمیشہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں تو اسکا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ تمام نسلیں اور قومیں اختیار اسلام سے اپنی قومیت چھوڑ کر ایک ہی مرکز اسلام پر آچکی ہیں اس شان اور اس رنگ میں کوئی دوسرا مذہب قومیت اور اقوام نسلوں اور ذریات نسلوں پر غالب نہیں ہوا اس رشتہ کو مد نظر رکھ کر یہ کہا گیا ہے

کل مؤمن اخوۃ

اخوت کا درجہ قوم اور قومیت سے بھی بڑھکر ہے گویا مسلمان باوجود مختلف ذریتوں اور نسل ہونے کے ایک اس قوم میں جو آپس میں بھائی بھائی ہیں شامل ہوجاتا ہے اس سلسلے سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ ہر ایک قوم کی اجتماعی حسیات کا رجحان زیادہ تر کس طرف ہو سکتا ہے مختصراً یہ کہ جو قومیں زیادہ تر نسلوں ذریات اور اقوام اور ممالک سے وابستگی رکھتی ہیں انکا رجحان اور جذب حسیات کچھ اور رنگ رکھے گا اور جس گروہ کی قوتیں زیادہ تر مذہب سے مربوط ہیں انکی حسیات کا جذبہ مذہبی رنگ میں ہونا چاہیے خواہ کوئی سا رنگ ہو ان حسیات کو قومی حسیات کے نام سے تعبیر کرنا زیادہ تر مناسب ہوگا۔ اگر ایک شخصیت کی حسیات شخصی رنگ میں ایک ہی فرد کہی جا سکتی ہیں تو مذہبی حسیات بھی باعتبار ایک قوم ہونے کے ایک ہی اجتماعی

(بقیہ سیٹ)

ہم مانتے ہیں کہ حسیات شخصی ہوں یا قومی مر بھی جاتی ہیں جس طرح ایک شخصیت حیات کے مرنے کی صورت میں ایک بوسیدہ ہستی ہے اسی طرح ایک قوم بھی اس حالت میں ایک مردہ قوم ہے۔

اغراض مشترکہ کی بابت ایک ہی دفعہ ساری قوم یا سارے افراد قوم کے دل و دماغ میں خیالات کا تموج ہونا اور ان پر ثابت قدم رہنا افراد اور شخصیتوں کا یہ فرض ہے کہ وہ افرادی اور شخصی حسیات کا رشتۂ قوم سے منسلک اور منضبط کریں اور قوم کا یہ فرض ہے کہ وہ افراد اور شخصیات کے حسیات کو اجتماعی رنگ میں قبول کرے اور اُسے عملی پہلو سے قائم بھی رکھے یہی دو طریقے ہیں جن سے دونوں قسم کی حسیات کا قائم رہنا مقصود ہے جن اقوام کی حسیات کمزور ہو جاتی ہیں وہ سب سے پہلے اس کو جہ سے ناواقف ہوتی ہیں کہ۔

اُن کی اغراض مشترکہ کیا ہیں۔

اور اُن کا تحفظ کن وسائل کے تابع ہے۔

جب تک یہ ادراک نہو تب تک کوئی قوم اپنے حسیات سے مستفیض نہیں ہو سکتی۔ شخصی اغراض مجتمع ہو کر یا سمٹ سمٹ کر قومی اغراض اختیار کرتی ہیں یا قومی اغراض کے قالب میں آتی ہیں اگر کسی قوم کی اقتصادی حالت کمزور ہو چکی ہے تو صرف افراد کا ہی یہ فرض نہیں کہ اُس گئی گذری شان کے واپس لانے میں ہمت دکھلائے بلکہ خود قوم کا بھی یہ فرض اولیں ہے کہ قومی رنگ میں اُس کمی کے پورا کرنے میں زور لگائے جبتک قوم کا قومی رنگ میں یہ نصب العین نہو تب تک کامیابی مشکل ہے۔

ہمارا فرض اولیں ہے کہ ہماری شخصیتیں بھی اُس بڑی شان سے ثابت اور قائم رہیں جو شان اُنکے لیے موزوں ہے کیونکہ افراد کی مساعی ہی قومی مساعی کی

جز و اعظم ہیں جب شخصیتوں کی تحقیر کی جاتی ہے اور اُن کا کوئی احترام باقی نہیں رہتا تو قومی حسیات بھی قائم نہیں رہ سکتیں۔

ہمیشہ جزو سے کُل کی بنیاد پڑتی ہے ایک جسم ذرات کا مجموعہ ہوتا ہے لیکن ذرہ جسم کا مجموعہ نہیں کہا جاسکتا ذرات سے اجسام مرکب ہیں نہ کہ اجسام سے ذرات شروع ہمیشہ معمولی حالات سے ہوتا ہے اور خاتمہ ابتدائی وسطی اور انتہائی ارکان رکھتا ہے ایک مدرسہ میں جزیات کی تعلیم دیجاتی ہے لیکن کسی وقت اُن سب جزیات کی تعلیم وادراک قومی یا اجتماعی رنگ میں ایک خاص شکل اور اثر اختیار کرتا ہے۔ شخصی اور قومی عملیات میں ہمیشہ فرق ہوتا ہے گو کہ قومی عمل میں بھی افرادی عناصر ہی غالب ہوتے ہیں لیکن اسکا نام ہمیشہ قومی عمل کے نام ہی سے تعبیر پاتا ہے۔

ہماری شخصی اور قومی حسیات کی ایک منڈی ہے اور ہمارے دوگونہ عملیات اور اجتہادات ایک اشیا بلیغ۔ اور اکی عمل جو شخصیتوں کی بنیاد اور اقوام کی رشتہ بندیوں کے نام سے موسوم ہو سکتا ہے جو قومیں اور جو افراد قوم ان دونوں قسم کی حسیات سے عملی رنگ میں واقف ہیں اور اُنکی قدر و قیمت کا انھیں علم ہے وہ اسپر بہت کچھ کہہ سکتے ہیں اور اُنکے فعلی اور انفعالی اعمال اور حرکات اُن پر روشنی ڈال سکتے ہیں جو افراد قوم اور جو قومیں اس راہ سے ناواقف ہیں وہ نہ صرف اپنی حسیات ہی کا خاتمہ کرچکی ہیں بلکہ اُن کی ضروریات سے بھی اسقدر دور جا پڑی ہیں کہ اُن کے واسطے یہ ذکر ایک غیر مفید ذکر اور یہ خواب ایک بے تعبیر خواب ہے وہ باوجود اسکے خود میں ایک فرضی حس باقی ہیں اور اس فرضی حس سے زیادہ اُن کے نزدیک اور کوئی حس ہو ہی نہیں سکتی گویا ایک بے حس عضو کو ایک حس دار عضو کہا جاتا ہے اور اُسی پر سب کا مونکا خاتمہ کردیا گیا اور یہ ایک باطل پرستی ہے۔ فتدبر۔

سلطان احمد

نظارۂ خرابات

جلوہ فلک پہ شامِ غریباں کا جب ہوا خورشید آرمیدۂ دامانِ شب ہوا
شمعِ حریمِ غم دل ایذا طلب ہوا افزوں مریضِ ہجر کو رنج و تعب ہوا
موسیٰ کی طرح طالبِ دیدارِ یار ہے
اپنے سے بے خبر ہے مگر ہوشیار ہے

ہے آتشِ فراق ستمگر لگی ہوی سینے سے ہے امانتِ دلبر لگی ہوی
ضبطِ فغاں سے مُہر ہے لب پر لگی ہوی ہے چشمِ انتظار سوے در لگی ہوی
سب فرشِ خار بسترِ کمخواب ہو گئے
انجم نثارِ دیدۂ کمخواب ہو گئے

اس بیکسی میں کوئی نہیں ہے پیامبر لیلےٰ کو مرگِ قیس کی پہنچائے جو خبر
بلقیس کا ہو در پہ گدا کے کہاں گذر ہاں مور کو خدا کہیں بخشے جمالِ وزر
پروا نہ تا بہ قصرِ سلیماں ہوا ابھی
مشکل جو آبنی ہے وہ آساں ہوا ابھی

بیمار اور کو شبِ تار الحذر یہ مشتِ استخواں یہ گرانبار الحذر
پائے وہ دل زمانے سے آزار الحذر جو ہے ازل سے تیرا پرستار الحذر
دنیا سے کچھ غرض ہے نہ زر چاہیے مجھے
بس تیری کارساز نظر چاہیے مجھے

بیتاب مجھ سا بلبلِ شوریدہ سر کہاں گُل آشنائے داغِ دلِ نوحہ گر کہاں

پروانہ محرم تفِ محشر اثر کہاں		اک شمع ساری رات جلے پھر جگر کہاں
سوزِ فراق و حسرت نظارہ اور ہے
پارہ کچھ اور ہے دلِ صد پارہ اور ہے
رونق نگار خانۂ افلاک پر نہیں		تسکین بخش روح جمال قمر نہیں
اُجڑے ہوئے چمن میں صبا کا گذر نہیں		شاید یہ رات وہ ہے کہ جسکی سحر نہیں
کب سے ترس رہا ہوں میں آرام کے لیے
سینے میں دل طپاں ہے دل آرام کے لیے
دکھلائے لاکھ چرخ اگر سحر سامری		اور مشتری ہو جلوہ نما صورت پری
دیرہ کرے یہ نغمۂ داؤد بہری		آتا نہیں کسی کو بھی اندازِ دلبری
نیرنگ عالم اور ہمیں دھیان اور ہے
مسکن ہے جس کا دل وہ سلیمان اور ہے
معلوم ہے بساط تری آسماں ہمیں		مہرے بدل بدل کے ندے بازیاں ہمیں
اُفتادے ہوں پست یہ طاقت کہاں ہمیں		عنقا سے بھی مذاق ہے بلند آشیاں ہمیں
رفعت کبھی کسی کی گوارا یہاں نہیں
جس سرزمیں کے ہم ہیں وہاں آسماں نہیں
بے خانماں ہیں سوختہ ساماں تو کیا ہوا		شیرازۂ چمن ہے پریشاں تو کیا ہوا
زیبِ قفس ہے مرغ خوش الحاں تو کیا ہوا		ذوقِ نظر ہے خار بداماں تو کیا ہوا
ابر کرم سے دن جو پھریں خاکسار کے
پھر آئیں گے خزاں میں وہی دن بہار کے

(باقی آئندہ)

آغا غلام حسین ارشد

صغرسنی کی شادی

جہانتک ہندوستان کا تعلق ہے، صغرسنی کی شادی کسی خاص فرقے یا قوم تک محدود نہیں پائی جاتی۔ اسمیں کچھ شبہ نہیں کہ ہندو قوم اس میں زیادہ لتھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور مسلمان کم، مگر ایسی برائی جو کئی قوموں میں مشترک ہو اسکا خطرہ زیادہ ہے بہ نسبت اس برائی کے جسکی جوابدہ فقط ایک کمیونٹی ہے۔ باوجود اس امر کے کہ مصلحان قوم و ملک اس مسئلہ پر روشنی ڈال کر ایک حد تک عوام کی آنکھیں کھول چکے ہیں، تاہم پھر بھی یہ برائی بکثرت ہندوستانیوں میں موجود ہے اور اسوقت تک کبھی نیست نابود نہو گی جب تک ہندوستانی فلاسفر اپنے ملکی رواج کا جس نے بدقسمتی سے مذہبی صورت اختیار کر لی ہے سختی کے ساتھ مقابلہ نہ کرینگے اور سن بلوغت کے بعد اپنے بچوں کی شادی کرکے ملک میں شاندار مثالیں نہ پیدا کریں گے۔

صغرسنی کی شادی کے مسئلہ سے مجھے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے۔ اس رسم کے مخالفین کی رائیں بھی مجھے معلوم ہیں اور ایسے لوگوں کے خیالات سننے کا بھی موقع ملا ہے جو اس قبیح رسم کے ابتک موافق ہیں۔ ایسی حالت میں میں اس قابل ہوں کہ موافق مخالف دونوں پہلو ناظرین کو دکھاؤں اور بتاؤں کہ ہمارے ملک کی بھلائی کس میں مضمر ہے۔ ملک کی بھلائی خود ہمارے ہاتھوں میں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب تک صغرسنی کی شادی کا رواج ہمارے ملک میں موجود ہے اس وقت تک ہم ہندوستان کو اس شاندار حالت پر نہیں دیکھ سکتے جسے ہم نے اپنا آئیڈیل اور مطمح نظر بنا رکھا ہے۔

صغرسنی کے موافقین کہتے ہیں کہ یہ مفید چیز ہے اس لیے کہ

"(۱) میاں بیوی میں عمر بھر محبت رہتی ہے" اور

(۲) لڑکا عیوب سے بچا رہتا ہے۔

اسمیں کچھ شبہ نہیں کہ جس محبت کا بیج بچپن میں بو دیا جاتا ہے وہ عمر بھر رہتی ہے لیکن ہمیں اب یہ دیکھنا ہے کہ ملک کے موجودہ رسم و رواج کے مطابق کہاں تک باہمی میل جول کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اس بارے میں ہمارا تجربہ یہ ہے کہ دونوں کو ارتباط کرنے کے موقع نہیں ملتے اور اس لیے وہ مطلب فوت ہو جاتا ہے جس غرض سے کہ بچپن میں شادی کی گئی ہے۔

دوسری وجہ کے متعلق مجھے یہ کہنا ہے کہ عام طور پر نکاح ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد باقاعدہ شادی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ پنجاب میں اس رسم کا نام مکلاوہ ہے اور بعض اوقات نکاح اور مکلاوہ کے درمیان کئی سال کی مدت حائل ہو جاتی ہے اور اس عرصہ میں بیرونی خراب اثرات سے متاثر ہونے کے لیے لڑکے کو کافی موقع و فرصت مل سکتی ہے۔ اس عرصہ میں اگر وہ خراب ہونا چاہے تو ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ صغر سنی کی شادی لڑکے کو خراب صحبت سے بچانے میں مدد دیتی ہے کس قدر بے معنی ہے؟

ان دلائل سے قطع نظر ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ شادی کا مقصد کیا ہے اور یہ کہ آیا صغر سنی کی شادی اس مقصد کو پورا کر سکتی ہے یا نہیں؟

قدرت پر جب ہم غور کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر چیز میں نر اور مادہ پیدا کیا ہے۔ جانداروں کے علاوہ یہ تذکیر و تانیث درختوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اگرچہ درختوں کے نر مادہ ہونے کی بحث چھیڑنے کا یہ وقت نہیں مگر اتنا جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بعض درخت نر مادہ دونوں جزو اپنے میں رکھتے ہیں اور بعض میں صرف نر کا جزو ہوتا ہے اور باقیوں میں مادہ کا۔ خاص وقت پر ان کا بیج مختلف قدرتی طریقوں سے ملتا ہے اور اسطرح سے ایک درخت دوسرے پودے کی زندگی پیدا کرنے کا

باعث ہوتا ہے۔ اور درختوں کی نسل کا سلسلہ برقرار رہتا ہے۔ مگر اس سلسلہ پیدائش کی بابت یہ بات خاص طور پر ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ یہ سب کچھ وقت پر واقع ہوتا ہے اور وقت سے پیشتر کبھی نہیں ہوتا۔ درختوں کے علاوہ حیوانوں میں ہم یہ بات نمایاں طور پر دیکھتے ہیں کہ وہ سن بلوغت کے پہنچ جانے کے بعد ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں اور اس طرح سے سلسلۂ توالد و تناسل کو برقرار رکھتے ہیں۔ اس بارے میں انسان دیگر حیوانوں سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ توالد و تناسل کا فرض جو شادی کا مقصد ہے، ایسی عمر میں ادا کرے جبکہ قوی بالطبع اسکے ادا کرنے سے نہ تھک جائیں۔ یہ عمر سن بلوغت کے بعد کی عمر ہے۔ انسان کے لیے دیگر جانداروں کی مثال باعث عبرت ہے۔ مرد اور عورت کا ایسے وقت میں ایک دوسرے کے ساتھ بود و باش اختیار کرنا جبکہ قوی پورے نشو و نما یافتہ نہوں، نظام اعصاب کی تباہی کا باعث ہوگا۔ خدا تعالے کا انسان کو یہ قوت عطا کرنا کہ وہ خاص عمر کو پہنچ کر اپنی نسل خود بڑھا سکے، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خود چاہتا ہے کہ شادی کا مقصد باحسن وجوہ ادا ہو اور وہ اچھی طرح سن بلوغت کے بعد ہی ادا ہو سکتا ہے۔ صغرسنی کی شادی سے بعض اوقات توالد و تناسل کا مقصد تو ادا ہو جاتا ہے مگر خوش اسلوبی سے نہیں۔ قدرت اس ذمہ داری کو ہمارے سر پر ڈالنا چاہتی ہے جبکہ ہم جسمانی طور پر اسکے ادا کرنے کے قابل ہو جائیں لیکن ہم از خود یہ بوجھ ایک ایسے وقت میں دوسروں کے کہنے سے اٹھا لیتے ہیں جبکہ ہم بالکل اسکے ناقابل ہوتے ہیں۔ بچے پیدا کرنے کی قابلیت لڑکی میں کم عمری میں بھی موجود ہوتی ہے لیکن اس قابلیت کو پیش از وقت استعمال کیا گیا تو اسکا نتیجہ کمزور اولاد ہوگی اور کشمکش حیات میں پورا اترنے کے لیے ضرورت ہے کہ اولاد ہر لحاظ سے توانا و طاقتور ہو۔ صغرسنی کی شادی میں توانائی کا سوال بالکل جاتا رہتا ہے اور اس سے پیشتر کہ لڑکا اور لڑکی اپنے تئیں تندرست قائم رکھ سکیں، توالد و تناسل کا بوجھ ان پر ڈالدیا جاتا ہے وہ دونوں

اولاد کے فرائض کو نہیں جانتے اور جیسا کہ اکثر دیکھا گیا ہے گھر کی دوسری عورتوں کو اپنے بچے کی پرورش کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں صغرسنی کی شادی وبال سر کے مترادف ہے۔

مزید براں بے وقت کی شادی ہماری قوت نمو کو یکقلم رد کر دیتی ہے اسلیے کہ جو قوت پہلے اعضاء کے بڑھانے میں صرف ہوتی وہ اب تمام و کمال یا زیادہ تر دوسری سمت میں استعمال کی جاتی ہے۔ اسکے علاوہ ہمارا نظام اعصاب قدرتی طور پر اسطرح سے بنایا گیا ہے کہ اگر اسپر پیش از بالید گی ذرا زیادہ بوجھ ڈالا گیا تو وہ کمزور ہو جاتا ہے، اور میاں بیوی ساٹھ سال کی عمر میں ایسے ضعیف ہو جاتے ہیں کہ گو یا وہ ۸۰-۹۰ برس کے ہیں۔ یہ پیش از وقت پیرانہ سالی وہ سزا ہے جو قدرت ان لوگوں کو دے رہی ہے جو قدرتی قانون کے خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں کے لوگ ۶۰ سال کی عمر میں از کار رفتہ ہو جاتے ہیں اور اپنا وقت خدا کے دھیان میں صرف کرنے کی غرض سے کونے میں بیٹھ جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر فزیالوجی کی رو سے دیکھا جائے تو ۶۰ سال کی عمر میں دماغی حالت اصل عروج پر ہوتی ہے۔ موجودہ جنگ یورپ میں سبقدر مشہور برٹش افسر اور کمانڈر ہیں وہ عمر میں پچاس سے زائد ہیں۔ جرمن افسر ساٹھ سے زیادہ ہیں اور بعض ستر سے متجاوز ہو گئے ہیں اور اس عمر میں زندگی اور موت کی جنگ میں مصروف ہیں۔ اگر وہ ہندوستانی ہوتے تو یقیناً کسی کام کے نہ رہتے اور اپنے ہوش و حواس تو بھی کھو بیٹھتے۔ ہمیں صغرسنی کی شادی کی سزا ملتی ہے اور انھیں قدرتی عمر میں شادی کرنے کا انعام۔

اسکے علاوہ آٹھ یا دس برس کی لڑکی کی جب شادی ہوتی ہے اور دوسرے سال جب اسکے ہاں اولاد ہوتی ہے تو اسوقت اسے ایسی ناقابل بیان تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو صرف اس حالت میں سے گذرے ہوئے لوگوں ہی کو معلوم ہے۔

اس ضمن میں میں ایک قصہ بیان کروں گا۔ ایک لڑکی کی شادی دس برس کی عمر میں ہوی اور گیارھویں سال اولاد ہوی۔ اولاد ہونے سے چار دن قبل اسپر درد کے باعث سکرات کی سی حالت طاری رہی۔ آخر درد کی تکلیف اسقدر بڑھی کہ آس پاس کے لوگ اسے برداشت نہ کرسکے اور یہ تجویز ہوی کہ اسے کلوروفارم سنگھا دیا جائے۔ دس گھنٹے تک وہ اس دوائی کے زیر اثر بیہوش پڑی رہی اور اسکے بعد جب بچہ پیدا ہوا تو وہ مرا ہوا تھا اور اسکے ساتھ ہی گیارہ برس کی ماں بھی ختم ہوچکی تھی۔ اس ایک واقعہ سے ان تمام تکالیف کا اندازہ ہوسکتا ہے جو قدرتی طور پر گیارہ سے لیکر پندرہ برس کی کم عمر ماؤں پر بچہ پیدا ہونے کے وقت گذرتی ہیں۔ بچے بعض اوقات مردہ پیدا ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ کمزور ہوتے ہیں اور بعض دفعہ ان کے حواس معطل ہوتے ہیں اور باوجود ان تمام خرابیوں کے ملک میں صغر سنی کی شادی کا رواج ہے۔ اور سب سے زیادہ عجیب و غریب بات ایسی شادیوں کے متعلق یہ ہے کہ ان کی انجام دینے والی بڑی بوڑھی عورتیں ہی ہوتی ہیں جو رسم و رواج اور اپنی بیوقوفی کے باعث اپنی اولاد کو ایسی مصیبت کے حوالے کردیتی ہیں جو بالآخر ان کی جان لے کر ختم ہوتی ہے۔ گذشتہ مردم شماری کو اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ملک میں لاکھوں بیوائیں ایسی موجود ہیں جنکی عمر پانچ اور پندرہ سال کے درمیان ہے اور اگر دیکھا جائے تو یہ وہ زمانہ ہے جبکہ انھیں مدرسہ میں ہونا چاہیئے تھا۔

مدراس پریزیڈنسی میں پانچ سے کم عمر کی سات سو اڑتیس بیوائیں موجود تھیں اور پانچ سے دس برس کی عمر کی چار ہزار تین سو تینتیس اور دس اور پندرہ برس کی عمر کی چوبیس ہزار چار سو سینتالیس۔ ان اعداد سے ان بدبخت بیوؤں کی تعداد معلوم ہوسکتی ہے اور پھر ہمارے ہاں کی رسم و رواج ایسے ہیں کہ بیوہ ہوجانے پر تمام دنیا کی لعنت طعن اسی کے حصے میں آنے لگتی ہیں۔ بعض ہندوؤں میں یہانتک ہے

کہ ہر خوشی کے موقع پر بیوہ کو کوٹھری کے اندر بند کر دیا جاتا ہے مبادا اسکا منحوس اثر باقی گھر والوں پر نہ پڑے۔ یہ ہے وہ شرم وذلت کی زندگی جو اسے بیوہ ہو جانے کے بعد بسر کرنی پڑتی ہے اور بعض اوقات یہ بھی سزا ملتی ہے کہ وہ دوسرا نکاح نہ کرنے پائے گویا اپنے خاوند کی موت کی ضامن وہی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسی رسم جو اپنے میں فائدہ کچھ نہیں رکھتی اور سراسر نقصان ہی سے مملو ہے، کیونکر وجود میں آئی؟ ہندوؤں میں "منو" کے قوانین کو خاص درجہ دیا جاتا ہے اور اگرچہ اسمیں صاف طور پر یہ لکھا ہے کہ مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ۲۴ برس کی عمر تک برہم چاری رہے اور اسکے بعد گرہستی زندگی بسر کرے مگر بعد میں جو سمرتیاں لکھی گئیں انمیں عورت کی شادی کے قابل عمر آٹھ اور دس سال بتائی گئی ہے مگر ساتھ ہی آٹھ برس کی لڑکی کے لیے چوبیس برس کا مرد لکھا ہے جو بالکل نامعقول ہے۔ ان سمرتیوں کا اثر ہندوؤں میں اسقدر زیادہ ہے کہ اب صغر سنی کی شادی کا بالکل عام رواج ہو گیا ہے۔ غالباً اسمیں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بعد کے لوگوں کی کارستانی معلوم ہوتی ہے اور اس لیے جب کبھی فیصلہ کرنے میں کچھ دقت معلوم ہو تو اس صورت میں ہمیں چاہیے کہ مذہبی قانون کا (جو دراصل غلطی سے مذہبی قرار دے لیا گیا ہے) قانون قدرت سے موازنہ کریں۔ اور موخر الذکر کو سب سے پہلے قبول کر لینا چاہیے کہ وہ بالکل اٹل ہے اور ایسا قانون ہے جسے کسی انسانی ہاتھ نے نہیں وضع کیا اور صرف خدا کا وضع کردہ قانون ہے۔ لیکن اگر ہم ہندوؤں کے قدیم زمانے کی طرف جائیں تو ہمیں صاف معلوم ہو جائیگا کہ اس زمانہ میں شادی سن بلوغ میں پہنچنے کے بعد ہوتی تھی اور اصل ہندو قوانین کا منشا یہ ہے کہ ایسی عمر میں شادی [illegible] اس مقصد کو اچھی طرح سے سمجھ سکیں جسکے لیے قدرت نے انہیں بنایا ہے۔ خود ہندوؤں میں اس امر کی مثالیں ملتی ہیں کہ

شادیاں مرد اور عورت دونوں کی باہمی رضامندی سے ہوا کرتی تھیں۔ موجودہ زمانے کی ہندو اسپرٹ کا مقابلہ قدیم اسپرٹ سے کیا جائے تو صاف کہنا پڑے گا کہ

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

مزید براں ہندوؤں کے چار آشرم میں سے ایک آشرم یہ ہے کہ وہ ۲۴ برس کی عمر تک بالکل برہم چاری (مجرد) کی زندگی بسر کرے۔ ایک طرف اس حکم پر یقین کیا جاتا ہے اور دوسری طرف صغر سنی کی شادی پر زور دیا جاتا ہے ایک طرف کہا جاتا ہے کہ برہم چریج رکھو اور دوسری طرف بچپن کی شادی کو بھی ضروری خیال کیا جاتا ہے بچپن کی شادی اور برہم چاری کی زندگی دونوں متضاد چیزیں ہیں، ایک وقت میں صرف ایک رہ سکتی ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

اکثر ہندوؤں کے دلوں میں یہ خیال ہے کہ بچپن کی شادی کا اس لیے رواج ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کے حملوں کی وجہ سے عورتوں کے لیے محافظ مقرر کر دینا زیادہ قرین مصلحت سمجھا گیا تھا۔ کیونکہ والد کے بعد عورت کی حفاظت کا بوجھ اسکے خاوند پر ہے مگر اس کا جواب یہ ہے کہ جس عمر میں شادی کر دی جاتی تھی وہ ایسی کم ہوتی تھی کہ خاوند بیوی کی حفاظت تو کیا اپنی حفاظت بھی مشکل کر سکنے کے قابل ہوتا تھا۔ یہ وجہ میں ابتک سمجھنے سے قاصر ہوں۔

مسلمانوں میں یہ قبیح رسم اسلئے آئی کہ بہت سے ہندوؤں نے مسلمان ہو جانے پر بھی اپنی قدیم رسوم کو نہیں چھوڑا۔ پرانا رنگ اسقدر غالب تھا کہ وہ نئے رنگ سے کلی طور پر متاثر نہ ہو سکے۔ اب بھی دیہات میں ایسے مسلمانوں کی تعداد بے انتہا ہے جو پوچھنے پر اپنے آپ کو مسلمان بتائینگے مگر نام اور رسم و رواج کے اعتبار سے اگر

دیکھا جائے تو وہ پورے ہندو ہیں - چونکہ یہ خود اسی رسم میں مبتلا تھے اسلیے انھوں نے مسلمانوں کو بھی مبتلا کر دیا -

مگر وجہ خواہ کچھ ہی ہو اس وقت ہندو اور مسلمان دونوں اسمیں آلودہ نظر آتے ہیں اور اب دونوں فریقوں کے لیڈروں اور ہر خیر خواہ ملک و قوم کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے ذرائع اختیار کرے جس سے اس رسم کا تبدریج ہمیشہ کے لیے استیصال ہو جائے اور آیندہ جو نسل پیدا ہو وہ موجودہ نسل کی طرح قد میں چھوٹی اور جسم میں کمزور نہ ہو بلکہ وہ پرانے راجپوتوں کی طرح سے مضبوط و توانا ہو کیونکہ ہندوستان کا مستقبل طاقتور لوگ بنا سکتے ہیں نہ کہ کمزور ٹھٹھرے ہوے نوجوان -

علم النفس کا ایک اصول یہ ہے کہ ہر کام کے لیے ایک مصمم مرضی اور ارادے کی ضرورت ہے - لہذا ان تمام والدین کو جو دل سے اپنے ملک کی ترقی چاہتے ہیں، یہ عزم بالجزم کر لینا چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کی شادی شیرخوارگی اور بچپن میں نہ کرینگے (ہندوستان میں عورت کی شادی کی عمر ۱۶ سال ہے اور مرد کی ۲۵ سال) دوسرے ہر قومی درسگاہ کو تعلیم کے بارے میں تھیوسوفیکل خیالات کی عملی اشاعت کرنی چاہیئے ہر تھیوسوفیکل انسٹیٹیوشن کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کبھی ایسے طالب علم کو اپنے اسکول میں داخل نہیں کرتا جسکی شادی ہو چکی ہو - برخلاف اسکے لڑکے کے والدین کو سمجھایا جاتا ہے کہ وہ لڑکے کی شادی کا خیال اسوقت دل میں لائینگے جبکہ وہ اسکول کی تعلیم ختم کرے گا، اور اس سے پہلے نہیں - تھیوسوفیکل سوسائٹی نے جو یہ تعلیمی آئیڈیل مقرر کیا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک تعلیمی زندگی اور گرہستی زندگی میں نمایاں اختلاف ہے - دونوں ایک دوسرے سے بالکل علحدہ ہیں اور ایسے زمانے میں جبکہ اسکول کی تعلیم اور امتحانات کے سلسلہ کی بدولت لڑکے پر بہت زیادہ بار پڑتا ہے، اگر اسے خاوند بنا دیا جائے گا تو اسکا نتیجہ اسکی جسمانی صحت پر ایک ایسا

بوجھ ہوگا جسے وہ کبھی برداشت نہیں کرسکے گا۔ ساتھ ہی جب ہر سال اسکولوں اور کالجوں سے اپنے بر ہم چاریوں کی تعداد نکلے گی جو جسم اور دماغ میں کافی طور سے مضبوط ہوں گے تو آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ ہندوستان کے کیسے بھلے دن آجائینگے یہ دونوں باتیں جو اوپر بیاں کی گئی ہیں، ذرا سی دلیری اور ذرا سے ایثار سے طے پاسکتی ہے اور دونوں صفات کے بغیر آج تک کوئی قوم اصلی قومیت تک نہیں پہنچی۔

ہندوستان کے موجودہ تعلیم یافتہ گروہ میں بہت کم ایسے اشخاص ہیں جو تیس برس کی عمر میں بالکل تندرست ہوں۔ ہزارہا نوجوان اعصاب اور معدہ کی بیماریوں میں مبتلا ہیں سینکڑوں دوران خون کی شکایت کے شاکی ہیں اور ہزاروں ایسے ہیں جنکے اعضاء رئیسہ کمزور ہیں۔ اسی طرح ذیابیطس کے مریضوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ یہ سب لوگ کمزور والدین کی اولاد ہیں اور ان میں سے اکثر ایسے ہوں گے جنھوں نے صغر سنی میں شادی کی ہوگی۔ ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایسی حالت ہندوستان کے تعلیمی پہلو پر ایک بہت بدنما دھبہ ہے ہمارے نوجوان ۳۰ سال کی عمر میں پچاس کے اور ساٹھ سال کی عمر میں نوے سال کے معلوم ہوتے ہیں درآنحالیکہ دوسرے ممالک کے بوڑھے آدمی بڑھاپے میں بھی اپنی قوم کو صلاح و مشورہ دینے کے قابل رہتے ہیں۔ یہی حالت ہم ہندوستان میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس بُری رسم کے استیصال میں ہندو مسلمان دونوں کو مل کر کام کرنا چاہیے۔ مختلف لکچروں کے ذریعہ والدین کے دلوں میں اس رسم بد کی طرف سے خوف اور دہشت بٹھادینی چاہیے اور اگر ہم لڑکیوں کی خاطر نہ سہی، لڑکوں ہی کی خاطر صغر سنی کی شادی کو بند کردینگے تو ہم اس زمانے کو اس شاندار زمانے کو جسے ہماری آنکھیں عالم خیال میں دیکھ رہی ہیں زیادہ

قریب لے آئیں گے اور ہم ہر لحاظ سے ایک ایسی مضبوط قوم بن جائیں گے جو دنیا میں عزت و وقار کے ساتھ رہنے کے قابل ہو سکے گی۔

اگر ہم نے صغرسنی کی شادی کو جلد کم نہ کیا تو بیسویں صدی کے آدمیوں پر یہ الزام عاید ہوگا کہ وہ دختر کشی کرنے اور ستی کرانے میں مدد کرتے ہیں۔ یہ دونوں خوفناک مراسم اصولاً معدوم ہیں مگر صغرسنی کی شادی میں ہم ان ہی رسموں کو گویا ادا کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ رسم ان سے بھی زیادہ خوفناک ہے۔

"اے خدا تو ہماری آنکھیں کھول تاکہ ہماری تباہی خود ہمیں نظر آنے لگے اور ساتھ ہی ہمیں اس سے بچنے کی بھی توفیق دے"

ضیاالدین برنی

ترکِ محبّت

میں کہ اب مستغنیِ جذباتِ الفت ہوگیا
ہستیِ نا آشنائے رنج و راحت ہوگیا

دل سے مطلق مٹ گئی خارِ محبّت کی خلش
اندمالِ دردِ ریزیِ جراحت ہوگیا

خواہشاتِ مضطرب احساس سا کن ہو گئیں
شوق رخصت ہوگیا ارمان رخصت ہوگیا

مل گئی فرطِ تمنا کی کشاکش سے نجات
سدِ بابِ تلخیِ انجامِ حسرت ہوگیا

ذوقِ نظارہ رہا باقی نہ امیدِ وصال
اختتامِ ناگواری ہائے فرقت ہوگیا

عشقِ رسوا کن کی محشر زائیاں جاتی رہیں
جذبِ ضبطِ نفس میں جوشِ طبیعت ہوگیا

بے نیازی اک نیا ذوقِ آگہی ہو گئی
ناشناس طرز و اندازِ محبّت ہوگیا

اب وہی دل ہے وہی میں ہوں وہی عہدِ حیات
اور حاصل پھر وہی عہدِ فراغت ہوگیا

درد کی بے دردیاں آخر میں درماں ہوگئیں
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

ارشد تھانوی

شاعر

نرگس و نسرین کیا۔ کیا یاسمن کیا نسترن　　لالۂ آتش نوا کیا بلبلوں کی انجمن
موج دریا کا تموج چاند کا پیارا سماں　　برق و باران و شفق سب رنگ روئے آسماں
آہ و غم۔ شور و الم۔ عشاق کا سوز و گداز　　آمد باد صبا محبوب کے انداز و ناز
دامن صحرا۔ نکیلے خار۔ رنگیں کشت زار　　بھینی بھینی گل کی خوشبو رونق فصل بہار
بلبل و قمری کے نغمے ہو ہو و گل کی نمود　　ساغر و مینا کی باتیں انکشاف ہست و بود

آرزوے شاعرِ ناکام کا انجام ہیں
صید بزم لامکاں کی شان کا پیغام ہیں

حسن کیا ہے دیدۂ شاعر کا ہے مہماں نواز　　راگ کیا ہے نغمۂ تار رباب سوز و ساز
فلسفی سمجھا تمیز میں فقط ناداں سب مجھے　　زاہد ناداں نے جانا فقط بیجاں مجھے
مجھکو خالق نے محبت کے لیے پیدا کیا　　گل کا بلبل کا تخیل کا مجھے شیدا کیا
بے زبانی ہوں کسی کی میں کسی کا راز ہوں　　نخل صنعت اس انجمن میں گوش بر آواز ہوں
ہوں سراپا نور شعلہ نور کا جویاں ہوں میں　　وادیِ ایمن کا ذرہ ہوں یہ بیٹھا ہوں میں
حرف کن کی دھن میں یا چھوٹی سی اک تفسیر ہوں　　خوش نظر آتا ہوں لیکن درد کی تصویر ہوں
اپنی ہستی کا نشاں میں آپ پا سکتا نہیں　　دل میں رکھتا ہوں بہت کچھ سب بتا سکتا نہیں

ہوں سکوت آموز حیرت داستان درد قوم
التجا ہے قلب ملت ہوں سراپا درد قوم

اک طرف لیلیٰ کو رلواتی ہے خاموشی مری　　اک طرف مجنوں کو تڑپاتی ہے بیہوشی مری
اسقدر جلوے عیاں ہیں پیکر خاموش میں　　اسقدر یوسف نہاں ہیں درد کی آغوش میں

شورشِ دنیا کو اک محشر دکھا سکتا ہوں میں
اہل محفل کو ہنسا سکتا رلا سکتا ہوں میں

نتیجۂ فکر محمد انور سیالکوٹی

فضل لکھنوی

بعض خوش نصیبوں کو خزانۂ غیب سے بے تلاش وجستجو وہ دولت مل جاتی ہے جو بہتوں کو کوشش وسعی سے بھی میسر نہیں آتی۔ دنیا اس خداداد دولت کو حیرت کی نظر سے دیکھتی اور تعجب کرتی ہے لیکن جن لوگوں کو شاہی درباروں کے حالات سے کچھ دلچسپی ہے ان کے نزدیک یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ ایسے واقعات بکثرت پیش آتے رہتے ہیں، اور مستحق وغیر مستحق سب کے سب انعام پاتے ہیں ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دولتِ شاعری بھی مبدءِ فیاض سے بعضوں کو اسطرح چھپر پھاڑ کے مل جاتی ہے گویا وہ ماں کے پیٹ ہی سے شاعر پیدا ہوے ہیں۔ نہ ان کو عروض سیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے نہ قافیہ کی حاجت، موزوں طبیعت ہی بحر ہے اور مذاق سلیم تقطیع، نہ کسی کے آگے زانوے شاگردی تہ کرنے سے مطلب، نہ کسی سے دوستانہ مشورہ کی غرض۔ لطف یہ ہے کہ کم استعدادی و کم علمی بھی سدّراہ نہیں ہوتی بخلاف اسکے جن لوگوں کو قدرتی طور پر استعداد نہیں وہ علم وفن شعر کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے میں عمریں صرف کردیتے ہیں تب بھی وہی "ڈھاک کے تین پات"۔

اسلام سے پہلے عرب کے شاعر جن کی شاعری اور فصاحت و بلاغت نے انھیں "عرب العرباء" کا معزز خطاب دلایا، تمام عالم سے اپنا لوہا منوایا قریب قریب سب جاہل تھے، لیکن شعر ایسے کہتے تھے کہ اُن کے اخلاف جنکو "مولدین عرب"

کہتے ہیں باوجود علم و فضل کے اُنکے برابر نہ پہنچ سکے اور نہ اُنکی فصاحت و بلاغت کو پا سکے۔ مگر عجم میں ایسی مثالیں بہت کم ہیں کہ جاہل ہو کر اعلےٰ درجہ کے شاعر ہوئے ہوں اہل ادب کے دلوں پر اُنکا سکہ بیٹھا ہو یا کسی نے اُن کا لوہا مانا ہو۔ ہاں اوسط درجے کے کہنے والے مل جائیں گے جنکے کلام میں رطب و یابس دونوں حصے برابر ہونگے مگر وہ بھی بمشکل اور "معدودے چند"

ان ہی معدودے چند میں سے ایک حضرت فضل لکھنوی ہیں۔ جنکی بے علمی پر نظر کرتے ہوئے حیرت ہوتی ہے اور بے اختیار زبان پر شعر آجاتا ہے ؎

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ کو لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

حضرت فضل کی ولادت باسعادت لکھنؤ کے مشہور محلہ "قندھاری بازار" میں ہوئی یہیں وہ سن تمیز کو پہنچے اور ۱۸۸۸ء تک یہیں سکونت پذیر رہے۔ پورا نام فضل اللہ اور ان کے والد کا نام محمد خاں ہے۔ آپ ایک اعلےٰ خاندان سے ہیں۔ آپ کے باپ دادا بڑے کامل فاضل لوگ تھے "نافع السالکین" میں اُن حضرات کا مختصر تذکرہ موجود ہے۔ مگر اُن کے خلاف حضرت فضل نے اپنا تمام زمانۂ طفولیت کھیل کود میں ضائع کیا پڑھنے لکھنے میں بالکل دل نہ لگایا بلکہ اسقدر بے تعلق رہے کہ اپنا نام بھی نہیں لکھ سکتے تھے۔ یا للعجب!

عبرت کا مقام ہے کہ فاضلوں کے لڑکے علم و فن سے اس طرح کورے رہیں کہ اپنا نام بھی نہ لکھ سکیں۔ ؎

گہ آری خلیلے ز بتخانۂ
کنی آشنائی ز بیگانۂ
گہے باچناں گوہر خانہ خیز
چو بوطالبے را کنی سنگ ریز

اخیر عمر میں اپنی اس نادہ حالت پر خود بھی بہت افسوس کرتے تھے۔ مگر

"اب پچھتائے کا ہوت ہے، چُگ گئیں چڑیاں سب را کھیت"

ساٹھ برس کی عمر میں جب مکہ معظمہ سے حج کر کے واپس آئے تو قرآن شریف (اس خیال سے کہ یہی دین وایمان ہے) پڑھنا شروع کیا۔ چنانچہ تخمیناً دو سال میں ختم ہوا۔ بس آپ کا سارا سرمایۂ علم یہی ہے۔ اور سچ پوچھیے تو یہ بھی بہت کافی ہے اور اس کا علم اصل علم ہے۔

شعر و شاعری کا چسکا روز ازل میں پڑ چکا تھا، ہوش سنبھالتے ہی شعر کی دُھن میں رہنے اور اُلٹے سیدھے الفاظ جوڑ جوڑ کر شعر موزوں کرنے لگے۔ پھر لوگوں کے ساتھ شاعروں میں جانا شروع کیا۔ پڑھنے کے لیے نہیں صرف سُننے کی غرض سے۔ سُنتے سُنتے اشعار کے معنے مطلب سمجھنے لگے اور مہمل و با معنے کہنے بھی لگے۔ جو کچھ کہتے پہلے اپنے ہمجولیوں کو سُناتے وہ داد دے کر اور واہ واہ کر کے دل بڑھاتے اسی طرح ان کا حوصلہ روز بروز بڑھتا رہا اور مشق ہو گئی۔ یہانتک کہ زمرۂ شعرا میں داخل ہو گئے۔ اوّل اوّل تو چار چار پانچ پانچ شعر کہتے تھے پھر پوری پوری غزلیں ہونے لگیں۔ خود تو لکھنا آتا نہ تھا اپنا کلام لوگوں سے لکھوا لکھوا کے بڑے شوق سے جمع کرتے رہے۔ جن اشعار کے لکھوانے کی نوبت نہ آتی وہ چند روز میں صفحۂ دل سے اُتر کر بیاض نسیان پر درج ہو جاتے۔ قبل اسکے کہ اس مجموعہ کی (جو اس محنت سے دوسروں سے لکھوا لکھوا کے جمع ہوا تھا) کوئی شہرت ہو یا طبع کی نوبت آئے گردش گیتی نے ۵۷ء کے فتنہ میں یہ تمام سرمایۂ عمر تلف کر دیا۔ دل پر کیسی چوٹ لگی ہو گی؟ کسقدر صدمہ ہوا ہو گا؟ شاعر کے لیے اس سے زیادہ اور کیا رنج دہ سانحہ ہو سکتا ہے؟ یہی اُن کے لخت جگر اور یہی پارہ ہائے دل۔ سچ یہ ہے کہ جسقدر صدمہ و رنج ہوا ہو تھوڑا ہے۔ اس ہنگامہ میں نہ صرف یہ مجموعہ ہی ضائع ہوا بلکہ لکھنؤ سے محبوب وطن کو بھی خیرباد کہنا پڑا۔ تشنیر احباب بھی پراگندہ ہوا۔ عزیز و اقارب میں بھی کوئی کہیں جا پڑا کوئی کہیں

لکھنؤ کے بعد خالص پور میں قیام اختیار کیا۔ یہ گاؤں حضرت قفس کے بزرگوں کی جاگیر میں ہے اور لکھنؤ سے دس بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

یہاں آنے کے بعد نئے افکار اور پیش آنے والے تردداتِ کی وجہ سے مدت تک شعر وشاعری کا مشغلہ موقوف رہا۔ اگر کوئی موقع پیش بھی آیا تو غدر کی تباہی سے ایسے متاثر تھے کہ کچھ نہ کہا اور بالکل زبان بند کیے بیٹھے رہے۔ ایک عرصہ کے بعد جب ذرا اطمینان حاصل ہوا تو دوستوں کے اصرار سے کبھی کبھی ایک آدھ غزل کہہ لیتے اور اپنے صاحبزادے کے متعلقوں سے لکھوا کے رکھ لیتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک ایک کرکے ایک اچھا خاصہ مجموعہ تیار ہوگیا۔ اب جی چاہا کہ یہ چھپ جائے تو بہتر ہے۔ مگر ساتھ ہی اسکے یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ "مجھ جاہل ناخواندہ کے کلام میں سینکڑوں ہزاروں غلطیاں ہوں گی۔ لوگ اعتراض کریں گے، ہنسیں گے" اب ایک کشمکش میں پڑ گئے اُدھر طبع دیوان کا شوق دامنگیر ادھر یہ خیال عاقبت مآل چھپنے سے مانع۔ آخر اشتیاق طبع غالب آیا۔ بڑے لیس وپیش کے بعد یہ خیال کرتے کہ کوتہ نظر جو چاہیں کہیں مگر اہل انصاف میری ہیچمدانی پر نظر کرکے ضرور داد دیں گے" مولوی عبدالعلی صاحب آسی مرحوم مالک مطبع آسی محمود نگر لکھنؤ کے پاس لبغرض طبع لےگئے۔ مولوی صاحب موصوف نے اُسے شروع سے آخر تک بنظر تعمق دیکھا اور پوری پوری داد دی۔ کہیں کہیں بعض الفاظ کا ردو بدل بھی کردیا اور قافیوں کی غلطیوں کو بھی بنا دیا۔ پھر خود ہی چھپنے کا انتظام کیا۔ مولوی صاحب کی اس داد دہی پر یابی ست حضرت قفس نے نیک فال لی اور سمجھ لیا کہ "ہاں اہل نظر ضرور داد دیں گے" چنانچہ سنہ ۱۳۱۰ھ میں یہ دیوانِ نہایت خوبی وخوش اسلوبی سے

۱؎ جن حضرات کو ملاحظہ کا شوق ہو آسی پریس محمود نگر لکھنؤ سے طلب فرمالیں۔ ۸ر قیمت ہے لکھائی چھپائی بہت اچھی ہے البتہ کاغذ معمولی ہے۔ دیکھنے کی چیز ہے۔

اسی پریس لکھنؤ میں چھپ کر شائع ہوا۔ یہ دیوان اسوقت ہمارے پیش نظر ہے۔ ۱۰۸ صفحوں پر ختم ہوا ہے۔ شروع میں پانچ چھ صفحے فضل صاحب نے اپنے حالات میں لکھے ہیں جنہیں میں اپنی جہالت پر بہت کچھ اظہار تاسف بھی کیا ہے۔ اسکے خاتمہ پر یہ شعر درج ہے ؎

غلام ہمت آن شاعران ذی کرم
کہ یک صواب ببینند و صد خطا پوشند

اسکے بعد طبع دیوان کی تاریخ میں ایک قطعہ لکھا ہے اور سچ یہ ہے کہ حضرت فضل نے تاریخ بہت خوب نکالی ہے۔ وھو ھذا

مرا یہ نامہ باغ بے خزاں ہو — الٰہی خوش ہوں اس سے جملہ احباب
ہوا تیار جب یہ گلشن شوق — کہی تاریخ اسکی "باغ شاداب"

اب غزلوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ردیف الف میں چند غزلیں حمد و نعت اور بزرگان دین کی شان میں ہیں۔ ایک مناجات ہے پھر شاعرانہ کلام ہے۔ اس موقع پر بطور نمونہ کے چند غزلیں بلا انتخاب درج کی جاتی ہیں جو اس ناخواندگی پر بے شک قابل ستایش ہیں۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔ میر کی مشہور زمین "شراب کی سی ہے" "حباب کی سی ہے" میں فرماتے ہیں ؎

زیست دنیا کی خواب کی سی ہے — بلکہ دنیا حباب کی سی ہے

میر کے بعد یہ مطلع! تماشے دنیا کا ایسا مرقع ہے!! زبان سے بے اختیار واہ نکلتی ہے۔ سبحان اللہ! ایسے ہی اشعار حضرت فضل کی مداحی کرائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ان ہی اشعار نے مولوی عبد العلی صاحب کو ثناخوانی پر مجبور کیا ہوگا اور فرماتے کیا

رنج ہجراں نہیں ہے دنیا میں — اک نشانی عذاب کی سی ہے
کیا کہوں اور وصف اس گل کا — ساری رنگت گلاب کی سی ہے

آتش غم سے دل جلا شاید — یہ تو اس کی کباب کی سی ہے
بہکی بہکی ہے چال یار کی آج — کیفیت سب شراب کی سی ہے
میرے رونے کو دیکھ کہتے ہیں — یہ تو بارش سحاب کی سی ہے
فضل کچھ مجھسے بولتے نہیں آپ
یہ نشانی عتاب کی سی ہے

"کفن بگڑا دہن بگڑا کی طرح میں آتش نے اپنے اُستاد مصحفی سے کہا تھا "اُستاد اس ردیف قافیہ میں کوئی ایک شعر نکال لے تو کلیجا نکل پڑے" حضرت فضل فرماتے ہیں

نہیں مجھ سے اکیلا دوستو وہ گلبدن بگڑا — اس اپنے عندلیب دل سے ہے سارا چمن بگڑا
سحر کے وقت جب وہ شمع محفل سے جاتا ہے — نظر آتا ہے دن بھر مجکو رنگ انجمن بگڑا
بگاڑا تو بہت تو نے صبا گیسوے جاناں کو — نہ کچھ بل آیا اُسمیں اور نہ اسکا بانکپن بگڑا
سوال اُس سے کیا جب میں نے ڈرتے ڈرتے لب کے بوسہ کا — کہوں کیا کسطرح مجھ سے مرا شیریں دہن بگڑا

"دہن" کے قافیہ پر بھی آتش کو بڑا ناز تھا۔ ہمارے اَن پڑھ فضل نے جو اپنا نام بھی نہیں لکھ سکتے تھے "دہن" کا قافیہ باندھ دیا۔ اور "شیریں" کا لفظ اسپر لگا کے پانی کر دیا الحمد للہ جس کو آتش سا اُستاد مشکل سمجھے اُسکو حضرت فضل آسان کر کے یوں کہدیں۔

"کہوں کیا کسطرح مجھ سے مرا شیریں دہن بگڑا"

تمہارا قد موزوں دیکھکر گلگشت گلشن میں — دکھائی دیگا قمری کو قد سرو چمن بگڑا
اڑا کر لیگئی خوشبو صبا جو زلف جاناں کی — تو اس سے رنگ و بوے عنبر و مشک ختن بگڑا
خدا چاہے تو وہ اچھا بنا دے خلق کے آگے
نظر آتا ہے فضل اپنا بھی کچھ طرز سخن بگڑا

تجکو پکارتا پھرا قاتل کہاں کہاں   یہ ڈھونڈھتا ہوا دل بسمل کہاں کہاں

کیا مطلع ہے! کیا روانی ہے!! کیا صفائی ہے!!! سبحان اللہ

فرقت میں ایک لحظہ نہیں دلکو چین ہے   بتلاؤں کیا کہ پھرتا ہوں بیدل کہاں کہاں

اسے مدعا تلاش میں اب اُسکی دیکھنا   کرتا ہوا میں جاتا ہوں منزل کہاں کہاں

اُس بیوفا کے عشق میں گھر سے نکال کر   مجھکو پھرائے گا تو اب اے دل کہاں کہاں

دل لے کے تیرا اب وہ نجانے کہاں گیا   پھر ڈھونڈھنے تو جائیگا بیدل کہاں کہاں

صیاد کے خیال سے گلشن کو چھوڑ کر   پھرتے ہیں مارے مارے عنادل کہاں کہاں

اب آستان یار پہ اے فضل جم کے بیٹھ
پھرتا ہے در بدر تو اے غافل کہاں کہاں

ان آنکھوں نے دیکھے جواں کیسے کیسے   ہوے اس جہاں سے رواں کیسے کیسے

لڑکپن سے ابتک ان آنکھوں کے آگے   ہوے انقلاب جہاں کیسے کیسے

نہیں اُس ستمگر کے مژگان و ابرو   ہیں دشمن مرے بیگماں کیسے کیسے

ہیں عاشق کے لب خشک تر چشم تن زرد   یہ سب عشق کے ہیں نشاں کیسے کیسے

گل و ماہ و آئینہ و شمع و خورشید   ہیں چہرے پہ اُنکے گماں کیسے کیسے

شہیدان شمشیر ناز و ادا کو   ملیں گے ارم میں مکاں کیسے کیسے

ہے افسوس افسوس فضل اس جہاں سے
گئے خاک میں گلرخان کیسے کیسے

پھر جسدم خیال آتا ہے   دین و دنیا کا غم بھلاتا ہے

اسکو کھٹکا کہاں ہے محشر کا   سر تسلیم جو جھکاتا ہے

دل تڑپتا ہے جان جاتی ہے　　جب وہ پہلو سے اُٹھ کے جاتا ہے
چاہتا ہے جسے دکھا کے جھلک　　اپنا دیوانہ وہ بناتا ہے
وہی پاتا ہے شاہد وحدت　　اپنی ہستی کو جو مٹاتا ہے
دل کی آنکھوں سے ڈھونڈتا جو ہے　　وہی اے یار تجھکو پاتا ہے

بھول جاتا ہے فضلؔ وہ سب کو
اُس صنم سے جو دل لگاتا ہے

دیوان کی اکثر غزلیں اسی رنگ کی اور بعض اس سے بہتر ہیں۔ بعض بعض بہت مشکل زمینوں میں ہیں۔ بعض بہت بڑی بڑی ہیں چنانچہ ایک غزل میں ۴۴ شعر ہیں ہم نے طوالت کے خیال سے انکو قلم انداز کر کے صرف چار چھوٹی چھوٹی غزلوں پر اکتفا کی۔ اور انتخاب ایک شعر کا بھی نہیں کیا۔ ایک تذکرہ میں عمدہ عمدہ شعروں کا انتخاب ہم اس لیے ناپسند کرتے ہیں کہ اس سے شاعر کی اصلی حالت اور قوت کا اندازہ نہیں ہوتا بلکہ واقعیت سے زیادہ شاندار رخ نظر آنے لگتا ہے۔ اور یہ بات سوانح نگار کے فرائض سے بعید ہے کہ اصل مرقع کو اپنی رنگ آمیزی سے خوشنما کر کے پیش کرے۔

آخر دیوان میں مولوی عبدالعلی صاحب آسیؔ مرحوم نے اور مولوی محمد[1] صاحب مدرس عربی مدرسۂ فرقانیہ لکھنؤ نے قطعات تاریخ لکھ کر حضرت فضلؔ کی بہت کچھ تحسین کی اور حوصلہ بڑھایا ہے۔ لیکن ان حضرات کی تحسین سخن شناسانہ ہے اسمیں ہم بھی اُن کے ہم آہنگ و ہم خیال ہیں۔

محبوب علی لکھنوی

[1] مولوی صاحب موصوف عربی علم ادب میں اعلےٰ درجہ کی مہارت رکھتے ہیں۔ آپ کی عربی نظمیں اور قصائد فصیح و بلیغ ہوتے ہیں مصر وغیرہ کے ادبی پرچوں میں آپکی نظمیں اشاعت پذیر ہو چکی ہیں۔ آپ مولانا عین القضاۃ اجلہ کے تلامذہ میں سے ہیں اور مولوی عبدالعلی صاحب آسیؔ مرحوم کو ہر شخص پہچانتا اور اُنکی لیاقت و سخن شناسی کو جانتا ہے ۱۲

خیالِ یار

میں کیونکر عشق کا آزار چھوڑوں — تجھے کس پر دلِ بیمار چھوڑوں
اُٹھایا ہاتھ جب دونوں جہاں سے — بھلا کیونکر در دلدار چھوڑوں
نہیں قابو میں دل اپنا اکتی — میں کیونکر گریۂ خونبار چھوڑوں
میں چھوڑوں کسطرح فریاد و شیون — میں کیونکر آہِ آتشبار چھوڑوں
کوئی آنکھوں میں میری پھر رہا ہے — میں کیونکر حسرتِ دیدار چھوڑوں
سرِ شوریدہ ٹکراؤں کہاں پہ — اگر میں یار کی دیوار چھوڑوں
قسم ہے اپنی ہی وحشت کی مجکو — گریباں میں جو کوئی تار چھوڑوں
نہیں ممکن مرے جوشِ جنوں سے — کہ سیرِ وادیٔ پرخار چھوڑوں
رہے اُس بت سے لطفِ ہمکلامی — میں کیونکر لذتِ گفتار چھوڑوں
ہوئی مدت بتوں کو پوجتا ہوں — میں کیونکر رشتۂ زنار چھوڑوں

نہیں ممکن ہے جیتے جی یہ باسطؔ
کہ دامانِ خیالِ یار چھوڑوں

باسط بسوانی

ضروری گذارش

"تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں اُنکا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ ذریعہ وی پی بھیجا جائیگا جسکا وصول کرنا اُن کا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔

جو حضرات "تمدن" کی عمر کے پانچویں سال کے اختتام یعنی ۱۷ اپریل تک "تمدن" کو چار مستقل خریدار عنایت فرمائینگے اُن کی خدمت میں ایک سال کے لیے "تمدن" مفت حاضر ہوگا۔ جو صاحب دو مستقل خریدار عنایت فرمائیں گے اُنکے پاس چھ ماہ تک پرچہ مفت حاضر ہوگا۔

ابرمردہ

جسے اسفنج بھی کہتے ہیں۔ اس کی ماہیت کے متعلق اکثر کا خیال ہے کہ یہ سمندر کا جھاگ ہے اسکا رنگ خاکی نما ہوتا ہے دہلی میں ایک سوداگر کی دوکان پر ایک کاغذ کے پاٹن میں قریب ایک درجن کے ٹنگے ہوئے تھے۔ دور سے اُن کا رنگ کھینچے جاتا تھا۔ آگے بڑھا اور سوچا کہ ان میں سے ایک ضرور خریدوں گا۔ ابھی دکاندار سے سلسلۂ کلام شروع بھی نہ کیا تھا کہ لوگ آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک کے سوا سب فروخت ہوگئے۔ مَیں نے دل میں کہا سچ ہے واقعی دنیا مردہ پسند ہے ایک رہ گیا تھا اسکا سودا میں نے کرلیا اور گھر واپس چلا آیا۔ رات کا وقت تخلیے کا ہوتا ہے ضروری مشاغل سے فرصت مل جاتی ہے۔ پس میں ایک عمل پڑھا کرتا ہوں اور جس چیز سے مجھے کلام کرنا ہوتا ہے اُسے سامنے رکھ لیتا ہوں۔ یہانتک کہ وہ چیز خواہ جاندار ہو یا بیجان نباتات میں سے ہو یا جمادات میں سے میرے سوال کا جواب دینے لگتی ہے آج ایک

ننھی سی لاش

ابرمردہ کی میرے سامنے تھی۔ اسکا جسم کسی ظالم نے چھلنی کردیا تھا۔ مجھے تفتیش کی ضرورت ہوئی چنانچہ وہ عمل پڑھ کر عالم تخیل میں جا پہنچا۔ اور اس نعش سے مخاطب ہوکر کہا۔ او جنس خاموش۔ آہ تجھے کس بیدرد نے گھائل کیا ہے اور پھر اسرار کھٹے سچ بتا دے تیرے مرنے کے بعد یہ گرم بازاری کیوں تھی۔ یہ سُن کر ابرمردہ مسکرایا اور کہا تمھارے دو سوال ہیں ان کا ایک جواب دوں یا دو۔

مَیں نے کہا نہیں فرداً فرداً جواب دینا ہوگا۔ کہا پہلے سوال کا تو یہ جواب ہے کہ مَیں کسی

کی تیر نظر کا

زخمی ہوں

اُس ظالم نے مشق ستم کے لیے میرا سینہ ہی منتخب کیا۔ میرے شفق کیفیت یہ ہے کہ زخم تو کھا یا کیا لیکن ایک لذت بھی پیدا ہوتی رہی ہر اُس تیر کے ساتھ جو جگر میں پیوست ہو جاتا تھا۔ دہن زخم سے مرحبا کی صدا نکلتی تھی آخر میں نے کہہ بھی دیا

تیر چن چن کے ترے کیوں نہ جگر میں رکھ لوں
کس مزے سے یہ اُڑاتے ہیں نشانہ دل کا

جب اچھی طرح زخمی ہو گیا تو امانت عشق۔ قطرات محبت کا حامل بن گیا۔ اور تم بھی دیکھ لو وہ فطرت نے مجھے تفویض کر دیا ہے۔ پس یہ سینے کی غربالی میرے لیے عید ہے تو یہ ہے آپ افسردہ نہ ہوں۔

رہا دوسرا سوال۔ میری چاہت کیوں ہے اسکا جواب آپ نے خود ہی دیدیا ہے کہ دنیا مردہ پسند ہے مگر میں اسمیں اتنا اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہ مردہ میں بشرطیکہ کوئی کمال رہ چکا ہو۔ اہل اللہ کے مزارات پر عوام الناس کی حاضریاں زیادہ تر فیض کی خاطر ہوتی ہیں۔ میاں اُس مرنے والے کو یاد کیا جاتا ہے جس کے اوصاف زندگی میں دوسروں کو فائدہ پہنچا چکے ہوں۔ ہاے

چودھویں صدی

کے لوگوں نے ہنر کو عیب سمجھ رکھا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ ہم جسکے مقلد ہیں وہ باہنر ہے اور ہمارے ہی وطن سے سیکڑوں ہی روپیہ اپنی ہنر کی بدولت کھینچ چکا ہے۔ دنیا ہنرمند کی قدردان ہے زندہ اگر بے ہنر ہے تو اسکی پوچھ نہیں پس بے ہنر مردہ کی کیسے پوچھ ہو سکتی ہے۔ یوں کہو دنیا مردہ پسند نہیں مطلب پرست ہے۔ **تم نے یہ نہ دیکھا**

کہ میری مانگ ہے میری قدر ہے میں ہاتھوں ہاتھ فروخت بھی ہو گیا لیکن یہ بھی کبھی غور کیا

کہ کیوں؟ نادان دوست۔ مجھ میں ایک قوت ہے اور اُسکا نام جذب ہے۔ میری قدر نہیں۔ میرے جذب کی قدر ہے۔ میں آپ کو مشاہدہ کرا سکتا ہوں۔ امتحاناً ایک گلاس پانی کا لائیے اور اُسمیں مجھے ڈالدیجیے پھر تماشا دیکھیے کتنا پانی چوس لیتا ہوں دنیا تو اس بات کی قدر کرتی ہے۔ آہ دل پر اک چوٹ لگی۔ ابر کے ٹکڑے نے

تصوف کے مراحل

طے کر دیے۔ انسان کامل بیشک وہی ہے جسکا جگر تیر عشق سے چھد چکا ہو۔ ایک بیکلی ہو۔ جو کل نہ آنے دیتی ہو ایک خلش ہو جو بار بار کھٹکتی ہو۔ بہت سے زخم ہوں اور میرے سینے کا کھیت ہو۔ لوگ کہیں سرسوں پھولی ہے۔ کیا بسنت کے دن آگئے ہاں وہ بارہ مہینے دیکھیں اور یہاں بسنتی موسم نظر آئے۔ میرا دل ایک پھول ہے اسے وحدت مکھی کہتے ہیں سورج مکھی کا رخ سورج کی طرف رہتا ہے اور اسکا رخ ہمیشہ میری شہ رگ کی جانب۔ میں یہی دعا مانگتا ہوں کہ کسی کے تیر نظر کا صدقہ مجھ میں جذب پیدا ہو جائے۔ جسکو دیکھوں وہ میرا نہیں تیرا ہو جائے روحانی کشش کی خیر جس کے دم سے اسلام کا بول بالا ہوا۔ آئینۂ دل کی جے۔ جسکی جِلا نے عالم انسانیت کو متحیر کر دیا۔ چشتی تصوف کے تاجدار حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر لاکھ لاکھ بار رحمت و برکت ہو۔ نقشبندی تصوف کے چمکتے ہوے گوہر حضرت صدیق اکبرؓ پر انوار الٰہی کا مینھ برسے۔ جنکے سلسلے کی لاکھوں کڑیاں اسلام کے لیے مایۂ ناز ہوئی ہیں۔ اور اِس ابر مردہ کی حیات پھر میرے لیے سبق آموز ہوا۔

مقرب حسین مقرب دبیر حلقۂ نجات دہلی

حضرت مولانا جمل الٰہی گیاوی

(رباعی)

اُس شوخ نے کی نہ قدردانی میری — ضائع ہوئی ہائے جانفشانی میری
ٹھوکر سے مٹایا نقش تربت میرا — وہ بھی نہ رہی جو تھی نشانی میری

پردہ نسواں

رسالۂ تمدن میں پردے اور تعلیم کے متعلق ایک مختصر سا مگر نہایت موزوں مضمون والدہ ممتاز حسین کے قلم کا لکھا ہوا میری نظر سے گذرا۔ میں چاہتی ہوں کہ اُسپر کچھ اپنی ناچیز راے کا اظہار کروں۔

جہانتک میرا خیال ہے۔ میں کہہ سکتی ہوں کہ مشرقی لوگوں میں بہت کم ایسے آدمی نکلیں گے جو اپنے سے مخالف راے رکھنے والے کی بات سُننے کے متحمل ہونگے اور جو راے وہ پیش کرے اُس پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گے۔ معلوم نہیں کہ انھوں نے مخالفت کو کیوں ایسا ہوّا سمجھ رکھا ہے۔ جبکہ سعدی سے زبردست فلاسفر کا قول ہے کہ ؎

گو دشمن شوخ چشم وبیباک   تا عیب مرا بمن نماید

درحقیقت مخالفت ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے کسی مسئلہ کا عیب و ثواب عوام پر بخوبی روشن ہوجاتا ہے۔ یہی وہ بھٹی ہے جسمیں پڑکر مسئلہ کا کھرا ہونا اپنی پوری آب و تاب سے چمک جاتا ہے۔ یہی وہ کسوٹی ہے جسپر کھرا کھوٹا۔ پرکھا جاتا ہے یہی وہ چھلنی ہے جس سے کوڑا کرکٹ گرد و غبار پاک ہوجاتا ہے۔ اس لیے مجھے یقین ہے کہ میری تحریر کو کسی دیگر خیال سے نہ دیکھا جائے گا۔ ہاں جو کچھ میری تحریر کے جواب میں اُس کے خلاف لکھا جائے گا میں نہایت خوشی کے ساتھ دیکھوں گی اور اس کا حتی الامکان موزوں جواب دینے کی کوشش کروں گی۔

پردے کے حامی لوگ پردے کی تائید میں مدت سے بہت کچھ لکھتے آئے ہیں اور پردے کی تائید اور اسکو عمل میں لانے کی نہایت سختی کے ساتھ تاکید کی جاتی ہے لیکن شاید وہ اس سے

ناواقف ہیں کہ عورتوں سے جتنی سختی کے ساتھ پردے کی پابندی کرائی جائے گی اُسی قدر مردوں کے اخلاق کی توہین کھلے الفاظ میں ہوگی اور اس سے زیادہ عورتوں کا اخلاق کمزور ثابت ہوگا چونکہ عرصۂ دراز سے مردوں کے ہاتھ میں قلم رہا ہے اس لیے انھوں عورت ذات پر دل کھول کر الزام لگائے ہیں اور بیٹھ بھر کر اس کی توہین کی ہے کہیں اس کو ناقص العقل کہا ہے کہیں اسکے اخلاق پر حملے کیے ہیں۔ کہیں اسکو مردوں کی غلام لکھا ہے اور اسی قسم کے عیب ظاہر کیے ہیں۔ عورتیں بیچاری یہ سب باتیں سُنتی ہیں اور خاموش ہیں۔ مردوں کا مقابلہ کون کرے یہ تعلیم یافتہ صاحب علم و فضل۔ ہم جاہل مطلق۔ ناقص العقل تو آپ سے آپ ہیں۔ ہمارے جاہل رکھنے میں بھی مردوں کا ہی ایک ناقابل معافی قصور ہے۔ کیونکہ اگر ہم تعلیم یافتہ ہوں گے تو مردوں سے اپنے واجبی برابر کے حقوق مانگیں گے۔ جنکو وہ دینا کسرشان سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم تو خود مختاری کے ساتھ جو چاہیں کریں۔ مگر عورت ایک کاٹھ کی پتلی کی طرح یا ربڑ کی گڑیا کی مثال۔ روٹی۔ کپڑا بھی ہم سے نہ مانگے تو بہت ہی اچھا ہے ہم دنیا کی تر و تازہ ہوا کھائیں۔ ہر جگہ جائز ناجائز مجمع میں بیٹھکر دل بہلائیں۔ مگر عورت گھر کی چار دیواری میں پردے کے اندر قید رہے نامحرم عورت بھی اندر نہ جا سکے کیا خوب۔ گویا ہم طوطے مینا کی طرح پنجرے میں بند رہ کر انکو میٹھی میٹھی بولیاں سناتے رہیں اور مرد ہم کو ایک خاص وقت پر خاص قاعدے سے دانا پانی دیں۔ اور اگر ممکن ہو سکے تو اس سے بھی چشم پوشی کر جائیں۔ سبحان اللہ کیا انصاف ہے۔ کیا امانتداری ہے۔

خالق دنیا نے پردہ آنکھوں کو اور پاکیزگی دل کو عطا فرمائی ہے۔ اور شرم و حیا کا مسکن نگاہ میں بنا دیا ہے۔ عورت کے پردے کی حد بس یہیں ختم ہو جاتی ہے

اگر دل پاکیزہ نہیں شرم و حیا آنکھوں سے دور ہے تو ہزار پردے اور وہ بھی موٹے موٹے ٹاٹ کے بےفائدہ ہیں۔ کیا ایسے موٹے موٹے پردوں میں سوراخ کرنے والے موجود نہیں ہیں۔ اور اگر دل پاک ہے۔ نگاہ میں شرم و حیا ہے تو یہ سارے پردے بیکار ہیں۔ اخلاق عورت کو بیشک پاکدامنی سکھاتا ہے۔ نہ کہ موٹا کپڑا پردے کی جگہ لٹک کر عصمت یابی تپائے گا۔ یہ ظاہری پردہ بالکل ناچیز ہے جبکہ باطن درست ہے۔ چونکہ عورتیں بہت دنوں سے پردے کی قید میں رہتی چلی آئی ہیں۔ اسلیے وہ بھی ملک چین کے پچاس سالہ قید کی طرح۔ اس قید کو ہی بہتر سمجھنے لگی ہیں۔ جس نے اُن کے اخلاق پر کمزوری کا الزام لگا یا صحت جسمانی کو اتنا بگاڑ دیا کہ میل بھر تک چل نہیں سکتیں۔ دنیا کی تازہ ہوا۔ سیر و تفریح سے علیحدہ محروم کر دیا۔ الٰہی خیر۔ پردا نہوا۔ وبال جان ہو گیا۔ یہ عورتوں کے اخلاق کی زبردست توہین ہے

درحقیقت یہ پردے کا شدید طوفان مردوں کی اخلاقی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ مردوں کو پردے کی حمایت کرتے ہوئے بے انتہا شرم آنی چاہیئے۔ کہ ہم ڈھٹائی سے پردے کی تاکید نہیں کرتے ہیں بلکہ اپنی اخلاقی کمزوری کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ مردوں کی طبیعت شکیہ زیادہ واقع ہوی ہے۔ اور اسیطرح وہ اپنے خیال کے بموجب عورتوں پر بھی قیاس دوڑاتے ہیں۔ مثل مشہور ہے آپ بھلا تو جگ بھلا۔ میرا خیال ہے کہ عورتوں میں فیصدی پچھتر ایسی نکلیں گی جنھوں نے اپنے خاوند کے علاوہ غیر مرد کا خیال۔ خواب میں بھی کبھی نہ کیا ہوگا۔ مگر مرد ذرا اپنے سینہ پر ہاتھ رکھکر ایمان سے کہدیں کہ اُن میں فیصدی کتنے ایسے نکلیں گے جنھوں نے اپنی زوجہ مشفقہ کے علاوہ کسی غیر عورت کو بری نگاہ سے نہ دیکھا ہو۔ پس عورتوں کی پاکیزہ خیالی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا۔ ایسے پاکیزہ دل اور خیال والے لطیف عنصر کو پردے کی قید میں رکھکر اسکی ساری خوبیوں کا ضائع کر دینا۔ مردوں کی ضرورت سے زیادہ عقلمندی کا کھلا ہوا ثبوت ہے

ورنہ عورتیں اصلیت میں پردے سے راضی نہیں۔ یوں منہ دیکھی بات۔ کسی خاص مرد کے دباؤ سے کہدیں تو کہدیں۔ میں نے اکثر موقع پر عورتوں کو بارکش گاڑیوں۔ پالکی گاڑیوں وغیرہ میں شہر سے باہر جاتے ہوئے دیکھا ہے اور آبادی سے دور جاکر وہ گاڑیوں سے اُتر جاتی ہیں اور پیدل چلتی ہیں۔ جس کی وہ مدت سے شائق تھیں۔ لیکن کمزوری کے باعث تھوڑی دور چل کر ہانپ جاتی ہیں۔ گو جی گاڑی میں بیٹھنے اور اس کے پردوں میں قید ہونے کو نہیں چاہتا مگر مجبور بیچاریاں کیا کریں۔

علاوہ مسلمانوں کے ہندوستان سے بڑے ملک میں اور قومیں بھی آباد ہیں لیکن ان کے ہاں پردے کا یہ زور شور نہیں ہے اور خوبصورتی بدصورتی سب قوموں میں پائی جاتی ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اُن کی عورتیں زیور عصمت و عفت سے عاری ہیں۔ علاوہ نیچ قوم کے۔ ہندوؤں۔ پارسیوں میں عموماً پردے کا نام و نشان نہیں۔ لیکن عصمت و عفت میں کہیں فرق نہیں آتا۔ مسلمانوں کے ہاں کی عورتیں کچھ خاص صفت نہیں۔ نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا سے زیادہ خوبصورتی انکے ہی حصے میں آئی ہے۔ پھر خوبصورتی کوئی عیب نہیں۔ اخلاق درست ہونے چاہئیں۔ نگاہ پاک بین ہو۔

مردوں کو لازم ہے کہ پہلے اپنے اخلاق درست کریں یہ اُس سے بہتر ہے کہ عورتوں کو پردے کی تاکید کریں۔

اُم یوسف

ریویو

ایک ناول بنام "دغا" ہمارے پاس ریویو کے لیے آیا ہے جسکو جناب قاضی محمد محمود صاحب حسینی انصاری ڈپٹی کریجویٹ نے تصنیف کیا ہے۔ ناول کا طرز بیان عام ناولوں سے بہت کچھ جداگانہ اور دلچسپ ہے۔ اسمیں بازاری عورتوں کی مکاریوں، بعض تقدس نما لوگوں کی ریاکاریوں کا پلاٹ پیش کیا گیا ہے۔ یہ ناول نمبر ۱۲۷۔امین آباد پارک لکھنؤ کے پتہ پر مصنف سے طلب کیا جا سکتا ہے۔ قیمت ۶؍ (تقطیع ۱۸-۲۲ صفحہ ۷۵)

حُسنِ سعادت

(۱)

جمیلہ نہایت سنجیدہ دور اندیش اور سمجھدار لڑکی تھی صورت شکل کے لحاظ سے خاندان میں امتیازی درجہ حاصل تھا اُس نے انھیں امورِ خانگی کی تربیت پائی تھی جو وضیع و شریف گھرانے کی رسم ہے سینے پرونے کھانے پکانے کے علاوہ انتظام تقریبات میں کامل دخل رکھتی تھی بُردباری اور سنجیدگی کا یہحال تھا کہ کمسنی ہی سے پڑوس کی عورتیں اور ہم عمر ہجولیاں پوراپورا ادب کرتی تھیں۔

گو ابھی ایوان ہستی کی سولھویں منزل سے شباب کے لہلہاتے ہوے باغ کی ولولہ انگیز و مسرت بخش ہوا کھا رہی تھی لیکن اُس نے اس موقع پر بھی اپنی متانت کا کافی ثبوت دیدیا تھا اور جس طرح اس سن میں فطرتاً شوخی شرارت پیدا ہوجایا کرتی ہے اُسمیں نام کو نہ تھی والدین نے چھوٹے سے سن میں اُسکی شادی قرابت داری میں کردی تھی جہاں طفلی کا زمانہ پابندی سے بسر کرنا پڑا۔

جمیلہ دوسری لڑکیوں کی طرح دوڑ دھوپ کے کھیلوں سے الگ رہتی اپنی سہیلیوں کو کھیلتے کودتے اور آپسمیں چہلیں کرتے دیکھتی تھی مگر خود شرکت نہ کرسکتی تھی کیونکہ اسکی خوشدامن کا مزاج بہت سخت واقع ہوا تھا۔

اگرچہ جمیلہ کو آئے دن تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ اپنی ساس کی ممنون احسان تھی کیونکہ اسکی ناگوار روک ٹوک نے جمیلہ میں صبر و تحمل کا مادہ پیدا کردیا اور وہ ان سختیوں کو نہایت [illegible] اور سکون سے برداشت کرنے کے قابل ہو گئی جمیلہ جوں جوں بڑھتی تھی اسکی ذات میں خوبیاں جمع ہوتی جاتی تھیں جوانی کے

پرکیف وپرفضا میدان میں قدم رکھکر اس نے تین باتوں کو اپنا فرض منصبی قرار دیا عبادت خدا، اطاعت شوہر، بزرگوں کی رضاجوئی۔
یہ جوہر ایسے تھے جنھوں نے ہر اپنے پرائے دل میں گھر کر لیا تھا خاندان کی چھوٹی بڑی عورتیں اسکی عزت وحرمت کرتیں اور اسکی خوشدامن کی بدمزاجیوں پر دل ہی دل میں نفرین کرتیں لیکن اس بات نے سب کو استعجاب میں ڈال رکھا تھا کہ باوجود بعض ہمسن لڑکیوں سے بے انتہا خلط ملط کے بھی جمیلہ نے اپنی غمخوار ساس کی شکایت نہ کی۔

(۲)

قیصر غیور شجاع اور خلیق لڑکا تھا اس نے زمان طفلی اور لڑکوں کے مانند کھیل کود کر بسر نہ کیا تھا بلکہ گرانبہا وقت تحصیل علم اور اچھی باتوں کے سیکھنے میں صرف کیا تھا اسمیں ان باتوں کی کافی صلاحیت موجود تھی جنکے سیکھنے سے انسان معراج ترقی کے حدود تک پہنچ جاتا ہے یہی وجہ تھی کہ چودہ برس کی عمر میں عربی فارسی سے فارغ التحصیل ہوکر علوم مغربی حاصل کرنے میں مشغول ہوا۔
قیصر کے والدین خدا کی دی ہوئی نعمت (قیصر) پر فخر ومباہات کرتے تھے جو درست بجا تھی انھوں نے اپنے ہونہار صاحبزادہ کا عقد چودہ برس کی عمر میں جمیلہ کے ساتھ کر دیا لیکن علوم مغربی کی جانب قیصر کی توجہ دیکھکر ایک اسکول میں نام لکھوا دیا جہاں تین چار برس پڑھنے کے بعد اس نے علیگڈھ جانے کا قصد ظاہر کیا۔
قیصر کا قاعدہ تھا جب اسکول سے واپس آتا تو ہاتھ منھ دھوکر دو ڈھائی میل پیدل چل کر تفریح کرتا اور چراغ جلے گھر واپس آکر کھانا کھاتا پھر کمرے میں بیٹھکر اپنی نیک نہاد مطیع بیوی سے خوش مزاجی کی گفتگو کرتا اسے جمیلہ کی بھولی

بھالی باتوں سے دلی مسرت حاصل ہوتی اکثر بارہ بارہ بجے رات تک اُسکی سادہ اور شیریں باتوں سے دل بہلایا کرتا۔

جمیلہ کی نیک اطواری نے قیصر کے دل پر پورا پورا قبضہ کرلیا تھا جسکی وجہ سے قیصر اسکی خوشی کا جویا رہتا تھا اُس نے اکثر والدہ کو اشاروں کنایوں میں سمجھایا کہ وہ بدمزاجیاں چھوڑدیں لیکن خلقی عادت نہ چھوٹنا تھا نہ چھوٹی اور قیصر تنگ ہوکر خاموش ہوگیا۔

قیصر کی عمر بیس برس کی ہوچکی تھی اسے صرف بی۔اے کا امتحان دینا باقی تھا جسکی ہوس دل کو بیچین رکھتی تھی لیکن ساتھ ہی یہ بھی خواہش تھی کہ علیگڈہ جاکر امتحان دیا جائے اُس نے کہہ سُنکر منت سماجت سے والدین کی اجازت حاصل کرلی تھی مگر علیگڈہ جانے کی کوئی تاریخ نہ مقرر کی تھی تاہم ہفتہ عشرہ میں ارادہ سفر تھا۔

تاریخ معین ہونے کا قوی سبب یہ تھا کہ قیصر جمیلہ کو ناخوش کرنا نہ چاہتا تھا اسے جو کام کرنا منظور ہوتا موقع محل دیکھکر جمیلہ سے صلاح و مشورہ کرتا اور بہ لطائف الحیل راضی کرلیتا اس بارۂ خاص میں جمیلہ سے گفتگو کرنے کا موقع نہ پاکر تاریخ روانگی کی نسبت قطعی فیصلہ نہ کیا تھا۔

(۳)

برسات کی سُہانی فصل ہے شام کا دلفریب منظر دیکھتا ہوا قیصر گھر آیا حسب معمول جمیلہ کو امور خانہ داری میں مصروف پاکر کمرے میں چلا گیا۔

یہاں کا فرش فروش اور سامان آرایش ایشیائی طرز کا تھا کمرے کی سجاوٹ میں اگرچہ اہتمام اور تکلف سے کام لیا تھا لیکن سادگی وضعداری کو فراموش نکیا تھا تختوں کے چوکے پر مکلف سفید چاندنی اور صدر میں اونی غالیچہ مع گاؤتکیہ کے موجود تھا

ایک ولایتی بڑا لیمپ مسند کے برابر روشن تھا۔

قیصر نے شیروانی اُتار کر کھونٹی پر ٹانگی اور الماری سے ایک اخلاقی کتاب نکال کر مطالعہ کرنے لگا اُسے ایک وحید روزگار حکیم کا یہ قول نہایت بھلا معلوم ہوا۔ علم و فن اگر فوائد عام کے لیے حاصل کیا جائے تو اصلی مسرتوں کا موجب ہے اُس نے بار بار اس عبارت کو پڑھا اور لوحِ دل پر کندہ کر لیا اخبارات میں اکثر لمبے چوڑے مفید عام مضامین لکھے دیکھے تھے لیکن تحقیق کرنے سے ثابت ہو گیا کہ اسکے لکھنے والوں میں بہت ایسے بھی ہیں جنکی مثال دورخی تصویر ہے کہ دوسروں کے واسطے ناصح مشفق ہیں مگر اپنے افعال شنیعہ کی خبر نہیں۔

جمیلہ کاموں سے فراغت پاکر کمرے میں داخل ہوئی اور قیصر سے مخاطب ہوکر بولی

جمیلہ۔ آج خلاف قاعدہ دیر تک کہاں رہے۔

قیصر۔ میں تو ٹھیک وقت پر آ گیا لیکن تمھیں ضرورت سے زیادہ کاموں میں مشغول رہنا پڑا شاید کوئی نیا گُل کھلا۔

جمیلہ۔ تم ان باتوں کا خیال ترک کردو امی جان ہماری سرتاج ہیں جو جا ہے کہیں اُنکا کچھ فرمانا ہماری عین عزت کا باعث ہے رنج صرف اس بات کا ہوتا ہے کہ غصہ کرنے سے انھیں تکلیف پہنچتی ہے جو ضعیفی میں خطرے سے خالی نہیں۔

قیصر۔ شاباش تمھاری ہمت اور فرمانبرداری پر سچ کہتا ہوں مجھے انکا خواہ مخواہ ناراض ہونا ناگوار گذرتا ہے ہر مرتبہ جواب دینے کا قصد کرتا ہوں لیکن اُنکے حقوق زبان بند کر دیتے ہیں۔

جمیلہ۔ دانتوں میں اُنگلی دبا کر افسوس کوئی خورد بزرگوں کی نسبت ایسا قصد کرتا ہے تمھارے اس خلاف تہذیب خیال نے مجھے نہایت صدمہ پہنچایا آیندہ ہیلفظ کہنا

قیصر۔ ندامت سے واقعی میری زبان سے ایسا فقرہ نکلگیا جو ناخوانی کا پہلو لئے تھا لیکن انسان بھول چوک سے خالی نہیں خطائیں ہو جایا کرتی ہیں مگر ارباب اخلاق ازراہ مروت معاف کرتے ہیں۔

جمیلہ قیصر کو شرمندہ دیکھکر خاموش ہو رہی کسی طرح گوارا نہوا کو قیصر کو باربار غلطی یاد دلاکر افسردہ کرے اسلیے تھوڑے سکوت کے بعد گفتگو کا رخ بدل کر کہا۔

جمیلہ۔ آج ابھی تک تمھیں بھوک نہیں معلوم ہوی نو بجا چاہتے ہیں پھر سبق کب یاد ہوگا۔

قیصر۔ تمھاری باتوں میں نہ کہہ سکا حالانکہ آج سویرے سے اشتہا تھی۔

جمیلہ نے ماما کو پکار کر کھانا لانے کا حکم دیا تھوڑی دیر بعد دسترخوان چُنا گیا دونوں میاں بیوی نے ساتھ نوش جان کیا کھانے سے فراغت کرکے ہاتھ منھ دھوئے پھر دونوں کتابیں لے کر روشنی کے پاس بیٹھے گیارہ بجے رات تک مطالعہ جاری رہا ادھر گھڑی نے گیارہ بجائے اُدھر دونوں اپنے اپنے پلنگ پر دراز ہوئے حسن اتفاق سے آج دونوں کی آنکھوں سے نیند اُڑ گئی لاکھ لاکھ کوشش کی بن کے پلٹے کروٹیں بدلیں مگر خواب کا کاہے کو سراغ ملتا نہ تھا بارہ بج گئے رات بھیگنے لگی چوکیداروں کی بھیانک صدائیں (جاگتے رہو کھنکھارتے رہو) سکوت کی فضا میں گونجنے لگیں مگر ان دونوں کو نیند نہ آئی قیصر آنکھیں کھولکر آیندہ تحصیل علم کی نسبت غور کرنے لگا اسے یاد آگیا کہ آج بھی جمیلہ سے علیگڑھ جانے کا تذکرہ کرنا بھول گیا اتنے میں جمیلہ نے کروٹ بدلی۔

قیصر۔ آہستہ سے۔ کیا سو رہی ہو۔

جمیلہ۔ آج نیند اُچٹ گئی جب سے پڑی کروٹیں بدل رہی ہوں تم تو سو گئے تھے۔

قیصر۔ عجب اتفاق ہے میرا بھی بالکل یہی حال ہے نیند کے خیال میں آنکھیں

بند کیے لیٹا رہا مگر غنودگی تک نہ آئی آخر چپ پڑے پڑے دل گھبرانے لگا۔
جمیلہ۔ اکثر رات کو خاموشی میں اُلجھن ہونے لگتی ہے باتیں کرو طبیعت بہل جائیگی
قیصر۔ تم سے ایک بارہ خاص میں رائے لینا ہے کئی روز سے قصد تھا لیکن کہہ نہ سکا۔
جمیلہ۔ کہو جو میری سمجھ میں آئے گا ظاہر کردوں گی۔
قیصر۔ میرا قصد ہے وکالت پڑھوں۔
جمیلہ۔ نہایت پاکیزہ خیال ہے۔
قیصر۔ لیکن پہلے بی۔اے کی ڈگری حاصل کرنا ہوگی۔
جمیلہ۔ پھر مانع کون ہے۔
قیصر۔ تمھاری جُدائی۔
جمیلہ۔ کیا باہر جانا ہوگا۔
قیصر۔ ہاں قصد ہے علیگڈھ جاکر امتحان دوں۔
جمیلہ۔ اگرچہ تمھارے جانے سے بیحد ملال ہوگا طبیعت پریشان رہے گی لیکن میں ان جملہ مشکلوں میں صبر سے کام لوں گی تم شوق سے جاؤ ہاں روز روز اپنی خیریت سے اطلاع دیتے رہنا۔
قیصر۔ مجھے بھی مفارقت شاق ہے مگر دنیا میں رہ کر کچھ بن نہیں پڑتا ابا جان اور اماں جان سے تو پہلے ہی اجازت حاصل کرچکا صرف تم سے دریافت کرنا باقی تھا انشاءاللہ اسی ہفتہ میں تیاری کرکے چلا جاؤں گا البتہ وہاں کے قیام میں دھڑکا لگا رہے گا اماں جان یوں ہی تم سے لڑا جھگڑا کرتی ہیں میرے جانے کے بعد تو خدا جانے کیا کچھ نہ کریں
جمیلہ۔ تمھیں ان باتوں سے کیا سروکار جیسا ہوگا سمجھ لوں گی تم سدھارو۔

(باقی آئندہ)

مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(بسلسلہ اشاعت سابق)

جس طرح امرؤالقیس نے سب سے پہلا نمبر ان مشاعروں میں لیا ہے اور سب سے پہلے کامیابی کا سہرا امرؤالقیس کے سر رہا اسی طرح امرؤالقیس کے بعد طبقۂ اولے کے مشاہیر شعراسے عمرو یا ابوعمرو (باختلاف آراے مورخین) ابن عبد ابن سفیان ابن حرملہ الملقب بطرفہ ہے امرؤالقیس کے بعد جسکی فصاحت و بلاغت کو تمام فصحاے عرب نے تسلیم کیا یعنی یہ اسی کا کلیجہ تھا ورنہ امرؤالقیس کے قصیدہ کے مقابل میں خانۂ کعبہ پر شعراء عرب سے کسی کی مجال نہ تھی جو اپنا قصیدہ لٹکا سکتا۔

عمرو ابن عبد بن سفیان بن حرملہ قبیلۂ بکر بن وائل سے تھا اور جریر بن عبد المسیح الملقب بمتلمس کی بہن کا بیٹا تھا اور بعض مورخین نے اسکی تشریح نسب یوں کی ہے طرفہ بن عبد بن سُفیان بن سعد بن مالک بن ضبیّہ بن قیس بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل بن قاسط بن ہنب بن اقصی بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان۔ مورخ آمدی لکھتا ہے اس نام کے یعنی طرفہ کے چار شخص شعراء عرب سے گذرے ہیں چنانچہ پہلا یہ شخص ہے جسکا ذکر ہم کر رہے ہیں اور دوسرا طرفہ بن الآءۃ بن نضلہ بن منذر بن سلمی بن جندل بن نہشل بن دارم ہے اور تیسرا طرفۃ الجزمی ہے قبیلہ جذیمہ عبسی سے اور چوتھا طرفۃ اخو قبیلہ بن عامر بن ربیع سے۔ میرا خیال ہے کہ یہی نام کے مشارکت کی وجہ سے بعض شارحین دھوکا کھا گئے۔

طرفہ کی عمر بعض مورخین ۲۶۔ اور بعض بیس سال کی لکھتے ہیں لیکن

البستانی کے نزدیک صحیح روایت ۲۶ کی ہے یہی مورخ لکھتا ہے کہ اتنی سی عمر میں طرفہ نے کمالات شاعری اسقدر حاصل کیے تھے جسکو لوگ طولانی مدتوں میں عمر کی بھی نہیں حاصل کرسکتے تھے مورخین کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہجو لکھنے میں اپنی قوم اور دوسری قوموں کی بہت جری اور نڈر تھا اور نہایت تعجب میں ڈالنے والی طبیعت رکھتا تھا۔ ۲۰ یا ۲۶ برس کی عمر میں یہ قتل کیا گیا اور اسکا واقعہ قتل یہ ہے جسکو زوزنی نے مفضل بن محمد بن یعلی الضبی سے معلوم کیا ہے وہ کہتا ہے کہ طرفہ بہت بڑے خانوادہ کا شخص تھا اور بہت بزرگ نسب تھا اور اسکی بہن کا عقد عبد عمرو ابن بشر بن عمرو ابن مرثد بن سعد ابن مالک بن ضبیعہ بن قیس سے ہوا تھا یہ شخص سرواں اہل زمانہ سے تھا اور علی بن ہند ملک حیرہ اسکی بہت عزت و بزرگی کرتا تھا ایک دن ہمشیرہ طرفہ نے اپنے شوہر کی شکایت طرفہ سے کی طرفہ نے اپنی بہن کی شکایت پر عبد عمرو کی ہجو کہڈالی اتفاق سے یہ ہجو عمرو بن ہند الملک کے پاس بھی پہنچ گئی ایک روز اتفاقیہ عمرو بن ہند الملک شکار کے قصد سے نکلا اور اسکے ساتھ عبد عمرو تھا ایک بچہ پاسے پر عمرو بن ہند الملک نے ایک تیر مارا اور وہ گرا ملک نے عبد عمرو سے کہا کہ اپنی سواری سے اُترکر اسکو ذبح کر عبد عمرو اُترا لیکن ذبح کرنے میں اُسکا پیٹ دیکھکر ملک ہنسا اور کہنے لگا کہ کچھ تجھکو خبر بھی ہے گویا تجھکو طرفہ دیکھ دیکھکر تیری ہجو پڑھ رہا ہے جو اُس نے تیرے متعلق کہی ہے اسی کے ساتھ ملک نے اسکی ہجو میں وہ شعر بھی ملا دیے جو طرفہ نے خود ملک کی ہجو میں کہے تھے جب وہ تمام اشعار پڑھ چکا تو عبد عمرو کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ کچھ سُنا تو نے کہ طرفہ تیرے متعلق کیا کہہ رہا ہے یہ سُن کے عبد عمرو نے کہا کہ واہ واہ آپ نے اپنی ہجو بھی میری ہجو میں ملا دی کیا آپ انکار کرتے ہیں اُس ہجو سے جو طرفہ نے آپ کے متعلق لکھی ہے حالانکہ وہ میری

ﻪ یہ مولف دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا ہے)

ہجو سے زیادہ سخت ہے کچھ ان باتوں کا خاص اثر ایسا ملک پر پڑا کہ اس نے ایک نامہ گورنر بحرین کے نام لکھا جسکا نام معلّے اور قبیلہ بنی قیس سے تھا کہ تو طرفہ کو قتل کر ڈال لیکن ملک کو اہل دربار نے مشورہ دیا کہ ایسا غضب نہ کرنا کہ تنہا طرفہ کو قتل کر ڈالنا ورنہ متلمس اُسکا ماموں ایک تجربہ کار اور مشّاق شاعر ہے غضب ہی کی ہجو لکھے گا اور اسکے علاوہ وہ بڑے قبیلہ کا شخص یعنی قبیلہ بنی ضبیعہ سے ہی یہ مشورہ ملک کے بھی سمجھ میں آگیا اور اُس نے عنوان قتل بدلا ایک شخص کو طرفہ اور متلمس کے لینے کو بھیجا جب یہ دونوں آگئے تو اس نے دو خط گورنر بحرین کے نام لکھکر دیے اور اُسمیں لکھا تھا کہ جبتک دونوں تمھارے پاس آئیں تو انھیں قتل کرنا چلتے وقت کچھ ہدایا دیے کہ یہ ہماری طرف سے گورنر بحرین کو دیدینا اور طرفہ اور متلمس کو نہایت اطمینان دلایا کہ جب تم لوگ وہاں جاؤ گے تو وہ تمھارا بہت اعزاز و احترام کرے گا اور با کرام و عطایا پیش آئے گا حسب الحکم یہ لوگ روانہ ہوئے اور ارض خیرہ پر پہنچ گئے متلمس نے طرفہ سے کہا کہ ملک نے جو ہم کو خط دیے ہیں گورنر بحرین کے نام اسکے مضمون سے ہم تم واقف نہیں بھئی میں تو مشکوک ہوں اور بڑی غلطی ہے بغیر دیکھے اور سمجھے ہوئے گورنر کے پاس جانا طرفہ چونکہ ناتجربہ کار اور کمسن تھا اس لیے اس نے جواب دیا کہ یہ تمھاری بدگمانی ہے جو کچھ ہم سے ملک نے کہا ہے گورنر بحرین وہی ہمارے ساتھ برتاؤ کرے گا اور اگر اسکے خلاف کریگا تو پلٹ چلیں گے لیکن متلمس کا دل اس بات پر راضی نہیں ہوا اور اس نے اپنے خط کی مُہر توڑ ڈالی تھوڑی دور بڑھکر ایک لڑکا اہل بحرین سے ملا اُس سے متلمس نے پوچھا کہ تم کچھ پڑھنا جانتے ہو اُس نے کہا کہ ہاں متلمس نے کہا کہ اچھا اس خط کو تو پڑھو کہ اسمیں کیا لکھا ہے اس لڑکے نے جسکا نام نجاہ تھا اُس خط کو دیکھکر پوچھا کہ کیا تیرا ہی نام متلمس ہے اس نے جواب دیا کہ ہاں اس لڑکے نے کہا کہ تیرے قتل کا حکم عمرو ابن

ہند الملک کی جانب سے گورنر بحرین کے نام لکھا ہوا ہے یہ سُن کے متلمس نے وہ خط لے کے دریا میں پھینکدیا اور ہجو ملک میں شعر پڑھنے لگا اور طرفہ سے کہا کہ قسم خدا کی یہی حکم تیرے خط میں بھی ہے لیکن طرفہ نے کہا کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا یہ حکم صرف تیرے ہی لیے تھا متلمس تو چلا گیا اور طرفہ گورنر بحرین کے پاس پہنچ گیا اور وہ خط گورنر بحرین کو دے ہی دیا گورنر بحرین نے اُس خط کو لے کر طرفہ سے کہا کہ تو ایک بزرگ حسب وخاندان کا شخص ہے اور میرے تیرے درمیان مدتوں سے سلسلہ برادرانہ وقرابت ہے اس خط میں تیرے قتل کا حکم ہے تو چلا جا جلد سے جلد جب تو چلا جائے گا تو میں اس خط کو پڑھوں گا اُسوقت مجھپر تیرے نہ قتل کرنے کا کوئی الزام بھی نہیں عاید ہوگا اور تیری جان بھی بچ جائے گی لیکن جب اسکو پڑھ لوں گا تو مجبور ہوں گا مگر طرفہ نے اسے منظور نہیں کیا یہانتک کہ ایک شخص کے ہاتھوں سے جو بنی قیس سے تھا شراب پلا کر قتل کیا گیا - اور عتبی نے اس کے قتل کی دوسری وجہ لکھی ہے وہ لکھتا ہے ایک دن صحبت شراب گرم تھی عمرو بن ہند الملک کے یہاں اور طرفہ بھی موجود تھا کہ عمرو بن ہند الملک کی بہن اتفاقیہ اسکے پس پشت آ گئی اُسکے چہرے کا عکس طرفہ کے جام میں جو پڑا تو طرفہ نے عشق میں ڈوبا ہوا ایک شعر پڑھا جو سوء ادب کا پہلو لیے ہوئے تھا اور اسی سبب سے عمرو بن ہند الملک نے اسکو قتل کرا ڈالا صورتِ قتل میں بھی اختلاف ہے جسکو مورخین لکھتے ہیں چنانچہ ایک روایت یہ ہے کہ گورنر بحرین کو جب اس ہند الملک کا نامہ دیا ہے تو اُس نے اُس سے دریافت کیا کہ تو جس صورت کو پسند کرے اُسی طرح تجھے قتل کروں طرفہ نے کہا کہ مجکو شراب پلا دے اور جب مخمور ہو جاؤں تو میری ہفت اندام کی فصد کھلوا دے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ بحرین میں دفن کر دیا گیا -

اور ابستانی صاحب دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) اسکا سبب قتل یون لکھتے ہیں کہ ایک روز صحبت ملک میں طرفہ شراب پی کر اسکے سامنے سے اکڑتا ہوا چلا ملک چونکہ بالکل ایک خشک آدمی تھا اور ہیبت وجبروت کا شخص تھا نہ کبھی ہنستا تھا اور نہ مسکراتا تھا اس نے یہ حرکت طرفہ کی بہت بری نظر سے دیکھی اور قریب تھا کہ نکلوا دے نکلوایا تو نہیں لیکن اس بدتہذیبی کا اثر ضرور لیا۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ نہیں اسوجہ سے اسکو غصہ آگیا کہ ملک کی بہن طرفہ کے پس پشت تھی اُسکو دیکھکر طرفہ نے خلاف شان شعر پڑھا اور یہی موجب قتل ہوا اور ابستانی لکھتا ہے کہ ملک نے گورنر بحرین وعمان کو لکھا کہ جسوقت یہ خط تم کو ملے اور یہ لوگ پہنچیں تو ان کے دست و پا قطع کرکے زندہ دفن کردینا تو متلمس تو راستے ہی سے چلا گیا لیکن طرفہ اسی طرح سے قتل کیا گیا کہ دست و پا قطع کرکے زندہ دفن کردیا گیا۔

اور بعضون نے لکھا ہے کہ گورنر بحرین وعمان اُس زمانے میں ربیعہ ابن الحرث تھا اور چونکہ طرفہ اُسکی بھانجی کا رشتہ میں لڑکا ہوتا تھا اس وجہ سے اُس نے اسکے قتل سے انکار کردیا تو عمرو بن ہند الملک نے ایک شخص کو تغلب سے بھیجا کہ وہ جاکر طرفہ اور گورنر بحرین دونوں کو قتل کرے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

افسوس ہے طرفہ کے قتل ہونے پر اسمیں شک نہیں کہ طرفہ اپنے عہد کے اکمل افراد سے تھا زمانہ ایسے فردوں کو مٹاکے ہرچند کہ اُن کی نظیریں پیدا نہیں کرسکتا لیکن پھر کچھ نہیں محسوس کرتا۔ میرے خیال میں جلال الدین عرفی اور طرفہ یہ دونوں شاعر دنیا میں ایسے گذرے ہیں کہ جن کے اس کمسنی میں کمالات اس پایہ پر پہنچ گئے تھے کہ دنیا اور دنیا والے اُن وصفوں کے حاصل کرنے میں تھک تھک کر رہ گئے انکے کمالات بلکہ خرق عادات شاعری جریدۂ عالم پر ابدالآباد تک زبردست حرفوں سے کندہ رہے گی اور آنے والی دنیا ہمیشہ ایک نیا عبرت کا سبق حاصل کرتی رہے گی عرفی

ستائیس برس کی عمر میں شاہزادہ سلیم کی غلط فہمیوں سے قتل کیا گیا لیکن زندگی میں بھی فدائے سخن تھا اور مرکے بھی فدائے سخن رہا نہ میں فارس کا کلیجہ ابھی تک عرفی کے غم میں شق ہے اور رہے گا۔ اور طرفہ کو ملک نے چھبیس برس کی عمر میں یا بیس برس کی عمر میں قتل کرا یا لیکن باوجود اس کمسنی کے اسوقت تک اہل نعت اُسکے دیوان سے استشہاد و سند پیش کرتے ہیں۔ چونکہ مضمون طولانی ہوگیا ہے اسوجہ سے میں اسکے قصیدے کی تنقید کو افسوس کے ساتھ ترک کرتا ہوں صرف اسکے قصیدے کا ایک مطلع ناظرین "تمدن" کی دلچسپی کے لیے پیش کرتا ہوں یہ قصیدہ بحر طویل میں ہے قافیہ متدارک ہے ایکسوچھ یا ایکسوسات شعر کا قصیدہ ہے اور اسکی تشبیب عشق ہرہ اور خولہ اور ہند اور سلمٰی میں ہے اور کبھی خولہ کو حنظلہ سے بھی خطاب کیا ہے قبیلہ کی طرف منسوب کرکے۔ اس قصیدے میں طرفہ نے اپنے گذرے ہوئے افسانوں پر بھی روشنی ڈالی ہے اور شرابخواری اور حسن پرستی اور مغنیہ عورتوں کے ساتھ عشق و محبت پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔

لخولة اطلال ببرقة ثهمد تلوح كباقي الوشم في ظاهر اليد

یعنی خولہ کے نشان مکان اُس زمین پر ہیں جہاں کی خاک سنگریزوں اور پتھر سے مخلوط ہے اور وہ جگہ موضع ثہمد میں واقع ہے اور وہ نشان مثل اُس باقی ماندہ گودنے کے ہیں جو پشت دست پر محبوبوں کے چمکتا ہے اس ایک تشبیہ کی نزاکت پر پتہ دیگی سخن سنج ارباب نظر کو کہ ہم کس بیچین دل و دماغ کی ندرت تخیل کا ثمر ہیں طرفہ کی اس تخیل سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ گودنا گدوانا عرب کی عورتوں کا بڑا اتا وصف اور قدیم رواج ہے لیکن ہمارے ہندوستان میں یہ رسم طبقہ اہل ہنود سے مخصوص سمجھی جاتی ہے۔ (باقی آیندہ)

آشفتہ لکھنوی

مسلمانوں کے پہلی صدی کے طبی کارنامے

(بسلسلۂ اشاعت سابق)

خالد کے مسند نشین نہونے کے متعلق مشہور ہے اور قرین قیاس بھی ہے کہ اسی علمی انہماک کی وجہ سے معاویہ بن یزید خلیفہ قرار پایا اور خالد بن یزید مسند خلافت سے محروم[1] رہا۔ خالد کے لیے یزید ہی کے عہد حکومت میں دوسری اقوام کے علوم عربی میں نقل ہونے شروع ہوگئے چنانچہ رومی زبان سے طبی اور کیمیاوی کتابیں عربی میں نقل کرنے کے لیے حکیم اسیفانوس کو ملازم رکھا گیا مگر افسوس اسکی ترجمہ کتابیں آج پردۂ عالم میں ع دیدی کہ چہ کردست بما چرخ جفاجو مروان بھی علم دوستی کا دامن اپنے ہاتھ سے نچھوڑ سکا، اگرچہ اسکے عہد میں ایک طرف خون کا دریا بہتا تھا تو دوسری طرف علم کا بھی اسکے پائے تخت سے نکل کر دنیا میں بہا۔ تیاذوق مروان ہی کے زمانے کا طبیب ہے، جسکے بہت سے شاگرد بنی عباس کے وقت میں آسمان طب کے چاند اور سورج بن کر چمکے۔ فرات بن سخیا شا طبیب عیسٰے بن موسٰی اسی کے شاگرد تھے۔ تیاذوق حجاج بن یوسف ثقفی کے خاص اطبا میں سے تھا حکیم ماسرجیس (یا ماسرجویہ) اسرائیلی بھی مروانی اطبا میں سے تھا حکیم ماسرجویہ محض ایک طبیب یا حکیم نہ تھا بلکہ ایک کامل ادیب اور اچھا مؤرخ بھی تھا۔ یہ حکیم اسلامی اطبا سے پہلا طبیب ہے جس نے فن طب میں چند کتابیں بھی تالیف کیں اسکی ایک کتاب قوی الاطعمہ ومنافعہا ومضارہا ہے اس کتاب میں انسان کی روزانہ خوراک اور اسکے تاثیرات سے بحث کی ہے دوسری کتاب قوی العقاقیر ومنافعہا ومضارہا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ دونوں کتابیں ...

---

[1] جرجی زیدان اڈیٹر الہلال مصر نے اپنی کتاب آداب اللغۃ العربیہ میں یہاں ایک عجیب غلط بیانی سے کام لیا ہے لکھتا ہے کہ جب خالد نے تمام کوششوں کے بعد یہ دیکھا کہ اب میں کسی مسند خلافت نہیں پا سکتا تو علوم کی طرف متوجہ ہوگیا۔ یہ بیں تفاوت رہ از کجا ست تا بہ کجا۔

ہو چکی ہیں، تیسری کتاب کا نام کناش (مخزن الادویہ) ہے سنہ ۹۹ھ میں یہ کتاب کسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ کو ملی، چالیس روز تک اپنے مصلے کے تلے رہنے دیا، جب ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ کتاب حقیقۃً مفید ہے تو منظر عام پر لا کر اسے شائع کر دیا۔ بعض مورخین کو دھوکا ہوا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ حکیم خود خلیفہ خامس یعنی حضرت عمر بن عبد العزیز کے وقت کا تھا[۱]

فرات بن سخیاثا یہودی بھی مروانی طبیب تھا، حجاج بن یوسف ثقفی کے خاص اطباء سے تھا آخری عمر میں طبیب عیسےٰ بن موسیٰ کی ملازمت کر لی جو بنی عباس کا ایک مشہور طبیب تھا اور اُسکا اُستاد بھائی۔

جب عبد الملک بن مروان کا زمانہ آتا ہے تو ایک طرف مروانی اطباء کی صورت نظر آتی ہے اور دوسری طرف ہم دوا اور طبیبوں کو عزت و احترام کی مسند پر ان کے دوش بدوش بیٹھا پاتے ہیں تو ذوکس اور ثوذون عبد الملک ابن مروان کے خاص اطبا تھے۔

اگرچہ ولید بن عبد الملک کے دربار میں کسی مشہور طبیب کا داخلہ نہ ہوا اگر پھر بھی ہم اسے طب کی خدمت سے کنارہ کش نہیں پاتے۔ ولید مسلمانوں کا پہلا بادشاہ ہے جس نے ایک عظیم الشان شفاخانہ بنوایا جس میں مریضوں کے ہر قسم کے آرام کا خیال رکھا گیا تھا۔

پہلی صدی کے آخری بادشاہ خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے باوجودیکہ آپ نے

---

[۱] عمر بن عبد العزیز نے چالیس روز تک اپنے مصلے کے تلے رکھا تاکہ دیکھ بھال لیں کہ کہیں کسی اناڑی کی تالیف تو نہیں ہے اسکو جرجی زیدان یوں بیان کرتا ہے کہ بہتوں نے اس کتاب کے شائع ہونے پر زور دیا مگر پھر بھی وہ چالیس روز تک استخارہ دیکھتے رہے آخر کار دیکھ دیا، شائع کرنا پڑی۔ تعجب ہے کہ معزز مورخ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ کہ مدت استخارہ صرف تین دن ہے۔

صرف دو برس پانچ مہینہ خلافت کی اور تمام عمر علوم دینیہ کی تحصیل اور مدون کرانے میں گذری مگر پھر بھی خدمت طب سے دست کش نہو سکے کناش تیاذوق کے آپ نے کئی نسخے نقل کرانے اور مسلمانوں میں تقسیم کرا دیے۔ اس طرح سے وہ کتاب مدت تک محفوظ رہی اب لا پتہ ہے۔

اگرچہ آپ کے دربار میں کسی طبیب کا داخلہ نہوا مگر خلافت سے پہلے آپ ایک بہترین کام انجام دیچکے تھے یعنی جس زمانے میں آپ اپنے والد کے ساتھ اسکندریہ میں تھے آپ نے حکیم عبدالملک بن بحر کنانی کو جو دارالعلوم اسکندریہ میں علوم عقلیہ کا پروفیسر تھا مسلمان کر کے حکمائے اسلام کے رشتہ میں منسلک کر دیا۔

حکیم یحییٰ نحوی۔ حکیم اولیطراوس۔ حکیم اریباسوس وغیرہ اسی پہلی صدی کے جواہر ہیں مگر ہم نے انکا ذکر اس لیے چھوڑ دیا کہ ان میں کوئی نہ مسلمان تھا نہ سلطنت اسلامیہ سے تعلق رکھتا تھا۔ حضرت عمرو بن عاص فاتح مصر یحییٰ نحوی سے غالباً اسی لیے بہت ملتے جلتے تھے کہ وہ ایک فن کا استاد تھا۔

یہ دیکھنے کے بعد کہ حضرت رسول صلعم کے بعد سے سنہ یعنی پہلی صدی کے آخری بادشاہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد تک کوئی زمانہ ایسا نہ گذرا جسمیں مسلمانوں نے علم کی خدمت انجام نہ دی ہو اسی سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کا دامن علوم وفنون کے جواہرات سے ہمیشہ بھرا رہا۔ مگر رونا اب یہ ہے کہ ہم نے غیر اقوام کے علوم سے فائدہ اُٹھانا شرک عظیم سمجھ لیا ہے ؎

ہماری خانہ بربادی کا باعث ایک یہ بھی ہے
کہ ہم نے پھول کے پتے ہوا میں سب اُڑا دیے

جلال ندوی

ابوالفیض فیضی

(بسلسلۂ اشاعت سابق)

فیضی جب اکبر کے دربار میں باریاب ہوا۔ تو اسوقت ایک قصیدہ پڑھا جس سے اسکے فضل وکمال اور اسکے شاعرانہ تفوق کا پورا پتہ چلتا ہے۔ کمال شاعری کے ساتھ اس میں فلسفہ وحکمت کی نشانیاں بھی موجود ہیں۔ تقریباً دوسو شعر کا قصیدہ ہے۔ شاہی دربار میں جاتے ہوئے رستے ہی میں کہتا گیا تھا۔ پے بہ پے آنے والے مصائب کے اثر سے وہ بھرا تھا۔ اسلیے اسمیں اپنی تمام مصیبتوں اور تکلیفوں کا اظہار بھی کیا ہے۔ بوشاہی سواروں کے آنے پر گھر میں جو پریشانی اور گھبراہٹ پیدا ہوئی، اور خود اسکی طبیعت کو جو اضطراب ہوا تھا قصیدہ میں یہ تمام باتیں نہایت لطف بیان اور حسن ادا سے بیان کی ہیں الفاظ کی پاکیزگی، بندش کی چستی، خیالات کی بلند پروازی، طرز ادا کی جدت، زبان کی سلاست یہی چیزیں ایوان قصیدہ کے نقش ونگار ہیں۔ ارباب ذوق خود اسکا فیصلہ کرسکتے ہیں کہ فیضی ان باتوں میں کہانتک کامیاب ہوا ہے، اتنے بڑے قصیدے میں ترکیب اور محاورات اہل زبان کے تتبع سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹا۔ میں یہاں اس قصیدے کے جستہ جستہ مقامات سے اشعار نقل کردیتا ہوں۔

مطلع

سحر نوید رسان قاصد سلیمانی | رسید ہمچو سعادت کشادہ پیشانی
مبشران سعادت نداکناں کہ بخواں | نجات نامۂ خود اے حزین زندانی
مرا نظارہ اش از دور بیقراری داد | چہ بیقراری باصد قرار ارزانی
شدم سوار سبک گام توسنے چالاک | کہ گردے از سر دانش سپہر جولانی

خبر بہ بارگہ شہریار شد کاینک | رسید بر در فردوس مرغ بستانی
فروغ بخش شبستان ہند اکبرشاہ | چراغ بارگہ دولت تمرخانی
خطاب شد کہ تلطف کناں رسانندش | بہ آسمان سعادت ز تیرہ ظلمانی
نخست بوسہ زدم خاک آستان ہمے | بہ چشمہ سار رساندم شفاہ عطشانی

ایک جگہ پر اپنی پریشانی اور مصیبت کا اظہار کرتا ہے، موقع موقع سے اپنے دشمنوں اور حاسدوں کے خرمن رشک وحسد میں آگ بھی لگاتا جاتا ہے۔

ازاں زماں چہ نویسم کہ بود بے آرام | سفینۂ دلم از موج خیز طوفانی
گہے چو وہم سراسیمہ گز کدام دلیل | برم ظنون و شکوک از علوم ایقانی
چرا بود متخالف رسوم اسلامی | چرا بود متشابہ حروف فرقانی
زباں کشیدہ بدار القضائے عجب وریا | شہود کذب ز دعوئے گران ایمانی
اگر حقیقتِ اسلام در جہاں اینست | ہزار خندۂ کفرست بر مسلمانی

تھوڑے ہی دنوں میں فیضی نے اپنی ظرافت طبع، شگفتہ مزاجی اور خوش بیانی کے باعث اکبر کے دل میں گھر کرلیا۔ یہاں تک کہ سفر اور حضر کسی حال میں بھی اکبر کو اسکی علٰحدگی گوارا نہ تھی۔ کچھ دن گذرے کہ شیخ ابوالفضل بھی دربار میں بلائے گئے ان دونوں بھائیوں نے اپنا رسوخ اتنا بڑھا لیا کہ امور سلطنت میں سے کوئی کام انکے مشورے بغیر انجام نہ پاتا تھا رفتہ رفتہ ابوالفضل کو جو رتبہ دربار اکبری میں ملا وہ سب کو معلوم ہے۔ فیضی نے کوئی ملکی و مالی خدمت اگرچہ اپنے ذمہ نہ لی۔ کشور معانی کی تاجداری کو ان ظاہری جاہ ومناصب پر ترجیح دی۔ مگر پھر بھی یہ حالت تھی کہ مہمات سلطنت کے جزوی جزوی مسئلے اسکی رائے پر موقوف رہا کرتے تھے

(باقی آیندہ)

بیتمورخان
لب
ابوالحسنات ندوی اشرفپوری

غزلیات

حضرت محشر لکھنوی

سکوں ہوتا تھا فرقت میں جو تیرا نام آتا تھا
نہ ہنسنا کام آتا تھا نہ رونا کام آتا تھا

ہمیں اس چھیڑ نے چارہ گروں کی اور بھی مارا
کہ تشخیص مرض کے وقت تیرا نام آتا تھا

ٹپاٹپ اشک یوں گرتے تھے تا آرے صبح پیش
کسی بیمارِ غم کو جب خیالِ شام آتا تھا

شبِ فرقت کی باتیں دل میں رکھنا ہی مناسب ہے
نہ پوچھو کون سے پہلو ہمیں آرام آتا تھا

دلِ عشاق کی قدر انکو کیا جو دل نہ رکھتے ہوں
وہ ناکارہ سہی پھر بھی ہمارے کام آتا تھا

کسی ہمدرد سے رمزِ وفا کہیے تو کیا کہیے
زباں پر پیشتر سب کے تمہارا نام آتا تھا

جفائے دوست کی ایذا پہ خاموشی ہی بہتر تھی
مری فریاد سے میرے ہی سر الزام آتا تھا

نثار اس شوق کے چھا جائے جس سے مردنی منہ پر
لہو جب سوکھ لیتا تھا تو مجھ تک جام آتا تھا

در و دیوار پر تاثیر سے بن جاتی تھیں شکلیں
فغاں کرتا جدھر سے آپ کا بدنام آتا تھا

کھڑے ہیں دم بخود یہ پوچھنے کو حشر میں محشر
وہ گھڑیاں کتنی تھیں جب عشق میں آرام آتا تھا

حضرت صفی لکھنوی

ستم کش آپ کے اس ڈر سے زہر کھا نہ سکے
یہی کہے گا زمانہ کہ ناز اٹھا نہ سکے

کھلے حسام کے جوہر نہ جاں نثاروں کے
وہ تیغ فرط نزاکت سے آزما نہ سکے

خموش بیٹھ جہاں بیٹھ مثل نقش قدم
کہ تجھکو تیری جگہ سے کوئی اٹھا نہ سکے

فرو ہوئی نہ حرارت جگر کی رونے سے
لگی ہے آگ کچھ ایسی کہ ہم بجھا نہ سکے

نکل ہی جائے گا خاطر سے رفتہ رفتہ ملال
ترا خیال نہیں ہے جو دل سے جا نہ سکے

گنہگار جلیں آتشِ جہنم میں — اگرچہ دامنِ رحمت پر آنچ آ نہ سکے
یہ خفتگانِ لحد کس بلا کی نیند ہیں — انھیں پکار کے ہم تھک گئے جگا نہ سکے
یقین ہے ترے کشتوں کی بیقراری تک — زمین بھی تہِ دامن انھیں چھپا نہ سکے
ہنسی میں بات اُڑا دینگے سب یہ سچ کہ ہم — فسانۂ گل و بلبل انھیں سُنا نہ سکے
ستم کشانِ حوادث کا دل دکھایئے کیوں — ستائیں آپ اگر آسماں ستا نہ سکے
اگرچہ میرا مٹانا ہی تم کو ہے منظور — تو یوں مٹاؤ کہ پھر آسماں مٹا نہ سکے
اُبل پڑے مری آنکھوں سے نکلے گرم آنسو — وہ آبلے جو دلِ تنگ میں سما نہ سکے

صفی وہ داغ تو دکھلا رہے ہیں کچھ بگڑے ہیں
غرض یہ ہے کہ جو دھبے ہیں کوئی مٹا نہ سکے

حضرت مرزا محمد ثاقب قزلباش لکھنوی

دل کو تاکید وفا ہے کہ فنا ہو جانا — دم کو حکمِ قضا ہے کہ جدا ہو جانا
تہنیت موت کو دیتا ہے مرے دل کا غبار — عید ہے ماتمِ حسرت کا بپا ہو جانا
جب نہ خاک بھی ڈھونڈھے نہ ملی تو یہ کہا — مرنے والے اسے کہتے ہیں فنا ہو جانا
عادتِ شانہ کشی زلفِ گرہ گیر میں ہے — فرض ہے دونا اسیروں پہ جفا ہو جانا
طشت از بام ہوا رازِ وفا غم یہ ہے — ورنہ کچھ شاق نہ تھا سر کا جدا ہو جانا
حیلۂ صبر ہے آسان جو تمھیں یاد رہے — ہم کو دم توڑتے دیکھو تو خفا ہو جانا
شمع ساں منتظرِ صبح نہ رہ تنہا اے دل — شبِ فرقت کو دغا دے کے فنا ہو جانا
کیا قفس میں کوئی ورد ہے یہ بتا اے صیاد — کس سے پوچھوں کسے کہتے ہیں رہا ہو جانا
پھول کو توڑ کے دیکھو اثرِ وصل و فراق — موت ہے چاہنے والوں سے جدا ہو جانا
خاک بھی اس دلِ سوزاں کی ملیگی نہ کہیں — مجھے معلوم ہے شعلے کا ہوا ہو جانا
آؤ نظارۂ عبرت کو یہاں کچھ نہ سہی — کیا بُرا ہوگا مزاروں کا بھلا ہو جانا

کس دوراہے میں کھڑا ہوں متحیر کی طرح — کہ بقا ہے مجھے ممکن نہ فنا ہو جانا
آئے ہو گور غریباں پہ تو باتیں نہ کرو — ذرّے کچھ کہتے ہیں خاموش ذرا ہو جانا
کچھ نہ کچھ ہو ہی گیا عشق میں اے موت مگر — میں نے چاہا تھا کچھ اس سے بھی سوا ہو جانا

جیتے جی آئے قیامت تو مزا ہے ثاقب
دیکھ لیں وعدۂ فردا کا وفا ہو جانا

جناب چندی پرشاد صاحب شیدا دہلوی

دکھائے انداز گر ذرا لے کرشمہ اس چشم سرمگیں کا — بنا ہے خورشید روز محشر فلک پہ نافہ غزال چیں کا
نشانِ سجدہ ہے نقش ہستی ورق بنا ہے جبیں کا — بلندیوں پر ہے خاکساری بنا فلک ہو مری زمیں کا
دکھا وہ اعجاز تیغ قاتل شفق میں ہو جائے جوہر یقیں کا — گرے جو ہائے لہو کی چادر بنے دوپٹہ کسی حسیں کا
جنوں نے بے عیب کر دیا ہے بیٹھے ہیں قید لباس سے ہم — نہ کچھ گریباں کا ہے ٹھکانا پتہ نہ کوسوں ہے آستیں کا
عتاب کی دلربا ادائیں لباس سے جلوہ گر ہوئی ہیں — جبیں پہ ہے مانگے کی چین لیکن دماغ بہکا ہے آستیں کا
مجھے یہ ڈر ہے کہ ہو نہ ظاہر یہ خون ناحق بروز محشر — اُڑا لیا ہے شفق نے کچھ رنگ آج قاتل کی آستیں کا
اشارہ ترچھی نظر کا پا کر کھنچے ہیں خنجر چڑھے ہیں تیور — مزاج بگڑا ہے کچھ جبیں کا دماغ بہکا ہے آستیں کا
کہیں ہے فانوس شمع روشن نیام تیغ ادا کہیں ہے — کھلے گا کشتہ کے دن پہ عجیب ہے راز آستیں کا
بنی ہے دشمن یہ خاکساری دھوئے ہیں نقش پیدا — مٹا رہا ہے کسی کے در کو نشان سجدہ مری جبیں کا
یہ رنگ لائی ہے خاکساری فلک بنی عاجزی ہماری — جھکی ہے تسلیم کو جو گردن بلند رتبہ ہوا جبیں کا
ہوئے ہیں چاند عید قرباں چلے گی گردن پہ تیغ جس دن — مٹے ہیں دو دو ہلال جس میں عجیب فلک ہے تری جبیں کا
ہزار کو ایک کر دکھاتا ہی ہے کثرت سے عین وحدت — کہ رشتۂ حق ہو گردنوں میں بنا ہے زنار زلف چیں کا
نگاہ صیاد کے ہیں عاشق خبر وطن کی نہ ہوش اپنا — بنا لیا آشیاں ہے ہم نے قفس کہیں کا چمن کہیں کا
خیال جاناں جو دل میں آیا گماں کا شائبہ نہ آیا — وہ بار الفت گراں ہوا ہے جھکا ہے پلہ مرے یقیں کا
یہ کسکے عارض ہیں نور افشاں بنے ہوئے ہیں چکور انجم — چمک رہا ہے وہ داغ ہجراں کہ ماند ہے چاند چودھویں کا
ہے صفا حور و غلماں ہر اک جگہ خوش ہے ساماں — بنا دیا جسکو باغ رضواں ہے ایک ٹکڑا حسیں زمیں کا

مزہ دکھاتی ہے ہر جگہ کا صفائے نظم شیدا
کہیں ہے شیرینی نگیں کہیں جام انگبیں کا

حضرت باسط بسوانی

کچھ غرض کعبہ سے مجھکو ہے نہ بتخانے سے کام — وہ کہیں مل جائے ہم کو اسکے مل جانے سے کام
خوبرویوں کو ہے مطلب شمع بزم افروز سے — دل جلوں کو رات بھر رہتا ہے پروانے سے کام
اے جنوں تیری بدولت خوب ہوتی ہے بسر — دل کو ویرانے کی خواہش مجھکو ویرانے سے کام
جا کے کہدے کوئی صیاد اجل سے اتنی بات — منتظر وہ ہیں ترے جنکو ہے مرجانے سے کام
سنکے ناصح کی نصیحت میں نے یوں ہنسکر کہا — تمکو سودائی سے مطلب تمکو دیوانے سے کام
مجھکو انکے جھوٹے وعدے مان لینے سے غرض — پھر وہ آئیں یا نہ آئیں دل کے بہلانے سے کام

چشم میگوں دیکھکر ساقی کی باسط نے کہا
اب غرض ساغر سے باقی ہے نہ پیمانے سے کام

کچھ اپنے متعلق

بعض صاحبان "تمدن" کو ہر ماہ کی ابتدائی تاریخوں میں دیکھنے کے شائق تھے چنانچہ ہم نے اس سے "تمدن" کو بجائے ۱۰ تاریخ کو شائع کرنے کے ہر ماہ کی یکم کو شائع کرنے کا انتظام کر لیا ہے چنانچہ اپریل کا پرچہ یکم اپریل کو شائع ہو رہا ہے ہم نے ناظرین تمدن کی ہر خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ سخت کوشش کے بعد ہم یہ کہنے کے قابل ہو گئے ہیں کہ اب "تمدن" نے ملک کے دو تین گنے چنے بہترین پرچوں کی فہرست میں ایک ممتاز جگہ حاصل کر لی ہے۔ "تمدن" کے ناظرین کی تمام خواہشات میں سے غالباً صرف ایک باقی رہ گئی ہے (یعنی تصویر کے شائع کرنے کی خواہش) جسکو ہم اسوقت تک پورا نہیں کر سکتے جبتک ناظرین تمدن "تمدن" کی توسیع اشاعت میں کوشش نہ فرمائیں اور "تمدن" کا کم از کم ایک خریدار ہم کو نہ پہنچائے۔

بعض حضرات دو دو تین تین ماہ بعد پرچہ نہ پہنچنے کی شکایت کرتے ہیں۔ یہ ہم خوب جانتے ہیں کہ اسمیں ہمارا ذاتی قصور کسقدر ہے۔ بہرحال اگر ڈاکخانہ کے قصور کی سزا ہمیں کو ملنی چاہیے تو ہم اسکی تلافی صرف اس صورت میں کر سکتے ہیں کہ پرچہ شائع ہونے کے دس یوم بعد تک یعنی ہر ماہ کی دس تاریخ تک ہم کو پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع مل جائے ورنہ ہم دوبارہ پرچہ روانہ کرنے سے معذور ہیں۔

دنیا کو جس جوہر کی تلاش تھی وہ مل گیا

آج کل اشتہاری تجارت میں بے وقعتی کیوں ہو گئی اور اعتبار کیوں اٹھ گیا بعضوں نے جھوٹے اشتہار دے کر پبلک کو نقصان پہنچایا۔ سچے اشتہاروں کو بھی بدگمانی میں ڈال دیا۔ دنیا اب بھی سچے اور ایماندار اشخاص سے خالی نہیں بقول نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد * خدا پنج انگشت یکساں نکرد ہم سچ کہتے ہیں یہ سچا اشتہار ہے دل میں کسی قسم کا شبہ نہ رکھیے۔ اطمینان سے طلب کیجیے جتنی تعریف ہے چوگنا فائدہ حاصل ہوگا جس صاحب کو فائدہ نہ ہو حلفیہ تحریر آنے پر قیمت فوراً بذریعہ منی آرڈر واپس کر دی جائے گی جس صاحب کو اس تحریر کا یقین نہ ہو ان کے اطمینان کے لیے تحریر لکھتا ہوں اس تحریر کو نقل کرکے ایک آنے کا ٹکٹ لگا کر بذریعہ ڈاک بھیج دیں ہم اس اسٹام پر دستخط کرکے بھیج دیں گے۔ آپ کے اطمینان کے لیے اس سے زیادہ ثبوت اور کیا ہے۔

جوہر طلاء عجیب و غریب

طلاء کیا ہے ایک طلسم ہے۔ مرجھائے ہوئے دلوں کو ہرا کرنے والا بگڑی ہوئی حالت دور کر کے نئی امنگ پیدا کرنے والا جن لوگوں نے بچپن کی بے اعتدالیوں سے اپنی جسمانی حالت کو بیکار کر لیا ہو اور پھر کف افسوس مل رہے ہوں کہ ہم نے اپنے آپ کو ناحق ظلم کیا عیش و عشرت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہوں ان کے لیے یہ طلاء اعجاز مسیحائی اثر رکھتا ہے اسکی خوبیاں چند روز کے استعمال سے معلوم ہوں گی درحقیقت پبلک کی خدمت گذاری کا حق کارخانے نے ادا کر دیا ہے قیمت بلحاظ فوائد کم رکھی گئی ہے اس دوا کے استعمال سے سب شکایتیں دور ہو جائیں گی خراب رطوبت بلا تکلیف مثل پسینے کے نکال دے گا اوپر کی خراب جلد بلا تکلیف مثل کینچلی کی طرح بلا تکلیف اتار دے گا رگیں بدستور اپنی جگہ قائم ہو جائیں گی ابتدائی زمانے کی سی حالت ہو جائے گی۔ زیادہ تشریح خلاف تہذیب ہے۔

قیمت شیشی استعمال ۱۰ یوم ۳ ماشہ عہ/ ۲۰ یوم ۶ ماشہ عہ/
۴۰ یوم ۱ تولہ عہ/ پتہ صاف اور خوشخط لکھیں۔

جوہر حیات اینڈ کو فراش خانہ دہلی

خوبصورت تیار ہوئی ہے۔ دس شریف پڑھے لکھے اشخاص کے نام اور پورا پتہ لکھنے پر جنتری ہذا بلا قیمت و محصول بھیجی جاتی ہے۔

دمہ کی دوا

سخت سردی کے موسم میں تندرست انسان کا جان بلب ہو رہا ہے سردی ہٹانے کے لیے کیسے بندوبست کیے جاتے ہیں لیکن افسوس بدقسمتی سے دمہ کے مریض خاص کر ناقابل برداشت تکلیف دمہ سے بہت ہی پریشان ہوتے ہیں اور رات دن سانس پھولنے کی وجہ سے دم نکلے جاتے ہیں اور نیند تک حرام ہو جاتی ہے دیکھیے آج انکو کسقدر تکلیف ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کا علاج مرض کی بابت ہی زیادہ تر نشیلی اشیاء اور دھتورہ بھنگ بلاڈونا پوٹاس ای اوڈائڈ دیگر ہوتی ہیں اسلیے نقصان ہوتا ہے دکتار مریض بے موت مارا جاتا ہے۔ ڈاکٹر برمن کی کیمیائی اصول سے بنی ہوئی دمہ کی دوا۔ ایک انمول جوہر ہے یہ صرف ہماری ہی بات نہیں ہے بلکہ ہزار مریض اس مرض سے شفا پاکر مداح ہیں۔ آپ نے بہت خرچ کیا ہوگا لیکن اگر یہ اسے بھی آزمائیں۔ اسمیں نقصان نہیں قیمت عہ فی شیشی محصول ڈاک ۵؍ اس دوا کے دو خاص فائدے ہیں۔

(۱) ایک خوراک میں دمہ دبتا ہے۔ (۲) اور کچھ روز کے استعمال سے جڑ سے جاتا ہے اور جبتک استعمال میں ہے دورہ نہیں ہوتا۔

پلیگ کی دوا

سوائے اور سب بیماریوں کے اس سے ڈرنے کا سبب یہ ہے کہ آج تک لاکھوں انسان اس موذی عارضہ کے پنجہ ظلمت میں ہلاک ہو چکے ہیں۔ گاؤں کے گاؤں اجاڑ ہو گئے شہر کے شہر تباہ ہو گئے اسوجہ سے اسکے نام ہی سے دہشت ہوتی ہے پلیگ میں مبتلا ہونے کے بعد بچنے کی [illegible] نہیں ہے لیکن بطور حفظ ماتقدم ڈاکٹر ایس کے برمن کی پلیگ روکنے والی گولیاں منگوا کر ضرور رکھیں۔ ان گولیوں کے استعمال سے جسم کے خون میں کچھ ایسا اثر ہوتا ہے جس سے پلیگ کے کیڑے نہ ٹھہر سکتے اور نہ اثر کر سکتا۔ وقت پہ ان گولیوں کے استعمال سے ہزاروں انسان پلیگ سے محفوظ رہتے ہیں۔ آپ بھی غافل نہیں رہیں۔ ایک گولی روزانہ ٹھنڈے پانی کے ساتھ نگل جانا چاہیے۔ بچوں کو نصف یا چوتھائی۔ قیمت ۳۶ گولیوں کی ڈبیہ عہ ۶ گولیوں کی ڈبیہ ۱؍ اور محصول ڈاک ایک سے چھ ڈبیہ تک پانچ آنہ ۵؍

روگ کا گھر کھانسی

جناب مہاراجہ صاحب والیے ریاست۔ بونگر ضلع سمبل پور سے تحریر فرماتے ہیں۔

[illegible] کھانسی کی دوا کے لیے میں نہایت مشکور ہوں اس دوا سے میری کھانسی بالکل دفع ہو گئی۔ مجھے [illegible] کی نوبت ہی نہیں آئی کھانسی مجھے بہت دنوں سے تکلیف دیرہی تھی اسوجہ سے دو بارہ [illegible] [illegible] کھانسی کے دور کرنے کے لیے یہ ایک ہی دفعہ ثابت ہوئی۔ قیمت فی شیشی ۱؍ [illegible] [illegible] ہر ایک جگہ دوکاندار [illegible] اور ہماری [illegible] سے [illegible] کارخانہ سے طلب فرمائیے

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

جلد ۱ — مئی سنہ ۱۹۱۶ء — نمبر ۵
ماہوار

تمدن

معاشرتی تمدنی ادبی فلسفی اخلاقی تاریخی اور علمی مضامین کا مخزن

ایڈیٹر ایم اے قاری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قاری
محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

صفحہ		صفحہ	
۱	قومی فارغ البالی - خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب	۴۱	طبیعت - ... پرشاد صاحب ورما عاصی
۸	اعراب جاہلیت کا ادب اور مشاعرہ - حکیم مولوی سید علی صاحب آشفتہ لکھنوی	۴۹	نظارۂ خرابات - آغا غلام حسین صاحب ارشد
۱۴	... - نصیر حمید صاحب بی۔ اے	۵۱	حسن سعادت - مرزا اغوا علی صاحب خنجر لکھنوی
۲۲	... - خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت لکھنوی	۵۲	فلسفۂ غول - سید منیر آغا صاحب اشہر لکھنوی
۳۰	... - ... علی صاحب ...	۵۸	غزلیات عالی - حضرت فتنی لکھنوی - ... آرزو لکھنوی - مرزا ... قزلباش لکھنو - ... دہلوی
	... سعادت - ... صاحب ... [illegible]		

پرنٹر نواب علی
[illegible] پریس لکھنؤ میں چھپا
نمونے کے پرچے کی قیمت ۸/

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جس قوم میں یہ ہر پانچ باتیں پائی جاتی ہیں وہ ہی فارغ البال کہلانے کی مستحق ہے۔ قبل اسکے کہ ہم کسی قوم کو مشترکہ یا جداگانہ رنگ میں فارغ البال کہیں یہ دیکھنا چاہیے کہ فارغ البالی کا مفہوم کیا کچھ ہو سکتا ہے

فارغ البالی کا موٹے الفاظ میں یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ

جب کسی قوم کے افراد کثیرہ اپنی اپنی جگہ بلا احتیاج احباب ذاتی طور پر اپنی ضروریات لازمیہ کے کفیل ہوں نہ صرف مالی اسباب ہی کی وجہ سے بلکہ فعلی۔ انفعالی اور دیگر اسباب مادی کی وجہ سے بھی۔

جب فارغ البالی کا مفہوم نری دولتمندی اور خوش حالی ہی کہا جاتا ہے تو فارغ البالی کا مفہوم محدود کر دیا جاتا ہے خوش حالی اور فارغ البالی میں فرق ہے خوش حالی کا اطلاق مالی اسباب تک ہی ختم ہو جاتا ہے لیکن فارغ البالی کا مفہوم اُن سب اسباب پر محیط ہے جو دیگر وجوہ سے بھی لازمہ انسانی زندگی کے ہیں اگر ایک قوم دولتمند ہو کر بھی زیور علم و دانش سے عاری ہے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ فارغ البال ہے اگر ایک قوم باوجود علوم و فنون رکھنے کے بھی اقتصادیات سے بے بہرہ ہے تو اس حالت میں بھی اُسے فارغ البال نہیں کہا جا سکتا قومی فارغ البالی سے مطلب یہ ہے کہ کوئی قوم ہر رنگ میں فارغ البال ہو اور وہ فارغ البالی محض نمائشی نہ ہو بلکہ اُسکی بنیادیں مستقل اور جاری ہوں اور اسکے ساتھ یہ بھی کہ قوم اور قوم کے افراد کثیرہ کی حسیات اُس فارغ البالی کی حس اور ادراک رکھتے ہوں جو حسین اپنے حسن کی حس نہیں رکھتا اگرچہ وہ حسین ہوتا ہے لیکن اُسکا حُسن اپنی قیمت خود نہیں جانتا ہر کمال اور ہر حُسن کے واسطے لازمی ہے کہ ہم خود اُسکی قیمت اور قدر سے واقف بھی ہوں اور ایسی صورت میں کوئی فارغ البالی مستقل خیال کیجا سکتی ہے

کہ جب اُسکا ہمیں بھی علم یا حس ہو۔

جو لوگ صرف دولتمندی یا تمول کو ہی فارغ البالی سمجھتے ہیں وہ فارغ البالی کی قدر و قیمت گھٹاتے ہیں۔ بیشک دولتمندی اور تمول ایک حد تک فارغ البالی ہے لیکن کیا یہ نہیں دیکھا جاتا کہ بہت سے لوگ باوجود دولت مند اور متمول ہونے کے بھی حقیقی رنگ میں فارغ البال نہیں ہوتے علوم و فنون اور اقتصادیات کی کمی اُن کی دولت مندی اور تمول کے واسطے ایک شرمناک روک ہوتی ہے یا ایک ایسی کمی جو دولت مندی اور تمول کی عظمت بھی کھو دیتی ہے۔

قومی فارغ البالی کا شروع شخصی یا افرادی فارغ البالیوں سے ہوتا ہے ضرورت یہ ہے کہ افرادی اور شخصی فارغ البالیاں کثرت سے اور مستقل ... ہوں جسطرح قوم افراد سے بنتی ہے اسی طرح قومی فارغ البالی بھی افرادہی کی فارغ البالیوں سے ترکیب پاتی ہے اگر کسی قوم میں فیصدی پچاس افراد بھی حقیقی رنگ میں فارغ البال ہیں تو کہا جائے گا کہ وہ قوم فارغ البال ہے جب کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ کوئی قوم فارغ البال ہے تو اُسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ فیصدی سو ہی اُنمیں سے فارغ البال ہیں بلکہ یہ کہ فیصدی کا اکثر حصہ اس رنگ میں ہے اور جو باقی کا حصہ ہے وہ بھی حسیات فارغ البالی سے ناواقف نہیں ہے حسیات کا زندہ ہونا بھی بجائے خود ایک مستقل فارغ البالی ہے۔ وہی قومیں ذی حس شمار ہوتی ہیں جو قومی افراد کی ترقی میں منہمک ہوکر اُنکے جذبات اور حسیات سے بہ خوش اسلوبی کام لیتی ہیں ایک درسگاہ یا ایک اسکول اور کالج میں قوم کے سب افراد ہی داخل نہیں ہوتے۔ بلکہ چند افراد۔ یہی طریقہ شخصی حسیات کے اُبھارنے کا ہے اور اسی سے افرادی جذبات رفتہ رفتہ نشو و نما پاتے ہیں۔ کسی قوم کی عام فارغ البالی اُسی وقت ہو سکتی ہے۔

جب اُس میں حرفت و صنعت اور اقتصادیات کا ولولہ ہو۔

صحیح اصول پر تجارت پائی جاتی ہو۔

آپس میں قومی اتفاق اور قومی خلوص ہو۔

جس قوم میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں وہ فارغ البال نہیں کہی جا سکتی۔ نہ صرف یہی باتیں بلکہ وہ اصولی باتیں بھی جو علمی اور عملی رنگ میں قوموں کے افتخار اور زینت کا باعث ہیں۔ بیشک ہر ایک قوم میں چند ارکان قوم ایک اعلےٰ درجہ کی حالت اور پوزیشن رکھتے ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دیگر حصہ کثیر کیا کچھ حالت اور کیفیت رکھتا ہے بیشک ماہتاب اپنے اندر ایک خاص نور رکھتا ہے لیکن ستارے اور سیارے بھی اُس کی رونق اور شہرت کا باعث ہیں۔ صرف ایک ماہتاب ہی بغیر ان ستاروں اور سیاروں کے کوئی وقعت نہیں رکھتا

بیشک کسی قوم کے افراد کثیر بڑے بڑے کمالات اور درجوں اور دولت [illegible] وتمول و معارج علمی و عملی سے نصیبا کم ہوتے ہیں لیکن ان کا مجموعہ بجائے خود ایک طاقت کا کام دیتا ہے ہمیشہ چھوٹی طاقتیں اور چھوٹے چھوٹے ذرے بڑی طاقتوں اور بڑی قوتوں کے جذبات کی کفیل اور سہارا ہوتی ہیں اس صداقت سے انکار کرنا خود صداقت سے انکار کرنا ہے یہ بات مسلمہ ہے کہ ایک قوم کے سب افراد ایک ہی پیشہ نہیں اختیار کر سکتے اور نہ اسپر چل کر کامیاب ہو سکتے ہیں ایک اسکول کے طالب علم اگرچہ ایک ہی درسگاہ میں تعلیم پاتے ہیں لیکن اُن سب کا مذاق مختلف ہوتا ہے اور اُن کی مابعدی زندگی مختلف حالتیں اور مختلف اشکال اختیار کرتی ہے نظام قدرت کا بھی یہی منشا ہے کہ لوگ مختلف کاموں اور مختلف مقاصد میں مصروف رہیں یہ ایک ایسا منصفانہ اور آرام دہ نظام ہے کہ کوئی دوسرا نظام اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا ہماری انسانی کائنات کا مدار ہی اسپر ہے اور یہی ہماری ساری ترقیات اور حسن و خوبی کا موجب بھی ہے

عام فارغ البالی اور عام آسایش نظام قدرت کے تحت عام امور اور عام کاموں ہی کی وجہ سے ملتی ہے اگر ایک مقام میں دس ہزار دولتمند ہوں اور پچاس ہزار حرفت کار اور ایک لاکھ معمولی حالت میں تو کہا جائے گا کہ وہ قوم ایک حد تک فارغ البال ہے بشرطیکہ ایک لاکھ بقیہ بھی حسب مقدور فارغ البالی کا مستحق وہ بھی ہے اور اسکا حاصل کرنا لازمی ہے اور اس کے بغیر دوسری قوموں کے روبرو اسکا کوئی احترام و عزت نہیں تمام قوم لکھ پتی اور کروڑ پتی نہیں ہو سکتی لیکن قوم کا ایک کثیر حصہ حرفت کار اور اپنی حد میں خوش حال ہو سکتا ہے - اسی مجموعی اور عام فارغ البالی کے حاصل کرنے کے واسطے لازمی ہے کہ قوموں کا کثیر حصہ -

(۱) حسیات فارغ البالی رکھتا ہو -

(۲) اُن کی ضرورت سے آشنا ہو -

(۳) اُن کاموں میں مصروف رہے جو عامہ آسایش کے کفیل ہیں -

یہ ایک بڑی غلطی ہے جو ہم کبھی کبھی صرف دولتمندی متمول اور علم و فن ہی کو محدود حالات میں فارغ البالی سے تعبیر کرتے ہیں اور اُن ہی کو موجب اور کفیل عامہ آسائش خیال کرتے ہیں در اصل تمام ہماری جزوی اور کلی آسایشوں کی بنیاد وہی باتیں اور وہی کام ہیں جو عام مخلوق کے ہاتھ سے نکلتے ہیں یا جنکی ذمہ دار عامہ مخلوق ہے ایک متمول دولتمند اور ایک عالم فاضل کا علم و فضل اُس حالت میں کیا کچھ مفید ثابت ہو سکتا ہے کہ جب عامہ ہاتھ اُس کا مددگار نہو یہ تمام حرفت کار صنعت کار دست کار مشین وغیرہ وغیرہ اُن علمی ارکان کے عملی رنگ میں مددگار ہیں جو بہ نسبت اُن کے ایک خاص حالت یا ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں اور جنھیں بمقابلہ عوام ایک تفوق اور امتیاز حاصل ہے ایک امیر اور ایک رئیس بیشک اپنی ریاست اور امارت کی وجہ سے ایک خاص حالت اور ایک خاص امتیاز

رکھتا ہے لیکن کیا یہ تسلیم کر لیا جائے گا کہ اُسکی اس امارت اور ریاست کے اکثر کاروبار دوسروں کے محتاج نہیں ہیں اور کیا وہ تن تنہا اُسکی دولتمندی اور متمول برادرست بلا امداد دیگر افراد کے اُسکے واسطے مفید بھی ہو سکتا ہے اگر ایسا نہیں ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ چھوٹی یا جزوی طاقتیں بڑی طاقتوں کی حامی اور سہارا ہیں جس قوم میں اور جس قوم کے افراد کثیرہ میں اقتصادیات اور حرفت وصنعت نہیں ہے اور جو قوم ایسی حسیات نہیں رکھتی وہ قوم فارغ البال نہیں ہے وہ ہر ایک رنگ میں ایک مفلس اور نادار قوم ہے وہ کوئی ضمیر نہیں رکھتی اسکی دماغی اور ضمیری حالت بوسیدہ ہو کر اپنی ہستی کھو بیٹھی ہے اور اُسکے وہ جذبات کمزور پڑ چکے ہیں جن پر قومی زندگی اور قومی تصرفات کا مدار ہے۔

قدرت نے جو درجے نمایاں کر رکھے ہیں اُن میں سے ہر درجہ میں ایک خصوصیت رکھی ہے جب تک ہم درجہ بندیوں سے کام نہ لیں تب تک ہم خود بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

کائنات انسانی کا کوئی کام اُسوقت تک انصرام نہیں پا سکتا جب تک درجہ بندی کا نظام نہ جاری رکھا جائے اگر ایک طرف قدرت مساوات کا سبق دیتی ہے تو دوسری طرف درجہ بندی بھی سکھاتی ہے دیکھو خود انسان کے جسم کے اندر کسقدر درجہ بندیاں ہیں گو جسم ایک ہی ہے لیکن اجزاے جسم جداگانہ حقیقت رکھتے ہیں سر بجائے خود ہے اور پاؤں بجائے خود مجموعہ کو افراد کام دیتے ہیں اور مجموعہ ان کی ترکیب اور ان کے نظام کا ذمہ دار ہے دیکھو اعضاے رئیسہ اسقدر نہیں ہیں جسقدر اعضاے غیر رئیسہ ہیں اگر یہ اجزا غیر رئیسہ نہوں تو اعضاے رئیسہ کی قوتیں بھی کمزور پڑ جائیں۔

قانون ٹیکس اور جزوی مطالبات یا قانون مال کے ملاحظہ سے ظاہر

ہو سکتا ہے کہ سب حکومتوں میں وہی اجزائے صغیرہ ٹیکس دینے اور مطالبہ ہائے ادا کرنے کے نمونا ذمہ دار ہیں جو قوم میں ایک عام حالت اور ایک کام درجہ رکھتے ہیں کچھ شک نہیں کہ ارکان عظمٰی پر بھی بوجھ مطالبات حکومت کا پڑتا ہے۔ لیکن کثرت سے افراد کثیرہ ہی اسکے متحمل ہوتے ہیں۔

اس قسم کی تمام مثالوں سے یہ ثابت ہے کہ کوئی قوم بحیثیت ایک قوم کے اس وقت تک فارغ البال نہیں کہی جا سکتی جب تک اسکے افراد کثیرہ حیات فارغ البالی نہ رکھتے ہوں اور جب تک ان کا حصہ کثیر حرفتی صنعتی۔ اور تلی رنگ میں فارغ البال نہ ہو زندگی کی بڑی بڑی ضرورتیں بڑے بڑوں ہی سے عموماً وابستہ ہوتی ہیں اور ان کی مقدار بھی کم ہوتی ہے چھوٹی چھوٹی یا عام ضرورتیں عام لوگوں ہی سے مخصوص ہوتی ہیں اور ان ہی کا نمبر بھی زیادہ ہوتا ہے اگر بڑی بڑی ضرورتیں بڑوں پر ختم ہو جاتی ہیں تو دوسری طرف چھوٹوں کی چھوٹی ضرورتیں بڑی ضرورتوں کی مددگار اور کفیل بھی ہوتی ہیں۔

قوموں کا فرض ہے کہ اپنے افراد کثیرہ کی بہتری اور سہولت کے واسطے عملی رنگ کو انتہائے مدارج تک پہنچائیں اور انکا عملی رنگ میں فائدہ اٹھائیں۔

دیکھو ہندوستان میں زیادہ تر حصہ ان ہی لوگوں کا ہے جن کی زندگیاں نسبتاً محدود اور سادی ہیں لیکن ان ہی کی حالت اور بضاعت زندگی بہت کچھ خوفناک اور تنگ ہے

محاسبوں نے یہ حساب لگایا ہے کہ ۳۳ کرور نفوس ہند کا اوسط گذارہ ایک آنہ کچھ پائی فی کس پڑتی ہے اگر اس میں سے ہم بڑے بڑے ارکان نکال دیں تو پھر شاید نو پائی یا ایک آنہ ہی پڑے گا۔ کبھی سوچا بھی کہ سب دوسرے ممالک کے مقابلہ میں یہ کم سے کم اوسط کیوں آتی ہے صرف اس وجہ سے کہ ہندوستان کے

افرادِ کثیرہ کی وسعتِ معاش کی کوئی ذمہ داری کفالت اپنے ساتھ نہیں رکھتی ہندوستان
کی مخلوق کے دو ہی زیادہ تر حصے ہیں۔

(۱) زمینداران

(۲) دستکاران

زمیندارہ کے واسطے قدرت نے [illegible] کچھ ہیں لیکن
دوسری عملی مشکلات کی وجہ سے اس کا قافیہ ہی تنگ ہو رہا ہے اسوقت پیداوار
زمیندارہ کی مانگ ہندوستان سے باہر بھی ہوتی ہے اور اپنے اخراجات بھی
روز ترقی ہیں جبتک عملی رنگ میں زمیندارہ سے فائدہ نہ اٹھایا جائے تب تک اس
سے معتدبہ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا ہندوستان کے زمیندارہ کی اگر اوسط
زمینداری لگائی جائے تو شاید [illegible] زیادہ نہیں پڑے گی۔
اس اوسط قلیل کا اگر موجودہ اخراجات اور مطالبات سے مقابلہ کیا جائے
تو ظاہر ہو سکے گا کہ زمیندارہ ہند کا میدان کس قدر تنگ اور تکلیف دہ ہے۔
دستکاروں کی حالت اور بھی دن بدن ابتر اور خراب ہو رہی ہے
بیرونی دنیا کی مصنوعات اور دلاویز صنعتیں دن بدن امڈی چلی آتی ہیں اور
اس کے ساتھ ہی آسایش کا میدان اور قیمت بھی دن بدن بڑھتی جاتی
ہے معمولی ضروریات زندگی بھی روز بروز اسقدر گراں ہوتی جاتی ہیں کہ بعض
کنبوں کا اس سے کچومر نکل رہا ہے ایک طالب علم جو اسکول کی چوکھٹیں دیکھ لیتا
ہے علاوہ فیس مقررہ دینے کے شعائری مصارف جسقدر چاہتا ہے اس سے
والدین کو پتہ لگ سکتا ہے کہ کہاں تک ضروریات رفتہ رفتہ طوالت پکڑتی جاتی ہیں
اسکے ساتھ ہی بدقسمتی سے ہندوستان کی قومی تفرقیات اور متوہم امتیازات
اور معاملۂ نجابت کی وجہ سے صنعت و حرفت کی راہوں میں جو کچھ مزاحمتیں حائل ہو رہی ہیں

اُن کا شعار بھی کچھ کم نہیں ایک راجپوت - ایک زمیندار - ایک کھتری - ایک برہمن - ایک سید اور ایک مغل اور ایک پٹھان باوجود تنگی معاشرت کے دستکاری اور فنون سے جسقدر کراہت رکھتا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس خطۂ زمین میں صنعت و حرفت اور دستکاری و فنون کی سخت بے عزتی اور کساد بازاری ہے یہ ایک ایسا نقص ہے جو دن بدن حالت خراب کرتا جاتا ہے اسپر یہ قباحت کہ جدت اور اجتہادی رنگ یہاں کے اقتصادیات اور حرفت و صنعت اور فنون دستکاری میں نام کو بھی نہیں تقلید ہمیشہ سد صنعت اور سد ترقی ہوتی ہے اشتراکی رنگ میں جب کبھی کوئی کام شروع ہوتا ہے تو اسقدر رکاوٹیں اسمیں حائل ہوتی ہیں کہ بعض وقت اُن کا دور کرنا کار سے دارد -

عروجی خیالات کے ماتحت اعلےٰ تعلیم ایک اچھا ارادہ اور اچھا شگون ہے لیکن کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ سب اعلےٰ تعلیم پاکر ملک و قوم کے حق میں مفید ثابت ہو سکتے ہیں یا اُن کی کثرت کثرتِ ضروریات زندگی پر غالب آسکتی ہے یہ ایک خیال ہی خیال ہے - یورپ خصوص انگلستان میں تعلیم کا بہت کچھ خیال ہے لیکن فنی اور اقتصادی کاروباری تعلیم بھی ایک بڑی حد تک تقدم اور کثرت رکھتی ہے اور اس پر یورپ کی خوشحالی فارغ البالی اور عملی احترامات کا انحصار ہے جسطرح ہماری زندگیوں کے مختلف ذرائع ہیں اسی طرح قوم کے افراد بھی کچھ تعلیم اور تجربہ حاصل کرنے کے بعد مختلف راہیں اختیار کرکے اور اُن پر عملی رنگ میں سالک ہوکر اپنی زندگی کی ضروریات اور کفالتوں کو بخوش اسلوبی پورا کرکے انصرام کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوتے ہیں یہی راز ہے جو آج ہم یورپ کو فارغ البال دکھاتا ہے - ناقہم -

سلطان احمد

اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(سلسلہ کے لیے اپریل نمبر ملاحظہ ہو)

مشاعرہ کا تیسرا دور

تیسرا قصیدہ خانۂ کعبہ پر لٹکانے والا۔ اپنے عہد کا ملک الشعرا زہیر بن ابی سلمیٰ ربیعہ بن ابی رباح بن قرہ ابن الحرث بن مازن بن ثعلبہ بن ثور بن ہرمہ بن الاظم ابن عثمان بن عمرو بن آد بن طانجہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہے یہ شخص بھی شعرائے جاہلیت سے بہت ذی وجاہت اور مشہور گذرا ہے بلکہ ایک یہ اور ایک امرؤ القیس اور ایک نابغۂ ذبیانی یہ تینوں شخص زمانۂ جاہلیت کے طبقۂ اولے سے گذرے ہیں اکثر مورخین ان تین شخصوں سے قبل اور کسی شاعر کو نہیں لکھتے عرب کے آسمان شاعری پر سب سے پہلے چمکنے والے ستارے یہی ہیں سب سے پہلے انھیں نے عرب کے سنگلاخ اور مردہ وادیوں کو اپنے رنگا رنگ تخیلات سے ہمیشہ کے لیے رشک گلستاں بنا کے چھوڑا ہے انھیں کی ہستیوں پر عربوں کو ابدالآباد تک ناز رہے گا انھیں کے افکار الہامی نے عرب کے پرخار صحراؤں اور چٹیل میدانوں کو اس قابل بنا دیا کہ آج چودہ سے برس کے بعد بھی وہ بے برگ وگیاہ صحرا ارباب علم و بصیرت کی نظروں میں لہلہا رہے ہیں اور وہ مردہ زمینیں زندہ ہیں اور یوں زندہ ہیں کہ اُن کے ہر ایک خاک کے ذرے میں جداگانہ حسن و عشق کے عالم پوشیدہ ہیں وہ نقش و نگار جو چودہ سے برس قبل امرؤ القیس اور نابغۂ ذبیانی اور زہیر ابن ابی سلمیٰ بنا گئے ہیں اور وہ گلکاریاں جو ان کی خداساز طبیعتیں چپے چپے اور بوٹے بوٹے میں کر گئی ہیں آج تک اسیقدر

بلکہ اُس سے زائد خوبصورت ہم کو نظر آرہی ہیں باوجودیکہ جاتی ہوی دنیا نے روز اک نیا لباس بدلا - تغیرات نے زمانے کے ہزاروں بلکہ کروڑوں ورق اُلٹے حوادثات نے لکھو کھا عالم مٹا دیے اعتباری نطرت کی طوفان خیز چادروں نے کتنی ہی ہستیاں نیست ونابود کردیں زہریلی ہواؤں نے کتنی قومیں فنا کردیں مگر اُنکے بٹھائے ہوئے نقش ہستی کے کلیجے پر کچھ ایسے جم کے بیٹھے کہ آج تک ہر آنے والے تغیر نے ان کا بال بھی بیکا نہیں کیا -

حکمائے مادئیین کے نقطۂ خیال سے واقعی اگر دنیا غیر فانی ہے اور نفوس قدیم ہیں تو ہاں ہاں بیشک ان کی روحانی زندگی باقی ہے اور ضرور باقی ہے ہرگز ہرگز عالم اجساد سے انکا انتقال مکانی ان کو معدوم نہیں کرسکتا ہم کو آج بھی ان کی جانفشانیوں کی ویسی ہی داد دینا چاہیے جیسی اُن کی ظاہری موجودگی میں چاہیے تھی [1] ان ہی تینوں شاعروں کے متعلق جنکو مورخین شعراء طبقۂ اولیٰ سے تعبیر کرتے ہیں عمائدین و اعیان اعراب میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کون سب میں اچھا تھا چنانچہ جریر نے زہیر ابن ابی سلمیٰ کو ترجیح دی اور یہی عمر ابن خطاب کی

[1] آج وہ کم مایہ اور بے بصیرت ارباب فن ان کے کارناموں کو دیکھیں اور اپنے گریبانوں میں منھ ڈالیں جنکو باب شعر میں اپنے فن دانی پر بہت گھمنڈ ہے - مادۂ شاعری انسان میں ایک فیضان الٰہی ہے یہ جوہر اپنے کمال میں کسی خارجی قوت و استمداد کا محتاج نہیں ہے اسکو مدرسۂ الٰہی میں تعلیم روحانی پہلے ہی دے دیجاتی ہے ارباب بصیرت کو گہری نظروں سے شعرائے جاہلیت کی قوت تخیل کو معیار فصاحت و بلاغت و اصول مفروضۂ عروض کے ساتھ ہی ساتھ دیکھنا چاہیے اور یہ جانچنا چاہیے کہ یہ کلام کب کا ہے اور دنیا میں علم عروض کب آیا - آیا طبیعت شاعری نے علم عروض و قافیہ کی تدوین کی ہے یا علم عروض و قافیہ نے طبیعت شاعری کو خلق کیا ہے ۱۲ منہ

یہی رائے ہے وہ لکھتے ہیں زہیر کے متعلق ھو شاعر الشعراء جسکا ترجمہ میرے
خیال میں ملک الشعراء ہے پھر اسکے بعد اس ترجیح کے بہت سے اسباب لکھتے ہیں
اول یہ کہ اسکا کلام تعقید اور ایطا اور تضمین اور عیوب سے پاک تھا دوسرے وہ اپنے
اشعار کو غیر مانوس اور اجنبی الفاظ سے ہمیشہ بچاتا تھا تیسرے وہ کسی کی مدح
میں اعتدال سے زیادہ قدم نہیں بڑھاتا تھا جس قابل ہوتا تھا اُسکی اتنی ہی
مدح کرتا تھا چوتھے اسکی سو برس کی عمر نے اسکی بہترین شاعری کو دوسرے شعراء
کے مقابلہ میں امتیازی درجہ حاصل کرا دیا تھا پانچویں اسکے مضامین لطیف اور
شوخیِ الفاظ اور تصرفات شاعری انسان کو تعجب میں ڈالدینے والے ہوتے تھے
میری رائے میں اسکی ترجیح کے لئے اپنے عہد کے معاصرین پر یہی وجہ کیا کم ہے
کہ یہ مرتبے سے زیادہ کبھی کسی کی مدح نہیں کرتا تھا شاعری میں اعتدال سے
بڑھا ہوا مبالغہ عیب ہے اور ضرور عیب ہے خوشامد آمیز انداز شاعر کے لیے
اختیار کرنا بہت بڑی اخلاقی کمزوری ہے اگرچہ ان عیوب مذکورہ سے بیشتر
اعراب جاہلیت کا کلام پاک ہے لیکن نسبتاً زہیر سوتج مذکورہ کی رائے سے
اپنے معاصرین میں سب پر بڑھتا ہوا تھا یہ وصف شعراء جاہلیت سے اُسوقت سے
مفقود ہونا شروع ہوا ہے جب سے اعراب نے فاتحانہ حیثیت پیدا کی اور درباروں
میں رسائی ہونے لگی ہیں اُسوقت سے خوشامدی اور درباری شاعری کی بنیاد
قائم ہوتی ہے اور اعراب کے کلام سے لطافت استعارات دلکشیات کم ہوتا گیا ہے
زہیر کے متعلق معاویہ الاحنف بن قیس کی رائے بھی نہایت وزنی ہے جس وقت
اُس سے پوچھا گیا ان تینوں شاعروں میں سے کون بہتر شاعر ہے تو اس نے
زہیر ہی کو بتلایا ہے جب پوچھنے والے نے سبب دریافت کیا تو یہ جواب دیا
ہے کہ دوسرے شعراء کے کلام کو اسکے کلام کے ساتھ ملا کے تنقید کی کسوٹی پر چڑھا کے

دیکھ لو۔ گو کہ ہم نے بہت مشکل سے زہیر ابن ابی سلمٰی کے حالات تاریخوں سے چھانٹے ہیں اور اسکے کوائف زندگی مورخین نے لکھے بھی بہت کم ہیں لیکن پھر بھی ہم بہت کم کرکے لکھ رہے ہیں تاکہ ناظرین کو بار نہ ہو۔

زہیر عہد جاہلیت کا بڑا رئیس کبیر تھا ہر چند کہ غیر مسلم تھا لیکن اسکی صفت حلم و ورع بہت مشہور ہے۔ اسکے اشعار کے متعلق مورخ البستانی نقادان فن کی رائے نقل کرتے ہیں کہ اسکا ہر شعر بے انتہا شوخی اور جودت میں ڈوبا ہوتا تھا ابن اعرابی کی رائے ہے جو مرتبہ زہیر کو طبقۂ شعراء میں حاصل تھا وہ کسی کے لیے اُس دور میں نہیں تھا گویا کہ یہ فرید عصر و وحید دہر تھا اسلیے کہ یہ اہلبیت شعر سے تھا اسکا باپ بھی شاعر زبردست تھا اور اسکا ماموں بھی شاعر تھا اور اسکی بہن سلمٰی بھی شاعرہ تھی اور اسکے دونوں بیٹے کعب و بجیر بھی شاعر تھے اور اسکی بیٹی خنسا بھی شاعرہ گذری ہے اور اسکا پوتا مضرب بن کعب بھی شاعر تھا گویا اس خانوادہ کا خمیر ہی شاعری کی خاک سے ہوا تھا محمد ابن سلام اسکے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں کہ بہتوں شعراء کے بہتر کلام میں بیشتر حصہ زہیر کا ہے اور اسی طرح اُن کے بُرے کلام میں کمتر حصہ زہیر کا ہے مجموعی حیثیت سے یہ خوبی بھی زہیر ہی کے لیے مخصوص ہے کہ معانی مضامین اعلیہ زائد اور الفاظ نہایت کم و مختصر۔ مورخین انداز شاعری بھی زہیر کا سب سے جداگانہ لکھتے ہیں جو بہت زائد تعجب خیز ہے وہ یہ کہ ایک سال میں ایک قصیدہ اسکا ملک میں پیش ہوتا تھا کیونکہ یہ چار مہینہ میں قصیدہ کہتا تھا اور چار مہینے تک نظر ثانی کرتا تھا پھر چار ماہ تک وہ مخصوص شعراء کے پاس دورہ کرتا رہتا تھا اسکے بعد پبلک میں پیش کرتا تھا اور بعض مورخین لکھتے ہیں کہ ایک شب میں قصیدہ تمام کرتا تھا اور سال بھر تک ترمیم و تنسیخ کرتا رہتا تھا چنانچہ یہ قصیدہ بھی جو خانۂ کعبہ میں اس نے آویزاں کیا ہے یہ بھی اسی شان کا تھا۔ آئندہ نمبر میں ہم اسکے کلام پر انشاءاللہ روشنی ڈالیں گے۔

(باقی آئندہ)　　　آشفتہ لکھنوی

تکوین

(گذشتہ سے پیوستہ)

اب اتنی بات اچھی طرح ظاہر ہوگئی کہ آفرینش واقعہ عالم زماں سے نہیں ہے واقعات کے اس تغیر اور تبدل کی، جسکو ہم ایک دریاے ذخار کی امواج سے مشابہ کہہ سکتے ہیں نہ کہیں ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ گویا آفرینش ایک بحر ناپیدا کنار ہے جس میں نہ اُسکے اول کا پتہ چلتا ہے نہ آخر کا۔ زمانۂ ماضی پر ہم اپنی تخئیل کے زور سے کتنا ہی دور نظر کیوں نہ دوڑائیں، وہاں ہم کو واقعات کا ایک عظیم الشان عالم ٹھیک اُسی طرح نظر آئے گا جس طرح آج سے پانچہزار برس قبل کے لوگوں کو دکھائی دیا ہوگا۔ اُسی طرح پر عالم استقبال کو تصور کر لو۔ وہاں بھی اک دریاے بے پایاں موجزن ہے جس میں سواے واقعات کے ہجوم کے اور کچھ محسوس نہیں ہوتا، یعنے دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ عالم کی زندگی ابدی ہے اس میں زمانے کی قید نہیں، یہ ماضی مستقبل حال کی پابندیوں سے مبرّا ہے آفرینش اس معنی میں ابتداے عالم کا مفہوم نہیں پیدا کرتی ہے

سُنی[1] حکایت ہستی تو درمیاں سے سُنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

آفرینش کے معنی یہ نہیں ہیں کہ خالق اور مخلوق دو مختلف چیزیں اور متضاد وجود ہیں، مخلوق سے ہماری مراد مظاہر یا آثار عالم ہیں اور خالق سے مراد جوہر عالم ہے

[1] یہ شعر موجودہ فلسفی شاعر خان بہادر جناب علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی کا ہے، کس بلا کی شاعری ہے سارے مسئلہ تکوین کو ایک شعر میں ادا کرکے دریا کو کوزہ میں بند کردیا ہے سبحان اللہ

یہ دو مختلف اور متضاد وجود نہیں ہیں بلکہ ایک عالم کے دو عنصر ایک تصویر کے دو رخ ہیں ایک تغیر پذیر یعنی حادث ہے دوسرا مستقل یعنی باقی ہے۔ مخلوق وہ ہے جو کہ بدلتا رہتا ہے خالق وہ ہے جو کہ اپنی جگہ پر قائم ہے اور جبکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ آفرینش کی ابتدا نہ تھی یعنی یہ واقعہ زمانی نہیں ہے تو میری مراد یہ ہوتی ہے کہ عالم تغیرات کی کوئی ابتدا نہ تھی۔

لیکن یہاں اک نئی بات یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر عالم ابدی ہے تو پھر آفرینش کا ذکر ہی فضول ہے۔ کیونکہ مسئلہ آفرینش سے مراد مسئلہ تخلیق عالم ہے، تو کیا پھر کوئی شے ایسی بھی ہے جسکو ہم آفرینش سے تعبیر کر سکتے ہیں، اک ذرا غور کرنے سے معلوم ہوجائیگا کہ تغیرات خود آفرینش ہے، تغیر مطلق ابدی ہے یعنی تغیر من حیث سلسلہ ابدی ہے لیکن ہر چند تغیر جو کہ مل ملا کر اک سلسلہ قائم کرتا ہے ابدی نہیں ہے بلکہ اسکی ابتدا و انتہا ازمنہ ثلاثہ میں ہوتی ہے۔ مناظر قدرت میں اسکی مثالیں بکثرت موجود ہیں، اس عالم ہی کو لو، سائنس کی بدولت ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ کس طرح نظام شمسی کا وجود ہوا، پہلے اسکی کیا ہیئت تھی کیونکر رفتہ رفتہ سیارے وجود میں آئے اور پھر کس طرح ہمارے سیارے یعنی دنیا کا وجود ہوا، کس طرح اسکی تہیں اور پرت قائم ہوئے، کیونکر پہلے جمادات کی ابتدا ہوئی، بعد اسکے نباتات اور حیوانات پیدا ہوئے زندگی کس طرح ہلکی پھلکی ابتدا سے کنجلک اور رفتہ رفتہ بعض ہوتی گئی۔ کس طرح کسی آئندہ زمانے میں حرارت کے زائل ہو جانے سے ہماری دنیا قطعی حیات کے بودوباش کے قابل نہیں رہے گی۔ اور کس طرح چاند ہماری دنیا اور دیگر سیارے جو کہ ہمارے نظام شمسی سے متعلق ہیں آفتاب کے دہکتے ہوئے شعلوں میں کھینچ کر معدوم ہو جائیں گے۔ یہ ساری باتیں جو کہ سائنس نے دریافت کی ہیں نظام کواکب کی تاریخ اور ترکیب کے عظیم سلسلے کا پہلا ورق ہیں۔ اگر ہمارا علم اور زیادہ وسیع

تو ہم اپنے نظام شمسی سے گذر کر اُن نظام کواکب کے وجود کے متعلق تفتیش کرتے جس
میں سیکڑوں ہمارے جیسے نظام شمسی بھرے پڑے ہیں، لیکن تاہم وجود مطلق تک پہنچنا
دشوار محض ہے جسکی وجہ ظاہر یہ ہے کہ ہم کو زمانۂ ماضی کی کماحقہ خبر نہیں ہے اور
نہ ہمارا علم اتنا بڑھا چڑھا ہے کہ ہر چیز کو قانون اسباب کی کسوٹی پر کس کر اسباب و
علل کا پتہ بتادیں اور جبتک ہم ایسا تعلق قائم نہیں کرسکتے کسی واقعہ گذشتہ
کی نسبت کامل وثوق کے ساتھ کچھ بیان کرنا خلاف عقل ہوگا۔ یقیناً یہی کیفیت
اُسوقت تک پیش آئے گی جب کہ ہم زمانۂ مستقبل پر نظر تجسس دوڑائینگے
پس قدرت کا سلسلۂ تغیر محض کا ایک ایسا کارخانہ ہے جسکی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔

یہ تو تغیر مطلق یعنی سلسلۂ تغیر من حیث سلسلہ کا ذکر تھا۔ اب اگر انفرادی
تغیرات کو لو تو معلوم ہوجائے گا کہ ہر مفرد شے کی ایک خاص ابتدا اور انتہا ہے
کوئی زمانہ ایسا بھی تھا کہ جب نہ تو چاند تھا نہ سورج دنیا تھی نہ انسان، قوموں
فرقوں خاندانوں کے عروج و زوال کا ایک خاص زمانہ ہوتا ہے بعد اُسکے
وہ نقش غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے معدوم ہوجاتے ہیں۔ دور کیوں جاؤ روز کے
مشاہدات کو لو، غروب آفتاب کے وقت اگر فضائے آسمانی پر نظر دوڑاؤ تو
دیکھوگے کہ اسکا رنگ بدلتا جاتا ہے وہ بادل کا ٹکڑا جو کہ چند ساعت قبل
سُرخ تھا اب نیلا ہوگیا، لیکن سُرخ رنگ تھا وہ آسمان پر ہماری نظروں کے
سامنے موجود تھا ہم نے اُسکو تدریج بڑھتے ہوئے دیکھا اور رفتہ رفتہ غائب
ہوجاتے ہوئے مشاہدہ کیا، ایک وقت وہ تھا جبکہ وہ نہیں تھا پھر وہ موجود ہوگیا،
اور اب ہمیشہ کے لیے غائب ہوگیا۔ آج کا آسمان کل کے آسمان سے بہت ہی
مشابہ منظر دکھاتا ہے، لیکن آج کا نظارہ آج ہی تک محدود ہے اور آج اور جو کچھ کہ
آج سے متعلق ہے اس دریائے ناپیدا کنار میں جذب ہوجائے گا۔ جسکو ہم ماضی

تعبیر کرتے ہیں، یہاں ہمارے سامنے اک ایسا واقعہ ہے جس سے ہم ہرگز انکار نہیں کر سکتے یعنی اُس شئے کا وجود میں آنا اور پیدا ہونا جو کہ موجود نہیں تھی اور اس کا فنا ہونا جو کہ موجود تھی۔ ہمارے سامنے تغیر کا واقعہ ہے، اور واقعات اور مشاہدات سے انکار محال ہے۔ ایسا ہی تغیر آفرینش ہے اور تغیر کی اس کشاکش میں جو نئی چیز کہ پیدا ہو جاتی ہے وہ مخلوق ہے

تغیرات کا یہ سلسلہ عالمگیر ہے، عالم کے اُن چند اصولوں کے سوا جو کہ مستقل ہیں اور جن کو ہم اصطلاح میں "جوہر" کہتے ہیں۔ ہر چیز بدل رہی ہے۔ آج کی دنیا کل (گذشتہ) کی دنیا ہرگز نہیں، گو کل کی دنیا اور آج کی دنیا کے مابین وہ مستقل وجود بھی ہے، جس کو ہم نے جوہر سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن اُس وجود کے ساتھ ساتھ جو کہ کل (گذشتہ) کی دنیا کو آج کی دنیا سے متحد کرتا ہے۔ تغیرات کا بازار گرم ہے۔ اور روز نئی نئی چیزیں خلق ہوتی رہتی ہیں۔ کل (گذشتہ) کی دنیا ختم ہو گئی اور اک نئی دنیا، یعنی آج کی دنیا اسکی جگہ موجود ہو گئی، اور یہی آج کی دنیا کل (آئندہ) کی دنیا کے لیے جگہ بنا رہی ہے۔ یہ سلسلہ من حیث المجموع کوئی ابتدا نہیں رکھتا، اور نہ اسکی کوئی خاص انتہا ہو گی۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں تھا جبکہ آج کل (گذشتہ) کی جگہ لینے کو تیار نہ ہو اور نہ کوئی زمانہ ایسا تھا جب کہ آج کل (آئندہ) کے لیے جگہ خالی نہ کر رہا ہو۔ لیکن جو کچھ کہ سلسلۂ عالم میں بہ حیثیت مجموعی، سچ ہے اسکی زندگی کے ہر ساعت میں سچ نہیں ہے۔ ہر ساعت اک نئی دنیا پیدا کرتی ہے اور اپنے خالق کا ایک نیا جلوہ دکھاتی ہے، عالم لمحی ایک لمحہ کے ساتھ وجود میں آتا ہے اور اسی کے ساتھ فنا ہو جاتا ہے، آفرینش وہ حادثہ نہیں ہے جو کہ کسی خاص زمانہ یا وقت میں واقع ہوتا ہے۔ بلکہ یہ اک ایسا واقعہ ہے جو کہ ہمیشہ موجود اور حاضر ہے یہ واقعات کا ہمیشہ وجود میں آتے رہنا ہے۔ یہ نئے حادثات اور مظاہر کا ہمیشہ پیدا ہونا اور

پرانے جلووں کا آشنا بنا ہو جاتا ہے۔

لیکن اب یہ دیکھنا چاہیے کہ آفرینش عالم "کیونکر" ہوئی؟ کیونکر منفرد چیزیں اپنی تغیر پذیر حالتوں کے ساتھ وجود میں آتی ہیں، قبل اسکے کہ اس سوال کا جواب دیا جائے "کیونکر" کس طرح کے اعلےٰ مفہوم اور معنی کو اچھی طرح پر سمجھ لینا چاہیے کیونکہ تین معنوں میں مستعمل ہو سکتا ہے۔

اول کیونکر سے مراد وہ ذریعہ ہو سکتی ہے جس سے کوئی شے وجود میں آئے یا بنائی جائے یعنی وہ مادہ یا جنس جس سے اشیا کی ساخت مرکب ہو، اور بنانے والے کی ذہانت اور صنعت، اور وہ قانون قدرت مثلاً قانون اسباب اور کشش جن کے بغیر کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا لیکن یہ مفہوم محض عمارت یا کرسی وغیرہ کی تعمیر یا صنعت و حرفت کے بہترین ایجادوں سے متعلق ہو سکتا ہے، اور آفرینش سے یہ مراد ہرگز نہیں ہو سکتی، کیونکہ خالق عالم نے تو اینٹ پتھر جوڑ کر دنیا کی عظیم الشان عمارت تیار نہیں کی ہے اور ایسا خیال کرنا بھی محض عقل سلیم پر دھبہ لگانا ہے۔

دوسرے ہم انسانی طریقہ ایجاد و اختراع سے جدا ہو کر کیونکر کا اطلاق اُن قوانین قدرت یعنی قوانین اسباب و علل پر کر سکتے ہیں جن کے مطابق وہ تغیرات جو کہ علم میں لاحق ہوتے ہیں وقوع میں آتے ہیں، قانون اسباب واقعات کا تواتر اور تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے واقع ہونے کا نام ہے۔ اب اگر ہم کیونکر سے قانون اسباب مراد لیں تب جو کچھ کہ سائنس اسباب و علل اور دیگر قانون قدرت کے متعلق معلوم کر چکا ہے آفرینش سے ہماری مراد وہی قانون اسباب اور قدرت ہوگی۔

کیونکر اک تیسرے معنی میں اور بھی استعمال ہو سکتا ہے اور یہی وہ مفہوم ہے جو کہ عموماً اس سوال کے جواب میں پیش کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی واقعہ کے محض اُس طریقے اور سلسلے کو بیان کر دینا جس طرح پر کہ وہ واقعہ وجود میں آیا۔

اس امر کو واضح نہیں کرتا کہ کیوں وہ واقعہ ٹھیک اُسی طرح پر ظہور میں آیا جیسا کہ ہم برابر مشاہدہ کرتے ہیں کہ پھوس میں چنگاری پھینکنے سے آگ لگ جاتی ہے یا ایک حصہ تیزابیہ میں دو حصہ مائیہ ملانے سے پانی بن جاتا ہے لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے کیوں چنگاری ہی پھینکنے سے آگ لگ جاتی ہے، پتھر پھول پھینکنے سے نہیں۔ کیوں تیزابیہ اور مائیہ ہی ملانے سے پانی بنتا ہے، تیزابیہ اور شوریہ ملانے سے نہیں، کیوں ہم کو موجودہ ہی عالم ملا ہے دوسرا عالم نہیں، کیا یہی ایک عالم ہے جو کہ وجود پذیر ہو سکتا تھا دوسرا عالم نہیں یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ کیا عالم کا وجود لازم تھا اور اگر تھا تو یہ عالم ایسا کیوں ہوا جیسا کہ موجود ہے۔

اس امر کو ثابت کرنے کے لیے کہ وجود عالم لازمی تھا، یعنی اس کا وجود خالق کی ذات یا طبیعت سے لازمی طور پر مترتب ہو سکتا ہے اس بات کی ضرورت پڑتی ہے کہ ہم خالق اور مخلوق (عالم) میں ٹھیک ویسا ہی تعلق قائم کریں جو کہ کبریٰ اور صغرا کو نتیجہ سے رہتا ہے، اس لیے ہمارا کبریٰ ایسا ہونا چاہیے کہ جس سے ہم اصول منطق کے مطابق عالم کے وجود اور ہستی کو خالق کی ذات اور طبیعت سے لازمی طور پر مستنبط کر لیں۔ لہٰذا خدا کی طبیعت کا بیان ہمارے قضیے میں ہونا ضرور ہے جس کا کبریٰ ایسا ہو کہ صحیح بالذات ہو، اور جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ عالم کا وجود لازمی اور لابدی تھا، اور ایسا ہی ہونا لازمی تھا جیسا کہ موجود ہے۔

لازمیت سے مراد عقلی لازمیت ہے، یعنی یہ عالم ذات مطلق سے مستنبط ہو سکتا ہے اور لازمی صرف وہ چیزیں ہو سکتی ہیں جو کہ مستقل ہیں نہ وہ جو کہ تغیر پذیر ہیں اور جب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ لازمی مستقل ہے تو میری مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ واقعی مستقل اور ابدی ہے، تب یہ عالم اُسی حالت میں ایک لازمی عالم ہو سکتا ہے جب کہ قانون اسباب اور دوسرے قانون مستقل ہیں یہ اک لازمی عالم اُسی

معنی میں ہے کہ اسکے تمام واقعات اور تغیرات قانون اسباب اور قانون تحفظ قوت (یا قانون اجتماع قوت) کے تابع ہیں۔

لیکن تھوڑی دیر کے لیے مان لو کہ خالق نے جس عالم کو پیدا کرنا چاہا تھا اسی کو انتخاب کیا اور اسی کو پیدا کیا یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ موجودہ عالم کی جگہ دوسرا عالم بھی ہو سکتا تھا۔

یہ بات ظاہر ہے کہ اگر اس موجودہ عالم کے ماسوا کوئی دوسرا عالم بھی ہو سکتا تو ہم ذات خالق سے اس موجودہ عالم کو ہرگز منتج نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ ہم نے یہ مان لیا ہے کہ اس عالم کے ماسوا کوئی دوسرا ہی عالم اسکی ذات سے متفق اور مطابق ہوگا۔ جو لوگ اس خیال کے پابند ہیں وہ مسئلہ آفرینش کو اس حد تک پہنچاتے ہیں کہ جبکہ یہ طے پا گیا کہ کون سا عالم وجود میں آئے اسکے بعد کیونکر خالق نے اس عالم کو پیدا کیا یعنی یہ مسئلہ یہاں آکر ٹھہر جاتا ہے کہ چند عالموں میں سے ایک خاص عالم کا انتخاب عقدہ لاینحل اور معمہ ہے کیونکہ اگر وہ قابل حل ہوتا تو وہ لازمی طور پر ذات خالق سے مستنبط ہوتا اس لیے جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ خدا نے چند عالموں میں سے اسی عالم کو پسند کیا وہ یا تو اپنے اس عقیدے کو خیرباد کہے یا اس امر کا اعتراف کرے کہ عالم لازمی طور پر ذات خالق سے مستنبط نہیں ہو سکتا

اب ہمارا تعلق صرف ایک مسئلہ سے وابستہ رہ گیا ہے یعنی وہ مسئلہ جو اس امر پر زور دیتا ہے کہ یہ فلسفی کا فرض ہے کہ وہ عالم کو ذات خالق سے منتج اور مستنبط کرے۔

یہ دعوی محض مہمل ہے کیونکہ اصول منطق کے رو سے صحیح نتیجہ نکالنے میں ہم کو اپنے کبریٰ اور صغرا سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے اور اگر ایسا کریں تو ہم مغالطہ کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن مسئلہ آفرینش کے متعلق تو ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ عالم خدا کی

ذات سے مشتق ہے جوکہ خود عالم سے جدا اور علحدہ ہے یعنی یہ کہنا کہ وہ عالم جوکہ ذات خالق سے اس طرح لازمی طور پر مستنبط ہوتا ہے جس طرح ایک نتیجہ اپنے صغری اور کبری سے، ضرور خالق سے مختلف اور جدا ہوگا' سراسر نادانی اور بدعقلی ہے۔

لیکن یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا واقعی ہم سے (فلسفیوں) اس امر کی توقع کی جاتی ہے بیشک ایسا ہی ہے کیونکہ جس چیز کی تصریح ہم سے پوچھی جاتی ہے وہ تغیر ہے' یعنی اس چیز کا وجود میں آنا جوکہ موجود نہ تھی' اب یہاں پر دو ہی باتیں رہ جاتی ہیں' یا تو وہ عالم جسکی تصریح اور تنقیح ہم سے پوچھی جاتی ہے بالکل نیا ہے۔ جدید ہے یعنی جو کہ پہلے نہ تھا' یا وہ ہمیشہ سے اسی طرح موجود ہے اگر وہ اول الذکر ہے' تو ہم اسکو ذات خالق سے مستنبط نہیں کر سکتے کیونکہ خالق لازمی طور پر مخلوق سے جدا ہوگا اور اگر موخر الذکر تو ہم لوگ سرے سے آفرینش ہی کے منکر ہیں یعنی مجوزہ تغیر ہی سے انکار کرتے ہیں جوکہ بالکل خلاف مشاہدہ اور عقل[لہ] ہے۔

اب اُن تین مسئلوں میں سے آفرینش محض وہ مسئلہ رہ گیا ہے جس کا نمبر دوسرا ہے' تیسرا مہمل ہے' پس غیر موزوں اور نامناسب ہے' پس مسئلۂ آفرینش بالکلیہ اس سوال سے تعلق رکھتا ہے کہ قوانین آفرینش اور قوانین حدوث واقعات کیا ہیں' یعنی مسئلہ آفرینش سے گذر کر ہم مسئلہ ارتقا پر پہنچتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

نصیر حیدر

لہ اسپائی نوزا کا خیال یہ کہ آفرینش وہ ہے جوکہ خالق کی ذات سے یوں نتیجہ ہوتی ہے جس طرح ایک مثلث کے صفات اسکی تعریف سے اخذ کیے جاتے ہیں محض دور افتادہ ہے اور اسکو آفرینش سے کچھ بھی لگاؤ نہیں کیونکہ مثلث کے صفات مستقل ہیں تغیر پذیر نہیں۔ درانحالیکہ ہم کو جو کچھ آفرینش میں واضح کرنا ہے وہ تغیر ہے بہرحال اگر اسپائی نوزا تغیر کو حقیقۃً تصور کرتا ہے تو اسکا یہ خیال غلط محض ہے' اور اگر وہ تغیر کا منکر ہے تو یہ خیال مشاہدہ اور عقل کے خلاف ہے۔

دُکھیا

چودھویں پچہتر برس کا زمانہ ہوا کہ حضرت ابوالفتح مصلح الدین فریا جاہ سلطان عادل خاقان زماں محمد امجد علی شاہ بادشاہ اودھ نے چوالیس برس کی عمر میں تخت سلطنت پر جلوس فرمایا۔

پہلے جب فردوس منزل کے انتقال کی خبر آئی تو حضور اپنے دولت خانے پر حسب دستور قدیم رزیڈنٹ بہادر کے منتظر تھے اتنے میں کپتان شکسپیر استقبال کو آئے اور اپنے ساتھ بادشاہ کو در دولت کی بارہ دری میں لائے حضور نے موافق رسم شاہان اودھ جلوس فرمایا۔

شہزادگان نے سب سے پہلے نذریں دیں اسکے بعد اقربا و متوسلین شاہی نے نذریں پیش کیں سلامی توپ کی شلک ہوئی شہر میں ڈھنڈورا پٹا ارباب نشاط نے تخت کے سامنے مبارکباد گائی۔

اتنے میں بیت الانشا کے ایک منشی نے فرشی سلام کرکے ایک نہایت خوشخط مطلا قطعہ پیش کیا جسکے حواشی پر مذہب شکارگاہ بنی ہوئی تھی قطعہ بیضاوی شان کی حدوں میں تھا جوڑ نہایت پاکیزہ کرسی درست بین السطور بنا ہوا کشادہ کہیں چاول برابر کمی بیشی نہیں قلم کی گردش سُتی ہوئی حرفوں کی خوشنمائی نظر فریب قطعہ تو سرکار میں پیش ہو گیا مگر کسی نے اسکے حُسن و قبح پر نظر نہ کی اور میر حسین علی کو اپنی محنت اور جانفشانی کی داد نہ ملی دلشکستہ دربار سے گھر واپس آئے مردہ دل افسردہ خاطر چہرے پر یاس ٹپک رہی تھی۔ میر صاحب لکھنؤ کے قدیم باشندوں میں تھے سعادت گنج میں مکان تھا دس۱۰ روپیہ ماہوار کے دفتر بیت الانشا

میں ملازم تھے تنخواہ قلیل تھی مگر اُس زمانے میں اسمیں بھی بہت برکت تھی سستا موسم تھا اس قلیل آمدنی پر ایک ماما بھی نوکر تھی۔

میر صاحب کی تقدیر منشی شمس الدین کی قسمت سے ملتی جلتی تھی اتنا بڑا کامل فن اور شاہی زمانہ اور اس کس میرسی کی حالت میں پڑا ہو۔

لیکن بات یہ ہے کہ میر صاحب خلقی کم گو واقع ہوئے تھے اور رسا بھی نہ تھے ان دونوں باتوں نے ان کو پستی میں ڈال رکھا تھا۔

میر صاحب کا قول تھا کہ خداوندان دولت اہل نظر نہیں ہوتے یہ شہرت پسند ہوتے ہیں مشہور اور نامور آدمی کی قدر کرتے ہیں گو وہ فن کے لحاظ سے کچھ بھی نہ ہو۔ یا اُس شخص کی قدر کرتے ہیں جس کا ہاتھ لوگوں کی سعی سفارش سے ان کے دامن تک پہنچ گیا ہو۔

اہل کمال کو اپنے فن پر ناز ہوتا ہے اسلیے اکثر دیکھا گیا ہے کہ ان کا حق نااہل فن اکثر چھین لیتے ہیں اور گنی لوگ ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور ان کی غذا لخت دل اور خون جگر ہے۔

اس زمانے میں آغا عبدالرشید کا لکھا ہوا قطعہ اور حافظ نوراللہ کی وصلی سو سو روپے فروخت ہوتی تھی۔

میر صاحب بھی اپنے فن میں ان کے ہم پلّہ تھے بڑے بڑے لکھنے والے ان کے آگے کان پکڑتے تھے مگر امراو رسا میں ان کی تحریر کی خاک بھی قدر و منزلت نہ تھی اسپر آفت یہ آئی کہ میر صاحب کی ملازمت کا سلسلہ بھی منقطع ہوگیا بیت الانشا میں سرکار کی طرف سے تخفیف منظور ہوئی تو سب سے پہلے میر صاحب کا نام کاٹ دیا گیا اب روزمرہ خرچ کی بھی تکلیف ہونے لگی اور کثرت افکار سے میر صاحب کے حواس مختل ہو گئے۔

(۲)

آج سعادت گنج میں میر صاحب کا کچا مکان ایک عالیشان پختہ عمارت کی شکل میں نظر آتا ہے پھاٹک کی بغل میں ایک کمرہ نہایت وسیع فرش فروش سے آراستہ پیراستہ قطعات سے مزین نظر آتا ہے اُمرا کے لڑکے اصلاح کی غرض سے آتے ہیں کچھ وہیں بیٹھے ہوئے مشق کر رہے ہیں۔

ایک صاحب میر صاحب سے الگ گوشے میں کچھ سرگوشی کر رہے ہیں۔ آغا عبد الرشید کا لکھا ہوا ایک قطعہ نکالا ہے اور کہتے ہیں دیکھیے اسمیں بال برابر فرق دور ہے۔ دس روپیہ حاضر خدمت ہیں میر صاحب نے پیش شدہ رقم بخوشی منظور فرمائی اور ایک کونے میں بیٹھکر نہایت اطمینان سے قطعہ کا چربہ اتار لیا اور دوسرے روز تیز روشنائی سے بھر کر آغا کا نام لکھکر صاحب فرمایش کے سامنے اصلی اور نقلی دونوں قطعے پیش کیے۔ اگرچہ وہ بڑے مبصر تھے مگر کسی طرح دونوں میں امتیاز نہ کرسکے کہ اصل کون ہے اور نقل کون اس خوشی کے جوش میں میر صاحب کے ہاتھ چوم لیے اور کہا سچ تو یہ ہے کہ یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ اس طریقہ سے میر صاحب کو دو سو روپیہ ماہوار کی آمدنی ہے اور بہت سے تاجر میر صاحب کے ایجنٹ بنے ہوئے ہندوستان کے مختلف حصص میں تجارت کر رہے ہیں اور ان کو بہت نفع ہے۔ میر صاحب کے دوست ایک شیخ کلن صاحب ہیں جو بمثل حکاک مشہور ہیں بلور کو ہیرا یاقوت نیلم پکھراج ایسا بنادیتے ہیں کہ بڑے بڑے جوہری ان کا لوہا مانے ہوئے ہیں ان کے وسیلے سے بھی ہزاروں آدمی روٹی کماتا ہے آدمی مخیر ہیں خیرات بھی حسب حیثیت کرتے اور کنبہ پرور بھی ہیں۔

وضع سیدھی سادی باتیں بھولی بھالی مروت کے پتلے ہیں دونوں میں

نہایت ارتباط ہے دونوں کی ایک ہی جگہ چسکی کھلتی ہے اس زمانے تک افیوں بھی شرافت کی علامت میں شمار کی جاتی تھی اور کوئی صحبت اس سے خالی نہ تھی مرزا رجب علی بیگ سرور آفتاب الدولہ قلق وغیرہ میر صاحب کی صحبت افیون کے رکن اعظم تھے۔

گھر میں چار پانچ خدمتگار نوکر تھے لڑکوں پر معلم ملازم مگر میر صاحب کو اپنی لڑکی عابدہ بیگم سے بہت محبت تھی وہ کہتے تھے یہ میرے گھر میں خدا نے بھیجی ہماری ہے جب سے یہ پیدا ہوئی ہے میری آمدنی میں حیرت انگیز ترقی ہوگئی ایک وہ دن تھا کہ میں دس روپے ماہوار کا ملازم تھا پھر ایک وہ زمانہ آیا کہ جب نوکری سے برطرف ہوا ہر وقت روٹی میسر آتی نہ بچے ذرا ذرا سی چیز کو ترستے تھے اب خدا کا دیا ہوا سب کچھ ہے اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے جب سے لڑکی نے ہوش سنبھالا روپے کی ریل پیل ہوگئی ہے چاروں طرف سے دولت چلی آتی ہے میں تو اسے عابدہ کی قسمت سمجھتا ہوں امیر حسین نصیر حسین کی شادی تو عسرت کے زمانے میں ہوئی جب ہمارا ہاتھ بہت تنگ تھا اب لڑکی کی شادی میں دل کے ارمان اچھی طرح نکلیں گے۔

جہیز کا سامان تو میر صاحب نے سب کچھ جمع کر لیا تھا زیور بھی اعلیٰ قسم کا خوش خرید لیا تھا شادی کے پیغام چاروں طرف سے چلے آتے تھے لیکن میر صاحب نے اپنے ایک عزیز قریب غریب لڑکے کو سب پر ترجیح دی اور دل کھول کر خرچ اٹھا کر لڑکی کی شادی کی دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ایسی تقریب میر صاحب کی کئی پشتوں میں نہ ہوئی تھی۔

(۳)

شادی کو پورا سال گذر چکا ہے عابدہ اپنی سسرال میں ہنسی خوشی بسر کرتی ہے

میاں بیوی میں اتفاق ہے گرمی تراتے کی پڑ رہی ہے دوپہر کو ہری ہری تازہ ککڑیاں
کلیجے میں ٹھنڈک ڈالتی ہیں برسات کا آغاز ہوتے ہی تمام شہر میں ہیضے کی بیماری
پھیل گئی اموات کی کثرت ہوگئی لوگ شہر چھوڑ کر بھاگنے لگے۔

احمد حسن عابدہ کا شوہر بہت دل کا کچا تھا بیوی سے صلاح کی شہر میں
بیماری بہت ہے کہو تو تبدیل آب و ہوا کی غرض سے کہیں دیہات کو چلے
چلیں مہینہ دو مہینے کے بعد پھر واپس آجائیں گے بیوی نے کہا تم بڑے
ڈرپوک ہو مرد ہو کر اتنے ڈر گئے تم سے تو میں عورت اچھی ایسی بات
مُنہ سے نہ نکالنا لوگ ہنسیں گے تمہاری اوقات اتنی کہاں کہ پردیس کا
خرچ اُٹھا سکو اور خدا جانے وہاں کیا واقعہ پیش آئے یہاں دس
عزیزوں کا تو سہارا ہے غیر شہر میں کون کس کا پوچھنے والا ہے اور اب تو
میں سُنتی ہوں بہت کم ہے۔

اس گفتگو کے آٹھ دس روز بعد بارہ بجے رات احمد حسن کی آنکھ دفعتہً
کھُل گئی سینے پر کچھ گرمی معلوم ہوتی تھی طبیعت مالش کر رہی تھی ہاتھ پاؤں
ٹھنڈے تھے پیٹ میں اپھار تھا بیوی کو جگا کر کہا ذرا چراغ جلا دو میں
پیخانے جاؤں گا جب تک وہ نیک بخت چراغ جلائے جلائے آپ
پانی لے کر اندھیرے میں چلا گیا بیوی نے پوچھا خیر تو ہے کچھ مُنہ سے جواب
نہ نکلنے پایا تھا کہ ایک لمبا دست آیا تمام جسم عرق عرق ہوگیا طبیعت مضمحل
ہوگئی مشکل پیخانے سے نکل کر چارپائی پر گرا دفعتہً ایک قے ہوئی اور غشی
کی حالت طاری ہوگئی اسوقت رات کو کیا ہوسکتا تھا مگر پھر بھی عورت
ذات نے [illegible] ہوشیاری کی فوراً حکیم کو طلب کیا دوائیں منگوائیں اور
پلائیں مگر وقت پورا ہوچکا تھا بیماری اپنا اثر کر چکی تھی دوا کارگر نہوئی اور

صبح ہوتے ہوتے ہی احمد حسن نے انتقال کیا۔

اب غریب عابدہ اپنے بھائیوں کے ساتھ رہتی ہے باپ مر چکا سسرال میں کوئی پوچھنے والا نہیں مجبوراً بھائیوں کے یہاں زندگی کے دن پورے کر رہی ہے بھائیوں نے باپ کے ترکے کا ایک پیسہ بھی غریب کو نہیں دیا نہ وہ مانگ سکتی تھی نہ اسکی دوسری شادی کی کیونکہ یہ بات رواج خاندان کے خلاف تھی موٹا جھوٹا کپڑا اور روکھی سوکھی روٹی بھی چند روز کے بعد گراں ہونے لگی بات بات پر دبائی جاتی تھی اور ہر موقع پر غم کھانا پڑتا تھا وہ سوچتی تھی کہ اب دنیا میں انکے سوا میرا کون ہے لیکن بھاوجوں کی لگائی بجھائی سے اسکا ناک میں دم تھا بات بات پر شوہروں کو بھڑکاتی تھیں روز کی تکا فضیحتی روز کا جھگڑا بکھیڑا جب بہت تنگ آتی تھی تو دل کی بھڑاس نکالنے کو اپنے رہنے کے کمرے کا دروازہ بند کرکے دو دو گھنٹے لگاتار زار و قطار رو لیا کرتی۔

جب دلوں میں کشیدگی بڑھ گئی اور بھائیوں نے غریب بیوہ بہن کو مجبور اور بے بس پاکر ہر وقت اپنا غصہ اُتارنا شروع کیا تو اس نے اپنے دل میں فیصلہ کرلیا چاہے بھائیوں کی ناک کٹے یا رہے میری تو اب اس گھر میں بسر نہ ہوگی۔ بھاوجوں کا بغض ایسا رنج دہ نہیں ہے اس لیے کہ وہ غیر ہیں مگر بھائیوں کی بے اعتنائی اور زباں درازی ہرگز قابل معافی نہیں خدا کے سوا میرا فریاد رس دنیا میں کوئی نہیں باپ کا ترکہ میری پرورش کو کافی تھا مگر مجھے کون دے گا اس کا ذکر زبان پر لانا بے سود ہے۔

خیر میرے ہاتھ پاؤں سلامت رہیں محنت مزدوری کرکے کھاؤں گی اور اس در پر نہ آؤں گی ایک روز اسی طرح بہت شدت کی لڑائی ہوئی کہ محلے والے توبہ توبہ کرنے لگے عابدہ بیگم نے ہمسائی سے کہا مجھیں کوئی مکان

آٹھ آنے مہینے کا غریبا مئو مل جائے تو مجھے دلوا دو ہمسائی نے کہا ہمارے نند وئی کا ایک مکان اسی محلے میں خالی ہے عابدہ نے دو مہینے کا کرایہ ایک روپیہ پیشگی دیا اور اپنا انگڑ کھنگڑ لے کر اٹھ گئی محلے کے لوگ جو اسکے باپ سے واقف تھے انکو بہت افسوس ہوا اور اسنے بھی ہمت کرکے اپنی پس ماندہ پونجی پر بسر کرنا شروع کیا کچھ ماما ئیں ترس کھا کر اور بیوہ سمجھ کر آٹھویں دن اسکو جنس خرید لا دیتیں اور اکثر بیکار ماما ئیں اسی کے یہاں رہا کرتیں۔

عابدہ بیگم کی اب زندگی سلائی پسائی کڑھائی پر بسر ہوتی ہے جب کچھ کام نہیں ملتا تو فاقے کی نوبت آتی ہے بہت کمزور اور نحیف ہو گئی ہے صورت نہیں پہچانی جاتی۔

ایک روز برسات کا زمانہ تھا موسلا دھار پانی برس رہا تھا اور اسکے ساتھ ہوا کا وہ زور کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ عابدہ بیگم یکی میں رہی تھی دفعۃً سے در وہ کھسکا اور دالان کی سب دھنیاں زمین بوس ہو گئیں۔ لیکن دھنیاں کچھ اس قطع سے قینچی ہو گئیں کہ اسکی ہڈیاں پسلیاں چور ہونے سے بچ گئیں اور یہ اسی کے اندر پڑی رہی کچھ دیر ہوا کے نہ آنے سے دم گھٹنے لگا جب تک پانی برسا کیا کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کھلنے کے دو تین گھنٹے بعد ہمسایہ عورت نے ہمدردی کی راہ سے اپنے شوہر کو عابدہ بیگم کی خیریت دریافت کرنے بھیجا انھوں نے آکر دیکھا مکان گرا پڑا ہے گھبرا کر کئی آوازیں دیں جب کوئی جواب نہ آیا تو دوڑ کر اسکے بھائیوں کو اطلاع دی دونوں کے دونوں دوڑے آئے مزدور لگا کر دھنیاں ہٹوائیں تو دیکھا عابدہ بیگم بالکل بے حس وحرکت بیہوش پڑی ہے چارپائی پر لٹا کر باہر نکالا کچھ دیر کی مہمان تھی ہوا کے لگنے سے آنکھ کھولی بھائیوں سے کہا اچھا تم سب لوگ ہمارا کہا سنا معاف کرنا کچھ دیر کے مہمان ہیں اتنی چند روزہ زندگی پہاڑ ہو گئی تھی کسی طرح کاٹے نہ کٹتی تھی۔

ہزاروں لڑائیاں جھگڑے رسوائیاں بدنامیاں جو جو قسمت میں لکھی تھیں پوری ہوئیں جسکے در پر بیٹھے دوبھر ہوگئے باپ دادا کی عزت کے خیال سے خاک میں مل گئے سلائی پسائی پر بسر اوقات کی ایک وقت بھی آدھا پیٹ کھانا مشکل سے میسر آتا تھا ایسے آزمایش کے وقت میں بڑے بڑے خدا رسیدوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں تو ہم دنیا کے کتے کیا ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ اس نے عزت آبرو سے محنت مزدوری سے ہماری چندروزہ زندگی بڑی بھلی طرح بسر کرادی اب آخری منزل در پیش ہے یہاں کی تکلیف تو ختم ہوچکی اب وہاں اسکے فضل وکرم سے اچھی بنے۔

مَیں تمھیں ایک وصیت کرتی ہوں بیوگی کی حالت میں جو مجھے تلخ تجربہ ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کے دستور کے موافق پردہ ایک ضروری چیز ہے اسکو قائم رکھنے کے بعد بے وارث عورتوں کا کس مپرسی کی حالت میں پڑا رہنا سب سے زیادہ دردآمیز واقعہ ہے گویا ہندوستان میں عورت اکیلی تنہا رہ کر زندگی بسر نہیں کرسکتی اور پھر پردہ کی زندگی۔ایک ایک چیز کو ترستی ہے ایک ایک کام کو ہزاروں کی خوشامد کرتی ہے کسی نے ترس کھا کر بازار سے سودا لا دیا تو کھانا میسر آیا نہیں تو فاقہ ہے یہ اُن کا ذکر ہے جنکے پاس پیسہ ہے یا کچھ محنت مزدوری کرکے دو پیسے پیدا کرلیتی ہیں۔

اور خدانخواستہ جنکے پاس پیسہ نہیں ہے اور ہاتھ پاؤں سے معذور ہیں محنت مزدوری کی عادت نہیں ہے ان کی تو رانڈ ہونے کے بعد ہندوستان میں مٹی خراب ہوتی ہے اگر باپ دادا کی عزت کے لحاظ سے پردے سے باہر نکلنا نہیں چاہتی ہیں تو فاقے کرکے کوٹھری کے اندر جان دیدیتی ہیں۔

ان مصیبتوں کا مجھے خوب اندازہ ہوچکا عزیزوں کی بیوفائی دیکھی

بھائیوں کی بے اعتنائی دیکھی محلے والوں کی بے پروائی دیکھی ہمسایوں کی کج ادائی دیکھی رزیلوں کی رُکھائی دیکھی جتنی تکلیفیں جتنی مصیبتیں تھیں سب کا بھرپر خاتمہ ہوگیا اور یہ اس لیے کہ کوئی اپناگی والا وارث ایسا نہ تھا جو ہماری عزت کو اپنی عزت اور ہماری آبرو کو اپنی آبرو سمجھتا اس لیے میری دست بستہ سب بھائی بہنوں سے گذارش ہے کہ جہاں تک ہو سکے رانڈ بیوہ کے دو بول کسی شریف غریب کے ساتھ ضرور پڑھادیں اور اس بد رسم کی ہندوستان سے بیخ و بنیاد نیست نابود کردیں۔

اس بدرسم نے ہزاروں شریفوں کی آبرو خاک سیاہ کردی۔ ہمارے باپ کی عزت و آبرو کا خیال کرو اور ہماری حالت کا اندازہ کرو تو دونوں میں زمین آسمان کا فرق پاؤگے۔

عشرت لکھنوی

پیمانِ وفا

(تمہید۔ لیڈی کلیر ایک ارل کی اکلوتی بیٹی خیال کی جاتی تھی اور لارڈ رونلڈ اس کا بھتیجا تھا۔ اسلیے وہ دونوں چچیرے بھائی بہن سمجھے جاتے تھے۔ لیڈی کلیر ارل کی ارثفعو کھائی تھی مگر اسکی بڑھی دایہ نے اس بات کا اقبال کیا کہ وہ اسکی ہی لڑکی تھی نہ کہ بڈھے ارل کی کیونکہ اسکی لڑکی ایام طفولیت میں مرگئی تھی۔ بدیںوجہ لیڈی کلیر ارل کی وارثہ نہ تھی بلکہ اسکا بھتیجا لارڈ رونلڈ اسکا وارث تھا۔ اور حق دار تھا۔ اس سے شادی ہونے کے بعد لیڈی کلیر پھر بھی اسکی بیوی ہونے کی وجہ سے لیڈی رہی)

لارڈ ٹینی سن نے اس واقعہ کو بعنوان لیڈی کلیر نظم کیا ہے جس کو میں آج اپنی زبان کا جامہ پہناکر پیمان وفا کی سرخی سے ضیافت طبع ناظرین کے لیے پیش کرتا ہوں۔

جب کھِلا کرتا ہے نیلوفر انھیں ایام میں
جن دنوں چھاجاتا ہے ابر بہاری چرخ پر

اک ہرن رونلڈ لایا تھا پے نذرِ کلیر
بال تھے جسکے سفید و صاف و نرم و خوب تر

اتنا کہہ سکتا ہوں رو رو کر ہوئے دونوں جدا — دامِ الفت کے تھے وہ بیشک گرفتارِ قدیم
صبح اُن دونوں کی شادی ہونیوالی ہے ضرور — اس مبارک دن پہ بفضلِ خداوندِ کریم

میری عالی خاندانی سے نہیں الفت اسے — اسکو میری پلک بھی ہاں ہاں نہیں محبوب ہے
خوبیوں کی وجہ سے میری ہوا مانوس وہ — ہنس کے لیڈی نے کہا مجھکو یہی مطلوب ہے

بڈھی ایلس اسکی دایہ نذر آئی اس گھڑی — اور پوچھا تجھ سے ملکر کون یہ اس دم گیا
ہنس کے لیڈی نے کہا میرا چچیرا بھائی تھا — قسمتیں کل دونوں کی وابستہ ہونگی برملا

ہنس کے دایہ نے کہا شکر خدائے ذوالجلال — ہائے اب نکلیگی میری حسرتِ خاطر نشین
سچ تو یوں ہے فی الحقیقت تو نہیں لیڈی کلیر — وارث جائز وہی ہے تو نہیں ہاں تو نہیں

دایہ میری دایہ ۔ پیاری دایہ لیڈی نے کہا — کیسی بہکی بہکی باتیں کرتی ہے تو یا یقیں
پھر تو دایہ نے کہا اس سے کہ خالق کی قسم — تو تو میری لڑکی ہے جھوٹ اسمیں پیاری کچھ نہیں

سچ میں کہتی ہوں خدا شاہد ہے میری بات کا — اُس کی لڑکی مری سینے پہ میرے ہائے ہائے
اپنے بچے کی طرح ہاں دفن اُسکو کر دیا — رکھدیا پھر لال کو اپنے مگر اس کے بجائے

غمزدہ ہو کر کہا گر سچ ہے یہ سب پیاری ماں — تو برا بیشک ہوا بے شک ہوا یہ ناروا
ایسے پاک اوصاف باطن نیک سیرت شخص کو — اتنی مدت ہائے اسکے حق سے رکھنا یوں جدا

پھر تو ایلس نے کہا بیٹی نہ اب ظاہر ہو یہ — تا دمِ مرگ ابتو اسکی رازداری ہے ضرور
بعد شادی اُسکی بھی وہ ملکیت ہو جائیگی — کہنے کو فی الحال وہ بیشک تمہاری ہے ضرور

ہاں اگر میں ہوں فقیر بیٹی اُس نے کہا — جھوٹ سے کیا کام سچی بات کردوں آشکار
میری پوشش سے نکالو کھینچ کر زریں بروچ — پھینکدو میرے گلے سے لے کے یہ ہیرے کا ہار

ملتجی ہو کر کہا ایلس نے لے بیٹی مری — رازداری کر جہاں تک ہو ۔ روا ہے یا نہیں
غیر ممکن ہے یہ ماں اُسنے دیا فوراً جواب — دیکھنا ہے مرد میں کچھ بھی وفا ہے یا نہیں

خود اندیشی سے دایہ نے کہا ۔ کیسی وفا — وہ تو یہ سوچے گا ۔ آخر کیوں نہ میں حق کو لوں

اسپہ لیڈی نے کہا ہاں اسکو ملنا چاہیے — آج ہی شب میں اجل سے خواہ ہم آغوش ہوں
ایک بوسہ اپنی پیاری ماں کو تاہم کر عطا — یہ خطا اے میری بیٹی کی فقط تیرے لیے
میری ماں اے پیاری ماں ہاں پیاری ماں اُسنے کہا — ہے تعجب خیز یہ بیشک بہت میرے لیے
تاہم اک بوسہ ہے اپنی پیاری ماں کے واسطے — اپنی ماں کے واسطے گریاں ہے بے ریب و ریا
دستِ شفقت اپنا میرے سر پہ رکھکر پیاری ماں — قبل میرے جانے کے کر میرے حق میں تو دعا
اس نے پہنا گندمی رنگت کا اک سایہ مگر — سچ جو پوچھو اب نہ تھی پہلی سی وہ لیڈی کلیر
اپنے گیسوے معطر میں لگا کر اک گلاب — گھاٹیوں میں غار میں ہو کر گئی کھا کھا کے پھیر
وہ غزالِ رعنا ہاں رونلڈ جسکو لایا تھا — کود کر اپنی جگہ سے ہو گیا بس اسکے ساتھ
کیا کروں میں ہائے اسکے جذبۂ الفت کا ذکر — سر پہ اسکے رکھا تھا لڑکی کا کس الفت سے ہاتھ
زینے سے نیچے اُتر کر لارڈ نے اس سے کہا — تم کو زیبا ہے کہ پوشش خوب ہو معقول ہو
کپڑے کیوں پہنے ہو تم دہقان زادی کی طرح — تم تو اے جانِ جہاں باغ جہاں میں پھول ہو
ہاں مرا ملبوس گر دہقان کی لڑکی سا ہے — انقلاب دہر۔ یہ بھی ہے مری قسمت کا پھیر
سچ میں کہتی ہوں کہ میں پیدائشی ہوں اک فقیر — اب یہ ظاہر ہو گیا ہے۔ میں نہیں لیڈی کلیر
مجھ سے رہنے دو یہ فقرے لارڈ نے سُنکر کہا — قول میں اور فعل میں میں ہوں تمہارا بیگمان
رہنے دو اپنے یہ فقرے لارڈ نے پھر یہ کہا — یہ معمہ میں نہ سمجھا کچھ کہو تو جانِ جاں
فخر سے اور ناز سے تن کر کھڑی سیدھی ہوی — اور نہیں آنے دیا دل پہ کوئی بار گراں
بعدہ رونلڈ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے — اپنی دایہ کی سُنا دی اُسنے ساری داستاں
اتنا سُنکر وہ ہنسا جوشِ مسرت کی ہنسی — اسکو سینے سے لگایا اور کیا پھر اسکو پیار
اور کہا گر تم نہیں ہو وارثہ پیدائشی — اور میں ہوں خاندانی اور قریبی رشتہ دار
ہاں اگر پیدائشی وارث نہیں تم ارل کی — ق اور میں ہوں وارث جائز سُنا اے جانِ جاں
تم رہو گی دیکھنا پھر بھی وہی لیڈی کلیر — عقد جب ہم دونوں کا ہو جائے گا کل بیگمان

باسط بسوانی

مسلمانوں کے احسانات ایرانی علوم وفنون پر

(۱)

بعض علماے یورپ کے تعصب یا تاریخ دانی کا اس سے اچھی طرح اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر اکثر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انھوں نے تمام دنیا کے معارف علمیہ میں صرف ارسطالیس کے فلسفہ کی خدمت کی اور نہایت بیدردی سے ہم پر تمام دنیا کے علوم و فنون تباہ و غارت کرنے کا الزام لگاتے ہیں اندیاڈ افسوس اسکا ہے کہ بعض اوقات مسلمان بھی اس معاملہ میں انکے ہم آہنگ ہوجاتے ہیں حال ہی میں میرے ایک انگریزی خوان دوست نے بڑے زور سے دعویٰ کیا کہ یقیناً ایران کے علوم و فنون مسلمانوں ہی نے حضرت عثمانؓ کے حکم سے برباد کردیے لطف یہ ہے کہ میرے دوست یہ بھی فرماتے تھے کہ "اسمیں کیا مضائقہ ہے اگر ایرانیوں کے کتبخانے جلادیے گئے تو کیا ظلم ہوا؟" میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یقیناً یہ انگریزی خوان جماعت ہم عربی خوانوں سے بھی زیادہ گرفتار تقلید ہے اور اسکا ایمان ہم سے کہیں زیادہ پختہ ہے کیونکہ اگر ہم کو اسکا یقین ہوتا کہ مسلمانوں نے قصداً کتب خانوں کو ضائع کردیا ہے تو ہم یقیناً انکو ظالم و وحشی خیال کرتے اسکے ساتھ یہ بھی خیال ہوا کہ ایران کے علوم و فنون کے متعلق ایک مختصر سا مضمون لکھنا چاہیے

جو جماعت کچھ بھی اسلامی تاریخ سے واقف ہے اس اعتراض کو حقارت آمیز ہنسی کے ساتھ سنکر خاموش ہوجاتی ہے، حالانکہ یہ اعتراض اگر رفع نہ کیا گیا تو آئندہ عام غلط فہمی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے نوفل آفندی جو بیروت کا ایک

مشہور عیسائی مورخ نے اپنی کتاب صباحۃ الطریبا میں لکھتا ہے "یہ بات نہایت حیرت انگیز ہے کہ اہل عرب جو ہر قدم پر تمدن و تہذیب کو برباد کرتے تھے، جنھوں نے حضرت عمر کے حکم سے اسکندریہ کا کتب خانہ جلا دیا جنھوں نے حضرت عثمان کے حکم سے فارس کے علوم وفنون تباہ کر دیے جنکے فاتحانہ حملوں کے ساتھ ہی انطاکیہ اور بیروت کے مدارس فنا ہو گئے، جنھوں نے مصر کی مشہور یادگاروں ابوالہول اور اھرام کے مٹا دینے کا ارادہ کیا وہ کیونکر دوسری اقوام کے معارف علمیہ کی طرف متوجہ ہوئے" ہم کو اس موقع پر مصنف کی تقبیہ پے در پے غلط بیانیوں سے غرض نہیں بلکہ اسوقت ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں نے فارس کے علوم وفنون کی حفاظت کی یا برخلاف اسکے ان کو ضائع کر دیا۔

حیرت ہے کہ مسلمانوں پر کیونکر ایران کے علوم وفنون برباد کرنے کا اتہام لگایا جاتا ہے حالانکہ فارسی لٹریچر کے ساتھ مسلمانوں کو جو تعلق ہے وہ کسی اور زبان سے ہرگز نہیں علم الحرب میں پہلا سبق مسلمانوں نے اہل ایران سے لیا چنانچہ خندق کھود کر دشمنوں کا مقابلہ کرنا خود شارع علیہ السلام نے حضرت سلمان فارسی سے معلوم کیا، عرب کا نظام حکومت اگرچہ خود جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم قائم کر چکے تھے مگر باایں ہمہ مسلمانوں نے بہت سی باتیں اہل عجم سے معلوم کیں چنانچہ حضرت عمر نے دفتر کو اہل عجم کے طریقہ پر ترتیب دیا اسی بنا پر اسکا نام دیوان (جو خالص عجمی لفظ ہے) رکھا گیا، عرب میں دستاویزوں پر تاریخ نہیں لکھی جاتی تھی جس سے طرح طرح کی مشکلات کا سامنا ہوتا تھا سب سے پہلے حضرت عمر نے سلمان رضؓ فارسی کے مشورہ سے سنہ ہجری کی بنیاد رکھی۔ فارسی لٹریچر کی طرف مسلمان صحابہ کرام ہی کے زمانے سے متوجہ ہو گئے تھے چنانچہ حضرت مغیرہ جو ایک جلیل القدر صحابی تھے فارسی سے خوب واقف تھے حضرت عمر کے دربار میں ایران

ایک قاصد آیا تو انھوں نے اس سے فارسی میں گفتگو کی[1]۔ پہلی صدی کے ختم ہوتے ہوتے فارسی لٹریچر سے اسقدر ذوق پیدا ہوگیا تھا کہ کثرت حدیثیں فارسی کی فضیلت میں گڑھی گئیں یہاں تک کہ عمر بن موسیٰ ابن وحیہ نے جو خود عربی النسل تھا فارسی کی محبت میں یہ حدیث وضع کی اِنَّ اللهَ اِذَا غَضِبَ اَنْزَلَ الْوَحْیَ بِالْعَرَبِیَّۃِ وَاِذَا رَضِیَ اَنْزَلَ الْوَحْیَ بِالْفَارْسِیَّۃِ خدا جب غضب آلود ہوتا ہے تو عربی میں وحی بھیجتا ہے اور جب خوش ہوتا ہے تو فارسی میں[2] دوسری قوموں کے علوم و فنون سے آجکل جسقدر ہمیں نفرت ہے اس سے مشکل یقین آتا ہے کہ مسلمانوں کو بھی کبھی دوسروں کے علوم وفنون سے محبت رہی ہوگی مگر واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے وجود کے ساتھ ہی دوسری قوموں کے لٹریچر کی طرف توجہ کی چنانچہ خود رسالتمآب صلعم نے حبر الامۃ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عبرانی سیکھنے کا حکم دیا اور پھر خود انھوں نے اپنے شوق سے سُریانی زبان سیکھی۔ یہاں پر یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ سُریانی بھی (اگرچہ ایرانی زبانوں میں سے نہیں ہے مگر) فارس کی علمی زبانوں میں سے ایک زبان تھی جیسا ہم آگے چلکر بیان کریں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اگرچہ عبری زبان سے واقف نہ تھے مگر حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ یہود کے مذہب پر سب سے زیادہ حضرت ابوہریرہ کو عبور رکھا[3] ناظرین ہیں سے قیاس کرسکتے ہیں کہ غیر قوموں کے لٹریچر کے ساتھ مسلمانوں کا طرز عمل کیسا تھا۔

فرض کیا جائے کہ عربوں نے حضرت عثمان کے حکم سے ایران کے علوم و فنون ضائع و برباد کر دیے لیکن پھر بھی سوال کیا جا سکتا ہے کہ کب اور کیونکر؟ مسلمانوں سے قبل ایران میں صرف ایک کتبخانہ تھا جسکا نام کتبخانہ کہندز ہے۔ یہ کتبخانہ جی رستاق اصفہان میں تھا ہم اس کتبخانہ کے حالات آگے چلکر بالاختصار بیان کر دینگے لیکن

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۷۰ [2] اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ا

اسوقت سوال یہ ہے کہ مسلمان اگر اس کتبخانہ کو برباد کرنا چاہتے بھی تو کیونکر برباد کرسکتے تھے۔ اگر یہ اعتراض حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کیا جاتا تو ممکن تھا کہ تھوڑی دیر کے لیے ہم باور کرلیتے کہ شاید فتوحات کے عام جوش میں اس خزانۂ علوم پر بھی کوئی آفت آگئی ہو مگر جب ہم کو یہ معلوم ہوجاتا کہ اصفہان کیونکر فتح ہوا تو اصل حقیقت کھل جاتی ۔ سنہ ۱۹ھ میں جب اسلامی فوج اصفہان کی طرف بڑھی تو اسوقت وہاں کا گورنر قاذوسقان نامے ایک افسر تھا جس نے مسلمانوں کے امیر لشکر (کمانڈر) حضرت عبد اللہ بن بدیلؓ سے کہا اس سے کیا فائدہ ہوگا کہ دونوں طرف سے خون کا دریا بہے آؤ صرف ہم تم باہم لڑیں جو غالب آئے وہی فاتح تسلیم کیا جائے چنانچہ مقابلہ ہوا اور عبد اللہؓ بن بدیل غالب آئے آخرکار قاذوسقان نے اس شرط پر صلح کرلی کہ "جسکو مسلمانوں کی حکومت پسند ہو جزیہ دیکر ذمیانہ حقوق حاصل کرے اور رہے اور جسے ان کی حکومت ناپسند ہو اپنا اسباب لے کر جہاں جی چاہے چلا جائے" چنانچہ تیس۳۰ آدمیوں کے علاوہ تمام مرد وزن نے نہایت خوشی کے ساتھ مسلمانوں کا سایۂ عاطفت قبول کیا، عہد نامہ میں یہ شرط بھی تھی کہ مسلمان ان کے جان ومال کی حفاظت کریں گے اوراسکے عوض میں اہل اصفہان کو جزیہ دینا ہوگا اور ان کے مال واسباب جان ومذہب سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائیگا۔[۱] اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں مسلمان یہاں کے کتب خانہ کو کیونکر غارت کرسکتے تھے جب تمام مورخین کو یہ تسلیم ہے کہ اوائل اسلام میں عموماً اور حضرت عمرؓ کے عہد میں خصوصاً جب مسلمان کوئی معاہدہ کرلیتے تھے تو اُسپر ضرور عمل کیا جاتا تھا۔ کہندژ کے علاوہ ایران میں کسی اور کتب خانہ کے موجود ہونے کا گمان ہوسکتا ہے تو وہ جُندی سابور میں ہوسکتا تھا

---

[۱] معجم البلدان باب الالف ص۵۲ نوی سنی بُرا زاقلمہ

مگر جندی سابور بھی سنہ ۱۹ھ میں انھیں حضرت عبداللہ بدیل کے ہاتھوں بغیر ایک قطرۂ خون گرے مفتوح ہوا عہد نامہ میں یہ شرط تھی کہ اسلحہ حرب کے علاوہ اہل جندی سابور کے مال سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائیگا، پھران واقعات کے ہوتے ہوئے کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے کہ ایران کے علوم و فنون کو مسلمانوں نے حضرت عثمان کے حکم سے برباد کردیا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایران کے معارف علمیہ کے تباہ کرنے کا جو الزام دیا جاتا ہے بالکل غلط اور بے بنیاد ہے

(۲)

خلافت راشدہ کے بعد بنی امیہ کی حکومت قائم ہوگئی اس زمانے میں ان علوم کے تباہ ہونے کا کوئی مورخ قائل نہیں ہوسکتا خالد بن یزید ہی کے وقت سے مسلمانوں کو دوسری اقوام کے علوم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوچکا تھا حجاج بن یوسف کے زمانے تک عراق کا دفتر فارسی میں تھا سنہ [illegible]ھ میں فارسی سے عربی میں منتقل کیا گیا۔ اب ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں کہ دفتر نقل کرنے میں کن کن فنون کو عربی میں نقل کرنے کی ضرورت پڑی ہوگی مثلاً عراق کا دفتر اسی لیئے فارسی میں رکھا گیا تھا کہ اہل عرب حساب و کتاب سے بالکل ناواقف تھے پس جب یہ دفتر عربی میں منتقل کیا گیا ہوگا تو لابد ضرورت علم الحساب بھی عربی میں منتقل کیا گیا ہوگا نیز اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک بہت سے مسلمان فارسی لٹریچر سے واقف ہوگئے تھے انھیں آسانیوں کی وجہ سے ولید بن ہشام کے عہد میں فارسی زبان سے عربی میں کتابوں کا ترجمہ کرنے کے لیے ایک باقاعدہ دفتر تراجم قائم کیا گیا جسکا سکرٹری یا رئیس المترجمین جبلہ بن قاسم تھا اس نے اور لوگوں کی مدد سے بہت سی کتابوں کے ترجمے کیے اسی زمانے میں فارس کی ایک عجیب و غریب کتاب کا ترجمہ کیا گیا یہ کتاب ایران کے

تمدن کی ایک مکمل و مفصل تاریخ تھی اسمیں ہر بادشاہ کی مکمل سوانحعمری اور اُسکی تصویر دے کر اسکی وضع، قطع، اخلاق و عادات سے بحث کی گئی تھی، ہر زمانے کے قانون میں جو کچھ ردو بدل ہوتا رہا علیحدہ علیحدہ عنوانات کے تحت میں مندرج تھا، ایران کی تمام عمارتوں کی مختصر تاریخ، انکے علوم وفنون، انکی صنعت وحرفت سبکو ایک ایک کرکے علیحدہ علیحدہ عنوانات کے تحت میں لکھا تھا مسعودی کا بیان ہے کہ اسنے خود اپنی آنکھوں سے اس کتاب کو اصطخر کے کتب خانہ میں دیکھا مورخ مسعودی کا خیال ہے کہ جسقدر کتابیں قدیم فارسی میں موجود ہیں اُن میں سے کوئی کتاب اس سے زیادہ مبسوط ومفصل نہیں ہے[1]" ان واقعات کے معلوم ہونے کے بعد ہمیں امید کرنی چاہیے کہ ناظرین اس نتیجہ تک پہنچے ہونگے کہ مسلمانوں نے جنکو علوم سے اسقدر ذوق تھا ایران کی بیش بہا دولت یعنی وہاں کے معارف علمیہ کو ہرگز ضائع نہ ہونے دیا ہوگا۔

بنی امیہ کے بعد بنی عباس کا زمانہ آتا ہے ابو العباس سفاح نے بہت کم مدت حکومت کی اسکے بعد منصور خلیفہ ہوا، اسکو فارسی علوم کے ساتھ جسقدر شغف تھا محتاج بیان نہیں ہے منصور پر عجمی مذاق اسقدر غالب تھا کہ ہر بات میں وہ اہل عجم کا تتبع کرنا چاہتا تھا دربار کا عام لباس بھی اس نے وہی اختیار کیا جو فارسیوں کا قومی لباس تھا، ایرانیوں کو اپنے دربار میں اس رتبہ تک پہنچایا کہ خود عرب ان پر رشک کرنے لگے، اگرچہ سیاسی حیثیت سے یہ طرز عمل بہت خراب تھا مگر حسن اتفاق سے جن لوگوں کو منصور کے دربار میں رسوخ حاصل تھا وہ ارباب فضل وکمال تھے اور علم کا ذوق رکھتے تھے چنانچہ اس عہد میں طب وفلسفہ کی جسقدر نادر کتابیں دستیاب ہوسکیں مہیا کیں اور انکا عربی میں ترجمہ کرایا

[1] مروج الذہب للمسعودی ۱۲

طب و فلسفہ تو خیر کارآمد علوم تھے، اسی زمانے سے ایرانیوں کے قصص و افسانے بھی ترجمہ کیے جانے لگے، بروزیہ نوشیرواں کے مشہور اطبا میں سے تھا، سب سے پہلے اس نے فارسی میں کلیلہ دمنہ کا سنسکرت سے ترجمہ کیا، یہ کتاب انھیں ایرانی النسل درباریوں کے ذریعہ سے منصور کو مل گئی جس کا نہایت کد و کاوش سے عربی میں ترجمہ کیا گیا،[1]

مامون الرشید کو فارسی علوم سے ایک خاص تعلق تھا کیونکہ ماں کی طرف سے وہ خاص ایرانی النسل تھا، شہزادگی کے زمانے میں مرو میں قیام رکھتا تھا اس زمانے میں اسپر عجمیت اسقدر غالب تھی کہ ہمیشہ صرف فارسی زبان کی کتابیں پیش نظر رکھتا تھا اسوجہ سے فارسی زبان کی تصنیفات کثرت سے مہیا ہوگئیں عباسیوں کی حقیقی ترقی و عروج کا زمانہ وہ تھا جب برامکہ وزارت کے پردہ میں خلافت کا کام انجام دے رہے تھے۔ یہ خاندان خالص ایرانی تھا اور اسے اپنے خاندانی معارف علمیہ سے انتہا درجہ کا عشق تھا مزید براں برامکہ کے ہاتھ جسقدر فیاض واقع ہوے تھے دنیا اسکی نظیر پیش نہیں کرسکتی، اسلیے ان کو جسقدر کتابوں کا پتہ چل سکا دار الخلافت بغداد میں منگا کر انکا فارسی سے عربی میں ترجمہ کرایا۔

فارسی تصنیفات سے جو فرقہ سب سے زیادہ واقف تھا وہ شعوبیہ تھا، یہ ایک عجمی گروہ تھا جو عرب کی مذمت اور عجم کی مدح کرنا نہایت ضروری امر خیال کرتا تھا، جب سلطنت کو معلوم ہوا کہ یہ فرقہ عجمی علوم سے خوب واقف ہے تو خلیفہ وقت ہارون نے انکو اپنے دربار میں باریابی کا موقع دیا چنانچہ بیت الحکمۃ بغداد میں فارسی کتابوں کے دفتر تراجم کا سکرٹری علان شعوبی مقرر کیا گیا، اس عہد میں غیر قوموں کے معارف علمیہ نقل کرنے کے لیے ایک باقاعدہ دائرۃ المعارف یا بیت الحکمۃ قائم ہوچکا

[1] طبقات الاطبا ۱۲

اسمیں بہت بڑے بڑے علما و فضلا اسلیے مامور تھے کہ دوسری زبانوں سے نایاب و نادر کتابیں جمع کرکے عربی میں انکا ترجمہ کریں چنانچہ فضل[1] ابن نوبخت، عبد اللہ[2] بن المقفع جو ایک مشہور ادیب بھی ہے، یوسف[3] بن خالد، موسیٰ[4] ابن خالد، علی[5] ابن زیاد، حسن[6] ابن سہل، محمد[7] بن یحییٰ بلاذری، حبلہ[8] بن سالم، موسیٰ[9] ابن عیسیٰ کردی، زادویہ[10] اصفہانی، محمد[11] ابن بہرام، بہرام[12] بن مردان وغیرہ ائمہ فن صرف فارسی علوم کا ترجمہ کرنے کے لیے ملازم[13] تھے۔

مسلمانوں نے فارسی علوم کی تحصیل و حفاظت میں جو کوشش کی اس کا اس سے زیادہ کیا ثبوت دیا جا سکتا ہے کہ خود منصور کے پوتے ابراہیم بن مہدی نے فارسی علوم میں اچھی مہارت حاصل کرلی تھی، ابراہیم کی ماں طبرستان کی ایک خاتون تھیں، یہ ظاہر ہے کہ ابراہیم نے فن موسیقی میں کتاب الغنا ایک مستقل کتاب تالیف کی تھی اس زمانے میں ہندوستانی علوم کا اسقدر ترجمہ نہ ہو چکا تھا کہ فن موسیقی میں ایک مستقل کتاب اور وہ بھی ایک شاہزادہ لکھ سکتا بس اس نے یقیناً یہ فن اپنے ننہال والوں سے سیکھا ہوگا، اس نے اخلاق میں بھی ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ادب ابراہیم تھا[2]۔

(باقی آئندہ)

جلال ندوی

رباعی

حضرت رسا ہمدانی گیاوی

آہنگ عزا ہے نغمہ خوانی میری　　تربت کے پھول گلفشانی میری
احباب میں ہوں بدنام رسا　　سنتا ہے بھلا کون کہانی میری

---

[1] کتاب الفہرست لابن ندیم۔ [2] فہرست ابن ندیم۔

طبیعت

جسطرح انسان کو زندگی میں لیاقت سے فتحیابی ہوتی ہے اُسی طرح طبیعت سے بھی کامیابی ہوتی ہے۔ انسان کی دنیاوی کامگاری اور آسودہ حالی خاصکر اسپر منحصر ہے کہ اُسکے مزاج میں تحمل، استقلال اور بردباری ہو اور اُن لوگوں کے ساتھ عنایت، مہربانی کی جائے جو اُسکے گرد و پیش جمع رہتے ہیں۔ فلاطون کا یہ قول فی الحقیقت بہت صحیح ہے کہ جو لوگ دوسروں میں خوبیوں کے جویاں رہتے ہیں خود اُن میں بھی عمدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بعض طبیعتیں خوبیوں سے اس درجہ مملو ہوتی ہیں کہ وہ کل چیزوں کو بھلائی کی نظر سے دیکھتی ہیں اور کیسی ہی بڑی تکلیف کیوں نہو لیکن وہ اُن سے راحت و اطمینان کے نتائج مستخرج کرتی ہیں چاہے آسمان پر کیسا ہی ابر سیاہ محیط ہو لیکن اُنھیں آفتاب کی روشنی میں جو چمک ہوتی ہے وہ ضرور نظر آجاتی ہے گو آفتاب نہ دکھلائی دے لیکن وہ اس خیال سے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ آفتاب ضرور ہے۔

اس قسم کی طبیعت پر لوگ حسد کرتے ہیں کیونکہ اُنکی آنکھوں میں ایک ایسی شعاع ہوتی ہے جسکی روشنی میں خوشی، راحت کامگاری اور مذہبی مسرت نظر آتی ہے۔ آفتاب کی چمک گویا اُن کے دلوں کے قریب ہے اور جو کچھ کہ گرد و پیش نظر آتا ہے وہ گویا خود اُنکی دماغی روشنی ہے۔ جب اُنھیں کسی قسم کی دقت پیش آتی ہے تو وہ اُس سے نہ گھبراتے ہیں نہ اُسکی شکایت کرتے ہیں اور نہ فضول گریہ وزاری کرتے ہیں بلکہ نہایت بشاشت سے اُسکو برداشت کرتے ہیں اور دلیری سے کامیابی کی کوشش کرتے ہیں جسکا لازمی نتیجہ

ہوتا ہے کہ وہ اپنے دامن تمنا کو گلِ مراد سے بھر لیتے ہیں۔

یہ بڑے دانشمند اور عالی دماغ آدمی کا کام ہے کہ وہ بُرائیوں کی ظلمت سے بھلائی کی تجلی کو دیکھکر تعجب کرے یا حالت فلاکت میں وہ اپنی آئندہ فلاح کی امید قائم کرے یا دکھ درد میں وہ اپنے محنت کے ذریعوں کو پہچان لے۔ یا تکلیف و مصیبت و رنج و غم میں وہ اپنے میں استقلال اور دلیری علم و ادراک پیدا کرے

جب جرمی ٹیلہ کی کل دولت و ملکیت چھین لی گئی اور مال و اسباب سب ضبط کر لیا گیا اور وہ مع اپنے خاندان کے نکالدیا گیا تو باوجودیکہ وہ ایسی مصیبت کی حالت میں گرفتار تھا لیکن ایسے وقت میں جو مضمون اُسنے لکھا نہایت قدر کے قابل ہے۔ وہ کہتا ہے "اگرچہ برباد کرنے والوں نے میری معاش و جائداد کل ضبط کر لی اور کوئی چیز میرے پاس باقی نہ رہنے دی۔ لیکن تاہم اُن لوگوں نے میرے واسطے آفتاب و مہتاب۔ زمین و آسمان کو چھوڑ دیا ہے۔ میری بی بی کو میرے پاس رہنے دیا ہے۔ میرے بہت سے دوست ایسے موجود ہیں جو میرے حال پر ترس کھاتے ہیں اور مدد کے واسطے حاضر ہیں۔ اور اب بھی میں اُن چیزوں کی فہرست پیش کر سکتا ہوں جو کہ مجھ سے نہیں چھینی گئی ہیں اور میرے پاس موجود ہیں۔ یعنی میری دلجمعی۔ میری دلیری اور کانشنس اُن لوگوں نے خدا کی رزاقی۔ کتاب مقدس کے وعدے اور آخرت کی امیدیں میرے واسطے چھوڑ دی ہیں۔ بہرکیف میں اب بھی کھاتا ہوں۔ پیتا ہوں سوتا ہوں پڑھتا ہوں اور غور کرتا ہوں۔

اگرچہ زندہ دلی ایک پیدائشی بات ہے لیکن تاہم جسطرح اور عادتوں کی درستی ہوتی ہے اُسی طرح اسکی بھی تربیت ہو سکتی ہے۔ ہمکو اختیار ہے کہ چاہے ہم اپنی زندگی خوش اسلوبی سے بسر کریں یا بد اطواری سے ضائع کریں ہمارے ہی

اوپر منحصر ہے کہ اُس سے عیش وعشرت حاصل کریں یا تکلیف وصعوبت پیدا کریں۔ طرز زندگی کی تقسیم دو طرح پر ہے جسے ہم اپنی خواہش کے مطابق پسند کر سکتے ہیں خواہ تاریک خواہ روشن۔ ہم انتخاب کر سکتے ہیں اور اپنی قوت ممیزہ کو درست کر سکتے ہیں جس سے ہم میں زندہ دلی کی صفت پیدا ہو جائے یا برعکس اسکے بالعوض اسکے کہ ہم اپنی طبیعت کو تیرگی کی طرف مائل کریں ہم اپنے مزاج میں اس امر کی تحریک پیدا کر سکتے ہیں کہ وہ مادہ ضیائی کی جانب متوجہ ہو۔ علاوہ اسکے کہ زندہ دلی سے آرام وآسایش کے ساتھ زندگی بسر ہوتی ہے اس سے چال وچلن کی بھی حفاظت ہوتی ہے۔ اس سے طبیعت میں رونق وصفائی ہوتی ہے یہ تحمل اور دانشمندی کی بنیاد ہے۔ ڈاکٹر مارشل نے اپنے بیماروں سے کہا کہ جملہ امراض کی قوی التاثیر دوا زندہ دلی ہے۔ اور سالومن کا قول ہے کہ زندہ دلی کا ایسا ہی عمدہ اثر ہوتا ہے جیسا دوا کا۔ جب لوتھر سے افسردگی کا علاج پوچھا گیا تو اُس نے جواب دیا کہ زندہ دلی اور دلیری ہے جو بوڑھے جوان حزین وغمگین سب کے واسطے یکساں مفید ہے۔ باوجودیکہ لارڈ پامرسٹن ایک ضعیف اور سن رسیدہ آدمی تھا لیکن آخر وقت تک مستعدی سے کام کرتا رہا اسکی یہی وجہ ہے کہ وہ زندہ دل اور مستقل مزاج تھا۔ اُس نے اپنے میں تحمل و برداشت کی ایسی عادت پیدا کرلی تھی کہ سخت وناملائم الفاظ سُن کر بھی اُسے غصہ نہیں آتا تھا۔ ہومر۔ پررلس۔ ورجل۔ جان بین۔ شکسپیر اور کرونیس کی سوانحعمری کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بڑے زندہ دل تھے۔ اسی طبقہ میں لوتھر مور۔ بیکن۔ ونفیل۔ مکالی کا بھی شمار ہے کیونکہ یہ لوگ ہمیشہ کام میں مشغول رہتے تھے جسکے باعث ان کا دماغ مفرح وشگفتہ رہتا تھا۔ ملٹن باوجود طرح طرح کی تکلیفات ومکروہات میں گرفتار رہا تاہم ایک زندہ دل آدمی تھا

اندھے ہونے کی وجہ سے اگرچہ اُسکے دوستوں نے اُس سے ترک رفاقت کردی اور گو وہ ایک ایسی مصیبت کی حالت میں گرفتار تھا کہ اُسکے آگے تاریکی اور اُسکے پیچھے خطرے کی آواز تھی لیکن تاہم اُس نے اپنی ہمت و دلیری نہیں چھوڑی

ڈاکٹر جانسن کا مقولہ ہے کہ جسقدر آدمی کا سن بڑھتا جاتا ہے اُسیقدر وہ اچھا ہوتا جاتا ہے۔ گویا طبیعت کا اطلاق عمر کے ساتھ ہے۔ اگرچہ یہ خیال نوع انسان کی زندگی پر منطبق ہے لیکن لارڈ چیسٹر فیلڈ کی راے ہے کہ عمر کے ساتھ انسانی طبیعت کی درستی میں ترقی نہیں ہوتی بلکہ روز بروز سخت ہوتی جاتی ہے اور زندگی کے لحاظ سے دونوں اصول صحیح ہیں کیونکہ طبیعت کی جسکا انسان ہر حالت میں محکوم و مطیع ہے اگر قواعد تجربہ اور خود اختیاری کے ساتھ تربیت کی جائے تو عمدگی ظاہر ہوگی نہ کہ خرابی۔ سر والٹر سکاٹ ایسا رحمدل اور نرم مزاج آدمی تھا کہ ہر شخص اُس سے محبت کرتا تھا وہ کپتان باسل ہال کے لڑکپن کا ایک واقعہ بیان کرتا ہے جس سے اُس کی طبیعت کی نرمی ظاہر ہوتی ہے۔ کپتان نے ایک کتے کو جو اُسکے پاس آرہا تھا ایک پتھر کھینچ مارا جس سے کتے کے پاؤں میں سخت چوٹ آئی لیکن بہرکیف کتے میں اتنی طاقت تھی کہ وہ اُسکے پاس آیا اور پاؤں چاٹنے لگا۔ کتے کے اِس فعل سے کپتان کو نہایت ندامت و پشیمانی ہوئی۔

ابازٹ جو ایک فلسفی تھا اُسکے تحمل و استقلال کی حکایت بیان کی جاتی ہے کہ اُس نے ستائیس برس کی محنت میں مقیاس الہوا کے قواعد مرتب کیے تھے اور اُن اصولوں کو روزانہ ایک کاغذ پر قلمبند کرتا جاتا تھا۔ اور جسقدر اُسکو روز بروز جدید تجربے ہوتے جاتے تھے اُنکو بھی کاغذ پر لکھتا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ اُسکے خدمتگار نے مکان صاف کرانا شروع کیا اور اپنی مستعدی دکھلانے کے لیے

بانزٹ کے کمرے میں جو میز تھی اُسکے کاغذات بھی درست کیے - اور جو اجزا کہ لکھے ہوے تھے اُنھیں اُٹھا کر علیحدہ کر دیا اور بجاے اُسکے نئے کاغذ رکھ دیے - جب بانزٹ کمرے میں داخل ہوا تو اُس نے دریافت کیا کہ مقیاس الہوا کے جو کاغذات تھے وہ میز پر سے کیا ہوئے - خدمتگار نے جواب دیا چونکہ وہ بالکل ردی تھے اسوجہ سے میں نے اُنھیں جلا دیا اور بجاے اُنکے صاف و سادے کاغذ رکھ دیے - بانزٹ نے یہ سُن کر ایک آہ سرد کھینچی اور کہا کہ ستائیس برس کی محنت سے جو نتیجہ حاصل کیا گیا تھا اُسکو تم نے غارت کر ڈالا - اور نہایت آہستگی سے صرف اُس سے کہا کہ آئندہ سے اس کمرے کی کوئی چیز مت چھوا کرو -

علم طبیعات کی تحصیل میں ایک غیر معمولی طور پر زندہ دلی اور استقلال کی ضرورت ہوتی ہے اور اکثر تجربے سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ دوسرے فنون کے ماہروں کی نسبت علم طبیعات کے ماہروں کی عمریں زیادہ ہوتی ہیں - چنانچہ ۱۸۸۰ء کی فہرست سے جسمیں ماہران علوم طبیعات کی عمریں درج ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے چودہ آدمیوں میں سے دو کی عمر نوّے برس سے زیادہ تھی پانچ کی اسّی برس سے زیادہ اور دو کی ستر برس سے زیادہ ہیں اوسط نکالنے سے ہر ایک کی عمر پچھتر برس کی ہوتی ہے -

زندہ دلی کی اصل بنیاد محبت وتحمل ہے - کیونکہ اس سے دوسروں کے دلوں میں بھی الفت پیدا ہوتی ہے - راجرس (شاعر) ایک لڑکی کا قصہ بیان کرتا ہے کہ جو شخص اُس لڑکی سے واقف تھا اُسے عزیز رکھتا تھا چنانچہ بعض آدمیوں نے اُس سے پوچھا کہ تم سے لوگ کیوں محبت کرتے ہیں اُس نے جواب دیا کہ اسکی یہی وجہ ہے کہ میں خود بھی لوگوں سے الفت رکھتی ہوں - یہ مختصر قصہ اِس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اگر ہم دوسروں کے ساتھ اخلاق و مہربانی سے

برتاؤ کرینگے تو وہ بھی ہم سے الفت و محبت کے ساتھ پیش آئیں گے۔

فی الحقیقت دنیا میں مہربانی کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ لی ہنٹ نے بہت ٹھیک کہا ہے کہ جسمانی قوت میں مہربانی کے مقابلہ میں نصف تاثیر بھی نہیں ہے۔ اور ایک انگریزی ضرب المثل ہے کہ بہ نسبت سرکے کے شہد سے بھڑوں کی زیادہ تعداد پکڑی جائے گی۔

مہربانی صرف بخشش پر منحصر نہیں ہے بلکہ اسکی بنیاد نرمی اور طبیعت کی فیاضی پر ہے۔ انسان روپیہ تھیلی سے نکال کر دیتا ہے لیکن مہربانی نہ کرنے سے طبیعت کے اندرونی جوش سے باز رہتا ہے روپیہ دینے سے جو مہربانی ظاہر کی جاتی ہے وہ چنداں اثر پذیر نہیں ہوتی بلکہ جسقدر بھلائی کی اُمید ہے اُتنی ہی بُرائی کا بھی خیال ہے لیکن ہمدردی کے ساتھ جو مہربانی یا توجہ کے ساتھ مدد کی جائے ممکن نہیں کہ اُسکا کوئی عمدہ نتیجہ نہ ظاہر ہو۔

خودستائی۔ وہم اور خودغرضی انسان کی زندگی میں نہایت خرابی پیدا کرتی ہیں۔ اور گو قدرتی طور پر یہ باتیں ہوتیں ہیں تاہم ہمیشہ خیال کرنے سے اسکی ایک صورت قائم ہوجاتی ہے۔ خودستائی قریب قریب کفر کے ہے کیونکہ اس سے اپنی خواہشات وخیالات و توجہات کل اپنی ہی جانب رجوع ہوتی ہیں جسکے سبب سے وہ خود اپنے دل میں ایک علیحدہ چھوٹا سا خدا قائم کرلیتا ہے۔

بدترین انسان میں سے وہ شخص ہے جو اپنی قسمت سے ناراض رہے ہمیشہ بُرا بھلا کہے لیکن کبھی اُسکی درستی کی جانب نہ متوجہ ہو۔ اس قسم کے شکایت کرنے والے آدمی کبھی اپنی زندگی میں کوئی فائدے کا کام نہیں کرتے اور چونکہ کاہل ہوتے ہیں اسوجہ سے ہمیشہ شکوہ وشکایت کے واسطے مستعد رہتے ہیں

کیونکہ وہی پیسہ خراب سمجھا جاتا ہے جسمیں سے آواز آتی ہے۔

سینٹ ڈی فرنسس کا قول ہے کہ انسان کو ہمیشہ نیکیاں کرنی چاہئیں لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ نیکیوں سے آپ کا کیا مطلب ہے اُس نے جوابدیا کہ تحمل - بردباری - مہربانی - خوش اخلاقی - نرمی - رحمدلی - ہمدردی عنایت وزندہ دلی - اور پھر اُس نے کہا کہ انسان کسی حالت میں ہو لیکن اُس کو نرمی او مہربانی سے کبھی باز رہنا نہیں چاہیے - کیونکہ انسان کی طبیعت کی ایسی ساخت واقع ہے کہ وہ غیظ وغضب کا تحمل کرے جس طرح پانی سے آگ کا شعلہ ٹھنڈا ہوجاتا ہے اُسی طرح نرم وملایم جواب سے غیظ غضب بھی فرو ہوجاتا ہے

برائیوں کی صرف پیشبندی کرلینی ایک طریقہ فتحیابی کا نہیں ہے بلکہ جب کوئی ایسا امر واقع ہو تو نہایت دلیری وستعدی سے اُسپر علدرامد کرنا چاہیے - برتھس نے ایک نوجوان کو جوانسردگی وپژمردگی کی حالت میں تھا نہایت عمدہ نصیحت کی -

"امید اور اعتبار کے ساتھ اپنا کام شروع کرو" اور پھر اُس نے کہا کہ ایک ایسے شخص کی نصیحت تمہارے دل میں ہے جس نے زمانے کا گرم اور سرد بہت کچھ دیکھا ہے - پس جو کوئی امر واقع ہوجائے تو اُس پر نہایت استقلال اور زندہ دلی سے ثابت قدم رہنا چاہیے -

زندہ دلی میں تحمل بھی شامل ہے جس سے دنیاوی کاروبار میں کامیابی وکامگاری کی امید ہوسکتی ہے - جارج ہربرٹ کا قول ہے کہ جو شخص اپنی مقصدبراری چاہتا ہے اُسکو صبر کرنا چاہیے -

آخری اور آسان ترین برکت انسان کے واسطے امید ہے جو عام طور سے ہر شخص کے قبضہ میں رہتی ہے - امید غریبوں کی مددگار ہے اور اسکا دوسرا نام

مضمون کی قوت ہے۔

سکندر اعظم کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ میکڈن میں تخت نشین ہوا تو اُس نے اپنے باپ کی جائداد کا بڑا حصہ اپنے دوستوں کو تقسیم کر دیا چنانچہ جب پرڈکاس نے اُس سے پوچھا کہ آپ نے اپنے واسطے کیا رکھا تو سکندر نے جواب دیا کہ میں نے اپنے واسطے افضل ترین مقبوضات میں سے رکھ چھوڑا ہے اور وہ امید ہے (مترجم)

(راقم) طبیعت کی جملہ مسرتیں امید پر منحصر ہیں اور یہ کل محنتوں کوششوں کی بنیاد ہے جملہ امور دنیاوی امید ہی پر منحصر ہیں

نرمدا پرشاد ورما عاصی گیاوی

غزل

مت چھیڑو ہمیں ناصح گردوں کو ہلا دینگے　　اک طرفہ قیامت سی عالم میں مچا دینگے
مذہب کے تقاضوں نے ملت کو مٹا ڈالا　　معشوق خدا جانے کس کس کو مٹا دینگے
صیاد کے تیروں سے دل نے یہ سبق سیکھا　　ہم قید میں آہوں سے اک آگ لگا دینگے
منکر وہ خدا سے ہے ہونے دو غنیمت ہے　　محشر کے مناظر میں خالق بھی دکھا دینگے
کافی ہے غنیمت ہے گستاخ کی بیباکی　　یہ داغ جدا دینگے وہ داغ جدا دینگے
احباب گئے آگے اب اپنا تقاضا ہے　　ظلمات کی موجوں میں ہم زہر ملا دینگے
گلچین کا کیوں شکوہ بھونروں کی شکایت کیا　　اک برق نگاہی سے خرمن کو جلا دینگے

کیوں شورش خاطر میں مدہوش ہے اے انور
ہم ان کو ہنسا دینگے وہ ہم کو رلا دینگے

نذر محمد انور سیالکوٹی

نظارۂ خرابات

(سلسلہ کے لیے اپریل نمبر ملاحظہ ہو)

کعبہ کی راہ چھوڑ کے جاتا ہے تو کہاں   مسلم بسان۔ طائرِ گم کردہ آشیاں
آ۔ ورنہ کوئی دم میں مٹا نام اور نشاں   کب سے بلا رہا ہے موذن تجھے یہاں
ہنستے ہیں تجھ پہ بت کہ عجب حق پرست ہے
پیماں شکن ہے بادۂ غفلت سے مست ہے

خاتم وہی ہے جو ہو مرصع نگین سے   ہے عظمت مکاں متعلق مکین سے
دیکھ اپنی گمرہی نظر دوربین سے   پیدا اثر ہو صدائے سخن آفرین سے
دل میں متاعِ دیں نہ زر تیرے پاس ہے
اسپر بھی پھر جہان میں جینے کی آس ہے

کمبخت کیمیائے سعادت کو کھو دیا   دولت ہوئی نصیب تو دولت کو کھو دیا
آئین حق گذاری و طاعت کو کھو دیا   آئینۂ جمالِ شرافت کو کھو دیا
غیروں کے گھر میں شب گذر آفتاب ہے
اک تو ہی ہے جہاں میں کہ خانہ خراب ہے

پاتا نہیں خیال سراغِ وطن ترا   لے کر بہار اُڑ گیا رنگ چمن ترا
دشمن کی پیروی نے بگاڑا چلن ترا   تاجنس کس طرح ہو ترکیب محن ترا
گلچین تو کر رہا ہے عیاں اپنے ناز کو
بلبل کے دل سے پوچھ مصیبت کے راز کو

سینچا تھا جسکو خوں سے وہ گلشن اُجاڑ ہے   گلہائے دلفریب کا خرمن اجاڑ ہے
لبریز تھا جو زر سے وہ مخزن اُجاڑ ہے   طوطیٔ خوشنوا کا نشیمن اُجاڑ ہے
بستاں میں دودِ آتش گلخن بلند ہے
ہر جا نوائے نوحہ و شیون بلند ہے

تجھسا بھی ہوگا کم کوئی فرزند ناخلف   بیٹھا ہوا لٹا کے ہے سرمایۂ سلف

سرشار علم تھے وہ نقدِ جاں بکف اس بحر کا کہاں ہے شناسا تو خیر کف
دنیا میں باپ اخترِ برجِ شرف رہا
بیٹا گہر کو کھو کے مثالِ صدف رہا
پیشِ پدر تو فضل و ہنر سے زہے شرف فرزند پھر رہا ہے پریشان ہر طرف
یہ چاند ہے گہن میں وہ ہے ماہ بے کلف قیمت میں وہ ہے گوہر یہ خستہ یہ خزف
وہ صاحبِ کمال یہ سوئے زوال ہے
تاجِ مرصع وہ ہے یہ کوڑی کا مال ہے
نادار ایک دوسرا اورا سے شہ نشیں اک ہے سفال ایک ہے جامِ جہاں میں
بے آب ان میں ایک ہے اک آبِ آتشیں اک آسماں بلندی میں پستی میں اک زمیں
اک نغمہ سنج فتح صراحی بدست ہے
اک جام سے بلند صدائے شکست ہے
بے شک ہے گرچہ دوریت دور نار سے محروم ہو نہ رحمتِ پروردگار سے
دیکھ اپنا عیب چھوڑ تغافل شعار سے کچھ اب بھی سیکھ گردشِ لیل و نہار سے
حبل المتیں کو ہاتھ سے اپنے نہ چھوڑنا
اپنوں سے پھر نہ رشتۂ الفت کو توڑنا
عیب و ہنر سے تیرے سروکار کچھ نہیں کچھ تجھ سے دشمنی نہیں پیکار کچھ نہیں
جز دوستانِ دیدۂ خوں بار کچھ نہیں تجھ سے الجھ پڑا تو خطاوار کچھ نہیں
اس انجمن میں جو ہے وہ بادہ پرست ہے
میں بھی ہوں مست اور مرا ساقی بھی مست ہے
میں رند ہوں مجھے نہیں کچھ نام سے غرض مجھکو نہ تیرے کفر نہ اسلام سے غرض
سرمست کو ہے کیا سحر و شام سے غرض مینا سے ہے کبھی تو کبھی جام سے غرض
عشرت نہیں جو ساقیِ فرخندہ پے نہیں
کیا لطف زندگی کا اگر دورِ مے نہیں

(باقی آئندہ)

آغا غلام حسین ارشد

حُسن سعادت

(۶)

(سلسلے کے لیے گذشتہ نمبر ملاحظہ ہو)

قیصر کو علیگڈھ آئے بہت روز گذر گئے اس نے لکھنے پڑھنے میں نہایت کوشش اور سعی بلیغ سے کام لیا پروفیسروں اور ممتحن عالموں نے کامیابی کی بہت کچھ امید دلائی ہے وہ تمام دن اور گیارہ بجے رات تک کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہتا ہے اسوجہ سے جمیلہ کا خیال نہیں آتا لیکن شب کو سوتے وقت اسکی دلفریب صحبت اور میٹھی میٹھی خوش آیند باتیں یاد آکر بیچین کر دیتی ہیں اور قیصر دیر تک اس پُر لطف خیال کے مزے لوٹا کرتا ہے مگر یہ خیال اسے کھلا دیتا ہے کہیں ایسا تو میری عدم موجودگی میں اماں جان سے ملال کی صورت پیدا ہو جائے اگرچہ جمیلہ بیگم کے خصائل حمیدہ سے کافی امید ہے کہ وہ کوئی ایسی بات نہ کریں گی جو باعث رنجش ہو لیکن اماں جان کا مزاج انوکھی باتیں اختراع کر کے ایک نہ ایک فساد پیدا کر دینے کا عادی ہے

قیصر کے اندیشہ کی تصدیق بہت جلد اس خط سے ہو گئی جو شکیلہ بیگم نے جمیلہ سے ناراض ہو کر تحریر کیا تھا اس نے لکھا تھا میں تمھیں اپنے حق کی قسم دیتی ہوں اس خط کے دیکھتے ہی اس بلا (جمیلہ) کو میرے گھر سے دفان کرو اس نے میرا جینا دشوار کر دیا ہے تمھارے باوا جان نے جب سے اسکی طرفداری کی ہے اپنے آپ میں نہیں ہے بڑے چھوٹے کسی کا لحاظ نہیں جو جو منھ میں آتا ہے کہہ گذرتی ہے۔

قیصر کے سر پر بجلی گرتی تو بھی شاید اتنی حیرت نہ ہوتی جو خط کا مضمون پڑھکر ہوئی کسی طرح یقین نہ آتا تھا جمیلہ اتنا جلد بدل جائے گی خط میں ایسا طلسم تحریر تھا جسکا حل اسکی عقل سے دشوار تھا اسکا دل کسی طرح جمیلہ کے خلاف کوئی لفظ لکھنے پر

رضا و رغبت نہ ظاہر کرتا تھا لیکن والدہ کے تاکیدی حکم سے سرتابی ممکن نہ تھی اس نے قلم اٹھا کر بجبر و اکراہ وہ خط لکھا جسکی وجہ سے افسر حسین شکیلہ سے خفا ہو کر علیگڈھ روانہ ہوئے۔

خط تحریر کرنے کے بعد سخت فکر میں مبتلا ہوا ہر وقت غمگین رہنے لگا اسے معلوم تھا اس خط سے جمیلہ کے نازک دل کی کیا حالت ہو گی وہ جانتا تھا میں عمداً ایک معصوم پر الزام لگا رہا ہوں اور جو سزا تجویز کی ہے وہ سنگین تر ہے لیکن اس نے اپنی خوشی سے نہیں بلکہ جبراً اور قہراً یہ جابرانہ کارروائی جائز رکھی تھی جس سے منفعل تھا لیکن اپنا حکم واپس لینا یا خفیہ طریقہ سے جمیلہ کو اصلی واقعات کی اطلاع دینا اسکے اختیار سے باہر تھا کیونکہ اسکی والدہ نے یہ بھی لکھا تھا اگر تم نے آج سے کوئی خط جمیلہ کو بھیجا تو میں اپنا دودھ نہ بخشوں گی اسلیے غریب قیصر بالکل مجبور تھا اگرچہ جمیلہ کے کئی خط آئے لیکن وہ جواب نہ لکھ سکا اس کج خلقی کی ندامت نے اسکا کھانا پینا ترک کرا دیا تھا اسکے چہرے سے پژمردگی اور نقاہت نمایاں تھی گو اوقات مقررہ پر کتابوں کا مطالعہ ہوتا تھا لیکن وہ انہماک کہاں کالج کے ملاقاتیوں سے بات چیت کرتا مگر طرز سے پریشانی ٹپکتی اس کایا پلٹ سے اسکے کلاس فیلو متحیر ضرور تھے لیکن سبب نہ معلوم کر سکے ہنوز ہفتہ قریب اختتام تھا کہ افسر حسین بغیر کسی اطلاع کے وارد ہوئے اور قبل اسکے کہ قیصر سے کوئی بات کریں اسکی غلطی پر جو اسنے اپنی والدہ کے لکھنے سے کی تھی سخت نفرین کی اور کہا اسی وقت جمیلہ کو معذرت نامہ تحریر کرو ورنہ قیامت تک میرا دل صاف نہ ہو گا۔

اب قیصر عجیب کشمکش میں تھا اسکے پائے استقلال کو جنبش ہونے لگی اس نے اپنی والدہ کا خط پیش کیا افسر حسین نے اول سے آخر تک پڑھا ایک ایک لفظ پر چہرا متغیر ہو جاتا تھا خط تمام کرکے کہا بہتر ہے تم اپنے ہاتھ سے نہ لکھو میں تمہاری

جانب سے جمیلہ کو خط تحریر کرتا ہوں یہ کہکر ایک خط لکھا جسمیں تفصیل وار کل واقعات لکھے اور قیصر کی مجبوری پر روشنی ڈال کر عفو تقصیر چاہی آخر میں یہ بھی رقم کیا قیصر خط لکھنے سے مجبور ہے لیکن اپنی بے بسی سے برداشتہ خاطر ہے رات دن خاموش بیٹھا رہتا ہے مگر تم دل میں ذرا بھی پریشان یا متفکر نہ ہونا۔

(۷)

جمیلہ نے میکے آکر قیصر کو آٹھ دس خط لکھے اور ہر خط میں اپنی بیگناہی کا اظہار کیا لیکن کسی خط کا جواب نہ ملا دو ایک خطوں تک تو اس نے دل کو یہ کہکر بہلایا شاید میرے مرسلہ خط وہاں تک نہ پہنچے ہوں گے یا پڑھنے لکھنے سے مہلت نہ ہوئی ہوگی مگر متواتر خطوط روانہ کرنے کے بعد بھی جواب نہ ملنے سے ماتھا ٹھنکا اور یقین ہوگیا ساس کے ساتھ شوہر بھی ناراض ہوگیا یہ خیال روح فرسائی کو کافی تھا وہ سب کی نظریں بچا کر تنہائی میں پہروں رویا کرتی اور عفو تقصیر کی تدبیریں سوچتی لیکن کوئی بات ذہن نشین نہوتی اسی ادھیڑبن میں کئی ہفتے گذر گئے شباب و میاے کا سارا رنگ زعفرانی ہوگیا عارض مرجھا گئے کٹورا سی آنکھیں نکل آئیں کئی مرتبہ قصد کیا سسرال جاکر روٹھی ہوئی ساس کو منانے کی کوشش کرے لیکن افسر حسین کی ممانعت سے مجبور ہوگئی کسی کام میں دل نہ لگتا تھا ہر وقت منھ لپیٹے پڑی رہتی تھی ہمسن لڑکیاں یہ حال دیکھکر غم غلط کرنے کے خیال سے رات دن اسکے پاس بیٹھی رہتیں ہنسی مذاق میں بہلانا چاہتیں لیکن جمیلہ بجائے بہلنے کے زیادہ افسردہ ہوجاتی اگرچہ اخلاقاً انکی باتوں کا جواب دیدیا کرتی کبھی کبھی جھوٹی ہنسی بھی ہنس لیتی مگر پہلو میں دل رویا کرتا۔

ایک روز حسب عادت کمرے میں تنہا بیٹھی ہوئی بحر خیال میں شناوری کر رہی تھی کہ ماما نے ایک خط دیا اس نے لفافہ پر نظر ڈالی مہر پڑھی معلوم ہوا علیگڈھ سے

آیا ہے دل کو کسی قدر ڈھارس ہوی مگر یہ معلوم کرکے کہ قیصر کے ہاتھ کی تحریر نہیں ہے خوشی غم سے بدل گئی لاپرواہی سے خط ایک طرف رکھدیا اور اسی طرح عالم خیال میں منہمک ہوگئی تھوڑی دیر بعد کچھ سوچکر خط اُٹھایا لفافہ چاک کرکے عبارت پر نظر ڈالی نگاہوں سے جو جو مضمون گذرتا جاتا تھا چہرے پر بحالی آتی تھی آخر ہونٹوں پر تبسم نمایاں ہوا اور آہستہ سے کہا اخاہ خط نہ آنے کی یہ وجہ تھی جو ابا جان نے تحریر کی ہے اب مجھے کوئی شکایت نہیں واقعی وہ بے قصور ہیں یہ کہکر اسیوقت ایک خط لکھا جسمیں اپنا مطمئن ہونا رقم تھا لفافہ بند کرکے روانہ کردیا وہ دن نہایت خوشی میں بسر ہوا رات کو جب کھانے سے فراغت کرکے کمرے میں سونے کو جارہی تھی اسکی سسرال سے ایک ماما نے آکر اطلاع دی آپ کی امی جان سخت علیل ہیں صبح تک اچھی تھیں شام کو گردے میں درد کی تکلیف محسوس ہوی اسوقت کسی کروٹ آرام نہیں مچھلی کی طرح تڑپ رہی ہیں، گھر کے نوکر نوکری چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے کوئی مرد موجود نہیں جو حکیم ڈاکٹر بلائے جب سے بڑے میاں باہر تشریف لے گئے گھر کا اور ہی رنگ ہوگیا ہے یہ سُنتے ہی جمیلہ بدحواس اپنی والدہ کے پاس دوڑی گئی کل حال بیان کرکے کہا میں جاتی ہوں آپ کسی حکیم کو بُلوا کر فوراً بھیجیے۔

کہاروں کا اڈا قریب تھا جلدی سے چوپہلا لگایا گیا جمیلہ سوار ہوکر سسرال پہنچی دیکھا گھر پر بیرونقی چھائی ہے ہرطرف کوڑا کرکٹ جمع ہے ایک کمرے میں اسکی خوشدامن پلنگ پر پڑی ہوی درد کی تکلیف سے کراہ رہی تھی درد اُٹھے گھنٹوں سے زیادہ نہوا تھا لیکن صورت سے ہفتوں کی بیمار معلوم ہوتی تھی یہ حالت دیکھکر جمیلہ نے سمجھ لیا افسر حسین کے جانے سے اسے کسقدر صدمہ پہنچا وہ پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی اور آہستہ آہستہ دبانا شروع کیا۔

درد کی تکلیف معمولی نہ تھی جو شکیلہ بیگم جمیلہ کو پہچان سکتی وہ اسی طرح کراہا کی

تھوڑی دیر میں حکیم صاحب کے آنے کی اطلاع ہوی جمیلہ کے والد نے پردہ کرایا حکیم صاحب تشریف لائے مریضہ کی نبض دیکھی نسخہ لکھا اور کچھ تسلی آمیز باتیں کر کے رخصت ہوے جمیلہ کے والد خود جا کر دوائیں لائے جمیلہ نے انھیں جوش کر کے بنایا اور حسب ہدایت استعمال کرایا گھنٹہ بھر میں کچھ سکون واقع ہوا مریضہ نے آنکھیں کھولیں جمیلہ کو پہلو میں بیٹھے دیکھا لیکن پہچان نہ سکی کیونکہ اسے اتفاقیہ واقعہ نے بہت لاغر کر دیا تھا اگلا سا رنگ و روپ باقی نہ تھا تھوڑی دیر میں پہچان کر شکیلہ اپنے کیے سے پشیمان ہوی اور فرط خجالت سے آنکھیں بند کرلیں یہ پہلا موقع تھا جب جمیلہ کی فرمانبرداریوں نے شکیلہ کے دل پر پورا اثر کیا وہ بستر علالت پر پڑے پڑے خدا سے خود کردہ غلطیوں کی عذرخواہ تھی دل میں صفائی کا نور ضیا بار تھا اس نے خلوص دل سے خدا کو درمیان میں دے عہد کیا کہ آئندہ ان حرکات ناشایستہ کی مرتکب نہ ہوگی وہ اپنی بُری خصلتوں کو چھوڑنے پر نہایت استقلال سے آمادہ تھی۔

جمیلہ اسکی خاموشی کو غشی سمجھ کر پریشان ہو گئی مڑ کر دیکھا تو کمرے میں بجز ایک ماما کے کوئی نہ تھا کیونکہ سب عورتیں بدمزاجیوں کی تاب نہ لا کر بھاگ گئیں تھیں وہ خود اُٹھی الماری سے کیوڑے کی بوتل نکالی اور مریضہ کے منھ پر چھڑک کر پنکھے کی ہوا دینے لگی اس خالص برتاؤ نے شکیلہ پر گہرا اثر کیا اس نے آنکھیں کھول کر دونوں ہاتھ پھیلا دیے مطلب سمجھ کر جمیلہ سینے سے چمٹ کر رونے لگی تھوڑی دیر تک دونوں دل کی بھڑاس آنسوؤں کے ذریعہ سے نکالا کیے پھر مریضہ نے ناتوان آواز سے کہا۔

شکیلہ بیگم - بیٹا میں نے تمھیں اپنی بدمزاجی سے بہت تکلیف پہنچائی جسکی ندامت آنکھیں چار کرنے کی روادار نہیں تمھاری جگہ اگر دوسری لڑکی ہوتی تو زندگی بھر

ایسی ساس کی صورت نہ دیکھتی لیکن تم فرشتہ ہو جو مجھ سے ابتک صفائی برتتی ہو میرا رویاں رویاں تمھارا ممنوں احسان ہے اگر تم میرے گذشتہ گناہوں کو معاف کرکے سینے سے غموں کی بھاری سل ہٹادو تو میری زندگی ہو جائے۔

جمیلہ۔ ہاتھ جوڑ کر امی جان آپ کیا فرماتی ہیں ہر بزرگ چھوٹوں کو تربیت کرتا ہے میری عزت صرف اسی میں ہے کہ آپ کے قدموں پر پڑی رہوں اتنے دن قدموں سے جدا رہ کر زندگی تلخ ہوگئی تھی شکر ہے جو دوبارہ پھر قسمت نے انھیں مبارک قدموں پر لا ڈالا۔

شکیلہ بیگم۔ جمیلہ مجھے زیادہ خجل نہ کرو۔

جمیلہ۔ بات کاٹ کر آپ زیادہ بات نہ کریں تھوڑا آرام فرمائیے کہیں ایسا نہ ہو موذی درد پھر اُٹھ کھڑا ہو اور دشمنوں کی طبیعت بےچین ہو شب بخیر صبح کو باتیں ہوں گی۔

(باقی آئندہ)

مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

فلسفۂ غزل

چار سو دہر میں عجب سے ہوا نظمی عمل ۔۔۔ قدر کے بازار میں ممتاز ہے صنفِ غزل
فکر کے سانچے سے جو اشعار نکلے برمحل ۔۔۔ خلعت تحسین لیا اور ہوگئے ضرب المثل
طبقۂ اعلےٰ میں رہکر اتنے پیارے ہوگئے
آسمانِ نظم کے روشن ستارے ہوگئے

ہے غزل بھی جوہر معیار معنی و بیاں ۔۔۔ راز حسن و عشق ہے جسکے مضامیں میں نہاں
جسکی بندش سے اثر پاتی ہے شاعر کی زباں ۔۔۔ واقعات حال ہوجاتی ہے کہنہ داستاں
دی تسلی جس نے مجنوں کے دل ناشاد کو
داد دے کر بھر دیا زخم سر فرہاد کو

لہ یہ نظم معیار کے گذشتہ مشاعرے میں پڑھی گئی تھی۔

جسکے دو مصرعوں میں مضمر قوت تقریر حسن — جو بتاتے ہیں اثر رکھتے ہیں آشنا تیر حسن
اور جسکے زور سے بڑھتی گئی توقیر حسن — معتبر دنیا سے دل میں ہے یہی تفسیر حسن

دفتر جذبات ہے تعبیر خواب عشق سے
حسن کا مطلع ہے طغرائے کتاب عشق ہے

اے غزل تو نے کیے وہ منتخب الفت نواز — حسن کو خود چاہیے جنکی وفاداری پہ ناز
تیرے عالم میں وہی ہے سربلند و سرفراز — پڑ چکی ہے عشق کی جس پر نگاہ امتیاز

روح لے لی استخواں ہائے بیاباں زار سے
پیکر مجنوں کے اجزا چن لیے انبار سے

تو نے محفل گرم کر دی حسن کے اذکار سے — دل کو آگہ کر دیا رنگ مزاج یار سے
کام کیا لیتے ہیں لبہائے نزاکت بار سے — تیر کی حاجت نہ کچھ مطلب انھیں تلوار سے

ہو کے بے پروا جہان حسن میں کرتے ہیں راج
کس ادا سے خوں بہا دیتے ہیں یہ رنگیں مزاج

تو نے جسدم صفحۂ قرطاس کو رنگیں کیا — پھر سے تازہ حسن کا اور عشق کا آئیں کیا
ہجر کی بیچینیوں کو خوگر تسکیں کیا — عشق کے مارے ہوؤں کو خوب تلقیں کیا

کس طرح دل کو وفا کی نذر کرنا چاہیے
جب فلک دے رنج کیونکر صبر کرنا چاہیے

عقل باقی ہے جہانتک وسعت علم نظر — حب کا ہر موجود پر ہے مبدء فطرت سے اثر
افضل مخلوق ہی ٹھہرا تو کیا ذکر بشر — سنگ کے دلمیں بھی قدرت نے ودیعت کی شرر

عشق کے جوہر سے خالی ہیں تو سب بیکار ہیں
آج انسانی ہیولے جسقدر تیار ہیں

اشہر لکھنوی

غزلیات

حضرت مولانا صفیؔ لکھنوی

نہیں اُٹھتے جہاں صبح جدائی دیکھ لیتے ہیں — اجل کا راستہ تیرے فدائی دیکھ لیتے ہیں
جب اپنی آہ کی بیدست و پائی دیکھ لیتے ہیں — نگاہِ یاس سے بامِ رسائی دیکھ لیتے ہیں
جو ناممکن ہے واں تک ہم رسائی دیکھ لیتے ہیں — درِ جاناں پہ شوقِ جبہہ سائی دیکھ لیتے ہیں
اُنھیں جب قابلِ زور آزمائی دیکھ لیتے ہیں — کبھی بازو کبھی ہنسکر کلائی دیکھ لیتے ہیں
یہ کسکا سر دکھا دو پوچھتے ہیں اپنے درباں سے — جو چوکھٹ پہ نشانِ جبہہ سائی دیکھ لیتے ہیں
ہلالِ عید کہہ دیتے ہیں اُس خود بیں کے ابرو کو — اسی حیلہ سے دم بھر کج ادائی دیکھ لیتے ہیں
فدا کرتے ہیں نقدِ جان و دل ہم بھی حسینوں پر — مگر اس شرط سے جب پارسائی دیکھ لیتے ہیں
سحر کو آنکھ کھلتے ہی اسیرانِ جنوں تیرے — درِ زنداں بامید رہائی دیکھ لیتے ہیں
نظر بعض دلِ انساں ہے اسکے دیکھنے والے — ہر اک دل میں صفائی ناصفائی دیکھ لیتے ہیں
ہمارا دل بتوں کا رخ تماشاگاہِ عالم ہے — اسی عینک سے ہم ساری خدائی دیکھ لیتے ہیں

صفیؔ کم فرصتی میں جب غزل کی فکر کرتے ہیں
فقط شعروں میں بندش کی صفائی دیکھ لیتے ہیں

حضرت ارشد تھانوی

حاصلِ زیست ہے ممنونِ قضا ہو جانا — زندگانی کا نتیجہ ہے فنا ہو جانا
اسقدر دوزخ و جنت کو سمجھتا ہوں میں — ایک خوش ہونا ترا ایک خفا ہو جانا
کر دیا جادۂ تسلیم سے کوسوں پیچھے — آ گیا کیوں مری آہوں کو رسا ہو جانا
ہوش کے ساتھ رہے گی من و تو کی تمیز — بیخودی ہی تو ہے مفروقِ انا ہو جانا

سبب تازگی و رونق دل ہے ارشد
عالم یاس میں مصروف دعا ہو جانا

حضرت آرزو لکھنوی

تڑپا جو کوئی سرد نفس کھینچ کر کہیں — خلوت میں جھلملا گئی شمع سحر کہیں
بھڑکا تو کھائے جیب کے قاتل نظر کہیں — گردن رگڑ لوں آپ میں تلوار پر کہیں
اے عشق ہر جگہ تری تاثیروں سے ہے فرق — آرام دل کہیں ہے تو درد جگر کہیں
تڑپے چمن کے شوق میں کیا قیدیٔ قفس — ڈر ہے اُکھڑ اُکھڑ کے نہ گر جائیں پر کہیں
تم اپنی یاد دے گئے تھے کیا اسی لیے — لینے نہ دے قرار مجھے عمر بھر کہیں
تربت میں ہے دریدہ کفن اس گلی میں لاش — ہم ہیں کہیں سفر میں تو رخت سفر کہیں
آتا ہے اب لگی کا بجھانا اسی طرح — جب دل بھر آیا رونے لگے بیٹھ کر کہیں
آتے ہی ذکر عشق میں پہلے سے رو دیا — ڈر تھا گریں نہ اشک ترے نام پر کہیں
آنکھوں سے نیند دیکھنے والوں کی اُڑ گئی — سوتے ہیں اینڈ اینڈ کے یوں بے خبر کہیں
جب کہتے کہتے تھک گئے خاموش ہو رہے — ہوتا ہے ورنہ قصۂ غم مختصر کہیں
اقرار جرم عشق میں ہے راستی بُری — تلوار مار دے نہ وہ ترچھی نظر کہیں
خالی پھری ہے مجھکو نشیمن میں ڈھونڈھ کے — بجلی گرے نہ خانۂ صیاد پر کہیں
بہت کچھ اور لے سر شوریدہ چاہیے — زنجیر کھڑکھڑانے سے کھلتا ہے در کہیں
آتا ہے نے اجل تو بس آ وقت ہے یہی — رہتا ہے دل کا درد یہ دو پہر کہیں

وہ آرزو چلے گئے منھ دیکھتے ہوئے
حسرت بھری نظر نے دکھایا اثر کہیں

حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

دل کو محو لذت آزار رہنے دیجیے — خوش ہے جس حال میں بیمار رہنے دیجیے

کچھ وفا کچھ ظلم کے آثار رہنے دیجیے
خون میں ڈوبی ہوی تلوار رہنے دیجیے

بیخودی کی قید میں رکھیے مجھے یا محو خواب
دل کو اپنی یاد میں بیدار رہنے دیجیے

شرم آئی کس لیے آئینہ رکھا کس لیے
جسکو دیکھا اُس سے آنکھیں چار رہنے دیجیے

دلمیں رہ کر کیجیے گا کیوں علاج زخم تیر
آپ ہیں۔ تو روزن دیوار رہنے دیجیے

یادگار عشق ہے یہ صحبت تیغ و گلو
اور دم بھر حلق پر تلوار رہنے دیجیے

میں ابھی تک بیخودی کی راہ سے واقف نہیں
ہوش میں ہوں آپ اگر ہشیار رہنے دیجیے

روح و جاں میرے لیے دونوں ہیں دل ہو یا جگر
آپ جسکو چاہیے بیکار رہنے دیجیے

کیوں بجھا کر رو دیے رونے سے شمع قبر کو
ایک کو تو سیہ ماتم وار رہنے دیجیے

آپ یوسف ہیں تو باندھی ہے کمر کیوں قتل پر
کوئی دم تو رونق بازار رہنے دیجیے

روئیے جب تک ہو رلوائے ثاقب درد دل
آنکھ کو جب تک رہے خونبار رہنے دیجیے

حضرت آسطہ بدوانی

دیکھتے ہیں دور میں دل تھام کے
دل کے ٹکڑے ہیں کہ ساقی جام کے

ہو گئی صبح قیامت آشکار
رنگ لائے خوب نالے شام کے

پھر گئی ساقی کی پھر چشم کرم
رنگ دیکھو گردش ایام کے

اور یہ نالاں ہے کوئی خستہ جگر
دیکھ تو او سونے والے بام کے

دور ہم بیٹھے ہیں اے ساقی مگر
نظریں بوسے لے رہی ہیں جام کے

پیمانہ گر سب ضعف کا عالم نہ پوچھ
درد دل اُٹھا کلیجا تھام کے

خون دل پیتے ہیں یا خون جگر
اب کہاں دن بادۂ گلفام کے

بلبلوں نے باغ میں گھیرا انھیں
صدقے ہوتی ہیں رخ گلفام کے

اس تڑپنے نے مرے کھویا مجھے
کس گئے کچھ اور حلقے دام کے

ضعف سے کروٹ بدلنا ہے محال ‏ ‏ یہ بھی دو پہلو گئے آرام کے
میکدے سے دل شکستہ ہم چلے ‏ ‏ ٹکڑے ہو جائیں نہ ساقی جام کے
جیب ہو جن سے نہ داماں تار تار ‏ ‏ ٹوٹ جائیں ہاتھ وہ کس کام کے

آج باسط سے کسی نے کہہ دیا
تم سے دیوانے مرے کس کام کے

حضرت خلیق دہلوی

کدورت خاکساروں سے نہ رکھا کر نہ رکھا کر ‏ ‏ مٹے جاتے ہیں ہم خود ہی تو اپنا دل نہ میلا کر
اشارہ کرکے مژگاں سے نہ عاشق کو بلایا کر ‏ ‏ خدا کے واسطے ظالم نہ کانٹوں میں گھسیٹا کر
دم تیغ آزمائی دل میں قاتل کچھ نہ سونچا کر ‏ ‏ کسی کی جان جائے یا رہے تو کچھ نہ پروا کر
کہا یہ بیش و او رہی تو اُسنے مجھ سے دھمکا کر ‏ ‏ کسی کے روبرو میرا نہ شکوہ کر نہ دعویٰ کر
کہاں تک تجھکو سمجھائیں حسینوں کو نہ چاہا کر ‏ ‏ تو اتنا اے دل مضطر نہ تڑپا کر نہ تڑپا کر
جن آنکھوں سے ہمارے دشمنوں کو دیکھتا ہے تو ‏ ‏ اُنھیں آنکھوں سے اے ظالم کبھی ہمکو بھی دیکھا کر
مدیں ابرو ہیں آنکھیں دائرے ہیں خال نقطے ہیں ‏ ‏ دکھا دو میم بسم اللہ زلفیں اپنی لٹکا کر
تری وہ کونسی ہے بات جو میں نے نہیں مانی ‏ ‏ ارے ظالم کسی دن تو ہمارا بھی تو کہنا کر
ہماری انتظار دید میں پتھرا گئیں آنکھیں ‏ ‏ تو اب اندھوں سے اے پردہ نشیں ہرگز نہ پردہ کر
تری منت خوشامد کرنے سے انکار کس کو ہے ‏ ‏ فقط ہم سے منا لینے کی خاطر تو نہ روٹھا کر
لگی تو دل کی بجھ جائے ارے یونہی سہی ظالم ‏ ‏ پلا کر آب خنجر ہی کلیجا میرا ٹھنڈا کر
مرے قاصد سے کیا احوال غم دریافت کرتا ہے ‏ ‏ گذرتی ہے جو میرے لیے میرے دل سے پوچھا کر
ترے آگے ترے جانباز اپنی جان پر کھیلیں ‏ ‏ تو اپنے لطف سے بیٹھا تماشا اُنکا دیکھا کر
وہاں جا کر نہ بے پر کی اُڑائے مرغ نامہ بر ‏ ‏ یہاں سے اُسکو طوطے کیطرح بھیجا ہے سمجھا کر

خلیق خستہ خلاق سخن سمجھے ہر اک تجھکو
جو ہے معجز بیاں تو بات میں ایسے بات پیدا کر

ریویوز

شعلہ

دلّی سے ایک ماہواری رسالہ شعلہ نامی کوئی ۷ ماہ سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اسکے مضامین زیادہ تر تصوف کا رنگ لیے ہوے ہوتے ہیں اور اس خاص حیثیت میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے بعض مشہور مضامین نگار جو کسی رسالہ یا اخبار میں بلا معاوضہ مضمون نہیں دیتے وہ بھی بعض اوقات اپنے جدت طراز تخئیل کے ساتھ شعلہ کے اوراق میں نمودار ہوتے ہیں اور جہانتک ہمکو معلوم ہے ایسے حضرات کی ہمدردیاں بغیر کسی معاوضہ کے شعلہ کے ساتھ ہیں اور یہ یقیناً شعلہ کے لیے فال نیک ہے۔ شعلہ کے ایڈیٹر مولانا سید محمد ناصر صاحب خلف مولانا شاہ سید حمزہ صاحب قبلہ ہیں۔ وہ یقیناً رسالہ کے اتنے تھوڑے عرصہ میں اتنا زیادہ مقبول بنانے میں مبارکباد کے مستحق ہیں کہ پہلی جلد کے خاتمہ پر ہی رسالہ کی قیمت میں تخفیف کر کے ملک کے اُن غریب ناظرین کو بھی شعلہ سے مستفید ہونے کا موقع دیے سکے جو اسکی ابتدائی قیمت عہ/ نہ دے سکتے تھے۔

شعلہ اپنے موجودہ رنگ میں اگر دوسرے علمی ادبی رسالوں کی شان بھی پیدا کرسے تو غالباً اس حالت میں ملک کے تمام افراد کے دلوں میں گرمی پہنچانے میں کامیاب ہوسکے گا اور یہی اسکا دعوےٰ اور مقصد ہے۔

افسوس ہے کہ شعلہ اپنی اس چھوٹی سی عمر میں بھی پریس کی بدعنوانیوں سے نہ بچ سکا اور اسکی اشاعت میں چند ان بے قاعدگی واقع ہوگئی تھی مگر شکر ہے کہ مولانا نے اب پھر اسکو وقت کی پابندی کی بندش میں کلیا ہے۔ یہ رسالہ ۱۸-۲۲ تقطیع پر ۴۸ صفحوں کے حجم میں شائع ہوتا ہے۔ عوام سے قیمت ۱۲؍ ہے۔ نمونے کے لیے ۴ کے ٹکٹ دفتر رسالہ شعلہ محلہ چوڑیگراں دہلی کے پتے پر روانہ کیجیے۔

النظامیہ

یہ علمی۔ مذہبی۔ تاریخی ماہواری رسالہ ہندوستان کے مشہور دار العلوم یعنی فرنگی محل لکھنؤ سے مولوی صبغت اللہ صاحب شہید انصاری کی ایڈیٹری میں پابندی

وقت کے ساتھ شایع ہوتا ہے۔ اسکے مضامین زیادہ تر مذہبی ہوتے ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جناب شہید صاحب رسالہ کی مقبولیت کے راز کو پہچان کر رسالہ کو مقبول عام بنانے کے لیے کوشاں ہیں چنانچہ النظامیہ کے آخر پرچے کو ہم اسکے تمام گذشتہ نمبروں پر ترجیح دیتے ہیں اسمیں تمام مضامین نہایت عمدہ اور محنت و قابلیت سے لکھے گئے ہیں اگر ہمارے کرمفرما جناب شہید صاحب نے اسی رفتار ترقی کو جاری رکھا جسکی جھلک انھوں نے آخر نمبر میں دکھائی ہے تو ہم پیشین گوئی کرتے ہیں کہ النظامیہ بہت جلد ہندوستان کے ممتاز پرچوں میں شمار ہونے لگے گا اور اس کی اشاعت کو بھی قرار واقعی فائدہ پہنچے گا

بعض اوقات النظامیہ میں ایسی خبریں درج ہو جایا کرتی ہیں جو ایک رسالہ کی شان سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔

اسوقت طبقۂ علماء کو جناب شہید کا مشکور رہنا چاہیے کہ انھوں نے فرنگی محل کی شاندار روایات کو قائم رکھنے بلکہ ان میں چار چاند لگانے کے خیال کو مد نظر رکھ کر ایک ایسا رسالہ جاری کیا۔ آیندہ انشاء اللہ بہت سے دوسرے طبقہ بھی حلقۂ ممنونیت میں شامل ہو جائیں گے۔ رسالہ کا حجم ۳۶ صفحہ تقطیع ۲۰-۲۶ قیمت ؏ پتہ النظامیہ - فرنگی محل لکھنؤ ہے۔

خونی منظر

اس نام کی ایک کتاب جناب منشی مقرب حسین صاحب مقرب دہلوی نے لکھی ہے اس کتاب میں کربلائے معلےٰ کے واقعات روح فرسا کا اس خوبصورتی اور درد انگیزی سے ذکر کیا گیا ہے جس سے کوئی مسلمان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں مگر جس ادبی خصوصیت کو جناب مقرب صاحب نے مد نظر رکھا ہے وہ اسے دوسری کتابوں پر فوقیت دیتی ہے۔

ملک میں اس امر کی بہت زیادہ ضرورت ہے کہ امور دینی کو اس قسم کا خوبصورت اور عجیب لباس پہنا کر پیش کیا جائے اور اس لیے ہم جناب مقرب صاحب کو

اُن کی اس پہلی تصنیف پر مبارکباد دیتے ہیں۔ "تمدن" میں جناب مقرب کے مضامین چھپتے رہتے ہیں اس لیے ناظرین "تمدن" پر زبان کی سلاست و شیرینی خوب روشن ہو سکتی ہے جسکو انھوں نے اپنے اس ڈرامہ میں نہایت خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے۔

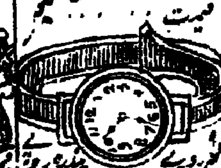
کتاب کی لکھائی چھپائی بہت اچھی ہے حجم ۳۲ صفحہ۔ تقطیع ۱۸×۲۲۔ یہ خوبصورت کتاب ۴۔ چار آنے قیمت پر حالی پریس دہلی سے مل سکتی ہے۔

عطر انتخاب

جناب چودھری رحم علیصاحب الہاشمی متعلم بی۔ اے کلاس کیننگ کالج لکھنؤ آنریری سکرٹری صیغۂ اخلاقی گو کھلے اسٹوڈنٹ برادرہڈ نے الہ آباد یونیورسٹی کے ایف۔ اے اور بی۔ اے کے عربی کورس کے چند عربی قصائد کا منظوم ترجمہ ایک ایک چھوٹی سی ۱۴ صفحہ کی کتاب کی صورت میں شایع کیا ہے۔ مترجم نے حسان ابن ثابت فرزدق ابن تالث کے قصائد کو ترجمے کے لیے منتخب کیا ہے۔ ترجمہ بہت محنت اور قابلیت سے کیا گیا ہے۔ یہ کتاب عام لوگوں کے علاوہ اُن حضرات کے لیے بہت مفید ہے جنھوں نے الہ آباد یونیورسٹی کی اعلےٰ جماعتوں میں عربی لے رکھی ہے۔ کتاب ۲ر کے ٹکٹ آنے پر مصنف کے پاس کیننگ کالج بورڈنگ لکھنؤ کے پتہ پر مل سکتی ہے۔

ضروری گذارش

"تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں اُنکا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ ذریعہ وی۔ پی بھیجا جائے گا جسکا وصول کرنا اُن کا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ جو حضرات "تمدن" کو قیمتاً نہیں منگا سکتے وہ اگر آخر مئی تک "تمدن" کے پانچ مستقل خریدار عنایت فرمائینگے اُنکی خدمت میں ایک سال کے لیے تمدن مفت حاضر ہوگا۔ جو صاحب دو مستقل خریدار عنایت فرمائینگے اُن کے پاس چھ ماہ تک یہ مفت حاضر ہوگا۔

ریڈیم ... واچ	ہفت روزہ واچ	ریلوے ریگولیٹر واچ	والتھم میل واچ	انگلش شیپ واچ	زنانی چوڑیدار گھڑی	
 نمبر ۲۲ گارنٹی ... سال	 نمبر ۱۲ گارنٹی ۵ سال	 نمبر ۲۵ ... روپیہ	 نمبر ۳	 نمبر ۴۴ گارنٹی ۳ سال قیمت ...	 نمبر ۹ گارنٹی ۲ سال	پہونچی جوڑہ ... سونے کا ملمع ... قیمت ... چوڑیاں ڈائمنڈ کٹ کی نقشی ... سونے کا ملمع آٹھ چوڑی کا سٹ قیمت ... چوڑیاں لہریہ دار نہایت نفیس قابل دید ملمع بارہ چوڑی کا سٹ ... چوڑیاں اسپرنگدار ... زنانی گھڑی میں ہے قیمت فی جوڑہ ... روپیہ کڑے نہایت نفیس سونے کا ملمع فی جوڑہ ایک روپیہ چار آنے جھومکہ کرن پھول نہایت نفیس قابل دید سونے کا ملمع فی جوڑہ ... اور ... نہایت خوشنما فی جوڑہ ... چپے بناوٹ میں بالکل اصلی سونے کی ... سونے کا ملمع ... چار روپیہ چمپاکلی نقشی جو دیکھنے میں بالکل سونے کے موافق قیمت ... چمپاکلی منقش ... [illegible]
نمبر ۲۲ اس گھڑی میں رانگو لیپ اندھیرے میں بیشک شام معلوم ہوتا ہے کیونکہ اسکی سوئیاں و منٹ اندھیرے میں روشن ہوجاتے ہیں اور دن میں عام گھڑیوں کی طرح ٹائم دیتی ہے ... سچا وقت دینے میں اعلیٰ گارنٹی ۳ سال نکل کیس قیمت سات روپیہ اور قسم اعلیٰ کیس سنہری منقش قیمت نو روپیہ ... نمبر ۶ - سید ... جویلدار مضبوط صحیح وقت دینے میں لاثانی نکلسلور کیس گارنٹی ۲ سال قیمت پندرہ روپے ...	نمبر ۱۲ - اس گھڑی میں آٹھویں روز چابی دیجاتی ہے وقت بہت صحیح دیتی ہے نیو رشین جویلدار فینسی کٹ ڈائل - کیس نکلسلور کا - اور سیاہ گارنٹی ۵ سال - قیمت چھ روپیہ نمبر ۲۳ - اصلی چاندی کا منقش سپر کٹ کیس نہایت درجہ کی فینسی ہفت روزہ چابی کی گارنٹی ۳ سال قیمت نو روپیہ اور بند کیس یعنی دیکھنے والے قسم اعلیٰ چاندی کا کیس گارنٹی چھ سال قیمت تیرہ روپیہ خریدار ... ہوگا	نمبر ۲۵ ریلوے مارکہ ریگولیٹر چال مضبوطی صحیح ٹائم دینے میں عمدہ نکل کیس قیمت ۳ نمبر ۳۰ قسم عمدہ جویلدار نکل کیس قیمت پانچ روپیہ نمبر ۴۵ چاندی کا کیس قسم اعلیٰ نیو رشین فل جویل نہایت درجہ کی مضبوط گارنٹی ۵ سال قیمت صرف دس روپے (...) آلارم والے ٹائم پیس نہایت مضبوط صحیح وقت دینے میں اعلیٰ قیمت تین روپیہ	نمبر ۳ بند کیس منقش ... چابی کی نہایت خوبصورت چال مضبوطی صحیح وقت دینے میں لاثانی گارنٹی ۳ سال قیمت چار روپیہ آٹھ آنے - نمبر ۲ - یہ بھی گھڑی مگر گولڈ گلٹ کی قیمت پانچ روپیہ **عکسی قرآن شریف** ... ایک ... واسطے تلاوت کے موجود ہے ... ایک روپیہ بارہ آنہ	یہ گھڑیاں نیو فیشن انگلش شیپ کی کندہ دار نہایت درجہ کی خوبصورت صحیح وقت دینے والی ہیں گارنٹی ۳ سال نمبر ۴۴ سفید اور سیاہ چار روپیہ آٹھ آنے نمبر ۴۵ - چاندی کی چھ روپیے نمبر ... ریڈیم ڈائل کی جو رات کو اندھیرے میں مانند روز روشن کے ٹائم بتلاتی ہے نکل کیس سفید اور سیاہ کی قیمت نو روپیہ ... چاندی کی قسم اعلیٰ جویلدار گارنٹی ۵ سال قیمت پندرہ ...	نمبر ۹ - یہ گھڑی ایک ... اور چوڑی میں جڑی ہے اور چوڑی و گھڑی دونوں پر ... سونے کا ملمع ہے جو بالکل سونے کی معلوم ہوتی ہے گارنٹی ۲ سال قیمت ... نمبر ... موافق نمبر ۹ کے لیکن گھڑی کی چوڑی پر ہیرے موتی ... یاقوت قابل دید جڑے ہیں قیمت چند روپیہ نوٹ - واضح رہے کہ ہر ایک پارسل کا خرچ ...	

المشتہر مولوی محمد لطف اللہ خان جنرل مرچنٹ نمبر ... متصل ... مسجد شہر دہلی

تمدّن بک ایجنسی لکھنؤ

ناولہائے قاری | قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) کے اخلاقی ناول سعید۔ سعادت۔ شاہد رعنا جو دو بار چھپکر قدر دانوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں اب ایک مجموعے کی صورت میں چھپوائے گئے ہیں ۳۰۰ صفحہ کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور جسمیں مصنف کی ایک تصویر بھی ہے قیمت ۱۲؍

اسلام بانی قاری | قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) سیاح بابا پان انگلستان کے انگریزی زبان میں متصوفانہ مضامین کا مجموعہ۔ یہ مضامین بڑی قدر کے ساتھ امریکہ کے مشہور رسالوں میں چھپے تھے اب دوبارہ چھاپ کر نہایت خوبصورت جلدیں ہدیۂ شائقین کیے جاتے ہیں۔ قیمت میں بھی تخفیف کردی گئی ہے اور اب تا اطلاع ثانی اسکی قیمت مع محصولڈاک ۱۲؍ ہے

تہذیب الاسلام | جسمیں فلسفۂ یورپ کی تحقیقات موجودہ و تمدن و سائنس جدیدہ کے انکشافات کو اسلام کے مسائل خفیہ کے ساتھ تطبیق اور محققین تمدن کے اعتراضات کی تردید کی گئی ہے اور مسلمانوں کے عروج و تنزل کا اصلی سبب بیان کیا گیا ہے قیمت فی جلد علاوہ محصولڈاک ۸؍

حیات سرور کائنات | قیمت فی جلد ۶؍

شکوہ | ترجمان حقیقت ڈاکٹر اقبال کی شہرۂ آفاق نظم قیمت ۵؍

عذر شکوہ | ڈاکٹر اقبال کے شکوہ کا جواب قیمت ۲؍

جواب شکوہ | ڈاکٹر اقبال کے قلم سے شکوہ کا جواب قیمت ۲؍

مسدس حالی | مولانا حالی مرحوم کی مسدس مدو جزر اسلام اور ضمیمہ مع سوانح مولانا حالی مرحوم پاکٹ اڈیشن پر نہایت صحت و صفائی کے ساتھ چھاپا گیا ہے قیمت فی جلد ۸؍

لسان الغیب | ڈاکٹر اقبال نے اپنی مثنوی اسرار خودی میں جو حافظ شیرازی پر نکتہ چینی کی ہے اس کا جواب قیمت فی جلد ۲؍

ادبی اور اخباری دنیا میں ظہور معجزہ

ماہواری رسائل نالاں ہیں کہ اشاعت نہیں بڑھتی، پبلک کی شکایت ہے کہ دیکھنے کے قابل کوئی رسالہ ہی نہیں ہے۔

کسی زمانے میں مخزن کی قدر تھی کیونکہ وہ اپنی قسم کا پہلا رسالہ تھا اور اُس سے قبل ایسا کوئی رسالہ نہ نکلا تھا اسکے بعد ایک دور آیا کہ انڈین پریس الہ آباد کے ادیب نے پسندیدگی حاصل کی۔ لیکن اب مخزن ہے نہ ادیب، یعنی نہ معنوی حیثیت سے کوئی ماہوار میگزین دیکھنے کے قابل ہے نہ صورت کے لحاظ سے کسی میں جاذبیت ہے۔ اس بیان میں بہت صداقت ہے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں، اچھا اب ولایت کے رسائل کو لیجیے اُن میں ونڈسر، پیرسن وغیرہ بہت معروف ہیں۔ کاغذ نفیس، ضخامت کافی، طباعت پسندیدہ، تصاویر بہت، مواد دلچسپ، کہا جاتا ہے کہ ویسا ہی رسالہ اگر کوئی اُردو میں جاری ہو تو پبلک قدر کرنے کے لیے آمادہ ہے، اگر یہ صحیح ہے جسکا ہمیں بھی یقین ہے تو آپ صرف ایک کارڈ کے ذریعہ سے ہمیں اطلاع دیں کہ اگر کوئی رسالہ ایسا جاری ہو تو آپ اُسکا دیکھنا پسند کریں گے۔

ہمنے ایک نہایت وسیع پیمانہ پر انتظام کیا ہے کہ ایک ماہوار رسالہ جاری کیا جائے جو تمام حیثیات سے ولایت کے بہترین رسائل کے برابر ہو اور ہندوستان کے تمام رسائل گذشتہ و موجودہ سے اعلیٰ و برتر ہو باعتبار صورت کے آپ ادیب سے مقابلہ نہ کیجیے گا کیونکہ یہ رسالہ اُس سے بدرجہا بڑھا ہوا ہوگا اور بہ لحاظ معنی حُسن ترتیب، تنوع مضامین، پاکیزگی لٹریچر وغیرہ آپ ہندوستان کے کسی دوسرے ماہوار رسالہ کا ذکر نہ کیجیے کیونکہ یہ رسالہ ان تمام باتوں میں تمام رسائل سے بہت ارفع ہوگا۔ ضخامت کم از کم ۹۶ صفحہ کاغذ دبیز اور نہایت چکنا، کتابت ازبس پسندیدہ، طباعت بنہایت دیدہ زیب، تصاویر کم از کم ایک درجن جنمیں دو رنگین اور نقاشی کا بہترین نمونہ ہونگی، مضامین تمام معاوضہ دیکر لکھوائے جائینگے۔ ایڈیٹوریل اسٹاف میں کوئی معمولی قابلیت کا شخص جگہ نہ پائیگا قیمت ۹ روپیہ سالانہ ۵ ششماہی، ۳ سہ ماہی، فی پرچہ ۱۲ ہوگی۔ نمونہ بذریعہ وی پی ایک روپیہ ایک آنہ میں ملے گا اور نقد ۱۲ میں اس سے زیادہ فی الحال ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے رسالہ خود ہمارے اس بیان کی تصدیق کرے گا۔

منیجر درویش پریس دہلی

میرٹھ کا ہردلعزیز کم قیمت اور پُرمنفعت ماہوار مذہبی رسالہ

اسوۂ حسنہ

ڈیڑھ سال سے مسلمانوں کو بیدار کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ ہر مہینے مسلمانوں کی کمزوریوں اور بداطواریوں کے ہولناک نتائج پر انکو متنبہ کرتا ہے۔ اور انکی اصلاح و ترقی کے لیے بہترین تجویزیں بتاتا ہے۔ وہ انکی عبرت پذیری کے لیے نہایت دلسوز مضامین مشاہیر اہل قلم سے لکھوا کر شائع کرتا ہے۔ وہ ان کے سامنے اُس صراط مستقیم کے دلکش نقشے پیش کرتا ہے جسپر چلکر ان کے بزرگوں نے دنیا کو مسخر کر لیا تھا۔ وہ اسلام پاک کی حکیمانہ تعلیم اور قرآن و حدیث کے حقائق و معارف سے انکو باخبر کرتا ہے۔ وہ انکی دماغی تفریح کے لیے دلچسپ علمی مشاغل مہیا کرتا ہے۔ وہ انکے کتب خانوں کی زینت کے لیے عمدہ کاغذ اور نفیس لکھائی چھپائی کا خوشنما لباس پہنکر آتا ہے۔ اور اپنی ان ناچیز خدمات کے صلے میں صرف یہ چاہتا ہے کہ جہاں سیکڑوں روپے بیسیوں فضولیات میں مسلمان خرچ کر دیتے ہیں وہاں سال بھر میں صرف دو روپے دو آنہ ایک دینی و قومی کام کے لیے بھی دیدیں اور ہر مہینہ اسوۂ حسنہ پر ایک نظر ڈال لیا کریں۔ کیا عجب ہے کہ کوئی بات اسمیں انکے کام کی نکل آئے جو دنیا و آخرت میں انکے لیے مفید ثابت ہو۔ ہمیں امید ہے کہ آپ اسوۂ حسنہ پڑھکر انشاءاللہ بہت محظوظ ہوں گے۔ کیونکہ اس کا ہر ایک مضمون۔ مفید۔ دلچسپ اور پڑھنے کے قابل ہوتا ہے۔

اسوۂ حسنہ کی سالانہ قیمت صرف عہ ہے نمونہ اس شرط پر مفت دیا جائے گا کہ اگر وہ ناپسند ہو تو واپس کر دیا جائے ورنہ اگلے پرچہ کا وی پی وصول کر لیا جائے۔

المشتہر

مدیر رسالہ اسوۂ حسنہ سعید منزل میرٹھ

نظّارہ

یہی وہ نظارہ ہے جسکی تاب حضرت موسیٰ نہ لاسکے!

یہی وہ نظارہ ہے جسکے پردہ میں قدرت کی تجلیاں مخفی ہیں دنیائے علم کے تماشائی کہاں ہیں آنکھیں کھولیں اور اس جام جہاں نما کی سیر کریں۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ ادبی۔ معاشرتی مناظر کا نظارہ نظارے ہی کے صفحات سے ہوتا ہے جو ہر مہینے آفتاب عالمتاب کی طرح میرٹھ سے نکلتا ہے اور دنیا میں ایک نئی روشنی پھیلاتا ہے۔

اہل نظر نظارے کو آئینہ کی طرح سامنے رکھیں اور علم کی جیتی جاگتی تصویروں کا جنکو ملک کے مشہور اہل قلم مختلف رنگین میں نظارے کے اوراق پر کھینچتے ہیں تماشا دیکھیں۔

قیمت کچھ بھی نہیں صرف تین روپے بھیجنے پر نظارہ کی سیر ایک سال تک گھر بیٹھے ہو سکتی ہے نمونہ ۵ کے ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

منیجر رسالۂ نظّارہ میرٹھ

شعلہ بھڑکا

پورے گذشتہ مہینوں میں یہ جس طرح بھڑکا۔ اس نے دلوں میں محبت کی لافانی آگ اسی طرح لگا دی کامیاب رہا پہلے ایک چھوٹی سی چنگاری کی طرح چمکتی تھی۔ اب شعلہ بن کر ہونے لگی۔ اسی لیے ہماری ہمت بھی یہانتک بڑھی کہ ابھی سے ہم اس کی قیمت گھٹانے کی سوچیں جس سے مطلب صرف اتنا ہے کہ ہمارا شعلہ کم سے کم ہندوستان کی تیس کروڑ آبادی میں تیس ہزار سوختہ دلوں کو آتش حقیقی سے جلانے کے لیے منتخب کرے۔ اس لیے

اعلان کیا جاتا ہے

کہ جن خریداروں کی درخواستیں ایک مہینے کے اندر اندر موصول ہوں گی انھیں شعلہ بجائے دو روپیہ آٹھ آنے (عہ) کے ایک روپیہ بارہ آنہ (عہ) میں روانہ کیا جائے گا۔ غریب طلبا سے عہ سالانہ پیشگی لیا جائے گا۔

یہ رسالہ اتنی سستی قیمت پر بالکل مفت ہے جو لوگ اپنے دل کی تباہ منزل کو شعلہ کی نورانی آگ سے جلانا پسند کرتے ہیں ان کو چاہئے کہ

درخواست خریداری

جس قدر جلد شعلہ دہلی کے پتے سے بھیج فرمائیں۔ اور ساتھ ہی اس کی اشاعت کے لیے بھی چند دوستوں کو تیار کر کے ہمیں شکر گزاری کا موقع دیں۔

خاکسار

منیجر رسالہ شعلہ دہلی

جون سنہ ۱۹۱۶ء

تمدن

معاشرتی تمدنی ادبی فلسفی اخلاقی تاریخی اور علمی مضامین کا

مخزن

ایڈیٹر ایم اے قاری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قاری
محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
خواتین اندلس - احمد اللہ صاحب ندوی	۱
نظارۂ خرابات - آغا غلام حسین صاحب ارشد	۸
اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ - مولانا حکیم سید علی صاحب آشفتہ لکھنوی	۹
ایک لڑکی اور شیر کا عشق - محمد اسمعیل صاحب ہاتف	۱۵
واردات فراق - حکیم سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی	۱۹
نعم ملت - "کنہائی"	۲۹
حورست - خواجہ الیاس صاحب لکھنوی	۳۳
ایک عمالی - حکیم محمد علیخان صاحب اکبرآبادی	۳۸
راز عشق - سید محمد اسمعیل صاحب ہمدانی گیاوی	۳۹
اردو نظم صلہ - ابو الحسنات صاحب ندوی	۴۱
مسلمانوں کے احسانات ایرانی علوم و فنون پر - ابو الجلال صاحب ندوی	۴۶
حسن سعادت - مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی	۵۳
غزلیات - حضرت سائل دہلوی - طالب دہلوی - صفی لکھنوی - آرزو لکھنوی - محشر لکھنوی - بہار لکھنوی - ہاشمی سہوانی - عشرت لکھنوی - ثاقب قزلباش لکھنوی	۵۸

پبلشر ... لکھنوی — ایشیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا — پرنٹر نواب علی

قیمت سالانہ ۶ — مقام اشاعت چکی بھاڑا لال لکھنؤ — نمونہ کے پرچہ کی قیمت ۸/

قواعد

(۱) تمدّن ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو لکھنؤ سے شایع ہوتا ہے

(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر بُرا اثر پڑے یا ذاتیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے ہوے ہوں درج تمدّن نہیں ہوتے۔

(۳) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ تک آجانے چاہئیں۔

(۴) جو مضمون کسی دوسرے رسالے میں درج ہو چکا ہو اُس کو تمدّن کے لیے ارسال نہ کرنا چاہیے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی نمبر نہ پہنچے تو اُسی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک طلب کریں ورنہ پھر چار آنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا۔

(۶) ناتمام مضامین درج تمدّن نہیں ہو سکتے۔

تمدّن

خواتین اندلس

زمانے کی دست برد نے جہاں ایک طرف اسلامی سلطنتوں کے پرخچے اڑائے وہاں دوسری طرف مسلمانوں کے علمی جواہر کو بھی تہ آب کر دیا، اسکے ظالم ہاتھوں سے جو کچھ علمی سرمایہ دنیا کے مختلف گوشوں میں محفوظ رہ گیا ہے اگرچہ وہ ہمارے تشنہ لبوں کو پہنچنے کے لیے بالکل ناکافی ہے تاہم اگر یہی ہمارے قبضہ میں چاروں طرف سے کھنچ کر آجائے تو وہ ہمارے علمی افلاس کے دور کرنے میں ایک بڑی حد تک معاون ہو سکتا ہے، مگر "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"

اسی باقی ماندہ سرمایہ میں تذکرہ کی دو چار کتابیں ہیں جو علمائے سلف کے [illegible] میں زیادہ مشہور رہیں لیکن ان میں خواتین اسلام کے مفصل حالات [illegible] [illegible] کرنا بالکل لاحاصل امر ہے کیونکہ ان مصنفین نے اگر ایک جانب [illegible] [illegible] اجمال و اختصار کا اصول پیش نظر رکھا ہے تو دوسری جانب [illegible]

اسلام کے علمی کارناموں اور عام حالات کو بالکل قلم انداز کردیا ہے گویا اُن کے نزدیک عورتوں کے قابل تقلید واقعات کا بھی ظاہر ہونا ویسا ہی جرم تھا جس طرح خود اُن عورتوں کا پردے سے باہر ہوجانا جرم اور قابل شرم امر ہے اگر حسن اتفاق سے کسی نے اس جنس کے ساتھ ہمدردی کی ہے تو صرف اتنی کہ چند خواتین کے تذکرے میں اُن کے حالات زندگی کو دو ہی تین سطروں میں ختم کردیا ہے۔ اکثر نہایت مشہور خواتین کے حالات میں تو صرف اسی قدر عبارت لکھی ہوتی ہے کہ "کانت عالمۃ فاضلۃ ادیبۃ شاعرۃ" اور بس ظاہر ہے کہ ان چند کنایوں سے اُن بیشمار خواتین کے حالات پر بالکل روشنی نہیں پڑ سکتی جو علم و فضل کے آسمان پر ہلال بنکر طلوع ہوئیں اور بدر بنکر چمکیں۔

چونکہ زمانے کی شدید ضرورت اس بات کو چاہتی ہے کہ خواتین اسلام کے حالات سربمہر اسرار سمجھنے کے بجائے روشنی میں لائے جائیں اسلیے مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ اس طرف بھی وہ اپنی خاص توجہ مبذول کریں اور اس کی صورت یہ ہے کہ جو لوگ اس مقصد کے پورا کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں وہ عام اسلامی تاریخ کے مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں جن میں ضمناً خواتین کے بہت سے حالات آ گئے ہیں، اور ان منتشر حالات کو ایک مستقل کتاب کی صورت میں جمع کردیں۔ اگرچہ یہ کام پوری جانفشانی سعی بلیغ اور ہزاروں تاریخی صفحات کی ورق گردانی کے بعد پورا ہو سکتا ہے مگر جو شخص اس اہم خدمت کو انجام دے گا وہ حقیقت میں قوم کی ایک بہت بڑی ضرورت کے پورا کرنے کا کفیل ہوگا۔ اس مختصر سی مگر ضروری تمہید کے بعد ہم چند خواتین کے حالات بیان کرنا چاہتے ہیں جو سرزمین اندلس کے چپہ چپہ پر پھیلی ہوئی تھیں،

تاریخ اسلام میں اندلس نہ صرف اسلیے زیادہ مشہور ہے کہ وہاں صدیوں اسلامی

سلطنت نہایت شان وشوکت کے ساتھ قائم رہی بلکہ اسلیے بھی اسکی شہرت میں چار چاند لگے ہیں کہ اس نے علوم وفنون کو اپنے آغوش میں لے کر پرورش کیا ہزاروں اولوالعزم علماء وارباب فضل وکمال پیدا کیے اور طبقۂ اناث میں بھی ایسی خواتین کی اتنی غیر معمولی تعداد کو ظاہر کیا جو بہ لحاظ اپنے تبحر علم، قدرت کلام شاعری اور آزادی رائے کے ضرب المثل تھیں بلکہ بعض اوقات وہ اپنے زمانے کے بڑے بڑے علامہ پر بھی سبقت لے گئی تھیں سلاطین وقت بھی ان کو تعظیمی الفاظ کے ساتھ یاد کرتے تھے۔

چوتھی صدی ہجری میں قرطبہ کی رہنے والی عائشہ بنت احمد ایک نہایت عالمہ شاعرہ خاتون گذری ہیں خدا نے ان میں علم وفضل، فصاحت و بلاغت کا جوہر کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا یہانتک کہ اس زمانے میں یہ عام خیال تھا کہ انکے چچا ابو عبداللہ جو ایک ممتاز طبیب اور شاعر تھے ان سے اگر اس خاتون کو ترجیح دی جائے تو بالکل بجا ہے' خدا جانے اس خاتون میں کیا کیا خوبیاں تھیں کہ اسکی شان میں یہ الفاظ استعمال کیے گئے" انھا من عجائب زمانھا و غرائب اوانھا" یعنے وہ عجائب روزگار تھی، ایک مقام پر انکی تعریف میں خاص الفاظ یہ ہیں "لم یکن فی زمانھا من حرائر اندلس من یعدلھا علما وفھما و ادبا وشعرا وفصاحۃ" یعنی اندلس کی حریت پسند عورتوں میں کوئی ایسی نہ تھی جو علم، فہم، ادب، شعر اور فصاحت میں اس خاتون کے مساوی ہو، اس عبارت سے ایک اور نتیجہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ کہ خاتون موصوفہ کے زمانے میں بھی ایسی خواتین کی تعداد کثرت سے تھی جو اپنے علم وفضل اور سچے جذبات وخیالات کے اظہار کرنے میں آزاد تھیں گو وہ سب کی سب خاتون موصوفہ سے علمی لیاقت میں کم درجہ رکھتی ہوں

خاتون موصوفہ کا خط نہایت پاکیزہ ہوا کرتا تھا وہ اکثر قرآن پاک لکھا کرتی تھیں، شادی اپنی تمام عمر میں نہ کی اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ جس قسم کا شوہر چاہتی تھیں نہیں ملتا تھا چنانچہ ایک شاعر نے جب نکاح کا پیغام بھیجا تو صاف انکار کردیا اور اُسکے جواب میں دو شعر لکھ بھیجے جسکا مفہوم یہ ہے "آپ تو آپ میرے معیار میں بہت بڑے بڑے لوگ پورے نہیں اُترتے" اس جواب سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خاتون موصوفہ کا منتہائے خیال کیا تھا اور وہ اپنے تبحر علم کے سامنے بڑے بڑے شعراء کو ہیچ سمجھتی تھیں۔

اندلس کی خواتین تعلیم کی اسقدر دلدادہ تھیں کہ وہ مرد اور عورت دونوں سے علوم سیکھتیں، معلمات اپنی علمی لیاقت، زباندانی میں نہایت ممتاز ہوتیں۔

پانچویں صدی ہجری میں مریم بنت ابی یعقوب انصاری ایک بہت بڑی مشہور شاعرہ اور ادیبہ خاتون تھیں اُنکے ذاتی فضل اور مذہبی خوبیوں سے عزت و احترام کے آسمان پر ان کو بدر کامل بنا رکھا تھا۔ عورتوں کو فن ادب کی تعلیم دیا کرتی تھیں، اُنکے فضل و کمال کی تعریف اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود سلطان مہدی اپنے ایک خط میں اُن کے علم و فضل و زہد و تقویٰ کا نہایت گرم جوشی سے ذکر کرتا ہے بلکہ یہ بادشاہ خاتون موصوفہ کے خداداد قوت نطق کی ثنا کرتا ہے۔ سلطان مہدی نے ان کے پاس کچھ دینار اور خط میں یہ چند شعر لکھ بھیجے۔

مَالِي بِشُكْرِ الَّذِي أَوْلَيْتِ مِنْ قِبَلِ — لَوْ أَنَّنِي حُزْتُ نُطْقَ اللَّسْنِ فِي الْحُلَلِ

جو کچھ میں نے دیا ہے اُسکا شکریہ نہیں چاہتا — ہاں تو یہ تمنا ہو کہ وہ طلاقت لسانی جو اہل حلل میں شیخ حلل

يَا فَذَّةَ الظَّرْفِ فِي هَذَا الزَّمَانِ وَيَا — وَحِيدَةَ الْعَصْرِ فِي الْإِخْلَاصِ وَالْعَمَلِ

اے ظرافت میں یکتائے روزگار — اور اے اخلاص و عمل میں فرد زمانہ

أَشْبَهْتِ مَرْيَمَ الْعَذْرَاءَ فِي وَرَعٍ — وَفُقْتِ خَنْسَاءَ فِي الْأَشْعَارِ وَالْمَثَلِ

تو تو تقویٰ میں مریم عذرا کے مشابہ ہے اور شعار و شِعر میں خنساء پر فوقیت لے گئی ہے

خاتون موصوفہ نے شاہانہ عطیہ شکریہ کے ساتھ قبول کرلیا اور سلطان کے خط کا

جواب شعر ہی میں دیا جسکا پہلا شعر یہ ہے۔

مَنْ ذَا يُجَارِيكَ فِي قَوْلٍ وَفِي عَمَلٍ وَقَدْ بَدَرْتَ إِلَى فَضْلٍ وَلَمْ تُسَلِ

قول و فعل میں آپ کا کون مقابلہ کرسکتا ہے آپنے تو بے مانگے مجھپر احسان کرنے میں جلدی کی ہے

اُنھوں نے آخر عمر میں اشبیلیہ میں سکونت اختیار کرلی، عمر بھی دراز پائی تھی جسکا

اظہار ان بیتوں میں کیا ہے۔

وَمَا يُرْتَجَى مِنْ بِنْتِ سَبْعِينَ حِجَّةً وَسَبْعٍ كَنَسْجِ الْعَنْكَبُوتِ الْمُهَلْهَلِ

ستر برس کی بڑھیا سے کیا امید کی جاسکتی ہے جسکی تمام زندگی تار عنکبوت کی طرح گزری

تَدِبُّ دَبِيبَ الطِّفْلِ تَسْعَى عَلَى الْعَصَا وَتَمْشِي بِهَا مَشْيَ الْأَسِيرِ الْمُكَبَّلِ

وہ بڑھاپے سے چھوٹے بچے کیطرح عصا پر ٹیک لگاتے ہوئے چلتی ہے اور اس قیدی کی مانند چلتی ہو جسکے پیروں میں بیڑیاں ڈالدی گئی ہوں

آخر کے شعر میں ایک اور خوبی ہے وہ یہ کہ جب انسان کی عمر زیادہ آجاتی ہے تو اسکی کمر

خم ہوجاتی ہے اور وہ سیدھا نہیں چل پاتا، خاتون موصوفہ نے اپنی اس ہیئت کو

چھوٹے بچے اور اُس قیدی کی چال سے تشبیہ دی ہے جسکے پیروں میں بیڑیاں

پڑی ہوں، جو نہایت ہی موزوں ہے۔

جذبات اور تخیل کو موزوں الفاظ میں ظاہر کرنا اگرچہ ایک خوبی ہے لیکن

معنی خیز مفہوم میں فی البدیہ شعر کہنا ہر ایک کا کام نہیں، اسلام کی تاریخی روایات

کا اگر مطالعہ کیا جائے تو بہت سی ایسی عورتیں ملیں گی جو اس وصف سے

موصوف تھیں، چونکہ ہمارا موضوع اسوقت "خواتین اندلس" ہے اس لیے عام

خواتین کا ذکر چھوڑ کر اسی سرزمین کی خاتونوں کی مثال پیش کرنا چاہتے ہیں۔

ام الہنا قاضی ابو محمد عبد الحق کی صاحبزادی تھیں تعلیم باپ ہی سے حاصل کی تھی

علم و فہم عقل و ذکاوت میں بےنظیر تھیں، فی البدیہ شعر کہد ینا خاتون موصوفہ کے نزدیک کوئی بڑی بات نہ تھی، ایک دفعہ قاضی صاحب "مریہ" (ایک مقام کا نام ہے) کے قاضی بنا کر بھیجے جانے لگے، چلتے وقت اپنی حویلی میں گئے اسوقت انکی آنکھوں سے وطن اور اہل و عیال کی مفارقت میں آنسو جاری تھے، طبیعت دار لڑکی نے باپ کی یہ حالت دیکھکر برجستہ چند شعر کہے،

یَا عَیْنُ صَارَ الدَّمْعُ عِنْدَكِ عَادَةً	تَبْكِيْنَ فِیْ فَرَحٍ وَّ فِیْ اَحْزَانِ
اے آنکھ! کیا رونا تیری عادت ہوگئی ہے	کہ خوشی اور رنج دونوں حالتوں میں رویا کرتی ہے
غَلَبَ السُّرُوْرُ عَلَیَّ حَتّٰی اِنَّهٗ	مِنْ عِظْمِ فَرْطِ مَسَرَّتِیْ اَبْكَانِیْ
مجھپر خوشی کا اسقدر غلبہ ہوا	کہ فرط مسرت نے مجھے رلا دیا
فَاسْتَقْبِلِیْ بِالْبِشْرِ یَوْمَ لِقَائِهٖ	وَدَعِ الدُّمُوْعَ لِلَیْلَةِ الْهِجْرَانِ
ہنسی خوشی ملاقات کے دن	مل لے اور یہ رونا شب ہجر کے لیے اُٹھا رکھ

خواتین اندلس تعلیم حاصل کرنے میں صرف معلمات کی تعلیم پر ہی اکتفا نہ کرتی تھیں بلکہ مردوں سے بھی اپنی علمی کمی کو پورا کرتی تھیں چنانچہ غرناطہ کی رہنے والی نزہون نامی ایک خاتون تھیں وہ ابو بکر مخزومی ایک نابینا شخص سے کتابیں پڑھا کرتی تھیں ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ اس نابینا شخص کے پاس سبق پڑھ رہی تھیں کہ ایک شخص وہاں پہنچا اور مخزومی کو مخاطب کر کے کہا، لَوْ كُنْتَ تُبْصِرُ مَنْ تُجَالِسُهٗ یعنی کاش تجھے معلوم ہوتا کہ تیرا جلیس کون ہے۔ مخزومی نے ہزار کوشش کی کہ اس مصرعہ کا کچھ جواب دوں مگر کوئی بات اسکو نہ سوجھی اُستاد کو متفکر دیکھکر یہ گو خاتون نے فی الفور کہا جسکا پھر گنا ہوا ایک مصرعہ یہ ہے لَغَدَوْتَ اَخْرَسَ مِنْ خَلَاخِلِهٖ یعنی تو اُسکی پازیب کی جھنکار سے گونگا ہوگیا ہوتا مطلب اسکا یہ ہے کہ تو اگر اسکو دیکھ پاتا تو ہکا بکا سا رہ جاتا تیری زبان گنگ ہوجاتی اور تو بول نہ سکتا۔

خاتون موصوفہ کو کثرت سے اشعار اور ضرب الامثال یاد تھیں، انکی شیریں زبانی طلاقت لسانی اور جوہر علم کی بدولت وزرائے سلطنت بھی ان سے مذاکرہ ومراسلہ کا سلسلہ جاری رکھتے تھے چنانچہ وزیر ابوبکر اور خاتون موصوفہ میں اکثر مذاکرہ ہوا کرتا اور مراسلات جاری رہا کرتی تھیں۔

اس تذکرے میں یہ بات نہایت تعجب سے سُنی جائے گی کہ ایک شخص منصب قضا پر مقرر کیا جاتا ہے، تمام خصومات کے فیصل کا اُسکو پورا حق حاصل ہے لیکن اس فرض کو ایک خاتون ادا کرتی تھی کیونکہ قاضی صاحب کو تمام مقدمات کے فیصل کرنے میں رایوں ومشوروں کے لیے اس خاتون کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ یہ خاتون قاضی لوشہ کی حرم محترمہ تھیں جنکی رائے کے بغیر مقدمہ فیصل نہیں ہوتا تھا قاضی صاحب کے کسی منچلے دوست نے اسپر پھبتیاں اُڑائیں اور خط میں دو شعر لکھ بھیجے۔

بِلَوشَتہٖ قاضٍ لہٗ زَوجۃٌ   وَاَحکامُھا فِی الوریٰ ماضِیَہ
لوشہ کے قاضی صاحب کی ایسی بیوی ہیں   کہ انھیں کے احکام لوگوں میں جاری ہوتے ہیں
فَیا لَیتَہٗ لَم یَکُن قاضِیَہ   وَیا لَیتَھا کانَتِ القاضِیَہ
کاش میاں صاحب قاضی نہ ہوتے   اور انکے بجائے انکی بیوی قاضی ہوتیں

قاضی صاحب نے اپنی بیوی کو اسکی اطلاع دی جنھوں نے فی الفور دو شعر جواب میں لکھ بھیجے جسکا آخری شعر یہ ہے

کَلّا لَئِن لَم یَنتَہِ   لَنَسفَعاً بِالنّاصِیَہ
دیکھو اگر وہ اس سے باز نہیں رہا   تو اُسکے سر کے بال پکڑ کر کھینچ ماروں گی

یہ قرآن پاک کی ایک آیت ہے جسکے دو ٹکڑے کر دیے شعر بن گیا۔

احمد اللہ ندوی

نظارۂ خرابات

(گذشتہ سے پیوستہ)

ہاں پھر ضیائے بادہ سے روشن صدف ہو آج　　پھر میکدے میں نورِ خدا ہر طرف ہو آج
ذرہ بھی آب و تاب میں دُرِّ نجف ہو آج　　پھر آشکار جلوۂ بیت الشرف ہو آج
پروین و مہر و ماہ و کواکب ہوں سب بہم　　حور و ملک بھی کھائیں تو اس رات کی قسم
چہرہ ہے زرد آج اے گلرنگ رنگ رنگ　　دکھلائے جو بہار سے خوشتر رنگ رنگ رنگ
مے ساغرِ نشاط بہ آہنگ رنگ رنگ　　خوب آپ بہ آتشیں سے مجھے رنگ رنگ رنگ
باب تجلی سحرِ عید کھول دے　　اے رشکِ ماہ چشمۂ خورشید کھول دے
وہ رات ہے یہ رات جو شب قدر در قدر سے ہے　　تابندگی میں جس کا ستارہ بھی بدر سے ہے
شب ہائے محتشم میں یگانہ ہے صدر سے ہے　　میں کیا بیاں کروں کہ بڑی اس کی قدر سے ہے
بخشش یہ بحرِ ابرِ کرم ہے تُلا ہوا　　بندوں پہ آج ہے درِ رحمت کھلا ہوا
چرخ اک طرف زمیں کی عجب آن بان ہے　　دامانِ دشتِ خاک جواہر فشان ہے
تشبیہ دوں فلک سے تو یہ کسرِ شان ہے　　وہ آسمان ہے تو یہ عرش آستان ہے
ہیں سربلند نور کے پارے زمین سے　　مانگے ہے عرش چاند ستارے زمین سے
کہتا ہے آسمان زمیں سے بتا سبب مجھے　　اپنی چمک دمک یہ دکھاتی ہے کیا مجھے
دنیا میں سب سے پہلے ملی تھی ضیا مجھے　　بولی زمیں تو خاک ہے سمجھا ہوا مجھے
جوہر نہاں بہت سے ہیں اس خاکسار میں　　دونوں جہاں کا نور ہے میرے کنار میں
دیکھ اس طرف کہ معدنِ لعل و گہر ہوں میں　　کس چیز پر ہے ناز تجھے تختِ زر ہوں میں
بولا فلک کہ پست ہے تو اوج پر ہوں میں　　ہنس کر کہا زمیں نے کہاں بے خبر ہوں میں
تو غم نکر جہان میں کس دن ہوا ہرا　　دامن میرا ہمیشہ رہا ہے ہرا بھرا
گردوں کو اس سخن سے ہوا رنج بے حساب　　پوچھا بطنز یہ تو بتا اے فلک جناب
میں بخشتا تجھے نہ اگر تابِ آفتاب　　سیراب روز و شب جو کرتا تجھے سحاب
ملتا یہ آب و رنگ لعل و آب گہر تجھے　　سب میرا فیض ہے کہ ملا سیم و زر تجھے

آغا غلام حسین ارشد

اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(سلسلے کے لیے مئی نمبر ملاحظہ ہو)

ناظرین تمدن گذشتہ نمبر میں میں نے زہیر ابن ابی سلمیٰ کے حالات لکھتے ہوئے اسکے کلام پر آیندہ نمبروں میں روشنی ڈالنے کا وعدہ کیا تھا حسب وعدہ اُسی قصیدے سے بعض شعر پیش کرتا ہوں یہ قصیدہ بحر طویل میں ہے اور مقبوض بھی ہے اسکا قافیہ متدارک ہے تقطیع فعولن مفاعیلن فعولن مفاعلن دو بار۔ اس قصیدے میں درحقیقت زہیر نے حارث ابن عوف اور ہرم ابن سنان کی مدح کی ہے یہ دونوں شخص اکابرین مرہ سے ہیں اسکا تفصیلی واقعہ یہ ہے کہ مرہ اور عبس یہ عرب کے قبائل سے دو بڑے قبیلے ہیں ان میں جنگ مخالفت یوں قائم ہوئی کہ عبس کے قبیلے کے ایک شخص ورد ابن حابس نے مرہ کے قبیلہ کے ایک شخص کو جسکا نام ہرم ابن زمزم تھا کسی مخالفت کی وجہ سے قتل کر ڈالا چونکہ اس عہد میں عرب کی قوم متمدن قوم نہوئی تھی نہ اُنکے دماغ علوم سے روشن تھے نہ ان کا کوئی بادشاہ تھا جس کے زیر اثر تمام قبائل عرب ہوتے اخلاقی حالت بھی بہت کمزور تھی قتل و غارت عام طور سے شعار تھا لہذا مار ڈالنا یا لوٹ لینا ایک بالکل معمولی سی بات تھی بلکہ قبائل میں باہم خانہ جنگیاں ایک روز کا دلچسپ مشغلہ تھا یہ واقعہ قتل ان دونوں قبیلوں کی آتش فساد بھڑکا دینے کے لیے بہت کافی تھا تمدنی حالت یہ تھی کہ ہر ہر قبیلہ بجائے خود ایک ایک اپنا اپنا شیخ اپنے قبیلے سے مقرر کر لیتا تھا اور اُسکے احکام کی تعمیل میں حسب مقتضائے وقت حتی الامکان کوشش کرتا تھا اُس زمانے میں اس قوم کے لیے اتنا بھی بہت تھا جبکہ دنیا کی قومیں اخلاقی و تمدنی قیود سے کم و بیش آزاد ہو رہی تھیں میری رائے میں یہ بھی خصوصیت اسی قوم کے ساتھ

پائی جاتی ہے کہ ایسی غیر متمدن قوم جیسی عرب کی تھی اتنا جلد متمدن ہوگئی کہ آپ اپنی عالم میں نظیر سمجھی جانے لگی ہر قبیلے کو اس عہد میں شیخ قبیلہ مقرر کرنے کی ضرورت یوں محسوس ہوی کہ یا تو اندرونی نزاعیں اس طرح ختم ہو سکتی ہیں کہ قبیلے سے کوئی بھی فرد باقی نہ بچے اور یا یوں انجام پذیر ہو سکتی ہیں کہ کسی ایک طاقت کے زیر اثر ہو کے باہمی متنازعہ قضایا کو فیصل کرائیں اور اُسکے احکام متعلقہ نافذہ کی تعمیل کریں چنانچہ فطرت نے عربوں کی ایسی وحشی قوم کو صورت ثانی کے پسند کرنے کیلیے مجبور کیا اور ہر ہر قبیلے نے اپنے اپنے باہمی انتخاب سے ایک ایک شیخ مقرر کرلیا چنانچہ یہ رواج اسوقت تک ہے لیکن عہد جاہلیت اور عہد اسلام میں صرف فرق اسقدر نکل سکتا ہے کہ عہد جاہلیت میں ہر ہر قبیلہ ایک خود مختار حیثیت رکھتا تھا اور اکثر دوسرے اور اور قبائل سے لڑا کرتا تھا سب قبیلے ایک طاقت کے زیر اثر نہ تھے اور عہد اسلام میں اسلام نے سب کو اندازہ گونساری اور اطاعت کی تعلیم دے کے سب قوتوں کو ایک مرکز پر جمع کردیا اور ایک طاقت کے زیر اثر کرکے چھوڑا۔

ہرم ابن ضمضم مری کے قتل ہونے کے بعد حصین ابن ضمضم مری نے جوش انتقام میں قسم کھائی لہ میں اپنے سر اور منھ پر پانی نہ ڈالوں گا جبتک کہ اپنے بھائی کے قاتل یا اُسی عبس سے کسی شخص کو قتل نہ کرلوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا کہ ایک شخص کو قبیلہ بنی عبس سے جو اسی کے گھر میں مہمان ہوا تھا اس نے قتل کرڈالا۔ بھلا قبیلہ بنی عبس کو جیسے اپنی کثیر جمعیت اور شجاعت پر ناز تھا اسکی خبر سنکر کب تاب رہ سکتی تھی قصاص کی غرض سے آمادۂ فساد ہو کر چڑھ دوڑا اور بڑے عظیم قتل و غارت کا دفعتاً سامان جمع ہوگیا۔ اسمیں شک نہیں کہ قبائل کا جوش اس حد پر پہنچ چکا تھا کہ اگر ہرم ابن سنان اور حارث ابن عوف اس شر کو اپنے سر نہ لیتے اور اپنے پاس سے ایکسو بچھڑے اونٹ خونبہا میں دے کے قبیلہ بنی عبس سے مصالحت نہ کرلیتے تو عرب کی ریتلی سرزمین پر یقیناً

خون کی ندیاں بہ جاتیں۔ لیکن اس نازک موقع پر حارث ابن عوف نے بڑا کام کیا سو اونٹ اور اپنے جوان لڑکے کو لے کے قبیلہ بنی عبس میں جا پہنچا اور کہا کہ ان میں سے جو پسند کرو حاضر ہے یہ اونٹ بھی حاضر ہیں اور یہ میرا جوان لڑکا بھی موجود ہے خواہ اسکو قتل کر کے آتش فساد کے بھڑکے ہوئے شعلوں کو دھیما کر دو یا یہ خونبہا لے لو۔ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی چنانچہ بنی عبس نے اونٹ لے کے مصالحت کر لی۔ زہیر نے اسی واقعہ پر اس قصیدے میں روشنی ڈالی ہے اور ان مصلحان قبیلہ کی مدح میں دریا بہائے ہیں بلکہ زمین و آسمان شاعری کے قلابے ملائے ہیں۔ یہ قصیدہ زہیر نے اس زور کا لکھا ہے کہ تمام فصحائے عرب کو عرب کے قرآن فصاحت کی ایک آیت کمال تسلیم کرنے کے بعد خانہ کعبہ پر امرء القیس اور طرفہ کے قصیدے کے برابر جگہ دینی پڑی ہی میں اس قصیدے سے صرف تشبیب کے چند شعروں پر اس غرض سے روشنی ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں کہ ناظرین تمدن صرف اسکی قوت شاعری اور رنگ طبیعت کا اندازہ کر سکیں ورنہ پورے قصیدے کو پیش کرنا عدم گنجایش کی وجہ سے ممکن نہیں ہے اور جبتک یہ واقعہ سلسلے کے ساتھ نہ پیش کیا جائے کچھ لطف نہیں لہذا یہی مناسب ہے کہ صرف تشبیب پر اس مضمون کو ختم کر دوں اس قصیدے کی تشبیب واقعات حسن و عشق ام اوفی میں ہے جو قبیلہ بنی اسد سے تھے۔ مطلع۔

امن ام اوفی دمنۃ لم تکلم بحومانۃ الدراج والمتثلم

دراج اور متثلم یہ اُن دو مقاموں کے نام ہیں جہاں ام اوفی کے سفری مکانات یعنی خیمہ اور چھولداریاں نصب ہوا کرتی تھیں زہیر اس مطلع میں ان ہی منازل اور ام اوفی کے مکان کے نشانوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اظہار تاسف کرتا ہے لیکن اس بلاغت کے ساتھ کہ تاسف اور یاد معشوق کے ساتھ ہی ساتھ ام اوفی کی شان دلیری کا پایہ بڑھتا ہی جاتا ہے کہتا ہے کہ کیا ہی خراب دراج اور متثلم میں مری ام اوفی کے مکان کے مٹے مٹے

نشانات ہیں جو میری بات کا جواب نہیں دیتے اور کلام نہیں کرتے - نظم کی معنوی خوبیاں قابل ملاحظہ ہیں۔ یہ ایک لفظ صاحبان درد او رسا گردان عشق و محبت کے جذبات اُبھار دینے کے لیے میرے خیال میں کافی اور بہت کافی ہے -

یا تو کلام نہ کرنے سے زہیر کا یہ مطلب ہو کہ زمانے کی گردشوں نے اُن مکانات کو اس قابل باقی ہی نہ رکھا کہ جو میرے کلام کا جواب دے سکیں۔ یا منازل ام ادفی کے مٹے مٹے نشانات بھی اس مٹ جانے پر بقدر خودداری اور خود پرستی کا جوہر لیے ہوئے ہیں کہ ام اوفی کا عاشق بیتاب اور ہجران نصیب شیدائی خیال کرکے جواب دیتے ہیں ام اوفی کی انداز دلبری اور معشوقی کی کچھ کمزوری اور سبکی خیال کرتے ہیں ہر صورت میری رائے میں اس تصور خیالی کے دونوں پہلو دلکش رنگ سے منقش ہیں -

ودار لہا بالرقمتین کانہا مراجیع وشم فی نواشر معصم

تشبیہ کا لطف بھی یہی ہے کہ مشبہ کی تصویر پوری پوری تشبیہ سے آنکھوں میں کھنچ جائے اس شعر میں تشبیہ کی یہی خوبی ہے کہ ایک تصویر آنکھوں میں کھنچ جاتی ہے لیکن آنکھوں میں کھُب کے لبیں چھپ جاتی ہے - زہیر کو اس شعر میں بتانا تو صرف اتنا ہے کہ میری معشوقہ کی منزل دو سنگ لاخ وادیوں کے درمیان واقع ہے جن میں سے ایک سمت بصرہ میں ہے اور ایک سمت مدینہ میں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اُس منزل کو جو دو سنگ لاخ وادیوں کے درمیان واقع ہے کتنی عجیب تشبیہ سے ادا کرتا ہے - کہتا ہے کہ اب میری ام ادفی کے مکان کے نشان اس وادی میں یوں نظر آتے ہیں جس طرح کسی نازک اندام حسین کی نازک کلائیوں کی حسین حسین رگوں میں گودنے کے نشان ہوتے ہیں اور گودنا بھی وہ گودنا جس کے نشان ایک مرتبہ مٹ جانے کے بعد پھر دوبارہ رنگ روپ دے کے اُبھار دیے گئے ہوں - بظاہر یہ تشبیہ اس خیال پر مبنی معلوم ہوتی ہے کہ زہیر اس طرف اس شعر میں توجہ دلانا چاہتا ہے کہ گو وہ یہ کرتا ہے کہ کبھی اس جنگل وادی کی چلنے والی ہوائیں گرد و غبار کی چادروں سے ان نشانات کو بالکل مبہم و غیر معلوم

بنا دیتی ہیں اور کبھی خاک کو اڑاکے پھر ابھار دیتی ہیں۔

بها العین والآرام یمشین خلفة ۔۔۔ واطلاؤها ینهضن من کل مجثم

اس شعر میں زہیر ویرانی منزل کی تصویر کھینچتا ہے اور یہ دکھاتا ہے کہ اللہ اللہ رے زمانے کے تغیرات اُف اُف ری فلک کی کجرفتاری وہ منزلیں جو ایکدن میرے دل وجان کی مالک اور حُسن وجمال کی دیوی ام اوفی کی قیام گاہیں تھیں وہ منزلیں کہ جنپر ایکدن کسی کے ہاتھ تک حُسن و جمال کی جلوہ ریزیاں تھیں آج اسقدر غیرآباد و ویران ہوگئیں کہ دنیا کے وحشی ترین جانور ہرن اور نیل گائیں اور انکے بچے ہر مقام پر دوڑتے ہوئے اور اُٹھتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ ناظرین ویرانی کے ثبوت میں بہت سی چیزیں پیش کی جاسکتی ہیں مثلاً یوں کہدیتا کہ اب وہ آباد مقام بالکل چٹیل میدان بے برگ وگیاہ نظر آرہے ہیں یوں کہدیتا کہ اب اُن مقاموں پر خونخوار حیوانات کا مسکن ہوگیا۔ یوں کہدیتا کہ منزلوں آدمی کا نبس نظر نہیں آتا لیکن نہیں نہیں ہرگز نہیں کبھی نہیں یہ شوخی یہ لطف کبھی نہیں پیدا ہوسکتا تھا۔ جو اسوقت پیدا ہوا۔

ام اوفی کے ایسے آہوے رم خوردہ کی منزلوں میں سوا ے آہوان صحرائی کے طبیعت و فطرت حسن کسی کو اجازت دے ہی نہیں سکتے تھے فلسفۂ وحشت کا ثبوت اس سے بڑھ کے اور کسی طریقہ سے کامل طور پر ادا ہی نہیں ہوسکتا تھا۔

وقفت بها من بعد عشرین حجة ۔۔۔ فلأیا عرفت الدار بعد توهم

اسکے بعد کہتا ہے کہ آج میں بیس برس کے بعد یہاں کھڑا ہوا ہوں اور البتہ زمانے نے اس مدت میں اتنے ورق پلٹ دیے کہ ام اوفی کی منزل اور اسکو اتنی دیر تامل کرنے کے بعد پہچان سکا۔ سچ ہے اسے جادو بیان شاعر اگر شاعری کا مذاق خدا دے تو اتنا تو دیدے طبیعت میں کہ واقعات کے بیان کرنے میں اور سادہ تخیلوں میں اتنا تو اثر ہو جتنا تیرے کلام میں ہے۔

اثافی سفعا فی معرس مرجل		ونویا کجذم الحوض لم یتثلم

اُن نشانوں کو اُن علامتوں کو بتارہا ہے جن علامتوں سے اس نے منزل معشوق کو پہچانا کہتا ہے چولہے کے اُن سیاہ پتھروں سے میں نے منزل کو پہچانا جنکے بیچ میں بخارات دخانیہ نے گھر کرلیا ہے۔ اس نہر سے پہچانا ہے جو خیمو نکے گرد میں کھودی جاتی ہے جو ام اوفی کے خیمے کی یاد میں اسوقت تک چشم منتظر بنی ہوئی ہے۔ اور تغیرات جسکو اسوقت تک نہیں مٹا سکے ہیں۔ واقعی اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعات کو جس خوبی سے اعراب اور خصوصاً اعراب جاہلیت ادا کر گئے ہیں اتنی بے ساختگی اور اثر اوروں میں ملنا مشکل ہے۔

واضح رہے کہ پتھر کا جرم جس طرح عسیر القبول ہے اُسی طرح عسیر الترک بھی ہے جس طرح یہ مشکل سے کسی اثر کو قبول کرتا ہے اُسی طرح قبول کرنے کے بعد مشکل سے ترک بھی کرتا ہے۔ آگ کا اثر یعنی دھواں جب پتھروں کی رگ رگ میں اُتر جاتا ہے تو پھر نہیں صاف ہوتا۔ اسی طرح سنگ لاخ وادیوں میں جو کھودکے نشان بنا دیے جاتے ہیں وہ بھی نہیں مٹائے مٹتے۔ یہی وہ علامتیں ہیں جنھوں نے جذب وکشش باطنی کے ساتھ مل کے زہیر کو منزل ام اوفے کو پہنچوادیا۔		(باقی آئندہ)

آشفتہ لکھنوی

تصحیح

مئی کے پرچے میں حضرت رسا ہمدانی گیاوی کی رباعی مندرجہ صفحہ ۴۰ میں کاتب کی غلطی سے پہلے شعر کا دوسرا مصرع اور دوسرے شعر کا پہلا مصرع غلط ہوگیا ہے۔ ناظرین اس طرح سے پڑھیں

آہنگ عزا ہے نغمہ خوانی میری		تربت کے ہیں پھول گلفشانی میری
احباب میں ہوگیا ہوں بدنام رسا		سنتا ہے بھلا کون کہانی میری

ایک لڑکی اور شیر کا عشق

پیرس میں ایک شخص موسیو بولیو کا یہی مشغلہ تھا کہ وہ ہر قسم کے جانوروں کو پکڑ اور اُنکی تعلیم و تربیت حفاظت و نگرانی کرتا تھا۔ کمیاب اور نادر الوجود وحوش و طیور اُسکے یہاں موجود تھے اور ہر ایک کے رہنے کے لیے اُس نے اپنے باغ میں محفوظ مقامات مخصوص کر رکھے تھے۔ ہر جانور اُس سے محبت کرتا تھا اور اُسے اپنا آقا و ولی نعمت سمجھتا تھا۔ ان جانوروں میں ایک شیر بھی تھا جسکو موسیو نے ایک مہینے کا بچہ سے کر پالا تھا اور اُس سے بہت محبت کرتا تھا۔ شیر بھی اس سے بے انتہا مانوس تھا جس وقت موسیو اُسکے پاس جاتا تو وہ کتے کی طرح اُسکے قدموں پر لوٹنے لگتا تھا۔

موسیو بولیو کی ایک حسین و جمیل لڑکی تھی جس کی عمر مشکل سے تیرہ ۱۳ چودہ ۱۴ برس کی ہوگی۔ وہ بھی شیر کے پاس آیا جایا کرتی تھی۔ اور رفتہ رفتہ اُسے شیر سے اس درجہ محبت ہوگئی تھی کہ اکثر دن دن بھر شیر ہی کے پاس بیٹھی رہتی تھی اور رات کو بادل ناخواستہ اُسکے نزدیک سے آتی تھی۔ کبھی اپنا کھانا بھی شیر ہی کے پاس بیٹھ کر کھاتی تھی اسی طرح شیر بھی لڑکی سے محبت کیا کرتا تھا۔ اُسے بھی بغیر اسکے چین نہیں آتا تھا اور اگر لڑکی کسی وقت شیر کے پاس نہ پہنچ سکتی تو اسکا کھانا پینا حرام ہو جاتا تھا اور لڑکی اُسکے پاس جاتی تو شیر اُسکی گود میں آکر لیٹ جاتا تھا اور اُسکی صورت تکا کرتا تھا۔

غرض کہ اس حالت کو چار برس گذر گئے اس عرصہ میں شیر بھی اپنی پوری جسامت قد و قامت اور عمر کو پہنچ گیا اور اُسکی خونفشاں آنکھوں، غضبناک چہرے اور غرفش سے ڈر معلوم ہونے لگا۔ ادھر لڑکی بھی نشۂ جوانی سے بدمست ہوگئی اور اسکی اداؤں میں دلربائی حُسن میں رعنائی، زیبائی اور بے پروائی ظاہر ہونے لگی۔

اچھی صورت کے ہزاروں خریدار ہوتے ہیں اسلیے ہر شخص شادی کے پیام سلام بھیجنے لگا مگر ان سب میں سے ایک شخص موسیو ہنری منتخب ہوا۔ اور نسبت قرار پاگئی۔ یہ نہایت وجیہ و شکیل تھا مردانہ حسن و جمال کی اسمیں تمام خصوصیات پائی جاتی تھیں۔ اور دولت ہی کی وجہ سے خوش حالی و فراغ بالی کے ساتھ با امن زندگی بسر کرتا تھا۔ اور ہر طرح اس حسین لڑکی کا شوہر بننے کے قابل تھا۔

جب سے شادی کی نسبت قرار داد ہوی تو ہنری لڑکی کے پاس روز روز آنے جانے لگا اور اپنا زیادہ وقت ہیں گذارتا تھا۔ لڑکی کو اس کی صحبت میں اتنی فرصت نہیں ملتی تھی کہ وہ حسب معمول شیر کے پاس جاتی اور بیٹھتی اور اسے اپنے ہمجنس اور ہونیوالے شوہر کی پاسداری اخاطر و مدارات منظور تھی۔ اور اپنی محبت کو دو عاشقوں پر تقسیم کر دیا تھا۔ تاہم جب کبھی چلی جاتی تو شیر اسی طرح اس سے پیش آتا۔ ایک روز ہنری لڑکی کے ساتھ چہل قدمی کر رہا تھا تو اتفاق سے شیر کے پنجرے کے سامنے جا پہنچا۔ شیر نے جب ہنری کو اپنی آقا زادی کے ہمراہ اس بے تکلفی سے دیکھا تو اسے غصہ آگیا۔ آنکھیں انگارے کی طرح سرخ ہوگئیں اور منھ سے کف بہنے لگا۔ وہ کبھی بیٹھتا، کبھی کھڑا ہو کر ڈکارتا تھا۔ لڑکی نے موسیو ہنری سے کہا "جس طرح میں تم سے محبت کرتی ہوں اسی طرح اس شیر سے بھی محبت کرتی ہوں۔ یہ بھی میرا دوست ہے۔ اور مجھے بہت ہی پیار کرتا ہے۔ کہو تو میں اسکے پاس جا کر تمھیں تماشا دکھاؤں۔ ہنری نے کہا "یہ جانور ہے اسکا کیا اعتبار، اور اسوقت تو وہ غصے میں بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے مصلحت یہی ہے کہ اسکے پاس اسوقت نہ جاؤ۔ لڑکی نے کہا نہیں کوئی اندیشے کی بات نہیں ہے تم بھی پنجرے میں چلے چلو یہ میری وجہ سے تم سے بھی کچھ نہ بولے گا۔ اور دیکھنا کس طرح پیار محبت کرتا ہے" ہنری نے کہا کہ تمھاری یہ بات میں تو کبھی نہیں مانوں گا بلکہ تم بھی نہ جاؤ تو اچھا ہے" لڑکی نے کہا "تم ناحق ڈرتے ہو، مجھے اس پر ہر طرح اعتبار ہے"

یہ کہکر لڑکی پنجرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ جب دروازہ کھلا تو شیر نے چاہا کہ باہر نکل کر ہنری پر حملہ کرے مگر لڑکی نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔ اور اُس کے سر پر ہاتھ رکھکر کہا اے میرے دوست ہنری کوئی غیر نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسا شخص ہے جو میرا شوہر بننے والا ہے۔ تو کیوں خفا ہو رہا ہے۔ مگر اس کہنے کا کچھ اثر نہیں ہوا اور شیر کے دل میں اس بات نے اور ہیجان پیدا کیا یہ برعکس معاملہ دیکھکر لڑکی سوچنے لگی کہ روز تو یہ میرے قدموں پر لوٹا کرتا تھا محبت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ آج یہ کیا بات ہے کہ اسقدر بگڑ رہا ہے۔ شیر بپھر رہا تھا۔ اُسکا غصہ دمبدم تیز ہوتا جاتا تھا۔ وہ اپنے دونوں پنجے لڑکی کے کاندھے پر رکھے ہوئے کبھی ہنری اور کبھی لڑکی کو دیکھتا تھا لڑکی نے کہا اے میرے وفادار دوست اب میں تجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جاؤنگی اور کبھی نہ مل سکوں گی (ہنری کی طرف اشارہ کرکے) عنقریب انکے ساتھ میری شادی ہو جائے گی۔ آج سے تین دن باقی ہیں۔ شیر نے لڑکی سے جب اتنا سُنا تو نہایت حسرت سے اپنا ہاتھ لڑکی کے کاندھے پر سے ہٹا لیا۔ اور دو تین مرتبہ لڑکی کے آس پاس پھرا۔ اور ایک طرف چپکے سے بیٹھ گیا۔ ہنری یہ دیکھکر ڈرا۔ اور لڑکی سے کہنے لگا شیر کو اسوقت بہت غصہ ہے تم جلد باہر آ جاؤ۔ کہیں یہ تمہارے مار نہ دے۔ اتنا کہنا تھا کہ شیر نے جھپٹ کر ایک پنجہ مارا ہی تو سہی مگر خدا کی شان کہ ہنری بچ گیا۔ لڑکی نے شیر سے غضبناک ہو کر کہا ہٹ بے ادب دروازہ چھوڑ۔ مجھے باہر جانے دے لیکن وہ شیر جو ہمیشہ اسکے حکم کو بسر و چشم قبول کرتا تھا اور سر تسلیم خم کر دیتا تھا اسوقت اپنے آپے سے باہر تھا اور سعدی کے اس شعر کا مصداق ہو رہا تھا۔

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود
گرچہ با آدمی بزرگ شود

لڑکی کے ڈانٹنے پر غصہ کی حالت میں شیر پیچھے تو ہٹ گیا مگر اُس نے اس زور سے

حملہ کیا کہ لڑکی کے نازک جسم کا گوشت نکل گیا اور نفیس لباس سر سے پاؤں تک پھٹ گیا اور اسکے بعد ہی فوراً ایک اور حملہ بھی کر دیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ لڑکی شیر کے پنجے میں پھنس کر دم توڑنے لگی۔ تیز اور نوکدار ناخن بدن میں گھس گئے اور اسنے چیخنا چلانا شروع کیا۔ شیر نے اپنے ہاتھ میں جب لڑکی کو دم توڑتا ہوا دیکھا تو فرطِ محبت سے اسکے پاؤں پر اپنا سر پٹکنے لگا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور نہایت مہیب آواز سے آہ کی ادھر یہ دردناک منظر دیکھکر ہنری کو تاب نہ رہی اُس کی نظر میں دنیا تیرہ و تار ہو گئی اور طپنچہ شیر پر سر کر دیا جس سے شیر بھی لڑکی کے پاس ہی بے دم ہو کے رہ گیا۔ ادھر ہنری بیہوش ہو کر دھم سے گر پڑا۔

موسیو بولیو نے شور و غل اور طپنچہ کی آواز سنی تو بہت گھبرایا اور دوڑا ہوا یہاں آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ نورِ نظر مری پڑی ہے خون میں لباس تر بتر ہے اور شیر اُسکے قدموں میں بیجان پڑا ہے اور پنجرے کے باہر ہنری بیہوش ہے۔ اسوقت اُسے جو رنج و غم ہوا اُسکا بیان ممکن نہیں۔ اُسے زندگی دوبھر معلوم ہونے لگی سر چکرانے لگا مگر بڑی مشکل سے سنبھلا۔ جو لوگ شادی میں شریک ہونے کے لیے دور دور سے آکر مہمان ہوئے تھے۔ افسوس! وہ جنازہ اُٹھانے میں شریک ہوئے۔ ؎

پھول تو دو دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

(ترجمہ) محمد اسمٰعیل ہاتف

"نرمی بہترین طرز عمل ہے۔ دنیا میں عمدہ عادات سے بہتر کوئی چیز نام پیدا کرنے یا اسکی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے نہیں ہے۔"

"لارڈ لٹن"

واردات فراق

ناتوانی نے رکھا اُنسے شب وعدہ جدا
ہم چلے شام سے رستہ تو سحر تک پہنچے

ہجرت کا پہلا سال ہے اور ہمارے حضور کے تشریف لیجانے سے سارا مکہ بھائیں بھائیں کر رہا ہے حرم اور کعبہ پر اُداسی چھائی ہوئی ہے اور کعبہ کے اندر جو مورتیں دھری ہوئی ہیں اُن پیار برس رہا ہے جو مخالف ہیں اُنکے گھروں میں گھی کے چراغ جل رہے ہیں کہ اچھا ہوا کانٹا نکل گیا مکہ سے سات میل کے فاصلے پر پہاڑ کے نیچے ایک اونٹ لمبی لمبی ڈگیں رکھتا ہوا لپکا چلا جا رہا ہے اونٹ پر کجاوہ کسا ہوا ہے اور کجاوے کے اندر ایک طرف ایک خوشرو نوجوان بیٹھا ہوا ہے جس کی عمر اندازاً تیس برس کی ہوگی اور دوسری طرف ایک خاتون خوب لد بیٹھی ہوئی ہے جس کا سن وسال کوئی بیس کا ہوگا خاتون کے چہرے پر کچھ ایسی تجلی ہے جس پر نگاہ کا ٹھہرنا دشوار ہے۔ خاتون کی گود میں دو برس سے کم کا ایک گل اندام بچہ ہے جو کلکاریاں مار رہا ہے اور خاتون خوش ہوکر کہتی ہے ماشاء اللہ ماشاء اللہ۔ نوجوان بالکل چپ ہے مگر مڑ مڑ کر مکہ کی طرف دیکھتا ہے بچہ کھیلتے کھیلتے رونے لگا اور خاتون نے اُسے اپنے سینے سے لگا لیا بچہ دودھ پینے لگا اور خاتون نے نوجوان سے کہا اے صاحب تم ایسے چپ کیوں ہو اور مکہ کی طرف تم نے ٹکٹکی کیوں باندھ رکھی ہے۔

نوجوان - اے بند میرا دل اس وقت ٹھکانے نہیں ہے مجھے یہ دھڑکا لگا ہوا ہے کہ کہیں دشمن ہمارا پیچھا نہ کریں اور ہمیں مدینے نہ جانے دیں۔

ہند یعنی خاتون - پیارے تم مرد ہو کر ایسی بودی بات منہ سے نکالتے ہو تم نہیں جانتے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے ہند یہ کہہ ہی رہی تھی جو ہند کے خاوند نے گھبرا کر کہا اے ہند دیکھ تو میں اسواسطے ڈرتا تھا ہند نے مڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا مکہ کی طرف سے بیس شتر سوار لپکے چلے آتے ہیں اور انکے نیزوں کی بوڑیاں دھوپ میں بجلی کی طرح چمک رہی ہیں -

ہند - کیا یہ ہمارے دشمن ہیں -

ہند کا شوہر - ہمارے تمہارے کیا دشمن ہیں یہ تو خدا اور رسول کے دشمن ہیں -

ہند - انا للہ وانا الیہ راجعون - ایک پلک جھپکانے میں بیسوں شتر سوار ان کے پاس آگئے اور ان بیکسوں کے اونٹ کا محاصرہ کر لیا ان لوگوں کی شکلیں دیکھکر معلوم ہوا کہ ان میں دس سوار قبیلہ بنی مغیرہ کے ہیں جنکے گھرانے کی ہند بیٹی ہے اور دس سوار ہند کے بڈھے دیور اسکی سسرال والے تھے بنی مغیرہ والوں نے اپنی دسوں برچھیاں نوجوان کی طرف بڑھا کر کہا ... تو تنہا ہی جا سکتا ہے اور ہند کو اپنے ساتھ کیوں لئے جاتا ہے -

نوجوان - میں اپنے آقا سیدنا محمد کے پاس مدینے جاتا ہوں اور اپنی بیوی کو بھی ساتھ لئے جاتا ہوں -

بنی مغیرہ والے - اے بے عقل تو ہمارے دین اور غیرت سے آگاہ نہیں ہے ہم اپنے گھرانے کی بیٹی کو کہیں باہر جانے نہ دیں گے اگر ہمیں ہند کا لحاظ نہ ہوتا تو بیک وقت یہ دسوں برچھیاں تیرے پہلو اور سینے کے پار نکل گئی ہوتیں تیری خیر اسی میں ہے کہ ہند کو ہمارے حوالے کر دے - ہند کا شوہر گھبرا گیا اور دشمنوں کے ہاتھ سے اونٹ کی مہار نکل گئی ایک مخالف نے جلدی سے مہار لپک لی اور ایک جھٹکا دیا کہ اونٹ زمین پر جھکولے کے ساتھ بیٹھا کہ ہند اور اسکا

نازک بچہ دھڑام سے زمین پر گرا اور ہند کا شوہر بھی منھ کے بل نیچے آیا ایک شخص نے جلدی سے اُس بچہ کو اُسکی ماں کی گود سے چھین کر کہا اگر بنی مغیرہ کے خاندان کی بیٹی مکہ سے مدینے نہیں جا سکتی تو ہماری نسل کا بچہ بھی اُن ماں باپ کے پاس نہیں رہ سکتا جنھوں نے اپنے بڑوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے ننھا سا بچہ جو کچھ دیر پہلے اپنی ماں کی گودی میں لیٹا ہوا چادر کے نیچے چھُپ رہا تھا اب جلا جلاتی دھوپ میں بیرحمی اور بیدردی کے ساتھ دشمن کے چنگل میں تھا اور منھ بنا بنا کر اور بلک بلک کر رو رہا تھا ہند کے بھی چوٹ آئی اُسکے شوہر کو بھی اونٹ پر سے گر کر صدمہ پہنچا مگر دونوں نے دم نہیں مارا ہند کے سسرال اور میکے والوں نے ہند پر بہت زور ڈالا کہ تو ہمارے ساتھ مکہ کو چل نہیں ہم تیرے بچے کو لیجائینگے اور یہ بے دودھ کے اور تیرے ہُڑکے میں مرجائے گا تو اُسکی جدائی میں تڑپ تڑپ کر جان دیدے گی مگر ہند کے دل میں اپنے پیشوا کی الفت سمائی ہوئی تھی اُسنے ناگہ کر جواب دیا کہ ایک بچہ نہیں اُس بندی کے سو لال خاک میں مل جائیں تو بھی اُف منھ سے نہ نکلے گی یاد رکھو تم مجھے مدینے نہ جانے دوگے تو میں مکہ بھی نہیں جاؤں گی پھر ہند نے اپنے خاوند کی طرف دیکھکر کہا مجھے یہ لوگ نہیں جانے دیتے ہیں تو خیر خدا ان سے سمجھے مگر تم اپنی منزل کھوٹی نہ کرو مدینے کو سدھارو اور مردوں کے لیے اونٹ گھوڑے کی کیا حاجت ہے اُن کے پاؤں خدا نے سواری بنائے ہیں بیوی ننگ و ناموس اور اولاد آنکھوں کا تارا کھلاتی ہے مگر ہند کے شوہر کے دل میں نبی مدینے کا شوق ایسا لگا ہوا تھا کہ اُس نے اپنی آنکھوں سے یہ سب حال دیکھا مگر اُسے ذرا پرواہ نہ ہوئی بیوی کے کہنے سے وہ چونکا اور اُس نے کہا اے ہند تو سچ کہتی ہے اچھا میں نے تجھے اور تیرے بچے کو خدا کے سپرد کیا میں جاتا ہوں یہ کہکر ہند کا شوہر آگے بڑھا اور مکہ والوں نے ہند کو پھر سمجھایا کہ تو

ہمارے ساتھ چل ہم تجھے بڑے آرام سے رکھیں گے اور تیرے پاؤں دھو دھو کر
پئیں گے مگر ہند نے انھیں ٹکڑا توڑ کر جواب دیدیا اور کہا سُن لو جا ہے مجھے اس
جنگل میں کھانے کو ایک دانہ اور پینے کو ایک بوند پانی کی نہ ملے شیر اور بھیڑیے
مجھے پھاڑ کر کھا جائیں بچے مر جائیں کُنبہ غارت ہو جائے رانڈ ہو جاؤں کچھ ہو جائے
مگر میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گی مجھے تو اُسکی دُھن لگ گئی ہے جس کا میں نے
کلمہ پڑھا ہے جب وہ لوگ سمجھاتے سمجھاتے مایوس ہو گئے تو انھوں نے ہند کو
جنگل میں چھوڑا اور اُسکے بچے کو اور اُسکی سواری کے اونٹ کو لے کر چلے آئے
دن تو جوں توں کر کے ہند نے کاٹا مگر جب آفتاب غروب ہوا اور چاروں طرف
سے اندھیرے کا سمندر اُبلا تو ہند کا کلیجا ڈر کے مارے دھڑ دھڑ کرنے لگا پہاڑوں
کا سلسلہ تاریکی میں آسمان سے لگا ہوا معلوم ہوتا تھا اور آسمان کے تارے
پہاڑ کی چوٹیوں سے ملے ہوئے دکھائی دیتے تھے ہند نے زمین پر تیمم کیا اور عشاء
کی نماز پڑھکر وہ مدینے کی طرف منھ کر کے بیٹھ گئی اور اُس نے رونا شروع کیا
پہلے وہ آنسوؤں سے روئی پھر اُس کی چیخ نکل گئی آخر چیختے چیختے اُسے غش آگیا
خدا جانے کتنی دیر تک وہ غش میں پڑی رہی مگر جب اُسے ہوش آیا تو وہی پہاڑوں کا
سلسلہ تھا وہی بالو ریت تھی وہی رات کا اندھیرا تھا اُس نے ایک جوش کے ساتھ کہا
اے رحمۃ اللعالمین تجھے خبر بھی ہے تیری لونڈی ہند پر کیا بن رہی ہے تو سات
آسمانوں کے پرے ایک آن میں گیا اور پلٹ آیا کیا تو دم بھر میں مدینے سے
میرے پاس نہیں آسکتا ہے اور مجھے اس عذاب سے رہائی نہیں دے سکتا ہے
میرا ایمان کہتا ہے کہ تو بیشک آسکتا ہے اچھا پھر کیوں نہیں آتا ہے دیر کیوں لگائی
ہے موت برحق ہے اور میں موت سے ڈرتی بھی نہیں ہوں مگر ڈر ہے تو یہ ہے
کہ کہیں تیری جدائی میں موت نہ آن گھیرے اور میں تیرے دیدار کے لیے تڑپتی

پھڑکتی چلی جاؤں - ؎

بلا بے وادیٔ فرقت سے مجنوں اپنی لیلیٰ کو ہجوم غم سے اُسپر تنگ ہے عرصہ بیاباں کا

انھیں یادوں باتوں میں یا آہ وزاری میں یا دعا میں رات گذر گئی اور آفتاب عالمتاب نے گوشۂ مشرق سے نکلنے کی تیاری کی ہند نے صبح کی نماز پڑھی اور اُسی بیچینی اور مصیبت میں اُس نے دو ہفتہ کاٹے ہمیں نہیں معلوم کہ اُس بیابان میں وہ بے آب و دانے کے کیونکر جی ایک دن شام کے قریب وہ بیٹھی ڈھاڑیں مار کے رو رہی تھی جو اُسے کچھ آہٹ معلوم ہوئی آنکھ کھول کر دیکھا کہ ایک شخص تیز رفتار گھوڑے پر سوار کھڑا ہے جب ہند سے اُسکی چار آنکھیں ہوئیں تو سوار نے کہا اے عورت تو کون ہے اور اس لق ودق بیابان میں جہاں بڑے بڑے بہادر سپاہی ٹھہرتے ہوئے گھبراتے ہیں کیوں بیٹھی ہے اور اس بُری طرح کیوں رو رہی ہے -

ہند - مجھے ہند بنت ابی امیہ کہتے ہیں اور میری ماں کا نام عاتکہ بنت عبدالمطلب ہے میرا شوہر برہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا ہے میرے میکے اور سسرال والوں نے ملکر مجھے اس طرح برباد کیا ہے پھر ہند نے اپنا سارا قصہ اُس شہسوار کو سُنایا تو اُسکی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور اُس نے کہا یہ لوگ بڑے بے غیرت ہو گئے ہیں کہ اپنی قوم کی عورت پر یہ ظلم ڈھایا ہے اور دودھ پیتے بچے کو ماں سے الگ کر لیا ہے معاذ اللہ اُن کے دل ہیں یا پتھر ہیں اے ہند میں مکہ ہی کو جا رہا ہوں تیرے کنبہ والوں کو ضرور سمجھا دوں گا -

ہند -- خدا آپ کا بہت بھلا کرے مگر یہ تو فرمائیے آپ کس قبیلے سے ہیں سوار نے کہا میں قبیلۂ بنی عامر سے ہوں اتنا کہکر اُس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی تو شرارۂ آتش کی طرح آنکھوں سے غائب تھا بنی عامر کے سوار نے مکہ

پہنچتے ہی دونوں قبیلوں کو ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ اُن کے چھکے چھوٹ گئے اور ان کے ذہن سے بکھیر دیے اور شرم کے مارے اُنھیں پسینہ آگیا جو لوگ ہند سے بچہ چھین لائے تھے وہ سب مل کر ہند کے پاس بچہ لے کر پہنچے اور بچہ اُسکی گود میں ڈال کر کہا تو نے مسلمان ہوکر ہماری ناک تو کاٹی ہی ہے مگر خیر اب ہم درگذر کرتے ہیں تجھے اختیار ہے چاہے تو بھاڑ میں جا یا مدینے جا مگر ہمیں بدنام نہ کر اب ہم تیرے لاگو نہیں ہیں پیارا بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے لگا ہوا تھا اور ماں کی ماری ماں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جگہ ساون بھادوں کی جھڑی لگ رہی تھی جب کنے والے چلے گئے تو ہند نے مدینے کی طرف سر ٹیک کر کہا اے خدا کے پیارے رسول جس طرح تو نے میرے بچہ کو مجھسے ملایا ہے اُسی طرح تو مجھے اپنا مدینہ بھی جلدی سے دکھا دے اے اللہ کے حبیب تو جانتا نہیں ہے کہ میں عورت ذات بے زور بے پر جنگل میں پڑی ہوں کمزور اور ناتواں ہوں تیرے شہر کا رستہ کٹھن ہے اور میرا دیکھا ہوا بھی نہیں ہے مجھے جلد اپنے پاس بلالے ہند نے زمین پر سے سر اُٹھایا تو دیکھا ایک شخص اونٹ پر سوار کھڑا ہے سوار نے ہند سے کہا اے نیک بخت تو کون ہے اور ایسے ہولناک جنگل میں اس پھول سے نازک بچہ کو لیے کیوں بیٹھی ہے کیا تو جانتی نہیں ہے حجاز کے بیابانوں میں بادسموم (لون) کیسی چلتی ہے۔

ہند۔ سب کچھ جانتی ہوں مگر جب خدا کی مرضی یہی ٹھہری ہے کہ میں اور میرا بچہ اس بیابان میں جل جلس کر مر جائیں تو سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے اسکے آگے ہند نے شتر سوار کو اپنی سب کہانی سُنائی تو شتر سوار زار و قطار رونے لگا پھر اُس نے اپنا اونٹ بٹھا کر اُسکا زانو باندھ دیا اور اپنی خورجین میں سے کھانا نکال کر ہند کے سامنے دھرا اور چمڑے کی چھاگل بھی اُسکا رنبیت

کھول کر لے آیا جسمیں ٹھنڈا پانی بھرا ہوا تھا خدا جانے ہند کتنے دن سے بھوکی پیاسی تھی جب اُسنے کھانا کھا کر ایک کٹورہ پانی کا پیا تو اُسکے مُنہ سے بے اختیار نکل گیا الحمدللہ

سوار۔ اے ہند اب دیر نکر اونٹ پر سوار ہو جا کیونکہ مدینہ یہاں سے بہت دور ہے جلدی سے جلدی وہاں پہنچیں گے تو بھی دس دن میں پہنچیں گے سوار کی یہ مہربانی دیکھکر ہند پھولی نہ سمائی اور اپنے بچہ کو بغل میں مار اونٹ کی طرف بڑھی اونٹ کے مالک نے ہند کو اونٹ کی طرف آتا دیکھکر اپنی پیٹھ پھیر لی جب ہند اونٹ پر سوار ہو گئی تو اُس نے ساربانوں کی طرح اونٹ کی مہار اپنے کندھے پر ڈالی اور ہند کو مدینے کی طرف لے چلا جب ہند کسی ضرورت سے کہتی کہ میں نیچے اُترونگی تو اونٹ کا مالک بہت آہستگی سے اونٹ کو بٹھاتا اور آنکھیں بند کرکے پیٹھ موڑ کر کھڑا ہو جاتا اسی طرح وہ غیبی مددگار ہند کو مدینے تک لے گیا جب مدینے کی فصیل دکھائی دی تو اُس نے کہا اے ہند مبارک ہو تو مدینے کے پاس آن پہنچی مگر میرا مدینہ میں جانا مناسب نہیں ہے اب تو اونٹ پر سے اُتر اور بچے کو گود میں لے کر شہر میں داخل ہو جا۔

ہند۔ اے بزرگ آپنے جو کچھ مجھ بندی پر احسان کیا ہے اُسکا شکریہ میں ادا نہیں کر سکتی شاید باپ بھی اپنی سگی بیٹی کے ساتھ یہ سلوک نہ کر سکتا کہ آپ پیدل چلے اور وہ اونٹ پر سوار ہو مگر آپ نے میرے واسطے یہ تکلیف اُٹھائی اسکا بدلہ خدا آپ کو عطا فرمائے برائے خدا آپ اپنا نام تو بتاتے جائیے۔

اونٹ کا مالک۔ میرا نام عثمان بن طلحہ ہے میں مکہ کا ہی رہنے والا ہوں یہ کہکر عثمان بن طلحہ نے اونٹ کو بٹھایا۔ ہند اونٹ پر سے اُتری اور اللہ بیلی کہکر مدینے کی طرف بڑھی اور عثمان بن طلحہ اونٹ پر سوار ہو کر مکہ روانہ ہوا۔

(۲)

آقائے نامدار احمد مختار ابو ایوب انصاری کے مکان پر تشریف رکھتے ہیں اور
آپ کے سامنے مہاجر اور انصار سر جھکائے حاضر ہیں صحابہ کے حلقہ میں ایک شخص
دبلا پتلا زار و نزار آنکھیں بند کیے بیٹھا ہے مگر اسکی آنکھوں میں سے آنسو زمین پر ٹپک
رہے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں اے میرے پھوپھی زاد بھائی آپ اپنا جی میلا نہ کیجیے
اگر قوم نے آپ کے بیوی بچوں پر بڑا ظلم کیا ہے مگر ان دونوں کا خدا ضامن ہے
ان پر کسی طرح کی آنچ نہ آئے گی صحیح سلامت آپ سے آکر ملیں گے آہ ایک غمزدہ
ایسے موقعہ پر تسلی دی جاتی ہے تو غم کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور اسکا دل قابو سے
باہر ہو جاتا ہے حضور کے یہ فرمانے سے اس مریض محبت کا جی بگڑ گیا اور وہ
پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اسکے رونے سے حضور کا جی بھی بھر آیا حضور کی سرشار
آنکھوں سے آنسو دیکھکر سب حاضرین بیتاب ہو گئے اور دربار نبوی میں کھلبلی مچ گئی
حضور والا نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے جو دفعتہً ایک عورت منہ پر نقاب ڈالے گودی
میں بچہ لیے حاضر ہوئی اور اس نے حضور کی طرف مخاطب ہو کر کہا السلام علیک
یا رسول اللہ حضور والا نے سلام کا جواب دے کر ایک گہری نظر سے اسے دیکھکر
انتِ ہند بنت ابی امیہ عورت نے کہا نعم یا رسول اللہ روحی لک
الفدا اور وہ دوڑ کر آپ کے قدموں پر گری حضور نے فرمایا مرحبا مرحبا اور ہند
کے شوہر نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا بیوی بچے دونوں موجود ہیں پھر کیا کہنا
اسے کہ ہند اپنے شوہر سے ملکر اور اسکا شوہر اس سے ملکر اور اپنے بچے کو دیکھ کر
کس قدر خوش ہوا بس یہ سمجھیے ع

خوشا دمے کہ نہ در غم ہدور نگار است
کہ یار سے بر خورد دا مرو حصل یا بیست

محدثین اور اہل سیر حضرت ہند کی کنیت ام سلمہ اور آپ کے شوہر کی کنیت ابو سلمہ
اور جس نونہال کو گھر والے چھین کر لے گئے تھے اسکا نام سلمہ لکھتے ہیں جنگ حدیبیہ میں

ابو سلمہ زخمی ہو کر ایک مہینے کے بعد جمادی الاخرہ سنہ ۴ ہجری میں دار البقا کو سدھارے اور ام سلمہ رانڈ ہو گئیں چار مہینے تک آپ کا آنسو نہیں تھما کیونکہ آپ اپنے خاوند کو بہت چاہتی تھیں عدت کے بعد شوال کے مہینے میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تو آپ نے انکار کر دیا آپ بار ہا کہتی تھیں کہ نہ ابو سلمہ سے بہتر مجھے خاوند ملے گا نہ دوبارہ نکاح کروں گی جو یکایک حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کی توجہ آپ کی طرف مائل ہوئی آپ نے کہلا بھیجا اوّل تو میں بچوں والی ہوں اور وہ میرے کلیجے کی کور ہیں انھیں میں چھوڑ نہیں سکتی اور جب اُنکی طرف جھکی رہوں گی تو حضور کی خدمت میں کوتاہی ہو گی اور میں گنہگار رہوں گی اس لیے مجھے معاف کیا جائے دوسرے میرے مزاج میں غیرت بہت ہے اور خدا جانے حضور کے کتنے محل ہیں جلا بھنا کروں گی کیونکر بنے گی حضور نے اسکے جواب میں کہلا بھیجا میں آپ کے بچوں کو اپنا بچہ سمجھوں گا اور اُنکی طرف آپ کو مائل دیکھکر بہت خوش ہوں گا اور آپ کی تنک مزاجی کے لیے خدا تعالیٰ سے دعا کروں گا امید ہے کہ آپ سوکنوں میں ایسے میل ملاپ سے رہیں گی جیسی سگی بہنیں ان مہربانی کی باتوں کو سنکر حضرت ام سلمہ نے فرمایا جو حضور کی مرضی میں آپ کی لونڈی با دل و جان سے بن گئی چنانچہ حضرت ام سلمہ ازواج مطہرات میں داخل ہو گئیں حضرت فاطمہ اپنی سوتیلی ماؤں میں سب سے زیادہ ام سلمہ کے ساتھ ہی محبت رکھتی تھیں اور حضرت ام سلمہ بھی حضرت فاطمہ اور اُن کی اولاد کو اپنی سگی اولاد سے زیادہ چاہتی تھیں جب سیدنا و مولانا امام حسین علیہ السلام کوفے اور کربلا کو تشریف لیگئے ہیں تو آپ اپنی صاحبزادی فاطمہ صغریٰ کو ام سلمہ کے پاس ہی چھوڑ گئے تھے - ہمارے پیشوا چشتیوں کے سردار خواجہ حسن بصری انصاری نے حضرت ام سلمہ کے گھر میں ہی

پرورش پائی ہے اور حضرت ام سلمہ نے اپنا دودھ خواجہ حسن بصری کو پلایا ہے حضرت ام سلمہ حضور والا کی سب بیویوں میں بڑی خوش تقریر اور عاقلہ تھیں جب اور بیویاں کوئی اپنا مدعا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کان تک پہنچانا چاہتیں تو ام سلمہ کو بیچ میں ڈالتیں آپ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے اس فصاحت اور بلاغت سے اس بات کو ادا کرتیں کہ حضور آپ کے مُنھ کو دیکھا کرتے اور فرماتے نصف اچھا آپ کا کہنا مجھے منظور ہے - حضرت ام سلمہ نے سنہ ۶۲ھ میں وفات پائی۔

فقیر حقیر حکیم ناصر نذیر فراق دہلوی محلہ رودگراں مدرسہ ابوالمنت خاں مکان نمبر [illegible]

غزل ظرافت

منڈنے سے صاف گیسوئے جانانہ ہو گیا — چل استرے کا اتنا گیا استانہ ہو گیا
ایسا میں راگ لایا کہ دیوانہ ہو گیا — گاتے ہی گاتے ختم سب افسانہ ہو گیا
گذرا سن شباب تو پھر کون پوچھتا — اب ترک اُن سے رسم قدیمانہ ہو گیا
افلاس جب سے آگیا اُس شاہ حسن پر — عشاق کا مزاج گدایانہ ہو گیا
دوہرائیں اُن سے بیٹھ کے کیا سر پھرا — چھینک آگئی تو ختم سب افسانہ ہو گیا
قاصد کی کوئی بات بھی اب پوچھتا نہیں — محصول خط شوق کا آدھ آنہ ہو گیا
تیر نگاہ ناز چلے آئیں بائیں شائیں — اندھا کوئی ہوا تو کوئی کانا ہو گیا
تیغ نگاہ خنجر ابرو نگہ کے تیر — چہرہ کسی حسین کا سلخ خانہ ہو گیا
عشاق کھا رہے ہیں قلابازیاں تمام — سرکس کا کھیل جلوۂ جانانہ ہو گیا
ایسا نہ ہو کہ دوڑ کے مجنوں کو کاٹ لے — لیلےٰ کا اونٹ نجد میں دیوانہ ہو گیا
عشاق میں ہے آپ کے اُلو کی خاصیت — بیٹھے وہ جس جگہ وہیں ویرانہ ہو گیا
لائے گئے ظریف یہاں ہم کشاں کشاں — گویا مشاعرہ نہ ہوا تھانہ ہو گیا

مقبول حسین ظریف لکھنوی

قعرِ مذلّت

اس مضمون میں اُس خاص اخلاقی کمزوری اور انسانی عیب پر بحث کرنی منظور ہے جو مرد اور عورت دونوں کے لیے بے انتہا مضر اور بدنامی کا باعث ہے کُھلّم کُھلّا اُسکی طرف اشارہ کرنے سے پہلے ہم اُسکے چند ابتدائی اور ضروری متعلقات پر نظر ڈالتے ہیں اور وہ یہ ہیں -

(۱) قانون فطرت کے موافق مرد اور عورت کی عام ڈگر یہ ہے کہ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد اُن کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تاکہ وہ منجملہ دیگر سوشل فرائض کے انجام دہی کے بقاء نسلِ انسانی کی اہم اور مقدس ضرورت کو پورا کریں۔ مہذب رواج اور مذہب نے اسکا نام بیاہ شادی رکھا ہے - اس میں چند قیود اور ذمہ داریاں بڑی بڑی مصلحتوں کے خیال سے رکھی گئیں ہیں۔ سب سے بڑی قید یہ ہے کہ مرد کے لیے عورت کی تعداد معین ہو۔ سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ جو اولاد اس اتحاد سے نصیب ہو اُسکی پرورش اور تعلیم و تربیت کی جائے - ان دونوں باتوں کے ملانے سے ایک ایسا گھر قائم ہوتا ہے جس میں قانون فطرت کا اتباع سوسائٹی کے بقاء اور ترقی کا سامان - اور مثل انکے دیگر نفیس اور دلچسپ اجزا جمع ہوتے ہیں -

(۲) محنت مشقت اور کاروباری زندگی کی تلخ کامیوں میں محبت اور حُسن پسندی انسانی زندگی کو بہت کچھ سمو دیتی ہے۔ محبت میں جسقدر دل و دماغ اور وقت صرف ہوتا ہے اسکا ادنیٰ انعام یہ ہونا چاہیے کہ ایسے سامان مہیا کیے جائیں جس سے وہ محبت پائدار ہے حُسن پسندی جو علاوہ دل و دماغ کو خاص راحت پہنچانے کے دنیا کی ہنرمندی اور بعض علوم کی ترقی کا باعث ہوتی ہے اُسکا مقتضا یہ ہے کہ اغراض نفسانی کو

اُسمیں اسقدر کم ملایا جائے کہ بالکل نہونے کے برابر ہو جائے - اور جہاں کہیں ضرورتاً ایسا کیا جائے وہاں اہم ذمہ داریاں قبول کرکے اسکا پورا ٹیکس ادا کیا جائے -

(۳) اس سارے سلسلے کی بنیاد جوانی میں پڑتی ہے جو صورت شکل صحت اور اُمنگوں کے اعتبار سے زندگی کا بہترین حصہ ہے -

(۴) عورت اور مرد کے اتحاد کو قائم رکھنے اور اُس سے مندرجۂ بالا فوائد حاصل کرنے کے لیے اشد ضروری ہے کہ آپس میں تپاک ہو - خیالات اور عادات پاکیزہ ہوں - اور جانبین میں ایک خاص اعتماد اور ہمدردی قائم ہو

جہاں یہ سب باتیں جمع ہوں اُسے ہم ایک جنت اور خوش نصیب گھر کہینگے جہاں یہ نہوں وہ دوزخ سے بدتر ہے مگر اس مضمون میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ گھر سے باہر جو ایک رواجی انتظام مردوں کی عارضی تفریح کا قائم ہے اُسکی بنا کن اصولوں پر ہے اور اُس سے سوسائٹی کو کیا کیا نقصان پہنچتا ہے - باہر کی تفریح کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ کم از کم سینہ حساب سے اعلیٰ طبقہ میں) ایک حسین عورت کو شروع سے گانے بجانے کی تعلیم دی جاتی ہے - بیٹھی مذاق کی عادت ڈالی جاتی ہے اور مردوں کی فطرت کی کمزوریوں پر حملہ کرنے کے لیے جسقدر گونا گوں دور کار وہ ہزاروں جتنوں سے اُسکے پاس جمع کیا جاتا ہے اگر اس کل انتظام کا منشار یہ ہوتا کہ کوئی معقول مرد کسی معقول عورت کا گرویدہ ہو کر عمر بھر اُسے نباہے تو بات ہی اور ہوتی اور منشار عقد تک بات قریب پہنچ جاتی - مگر یہاں منشا اسکے عکس ہے اور وہ یہ ہے کہ بہت سے معقول مرد گرویدہ ہو جائیں مگر عورت اُن میں سے کسی ایک کی بھی گرویدہ نہو - اسکا عملی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو مرد ایسے مشاغل میں پڑتے ہیں انہیں سے اکثر میں سے بیوی بچوں کو نباہنے کا مادہ بہت کچھ زائل ہو جاتا ہے - اور صحیح معنوں میں وہ خاوند یا باپ یا گھر کے

نے کے قابل نہیں رہتے۔ تھوڑے مردان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو باوجود
تفریحوں کے گھر کو بھی ادائے فرض سمجھ کر چلائے جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ
مال کر رہے ہیں مگر غور سے دیکھا جائے تو یہ کچھ بھی کمال نہیں ہے۔ اگر وہ
تفریحوں میں نہ پڑتے تو گھر ہی پر اُن کی پوری توجہ صرف ہوتی اور اُس سے
علاوہ نتائج مرتب ہوتے خیر ایسے مردوں کا تو جو کچھ حشر ہوتا ہے وہ ہوتا ہے
دیکھنا ہے کہ اُن عورتوں پر کیا گذرتی ہے جو باہر کی تفریح کی جان ہیں۔
ہی رعایت سے اکثر کے نام کے آخر میں جان ہوتا ہے۔ شاید یہ بھی اشارہ
کہ اس تفریح کے بدلہ میں جان تک برباد ہو جاتی ہے۔ روپیہ اور عزت
سے ہی کیا چیز۔ عورت پر یہ گذرتی ہے کہ ایک مرد کو گرویدہ کرنے کا جو خزانہ
نے اُسے عطا کیا ہے وہ بہت مردوں کو گرویدہ کرنے کی کوشش میں تباہ
ہے اور اسلیے اُس عورت کو اپنے میں بیشمار مصنوعی کششیں پیدا کرنی پڑتی
ں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ وہ بجائے ایک دلکش انسان کے ایک مصنوعی
جاتی ہے۔ دوسرا نقصان عورت کو یہ پہنچتا ہے کہ چونکہ یہ زندگی فطرت
اور اخلاق کے خلاف صرف معاش کی خاطر بسر کرتی ہے۔ اس لیے
ایک وقت میں اُسکا نصب العین صرف روپیہ رہ جاتا ہے۔ اور چونکہ
بھی بیشتر حالتوں میں اُسکے پاس نہیں رہتا وہ آخر میں خسر الدنیا والآخرۃ
کے جنگل میں سرگرداں پھرتی ہے۔ اور یا تو یوں ہی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتی
یا کسی (اور عورت کو یا اکثر صورت میں کسی معصوم لڑکی کو) اپنا جانشین بنا کر
عذاب کی مستحق ہوتی ہے۔
رد جہاں تک ہو سکتا ہے روپیہ دیتے ہیں مگر اسکے علاوہ کوئی صحیح انسانی
ان نہیں کرتے۔ اس لیے عورت بالکل ٹوٹے میں رہتی ہے۔

ردون کے سینوں میں دل اور دلوں میں خدا کا خوف ہو تو اس وقت سے اُن بدنصیب
ن کو بچانے کی تدبیریں اختیار کریں۔ اس مختصر مضمون میں دیدہ و دانستہ ان
ے امراض کا ذکر نہیں کیا گیا جن میں اس طبقہ کی بیشمار عورتیں مبتلا ہو کر جوانی ہی
راہی ملک بقا ہوتی ہیں اور نہ اُن بیشمار رکیک حرکات کا ذکر کیا گیا ہے جو
طبقے کی ادنیٰ عورتوں سے سرزد ہوتی ہیں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ مردوں کو یہ
پیدا ہو جائے کہ ہائے اگر ہم اپنی ناجائز تفریح ان سے وابستہ نہ کرتے تو
ہمارے کس قدر اللہ کی بندیاں سیدھی سادی۔ خوشحال۔ گھر والیاں ہوتیں
خدا اور انسان دونوں کے سامنے سرخرو ہوتیں۔

"نسائی"

برش دیکھکر میری رگ جاں دیکھ ... کھوکے خنجر ابرو سے جاناں دیکھکر
تو ناراض تھے ابروہ اور داں دیکھکر ... اب گھر بیٹھے ہو دل کو ویراں دیکھکر
ہوتا ہے خم ابرو سے جاناں دیکھکر ... دل تڑپ ... ناوک تیر مژگاں دیکھکر
ل کو یاد ہیں چھیڑیں نگاہ ناز کی ... آپکے بھرتے ہیں ... ارمان دیکھکر
دن رات کٹتے ہیں تصور میں ترے ... پھر تو ... دیکھکر ... تاباں دیکھکر
پھرلے ہوئے بزم عزا میں آئے کیوں ... سب پریشاں ہو گئے ہم کو پریشاں دیکھکر
سے جل بھن گیا آتشکدہ زردشت کا ... میرے سینے میں فروغ آہ سوزاں دیکھکر
دل گلرخوں کو اب کہاں وہ تازگی ... ہنس رہی ہیں ہم کیوں گلشن کی کلیاں دیکھکر
پھر اگر مل جائے کہیں تصویر یار ... قلب مضطر میں ہجوم یاس و حرماں دیکھکر
گر خم نہ ہو شمشیر کیونکر جھک نہ جائے ... نوک مژگاں دیکھکر ابروئے جاناں دیکھکر
کوئی بھی نہیں جو تختہ مشق ناز ہو ... چپ ہیں وہ خاموشی تو بغریباں دیکھکر
سر در گریباں جب کسی رنگ ... سب پشیماں ہو گئے ہم کو پشیماں دیکھکر
دیوانگی ویرانہ کب دیکھا لیا ... ... وحشت مجھے ... زنداں دیکھکر

مجھ ... لذت ... سے ...
ہاتھ ... کریہ گئے ... زنداں دیکھکر

چودھری اکرم علی الہاشمی

عورت

(۲)

ہمارے مکرم دوست جناب مولانا خواجہ الیاس صاحب نے مذکورۂ بالا عنوان پر مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے جو انشاء اللہ کچھ دنوں تک جاری رہے گا چونکہ بعض اوقات سلسلے کے مضامین سے لوگ اُکتا جاتے ہیں اس خیال کو مدنظر رکھکر خواجہ صاحب نے ارادہ کیا ہے کہ وہ اس موضوع پر جتنے مضمون لکھیں وہ ایک بڑی حد تک مکمل ہوں، چنانچہ اس سلسلہ کا دوسرا مضمون درج ذیل ہے۔

ایڈیٹر

ابتدائے آفرینش سے طبقۂ اُناث کا اتصاف اُن اوصاف کے ساتھ چلا آیا ہے جو اُسکے انحطاط ذہنی پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ لیکن اس انحطاط سے یہ مراد نہیں ہے کہ عورت مرد کے قبضہ میں ایک مٹی کے کھلونے کی طرح ہے کہ وہ جو تصرف اُسمیں چاہے کرے اور کوئی اُس سے باز پرس کرنے والا نہو بلکہ یہ وہ فطرتی اور نیچرل انحطاط ہے کہ جس کے مراتب کی تفصیل کہیں موقع سے ہم کرینگے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے عورت کم سمجھ اور اُسکا احساس سہل القبول ہے وہ ایک شفاف اور نورانی جسم ہے جسکو شریعت حقہ اسلامیہ نے آبگینہ اور روشن قندیل سے تشبیہ دی ہے اور تعلیم کر دیا ہے کہ اُسکو اُس کام کی تکلیف نہ دو کہ جس کی طرف سے فطرتاً وہ غیر مستطیع ہے اُن کلمات سے اُسکو آگاہ نہ کرو کہ جن سے وہ اثر پذیر ہو سکے حتی کہ تشبیب اشعار بھی اُسکے روبرو ناجائز قرار دی گئی تا کہ اس سے اُسکا احساس زخمی ہو دور جدید کے احرار یورپ کی تبعیت میں اُسکو جنس لطیف سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ دونوں عنوان اگرچہ اسی ایک معنوں پر دلالت کرتے ہیں کہ عورت مرد کے مقابلہ میں کمزور اور ضعیف خلق کی گئی ہے لیکن پھر بھی تشبیہ اول اپنے مقصود پر دلالت کرنے میں زائد واضح ہونے کے علاوہ اُسکی حالت کی ایک صحیح مثال اور اُسکے شعور کا ایک کامل معیار بھی پیش کرتی ہے۔

غرض کہ یہ تمام امور کافی طور سے اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ عورت اس مرتبہ تک نہیں پہنچی ہے کہ مرد کی طرح مشقتوں اور زمانے کی سختیوں کو برداشت کرسکے عورت کو جنس لطیف سے یاد کرنے والی یورپ کی وہ جدید قومیں ہیں جو مرد کے ساتھ اُسکی مساوات کو بہتر تصور کرتی ہیں لیکن تم خود سمجھ سکتے ہو کہ وہ اپنی اس خواہش میں کس حد تک صحت پر ہیں ایک نازک جنس کو ایک مضبوط جنس کے مساوی کرنے کا خبط اُن کے دلوں میں سماگیا ہے اُنکو چاہیے کہ اپنی اس خواہش سے دست بردار ہوں یا اس تشبیہ سے اعراض کریں ورنہ اس تشبیہ کے ادعا کے ساتھ اُنکی یہ خواہش ایک مجنونانہ اور جاہلانہ حرکت سے زائد وقعت نہیں رکھتی۔

اس ادعائے تساوی کو یورپ کی طرف منسوب کرنے سے تم اس دھوکہ میں نہ پڑنا کہ اہل یورپ کا عام مذاق یہی ہے کیونکہ یورپ نے ابھی تک اُن منصف مزاج طبیعیں کو مفقود نہیں کیا ہے کہ جو شروع سے اس رائے کو غلط تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس مساوات کی خواہش کرنا گویا ایک محال امر کو ممکن بنانا ہے۔

ذیل میں ہم یورپ کے چند افراد اور بعض جماعتوں کے وہ اقوال نقل کرتے ہیں کہ جن سے ہمارا دعوی خود بخود صحت کی روشنی میں آجائے گا۔

(۱) نساوی دائرۃ المعارف کے مولفین کا فیصلہ ہے کہ عورت کی ترکیب جسمی بچوں کی ایسی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اُسکا احساس سریع القبول ہے اور اُسکی طبیعت رنج و خوشی وغیرہ سے باسانی متاثر ہوجاتی ہے اور چونکہ اس قسم کے موثرات اسکی طبیعت اور اُسکے تصور

بلا شرکت تعقل اثر کرتے ہیں لہذا بجاے دیر پا اور مستمر ہونے کے (مرد کے خلاف) جلد زائل اور دفع ہو جاتے ہیں اور انھیں وجوہ سے عورت ناپائداری کا نمونہ اور مرد قرار و ثبات کا آئینہ سمجھا جاتا ہے۔

پرودُون ایک مغربی فلسفی اس امر کے متعلق اپنے خیالات کا اسطرح اظہار کرتا ہے کہ عورت کی عقل جسقدر ہماری عقلوں سے کمزور ہے اُسیقدر اُسکا وجدان ہمارے وجدان سے ضعیف ہے اُسکے اخلاق کا معیار ہمارے اخلاقی معیار سے گرا ہوا اور اُسکے اخلاق کی طبیعت ہماری اخلاقی طبیعت کے متضاد اور یہی باعث ہے کہ وہ جن اشیا پر اچھائی یا بُرائی کا حکم لگاتی ہے مرد کی عقل ہر جگہ اُسکی تائید نہیں کرتی اور بعینہ وہی فیصلہ نہیں کرتی کہ جو کسی عورت کی عقل نے کیا ہو اسی وجہ سے اگر عورت کو مرد کی نسبت کرکے بے ادب کہا جائے تو چنداں بیجا نہ ہوگا۔

محققانہ اور فلسفیانہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو ظاہر ہو جائے گا کہ عورت بجاے عدل و مساوات کے افراط یا تفریط میں گھری ہوی ہے اور یہ کیوں محض اسلیے کہ عدم مساوات اُسکے ذاتی خواص اور فطری لوازمات سے ہے۔

توازن حقوق کہ جسکے بغیر مرد کبھی عافیت سے زندگی نہیں بسر کرسکتا اور نہ اسکو چھوڑ سکتا ہے۔ عورت کا رجحان کبھی اس طرف نہ پاؤگے بلکہ وہ سب سے زیادہ جس چیز کی دیوانی اور بندۂ بے دام ہے وہ باہمی امتیازات اور خصوصیات ہیں۔ اصناف بشریہ میں بلا امتیاز امارت و غربت کے مساوات کا قائم رکھنا عورت کے لیے ایک تکلیف مالا یطاق ہے کہ جسکی وہ متحمل ہو ہی نہیں سکتی۔ ایک جرمنی جماعت کا خیال ہے کہ مرد عورت سے سمجھ بوجھ میں بڑھا ہوا ہے اور عورت تاثر اور پریشانی میں مرد پر سبقت لے گئی ہے۔

ان وجوہ اور استنباطات پر نظر ڈالنے کے بعد کہ جنکو ابتک ہم نے ذکر کیا ہے

ماننا پڑتا ہے کہ مرد و عورت کی باہمی مساوات ایک غیر ممکن شے اور اُنکی حریت ایک خیال ہے کہ جو ماسوا اخلاف فطرت ہونے کے واقعیت سے بہت دور ہے۔ اور وہ جماعت کہ جو اس موہوم حریت میں ساعی ہے جنس اُناث کے امکان مادیہ اور اُن کے خواص کی طرف سے بالکل بے بہرہ ہے۔

عورت کے لیے اس حریت کی کوشش کرنا گویا اُسکے لیے اُن سختیوں اور مشقتوں کا مہیا کرنا ہے کہ جنکے برداشت کرنے کی قدرت اُسکو ودیعت ہی نہیں کی گئی ہے۔

عورت کا کام یہ ہے کہ وہ بچوں کو تربیت اور امور خانہ داری کو انجام دے مرد اُسکی کفالت اور حفاظت کرے پھر جبکہ فطرت اور نیچر نے خود ہی اُنکے کاموں کی اس طرح تقسیم کردی ہے تو اب عورت کے ذمہ جنگ و جدال و قضاۃ کو لازم کرنا اُسکے طبعی اقتضاء سے نکلکر اُن چیزوں کا اُسکے ذمہ عائد کرنا ہے کہ جنکے انجام دہی کی کسی طرح بھی وہ استطاعت نہیں رکھتی۔

ایک مصری حکیم اپنی کتاب الفلسفہ الحسیہ میں لکھتا ہے کہ اگر عورتوں کو کسی زمانے میں وہ مساوات حاصل ہوگئی کہ جسکا ساعی ایک مردوں کا گروہ ہے تو سمجھو کہ اُسی روز سے نظام عالم میں ایک قسم کی بے ربطی اور انتشار پیدا ہونے لگا کیونکہ مختلف کاموں میں جب روز مرہ دقتوں اور زحمتوں کا سامنا ہوگا تو وہ اُسکو چھوڑ بیٹھیں گی اور اپنی نیچرل کمزوری کی وجہ سے کسی طرح اُنکا مقابلہ نہ کرسکیں گی نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام نظام عالم درہم و برہم ہو جائے گا۔

ایک فرنچ حکیم کہتا ہے کہ وہ عورت جو گھر کے باہر کام کر رہی ہو اگرچہ ایک بڑے کام کر نیوالے کے قائم مقام ہے لیکن وہ عورتوں کا کام نہیں کر رہی ہے کیونکہ اگر ایک عورت پوسٹ آفس یا ٹیلیگرام آفس میں مردوں کا کام انجام دے رہی ہے تو وہ اپنے

بچوں کی پرورش اور تربیت کو دوسرے کے سپرد کیے ہوئے ہے کہ جو درحقیقت اسکا طبعی کام تھا

یہی فرنساوی حکیم ایک دوسری جگہ پر لکھتا ہے کہ عورت کے اشغال منزلی ہونا چاہیے اور جہانتک ممکن ہو اسکو بیرونی امور سے علیٰحدہ رکھا جائے تاکہ وہ ان امور کو بخوبی انجام دیسکے کہ جنکو نیچر نے اُسکے اور صرف اُسی کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔

ابتک ہم نے صرف چند فلاسفہ کے اقوال کی ترجمانی کی ہے کہ جنمیں سے ہرایک ہمارے دعوے کے لیے شاہد عادل کا حکم رکھتا ہے اور کھلے الفاظ مین کہہ رہا ہے کہ عورت کی مساوات مرد کے ساتھ کسی طرح درست اور ممکن نہیں کیونکہ اس سے نظام عالم منتشر ہو جائے گا اور نہایت سختی سے اُن لوگوں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ عورت کی تمام ترقیوں کو اُسکے مکان کی چار دیواری کے اندر محدود رہنا چاہیے ورنہ اُس کے مخصوص کام بالکل ناقص اور ناتمام رہ جائیں گے کہ جسکی بدولت ہماری مدنیت اور ہمارا تمدن بالکل تباہ اور برباد ہو جائیگا۔ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ مساوات بالکل محال ہے اور کبھی واقع نہو گی لیکن بفرض محال اگر ایسا واقعہ ہوا تو یاد رکھنا چاہیے کہ عورتوں کی عزت آج جو مردوں کی نگاہوں میں ہے وہ اُسوقت کسی طرح باقی نہیں رہ سکتی کیونکہ اُسوقت وہ ہر امر میں مردوں سے مساوات کا دعویٰ کرینگی پھر ظاہر ہے کہ اُس ادعاے مساوات کے ساتھ جو حالت اُن کی مردوں کی نگاہوں مین ہو گی وہ کسی طرح بھی اس موجودہ عزت اور محبت کے مساوی نہیں ہو سکتی کہ جو اس کمزوری اور عاجزی کے اقرار کی حالت میں ہے یہی نہیں بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ یہ مساوات ابتداءً تو باہمی منافرت کا باعث ہو گی اور نتیجہ میں فناے عالم کا سبب کہ جس کی تفصیل میں اوپر کہیں کر چکا ہوں۔

الیاس لکھنوی

یار کی مہمانی

خواب راحت سے اچانک اُٹھا کر دعوت دینا اور فی الفور اپنے پاس بلا لینا کسی کو۔ اپنے محبوب کو۔ کیا خوب۔ دنیا تو ترستی ہے کہ ہمارا معشوق ہمیں دعوت دے اپنا مہمان بنائے۔ مگر یہاں اُلٹی بات، قاصد بھیجدیا، تاکید کہلا بھیجی۔ چلیے آپ کے چاہنے والے نے آپ کو بلایا ہے۔

او لامکان والے تیرے دعوتی کارڈ بھی نئے نئے مقام سے آتے ہیں۔ کسی کو طور پر چالیس دن مہمان رکھا کسی کو ڈنر کی دعوت دی مگر دور اور بہت دور بلایا۔ برقی زینہ چشم زدن میں پہنچا دیتا ہے مگر اس برقی سواری میں کس قسم کی مقناطیسی قوت تھی جس نے آن کی آن میں قرب وبعد کے مدارج طے کر لیے۔

میرے مہمان آجا۔ قریب ہو جا۔ دوئی دور کر۔ اب پردہ کیسا نعلین پہنے چلا آ اب ہم۔ میں۔ یہ۔ وہ۔ تو۔ کچھ نہیں سب کو بھلا دے۔ تو ہی خدا ہے، تیری خدائی ہے۔

اے میزبان ازلی! تمام جاندار ہستیاں تیری مہمان ہیں۔ تیری رحمت کا دسترخوان عام ہے۔ سنا ہے جس پر تیری خاص عنایت ہوتی ہے اُسے نحن اقرب الیہ کا راز تو خود ہی کھول دیتا ہے۔

چھوٹا سا دل ہوں مگر شوخ، آنکھیں تیرے دید کی مشتاق، دماغ میں سودائے عام۔ تجھے دعوت دینے اور مہمان بنانے کی اُمنگیں اور ولولے طبیعت میں جوش زن۔ آ آج میرا مہمان بن جا۔ خانۂ دل گو تاریک ہے تنگ ہے مگر تیری رحمت سے منور اور وسیع ہو جائیگا۔ آنکھوں نے تیرے استقبال کے لیے آنسوؤں کے گرم گرم اور کھولتے ہوئے

چشمہ میں غوطہ لگا لگا کر یا انداز فرش کو صاف سرخ ڈلی بنا لیا ہے۔ دل نے برسوں سے تیری آمد آمد کی خبر سُن سُن کر صفائی کر رکھی ہے۔

میرے سچے تسلی دینے والے مہمان۔ آ جا بہت مت ترسا۔ اب انتظار کی طاقت نہیں۔ دل و دماغ قابو سے باہر ہے آنکھیں پتھرا گئیں۔

تجھکو مہمان بنا کر زندگی کا لطف اُٹھاؤں گا۔ فخر کرونگا۔ تیری پچھلی صحبت کا لطف میری روح کو آج تک یاد ہے کبھی کبھی تیری یاد میں ایسی بیقرار ہو جاتی ہے کہ تیرے مہمان بننے اور تیری صحبتوں کا لطف اُٹھانے کے لیے سامان سفر تیار کر کے روانگی کا عزم کر دیتی ہے میری مان لے۔ بس ایک دفعہ میرا مہمان بن جا۔ تاکہ پچھلی صحبتوں کا لطف دوبارہ زندہ ہو جائے ع مدت ہوئی ہے یار کو مہمان کیے ہوئے

حکیم محمود علیخاں ماہر اکبر آبادی

راز عشق

مدتوں دل لگایا ہے ہم نے ذوق الفت کا پایا ہے ہم نے
سختیِ دل خوب کھایا ہے ہم نے بار فرقت اُٹھایا ہے ہم نے
جانتے ہیں کہ عاشقی کیا ہے
عشق صادق نہ ہو تو سودا ہے

یہ جہاں بے ثبات ہے یارو چند روزہ حیات ہے یارو
لازمی شے ممات ہے یارو باقی اللہ کی ذات ہے یارو
کس لیے عشق بے وفا سے کرو
گر محبت کرو خدا سے کرو

گو ہیں دنیا کے دلربا مشہور حور وش اور مہ لقا مشہور
چار سو ان کی ہے جفا مشہور ہیں یہ غدّار و بیوفا مشہور
ان کو دل دے کے کون پچھتائے
مفت میں کون جان سے جائے

چاند سی آج جنکی صورت ہے جنکا بوٹا سا قد قیامت ہے
جنکی چھل بل غضب ہے آفت ہے جن پہ آئی ہوی طبیعت ہے
کل یہ کمھلائینگے گلاب کے مثل
دم میں مٹ جائینگے حباب کے مثل

جبکہ عارضی ہے حسن ان کا ان پہ ہوتے ہیں سب عبث شیدا
چند روزہ ہے حسن کا جلوا چار ہی دن ہے چاندنی کی ضیا
پھر نہ چھل بل نہ یہ ادا ہوگی
چاند سی شکل خاک پا ہوگی

عشق اُس سے کرو جو کامل ہو دشمن و دوست جس پہ مائل ہو
نقش جس کا کبھی نہ باطل ہو خوبیوں کا زمانہ قائل ہو
کام آئے نہ صرف دنیا میں
ساتھ بھی دے تمھارا عقبیٰ میں

ہے وہ سادہ رہ شریعت ہے اور اسی کا لقب طریقت ہے
یہی شمع حریم الفت ہے اور کلید در حقیقت ہے
تو بچشمان دل مبین جز دوست
ہر چہ بینی بدانکہ مظہر اوست

سید محمد اسمعیل رسا ہمدانی گیاوی

اُردو علم صلہ

ہر زبان میں کچھ نہ کچھ ایسے الفاظ ضرور پائے جاتے ہیں جو مختلف الفاظ سے مل کر مختلف معانی پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی الفاظ جو اپنی ترکیب کے بعد مختلف معانی پیدا کرتے ہیں۔ عربی اور فارسی زبان میں صلہ کہلاتے ہیں۔ مثلاً عربی میں رغبت کے معنی خواہش کرنے اور مائل ہونے کے ہیں۔ لیکن رغب کا صلہ جب عن آتا ہے تو اسکے معنی نفرت کرنے اور روگردان ہونے کے آتے ہیں۔ لفظ قال کے معنی کہنے کے ہیں قال لہ کے معنی اس سے کہا اور جب اسکا صلہ عن لایا جائے تو قال عنہ کے معنی اسکی طرف سے کہا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اشار الیہ کے معنی اسکی طرف اشارہ کیا اور اشار علیہ کے معنی اسکو مشورہ دیا۔

فارسی کا چمن بھی ان رنگا رنگ پھولوں سے خالی نہیں۔ فارسی زبان کے تجسس اور تلاش سے بکثرت ایسی مثالیں مل جائیں گی۔ میں یہاں اختصار کے طور پر محض سمجھانے کے لیے ایک دو مثالیں پیش کر دیتا ہوں۔ فارسی زبان میں زدن کے معنی مارنے کے ہیں لیکن اسی لفظ زدن کے بہت سے صلے ہیں جو ترکیب کے بعد مختلف معانی پیدا کر دیتے ہیں۔ مثالیں۔

نغمہ زدن گانا۔ حرف زدن بولنا۔ رہ زدن لوٹنا۔ گام زدن چلنا۔ جام زدن پینا۔ آتش زدن آگ لگانا۔ پنجہ در پنجہ زدن مقابلہ کرنا۔ نقش زدن لکھنا۔

اسی طرح کردن کے معنی صرف کرنے کے ہیں۔ لیکن جب اسکا صلہ نماز، گل، عفو، بعد، لاؤ تو مختلف معانی ہو جاتے ہیں۔ نماز کردن نماز پڑھنا

گل کردن ظاہر کردینا۔ غنچہ کردن چھپا دینا۔ رو کردن متوجہ ہونا

اُردو زبان اپنی کمسنی کے باعث ان دو زبانوں کے آگے ابھی شیرخوار بچہ کہلانے کی مستحق ہے۔ اسکے پاس جو کچھ سرمایہ ہے وہ اس نے ان ہی دو زبانوں سے حاصل کیا اور حق یہ ہے کہ اُردو زبان اپنے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے ان ہی زبانوں کے چمنستان الفاظ کی گلچینی کرتی ہے اسلیے اسکا دامن بھی اسطرح کے گلہائے رنگا رنگ سے بھرا ہوا ہے

میں اس حصۂ تحریر کی زیادہ تشریح و توضیح اس مختصر مضمون میں تو نہیں کرسکتا۔ لیکن اسکی متعدد مثالیں پیش کردونگا جن سے یہ واضح ہوگا کہ اُردو میں بھی بہت سے الفاظ ہیں جو اپنے مختلف صلوں سے ملکر مختلف معانی پیدا کرتے ہیں۔ یہ مضمون محض اپنی یادداشت سے لکھ رہا ہوں۔ اسلیے جہاں جہاں اساتذہ کے اشعار یاد آتے جائیں گے اُن کو بھی پیش کردونگا۔

اُردو میں خاک کا لفظ اُڑانا چھاننا ڈالنا لے ڈالنا ان صلوں کے ساتھ مستعمل ہے۔ خاک اُڑانا۔ خاک چھاننا کے معنی کسی کی جستجو اور تلاش کرنے کے آئے ہیں۔ ہجر مرحوم کے دو شعر یاد ہیں۔

یہ جس نے خاک اُڑائی ہے یار تیرے لیے — عجب نہیں جو فلک پر بھی ہو زمیں پیدا

ولہ

ہوئی نہ برباد زندگانی رہی نہ ہستی کی کچھ نشانی — صبا نے ہر چند خاک چھانی نہ ہاتھ مشت غبار آیا

خاک ڈالنا یعنی عیب پوشی کرنا جلال لکھنوی۔

کیا تعجب ہے چھپا لے جو کفن عیبوں کو — خاک شاید مرے اعمال پہ مدفن ڈالے

خاک لے ڈالنا اپنی غرض سے بار بار کسی کے در پر جانا جلال لکھنوی

میکدے کی خاک تک لے ڈالیے یہ ذہن ہے — کس خراباتی کی مٹی اپنی آب و گل میں ہے

دل کے لفظ کو دیکھو یہ اپنے مختلف صلوں سے مل کر کتنے مختلف معانی پیدا کردیتا ہے۔ دل اُٹھنا دل برخواستن کا ترجمہ ہے جرات ؎

کہیو صبا جو ہووے گذر یار کی طرف   دل سب طرف سے آپکے جانے سے اُٹھ گیا

دل بیٹھ جانا بھی اسی کے ہم معنی ہے تجربہ

قطع جب سے ہوئی اُمید وصالِ جاناں   اسطرح بیٹھ گیا دل کہ اُٹھایا نہ گیا

دل بھنا۔ دل بڑھنا۔ دل بھاری ہونا۔ دل پھٹ جانا۔ دل ڈوبنا۔ غمگیں ہونا۔ ناسخ

اے عزیزو آج میرا دل نہ ڈوبا جائے کیوں   بیٹے یوسف کا مجھے چاہِ وطن یاد آگیا

دل رکھنا (دلداری کردن) کا ترجمہ ہے۔ دل رُکنا دل بند ہونا۔ غالب کی ایک رباعی میں دل رکنا، دل بند ہونا دونوں بندھے ہیں غالب

دکھ جی کے پسند ہوگیا ہے غالب   دل رک رک کر بند ہوگیا ہے غالب

واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں   سونا سوگند ہوگیا ہے غالب

پاؤں اس لفظ کے بھی بہت سے مصلے ہیں۔ پاؤں اُٹھا کر جانا شتاب روی یا برداشتن کا ترجمہ ہے پاؤں اُٹھ جانا چلا جانا۔ بھاگ جانا۔ پاؤں اُڑانا ضرب حریف سے پاؤں خالی دینا یعنی بچا لینا۔ پاؤں بھاری ہونا عورتوں کے محاورے میں حاملہ ہونا پاؤں بھر جانا شل ہو جانا۔ پاؤں پکڑنا اور پاؤں چومنا قدمبوسی کرنا۔ پاؤں پھیرنا نئی دلھن یا زچہ کا اپنے اعزا اور اقربا کے گھر جانا یہ خاص عورتوں کی زبان ہے۔

یہ جو کچھ میں اُردو کی وسعت کو دکھا چکا ہوں۔ یہ تو ہمارے زمانہ سے پیشتر کے بزرگوں کے مساعی اور جانفشانی کا نتیجہ ہے۔ اُردو کا موجودہ دور ترقی بہت خوش آیند اور مستقبل کے لیے بہت امید افزا ہے۔ اگر علمبرداران اُردو کی کوشش کا یہی سلسلہ رہا تو کچھ روز میں اُردو زبان لطیف و پاکیزہ محاورات، تمثیلات، استعارات، کنایات اور ہر طرح کے تصنیفی، معاشرتی، علمی [illegible] کی دولت سے مالا مال ہو جائے گی۔ اردو کی موجودہ رفتار نے بہت سے پرانے محاورات

اور الفاظ کو متروک اور غیر فصیح بنا دیا ہے، اور بہت سے نئے محاورات اور الفاظ اپنے اندر پیدا کر لیے ہیں۔ آج اردو کی ترقی کا یہ حال ہو رہا ہے کہ ایک مصنف جب اپنی تصنیف کو جو دو سال پیشتر کی ہو آج دیکھتا ہے تو اسمیں اسکو بہت سے جملے کاٹ دینے اور نکال دینے کے قابل نظر آتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ موجودہ رفتار ترقی میں بعض لوگ ایسی بے اعتدالیاں کر بیٹھتے ہیں جنکی روک تھام اگر اسی وقت نہ کی گئی۔ تو آئندہ بہت برے نتائج پیدا ہوں گے۔ اس سے زیادہ کسی زبان کی بدقسمتی نہیں ہو سکتی کہ اسمیں بے موقع الفاظ استعمال کیے جائیں۔ میرے ایک عزیز دوست ایک مجمع میں جہاں میرے ایک مکرم و محترم بھی تشریف رکھتے تھے یہ جملہ بول اٹھے کہ میری روح فق ہوتی ہے میرے محترم جو وہاں تشریف فرما تھے انھوں نے اسکی صحت میں شک ظاہر کیا اسپر کچھ دیر تک بحث ہوتی رہی۔ میرے دوست اودھ کے رہنے والے تھے۔ انکی رائے میں اودھ کا باشندہ ہونا ہی اہل زبان ہونے کی سند ہے۔ جوش میں بول اٹھے کہ اردو میری زبان ہے۔ میں جو کچھ استعمال کر دوں صحیح ہے میرے محترم میری طرف مخاطب ہو کر مجھسے یہ پوچھنے لگے کہ اسکے متعلق تمھاری کیا رائے ہے۔ میں نے کہا کہ میرے نزدیک بھی یہ جملہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ فق ہونا اس خاص کیفیت کو کہتے ہیں جو انسان کے چہرے پر شرمندگی، یا خوف کے وقت طاری ہوتی ہے جسکو دوسرے لفظوں میں ایک رنگ کا جانا دوسرے کا آنا بھی کہہ سکتے ہیں اسی لحاظ سے رنگ فق ہونا بولتے ہیں۔ ہاں چہرہ فق ہونا، رخ فق ہونا اور منھ فق ہونا بھی بولتے ہیں جیسے ذوق کے اس شعر میں ؎

اگر زخم سینہ سے پھاہا اٹھاؤں — تو خورشید محشر کو تپ سے چڑھاؤں
وگر غنچۂ داغ دل کو دکھاؤں — تو صبح قیامت کا منہ دم میں فق ہو

مگر ان تمام جملوں کی اصلیت میرے خیال میں یوں ہے۔ چہرہ کا رنگ فق ہونا۔

رخ کا رنگ فق ہونا۔ منھ کا رنگ فق ہونا۔ عوالناس کی زبان اور ہر وقت کے بولے جانے والے جملوں میں جس طرح اور دوسرے تصرفات ہوتے رہتے ہیں اسی طرح ان جملوں میں بھی تصرف ہو گیا ہے اور کثرت استعمال کے باعث "کا رنگ" کا لفظ ان جملوں سے حذف ہو کر چہرہ فق ہونا رخ فق ہونا منھ فق ہونا رہ گیا ہے۔ روح ایک لطیف شے ہے وہ کوئی ٹھوس جسم نہیں۔ وہ سرخی، زردی، سیاہی اور سپیدی ان تمام رنگوں سے پاک صاف ہے۔ اسلیے اسکی صفت میں فق ہونے کا لفظ استعمال کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا"

بہت سی بے اعتدالیاں جو روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں۔ انکی روک تھام بہت ضروری ہے۔ یہ بے اعتدالیاں کیوں پیدا ہوتی ہیں اسکو میں اور کسی موقع پر نہایت تشریح و توضیح کے ساتھ بتاؤں گا۔ مختصر یوں ہے کہ کسی زبان میں محاورات بنانے، یا غیر زبان سے نقل کرنے، یا دوسری زبان کے الفاظ اپنی زبان میں استعمال کرنے کے لیے۔ بہت قابلیت، استعداد اور ذوق سلیم کی ضرورت ہے۔ ورنہ کم از کم ان دو زبانوں میں تو ناقل کو پوری دستگاہ ہونی چاہیے۔

ابو الحسنات ندوی

ضروری گذارش "تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادہ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں انکا نام درج رجسٹر کرکے تیسرے ماہ کا پرچہ ذریعہ وی۔ پی بھیجا جائیگا جسکا وصول کرنا انکا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ جو حضرات "تمدن" کو قیمتاً نہیں منگا سکتے وہ اگر "تمدن" کو چار مستقل خریدار عنایت فرمائینگے ان کی خدمت میں ایک سال کے لیے "تمدن" مفت حاضر ہوگا۔ جو صاحب دو مستقل خریدار عنایت فرمائینگے ان کے پاس چھ ماہ تک پرچہ مفت حاضر ہوگا۔ جو حضرات کمیشن پر "تمدن" کی توسیع اشاعت میں کوشش کریں وہ خط و کتابت سے کمیشن طے کر سکتے ہیں۔ **منیجر**

مسلمانوں کے احسانات

ایرانی علوم وفنون پر

(سلسلے کے لیے گذشتہ نمبر ملاحظہ ہو)

(۳)

اسلام سے کچھ پہلے چار زبانیں مستعمل تھیں (۱) دری یہ درباری زبان تھی، اسمیں صرف قوانین اور ضروری کاغذات کارروائی تھے مسلمانوں نے اسکے ضروری معارف عربی میں نقل کرلیے (۲) پہلوی ایران کی علمی زبان تھی زیادہ تر اصفہان، آذربیجان، ماہ، نہاوند، ہمدان، رے وغیرہ اضلاع میں بولی جاتی تھی اس زبان کی جسقدر کتابیں دستیاب ہوسکیں عربی میں ترجمہ کی گئیں (۳) خوزیہ درباریوں اور شہزادوں کے سوا کوئی نہ جانتا تھا (۴) سریانیہ، یہ زبان اگرچہ ایرین نسل کی زبان نہ تھی مگر ایران کے عیسائی زیادہ تر اسی زبان میں بولتے تھے، اور علمی سرمایہ بھی زیادہ تر اسی زبان میں تھا مسلمانوں نے اس زبان کے تمام بیش بہا جواہرات اپنے خزینۃ العلوم میں جمع کرکے عربی میں نقل کیا، مامون کے بیت الحکمت میں اس زبان کی کتابوں کا ترجمہ کرنے کے لیے ایک اچھا انتظام تھا جسکے رئیس المترجمین یعقوب کندی اور ابن حنین جیسے یگانۂ روزگار حکما تھے اب ایک منصف مزاج شخص کو ضرور ماننا پڑے گا کہ مسلمانوں نے معارف ایران کی حفاظت کی نہ اضاعت[1]۔

اس زمانے میں فارس میں سات قسم کے خطوط مروج تھے (۱) ویش دبیریہ،

---

[1] طبقات الاطبا وکتاب الفہرست وتاریخ الحکما میں مختلف جگہوں پر یہ واقعات ملیں گے۔

اسمیں ۳۶۵ حروف تھے اس طریقۂ نسخ میں صرف پانی کی آوازیں، ہاتھ پاؤں کے اشارے، چشم و ابرو کی حرکتیں لکھی جاتی تھیں، درحقیقت یہ ایک بہترین شے تھی اوائل میں مسلمانوں نے اسے سیکھا تھا اب غالباً کوئی اسکا واقفکار نہیں۔ (۲) راز سہریہ، بادشاہوں کے علاوہ اور لوگوں کو سیکھنا جرم تھا، مسلمانوں نے اسے بھی کسی طرح سیکھ لیا تھا چنانچہ خود ابن ندیم کو معلوم تھی (۳) شاہ دبیہ اس طریقۂ کتابت کو بادشاہوں کے علاوہ وزرا اور بڑے بڑے افسر بھی جانتے تھے۔ عام پبلک کو یہ خط سیکھنا قانونی جرم تھا کیونکہ رموز سلطنت اسی کشش کے حروف میں لکھے جاتے تھے جنکا پوشیدہ رکھنا ضروری سمجھا جاتا تھا (۴) کشتبج بادشاہ و وزیر کے علاوہ چھوٹے درجہ کے عمال سلطنت بھی سیکھ سکتے تھے کیونکہ فیصلہ جات احکام وغیرہ اسی خط میں لکھے جاتے تھے۔ (۵) نیم کشتبج ۲۸ حروف کا مجموعہ تھا، یہ خط کشتبج سے بہت مشابہ تھا طب و فلسفہ کی کتابیں انھیں حروف میں لکھی جاتی تھیں (۶) راس سہریہ ۲۴ حروف کا مجموعہ تھا منطق و طبیعیات کی کتابیں اس خط میں لکھی جاتی تھیں (۷) نامہ دبیرہ ملک کا عام رسم خط تھا شاہ سے لے کر گدا تک اسے سیکھ سکتا تھا اسلیے اسمیں علمی کتابیں کچھ نہ ہوں گی مسلمانوں نے ان ہر ایک رسم خط کو سیکھا اور ان کے معارف اپنی زبان میں نقل کیے[1]

نیز مسلمانوں پر یورپ کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انھوں نے فاتحین کے مذہبی لٹریچر کی کچھ بھی وقعت نہ کی اور اسکا ثبوت یہ دیا جاتا ہے کہ اسلام کے فاتحانہ حملوں کے بعد سے زردشتیوں کی مذہبی کتابیں کثرت سے ضائع ہوگئیں مگر انصاف سے غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ اسکا ذمہ دار کون ہے۔ جمشید سے پہلے

[1] فہرست ابن ندیم ۱۲

ایران میں کتابت کا رواج ہی نہ تھا اسکے بعد رواج ہوا مگر زردشت کے عہد تک کوئی کتاب تالیف نہ ہوئی، زرتشت کے بعد دارا کے وقت میں جب اسکندر مقدونی نے ایران پر حملہ کیا تو علوم عقلیہ کے علاوہ ایران کا تمام علمی سرمایہ برباد ہوگیا اسکے بعد سابور کے زمانے تک کسی قسم کی تصنیف وتالیف نہ ہوسکی، اسکندر کے دست تطاول سے جسقدر کتابیں بچی ہوں گی وہ اب تک موجود ہیں اگرچہ کچھ اجزا ضائع گئے ہوں تو اسکے ذمہ دار موبدان ایران ہیں جنھوں نے اچھی طرح حفاظت نہ کی۔

دین بھی یا شریعت زرتشت کے حالات ہمیشہ سلطنت ایران کی ترقی وتنزل کے ساتھ بدلتے رہے، کیونکہ اس مذہب نے بادشاہ کو ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت دے رکھی تھی اسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جس طرح بادشاہ کی کمزوری کا اثر ملک کی پولیٹکل حالت پر پڑتا ہے اسی طرح ملک کی مذہبی حالت پر بھی پڑتا تھا۔ ایران کے بادشاہوں کو چھوڑ و خود قباد کے عہد میں مزدک نے سلطنت پر پورا اثر جما لیا تھا اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اس غلبہ کی وجہ سے آتش پرستوں کے مذہبی لٹریچر پر کیا اثر پڑا ہوگا جب خود قباد مزدک کے پیرووں میں سے ہوگیا تھا اور آتش پرستوں کو اپنی حمایت کے لیے نوشیرواں کو لانا پڑا۔ اس فتنہ کے رفع ہوتے ہی سلطنت پر عیسائیت نے اپنا اثر جما لیا، یعنی خود نوشیرواں کا ایک بیٹا نوش زاد عیسائی ہوگیا اور اس نے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور شاہی خاندان کے بڑے بڑے ارکان نے اسکا ساتھ دیا، جو لوگ نوشیرواں کا دم بھرتے تھے انھیں سے بھی چند لوگ دل میں اسی کے طرفدار تھے چنانچہ جب دھوکے سے ایک دفعہ نوش زاد کو گرفتار کر لیا تو ان لوگوں نے دانستہ اسکو بھاگ جانے کا موقع دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی کتابیں اس زمانے میں بھی ضائع ہوئی ہونگی[1]

[1] تاریخ ایران، ابن اثیر، طبری ۱۲

مسلمانوں کو اگر زرتشت سے عداوت تھی تو مانی سے بھی نفرت ہوگی۔ مانی سابور کے زمانے کا ایک ایرانی عیسائی تھا جس نے نبی آخر الزمان (فارقلیط) ہونے کا دعویٰ کیا تھا، مسلمانوں کو اسکے ساتھ کوئی خاص خصوصیت نہ تھی (بلکہ مانی کو یقینی کاذب سمجھتے تھے کیونکہ وہ اگر سچا مان لیا جائے تو نعوذ باللہ رسول اللہ احمد موعود نہیں ٹھہرتے) مگر اسکے مذہب کی جسقدر کتابیں مل سکیں قدیم فارسی اور سریانی سے عربی میں ترجمہ کی گئیں چنانچہ خود مانی کے ۸۳ رسالوں اور چار کتابوں سفر الجبابرۃ سفر الاسرار، سفر الاحیاء، فرقماطیا کا عربی میں ترجمہ کیا گیا یہی چاروں کتابیں مذہب مانیہ کا اصل اصول تھیں۔ قباد کے زمانے میں مزدک نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا۔ اسکا اصل اصول یہ تھا کہ دولت اور عورت کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں ایک معمولی مزدور سا ایک بہت بڑے تاجر اور بادشاہ کی دولت میں قانوناً برابر کا حصہ دار ہے، مسلمانوں کو جسقدر زرتشت سے اجنبیت تھی اسی طرح مزدک سے بھی نفرت تھی لیکن اسکے مذہب کی کتابیں بھی عربی میں ترجمہ کی گئیں چنانچہ خود کتاب المزدک کا ترجمہ بنی عباس کے عہد میں کیا گیا[1]

طب، فلسفہ، قانون، فسانہ، تاریخ وسیر وغیرہ فنون کی نسبت جو کتابیں مل سکیں بنی امیہ اور بنی عباس کے عہد میں فارسی زبانوں سے عربی میں ترجمہ کی گئیں انکے علاوہ اور فنون جو ایران میں موجود تھے لیکن فن کی صورت میں مدون نہوئے تھے مسلمانوں نے انکو بھی مدون کیا چنانچہ رازی، صولی، عدلی، فلاح اور ابن الاقلیدسی وغیرہ نے صرف شطرنج اور نرد پر مستقل اور مفصل کتابیں تالیف کیں۔

(۴) حیرت ہے کہ مسلمانوں کو ایران کے علوم وفنون ضائع کرنے کا الزام دیا جاتا ہے حالانکہ مسلمانوں نے اور قوموں پر تو صرف یہ احسان کیا کہ ان کے علوم وفنون

[1] فہرست ابن ندیم

کو عربی میں نقل کرکے ہمیشہ کے لیے زندہ کردیا لیکن فارسی لٹریچر پر اس سے بڑھکر احسانات کیے۔ فارسی شاعری کا سنگ بنیاد مسلمانوں ہی کے ہاتھوں رکھا گیا میں اوپر بتا آیا ہوں کہ سریانی بھی فارس کی علمی زبانوں میں سے ایک زبان تھی مسلمانوں نے جہاں اور قوموں کے علوم عربی میں نقل کیے وہاں بہت سے علوم کا سریانی زبان مین بھی ترجمہ کیا چنانچہ حکیم جارج حکیم جبریل، حکیم بختیشوع کے لیے بہت سی طبی کتابیں رومی و یونانی زبانوں سے سریانی میں ترجمہ کی گئیں۔

اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام سے قبل ایران میں کس قدر کتب خانے تھے اور کیا ہوے، فرداً فرداً علماے ایران کے یہاں جسقدر فارسی کتابیں دستیاب ہوئیں سب عربی میں ہوگئیں، ایران میں کوئی مستقل کتبخانہ نہ تھا صرف ایک کتبخانہ کا پتہ چلتا ہے جسکا نام کُہَنْدَ ژْ (پرانا قلعہ) تھا اور زیادہ سے زیادہ ایک کتبخانہ جندی ساپور میں بتایا جاسکتا ہے، جندی ساپور کے تمام ارباب علم سلطنت عباسیہ میں اسی لیے ملازم تھے کہ نایاب و نادر کتابیں جمع کرکے عربی میں ترجمہ کرائیں اب ہم کو صرف کتبخانہ کہندژ کے متعلق غور کرنا ہے۔

ابن ندیم کتاب الوزراء کا حوالہ دے کر لکھتا ہے:-

کانت الکتب والرسائل قبل ملک گشتاسب بن لہراسب قلیلہ ولم یکن لہم اقتدار علی بسط الکلام واخراج المعانی لصحیح الالفاظ

گشتاسپ سے پہلے ایران میں کتابیں اور رسالے بہت کم تھے کیونکہ اہل فارس کو بتشریح بیان کرنے اور سلیس عبارت میں کچھ لکھنے کی قدرت نہ تھی۔

کتابت کا رواج جمشید کے عہد سے ہوا اور کیکاؤس تک صرف تین احکام لکھے گئے ایک تو خود جمشید کا حکم دوسرا فریدوں کا تیسرا کیکاؤس کا وہ حکم نامہ جو رستم کو بھیجا گیا کہ میں نے تجھے غلامی سے آزاد کیا اور سب تجھے

سیجستان کا والی مقرر کیا گشتاسپ کے بعد سے ایران میں پوری طرح سے کتابت رواج ہوگیا، آہستہ آہستہ دارا کے وقت تک دو کتبخانے جمع ہوگئے ایک تو خود دار السلطنت میں تھا دوسرا اصطخر میں مکندر مقدونی کے حملہ میں شاہی کتبخانہ بالکل برباد ہوگیا حتیٰ کہ اس نے وہاں کے کتبے بھی توڑ پھوڑ کر پھینک دیے مگر جب وہ اصطخر پہنچا تو اسے کسی طرح سے پتہ چل گیا کہ یہاں ایک عظیم الشان کتبخانہ ہے سکندر کو طب و فلسفہ کی جسقدر کتابیں ملیں انکو اسکندریہ بھیجدیا اور بقیہ کتابیں جنمیں غالباً قصص، افسانے، تاریخ و مذہب کی کتابیں ہونگی پھونک دی گئیں اسکے بعد مدت تک مذہبی اختلافات اور طوائف الملوکی کی وجہ سے ایران جہالت کی تاریکی میں پڑا رہا پھر سابور ذی الاکتاف نے ان اختلافات کو مٹا کر از سر نو ایران کی تہذیب کو زندہ کیا، نوشیروان کے وقت تک فارس کا آفتاب خط نصف النہار پر رہا پھر بہت جلد جلد ڈھلکر ڈوب گیا ان بادشاہوں نے مصر۔ شام، روم۔ یونان چین، ہندوستان وغیرہ متمدن ممالک سے کتابیں منگا کر فارسی میں ترجمہ کرائیں اور ان کتابوں کو اصفہان میں جمع کیا، اسی کتبخانے کا نام کتبخانہ گہندز یا پرانا قلعہ ہے

مسلمانوں سے بہت قبل یہ کتب خانہ گر کر خاک ہوچکا تھا چوتھی صدی ہجری میں معلوم ہوا کہ قدرت نے ہمارے لیے اصفہان میں جی رستاق کے کھنڈروں میں ایک عجیب و غریب دولت چھپا رکھی ہے، بڑی تلاش و جستجو کے بعد ۳۲۰ھ میں ابن العمید ی نے چند کتابیں پائیں جو بغداد بھیجی گئیں مگر یہ کتابیں چمڑے پر لکھی ہوئی تھیں، پہلے مسلمانوں کو اور جستجو ہوئی کیونکہ اہل ایران تو ذلیعنی خدنگ ان چھال پر کتابیں لکھتے تھے اس تفحص و جستجو کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۳۲۵ھ میں بہت سی کتابیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں جنکو بڑی دقت سے حل کیا گیا پھر بھی بہت سی کتابیں نہ پڑھی جاسکیں اس کتب خانہ میں ایک کتبہ بھی ملا جسمیں سے یہ

ظاہر ہوا کہ منجموں نے حملہ اہل غرب (اہل عرب) سے ۲۳۱ سال ۳ ماہ قبل اس حملے کی پیشین گوئی کی نیز یہ بھی بتایا کہ اگر کتابیں اصفہان میں جمع کی جائینگی تو صفحہ وہ محفوظ رہ سکینگی چنانچہ اہل غرب (عرب) کے حملے سے ۲۳۱ سال ۶۰ روز قبل اس کتبخانے کی بنیاد پڑی۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ اصفہان کے علاوہ کسی ایسی جگہ یہ کتابیں ہوتیں جہاں مسلمانوں اور ایرانیوں میں گھمسان کی لڑائیاں ہوئیں تو اس ہنگامۂ رستخیز میں شاید یہ کتبخانہ بھی ضائع ہوجاتا کیونکہ فاتحانہ جوش کا سیلاب تمام ملک کو زیر و زبر کر دیتا ہے۔

بیشک علوم و فنون کا تباہ کرنا اگر انھیں احسانات کا نام ہے تو یقیناً ہم نے ساری دنیا کے علوم و فنون کو برباد کر دیا (جسکی کوئی بیّن دلیل ہمارے سامنے پیش نہیں کیجاتی۔)

باقی رہا یورپ کے اعتراضات کا جواب تو کلکتہ کے بلیک ہول کا واقعہ بھی ایسا ہی دھوم دھام سے بیان کیا جاتا ہے گویا ایک مستند تاریخی واقعہ ہے اسکندریہ کا کتبخانہ جلانے کا واقعہ اس بلند آہنگی سے بیان کیا جاتا ہے گویا ایک مسلمہ امر ہے۔ عالمگیر کو اس طرح بدنام کیا گیا ہے کہ اسکے ظلم و جور کی داستانیں آج بچے بچے کی زبان پر ہیں۔

جلال ندوی

ہم سب کے لیے یہ بڑی خوشی کی بات ہوتی اگر ہم بہتری کی اتنی ہی زیادہ قدر کرتے جتنی بدتری کی مذمت کرتے ہیں۔

"سوفٹی"

حُسن سعادت

(سلسلے کے لیے گذشتہ نمبر ملاحظہ ہو)

(۹)

شکیلہ چپ ہو رہی جمیلہ نے آرام دہ طریقے سے چپی کرنا شروع کی درد کی کمی اور راحت ملنے کی وجہ سے بہت جلد نیند آگئی لیکن دماغ میں عجیب عجیب خیالات چکر لگا رہے تھے دل میں گذشتہ نادانیوں کا کانٹا کھٹک رہا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا خود کردہ غلطیوں کا خمیازہ مل رہا ہے سوتے سوتے چونک پڑتی تھی جیسے جمیلہ آزار کا باعث سمجھکر سہم جاتی نصف رات سے زیادہ گذر گئی ٹھنڈی ہوا سے خنکی محسوس ہونے لگی خاموشی کی فضا میں نیند نے غلبہ کیا خاصدان سے پان نکال کر کھایا آنکھوں کو پانی سے ترکیا نیند میں ذرا کمی ہوی اسوقت شکیلہ بیخبر سو رہی تھی بیماری کا مطلق اثر نہ تھا البتہ شرمندگی اور انفعال کی وہی حالت تھی اس نے خواب دیکھا کہ وہ ایک صحرائے لق ودق میں کھڑی ہے جسکے چاروں طرف خار وار درختوں کی گنجان جھاڑیاں حائل کیے ہیں آفتاب پوری حدت کے ساتھ سطح فلک پر جلالی شان و تجلی سے جلوہ گر ہے جنگل میں ہُو کا عالم طاری ہے خون آشام درندوں کی خوفناک صدائیں ہلائے دیتی ہیں اس نے عالم اضطرار میں چاروں جانب نظر دوڑائی کوئی مدد و مددگار نظر نہ آیا انسان تو انسان اسکا نقش قدم بھی دکھائی نہ دیا گھبراکر قدم اُٹھایا خدا کو یاد کرتی ہوی ایک سمت روانہ ہوی دھوپ کی تیزی سے ریگ بیابان آگ کی طرح جل رہی تھی خودرو درختوں کے بڑے بڑے کانٹے تلووں سے پار ہوے جاتے تھے پیاس کی حد وانتہا نہ تھی لیکن وہ ہمت نہ ہاری اسی طرح تیزی سے مسافت طے کرتی رہی

چلتے چلتے دن قریب اختتام پہنچا پرندے چہچک کر اپنے اپنے آشیانوں میں آبیٹھے سواد شام کا پُرفضا منظر بھی اسی دشت ہولناک میں روح فرسا معلوم ہوتا تھا آخر تھک کر دم لینا چاہا تو دیکھا وہی مقام تھا جہاں سے صبح چلی تھی رات ہوئی دکھیا عورت پر خوف و رجا کا عالم طاری ہوا درندوں کی مہیب صدائیں جاڑے کی کثرت سے سرد ہواؤں کے دلدوز تیر فنا کیے دیتے تھے اسے ایسے تغیر نے استعجاب میں ڈالدیا دوپہر کو صحرا کا موسم نہایت گرم نمونہ دوزخ تھا رات ہوتے ہی رت بدل گئی سردی سے دانت کٹکٹانے لگے تاریکی بڑھ رہی تھی وہ چاروں طرف جائے امن تلاش کرنے لگی ایک مقام پر پتاور کا انبار معلوم ہوا وہ بیخوف اُسمیں دبک کر بیٹھ رہی زہریلے کیڑوں کا خوف خون خشک کیے ڈالتا تھا لیکن وقت اور سردی سے بچنے کے لیے کچھ پرواہ نہ کی خدا خدا کرکے رات ختم ہوئی یہ عجیب بات ہے پو پھٹتے ہی آسمان سے پھر آگ برسنے لگی بجائے نسیم سحری کے سرد سرد جھونکوں کے بولے تن کے جھاڑ چلنے لگے اس نے آج پھر سابق کی طرح وہاں سے نکلنے کی کوشش کی مگر آج دوسری جانب روانہ ہوئی پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے اور زبان شدت تشنگی سے سوکھ کر باہر نکل آئی تھی تمام بدن سے چنگاریاں اُٹھ رہی تھیں اور دل میں سمجھ لیا تھا اس جنگل سے جان سلامت لیجانا ممکن نہیں ناامیدی کے بھیانک خیال نے ہمت پست کردی اور وہ تھک کر گر پڑی نہیں معلوم غشی کی حالت میں کتنی دیر پڑی رہی مگر جب بیہوشی سے افاقہ ہوا تو پُر ہول جنگل کا نشان بھی نہ پایا جاسکے اسکے خود کو قدرت کے زمردیں فرش پر ایک لالہ زار میں پڑے ہوئے پایا نہ زبان شدت تشنگی سے کانٹا تھی نہ پاؤں میں آبلے تھے ٹھنڈی ہوا کے دلخوش کن جھونکے چل رہے تھے اور صبح صادق کا نورانی منظر تھا میوؤں کے خودرو درخت لہلہا رہے تھے ڈالیاں بار کے بوجھ سے زمین کی طرف جھکی پڑتی تھیں دو روز گذر چکے تھے منہ میں ایک کھیل بھی اُڑکر نہ پہنچی تھی لہذا

جائے استراحت سے اٹھی تھوڑے ہی سے پھل توڑ کر کھائے عمر بھر میں ایسے لذیذ میوے چکھنے میں نہ آئے تھے جب شکم پری کر چکی تو اپنے ہمجنس بنی نوع انسان کی تلاش میں ادھر اُدھر گشت لگانے لگی تمام دن چلا کی قریب شام ایک مقام پر تھک کر بیٹھ گئی یہ معلوم کر کے اُسکی حیرت کی کوئی حد نہ رہی کہ آسمان کی وہی کیفیت تھی جو اس نے غفلت سے آنکھ کھول کر دیکھی تھی وہی صبح کا سہانا دلکش منظر وہی ٹھنڈی ہوا کی مستانہ روش وہی سفیدۂ سحری کی نمود اُس نے اپنے دل میں خیال کیا شاید میں بہشت میں زندہ داخل کر لی گئی ہوں لیکن ایسا ممکن نہ تھا البتہ بعض نبی اس مرتبہ پر فائز ہوئے ہیں ایک دنیا دار عورت جسکا عضو عضو عصیان میں آلودہ ہے کیونکر زندگی میں جنت کی سیر کر سکتی ہے اور ایسے جلیل القدر مرتبہ کو پہنچ سکتی ہے۔

ہنوز وہ اپنے خیالات میں مستغرق تھی کہ کسی غیر مانوس آواز نے چونکا دیا اس نے سر اُٹھا کر دیکھا سامنے ایک عالیشان عمارت نظر آئی جسطرح قصہ کہانیوں میں جواہر نگار مکان بنے ہوئے سنے تھے آج آنکھوں سے دیکھ لیے قصر کی چوٹی پر ایک نشان نصب تھا جس کا ضیا بار پرچم ہوا سے لہرا رہا تھا اور آب زر نور کی سیاہی سے جلی حرفوں میں رقم تھا (نیک منزل) اس نے قصد کیا اُٹھکر محل میں داخل ہو لیکن آنکھ کھل گئی نماز صبح کا وقت تھا جمیلہ اسی طرح بیٹھی ہوئی پاؤں دبا رہی تھی۔

شکیلہ بیگم۔ بیٹا جمیلہ تم رات بھر نہیں سوئیں بیٹھے بیٹھے شل ہو گئی ہو گی۔

جمیلہ۔ مجھے بالکل تھکن نہیں کئی مرتبہ سونے کا قصد کیا نیند ہی نہ آئی خدا نکرے اتنے درد نہیں ہے۔

شکیلہ بیگم۔ شدنی تھی ہو گئی شکر ہے اب کوئی شکایت نہیں ہاں سوتے میں ایک خواب دیکھا ہے جو نماز پڑھکر بیاں کروں گی۔

اسکے بعد دونوں نے نماز پڑھی پھر شکیلہ نے اپنا خواب بیان کیا جمیلہ تعبیر سمجھ گئی

لیکن بہو نہ کہا شکیلہ بیگم نے خود ہی کہا۔

شکیلہ بیگم۔ بیٹا وہ دشت پُرخار جسے جہنم کہنا چاہیے اُن گنہگاروں کے رہنے کی جگہ ہے جنھوں نے اپنی حکومت کے زعم میں زیردستوں کو تکلیفیں پہنچائی ہیں اور وہ پُرفضا صحرا جو نمونۂ بہشت تھا مع نیک منزل کے ان مستورات کے واسطے مخصوص ہے جنھوں نے دنیا میں نیکی اور ایمانداری سے زندگی بسر کی بیٹا جمیلہ گو تم سن میں مجھ سے چھوٹی ہو لیکن مرتبہ میں افضل و اعلےٰ ہو میں تم سے دست بستہ معافی کی خواستگار ہوں اور خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں آئندہ کبھی بدمزاجی نہ کروں گی کیونکہ اسی کی بدولت قعر جہنم میں گرنے والی تھی شکر ہے بہت جلد سنبھل گئی۔

جمیلہ۔ (دست بستہ) امی جان آپ کیا فرماتی ہیں میں آپ کی ادنیٰ کنیز ہوں خطا کیسی قصور کہاں کا آپ مالک ہیں اگر اصلاحاً تنبیہ کی تو کیا حرج ہو گیا اور اگر آپکی یہی مرضی ہے کہ میں چھوٹے منھ سے بڑی بات نکالوں تو آپ کی اطاعت مجھپر فرض ہے کہ آپ کے ارشاد کی تعمیل کروں۔

شکیلہ بیگم۔ بیٹا میری یہی خوشی ہے ایکبار تم اپنی زبان سے کہدو میں نے معاف کیا۔

جمیلہ۔ بہتر ہے میں نے معاف کیا اب آپ بھی میرا قصور بحل کیجیے۔

شکیلہ۔ (گلے لگا کر) بیٹا تم فخر خاندان ہو میں نے معاف کیا میرے خدا نے معاف کیا۔

(۱۰)

قیصر اور افسر حسین علیگڈھ سے شاد کام واپس آ گئے ہیں قیصر کو صرف وکالت کا امتحان دینا باقی ہے وہ اپنی بیوی کی وفا شعاری کا تہ دل سے مشکور ہے خصوصاً اس بات سے نہایت مسرور ہے کہ اب اسکی ماں کسی پر غصہ نہیں کرتی وہ اپنی نیک نہاد بہو کو جان و دل سے عزیز سمجھنے لگی ہے اور افسر حسین سے بھی معافی مانگ لی ہے گھر میں خدا نے پہلے سے دس گنی برکت عطا فرمائی انتظام خانہ داری جمیلہ بیگم کے سپرد ہے جیسے وہ

سلیقہ مندی اور مستعدی سے انجام دیتی ہے قیصر اسی طرح دن بھر پڑھنے میں مشغول رہتا ہے سہ پہر کو چہل قدمی کرکے جب گھر واپس آتا ہے تو جمیلہ کو کاموں میں منہمک پاتا ہے آٹھ بجے شب کو کھانے سے فارغ ہو کر وہ بھی اخلاقی کتب کا مطالعہ کرتی ہے بارہ بجے رات تک میاں بیوی علمی مشاغل اور مزیدار باتوں میں دل بہلاتے ہیں صبح سے پھر وہی معمولی طریقہ ہو جاتا ہے ایک روز حسب معمول کھانا کھا کر دونوں زن و شوہر مطالعہ میں مصروف تھے کہ جمیلہ نے ہنس کر کہا

جمیلہ - سچ ہے لاکھ کچھ ہو پھر بھی کسی نہ کسی موقع پر مرد بیوفائی کر گذرتے ہیں -

قیصر - بالعموم نہ کہو ع خدا پنج انگشت یکساں نکرد - ایک مثال میں ہی ہوں -

جمیلہ "مسکرا کر" ابھی کل کی بات ہے علیگڈہ سے حکمنامہ صادر فرمایا تھا جمیلہ اپنے میکے سوار کردی جائے اگر قصور دریافت کیا جائے تو جواب بھی نہ سوجھے یہ ایسی چبھتی ہوئی بات تھی کہ قیصر سے جواب نہ بن پڑا خجالت سے سر جھکا لیا چہرہ فرط ندامت سے متغیر ہو گیا جمیلہ یہ حال دیکھکر نادم ہو گئی اس نے تفریحاً ذکر کیا تھا صدمہ پہنچانا منظور نہ تھا وہ سوچنے لگی کس طرح اس ذکر کو ٹالنا چاہیے تھوڑے سکوت کے بعد بولی -

جمیلہ - من جانب اللہ یہ شرف عورتوں کو ملا ہے کہ وہ کسی کا نادم ہونا بھی نہیں دیکھ سکتیں اپنی کریم النفسی سے خطا کاروں کی تقصیر معاف کر دیتی ہیں اسوقت تمہاری شرمندگی نے سفارش کرکے یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ میں نے تمہاری غلطیاں بطیب خاطر معاف کیں -

قیصر "خوش ہو کر" میں معترف ہوں واقعی تم خدا کا نیک فرشتہ ہو جو میری زندگی کو باکیف بنانے کے لیے بھیجا گیا ہے تم جنت کی حور ہو جسے خداوند عالم نے مجھے دنیا میں عطا فرمایا ہے -

اس مختصر تقریر کے بعد جمیلہ نے حیایانہ ادا کے ساتھ سر جھکا لیا اور قیصر کا دست شوق ذوق ہم آغوشی میں جمیلہ کی جانب دراز ہوا -

مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

غزلیات

(حضرت سائل دہلوی)

بیٹھے بیٹھے او دلِ ناکام یہ کیا ہو گیا
یاس کے بدلے طرفدارِ تمنا ہو گیا

تھا جنوں کا مادہ مجنوں کو سودا ہو گیا
جو اُسے عاشق بتاتے ہیں اُنھیں کیا ہو گیا

خاک تیرا خوگرِ بیداد اچھا ہو گیا
درد کے مٹنے کا دل میں درد پیدا ہو گیا

کیا بتاؤں میں ترے آنے سے کیا کیا ہو گیا
باؤ بھر دل بڑھ گیا دگنا کلیجا ہو گیا

رشک تو نی چاہیے تھی طالبِ دیدار کی
پوچھ تو لیتا تھا چھوٹے منہ تجھے کیا ہو گیا

تھا سبب رسوائیوں کا میرا ضبطِ بے محل
اسکا رونا ہے کہ رازِ عشق افشا ہو گیا

اس مثل کا اصل مطلب قبر کے اندر کھلا
چار دن کی چاندنی تھی پھر اندھیرا ہو گیا

ناگوارِ طبعِ نازک پہلے لاکھوں امر تھے
جب تجھے دل دے دیا سب کچھ گوارا ہو گیا

دھجیاں خط کی اڑا کر نامہ بر کو سونپ دیں
کہہ دیا بس یاس ہیچ عرضِ تمنا ہو گیا

نیمجاں کی جاں بری کا اب تو خدشہ کچھ نہیں
خوش ہوا دل آپ کا ٹھنڈا کلیجا ہو گیا

دیکھ لیتے تھے ترے کوچے کے ہنگامے بہت
صبح میدانِ محشر اک تماشا ہو گیا

ہاتھ کیا آیا دو اُبھارہ تیرے چشمِ تر
بیاباں اشکِ بداماں سے اور پیدا ہو گیا

کام آئی قیس کے اُسکے جنوں کی پختگی
جو تصور آگیا تصویرِ لیلیٰ ہو گیا

تجھ پہ مرنے سے ہوا ہے انتہا ذوقِ زیست
وہ قد ... طلسمِ مرگ جیسے ہو گیا

میں سمجھتا ہوں کہ سائل موجبِ شہرت ہے نام
لوگ کہتے ہیں اسی سے اور رسوا ہو گیا

حضرت طا...

خار دشتِ جاں کے چھوڑے ... ذوقِ نالہ سے کو
وہ اگر آئیں لگا جائیں ٹھکانے تیر ہم

روبرو اُس گلِ صد برگ کے جانا ہوگا
پیرہن میں ہیں بہت پھول لبانے ہمکو

آسمانوں پہ ملائک سے کریں گے پرواز
آ گئے عقل سے اب پر بھی لگانے ہمکو

طائرِ دل کا نشیمن ہیں کسی کی زلفیں
دی ہے چوٹی کی جگہ بخت رسا نے ہمکو

چل دیا قیس اُٹھا بادیہ گردی کی بہار
دشت میں چھوڑ گیا خاک اُڑانے ہمکو

نازشِ حسن شرف اپنا ہے شکرِ مضمر
نعمتیں خود یہ عطا کی ہیں خدا نے ہمکو

ایک ہم - دیکھو اُسے جانتے ہیں بے دیکھے
ایک وہ - دیکھ کے جانے کہ نہ جانے ہمکو

باد و باراں سے مٹے قافلہ کے نقشِ قدم
خضر کا کام دیا بانگ درا نے ہم کو

چاند سورج سے چکا چوند ہے یہ عالم میں
داغ دل اور بھی باقی ہیں دکھانے ہم کو

نام پر حضرت غالب کے ہیں طالب جو نثار
نقدِ معنی کے لٹاتے ہیں خزانے ہم کو

(حضرت صفی لکھنوی)

جی رہے ہیں انتظارِ وعدۂ دیدار میں
ورنہ کب کے مر گئے ہوتے فراقِ یار میں

نامزد ہوں عشقِ ہلالِ ابروئے خمدار میں
اُنگلیاں اُٹھتی ہیں مجھپر کوچہ و بازار میں

میرے پہلو میں کبھی ہے صحبتِ اغیار میں
کس قیامت کا تلوّن ہے مزاجِ یار میں

اب کہاں تک خاک چھنوائے گا لے جوشِ جنوں
ہو گئے تلوے تو چھلنی وادیِ پُرخار میں

نشترِ دل سے ہوا کھا کر ہرے ہوتے ہیں زخم
سینہ ریشان محبت جائیں کیا گلزار میں

ناتوانی سے بڑھی نازک دماغی اسقدر
سانس بھی آہستہ چلتی ہے تنِ بیمار میں

کیا کریں سیرِ لبِ دستِ [illegible] گوشہ گیر
کون کھائے ٹھوکریں اس راہ ناہموار میں

موت نے پوچھا ہمیں آ کر نہ تم نے لی خبر
ایڑیاں رگڑا کیے ہم عشق کے آزار میں

رشک سے دیکھا کیے ہم یار کو ہمراہ غیر
زہرِ قاتل بھی ملا تھا شربتِ دیدار میں

ہم غریبوں کا خدا جانے وہاں کیا حشر ہو
کون پوچھے گا بھلا اتنے بڑے دربار میں

سوتے ہیں کیا بے خبر کنج لحد میں وہ صفی
نیند آتی ہی نہ تھی جنکو مکاں ستا رہیں

حضرت آرزو لکھنوی

جسکی آئینۂ دل میں ابھی صورت دیکھی — چھپ کے اُس دیکھنے والے کی بھی حالت دیکھی
سرحد ملک عدم ہے ترے کوچہ کی زمیں — بنکے دو دن بھی نہ رہتے کوئی تربت دیکھی
نشۂ عشق پہ غالب نہوا نشۂ مے — نہ بہکتے کسی عاشق کی طبیعت دیکھی
ہمکو اپنا دلِ مایوس بہت یاد آیا — خون ہوتے جو کسی شخص کی حسرت دیکھی
آخر جوشِ غم دل نہ چھپائے سے چھپا — جب تجھے اشک ٹپکتے ہوے حسرت دیکھی
دو گھڑی ہو نہیں ہوی چارہ گری اُنکی تمام — گھاؤ دل کا کبھی دیکھا کبھی صورت دیکھی
بے دیدار یہ رویا کہ گئی بینائی — پھوٹتے اشک بھری آنکھوں نے قسمت دیکھی
رخصت درد محبت نہ اسے جانیے گا — مر رہے یوں کہ تڑپنے کی نہ طاقت دیکھی
تو زانو ہی بدلتے رہے اُٹھنے کے لیے — صبر کی دل سے یہاں پہلے ہی رخصت دیکھی
سوزِ پنہاں تجھے اللہ سلامت رکھے — شمع آندھی میں بھی روشن سرِ تربت دیکھی
زندگی میں تو نہ آتا دلِ محزوں کو قرار — زہر اسوجہ سے کھایا کہ ضرورت دیکھی
رہ گیا کاٹ کے ہاتھوں کو ترا سودائی — جب گریباں سے اُلجھنے کی نہ طاقت دیکھی
دل سے اک آہ خدا جانے یہ کیسی نکلی — جانے والے نے پلٹ کر مری صورت دیکھی
دونوں آنکھوں سے گرے نزع میں دو قطرۂ خوں — یوں نکلتے ہوے دیدار کی حسرت دیکھی

آرزو بس یہ سفید و سیہ عالم سے تھے
صبح فرقت کبھی گہ شام مصیبت دیکھی

حضرت محشر لکھنوی

جدا ہو جائے ملزم بھی کبھی الزام سے پہلے — مرا دل لیلے اے ساقی عطائے جام سے پہلے

ترو پنا ہے نفس کا کونسی آنکھوں سے دیکھیں گے — خدایا مجکو موت آئے دل ناکام سے پہلے
سحر تک اب جگایا کرتے ہیں نالو نسے دنیا کو — گئے وہ دن کہ سو رہتے تھے جب ہم شام سے پہلے
چلے ہو جلوہ گاہ دوست میں میرا کہا مانو — اجازت لیلو اسے ہوش انجام کار سے پہلے
طلسم دلفریبی ٹوٹتے ہی ہو گئی شہرت — نہ تھے آگاہ دنیا والے تیرے نام سے پہلے
امید کامیابی خود بتا دے گی کہاں بیٹھیں — میان میکدہ آئے ہیں دور جام سے پہلے
دل کار آزمودہ پوچھتا ہے اس سے کیا کہدیں — ستم کیا ہوگا بتلا دو ہمیں الزام سے پہلے
اُٹھا کر زیست کی سختی نہ کیونکر سوؤں تربت میں — قسم کھاتا ہوں واقف نہ تھا آرام سے پہلے
خداوندا دل نازک کی ہستی کوئی ہستی ہے — اجل آتی ہو جسکو تمام غم انجام سے پہلے
جوانی آتے ہی بیٹھے ہو بنکر قاتل عالم — وہی تم ہو کہ ڈرتے تھے ستم کے نام سے پہلے
شب فرقت کی اندھیاری سے جانے رنگ کیا لائے — جلا رکھی ہیں شمعیں سائے گھر میں شام سے پہلے

غم فرقت وصال دوست کی تمہید ہے محشر
کہ ہوتی ہیں ہزاروں زحمتیں آرام سے پہلے

جناب سید محمد جعفر حسین عرف محمد صاحب بہار لکھنوی

شب غم ہر نفس کھنچکر نکلتا ہے مرے دل سے — مصیبت کا ذرا سا وقت بھی کٹتا ہے مشکل سے
معاذ اللہ سُننا اُنکا کب خالی ہے مشکل سے — وہ فریادیں جو نکلی ہوں کسی حسرت بھرے دل سے
یہ کیوں دنیائے ناکامی میں ہلچل ڈالدی تو نے — ارے او سر جھکا کر جانے والے کوئے قاتل سے
خلاف وقت تنہا قافلے والوں سے پوشیدہ — خدا جانے کہ میں کس دُھن میں چل نکلا ہوں منزل سے
معاذ اللہ وہ چُبھتی ہوی تقریر کے فقرے — یہی نشتر وہ ہیں جنکی کھٹک جاتی نہیں دل سے
ارے تو یہ کھنچا رہنا بھی اُنکا کیا قیامت ہے — ملے بیٹھے ہیں لیکن پھر الگ ہیں ساری محفل سے
نظام عالم ہستی پسند آتا نہیں بالکل — خدا محفوظ رکھے میرے گھبرائے ہوئے دل سے
بھرے آتے ہیں آنسو خود بخود قاتل کی آنکھوں میں — یہ کیسے ابخرے اُٹھتے ہیں خون گرم بسمل سے

خداوندا کشش تنی کسی کی کج ادائی میں		پھریں اسکی نگاہیں کیا کہ دنیا پھر گئی دل سے
دلنے بھر کی پہچینی خدائی بھر کی مایوسی		ہجوم یاس کا کیا پوچھنا آوارہ منزل سے
ملادیتے ہیں اب دنیائے حسن و عشق کو ملنے		زمانہ متفق ہونے لگا بے تابیٔ دل سے
مناسب جو مشیت کارساز حسن و الفت کی		کوئی مختار ہے دل کا کوئی مجبور ہے دل سے

بہار اب اس امید و بیم کی دنیا میں جو کچھ ہو
اٹھے جاتے ہیں ہم تو اک شکایت لیکے محفل سے

جناب نواب علی صاحب ہاشمی مونانی

محفل میں ترے شور کا جب ہے یہ پڑا ضبط		کی ہم نے بھی فریاد و فغاں آہ و بکا ضبط
کچھ تو دل شوریدہ کی سوزش میں کمی ہو		دے ایک ہی نالے کی مجھے رو ز رضا ضبط
تقاضہ نہا ٹھہرا لب جاں بخش کا بوسہ		ظالم نے مجھے قتل کیا اسکو کیا ضبط
دیکھا عم لعل لب دلدار میں آخر		خوں ہو کے بہا آنکھوں سے دل جب نہوا ضبط
ہولا کہ غم ہجر یہ اف تک نہیں کرتا		دل ضبط یہ عاشق ہے مرا دل یہ فدا ضبط
گو حق تھا یہ لب تک اسے ہم لائے نہ ہرگز		کم ظرف تھا منصور جسے ہو نہ سکا ضبط
خاموشی یہ کیا ناز ہے آنسو تو نہیں بند		لے شمع ابھی سیکھ مرے دل سے ذرا ضبط
پوشیدہ رکھا دل نے تو الفت کا بہت راز		آنکھوں نے مگر فاش کیا جب نہ ہوا ضبط
کیا کہتا ہے ناصح کہ نہ کیوں تو نے کیا ضبط		فرقت میں رہا نالۂ دل کا نہ ذرا ضبط

ہو ہاشمی یثرب کو رواں ہند سے جلدی
اب آ نہیں سکتا دل بیتاب سوا ضبط

حضرت عشرت لکھنوی

ہم اسیران ہوا و حرص ہیں دنیا قفس		سب تھے جسکو نشیمن ہے وہی اپنا قفس
جسم مردہ میں ہے ہی دم بھر نہ روح ناتواں		اڑ کے پہنچی باغ میں بلبل جہاں ٹوٹا قفس

کیا قلق کرتا ہے دم اپنا فراق یار میں — گھر نظر آتا ہے مجھ عاشق کو سرتا پا قفس
صدقے ایسی قید پر کیں سیکڑوں آزادیاں — مہرباں صیاد ہے اچھے سے ہے اچھا قفس
تنگنائے دہر میں آہوں کی گنجائش کہاں — آشیاں تو دور ہے چھوٹا سا ہے اپنا قفس
کچھ طبیعت ہی اسیری دوست ہے ورنہ اگر — اُف کروں تو جل کے خاکستر بنے سارا قفس
چار دن کی زندگی ہے بلبل ناشاد کی — اب اسیری ہو کہ آزادی نشیمن یا قفس

زندگی بھر قیدی آلام اے عشرت رہا
چار دیوار عناصر تھی مجھے میرا قفس

حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

دل سے میں کہہ رہا ہوں تجھ پر ہوا فدا میں — دل مجھ سے کہہ رہا ہے او بے خبر جلا میں
وہ نزع کی خموشی جام جہاں نما تھی — اک عمر کی کہانی دم بھر میں کہہ گیا میں
تڑپا دیا ہے دل کو شاباش ہم صفیرو — یوں ہی پھر اک صدا دو ٹوٹا قفس چلا میں
لے کا ہش محبت کیا اور جاہتی ہے — تیرا دیا مرض ہے پیتا نہیں دوا میں
دل کی جراحتوں کے مرہم کہاں سے لاؤں — پھٹتا رہا وہ دامن جسکو سیا کیا میں
ویرانہ قفس میں باتیں کروں تو کس سے — پہلے سے سُننے والے ہوتے تو بولتا میں
راحت ملی علائق دنیا کے قطع کر کے — گلشن میں نیند کھو کے کھاتا رہا ہوا میں
رکھتا ہے جذب کتنا کاشانہ محبت — دل نے نہ مڑ کے دیکھا دیتا رہا صدا میں
پھر اور کس طرح سے اُجڑے مکاں کو سجتا — قصر لحد میں آکر تصویر ہو گیا میں
خاموش شمع محفل کیا تجھسے ہم سخن ہوں — تو بے زباں نہ ہوتی تو حال پوچھتا میں

قبروں پہ میں نے ثاقب پھونکا دل و جگر کو
کچھ اور تھا نہ ممکن شمعیں جلا گیا میں

المذہب

جو احباب مجھ سے واقف ہیں وہ اس بات سے بھی واقف ہیں کہ باوجودیکہ مجکو اپنی پرائیوٹ حیثیت میں تبلیغ اسلام کا شوق ہے مگر مجکو دیگر مذاہب پر بیجا نکتہ چینی اور فرقہ بندی اور دل آزاری کی باتوں سے دلی نفرت ہے۔ میں نے دیگر مذاہب کے مطالعہ میں تھوڑا سا وقت صرف کیا ہے اور انکی خوبیوں کا بھی معترف ہوں۔ عرصہ دراز سے میری خواہش تھی کہ ایک ایسا ماہواری رسالہ جاری کیا جائے جسمیں حقانیت و فضیلت اسلام کے مضامین کے ساتھ نہایت بے تعصبی کے ساتھ دیگر مذاہب کی خوبیاں بھی بیان کی جائیں اور وہ رسالہ گویا کل مذاہب کا ایک آئینہ خانہ ہو جسمیں ہر مذہب کا خط و خال روشن طور پر نظر آئے۔ بحمد اللہ تعلیم یافتہ گروہ کا مذاق بھی اب اس خیال کا موید معلوم ہوتا ہے اور اسلیے اس قسم کا ایک ماہواری رسالہ المذہب کے نام سے انشاء اللہ عنقریب دفتر رسالۂ تمدّن سے جاری کیا جائیگا۔ قیمت سالانہ سے ر نمونہ کے پرچہ کی قیمت ۴ ر۔ درخواستیں بنام منیجر رسالہ المذہب روانہ فرمائی جائیں۔

میں ادب کے ساتھ درخواست کرتا ہوں کہ ہر فرقہ و مذہب کے اہل قلم اصحاب جو مندرجۂ بالا خیال کے موید ہوں مضامین عنایت فرمائیں۔ نیز جملہ احباب اور دیگر حضرات اسکی توسیع اشاعت میں مدد فرمائیں۔

مقصد اصلی یہ ہے کہ فلسفہ سائنس اور دیگر علوم جدیدہ کی روشنی میں مذہب کی روحانی اور اخلاقی خوبیاں بنی نوع انسان پر ظاہر کیجائیں اور انکے واسطے راحت قلب اور امن و دائمی حاصل کرنے کی ہدایتیں ہمدردی کے ساتھ جمع کی جائیں۔

خاکسار سرفراز حسین قادری دہلوی (علیگ) سیاح جاپان و انگلستان

ریویوز

"رحمۃ للعالمین" مصنفہ جناب قاضی محمد سلیمان صاحب سشن جج بھٹنڈہ ریاست پٹیالہ حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح مبارک پر مشتمل ہے۔ صاحب مصنف نے رسول مقبول صلعم کی ولادت مبارک، زمانۂ طفولیت، قبل از نبوت، نبوت، تبلیغ و وفات حسرت آیات کے حالات کو نہایت دلکش پیرایہ میں قلمبند فرمایا ہے۔ قرآن مجید، احادیث نبوی، اخبار، آثار، انجیل، صحف مقدسہ اور تاریخ کے حوالجات موقع بموقع درج کیے ہیں جس سے اس مبارک تصنیف کا پایۂ امتیاز بہت بڑھ گیا ہے۔ متنازعہ فیہ مسائل کو ایسی خوبصورتی سے ادا کیا ہے کہ گویا وہ کبھی متنازعہ فیہ نہ تھے۔ طرز استدلال و طرز بیان اس قدر سادہ اور اچھوتا ہے کہ گویا کوئی باتیں کر رہا ہے۔ میری رائے میں یہ کتاب اس وقت تک بدیع المثال ہے، اور یقین دلاتی ہے کہ اس کی دوسری اور تیسری جلدیں اپنی خوبیوں سے مملو ہوں گی۔ ہر مسلمان کے گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے، تاکہ آنکھوں کو نور، دل کو سرور، ایمان میں لذت اور طاعت میں حلاوت پیدا ہو۔ حجم ۳۲۰ صفحہ ۱۸×۲۰ ولایتی چکنے کاغذ پر عمدہ چھپائی قیمت عہ، حضرت مصنف کے پتہ سے مل سکتی ہے۔

رہنمائی مسافران ریلوے۔ بابو ہری نرائن داس صاحب کلرک فرد و ڈسٹرکٹ ٹریفک سپرنٹنڈنٹ آفس بی۔ بی۔ اینڈ سی۔ آئی ریلوے نے مذکورۂ بالا نام کی ایک کتاب ریل کے مسافروں کی آسانی کیلئے تصنیف کی ہے کتاب میں بڑے بڑے شہروں کے متعلق مختصر حالات درج کیے گئے ہیں جو مسافروں کے لیے کار آمد ہیں کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہمارے سامنے ہے مگر یہ پہلے ایڈیشن کے بغیر مکمل نہیں کہا جا سکتا ۲۸۴ صفحہ کی کتاب ۲۰×۲۶ سائز پر چھاپی گئی ہے قیمت ۱۲ روپے پتہ بابو ہری نرائن داس کوچہ سیٹھ دہلی

... واچ	بهشت ... واچ	ریلوے ریگولیٹر واچ	دائمی میل واچ	انگلش شیٹ ... واچ	زنانی چوڑیدار گھڑی
				نمبر ۳۲ گارنٹی ۲ سال قیمت ... 	نمبر ۷۹ گارنٹی ۲ سال ... 
نمبر ۶ ... اس گھڑی میں ... [illegible] قیمت ... روپیہ	نمبر ۶۱ ... گھڑی میں ... [illegible] ... گارنٹی ۵ سال قیمت چھ روپیہ ... نمبر ۶۳ ... چاندی کا ... کیس ... [illegible]	نمبر ۵۲ ... [illegible] ... قیمت پانچ روپیہ ... نمبر ۵۳ چاندی کا کیس ... گارنٹی ۵ سال قیمت ... آرام دار ... [illegible] ... اعلیٰ قیمت تین روپیہ	نمبر ۲ ... کیس ... نہایت خوبصورت ... صحیح وقت دینے ... گارنٹی ۳ سال قیمت چار روپیہ آٹھ آنے ... نمبر ۲۶ ... [illegible] ... عکسی قرآن شریف ... [illegible]	گھڑیاں ... انگلش شیٹ ... نہایت ... صحیح وقت دینے والی ہیں گارنٹی ۲ سال ... چار روپیہ آٹھ آنے ... نمبر ۷۳ چاندی کی ... [illegible] ... گارنٹی ۵ سال قیمت ...	نمبر ۷۹ ... گھڑی ایک خوشنما ... [illegible] ... گارنٹی ۲ سال قیمت ... نمبر ۸۰ ... [illegible] ... قیمت ... روپیہ

چوڑیاں ... [illegible] ... قیمت ... چوڑیاں ... نہایت نفیس ... [illegible] ... چوڑیاں ... قیمت فی جوڑہ ... [illegible]

المشتہر مولوی لطف اللہ خاں جنرل مرچنٹ نمبر ... دہلی

زمانہ حال کی نئی۔ انوکھی اور قابل قدر کتاب

آفتاب حقیقت

کی نسبت چند معزز ہستیوں کی رائیوں کا خلاصہ بمصداق مشتے نمونہ از خروارے

بزرگ محترم جناب مولوی علم الدین صاحب منشی فاضل لاہور — میں نے آفتاب حقیقت کو دیکھا اس میں ہر پیشوا کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے مذہب کی اصلی ضرورت اور حقانیت کو ظاہر کیا ہے سب ہی پیشوا و اعظموں کا فرض ہے کہ وہ اپنی ذاتی اغراض کو بالائے طاق رکھ کر مذہب کے اصلی راز سے پبلک کو آگاہ کریں۔ عام لوگ کو [illegible] صاحب کا ممنون ہو کر اس کتاب کو اول سے آخیر تک بنظر غور و تعمق دیکھنا چاہئے۔

جناب منشی غلام قادر صاحب فرخ امرتسری

علم آفتاب حقیقت کو اک نظر دیکھو
ضیائے علم حقیقی ہے جلوہ گر دیکھو

مفید خلق سراسر ہے اک نظر دیکھو
ہر اک بات ہے معقول و پُر اثر دیکھو

یہ گمرہوں کے لئے خضر راہ ہے گویا
چنے تمیز سپید و سیاہ ہے گویا

رعایت اور تعصب کا اس میں نام نہیں
کسی سے بغض نہیں۔ عزم انتقام نہیں

کچھ اور اس سے بجز رفاہ عام نہیں
ہو حرف میں کوئی جس پہ کلام نہیں

پیام راحت آرام ہے جہاں کے لئے
صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

جناب مولوی محمد حسین صاحب سکریٹری انجمن اتحاد مذاہب عالم رنگون — آفتاب حقیقت ایک نہایت مفید اور نادر کتاب مذہبی تحفہ جواہرات سے پُر ہے۔

جناب مولانا حکیم فیروز الدین صاحب فیروزی الغزائی امرتسر — ملا ہے جو نور بصیرت سے حصہ تو لو آفتاب حقیقت سے حصہ

یہ بھولے بھٹکوں کے لئے رہنما ہے
خدا کی قسم خضر راہ ہدیٰ ہے

یہ [illegible] راہ کا ہے
جرس کی صدا ہے یہ بانگ درا ہے

[illegible] مطلب کی
اسی میں مرکوز ہے فلاح سب کی

[illegible] کے قریب اس میں انوکھی اور قابل دید رنگین تصاویر ہیں جنہوں نے [illegible] کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ حجم مع تصاویر ۴۰۰ صفحہ قیمت [illegible]

[illegible]

[illegible] کتب خانہ [illegible] - گنج [illegible]

تمدن بک ایجنسی لکھنؤ

ناولہائے قاری | قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) کے اخلاقی ناول سعید۔ سعادت۔ شاہد۔ رعنا جو دوبارہ چھپکر قدردانوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں اب ایک مجموعے کی صورت میں چھپوائے گئے ہیں۔ ۳۰۰ صفحہ کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور جس میں مصنف کی ایک تصویر بھی ہے قیمت ۲؎

اسلام بائی قاری | قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) سیاح جاپان و انگلستان کے انگریزی زبان میں متصوفانہ مضامین کا مجموعہ۔ یہ مضامین بڑی قدر کے ساتھ امریکہ کے مشہور رسالوں میں چھپے تھے اب دوبارہ چھاپ کر نہایت خوبصورت جلد میں ہدیۂ شائقین کیے جاتے ہیں قیمت میں بھی تخفیف کر دی گئی ہے اور اب تا اطلاع ثانی اسکی قیمت مع محصولڈاک ۱۲ ؎

تہذیب الاسلام | جسمیں فلسفۂ یورپ کی تحقیقات موجودہ و تمدن و سائنس جدیدہ کے انکشافات کو اسلام کے مسائل حنفیہ کے ساتھ تطبیق اور محققین تمدن کے اعتراضات کی تردید کی گئی ہے اور مسلمانوں کے عروج و تنزل کا اصلی سبب بیان کیا گیا ہے قیمت فی جلد علاوہ محصولڈاک ۹؎

حیات سرور کائنات | قیمت فی جلد ۲؎

شکوہ | ترجمان حقیقت ڈاکٹر اقبال کی شہرۂ آفاق نظم قیمت ۱؎

عذر شکوہ | ڈاکٹر اقبال کے شکوہ کا جواب قیمت ۲؎

جواب شکوہ | ڈاکٹر اقبال کے قلم سے شکوہ کا جواب قیمت ۲؎

مسدس حالی | مولانا حالی مرحوم کی مسدس مد و جزر اسلام اور ضمیمہ مع سوانحعمری مولانا حالی مرحوم پاکٹ ایڈیشن پر نہایت صحت و صفائی کے ساتھ چھاپا گیا ہے قیمت فی جلد ۸؎

لسان الغیب | ڈاکٹر اقبال نے اپنی مثنوی اسرار خودی میں جو حافظ شیرازی پر نکتہ چینی کی ہے اس کا جواب قیمت فی جلد ۲؎

المذہب

اس نام کا ایک ماہواری رسالہ معقول تعداد خریداروں کی مہیا ہونے پر دفتر رسالہ "تمدن" پل جھاؤ لال لکھنؤ سے بسرپرستی قاری محمد سرفراز حسین صاحب دہلوی (علیگ) سیاح جاپان و انگلستان۔ پرائیوٹ مشنری اوف اسلام انشاءاللہ عنقریب جاری کیا جائیگا۔

اس رسالہ میں ایسے مضامین درج ہوں گے جنمیں **مذہب** کی خوبیاں فلسفہ عقلی۔ سائنس اور دیگر جدید علوم کی روسے بیان کی جائینگی اور تعصب۔ فرقہ بندی اور دل آزاری کی رکیک باتوں سے قطعاً احتراز کیا جائیگا۔ نیز یہ کوشش کیجائے گی کہ جدید علوم کی روشنی میں **عقل و نقل** کو جمع کرکے انسانوں میں اعلےٰ روحانی اور اخلاقی جذبات پیدا کیے جائیں **حقائق و فضیلت اسلام** کا ظاہر کرنا اس رسالہ کا **ممتاز** فرض ہوگا مگر دیگر مذاہب کی خوبیوں سے ہرگز ہرگز چشم پوشی نہ کیجائے گی اور ہر ملت و ادیان ملل کے ساتھ کما حقہ انصاف کیا جائیگا قیمت سالانہ تین روپیے

نمونے کے پرچہ کی قیمت ۴/

درخواستیں بنام منیجر المذہب۔ پل جھاؤ لال لکھنؤ۔ ارسال فرمائی جائیں۔

بیگم

اس ماہواری رسالہ کا واحد مقصد نظم و نثر میں خواتین کے لیے مفید اور دلچسپ مہذب باتیں جمع کرنا ہے [illegible] شہزادی صاحبہ (ح ج بیگم اہلیہ قاری محمد سرفراز حسین صاحب دہلوی (علیگ) کی ملالت کیوجہ سے ملتوی تھا اب یہ رسالہ انشاءاللہ عنقریب جاری کیا جائیگا قیمت سالانہ [illegible] ہونے کے پہلے [illegible]

درخواستیں بنام منیجر رسالہ بیگم پل جھاؤ لال لکھنؤ۔ ارسال فرمائی جائیں

جولائی ۱۹۱۶ء

تمدن

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی۔ اور علمی مضامین کا

مخزن

ایڈیٹر ایم اے قاری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قاری

محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
اپنے ساتھ وفاداری۔ خان بہادر سلطان احمد صاحب	۱	شدید کا مشاعرہ	۳۳
غزل ظرافت۔ حضرت ظریف لکھنوی	۱۰	گیتا نجلی۔ یوسف علی صاحب	۳۷
شاعری۔ حضرت عزیز لکھنوی	۱۱	انتخاب اخبارات۔ آغا غلام حسین صاحب	۴۲
ملک الموت اور مختصر۔ مولانا حکیم سید علی صاحب آشفتہ لکھنوی	۱۲	اعراب ماہیت کا [illegible]	
خود داری۔ حکیم سید مظفر حسین صاحب [illegible]		ساقی نامہ مشاعرہ۔ آشفتہ لکھنوی	۵۰
کوکل۔ محمد جمیل صاحب بدایونی گیاوی	۲۰	حضرت مختصر لکھنوی [illegible]	
انسانی کوشش۔ محمد اسمٰعیل صاحب [illegible]	۲۹	دہلوی۔ حکیم لکھنوی [illegible]	
نصیر شام۔ [illegible]	۳۲	[illegible]	

بستر [illegible] اردو بازار نگ پریس لکھنؤ میں چھپا [illegible]

[illegible] قیمت سالانہ [illegible]

قواعد

(۱) تمدّن ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو لکھنؤ سے شایع ہوتا ہے

(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر بُرا اثر پڑے یا فاتیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے ہوے ہوں درج تمدّن نہیں ہوتے۔

(۳) مضامین نظم ونثر ہر ماہ کی ۱۰ تاریخ تک آجاتے چاہئیں۔

(۴) جو مضمون کسی دوسرے رسالے میں درج ہو چکا ہو اُس کو تمدّن کے لیے ارسال نہ کرنا چاہیے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی نمبر نہ پہنچے تو اُسی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک طلب کریں ورنہ پھر چار آنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا۔

(۶) ناتمام مضامین درج تمدّن نہیں ہو سکتے۔

عجیب خبر

آلہ سیرِ عالم کو سرہانے کے نیچے رکھکر سونے سے اندر والا جسم سے باہر نکل کر عالم بالا میں پرواز کرتا ہے تم سونے سے پہلے سیرِ عالم سے کہدو اور وہ تمھیں حسب منشا آبشار نیاگرا یا کشمیر کی پُرفضا سرسبز وادی کو یا سوئٹزرلینڈ کے سربفلک پہاڑوں کی سیر دکھادیگا اور تمھیں ایسا معلوم ہوگا کہ گویا ہوا میں اُڑتے اُڑتے وہاں کی سیر کر رہے ہو اور جسم تمھارا گھر میں چارپائی پر پڑا ہوا ہے۔ ان مزیدار سیروں سے ایسی خوشی حاصل ہوگی کہ اسکے مقابل میں دنیا بھر کی خوشیوں کو ہیچ و پوچ سمجھو گے۔

[illegible] اوہ کیا خبر پڑھکر آج کیسے حیرت کیوں ہوئے جاتے ہو۔ دیکھو تمھارے دل میں رفتہ رفتہ [illegible] سمجھ لینا خوب [illegible] وقت کا [illegible] ہوگا۔ لیکن عالی [illegible] خواہشاد [illegible] [illegible] نام ایک خط لکھکر آزما دیکھو۔

تمدن

اپنے ساتھ وفاداری

زاں تخم کہ بود در دل ما   گلہا بہ شگفت از گل ما

وفاداری ایک ایسا جوہر ہے جسکی قیمت ہر وقت اور ہر بازار میں ہمیشہ خصوصیت رکھتی ہے جہاں وفاداری ہوتی ہے وہاں دیگر اچھی اچھی خصوصیتیں بھی قیمت میں گھٹ جاتی ہیں۔

حُسن اوصاف انسانی میں ایک ایسی صفت ہے جو بعض اوقات اپنی شہرت اور اپنی وقعت میں بہت کچھ برتری رکھتا ہے اور اسکے تاثرات دل ودماغ کے واسطے ایک بڑی حد تک جاذب اور موثر ثابت ہوتے ہیں حُسن میں ایک ایسی طاقت خداداد ہوتی ہے کہ بڑے بڑے مضبوط دل ودماغ والے انسان بھی اسکی کشش سے کمزور پڑ جاتے ہیں اور اسکی زد سے بمشکل ہی بچ سکتے ہیں۔

آں چناں کرد عشق داغ مرا   کرد دل باند نے دماغ مرا

جو دل حسن رکھتا ہے جس میں قدرت کی خوبیوں اور دلاویزیوں کا احساس ہے جو دماغ قدرت کے محاسن اور مناظر کا نقاد ہے وہ کسی قدرتی خوبی قدرتی عمدگی اور قدرتی دلاویزی کے مقابلہ میں متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا جو لوگ ایسا جذبہ نہیں رکھتے وہ گویا دل و جگر ہی نہیں رکھتے۔

احساس محاسن نہیں رکھتا ہے جو دل

کوئی اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا

حُسن صرف انسان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں کائنات میں اور بھی صدہا ایسی ہستیاں ہیں کہ جو اپنی فطری- قدرتی دلاویزیوں اور خوبیوں کے اعتبار سے حسن و شرحسن جذاب رکھتی ہیں اُن کا حسن انسانی حُسن سے کم نہیں ہوتا انسانی حُسن بلاشبہ ایک حُسن ناطق ہے لیکن دیگر اشیا کا حسن اور دلاویزی بھی زبان حال رکھتی ہے اگر بہت سی روحیں انسانی حُسن کی دلدادہ ہیں تو بہت سی دیگر حُسن کائنات کی بھی مشتاق دلدادہ اور مائل رہیں انسانی حُسن باوجود اس قدر عظمت احترام تاثرات اور جذبات کے بھی چند ہی روز کا مہمان ہوتا ہے بگڑ کر اس میں فیصدی پانچ بھی اثر اور جذب نہیں رہتا بلکہ مصداق اس فلسفے کے کہ جب کوئی لطیف شے لطیف ہستی بگڑتی ہے تو زیادہ بگڑتی ہے صدہا حسین مرد اور حسینہ عورتیں دنیا میں ایسی بھی گذری ہیں کہ جنکا حُسن جنکے حُسن کی دلاویزی ایک اعجاز رکھتی تھی لیکن چند ہی روز گذرنے کے بعد ایک ہی عارضہ سے اُنکا حسن اور اُنکے حُسن کی دلاویزی اور گرم بازاری ایسی بگڑی اور ایسی کافور ہوئی کہ اُن کے چاہنے والے بھی ان کے ذکر اور اُن کے نام سے متنفر اور بیزار رہتے تھے۔

واقف چہ شد امروز کہ گذشت آفت جانم

جانانہ کہ دیروز مرا داشت جاں بود

ظاہری شکل وصورت ظاہری ناز وادا ظاہری موثرات ظاہری جذبات اور ظاہری دلچسپیاں کچھ دنوں کے بعد ختم پڑ جاتی ہیں اور وہ شوق وہ آرزو جو شروع میں ہوتی ہے اخیر میں رفتہ رفتہ گھٹتی جاتی ہے اس وقت ان سارے محاسن اور خوبیوں کے مقابلے میں حسینوں میں صرف ایک ہی خوبی دیکھی جاتی ہے صرف ایک ہی حسن کو فوقیت دی جاتی ہے وہ کیا ہے جسے دنیا میں۔

"وفا کہتے ہیں"

"یا حسن وفا"

ایک جاں نثار طالب کے واسطے اس سے زیادہ کسی مطلوب میں کوئی بھی حسن اور کوئی بھی خوبی نہیں ہوتی جو (وفا) سے زیادہ قیمتی محترم موثر وجاذب ہو یہ خوبی یہ حسن ایک حسین کی تمام نقوشی اور ظاہری زیبوں سے بازی لیجاتی ہے جب یہ خوبی نہیں ہوتی طالب کی طلب آرزو رفتہ رفتہ گھٹتی جاتی ہے اور ایک طالب کے واسطے ایک حسین یا ایک مطلوب کی ساری خوبیاں نایاب سراب سے زیادہ قیمت اور زیادہ ہستی نہیں رکھتیں۔ جب ایک طالب ایک طرف نمائشی نقش وسراپا اور خط وخال دیکھتا ہے اور اپنے دل ودماغ میں تاثیرات کا ایک ہجوم اندر متوج پاتا ہے اور دوسری طرف جب عدم وفا میں کمی اور انحراف دیکھتا ہے تو باوجود تاثیرات حسن اور جذبات خوبی کے اس کا دل اور اس کا دماغ فوراً ہی اپنے اندر اور اپنے جوف میں ایک ایسی نفرت اور کدورت پاتا ہے کہ تمام فریب کی دلآویزیاں جو حسن مطبوع کی بدولت اسکے دل ودماغ میں منقش اور منقوش تھیں پل میں محو ہوتی جاتی ہیں اسکا غصہ اسکی نفرت اسکی بیزاری اور اسکا قلق یہانتک پہنچ جاتا ہے کہ وہ اس حسن اور اس دلآویزی کے مقابلے میں ایک بدصورتی ایک بھدے پن کو اس وجہ سے فوقیت اور امتیاز دیتا ہے کہ ان بدنما

نقوش اور ناخوش آیند خط و خال کے ساتھ جوہر (وفا) وہ آب و تاب رکھتا ہے کہ تمام عیوب اور کمیوں کا ایک خوبی کے ساتھ معاوضہ حسنہ ہوجاتا ہے اور ایسے طالب کے تمام جذبات حُسن یا انتخاب حُسن بدصورتی کی جانب منتقل ہوکر صرف عہد (وفا) کے خادم اور تابع ہوجاتے ہیں اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ

حسن حُسن کے ساتھ وفا نہیں جو خوبی وفا سے بعید ہے وہ محض نمایشی کیفیات کی وجہ سے بہت ہی کم پرستش طالبانہ کے قابل سمجھی جاتی ہے جو حُسن جو بدصورتی عہد وفا کی پرستار اور نمایندہ ہے وہ اخیر تک طالب کی نگاہ میں ایک عزت اور ایک احترام رکھتی ہے اور باوجود مدتیں گزرنے کے بھی اور باوجود ظاہری خط و خال اور نقوش کی تبدیلی اور بھدّے پڑ جانے اور سالخوردہ ہونے کے بھی اُسکے تاثرات حسنہ اور جذبات موثرہ میں فرق نہیں آتا خط و خال (وفا) ہمیشہ قائم اور زندہ رہتے ہیں اُن میں بجائے فرق اور کمی آنے کے ایک حُسن اور ایک جوبن ترقی پذیر ہوتا رہتا ہے۔

جب عہد وفا کا یہ احترام اور یہ اکرام ہے تو اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ انسانی کائنات اور انسانی تمدن کے حق میں اُسکی ضرورت کہاں تک ہوگی ہمیشہ لوگ اس بات کے خواہاں اور جویاں رہتے ہیں کہ

"دوسرے لوگ دوسری ہستیاں اُن سے وفا کریں"

"یہ عہد اُن کے ساتھ پورا ہوتا رہے"

"۔۔اوروں کے ساتھ وفاداری سے پیش آئیں"

"اور لوگ اُنھیں وفادار جانیں"

"دنیا میں اور کائنات انسانی میں اُنکی وفا اور وفاشعاری کا سکہ جمے"

یہ خواہشیں یہ آرزوئیں نہایت مبارک اور نہایت ثمرآور ہیں ان کے حُسن اور

احترام سے کسے انکار ہو سکتا ہے زمانے کو ان کی ضرورت ہے انسانی نوع کے احترام و اکرام کا یہ بیش قیمت ہیں سیرت کا یہ زیور اور کیرکٹر کا یہ حسن ان کے بغیر کوئی قوم اور کوئی ہستی فخر پا ہی نہیں سکتی جس قوم اور جس قوم کے افراد میں یہ باتیں نہیں وہ قوم اور اُس قوم کے افراد ہمیشہ اُس دولت اور اُس حسن خلق سے معذور رہتے ہیں جو ترقی یافتہ قوموں کا زیور ہے کیا کبھی یہ بھی سوچا کہ وفاداری ۔ اور وفا شعاری کی ضرورت صرف غیروں ہی کے مقابلے میں ہے نہیں بلکہ اُسکی بڑی اور مقدم ضرورت خود اپنی ذات کے واسطے بھی ہے جو شخص خود اپنے ساتھ وفادار نہیں ہے جو شخص اپنے ساتھ وفاداری نہیں کرتا جو شخص اس بات سے ناواقف ہے کہ ہمیں خود اپنے ساتھ وفاداری کی کتنی ضرورت ہے وہ دوسروں کے ساتھ بھی ایک نمائشی رنگ میں وفادار ہوگا اُس کی ایسی وفاداری گو وفاداری تو ہوگی مگر اُسپر فقرہ ۔

(دل خویش بعدد روشی)

چھپا ں نہیں ہو سکے گا ۔ اپنی وفاداری ہی سے دوسروں کی وفاداری کا دور شروع ہوتا ہے جو شخص اپنے ساتھ وفادار ہوتا ہے وہ دوسروں کے ساتھ بھی لازمی طور پر وفادار ہوتا ہے جو شخص اپنی عزت کا خواہاں ہے وہ صداقت کے ساتھ دوسروں کی عزت بھی کرتا ہے یا عزت کرنا چاہتا ہے ۔ شاید بعض لوگ پوچھیں کہ اپنے ساتھ وفاداری اور وفا شعاری کا کیا مطلب ۔

جسم انسان ۔ جان انسان ۔ قوائے انسان ۔ جذبات انسان اور محرکات انسان اُس طاقت سے جدا گانہ ہیں جس کا نام بہ الفاظ دیگر ضمیر کانشنس اور روح ہے یہ کا البد انسانی اور کیفیات رکھتا ہے ایک جسمانی دوسرے وجدانی و جدانیات میں بھی دو صورتیں پائی جاتی ہیں ۔

(الف) وجدانیات قائمہ۔

(ب) وجدانیات تابعہ۔

وجدانیات قائمہ وہ ہیں جن پر دوسرے وجدانیات کا مدار ہے یا ایسے دیگر وجدانیات کی ہستی کا اُن کے ساتھ ایک ایسا تعلق ہے جیسے چاند اور سورج کا یا علت اور معلول کا یہ جسم اور جسم کی قوتیں اور جسم کے جذبات سامان زندگی ہیں یہ زندگی جس طاقت پر موقوف ہے وہ قت اس کی موجب ہے جسے روح وغیرہ کہنا مناسب ہے۔ اصل عامل اور اصل محرک ہے جب اوس میں فروغ آتا ہے تو انسان کی سب دیگر قوتیں اور دیگر جذبات بھی عارف ہو جاتے ہیں وسپنے ساتھ وفاداری اور وفا شعاری یہ ہے کہ

ہم اپنی قوتوں۔ اپنے جذبات اپنے موثرات اپنی متصرفات اپنے محرکات کے استعمال میں حکمت فراست اور تدبر سے کام لیں اور جادۂ اعتدال سے باہر نہوں مثلاً

"ایک شخص بیمار ہو کر علاج نہیں کرتا۔

" خود کو ایک تہلکہ میں ڈالتا ہے"

"خود کو ایک بلا میں دیکھکر چارہ نہیں کرتا

" مخالف آب و ہوا میں باوجود قدرت کے رہتا اور کوئی سبیل صحت اور آب و ہوا کے تبادلہ کی نہیں کرتا۔

"اپنی نیک قوتوں اور نیک جذبات کو بری کاموں اور بد مشاغل میں لگاتا ہے

" طبی قواعد کے مطابق اپنی صحت کی فکر نہیں کرتا۔

" اقتصادی۔ تمدنی اور سوشل مراحل میں تدبیر اور حسن عمل سے کام نہیں لیتا وغیرہ وغیرہ

تو کہا جائے گا کہ ایسا شخص خود اپنے ساتھ وفادار اور وفا شعار نہیں ہے -

خودکشی کیوں مذہباً- اخلاقاً وقانوناً منع اور مقبوح ہے اسواسطے کہ خودکشی کرنیوالا نہ تو اپنے ساتھ وفادار ہوتا ہے نہ اپنی سوسائیٹی کے ساتھ اور نہ اپنے خاندان اور کنبہ سے - جان اُسکی ساختہ نہیں ہے بلکہ کسی بانی اور کارساز کوئی اور طاقت ہے وہ اُسے قدرت اور کارسازی کی جانب سے بطور ایک امانت کے سپرد کی گئی ہے اور اُسکے ذمہ بہت سے کام اور فرائض لگائے گئے ہیں ایک وفادار اور امانت دار کا یہ کام نہیں کہ وہ امانت میں خیانت کرے اور اس مطلب کے سوا اُسکو کسی اور ایسے مطلب میں لگائے جو صحیح مطلب نہیں اور جسکے واسطے وہ مخلوق نہیں جو شخص ایسا کرتا ہے وہ امانت میں خیانت کرتا اور عہد وفا توڑتا ہے جو شخص اپنے دانت ضرورت اور وقت سے پہلے نکلوا دیتا ہے وہ اپنے جسم اپنی جان- اپنی خوبصورتی اپنی زندگی اپنے مُنھ اور اپنی ترکیب کے ساتھ بیوفائی کرتا ہے جو شخص اپنی آنکھ پھوڑ دیتا ہے وہ صرف آنکھ کے ساتھ ہی بیوفائی نہیں کرتا ہے بلکہ کل جسم کے ساتھ نہ صرف جسم کے ساتھ ہی بلکہ جان اور روح کے ساتھ صرف جان اور روح کے ساتھ ہی بلکہ اپنی سوسائیٹی اور اپنی قوم کے ساتھ بھی نہ صرف اپنی سوسائیٹی اور اپنی قوم کے ساتھ ہی بلکہ قدرت اور مناظر قدرت کے ساتھ بھی- جو لوگ بعض اوہام کے ماتحت خود کو اور اپنی جان کو اور اپنی تندرستی اور اپنی فارغ البالی کو معرض ہلاکت اور معرض ذلت میں ڈالتے ہیں وہ اپنے ساتھ بیوفائی کرتے ہیں-

جو شخص خدا کی دی ہوئی دولت و ثروت کے صرف میں مسرف ہے وہ نہ صرف اپنی دولت کے ساتھ ہی بیوفا ہے بلکہ خود اپنے ساتھ بھی جو دنی الطبع بادشاہ کے خلعت کی قدر نہیں کرتا اور اُسے گدھے پر ڈالدیتا ہے وہ نہ صرف بادشاہ ہی کی رسوائی کا باعث ہوتا ہے نہ صرف بادشاہی کے انتخاب کی

بدنام کرتا ہے بلکہ اپنے ساتھ بھی بیوفائی کرکے خود کو دوسروں کی نگاہوں میں ذلیل ثابت کرتا ہے

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

دنیا کے مختلف مناظر جو قدرت کی جانب سے ہمارے سامنے رکھے گئے ہیں اور یہ بساط قدرت جو اسقدر بوقلموں تحفوں کے ساتھ ہمارے سامنے اس خوبی اور اس وسعت کے ساتھ بچھائی گئی ہے یہ بے مصرف نہیں اس کا منشا بھی کچھ ہے

اس کا منشا یہ ہے کہ

ہم اسکے ساتھ اپنی حدود استعداد تک وفادار ثابت ہوں اسکے ساتھ وفاداری یہ ہے کہ ہم ان کے انکشاف نکات اور ادراک حقائق میں اپنی استعداد کے مطابق ساعی رہیں اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو ہم سب سے اول خود اپنے ساتھ بے وفائی کرتے ہیں کیونکہ جو حق ہمیں دیا گیا اور جو فرض اور نفع ہمارے حصے میں رکھا گیا ہے اسکا نہ حاصل کرنا اور اس کا رائگاں دینا خود اپنے ساتھ ایک بے وفائی کرنا ہے کیونکہ ہماری قوتیں اور ہمارے جذبات جب ان کے خواہاں اور جویاں ہیں تو ان کو اسکے حق سے محروم کر دینا انکے حقوق میں فرق لانا اور ان کے عہد وفا کو توڑنا ہے۔

اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ ہم پر ہماری قوتوں اور ہمارے جذبات کے کیا کیا کچھ حقوق ہیں اور قدرت نے ان کے متعلق ہم سے کیا کچھ اور کس رنگ میں عہد وفا لیا ہے تو ہم یہ جان سکیں گے کہ ہمیں خود اپنے ساتھ بھی وفاداری اور خیرسگالی کی کہاں تک ضرورت ہے یہ قانون اخلاق اور قانون سیاسی اور قانون مذاہب اور ہے کیا۔ وہی عہد وفا تو ہے جو اندرونی اور بیرونی رنگ میں ہم سے لیا جاتا ہے یہ تمام قوانین سب سے پہلے یہی سمجھاتے اور یہی سکھاتے ہیں کہ

"اپنے ساتھ یوں برتاؤ کرو"

"اور اغیار و نوع انسان کے ساتھ یوں"

بس ان ہی دو فقروں میں کائنات انسانی کے حسن کا خاتمہ ہے اور ان ہی دو فقروں پر تمام انسانی علوم و فنون کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اور ان ہی دو فقروں پر انسانی تمدن انسانی اقتصادیات انسانی محاسن اور انسانی مکارم وغیرہ کا انحصار ہے۔

تفسیر این دو فقرہ

جو شخص اپنے ساتھ اپنی قوتوں اپنے جذبات اور اپنے ضمیر کے ساتھ وفادار نہیں ہے وہ دوسروں کے ساتھ کیسے وفادار ہو سکتا ہے

تو کار خودی را نکو ساختی
کہ با دیگراں ہم بپرداختی

جو شخص خوددار نہیں اور خودداری کے مراحل مقامات اور منازل سے بے بہرہ اور ناواقف ہے وہ اغیار کے مراتب سے کس طرح واقف ہو سکتا ہے اور کس طرح جائز حدود میں ان کا احترام کر سکتا ہے جو شخص خود جھوٹ بولتا ہے خود شرمناک افترا اور مبالغہ کا عادی ہے وہ اگرچہ دوسروں کے جھوٹ اور دوسروں کے افترا اور مبالغہ سے خوش نہیں ہو سکتا لیکن جھوٹ اور مبالغہ کی برائیوں سے اس رنگ میں نفرت گزین نہیں ہو سکتا جس رنگ میں ایک صادق القول اور صادق الفعل ہو سکتا ہے۔

اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہیں وفادار سمجھیں اور تمہاری وفاشعاری کا انہیں یقین ہو اور تمہارے احترام کے واسطے تمہاری وفاداری ایک سند ہو اور تم انسانی و تمدنی و اخلاقی نقطۂ خیال سے دوسروں کے ساتھ وفاداری کر سکو یا دوسروں کے مقابلہ میں وفادار ثابت ہو تو تمہیں چاہیے کہ اپنے ساتھ وفادار رہو کہ اوروں کے ساتھ وفادار ہو سب سے اول تو تمہیں خود اپنے ساتھ وفادار ہونا چاہیے جو

شخص اپنی عزت کرتا ہے دوسرے بھی اُس کی عزت کرتے ہیں جو شخص خود اپنے احترام اور درجہ سے ناواقف ہے دوسرے بھی اُسکی عزت اور احترام نہیں کرتے اپنی عزت آپ اور اپنی مدد آپ کا یہی خلاصہ اور یہی نچوڑ ہے۔

بکیشِ ما نمی گردد مسلماں   نہ بندد ہر کہ زنّارِ محبت

سلطان احمد

غزل ظرافت

ہونے والی تو تھی مگر نہ ہوی   دل لگی ہوگئی سحر نہ ہوی
وہ تو تھی جسکو لوگ کہتے ہیں عید   ایک دن ہوگئے سال بھر نہ ہوی
شب فرقت کچھ اسطرح روئے   رات بھیگی پر آنکھ تر نہ ہوی
آہ نے توڑ دی کمر لیکن   فلک پیر کو خبر نہ ہوی
ڈر تھا عادت خراب ہو جاتی   آہ ہم صحبت تر نہ ہوی
میرے اُنکے ہوی لڑائی یوں   آئی۔ ڈی۔ ٹی کو بھی خبر نہ ہوی
جب کہا میں نے اُنسے الفت ہے   ہنس کے کہنے لگے اگر نہ ہوی
گو پریشاں بہت ہوی لیکن   زلف اُس کی تتر بتر نہ ہوی
باندھکر تیغ گھوسئے وہ ضرور   بہت اچھا ہو اگر نہ ہوی
کہتی ہے یہ ادا۔ یار کہ میں   حسن کے بحر میں مگر نہ ہوی
بید مجنوں کی ایک شاخ ہوی   وہ لچکتی ہوی کمر نہ ہوی
وہ بھی گونگے بنے رہے ہم بھی   گفتگو قصہ مختصر نہ ہوی
ایسی الفت کا اعتبار ہے کیا   جو نہ رہے جو سینہ سپر نہ ہوی

پھر کہیں گے کوئی ظریف غزل
طرح گر یوں سر بسر نہ ہوی   مقبول حسین ظریف لکھنوی

شاعری

ذیل میں ہم حضرت عزیز لکھنوی کی ایک نظم مذکورہ با عنواں پردرج تمدّن کرتے ہیں جو ہمیں بہت سے سخت تقاضوں کے بعد ملی ہے۔ حضرت عزیز کی چند غزلیں "اس سے قبل شائع ہو چکی ہیں۔ ذیل کی نظم جناب عزیز نے معیار پارٹی کے ایک گذشتہ مشاعرے میں پڑھی تھی۔

آئندہ ماہ کے "تمدّن" کے لیے حضرت عزیز نے ایک لغت دینے کا ارادہ کیا ہے جس کو انھوں نے بہت محنت سے مرتب کیا ہے اس لغت میں وہ الفاظ داخل کیے گئے ہیں جو انگریزی سے اُردو زبان میں اسانی سے لیے جا سکتے ہیں۔

ایڈیٹر

شاعری کیا ہے فقط اک جذبۂ طوفاں خروش
قوتِ تخئیل میں اک ولولہ انگیز جوش

شاعری کیا ہے فقط تصویرِ جذباتِ نہاں
قوتِ تخئیل کے ہمراہ تاثیرِ زباں

ساغرِ جذباتِ باطن میں جب آ جائے ابال
دل کے سرچشمہ میں جب پیدا ہو جوشِ انفعال

دل پہ ہو جس وقت قدرت کے مناظر کا اثر
منہ سے کچھ باتیں نکل جائیں اثر میں ڈوب کر

صورتیں اس نے مجسم کیں امید و یاس کی
اسکی خاکستر میں ہیں چنگاریاں احساس کی

جب زبانِ شعلہ پانی میں وہ ہی چنگاریاں
گلشنِ تخئیل میں دکھلاتی ہیں گلکاریاں

واردات قلب کی تعبیرِ طولانی ہیں یہ
اک مجسم ہستیِ اعراضِ نفسانی ہیں یہ

روحِ تازہ اس نے پھونکی پیکرِ جذبات میں
مرتبا یاں کر دیے خاکسترِ جذبات میں

ملکی رگ رگ میں لہو کرتا ہے دورہ جس طرح
دوڑتا ہے موسم گرما کا باد جس طرح

نغمۂ خوابیدہ کو اس نے جگایا خواب سے
سازِ ہستی اس نے چھیڑا ناخنِ مضراب سے

اسکے نالوں سے ہوئیں آباد لاکھوں بستیاں جاگ اٹھیں آنکھوں کو ملکر سونیوالی ہستیاں
یہ لسان الغیب بنکر دل میں بھر دیتی ہے جوش ہے کہیں روح القدس یہ اور کہیں غیبی سروش
اک نگاہ شوق سے دل درد کا برما دیا جلوۂ رنگیں دکھا کر روح کو گرما دیا
اک خلاصہ تھا وہ اسکے درد کی تفصیل کا جب کہا تھا مرثیہ قابیل نے ہابیل کا
اک سخن اسکا ہے جو کچھ دہر کی محفل میں ہے متن قدرت کی مفصل شرح اسکے دل میں ہے
ہیں جو ارباب صفا انکو تو کافی ہے یہی روح موجودات کی تفسیر ثانی ہے یہی
یہ دکھا دیتی ہے ہر آغاز میں نقش مآل خرمن غفلت پہ گرتی ہے یہ بن کر اشتعال
دل ہے یہ اور عالم ارواح اسکا سینہ ہے شاعری تصویر روحانی کا اک آئینہ ہے
بزم کی یہ روح ہے اور رزم کی یہ جان ہے عشق کا قرآن ہے اور حسن کا ایمان ہے
سرزمین عشق پر سکہ ہے اسکے نور کا سنگ بنیادی رکھا ہے اسنے کوہ طور کا
مدتوں بزم سلاطیں میں رہی یہ سرفراز یہ وہ سلطاں ہے دل محمود تھا جسکا ایاز
دیتی ہے الفاظ کا خلعت یہ جب احساس کو دل میں بھر دیتی ہے ظالم سودۂ الماس کو
اسکے گلدستوں سے زینت ہے بساط بزم میں دل کو زرہوں پہنا دیتی ہے دشت رزم میں
جڑتی پھرتی ہے ستارے منظر آفاق میں بجلیاں دوڑا رہی ہے پیکر آفاق میں
غیر محسوسات کا ادراک کرتی ہے یہی تخلیہ میں سیر ہفت افلاک کرتی ہے یہی
طبع قدرت کا سلیقہ منصب فطرت کی امید ظلمت اسکی شام گیسو صبح اسکی صبح عید
دل مرا واقف ہے اس سے یا خدا آگاہ ہے عالم وجدان و ذوق اسکا تماشا گاہ ہے

دلکشا منظر نسیم صبح نورانی سحر یہ پرندان فضا اور اُن کے یہ رنگین پر
جگمگاتی یہ ستاروں کی ہمہ پیندار انجمن یہ مہکتی بزم پھولوں کی چمن اندر چمن
یہ شفق کی سرخ بیرق یہ دوپہلا طیلسان یہ حصار لاجوردی پر چمکتی گمٹیاں

پردۂ آسمانی یہ نگاہ شعلہ فشاں
یہ کرہ سونے کا جس سے ہے ثوابت کا نظام

وہ شفق کے رنگ میں قشان غروب آفتاب
اک حسیں ڈالے ہوئے چہرہ پہ نارنجی نقاب

نغمہ سنجانِ حقیقت طائرانِ خوش نوا
کوئلوں کا کوکنا اور یہ پپیہے کی صدا

یہ خزاں کا رنگ اور یہ آمدِ فصلِ بہار
شورِ طاؤس اور اُسکے مختلف نقش و نگار

آسمانِ حسن کے ٹوٹے ہوئے تارے تمام
وہ رخِ قدرت کی افشاں جگنوؤں کا اژدہام

مرغِ زریں بال ہو یا ہو تدروِ خوش خرام
حسنِ دل آویز ہو یا ہوں چمن کے لالہ فام

نقش معنی خیز ہیں ایوانِ فطرت کے یہی
مختلف اشعار ہیں دیوانِ قدرت کے یہی

عزیز لکھنوی

ملک الموت
اور
محتضر

محتضر۔ اے میری جاتی ہوئی دنیا۔ اے میری ڈوبتی ہوئی نبضوں۔ اے میرے اکھڑے ہوئے دم۔ اے میری فنا ہونے والی ہستی اے میرے موت کے فرشتے کیا مجکو اتنی بھی اجازت نہیں مل سکتی کہ ایک کھلی ہوئی سانس لے لوں۔ اُف اُف ارے ارے ساتھ چھوڑنیوالی سانسوں اسقدر سختی۔ شرم شرم عبرت عبرت اے بیوفا دنیا اے بیمروت زمانہ شرم۔ اسوقت کوئی بھی شریک نہیں اے میرے بیش بہا جواہرات اے میرے بھرے خزانوں مجھکو تم پر بڑا ناز تھا بہت کچھ غرور تھا بہت سے یتیم بچے سیکڑوں لاوارث بیوائیں ہزاروں فاقہ کش شریف ایکدن وہ تھا

کہ تمہاری ہی وجہ سے میرے در پہ جبہ سائی کیا کرتے تھے اور میری ایک ادنےٰ سی ساری کوششوں کا جواب ہو جاتی تھی ہر ایک ممتاز سے ممتاز اور وقیع سے وقیع طاقت میری نظروں میں ذلیل تھی کیا اسوقت تم میری کچھ مدد کر سکتے ہو اگر کر سکتے ہو تو اس موت کی ڈراونی اور بھیانک شکل کو میرے سامنے سے ہٹا دو نہیں نہیں کچھ نہیں میں نے دھوکا کھایا تمہارا اقتدار تو ہستی اور اُسکے اقتدار تک محدود ہے۔ اچھا اے میرے چاہنے والے باپ اے مجھپر نچھاور ہونے والی ماں اب دل کی رگیں ٹوٹتی ہیں اگر ممکن ہو تو اپنے کڑیل جوان کی ڈوبتی ہوی کشتی کو بحر فنا کے طلاطم سے نکال لو۔ ارے سنبھالو سنبھالو جلدی سنبھالو کیا تم پتھر کی تصویر سے زیادہ بے حس ہو گئیں۔ کیا تمہارے محبّت بھرے دل میں اتنے بھی جذبات باقی نہیں کہ تمہارے اس غیر معمولی سکون کو جنبش میں لے آئیں اے لو تم نے تو میرے دم توڑنے پر اور منہ پھیر لیا ڈھارس تھی اک آس تھی وہ بھی گئی اچھا اٹھو اٹھو میرے بالین سے ہٹو۔ اے میرے پیارے احباب اے مجھپر تصدق ہونے والے دوستوں میرے دل کی بند ہونے والی حرکت کو آؤ آؤ روک دو روک دو ورنہ جسکی محبت کا تم دم بھرتے تھے وہ اب رخصت ہوتا ہے تم تو ہمیشہ میرے پسینہ پر خون بہانے کو موجود تھے یا آج دم نکل رہا ہے اور تم سانس بھی نہیں لیتے خیر۔ اے میری فنا ہونے والی قوتوں کا تماشا دیکھنے والی دنیا تو نے تو ہمیشہ آنکھوں پہ بٹھایا آج تیری آغوش میں تیرے نازوں کا پالا بڑی بے چینیوں سے دم توڑ رہا ہے اور تجھکو کچھ پروا نہیں ہے خیر جا تو بھی بے وفا ہے۔ اچھا اے کسی کے عشق عالم فریب تجھ میں تو جذب کہربائی ہے کشش ہے اور بلا کی کشش ہے میں نے تو ہمیشہ تمہاری محبتوں کا دم بھرا دین و دنیا کو تیری ایک نظر غلط انداز پر نثار کر دیا تیری بھولی بھولی باتوں نے ہمیشہ فرائض کے گہرے نقشوں کو صفحۂ

دل سے محو کر دیا تیرے گھنے گھنے سیاہ لانبے لانبے بالوں نے اسوقت تک دل کی رگیں اور نظر کے رشتہ اُلجھے ہوے ہیں تو ہی ظالم اسوقت کچھ ساتھ دے تیری جنبش چشم کو دعوائے مسیحائی بھی ہے۔ اسوقت میری رُک رُک کے آنے والی سانس کو کم سے کم دم بھر کے لیے منتظم ہی کر دے۔ مگر کچھ نہیں اے بے اعتبار دنیا تو نے بڑا دھوکا دیا افسوس افسوس اسوقت کا کوئی شریک نہ نکلا پھر کسکو پکاروں کون نہ سنبھلنے والے دل کو کون سنبھالے سچ ہے کہ بُرے وقت کوئی بھی شریک نہیں۔

ملک الموت۔ ہاں ہاں اعمال اعمال نیک اور بہتر اعمال۔

محتضر۔ لیکن افسوس وہ کہاں اُن سے تو کبھی میں نے دلچسپی ہی نہیں لی۔

ملک الموت۔ پھر اب خمیازہ اعمال بد بتیابیاں لاحاصل ہیں۔ کیا تجھکو قدرت کی کارسازیوں نے ہدایت کے جادے نہیں دکھلائے کیا تجھکو رہبران اسلام کے پہچاننے کے لیے عقل سلیم و چشم بصیر نہیں عنایت ہوئی کیا حکیم مطلق نے ذرہ ذرہ کی ہستی کو تیرے لیے معیار معرفت نہیں قرار دیا۔ کیا مخلوقات کی تسبیح قہری اور خالق کائنات کی ہیبت و جبروت نے کچھ اثر نہیں کیا۔ کیا تغیرات عالم نے تجکو فنا آموزیوں کا سبق نہیں دیا۔ کیا خود تیرے وجدان نے کسی طاقت کی طرف تجکو جذب نہیں کیا۔ کیا تو نے مشرق سے طلوع کرنے والے آتشی کرہ کو ایک لرزش و اضطراب کے ساتھ رکوع و سجود میں نہیں دیکھا۔ کیا تو نے شب زندہ دار ماہتاب کا چہرہ اندیشہ باز پرس سے سنسان راتوں میں فق فق نہیں دیکھا۔ کیا تجھے فلک کے چمکتے ہوے ستارے ٹوٹ ٹوٹ کے اظہار عبدیت کرتے ہوے نہیں سجھائی دیے کیا اُمنڈ اُمنڈ کے آنے والے ڈراونے بادلوں نے عظمت الٰہی کے آثار تیرے دل میں نہیں قائم کیے کیا تڑپ تڑپ کے گرنے والی بجلیوں نے

برنگ قدرت کی ہیبت ناک تصویریں تیرے سامنے نہیں کھینچیں کیا رعدت ملک
تقرب کی پُر زور آہیں تیرے کانوں کے پردوں تک نہیں پہنچیں۔
مختصر نہیں نہیں اے میری موت کے زبردست فرشتے یہ سب کچھ ہوا بلکہ اس سے
کچھ زائد ہوا لیکن افسوس میری آنکھوں پر پڑے ہوئے غفلت کے پردوں نے
مجکو اندھا بنا دیا ہواے تکبر و غرور کچھ اس طرح سے اُڑی کہ بصیرت میں نہ رہا۔
شرک و کفر کی گھنگھور گھٹائیں ذہنِ دل و دماغ پر اس طرح گھر کے جم گئیں کہ
کہ تمام قواے حس و حرکت اور اُنکے افعال باطل ہوگئے۔ پھر اُن اسلام کی
صدائیں کانوں کے پردوں سے ٹکرائیں اور بارہا ٹکرائیں مگر کفر کے ناقابل قبول
مادّہ نے ہمیشہ جذب ہونے سے روکا وجدان نے اکثر تخلیہ میں عقل سلیم کو جنبش
دی لیکن افسوس مادّیین کا قلادہ تقلید کچھ اس مضبوطی سے گردن میں پڑا تھا کہ
ہسنا ناممکن تھا۔ طبعیین کا نقش جنبانی کچھ اس طرح جم کے دل پر بیٹھا تھا کہ
کبھی حج کی ایک وحشیانہ رسم سے زیادہ وقعت ہونے دی پابندیِ
مذہب کو دماغ کے بیہودہ خیالات سے زائد نہ سمجھنے دیا کشف کرامات و خوارق عادات
کو اصول و قوانین فطرت کے خلاف سمجھا گئے وہم پرستی کے دائرہ سے نہ بڑھنے دیا
خالق کائنات کے وجود کو خیال خام سے زائد نہ سمجھا بلکہ عالم موجودہ کو ہمیشہ ازلی
و ابدی سمجھا۔ نمائش گاہ عالم کو فیضان مادّہ تصور کیا عذاب و ثواب کو قیود لاحاصل
خیال کیا ہاے اس وقت کا تو تصور بھی میرے دل و دماغ کے لیے محال تھا
پھر اے میرے پیارے ملک الموت اب کیا کروں موت کا پسینہ ماتھے پر
ہے آخری ہچکیاں آرہی ہیں وقت کم اور بہت کم ہے سامان سفر
بالکل نہیں۔ ×

آشفتہ لکھنوی

* یہ مضمون بور ے طور پر ختم نہ ہوے پایا تھا کہ جناب آشفتہ [illegible] [illegible]

فردوسی طوسی

نام ابوالقاسم بن اسحٰق۔ مولد و وطن شاداب (طوس) اُس کا باپ زمیندار اور حاکم طوس کے چارباغ میں خدمت باغبانی پر مامور تھا۔ شاید اسی نسبت سے یہ تخلص اختیار کیا گیا۔ فردوسی نے ملکۂ سخن آفرینی خداداد پایا بچپن ہی سے شعر موزوں کرکے "الشعراء تلامیذ الرحمٰن" کا ثبوت بہم پہنچایا۔ کھیت۔ باغ و چمن پہاڑ۔ میدان۔ ٹیلے اُسکی جولانگاہ اور طائران نغمہ سنج اُسکے ہمصفیر تھے۔

شمس العلماء مولینا آزاد مرحوم لکھتے ہیں کہ

"اگرچہ اُسکی طبیعت کو خالص انسانیت نے شائستگی دی تھی۔ اور امیروں کی صحبت اور دربای تکلفات سے محروم رکھا تھا لیکن خوبی اُسمیں یہ ہوئی کہ وہ اُنکی خود آرائی اور ظاہر نمائی کے دھبوں سے بچ گیا۔ اس سے بڑھکر یہ کہ زور طبع اُس کا صحرا کے خلوت خانہ میں اپنے تئیں آپ ورزش دیتا رہا۔ غیروں کے کلام اُسکے کلام کے لیے نمونہ نہوے۔ بلکہ علم کی اصلاح اور مصنوعی تکلف اُسکے لکھے کو قلم نہ چھو سکے۔"

فردوسی کا کلام طوس میں خوب چمکا۔ حتیٰ کہ وہ مشہور شعرا کے زمرہ میں شمار ہونے لگا۔ امیر طوس ابو منصور محمد۔ اُس کا مربی تھا۔ اِن دنوں سلطان محمود غازی کی شان و شوکت اور علم پروری کی حکایات۔ ایشیا میں کہانیوں کے طور پر سُنائی جاتی تھیں۔ اُسکا دربار فضلا اور شعرا کا مرجع بنا ہوا تھا۔ حکیم عنصری۔ منوچہر بلخی۔ فرخی۔ اسدی رشیدی۔ عجدی گویا اُسکے دربار کے نورتن تھے۔ امیر طوس کی ترغیب و تحریص سے

لہ سخندان پارس صفحہ ۲۷۔ لیکن صاحب تالیف التذکرہ" فردوسی کا نام حسن بن اسحٰق بن شرف لکھتا ہے ایک اور تذکرہ میں فردوسی کے باپ کا نام "فخرالدین" لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

فردوسی نے بھی عزم غزنی کا کیا۔

اس نے یہ بھی سُنا کہ غزنی کے شاہی خاندان کو شاہان عجم کی نظم تاریخ کا شوق ہے اور کہ دقیقی کی قبل از وقت موت نے اس کام کو ناتمام چھوڑ دیا ہے پس فردوسی نے پہلے اپنا امتحان آپ کیا۔ زوال جمشید اور ترقی ضحاک کے واقعات نظم کر کے اپنے احباب کو سُنائے۔ سب نے پسند کیے۔ اس سے اسکا حوصلہ بڑھا۔ اور وہ بلا جھجک غزنی جا پہنچا

لہ شاہ ایران (یزدجرد) نے شاہ کیومرث کے زمانہ سے لیکر خسرو پرویز کے عہد کے حالات قلمبند کرائے تھے اس کتاب کا نام باستان نامہ ہے جب عربوں نے ایران فتح کیا تو یہ کتاب شاہی کتب خانہ سے دستیاب ہوی۔ والی خراسان (یعقوب بن لیث) نے ابومنصور عبدالرزاق بن عبداللہ بن عبدالملک کو حکم دیا کہ باستان نامہ کو یزدجرد کے عہد تک کے واقعات سے مکمل کیا جائے چنانچہ سنہ [illegible]ھ میں باستان نامہ مکمل ہوگیا جب اس کتاب کی نقول منتشر ہوئیں تو ایک نقل والی بخارا کے بھی ہاتھ لگی ان دنوں بخارا سامانیوں کے زیر اقتدار تھا۔ امیر بخارا نے دقیقی کو اسکے نظم کرنے کا حکم دیا۔ پروفیسر آزاد نے دقیقی کے کام کو امیر نصر (غزنوی) کی تحریک کے ساتھ منسوب کیا ہے۔ خیر جو کچھ ہو اس معلومات سے ایک مورخ یہ معقول نتیجہ نکالتا ہے کہ شاہنامہ فردوسی کا ماخذ "باستان نامہ" ہے۔

دقیقی کا نام ابومنصور محمد بن احمد اور وطن بلخ یا سمرقند ہے۔ طبقہ اولی کا شاعر ہے بقول مولینا آزاد اپنی عمر کے آخری دور میں امیر نصر غزنوی کے دربار میں نغمہ سنجی کی۔ بلیغ۔ عاشق اور مرجیہ ہر قسم کے مضامین میں طبع آزمائی کی اور کامیاب ہوا۔ امیر نصر کی فرمائش سے عجمی بادشاہوں کے حالات نظم کرنا شروع کیے مگر مسلسل نہیں بلکہ مختلف بادشاہوں کے ہزار شعر لکھ سکا تھا کہ ناگہاں اپنے غلام کے خنجر سے مقتول ہوا۔ کہتے ہیں کہ وہ اسکی تیغ نگاہ کا بسمل تھا یہ حادثہ سنہ [illegible]ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ فردوسی کہتا ہے ؎

یکایک ازو بخت برگشتہ شد　　بدست یکے بندہ برکشتہ شد

مولینا آزاد لکھتے ہیں۔ کہ

"وہاں عنصری شاعر سے ملاقات ہوئی۔ سلطان محمود مدت سے نظم شاہنامہ کی فرمائش کر رہا تھا اور وہ ٹالتا تھا۔ فردوسی اور اُسکے کلام کی شان و شوکت کو مناسب حال دیکھا کہا کہ چند شعر بادشاہ کی تعریف میں کہہ لو۔ اور چل کر دربار میں سناؤ فردوسی نے اسی زمین میں چند اشعار کہے "

الغرض فردوسی۔ دربار محمودی میں جا پہنچا اور اُس نے مدحیہ اشعار سر دربار پڑھے ان میں سے چند حسب ذیل ہیں ؎

ز یزداں ابر شاہ باد آفرین — کہ نازد بدو تخت و تاج و نگیں
جہاں دار محمود شاہِ بزرگ — بہ آبشخور آرد ہمے شیر و گرگ
جہاں آفریں تا جہاں آفرید — چو اُو مرزبانے نیامد پدید
ز کشمیر تا پیش دریائے چیں — برو شہریاراں کنند آفریں
چو کودک لب از شیر مادر بشست — بگہوارہ محمود گوید نخست
بہ بزم اندر او آسمان وفاست — بہ رزم اندر او شیر جنگ اژدہاست

بہ تن زندہ پیل و بجان جبرئیل
بکف ابر بہمن بہ دل رود نیل

اسکے بعد اُس نے رستم و اسفندیار کی منظوم داستان سنائی جو اس نے طوس ہی میں موزوں کی تھی۔ تمہیدی اشعار ملاحظہ ہوں۔ ؎

کنوں خورد باید مئے خوشگوار — کہ مے بوئے مشک آید از جوئے بار
ہوا پُر خروش و زمیں پُر ز جوش — خنک آں کہ دل شاد دارد ز نوش
درم دارد و نقل و نان و نبید — سرگوسفندے تواند برید

پروفیسر آزاد لکھتے ہیں۔ کہ

"اسکی نظم کے دبدبہ سے دربار گونج اُٹھا۔ محمود بہت خوش ہوا نظم۔ شاہنامہ کے لیے حکم دیا ایک خانہ باغ اپنے حرم سرا کے زیر سایہ۔ وہیں انواع و اقسام کے ہتھیار۔ شاہی سلطنت کے دربار اور مشہور معرکوں کے مرقع عجیب جانوروں کی تصویریں سجا کر ایک عجائب خانہ مرتب کر دیا"

سلطان نے فردوسی کی تنخواہ مقرر کر دی اور وہ چار سال تک غزنی میں رہا۔ گاہے گاہے سلطان کو اپنی نظم سُنا آتا۔ اور بیش بہا انعام و اکرام لیے آتا تھا۔ چار سال بعد سلطانی اجازت سے طوس گیا۔ جب فردوسی ہزار شعر لکھ چکا تو خواجہ احمد وزیر نے سلطانی حکم سے اُسے ہزار دینار بھیجے۔ پھر جب چہارم حصے کے قریب شاہنامہ نظم ہو چکا۔ تو اُس نے سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ بہت پسند آیا۔ فردوسی نے بیش بہا انعام پایا۔

کچھ عرصہ بعد دربار سلطانی میں شکایت کی گئی کہ فردوسی مذہباً قرمطی عقائد رکھتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وزیر خواجہ احمد بن حسن میمندی فردوسی کا مربی تھا۔ اور خواجہ ایاز سے اُسکی نہ بنتی تھی۔ اور بناء شکایت یہی ناموافقت یا مخالفت تھی۔ فردوسی سے جواب طلب ہوا تو اُس نے کانوں پر ہاتھ رکھے مگر اسکے ساتھ ہی بحسن تعلیل اشعار ذیل میں معذرت خواہ ہوا۔

چو در ملک سلطان کرخ خش ستود بسے ہست ترسا و گبر و یہود
گرفتند در ظل عدلش قرار شدہ ایمن از گردش روزگار
چو باشند کہ سلطان گردوں شکوہ بسے کا شمار دیکے زان گروہ

فردوسی کا وظیفہ اور تنخواہ بحال رہی۔ مگر کہتے ہیں کہ وہ بنیاد ار سلطان کے دل میں اُسکی پہلی سی وقعت نہ رہی۔ آخر کار تیس سالہ جگر کاوی کے بعد فردوسی نے شاہنامہ مکمل کیا۔ اس میں پورے ساٹھ ہزار اشعار تھے کہتا ہے ؎

بسے رنج بردم دریں سال سی — عجم زندہ کردم بدیں پارسی

جب مکمل شاہ نامہ خدمت سلطانی میں پیش ہوا تو سلطان بہت خوش ہوا۔ جوش مسرت میں اُسکی زبان سے نکلا ؎

چہ چشم چو بکشود گنج و گہر — کنوں پیلوا نش دہم گنج و زر

سلطان نے حکم دیا کہ فردوسی کو "ایک بارِ فیل اشرفیاں" دی جائیں۔ لیکن اُسکے مخالف وزیر (یا میر) نے جو با اثر تھا ساٹھ ہزار درم اُسے دینا چاہے۔ فردوسی نے نہ لیے[۱]۔ اور آزردہ ہو کر چلا گیا۔ اور ہجو لکھی۔ اسکے بعد اُسے تلاش کیا گیا مگر نہ ملا۔ فردوسی، اقبال محمودی کے خوف سے کہیں رہ نہیں سکتا تھا۔ آخر طوس ہی جا کر سر چھپایا۔

ہجو کو منوچہر بن قابوس نامی رئیس نے شاہ نامہ سے علحدہ کر دینے کی خواہش فردوسی سے کی۔ اور ایکسو اسی مثقال سونا پیش کیا۔ فردوسی نے منظور کیا۔

دربار سلطانی میں ایک لطیفہ ہوا۔ ایک گورنر سرکش ہو گیا تھا۔ اُسے تنبیہاً مراسلہ لکھا گیا۔ اسوقت سلطان۔ وزیر خواجہ احمد بن حسن میمندی سے کہنے لگا اگر جواب حسب مراد نہ آیا تو پھر کیا کیا جائیگا؟ وزیر کی زبان سے دفعتہً نکلا ؎

اگر جز بکامِ من آید جواب — من و گرز و میدان و افراسیاب!

یہ شعر فردوسی کا ہے۔ سلطان متاثر ہوا۔ ہاتھی کا قصور معاف کیا اور اُسکے لیے ساٹھ ہزار دینار بھیجے۔ لیکن جب شاہی کارندے فردوسی کو ڈھونڈتے ہوئے طوس پہنچے تو لوگ فردوسی کا جنازہ قبرستان لے جا رہے تھے۔

واقعہ صرف اسقدر ہے۔ باقی افسانہ۔ اور افسانہ بھی محض فرضی۔ جسے واقعیت سے قطعاً تعلق نہیں۔ اور یہ متاخرین کی ایجاد ہے۔

---

[۱] روایت دیگر کھڑے کھڑے خدمتگاروں کو روپیہ تقسیم کر دیا۔

لیتھیرج صاحب بہادر تسلیم کرتے ہیں کہ۔

(۱) سلطان محمود کو شعروسخن کا بہت شوق تھا۔اور (وہ) شاعروں کی بڑی قدر کرتا تھا

(۲) (فردوسی) پر بادشاہ (محمود) کی بڑی نظر عنایت تھی

باایں ہمہ وہ لکھتے ہیں کہ

"اس بادشاہ کے تذکرہ میں ایک اور مشہور قصہ بھی قابل ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں ایک عیب بھی تھا۔یعنی بعض اوقات انصاف پر طمع غالب ہوجاتی تھی۔۔بادشاہ نے فردوسی کو شاہنامہ لکھنے کا حکم دیا۔اور فی شعر ایک اشرفی عطا کرنے کا وعدہ کیا فردوسی نے بڑا خون جگر کھا کر ساٹھ ہزار شعر لکھے۔۔۔ساٹھ ہزار شعر دیکھکر محمود اپنے وعدے سے پچتایا۔اور دون ہمتی سے فردوسی کو صرف ساٹھ ہزار روپیے یعنی انعام موعودہ کا سولہواں حصہ دینے لگا۔اس کو فردوسی نے منظور نہ کیا اور ناراض ہوکر غزنی سے چلا گیا۔کہتے ہیں کہ پیچھے محمود نے نادم ہوکر فردوسی کے پاس پورا انعام بھیجا۔مگر جب اسکے قاصد اشرفیوں کے توڑے کر فردوسی کے گھر پہنچے ہیں؛ سوقت فردوسی کا انتقال ہوچکا تھا"

اصل واقعہ بہ اضافہ کا مفہوم صرف اسی قدر ہے کہ سلطان نے فی شعر ایک اشرفی دینے کا وعدہ کیا۔مگر پورا انہیں کیا۔جس کا نتیجہ لیتھبرج صاحب اور متاخر مورخین نے یہ نکالا ہے کہ سلطان میں بیشمار خوبیوں کے باوجود ایک عیب بھی تھا۔کہ بعض اوقات انصاف پر طمع غالب آجاتی تھی۔سلطان پر دون ہمتی کا الزام لگایا گیا ہے۔لیکن سلطان کا دامن ایسے دھبوں سے بالکل پاک وصاف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ

(۱) سلطان کا فردوسی کو فی شعر ایک اشرفی یا دینار دینے کا وعدہ کرنا بھی غلط اور

(۲) وعدہ سے انحراف بھی خلاف واقعہ ہے۔

اس امر کے ثبوت موجود ہیں۔

(۱) یہ روایت "متاخرین" کی ایجاد یا اضافہ ہے متقدمین کے کان اس سے آشنا نہ تھے

(الف) سلطان کے کسی ہمعصر مورخ نے اسکا ذکر نہیں کیا۔

(ب) سلطان کی اولاد کے زمانہ کے مورخین نے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

(ج) اگر یہ کہا جائے کہ مورخین وابستگان دولت غزنویہ نے خوف یا طمع سے اس واقعہ کو ارادتاً چھپایا تو ہم منہاج سراج کی تاریخ "طبقات ناصری" پیش کرینگے اس مورخ کا تعلق غوریوں کے ساتھ تھا۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ غوری سخت دشمن تھے غزنویوں کے۔ اور ایک حد تک یہ بھی دولت غزنویہ کے زوال کے باعث اور بالآخر اُسکے جانشین ہوئے۔ ہندوستان میں بھی غزنویوں کے بعد غوریوں ہی کا دور دورہ ہوا۔ پس اگر سلطان نے وعدہ اور پھر بدعہدی کی ہوتی تو اس کا ذکر طبقات ناصری میں ضرور آتا۔

(د) ہندوستانی مشہور مورخ ضیاء برنی نے عہد تغلق پایا۔ اس کی تصنیف تاریخ فیروزشاہی ایک نہایت معتبر اور مشہور تاریخ ہے۔ یہ مورخ ہر ایک بات خواہ چھوٹی ہو یا بڑی کھول کر بیان کرنے کا عادی ہے۔

ضیاء برنی، امیر خسرو دہلوی کے کمالات اور علاء الدین خلجی کی گورنمنٹ کی ناقدردانی کی شکایت کرتا ہوا لکھتا ہے کہ

"کاش! امیر خسرو جیسا باکمال عہد محمود میں ہوتا اور فیاض و قدردان سلطان انعام واکرام و جاگیرات اور خطابات سے امیر خسرو کو مالا مال کرتا"

ضیاء برنی کے اس بیان سے ہم دو نتائج اخذ کریں گے

(۱) اس تاریخ کی تدوین کے زمانہ (عہد تغلق) تک سلطان کی بدعہدی کی روایت ایجاد نہیں ہوئی تھی یہ زمانہ مابعد کی ایجاد ہے۔

(۲) سلطان محمود غازی کی علم پروری اور قدردانی کا شہرہ افغانستان،

ترکستان اور خراسان سے نکل کر ہندوستان تک آپہنچا تھا۔

(۲) ہم نے واقعات میں لکھا کہ سلطان نے فردوسی کو یک بار فیل زر دینے کا حکم دیا لیکن وزیر یا اور کسی درباری کی مخاصمت و مداخلت سے یہ رقم فردوسی کو نہ مل سکی ہم نے یہ بھی لکھا کہ فردوسی کے قرمط ہونے کی شکایت کی گئی۔

یہ خیالی اور قیاسی باتیں نہیں ہیں بلکہ ایک معتبر قلمی تاریخ سے ماخوذ ہیں۔ یہ تاریخ نویں صدی ہجری میں تحریر ہوی۔ اسکا نام ہے "تالیف التذکرہ" یہ کتاب کتبخانۂ میاں صاحب واقعہ حصار (پنجاب) میں موجود ہے۔

(۳) تاریخ فرشتہ ایک معتبر تاریخ ہے۔ اسکے متعلق فاضل لیتھبرج کی راے ہے کہ

"ہند کی نہایت مستند انگریزی تاریخوں میں جو ہندی سلطنت اسلامیہ کا حال مندرج ہے وہ اکثر اسی (تاریخ فرشتہ) سے لیا گیا ہے"

اسی تاریخ فرشتہ میں مرقوم ہے کہ

"یہ قصہ (سلطان محمود کی بدعہدی) غلط ہے۔ سلطان علوم فنون کا نہایت قدردان اور سرپرست تھا"

(۴) دربار اکبری کا فاضل وزیر و مورخ ابوالفضل فردوسی کو "لالچی" اور "سخن فروش" کے خطاب دیتا ہے گویا الزام فردوسی کے سر رکھتا ہے۔ اس سے بھی سلطان کی بدعہدی کی تردید ہوتی ہے۔

(۵) انگریزی مورخ ہند "الفنسٹن" صاحب کی راے کا مفہوم بھی تقریباً اسی قسم کا ہے۔ دیکھو اردو تاریخ الفنسٹن صاحب صفحہ (۵۵۴)

(۶) لیتھبرج صاحب بھی اسے واقعہ کی اہمیت نہیں دیتے بلکہ اسے "قصہ" کہتے ہیں

(۷) اس قسم کے معاہدے جس سے انحراف کا سلطان کو الزام دیا جاتا ہے محض ناجائز ہوتے ہیں۔ کتب فروش یا اہل مطابع ایسے معاہدے شعرا اور مصنفین سے

کیا کرتے ہیں۔ ایسا معاہدہ کسی بادشاہ خصوصاً کسی مشرقی صاحب تخت و تاج کی شان کے منافی اور اسکی توہین و تذلیل کا باعث ہے۔ مشرق میں حکومت و تجارت کے حدود باہم نہیں ملائے گئے۔ پس اگر اور تمام باتوں سے قطع نظر کرکے اس قصّہ کو اسی اصول سے دیکھا جائے تو اسکی اصلیت و حقیقت آئینہ ہوجاتی ہے

(۸) فردوسی کو تنخواہ اور وظیفہ ملتا تھا پس اس صورت میں تصنیف کے آخر میں کسی خاص رقم کا وعدہ کیسا؟ رہا انعام وہ اختیاری ہے۔ اور یہ لازمی نہیں کہ تنخواہ دار ملازم کو انعام بھی دیا جائے۔

(۹) فردوسی نے سلطانی مصاحبت اور جاگیر کی خواہش کی تھی۔ پھر وہ کسی گرانبہا انعام کا کیونکر متوقع اور مستحق ہوسکتا تھا۔ اگر اُسے امید تھی تو یہ خود اُس کا قصور تھا

(۱۰) یہ ممکن ہے کہ فردوسی کو غلط فہمی ہوئی ہو۔ شاہنامہ کے اول ہزار اشعار لکھے جانے کے بعد سلطان نے اپنے وزیر خواجہ احمد کی معرفت اسے ہزار اشرفیاں بطور انعام بھیجی تھیں۔ پس بہت ممکن ہے کہ فردوسی نے قیاس کرلیا ہو کہ اگر شاہنامہ میں میں ساٹھ ہزار اشعار لکھ سکا۔ تو مجھے ساٹھ ہزار دینار ملیں گے۔ اگر یہ صحیح قیاس ہے تو یہ خود فردوسی کا قصور ہے۔ اس سے سلطان پر کچھ الزام نہیں آسکتا۔

(۱۱) فردوسی، وزیر، یا کسی امیر کی ریشہ دوانی سے بغیر روپیہ لیے چلا گیا پھر سلطان کی ہجو لکھی۔ اسکے بعد وزیر کے مُنہ سے اتفاقاً فردوسی کا شعر نکلا تو سلطان کو فردوسی یاد آیا۔ اُس کا قصور معاف کیا۔ اور اُسکے لیے زر سرخ بھجوایا۔

اگر بقول متاخرین۔ سلطان طامع تھا۔ تو اب وہ نقدی کیوں بھیجتا؟ اب تو اُسکے پاس بہانہ تھا اگر وہ ایک ایسے شخص کو جس نے سلطان کی ہجو لکھی اور جس پر قرمطی ہونے کا الزام عائد ہوتا تھا۔ معاف نہ کرتا اور اُسے زر کثیر نہ بھیجتا تو سلطان پر کچھ ملامت نہیں کی جاسکتی تھی بلکہ فردوسی جیسی پوزیشن کا

آدمی مشرقی نقطۂ خیال سے گردن زدنی تھا۔ بادشاہ کی توہین بغاوت ہے اور بغاوت کی معمولی سزا قتل! قرامطہ کو سلطان نے اکثر قید و قتل کیا۔ بااینہمہ فردوسی کو معاف کر دیا گیا۔

(۲) یہ معلوم کر کے کہ فردوسی قرمطی عقائد رکھتا ہے۔ سلطان جیسے دیندار بادشاہ کی جانب کم التفاتی کرنا قابلِ ملامت نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص ایسی صورت میں کہ جب خود فردوسی نے اپنے اشعار میں دبی زبان سے اس جرم کا اقبال کر لیا۔ اور کہہ دیا کہ آخر سلطان کے زیرسایہ اور بھی تو کفار و مشرک رہتے ہیں۔ اور سلطان ان سے تعرض نہیں کرتا۔"

ہزار اشعار کے بعد فردوسی کو ہزار اشرفیوں کا انعام دیا گیا۔ ممکن تھا کہ سلطان شاہ نامہ کی تکمیل کے لیے ایسا بیش بہا انعام دیتا جو فردوسی کی توقع سے بہت بڑھا چڑھا ہوتا۔ لیکن فردوسی کی بدقسمتی کا کیا علاج؟ کہ بیدینی کی تہمت اسکے گلے کا ہار ہوی۔

(۳) سلطان کی علمی سرپرستیوں کی تفصیل سب کو معلوم ہے۔ ان سب پر ایک سرسری نظر ڈالو پھر قیاس دوڑاؤ کہ کیا وہ فردوسی کے ساتھ بدعہدی کر سکتا ہے!؟!

یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آخر اس فرضی افسانہ نے اسقدر شہرت کیوں پکڑی کہ وہ سلطان محمود اور فردوسی کی تاریخ کا جزو لاینفک بن گیا؟

حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ جب کوئی اقبال مند اور صاحب علم و فضل قوم انحطاط کی طرف جاتی ہے تو اسکے تمام معقول و منقول علوم و فنون کی قائم مقام صرف شاعری رہجاتی ہے اور یہی ان لوگوں کے لیے مایۂ افتخار ہوتی ہے۔ گویا شاعری اور زوال قوم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ کلیہ مسلمانوں پر بالکل منطبق ہے۔ بغداد جاؤ یا اصفہان۔ مدہار غزنی کو دیکھو یا دیوان خاص دہلی کی سیر کرو۔ ہر جگہ تمھیں اسی

بات کا ثبوت ملے گا۔

اب سے دیکھئے ان علمبرداران علم و فن کے پاس یہی سلاح انتقام رہ گیا تھا۔ جو وہ امرائے ہمعصر کو اسی سے زیر و مرعوب کرنا چاہتے تھے۔ ایران ہو یا ہندوستان ان شعرا میں ہر ایک مزہ اسود! تھا۔ بلی کی قسمت سے چھینکا ٹوٹا۔ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے فردوسی کا قصہ اُنکے ہاتھ لگا۔ اس میں نمک مرچ لگا کر ایک افسانہ گڑھ لیا۔ اور اسکا صور بھی بلند آہنگی سے پھونکا کہ اسکی گونج آج تک ہمارے کانوں میں موجود ہے۔ افراد قوم کی تاریخی بے مذاقی اور بے اعتنائی مزید براں۔ کسی نے آنکھ کھول کر اتنا نہ دیکھا کہ درحقیقت بات کیا ہے؟!

استغفراللہ!

بات یہ ہے کہ قومی ادبار کے زمانہ میں ایسے ہی شگوفے کھلا کرتے ہیں۔ جن افراد قوم کے اخلاق خود ادنیٰ درجہ کے ہوتے ہیں انھیں بے تکلف اپنے بزرگوں کے اخلاق میں بھی وہی کمزوری نظر آ جاتی ہے۔ انسان اپنے ہی آئینہ میں دوسروں کو دیکھنے کا عادی ہے۔ سلطان محمود غازی کی دینی سرگرمی۔ جہادی جوش، فاتحانہ پیش قدمی، علمی سرپرستی۔ معدلت گستری، وغیرہ سب کچھ فراموش! مگر فرضی بدعہدی کا افسانہ ازبر!! حیف برما۔

پس سلطان محمود غازی نہ لالچی تھا۔ نہ زرپرست۔ اور نہ دون ہمت۔ بلکہ فیاض۔ عالی ہمت۔ علم دوست اور علوم و فنون کا مربی تھا۔ اُس نے غزنی میں دارالعلوم قائم کیا۔ بے شمار دینی و دنیوی مدارس و خانقاہیں ممالک محروسہ میں جاری کرائیں۔ اس کا دربار علما۔ فضلا۔ اور شعرا کا مرجع بنا ہوا تھا۔

حکیم مظفر حسین اظہر
دہلوی

کوئل

پیاری کوئل! جو جگر سوز صدا دیتی ہے ہائے کیا چیز ترے دل کو دکھا دیتی ہے
صبحدم کوک تری کیا ہی مزا دیتی ہے دل سوزاں میں مرے آگ لگا دیتی ہے

تیری آواز میں یہ درد کہاں سے آیا
سوزِ الفت کا مزا تو نے کہاں سے پایا

نہ چھپا مجکو سنا اپنے دلِ زار کا حال کہدے جی کھولکے سب آہِ شرربار کا حال
مجھکو معلوم ہے کچھ بلبل بیمار کا حال جس سے الفت ہے تجھے کہہ اُسی دلدار کا حال

کس پری نے تجھے دیوانہ بنا رکھا ہے
دام گیسو نے ترے دل کو پھنسا رکھا ہے

سوگ کس کا ہے جو ماتم میں سیہ پوش ہے تو رنج و اندوہ و مصیبت سے ہم آغوش ہے تو
کسقدر جام مئے عشق سے مدہوش ہے تو کبھی نالاں کبھی گریاں کبھی خاموش ہے تو

تیری آہوں میں ذرا سا بھی اثر ہے کہ نہیں
تیرے اس حال کی دلبر کو خبر ہے کہ نہیں

نالہ و آہ و فغاں ہر گھڑی نادان نہ کر مضطرب ہوکے تو منجیاں ہر آن نہ کر
ننھی سی جان کو تو مفت میں ہلکان نہ کر خود پریشان نہ ہو مجھکو پریشان نہ کر

کوکتے کوکتے اک روز تو مر جائے گی
اسی ماتم میں جہاں سے تو گذر جائے گی

سوچ دل میں ارے نادان بُرا کرتی ہے رات دن دم جو محبت کا بھرا کرتی ہے
جان کیوں اپنی کسی گل پہ فدا کرتی ہے تو عبث نالہ و فریاد و بکا کرتی ہے

ظلمی بیرحم حسینان جہاں ہوتے ہیں
مہرباں یہ کسی عاشق پہ کہاں ہوتے ہیں

سید محمد اسمعیل رسا ہمدانی گیاوی

انسانی کمزوری

رات کو گیارہ بجے پلنگ پر لیٹا تو گرمی کی زیادتی، اور دن بھر کے تازہ حادثات اور پُر حسرت و افسوس واقعات نے یاد آکر نیند کو اُچاٹ کر دیا۔ ہزار کوشش کی کروٹوں پر کروٹیں، پہلو پر پہلو، بدلے مگر نیند نہ آنی تھی نہ آئی۔ ایسے موقع پر جسقدر کوفت، اور تکلیف ہوتی ہے وہ ظاہر ہے۔ جب کروٹیں لیتے لیتے پسلیاں جلنے لگیں اور گھنٹہ بھر سے زیادہ عرصہ گذر گیا، تو میں مجبوراً اُٹھ بیٹھا۔ میز پر سے ایک کتاب اُٹھا کے لیمپ کی روشنی میں پڑھنے لگا۔ مگر اس سے بھی پریشانی اور اضطراب میں کمی نہیں ہوی۔ اور نہ صرف یہی بلکہ دو دشمن مچھر اور کھٹمل آ آ کر حملہ کرنے لگے۔ اور میں عاجزانہ انداز سے مدافعت کی تدبیریں اختیار کرنے لگا۔ مچھر میرے ہاتھ ہلانے سے ذرا ایسا ہو جاتے تھے مگر چند سکنڈ کے بعد ہی پہلے سے بھی زیادہ زور دار حملہ کر دیتے تھے جس سے میرے رہے سہے ہوش و حواس بھی غائب ہو جاتے تھے کان کے پاس اس زور سے نعرہ مارتے تھے کہ میں سہم جاتا تھا۔ اور رات کے سناٹے نیز خیالات کی یکسوئی میں مجھے یہ مداخلت بہت ناگوار ہوتی تھی۔ اودھر کھٹمل مجھ سے چمٹ گئے تھے۔ اور جونکوں کی طرح بیدھڑک خون چوسنا شروع کر دیا تھا۔ اگرچہ میں نے اپنی طاقت سے زیادہ مقابلہ کیا۔ مگر اس سے نہ ان کی تعداد میں کمی واقع ہوی نہ اِن کی خونخواری، خون آشامی کا جوش ٹھنڈا پڑا۔ بلکہ ہر بار پہلے سے بھی زیادہ طاقتور حملہ کرتے تھے۔ پہلے تو میں نے خیال کیا "اچھا ہے فاسد خون خارج ہو رہا ہے" مگر اس غلط خیال کو جلد اپنے ذہن سے نکالدینا پڑا۔ اور میں

ان کی بہادری، استقلال، اور قربانی کا قائل ہوگیا۔ مچھر کو دیکھیے کسقدر بے حقیقت جانور ہے۔ انسانی عظیم الشان اور ذی اثر قوتوں کے مقابلہ میں اس بیچارے ضعیف البنیان کی کیا ہستی ہے مگر اس کی جرأت کو ملاحظہ فرمائیے کہ انسان کو دھوکے سے ایذا نہیں پہنچاتا۔ منافقوں کی طرح اس کا ظاہر و باطن ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہے۔ وہ جب وار کرنے کی تیاری کرتا ہے۔ اور اپنے پختہ ارادے کی مدد سے انسان جیسی زبردست ہستی کے ڈھانے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو پہلے آواز دے کر جتا دیتا ہے کہ ہم حملہ کرتے ہیں۔ خبردار ہو جاؤ۔ بخلاف اسکے حضرت انسان پانچ میل کی دوری پر بلّی کی طرح دبکے ہوئے کسی خود ساختہ "قبر نما" خندق میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور وہاں سے بغیر اطلاع گولی چلا کر اپنے ہمجنس کی عزیز جان کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔ ذوق نے کیا خوب کہا ہے

پشّہ سے سیکھے شیوۂ مردانگی کوئی
جب قصد خوں کو آئے تو پہلے پکار دے

ابھی ان دونوں سے ذرا بھی فرصت نہیں ملی تھی کہ ایک تیسرا دشمن اٹھ کھڑا ہوا جس کا نام مکھی ہے۔ یہ بھی ان دونوں سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اس ظالم نے یہ دیکھکر کہ دو کمزور ہستیوں نے انسان جیسے قوی الجثہ دیو ہیکل اور طاقتور مخلوق پر حملہ کیا ہے۔ اور لپ پائی اور اکثر کو موت نصیب ہو چکی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان ان غریبوں پر غالب آ جائے۔ اسکے دل میں اپنے ہمجنس کی ہمدردی اور اعانت و دستگیری کا دریا لہریں مارنے لگا۔ اس نے لپک کر مجھپر حملہ کیا ہی تو بھی۔ اور اس زور شور، اس جوش و خروش کے ساتھ، کہ میں گھبرا گیا۔ اور مجھے اپنی بے بسی، اور عاجزی پر ندامت و حسرت ہوئی۔ ناچار میں دفعیہ کی کوشش کرنے لگا مگر وہ ہر وقت تیر کی طرح میرے منھ، ناک، کان پر آ کر

بیٹھی تھیں میں ہاتھ چلاتا تھا جو یقین ہے اُنکے کوئی بھی نہ لگتا تھا۔ سوائے اس کے کہ میں نے اپنے ہاتھ تھکائے اِس کا اور کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ مگر اسکے علاوہ اور کوئی صورت بچت کی فی الحال سمجھ میں بھی نہیں آئی تھی۔ اس لیے میں نے اس حرکتِ اضطراری کو ترک نہیں کیا میں اب بالکل تھک گیا، اور مجھپر بدحواسی چھا گئی۔ مجھے اپنی کمزوری کا تجربتاً احساس کرنا پڑا۔ اور اپنی بےبسی پر سخت شرمندگی ہوی۔ تقریباً تمام رات اسی پریشانی میں بسر ہوی صبح ہوتے ہوتے نیند نے غلبہ پانا شروع کیا تو ایک چوتھا حریف یعنی چیونٹی میرے مقابلہ میں آگیا۔ اور اُس نے بھی میرے خلاف وہی طرزِ عمل اختیار کیا جو اُس کے ہمجنس کر رہے تھے اب تو مجھے ان چار ناچیز مگر غیر معمولی دشمنوں سے شکست کھائے بغیر چارہ نہ تھا۔ مجبوراً میں دولائی اوڑھکر لیٹ رہا مگر ان کا زور ذرا بھی نہ گھٹا۔ خاص کر مچھر اور مکھی کی ناگوار آوازیں قوتِ سامعہ کو ناگوار معلوم ہو رہی تھیں اسی طرح چیونٹی اور کھٹمل کی خونخواری برابر جاری تھی۔ تھوڑی دیر دولائی کے قلعہ میں چھپا لیٹا رہا۔ مگر گرمی کی شدت سے پسینے پسینے، اور جان سے بیزار ہو گیا۔ اور مجھپر عجیب و غریب کیفیت طاری ہوی۔ میں خود بخود سوال کرنے لگا کہ "کیا میں انسان ہوں اور انسان کا وہی مفہوم ہے جو لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ افسوس!

باوجود انسان ہونے کے میں ان بےحقیقت جانوروں کا کچھ نہیں بنا سکا اور وہ اپنی حیثیت سے بہت زیادہ مجھے نقصان پہنچاتے۔ اور میری ایذارسانی کا کام خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ ایک ایسی بات معلوم ہوی جو ان چاروں میں یکساں طور پر مشترک ہے اور وہ یہ کہ اپنی شکست وانہزام سے گھبرانا ابھی چھوڑ دینا، بھاگ جانا اور دوبارہ حملے کا ارادہ ترک کر دینا، ایسی باتوں کا ان میں وجود ہی نہیں ہے وہ جانتے ہی نہیں کہ بھاگنا، یا اگر کبھی

پسپا ہوئے تو دوبارہ حملہ کرنا کس چیز کا نام ہے۔ نہ اپنے ساتھیوں، ہم جنسوں کی موت اُن کے بڑھے ہوئے حوصلے، عزم، و استقلال، ثابت قدمی پر کوئی غیر مفید اثر ڈال سکتی ہے نہ دشمن کی طاقت اُنھیں بدحواس، اور اُن کے ارادوں کو فسخ کر سکتی ہے وہ مرتے جاتے ہیں، پسپا ہوتے جاتے ہیں، مگر آگے بڑھتے جاتے ہیں، اُن کے دماغ میں بس ایک ہی خیال آتا ہے یعنی "کامیابی حاصل کرنا" جو لوگ اپنی آرام کرسیوں پر ٹانگیں پھیلائے انسانیت کے خواب دیکھا کرتے ہیں اور بزعم خود اپنے کو اشرف المخلوق میں شمار کرتے ہیں ان کی چشم بصیرت کے لیے یہ سچا واقعہ چراغ ہدایت ہے۔

محمد اسمٰعیل ہاتف

تصویر شام

[مشہور نادست میری کوریلی کی نظر سے]

اک حسینہ جو نہاں ملبوس عریانی میں ہے
پاکدامانی ہی جس کی چاکدامانی میں ہے

فرش پر پنجوں کے بل محو خرام ناز ہے
نیم وا آنکھوں سے ظاہر سحر ہے اعجاز ہے

اور کھلا چہرہ نہیں حسن دل آویز ہے
اک تبسم کی ادا گویا متانت ریز ہے

رکھی ہے نازک لبوں پر اُنگلی دائیں ہاتھ کی
اور اک گلدستہ سے زینت ہے بائیں ہاتھ کی

دیکھنا تصویر یا ہائے خموشی دیکھنا
شام کے نظارہ کی جلوہ فروشی دیکھنا

ارشد تھانوی

رباعی

انسان کسی چیز کی خواہش نہ کرے
بیفائدہ دل کو وقف رنجش نہ کرے

حاصل ہے جو شے رہے اُسی سے مسرور
نادارنی کے احساس کی کوشش نہ کرے

ارشد تھانوی

سندیلہ کا مشاعرہ

سندیلہ کے تعلقدار جناب منشی التفات رسول صاحب کے ہاں ہر سال مشاعرہ منعقد ہوتا ہے۔ اس مرتبہ ہمیں بھی اسمیں شرکت کا موقع ملا مشاعرہ کا انتظام اعلےٰ پیمانہ پر کیا جاتا ہے۔ اور منشی صاحب موصوف کا خلق دور دور سے شعرا کو سندیلہ کے مشاعرے میں لا کھینچتا ہے چنانچہ گزشتہ مشاعرے میں دہلی لکھنؤ کانپور۔ شاہجہانپور اور مراد آباد۔ الہ آباد وغیرہ وغیرہ شہروں سے بہت سے شعرا آکر شریک مشاعرہ ہوے تھے۔ مشاعرہ التفات رسول صاحب کی کوٹھی کے پُر فضا احاطہ میں ہوا تھا جو بہت بارونق تھا گو بعض شعرا کی یہ کوشش کہ وہ کسی خاص شاعر کے بعد پڑھیں بعض اوقات مشاعرے میں ایک بے ترتیبی کا منظر پیش کر دیتی تھی جہاں ہم نے بہت سے حضرات کو التفات رسول صاحب کے خلق کا بے انتہا شکر گذار پایا۔ وہاں چند حضرات ایسے بھی ملے جنکو تعلقدار صاحب موصوف کی طرف سے شعرا میں عدم مساوات برتنے اور قیام کے انتظام کے متعلق شاکی پایا بحیثیت مجموعی سندیلہ کا گزشتہ مشاعرہ کامیاب مشاعرہ کہا جا سکتا ہے رؤسا و تعلقداروں کی طرف سے اس قسم کی مجالس کا انعقاد اردو اور اردو شاعری کے لیے ایک فال نیک ہے اگر دوسرے رؤسا بھی التفات رسول صاحب کی تقلید کریں تو یقیناً اردو کی ایسی کس مپرسی کی حالت باقی نہ رہے گی جیسی آج ہے۔ ہم نے اس مشاعرے کی چند غزلیں ناظرین تمدن کی ضیافت طبع کے لیے حاصل کی ہیں جو درج ذیل ہیں جن حضرات کی غزلیں درج ذیل ہیں اُن میں سے سب پر مشاعرے نے بہت کافی داد دی مگر رات کے مشاعرے میں جناب سائل دہلوی اور دن کے مشاعرے میں جناب مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی کو مقابلۃً زیادہ داد ملی۔ مشاعرہ رات کو دس بجے کے قریب شروع ہوکر دن کے نو بجے کے قریب ختم ہوا۔

ایڈیٹر

حضرت سید حسین احمد صاحب بیباک شاہجہانپوری

ملول کیوں دل آشفتہ حال ہوتا ہے — وہی تو ساقیِ بزمِ خیال ہوتا ہے
تمام عشق میں دل نے ادا وہ پیدا کی — شباب میں جو حسینوں کا حال ہوتا ہے
کوئی سبب بھی تو ہو اتنی مہربانی کا — یہ آج کیا ہے جو عہد وصال ہوتا ہے
ہوا نہ فاش یہ حرف آرزو اپنا — کب آشنائے لب بے سوال ہوتا ہے

پھر ابتدائے ترقی پہ کیوں نہ روئیں ہم — اسی گھڑی سے شروع زوال ہوتا ہے
ہنوز طالب رنج تعب ہے دل گویا — کچھ اس ادا سے وہ پرسانِ حال ہوتا ہے
پھر اک ذرا مجھے کمبخت کہہ کے ہنس دینا — یوں ہی تو عشق میں رفع ملال ہوتا ہے
دم اخیر جو آتی ہیں ہچکیاں یارب — کہ اب اُدھر سے پیام وصال ہوتا ہے
دہاں کو آپ ہی میں لاؤ قطع کر ڈالوں — کہ بات بات پہ دل پائمال ہوتا ہے
اُٹھاؤ پھر مجھے در سے یہ پہلے دیکھ تو لو — کہ سدِّ راہ تمھارا خیال ہوتا ہے
جفا سہوں تو دلِ ناتواں میں تاب نہیں — گلہ کروں تو اُسے انفعال ہوتا ہے
یہ کیا سمجھ ہے تمھاری جو تم کو پیار کرے — اُسی سے رنج اُسی سے ملال ہوتا ہے
خدا کے سامنے کیا جانے حال کیا ہوگا — بتوں کے آگے تو دل کا یہ حال ہوتا ہے
کچھ اپنی شوخیِ رعنائی خیال نہ پوچھ — کہ دل میں ذوقِ وفا پائمال ہوتا ہے
ہو ضبط گریۂ پیہم جو دل پہ قابو ہو — یہ مجھ غریب سے کیسا سوال ہوتا ہے
کسی زمانہ میں یہ آپ بھی تو کہتے تھے — خیال کرنے سے دل کو خیال ہوتا ہے

کسی کے عشق میں دل خاک ہوگیا بیباک
وہی ہوا جو وفا کا مآل ہوتا ہے

اپیل

عم مکرم جناب مولانا مولوی عبدالراشد الخیری صاحب نے جولائی سنہ ۱۹۱۵ء کا آخری پرچہ نکالا تھا۔ آج جولائی سنہ ۱۹۱۶ء کا "تمدن" حاضر خدمت ہے۔ جو ہمارے اہتمام سے شائع ہوا ہے۔ اس ایک سال کی مدت میں "تمدن" کی حالت میں جو کچھ ترقی ہوی اسکا اندازہ ہم اخبارات اور ملک کے مشہور ادیبوں کی آرا، اور اپنے ناظرین کے بیشمار خطوط مبارکباد سے کر سکتے ہیں۔ ہمارے لیے اس محنت کا یہ ثمرہ ایک بڑی حد تک کافی ہے کہ ملک نے بھی "تمدن" کی قدر کی۔ مگر اس قسم کی قدردانی جو ہمارے لیے مایۂ ناز ہوسکتی ہے "تمدن" کے لیے فی نفسہٖ کچھ بہت کارآمد نہیں ہوسکتی۔ "تمدن" کی ظاہری اور معنوی خوبیوں میں اضافہ

جناب ضمیر حسن خاں صاحب دل شاہجہانپوری

کہیں خموش یہ محوِ جمال ہوتا ہے
نئی زبان میں اظہار حال ہوتا ہے

کدھر سے آئی دمِ امتحاں یہ اُف کی صدا
شکست دل کا مجھے احتمال ہوتا ہے

مری فغاں کبھی گوشِ آشنا نہیں ہوتی
مرا سکوت مگر عرض حال ہوتا ہے

رہے نگاہ میں ہر ذرہ کوے جاناں کا
انھیں حدود میں دل پائمال ہوتا ہے

بس انتہا ہے کہ سنگ درِ حبیب سے ہم
بیان کرتے ہیں جو دل کا حال ہوتا ہے

اُنھیں کا دل ہے جو مشغول آہ ہیں شبِ غم
یہاں تو سانس بھی لینا محال ہوتا ہے

کوئی سبب ہے کہ لکھ لکھ کے ہم مٹاتے ہیں
جو کچھ بھی رنج و مصیبت کا حال ہوتا ہے

ہر ایک سانس ہے طولِ شبِ الم کا جواب
مریضِ عشق کو مرنا محال ہوتا ہے

مگر یہ دل ہے پر از واقعات ماضیٔ حال
عیاں ہر آہ میں کچھ تازہ حال ہوتا ہے

مری سرشت میں شامل ہوا زمیں کی خاک
سکونِ قلب جہاں پائمال ہوتا ہے

یہ کیا کہا کہ وفا کل کروں گا وعدۂ دید
ترے جواب میں پیدا سوال ہوتا ہے

ٹپک رہا ہے لہو اب بجاے قطرۂ اشک
اسی لیے تو وہ پرسان حال ہوتا ہے

جفا شعار کدھر ہیں سنیں بغور اسے دل
بیان دل کی وفاؤں کا حال ہوتا ہے

اس صورت میں ترقی ہوسکتی ہے کہ ناظرین "تمدّن" "تمدّن" کی توسیع اشاعت میں کوشش فرمائیں
کیا "تمدّن" کے ناظروں کے بیچ جنمیں سے بیشتر حضرات بہت با اثر ہیں یہ ناممکن ہے کہ وہ
دو دو۔ چار چار خریدار عنایت فرمائیں۔ اگر ناظرین "تمدّن" میں سے صرف دو سو حضرات
نے بھی اپنے اثر سے کام لیا اور اپنے احباب میں "تمدّن" کی توسیع اشاعت کی کوشش
کی تو یہ امر کوئی مشکل نہ ہوگا کہ "تمدّن" کی ظاہری و معنوی خوبیوں میں معقول اضافہ
ہوجائے اور ملک کی اس راے میں سے "تمدّن" نے اپنے زمانۂ مقبولیت کی سی شان پیدا
کرلی ہے۔ ظاہری خوبیوں کی کمی ہے اور خصوصاً تصویر کی" ظاہری خوبیوں کی کمی ہے
اور خصوصاً تصویر کی والا فقرہ حذف کردیا جاے۔ ایک سال کی مستقل اور باقاعدہ

حضرت نوح ناروی

کبھی یہ عالمِ حسنِ خیال ہوتا ہے
کہ غیر پر بھی تِرا احتمال ہوتا ہے

اُسی کی موت پہ اُن کو ملال ہوتا ہے
امیدِ وصل میں جس کا وصال ہوتا ہے

فراقِ یار میں جینا محال ہوتا ہے
ذرا سے دل کو بہت سا ملال ہوتا ہے

ہم اُٹھتے ہیں تو نقاہت سے بیٹھ جاتے ہیں
جو بیٹھتے ہیں پھر اُٹھنا محال ہوتا ہے

وہ چاہتے ہیں کہ اظہارِ غم بھی یہ نہ کرے
مرے ملال سے اُن کو ملال ہوتا ہے

نظر کے سامنے آ کر جو وہ ٹھہرتے ہیں
مری نظر کا ٹھہرنا محال ہوتا ہے

ٹھہر ٹھہر کے ذرا تم چلو خدا کے لیے
قدم قدم پہ کوئی پائمال ہوتا ہے

نگاہ غور سے وہ آئینہ کو دیکھتے ہیں
جمال بھی کبھی محوِ جمال ہوتا ہے

تلاش کیجیے لیکن پتہ نہیں چلتا
ہجومِ ناز میں دل کا یہ حال ہوتا ہے

جفا سے کم نہیں رشکِ جفا بھی دل کے لیے
چھری کسی پہ چلے یہ حلال ہوتا ہے

گری پڑی جو کوئی چیز دیکھ لیتا ہوں
تو اپنے دل کا مجھے احتمال ہوتا ہے

وہ شوق تھا جو کبھی انبساطِ دل کا سبب
اب اُسکے ذکر سے مجھ کو ملال ہوتا ہے

گلوں کا حسن پھر اُس پر بہار کا موسم
جو دیکھتا ہے چمن وہ نہال ہوتا ہے

کوئی بچائے گا دل کس طرح بچائے گا
وہاں تو پہلے اسی کا سوال ہوتا ہے

کوشش کے بعد اور ہمارے کرنے کا جو کچھ تھا اسکی ما دآپ حضرات سے ملنے کے بعد غالباً ہم اس بات کے مستحق ہیں کہ آپ سے عرض کریں اور آپ سے اُسکو مدد کر دینے کے متوقع ہوں۔ اگر آپ حضرات "تمدن" کو واقعی کوئی کارآمد چیز خیال کرتے ہیں تو اسکو پوری شان و شوکت سے نکالنے میں ہماری مدد فرمائیں:۔ انگریزی کی یہ مثل کہ اگر کوئی کام کرو تو اسے حُسن و خوبی کے ساتھ کرو اکثر ہمکو ٹھوکر دیتی ہے مگر جو کچھ حسن و خوبی ہم اپنی تنہا کوشش سے کر سکتے تھے وہ کر رہے ہیں۔ اگر آپ حضرات "تمدن" کی اس حالت پر اکتفا کرنے کے لیے تیار ہیں تو خیر۔ ورنہ اسکی توسیع و اشاعت کے لیے اپنے حلقۂ اثر میں کوشش فرمائیے۔

"تمدن" کے ناظرین میں یقیناً کوئی ایک صاحب بھی ایسے ہونگے جنکے کم از کم دو دوست بھی

وہ جوش رہتا ہے طوفاں بحر عشق میں نوح
کہ جسکو پار اُترنا محال ہوتا ہے

جناب ابو العلیٰ سید صاحب ناطق لکھنوی

کمال عشق بھی کیا زوال ہوتا ہے　　مرا فراق بھی رشک وصال ہوتا ہے
جو آکے وہ نہیں ملتا تو جان جاتی ہے　　غرض نتیجۂ فرقت وصال ہوتا ہے
دوبارہ حشر میں جینے کا ہے یہی باعث　　کہ قتل کرکے اُنھیں انفعال ہوتا ہے
اخیر وقت ہے یکسوئی اب تو ہونے دو　　ہٹا دو سب کو پریشاں خیال ہوتا ہے
وہ مہروش ہے جواں اب کہاں مجال نظر　　جمال بڑھ کے ہمیشہ جلال ہوتا ہے
جو مجھ پہ عشق میں گذرتی ہے کہہ نہیں سکتا　　کہ خود مجھی سے نہاں میرا حال ہوتا ہے
نہ رکھ برائے خدا اور قیدیوں میں اُسے　　اسیر زلف پریشاں خیال ہوتا ہے
قریب آکے ترے گرد پھر نہیں سکتا　　کہ مجھ سے سایہ ترا پائمال ہوتا ہے
نہ دونگا جان اگر ہجر میں تو کیا دونگا　　فراق ہی میں تو لطف وصال ہوتا ہے
جواب دیگا کوئی کیا نگاہِ حسرت کا　　کسی سے رد کہیں میرا سوال ہوتا ہے

ہے انتظار میں ناطق جو نزع کی اُلجھن
یہ وصل و ہجر کا آج اتصال ہوتا ہے

حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

جہاں میں آپ ہی اپنی مثال ہوتا ہے　　وہ دل جو آئینہ دار جمال ہوتا ہے
میں طول محنت زنداں بتا نہیں سکتا　　یہاں نہ ماہ ہے پیدا نہ سال ہوتا ہے
خدا سے نشۂ الفت کہ غم سے فارغ ہوں　　مجھے خبر نہیں کیسا ملال ہوتا ہے

ایسے نفوس جو تمدن کو خرید سکیں۔ بنا برآں ہم مودبانہ درخواست کرتے ہیں کہ ایسے حضرات براہ
نوازش "تمدن" کی توسیع اشاعت میں کوشش فرما کر ہم کو ممنون فرمائیں۔
"تمدن" جس حالت میں ہے اس حالت میں تو وہ آپ حضرات کے سامنے آتا رہے گا مگر
اسکو بہتر صورت میں منتقل کرنا آپ کے ہاتھ میں ہے۔　　ایڈیٹر

قمر کے دل میں اگر داغ رہ گیا تو یہی   کہ ایک رات کا مہماں کمال ہوتا ہے

جو ہو سکے تو لحد پر نہ بھولی چال چلو   جو مٹ چکا ہے وہ پھر پائمال ہوتا ہے

بروئے دوش ہے زلفِ دراز کیوں شانے   خیال صید میں کاندھے پہ جال ہوتا ہے

حکایت ستم و جور خوب ہے لیکن   یہ رنج ہے کہ انھیں انفعال ہوتا ہے

وفا نبھائے جسے خونِ دل کے تھالوں میں   ریاضِ دہر میں بس وہ نہال ہوتا ہے

جو کچھ ملے تجھے بلّٰلہ جمع کرتا جا   فقیر سے بھی کسی دن سوال ہوتا ہے

بگاڑ بخت کا اے ہمصفیر کیا بنتا   اک آشیاں کا بنانا محال ہوتا ہے

مجالِ نالہ و فریاد اب کہاں ثاقب
زبانِ حال سے اظہارِ حال ہوتا ہے

جناب مرزا صابر حسین صاحب صابر خلف حضرت ثاقب لکھنوی

وفورِ درد جگر سے یہ حال ہوتا ہے   سنبھل کے سانس بھی لینا محال ہوتا ہے

کھٹک ہے۔ روح کی جو یہ نہ ہو تو کچھ نہ رہے   مریضِ عشق کو جینا وبال ہوتا ہے

ہے سوزِ حشر سیہ ظالموں کی آنکھوں میں   مرے گرے ہوئے خوں کا سوال ہوتا ہے

خوشی تو یاد نہیں شاید آ گئی ہو کبھی   وسیع دامنِ صحنِ خیال ہوتا ہے

کمال ہو تو جہاں کچھ بنا نہیں سکتا   غبار سرمۂ چشمِ غزال ہوتا ہے

گلے پہ تیغ ہے اس فرق سے میں کیا خوش ہوں   کہ فاصلہ سے میسر وصال ہوتا ہے

شنیدِ حسن سے خوش ہو کہ دہر گھات میں ہے   کبھی ہنسی میں بھی پیدا ملال ہوتا ہے

سفر قیام میں دیکھو تو مرنے والوں کا   بغیر جنبشِ پا انتقال ہوتا ہے

یہ بے نقابیِ ماہِ دو ہفتہ خوب نہیں   زمانہ دشمنِ اہلِ کمال ہوتا ہے

تو پر کتر مرے بازو بھی کاٹ لے صیاد   وبال قید میں ایک ایک بال ہوتا ہے

قوی دلاں کرم بھی ہیں ناتواں صابر
گراں زبان پہ حرفِ سوال ہوتا ہے

اس مشاعرہ کی اور چند غزلیں اگر ممکن ہوا تو آئندہ نمبر میں درج ہوں گی۔

گیتانجلی

ہمارے کرم فرما جناب آصف علی صاحب بیرسٹرایٹ لا دہلی نے گیتانجلی کے اُردو ترجمہ پر ایک تنقیدانہ نظر ڈالی ہے جو ملک کے ایک مشہور ادیب کے زور قلم کا نتیجہ ہے جناب نیاز فتحپوری کا نام نامی ادبی دنیا میں کسی خاص تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ جناب نیاز کا دلچسپ پیرایۂ تحریر ان کا خاص امتیاز ہے۔ چنانچہ اس خصوصیت کی جھلک جس طرح ان کی تمام تصنیفات و تالیفات میں نظر آتی ہے وہ اس ترجمہ میں بھی موجود ہے۔

ہمارا ارادہ خود اس کتاب پر تنقید لکھنے کا تھا مگر ہمارے کرم فرما نے اس تنقیدی مضمون کے لکھنے کے بعد اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ جناب آصف علیصاحب کی تنقید سے ہمیں ایک بڑی حد تک اتفاق ہے اور اسلیے ہم اس مضمون کے بعد گیتانجلی کے اُردو ترجمہ پر ریویو کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ ایڈیٹر

سر رابندرا ناتھ ٹگور کی شہرت دوپہر کی دھوپ کی طرح ہر طرف اور ہر جگہ پھیل چکی ہے یہاں تک کہ اُردو جاننے والی نادان دنیا بھی اس نام سے ناواقف نہیں۔

یہاں صرف اسقدر کہدینا کافی ہے کہ رابندرا ناتھ بنگال کے مشہور و معروف اُستاد ہندوستان کے مسلمہ ملک الشعراء اور دنیا کے مانے ہوئے مصنفین میں سے ہیں ان کے کلام سے بہرہ اندوز ہونا گویا علمی دنیا کے چند بہترین نمونوں میں سے ایک سے لاعلم رہنا ہے۔ یہ بدقسمتی ہے اُردو داں دنیا کی کہ اسکے ذخیرۂ کتب میں رابندرا ناتھ کے اُردو ترجمہ موجود نہیں۔ یوں تو بنگالی میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں لیکن انگریزی میں اسوقت تک چند کتابیں طبع اور شائع ہوئی ہیں یعنی ایک تو گیتانجلی (نذر نغمہ)

(۲) باغبان - (۳) ہلال - (۴) پیام گاہ - (۵) چترا - (۶) سادھنا - ایک فلسفانہ تصنیف (۷) کبیر کی نظموں کا انگریزی ترجمہ - علاوہ ان نظموں کے جو وقتاً فوقتاً مختلف رسائل میں طبع ہوتی رہی ہیں مصنف نے سب سے پہلے اپنی اکثر نظموں کا ترجمہ انگریزی میں کر کے گیتانجلی یعنی نذر نغمہ کی صورت میں شائع کیا اسکی مقبولیت کی انتہا نہ رہی اور مغرب نے شل تشنۂ سہ روزہ کے اس چشمۂ آب روحانیت کی سبیل عام کردی اور تھوڑے ہی عرصہ میں نذر نغمہ کا ہر ایک فرنگستانی زبان میں ترجمہ ہو گیا - ولندیزوں کی اس ادبی انجمن نے جو کئی سال سے اس غرض کے لیے مقرر ہے کہ ہر ایام کتب نویسی کے اختتام پر وہ بہترین تصنیف کو منتخب کر کے اسکے مصنف کو ایک بیش قرار انعام عطا کرے جسے وہ "انعام نوبیل" کہتے ہیں - کیونکہ ایک مخیر مسمی نوبیل کا وہ بنا کردہ ہے جس کی دولت اسی کام کے لیے وقف ہے - گیتانجلی کو ۱۹۱۳ء کی بہترین تصنیف فرنگستان بھر میں قرار دے کر رابندرا ناتھ کو انعام معروف کا مستحق قرار دیا اور ہندوستان کو اس امر کا افتخار بخشا کہ مہذب دنیا میں اسکا بھی بلا امتیاز شمار ہوتا ہے - اس قدر دانی سے انھوں نے ہماری قدر افزائی کی یا خود اپنی حق شناسی کا ثبوت دیا آنے والی نسلیں فیصلہ کریں گی -

یہاں ترجمہ کے متعلق یہ کہنا ضروری ہے کہ کسی غیر زبان کا ترجمہ کرنا سہل نہیں بلکہ نہایت اہم کام ہے اور صرف اسی وقت اطمینان بخش تکمیل کو پہنچتا ہے کہ مترجم نہ صرف ہر دو زبانہائے ترجمہ میں دستگاہ کامل رکھتا ہو بلکہ صحیح المذاق ہونے کے علاوہ خوش فکر اور نکتہ سنج بھی ہو یہ صفات گہری علمیت بغیر بے معنی ہیں یوں ترجمہ صد ہا طرح پر ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا مگر مصنف کے مفہوم کا ادا کرنا اور اسکے مقصد کو بیان کے لباس سے آراستہ کرنا نہایت ہی مشکل کام ہے ترجمہ کا سلسلہ آج صدیاں ہوئیں کہ جاری ہے اور جہانتک ہمیں معلوم ہے

اسکی ابتدا عربوں سے ہوئی کہ انھوں نے یونانی۔ عبرانی۔ سریانی۔ سنسکرت۔ فارسی اور دیگر زبانوں کی تصانیف کے ترجمے کرکے اپنی زبان میں ایک نئی جان ڈالدی اُن سے پہلے روما الکبریٰ میں یونانی کتابوں کے ترجمے موجود تھے مگر ترجمے سے خاص اپنی زبان کا متمتع کرنا خاص عربوں کا خاصہ رہا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جیسے عمدہ اور صحیح ترجمے انگریزی فرانسیسی اور بالخصوص جرمن زبانوں میں پائے جاتے ہیں اور زبانوں میں کم ہوں گے۔ اب ایک تو ترجمہ وہ ہے کہ جیسے عمر خیام کی رباعیات کا شاعر "فٹز جیرلڈ" نے کیا ہے کہ جس کی مثال اس گلاب کے پودے کی سی ہے کہ جسمیں کسی دوسرے قسم کے گلاب کی قلم لگائی جاوے پتے اور شاخیں ضرور اُسی گلاب کی سی رہیں گی مگر پھول بلحاظ خوشبو۔ رنگ اور جسامت کے بالکل مختلف ہوگا۔ چنانچہ عمر خیام کے خیال ضرور ہیں مگر ایک نئی زبان اور ایک نازک خیال شاعر کی خیالکاری سے مزین ہوکر بالکل ایک نئی چیز ہوگئے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اصل سے ترجمہ بہت بڑھا ہوا ہے۔ دوسرا وہ ترجمہ کہ جیسے دیوان حافظ کا ترجمہ "کاڈیل" کا کیا ہوا۔ یعنی ایک عالم متبحر کا سالہا سال کے عقل افروز مطالعہ زبان و دیوان کے بعد۔ اصل سے قطعی مطابق اور ہر لحاظ سے تحقیق علمی کے زیور سے آراستہ تیسرا وہ ترجمہ جو عالم "ہیگرڈ" نے شاعر بے بدل کالیداس کی تصنیفات کا کیا ہے۔ کہ مغربی نکتہ سنجی اور نسبتی تنقید کا نمونہ اور علمی تجسس و جانفشانی کا مرقع مگر اصل کی خوبیوں سے معرّا اور حلاوت سنسکرت سے بے منت پھر ایسے بھی ترجمے ہیں کہ جیسے شاعر "گوئٹے" کے "فاؤسٹ" کا "لیتھم" کا کیا ہوا ہے۔ کہ وہ یوں ہر طرح مسلم ترجمہ ہے مگر جو اصل پڑھ چکا ہے اُسکے لیے بے نمک ہے۔ اسی طرح شاعر "دانتے" وغیرہ کے کلام کے ترجمے۔ نثر کے ترجمے پھر صحیح اور عمدہ ممکن ہیں اور مغرب میں شب و روز ہوتے ہیں مگر نظم کا ترجمہ

نہایت ہی اہم کام ہے۔ یوں انگریزی میں استاد "طالسطائی" روسی لورٹا لرین ماتھرلینک" بلجیمی "ہنرک ابسن سویڈ۔ نیز اُستاد" ہادیتان" جرمن اور "سترنبرگ" ناردیجین اور بہت سے مصنفین غیر ممالک کے تصانیف کے مختلف ترجمے موجود ہیں اور روز ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں بعض اچھے بعض بُرے بعض معمولی ہوتے ہیں فرانس کے اساتذہ کی تصانیف کے ترجمے ہم نے نہایت کمزور بھی دیکھے اور نہایت چست بھی مگر اصل کو پہنچنے والا ترجمہ کم ہوتا ہے۔

یان تصنیف را مصنف نیکو کند بیان صحیح ہے۔ اور اس لحاظ سے گیتان جلی کے مصنف کا اپنا کیا ہوا ترجمہ ہر طرح قابل وقعت ہے کہ وہ خود اپنی جگہ ایک تصنیف ہے۔ جو اسکی اصلی وقعت اور قدر ہوئی اس سے صاف ظاہر ہے کہ آج تین۳ سال سے کم میں مہذب دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں کہ جس میں اس کا ترجمہ نہیں ہولیا چینی و جاپانی زبانوں کے متعلق ہمیں علم نہیں۔ مگر فرنگستان کا کوئی ملک ایسا نہیں کہ جہاں گیتانجلی کا ترجمہ موجود نہ ہو۔ گیتانجلی کے طبع ہوتے ہی ہمارے محترم دوست جناب عبدالرحمٰن سیو ہاروی صاحب نے جو اُس وقت اطالیہ میں بغرض تکمیل تعلیم اقامت پذیر تھے اسکا منظوم اور بہ حلاوت ترجمہ کرنا شروع کیا۔ مگر واقعات زمانہ نے مہلت نہ دی۔ کہ اسے تکمیل کو پہنچاتے اور وہ نظمیں بھی جو ترجمہ ہو چکی ہیں اور نظر ثانی کی محتاج نہیں اس دم تک اُن کے ذخیرۂ تصنیفات میں روپوش ہیں اسی اثنا میں ایک دو اور صاحبوں نے بھی ارادہ کیا کہ اُردو کو اس دولت سے متمتع کریں مگر ان کے ارادوں نے بھی جامۂ عمل سے پیراستہ ہونا بیجا بے وقت خیال کیا یا زمانے کی سبک رفتاری نے ان کی عریانی کو زیادہ نظر فریب بنا

(۲)

آج ہم نے نیاز محمد صاحب نیاز کا کیا ہوا ترجمہ جو ایک نئی مگر خوشنما طرز کی جلد سے ملبوس اور عمدہ کتابت کے زیور سے آراستہ خاصے بھلے دبیز کاغذ پر

نمودار ہوا ہے دیکھا۔ اہل ہنود طلوع آفتاب کے وقت جلی چڑھاتے ہیں۔ جو حقیقت میں ایک قسم کی نیاز یا نذر ہے ہمارے خیال میں اگر بجائے "عرض نغمہ" نیاز صاحب "نذر نغمہ" کہتے تو شاید گیتا نجلی کا مطلب زیادہ صاف ہوجاتا۔ ہم حسن سے پہلے قبح کا بیان کرنا مناسب طرزعمل خیال کرتے ہیں اور وہ محض اس وجہ سے کہ جب حسن کا ذکر آئے تو اُسکے متضاد کا پہلے ہی کام تمام ہولیا ہو۔ بدیں وجہ ہمارا پہلا اعتراض اور غالباً اکثر دیکھنے والوں کا اعتراض مترجم کی تصویر پر ہوگا۔ خود مصنف نے جب اپنی تصویر "گیتا نجلی" میں چھپوائی تو اکثر صحیح المذاق نقادوں نے اسکو قابل حذف گردانا اور کہے بغیر نہ رہے کہ تصویر مصنف کا شامل تصنیف ہونا ممکن ہے مشرقیت کی علامت ہو مگر بظاہر غیرضرورت معلوم ہوتا ہے اب اسپر مترجم صاحب کی تصویر کا اضافہ ہوگیا ہے۔

مقدمہ پڑھنے کے قابل ہے۔ اور ہر طرح دلچسپ اور مناسب ہے۔ صرف مقام اول جہاں مترجم نے مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کا تذکرہ اس طرح کیا ہے کہ گویا اس طبقہ کا کوئی بھلا یا بُرا فرد ایسا نہیں کہ جسے اُن سے تعارف کا فخر نہ حاصل ہوا اور جسکے جزوی اور کلّی خیالات سے وہ پورے پورے نہ واقف ہوں اور جسکے فضائے دماغی اور ارتفاع عقلی کے تمام نشیب و فراز ان کے مشاہدہ سے نہ گذرے ہوں اس امر کی دلیل ہے کہ نیاز صاحب کو بدقسمتی سے ایک خاص جماعت سے سابقہ پڑا ہے اور اس سے بھی زیادہ بدقسمتی یہ ہے کہ بلا استثنیات اس جماعت کے ہر فرد نے باوجود نیم تعلیمیافتگی کے نیاز صاحب کو اس امر کا یقین دلا دیا کہ اُسکے نیم پخت اور خام محض خیالات حقیقت میں مغربی تعلیم کا اعلےٰ نمونہ ہیں اور ہر طرح مغربی تہذیب کا اصل نقشہ ہیں۔ خیر نیاز صاحب نے نہایت سچے جذبات اور خالص بدمزگی کو نہایت پرزور اور بلیغ الفاظ میں ادا کیا ہے اور ہم خود ان کے ہمنوا ہیں۔ مگر ان کا یہ تعین

ذہنی کر لینا کہ مغربی تعلیم کے عمدہ نمونے وہی بدنصیب اصحاب ہیں کہ جو اُن کے
مورد عتاب اور ہمارے افسوس اور رحم کے مستحق ہیں سراسر اُنکے محدود تجربہ اور
تنگ دائرہ ملاقات ہونے کی پُرزور دلیل ہے۔ نیز اُن کا مغرب کو مادہ پرست کہنا
اس خیال کی صداقت کرتا ہے کہ نیاز صاحب خود مغرب کے محض ایک اور مذموم
پہلو سے واقف تھے۔ تعجب ہے کہ مغرب کی مادہ پرستی کا خیال کرتے ہوئے اور
مادہ پرستی کی بنا حقیقت پر قلم رانی کرتے ہوئے نیاز صاحب نے سقراط۔ ارسطو
افلاطوں کو متقدمین اور حضرات کانٹ۔ برکلے۔ شوپن ہاور۔ کومٹے۔ سپی نوزا
ہیوم۔ جیسے ادبیات فلسفیاں اور گوئٹے۔ دانتے۔ ٹینی سن جیسے شعرا اور
ہترک البسن طالسطائی وغیرہ جیسے ادب کے اساتذۂ زمانیاں کو قطعی نظرانداز
کر دیا۔ اور تو اور خود عیسائیت کی تحریک روحانیت کا بھی خیال نہ کیا۔ اب
اگر آپ بحرِ ذخار کے کنارے کھڑے ہوکر متوجہ آب و صحرائے اعظم کا بگولہ اور آندھی
کہیئے تو بھلا یہ کس کا قصور۔ نیاز صاحب کو تعجب ہوا ہوگا کہ مغرب نے روحانیت
ایک نئی صفت پیدا کی اور مشرق والوں کو یہاں بھی اگر نیچا نہ دکھایا۔ تو یہ ضرور
دکھا دیا کہ کوئی خاص صفت ان کی وراثت یا جاگیر نہیں مگر ہمیں تو ذرا بھی اس
بات پر تعجب نہیں ہوا۔ ہاں نیاز صاحب کے اس تعجب پر ضرور حیرت ہوئی کہ انھوں
نے ایک اپنی خیالی دنیا الگ بنا کر یہ سمجھ لیا تھا کہ ہر ایک ایسی ہی دنیا میں رہتا ہے
مغرب کے اس ہمہ صفت موصوف ہونے اور ہر علم و فن اور طریقے پر تخیل میں کمال
حاصل کرنے ہی نے تو ہمارے مغربی تعلیم یافتہ اصحاب کو مغرب کا اس درجہ مداح
اور پیرو بنایا کہ جس کی نقل نے اس مذموم جماعت کو پیدا کیا کہ جو نیاز صاحب کے
مورد عتاب ہوئی۔

اسکے علاوہ باقی مقدمہ نہایت دلچسپ اور خاصہ بسیط ہے۔ تبصرہ سے مذاق

سلیم کا پتہ چلتا ہے اور بیدل کے کلام کے بہت ہی تھوڑے حوالے نے بھی مقدمہ میں جان ڈالدی ہے چیندہ اشعار تو آتش سوز اور صاحب مذاق دونوں کے لیے روغن بر آتش ہیں - اگر نہ دیکھا ہو تو بیدل کا کلام دیکھنے کا شوق اور اگر دیکھا ہو تو اُسکے دوبارہ پڑھنے کا ذوق خواہ مخواہ پیدا ہوتا ہے خود مقدمہ کا طرز تحریر ایسا بھلا اور ستھرا ہے کہ خواہ مخواہ پڑھنے کو دل چاہتا ہے - صاف ظاہر ہے کہ خود مترجم صرف مترجم ہی نہیں بلکہ نظر غائر اور خیال عمیق رکھتا ہے - یوں نثر ہے مگر خاصہ نظم کا مزہ آتا ہے نثر میں نیاز صاحب کی طبیعت بدعت پسند معلوم ہوتی ہے اور مثل ہر ایک قسم کی بدعت کے قدامت پسندوں کو خواہ بھلی یا بُری معلوم ہو نہایت دلچسپ اور لبھانے والی ہے اور زبان کو بالخصوص ایسے نثاروں اور اختراع الفاظ و فقرات کی اشد ضرورت ہے - نیاز صاحب کی عربی ترکیبیں ضرور ثقیل ہیں مگر عام طور پر نثر نہایت سلیس اور پاکیزہ ہوتی ہے اور ہمارے خیال میں یہ اعلےٰ درجہ کی تعریف ہے -

(۳)

یہ کہنا یا سمجھنا کہ رابندرا ناتھ کے کلام کی ایک تشریح یا تاویل ممکن ہے گویا شاعر کے وسعت تخیلات کی سخت توہین ہے - اس وجہ سے اسکے کلام کا ترجمہ بھی مختلف لوگ مختلف طریقہ پر کریں گے - انگریزی اصل اور اُردو ترجمہ کے مقابلہ سے صاف ظاہر ہے کہ مترجم نے جانفشانی سے ضرور کام لیا ہے - اور جہانتک سلاست زبان اُردو کا تعلق ہے حتی المقدور ترجمہ کو اچھی صورت دی ہے - اور یہ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ مترجم کی نثر عمدہ طرز کی ہے - مگر اس ترجمہ میں بلحاظ ترجمہ کے ہنوز بہت اصلاح اور درستی کی گنجایش باقی ہے اگر اصل سے مقابلہ نہ کیا جائے اور صرف اُردو ترجمہ ہی کو پڑھا جائے تو بجائے

خود وہ نہایت دلچسپ انشا پردازی کا نمونہ ہے اور تخیلات بھی شاعرانہ اور نازک ہیں باوجود اسکے کہ اکثر مقامات پر نہ صرف مفہوم بلکہ الفاظ کے معنی خود اصل سے بہت بعید بلکہ قطعی بدرجۂ مغائرت ہیں۔ ہم نے جس نظم کو پڑھا بجائے خود بہت بھلی معلوم ہوئی مگر مقابلہ کرنے پر اصل سے مشابہ ہونے کے علاوہ بعض ادنیٰ خاص الفاظ اور دیگر موقعوں پر فقرے ہی اصل سے نہ صرف غیر مانوس بلکہ بعید از قیاس۔ اور گو یہ کہتے ہوئے جی دُکھتا ہے اور خوف بھی آتا ہے کہ کہیں اس کا نتیجہ جرأت فرسا اور ہمت سوز نہو مگر علمی و ادبی رہت پرستی مجبور کرتی ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ ہماری راے میں جہاں نیاز صاحب کی سعی محنت اور ہمت قابل داد و تحسین ہیں وہیں یہ کہنا بیجا نہو گا کہ نیاز صاحب کے قواے روحانی اور دماغ تصنیفات کے لیے بمقابلہ ترجمہ و تالیف کے بہت زیادہ موزوں معلوم ہوتے ہیں اور وہ اُردو داں دنیا کے لیے بمقابلہ مترجم کے مصنف بہتر ہوں گے ہر شاعر مزاج اور جدت پسند انسان کا خاصہ ہے کہ وہ تصنیف میں کامیاب اور ترجمہ میں ناکام ہوگا۔ باقی یوں یہ ترجمہ بجاے خود ایک تصنیف ہے اور پڑھنے کے قابل ہے۔ اور اگر اس میں ضروری اصلاح ہوگئی تو مترجم مبارکباد کا مستحق ہوگا۔ یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ ترجمہ میں فقرہ مابین قوسین کا استعمال قابل اصلاح ہے۔ اگر لفظی ترجمہ اداے مطلب کے لیے ناکافی ہو تو رعایتی ترجمہ جائز ہے اور رعایتی ترجمہ بعید از امکان ہو تو حاشیۂ زیرین پر اکتفا لازم ہے۔ قوسین کے بیچ کا فقرہ ایسا ہی بُرا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی اجنبی کا دخل در معقولات ہونا۔ یہ طریقہ ترجمہ کا اب بہت کہنہ ہوگیا ہے اور اصلاح کا مستدعی ہے۔ پڑھنے والے کو یہ طریقہ نہایت ناگوار معلوم ہوتا ہے اور وہ یوں کہ یا تو مترجم ناظرین کو کم فہم خیال کرکے

ان کو سمجھانے کی غرض سے خود تشریح پر اتر آتا ہے اور یا یہ ممکن ہے کہ وہ خود مصنف کی کوتاہی اٹھا۔کو اپنی مفصل بیانی سے مکمل کرتا ہے۔ ہر دو صورتیں قابل ترک ہیں۔ تصریح و تشریح کے لیے حاشیہ موجود ہے محاسن کی طرف توجہ دلانے کو دیباچے اور مقدمے ہوتے ہیں۔ قوسین کا استعمال قطعی نامناسب ہے۔ نمونہ ترجمے کو حذف کرنے کی وجہ صاف ہے۔ اس کا تعلق محض پڑھنے سے ہے۔

دگیتانجلی کا اردو ترجمہ۔ لطیف اینڈ کو آگرہ نے شائع کیا ہے درویش پریس دہلی میں طبع ہوا۔ مصنف رابندرا ناتھ ٹگور۔ مترجم نیاز محمد خاں نیاز فتحپوری قیمت عمار

آصف علی

نظارۂ خرابات

بسلسلہ اشاعت گزشتہ

ہو آشکار نزہت کلک گہر فشاں دکھلا دے وہ زمیں کہ مٹے رنگ آسماں
جوہر عیاں وہ کر جو ستارے کہیں کہ ہاں تابندگی سے آئینہ خانہ بنے جہاں

سرتا بپا عروس سخن کو سنوار دے
شیشے میں آج سارا پرستاں اتار دے

آئینہ کیا ہے گرد سکندر کے سامنے مفلس کی کیا بساط تونگر کے سامنے
کم اصل سنگ ریزہ ہیں گوہر کے سامنے پروانہ ذرہ کیا شہ خاور کے سامنے

نافہم پہنچے رمز سخن کو محال ہے
عاقل اسے کہے گا کہ سحر حلال ہے

اہل نظر کو نظم ثریا نشاں ہے یہ شاخ رہ ہدیٰ جو ہے وہ کہکشاں ہے یہ
شاداں ہو جس سے روح وہ رحمت رساں ہے یہ روح القدس کا وجد ہیں آ کر بیاں ہے یہ

کیا خوب باب رحمت باب علوم ہے
ارشد ترے کلام کی کوثر پہ دھوم ہے

لعل و گہر یہ وہ ہیں کہ جوہری ملک پہنچی ہے ان جواہروں کی عرش تک چمک
حُسنِ سخن میں تیرے کسی کو نہیں ہے شک تسلیم کو خمیدہ ہوا ہے سرِ فلک

لطفِ زباں نے شاد کیا جبرئیل کو
ہدیہ ترا پسند ہے ربِّ جلیل کو

رفعت پہ تیرا کوکبِ اقبال ہو گیا مسند نشین شوکت و اجلال ہو گیا
فرخندہ بخت آئینہ تمثال ہو گیا عصیاں سے پاک نامۂ اعمال ہو گیا

اللہ رے شرف کی سند آج مل گئی
رتبہ بلند ہو گیا معراج مل گئی

اللہ رے نصیب کہ رحمت کا ہے نزول ہے لطفِ کردگار تو محنت بھی ہے قبول
آساں نہیں ہے گوہرِ مقصود کا حصول ارشد کجا وہ عالمِ بالا کہاں یہ پھول

میں کیا ہوں اور کیا مری مدحت سرائی ہے
مشکل کشا کے ہاتھ سب عقدہ کشائی ہے

اے ربِّ ذوالمنن یہ حمایت کا وقت ہے محبوبِ کبریا پہ عنایت کا وقت ہے
بے پردۂ حجاب سے طلعت کا وقت ہے ہاں اے زباں یہ تیری صداقت کا وقت ہے

مطلب یہ ہے کہ راز کا اب انکشاف ہو
مطلع بھی مثلِ مطلعِ انوار صاف ہو

مطلعِ ثانی

کھل جائے آج دفترِ نظم و نسق نیا ہو آسماں پہ رنگِ طلوعِ شفق نیا
تیار ہو کتابِ جہاں کا ورق نیا وہ عیش ہو کہ پھر نہ ہو دل کو قلق نیا

عہدِ کہن جو پھر سے ہو تازہ تو خوب ہو
چمکے وہ آفتاب نہ جس کا غروب ہو

سیارہ داں کی ہے سحر و شام پر نظر رکھتے ہیں دوربیں ہر اک کام پر نظر
کرتا ہوں جب مسافرِ اسلام پر نظر آغاز پر نظر ہے نہ انجام پر نظر

دنیا کی کچھ خبر ہے اسے اور نہ دین کی
ابتک نہیں تمیز امامِ مبین کی

کیوں پھر رہا ہے مسلم آوارہ کو بکو چہرے سے اپنے پردۂ غفلت اُٹھا دے تو
موجود گئی نور میں ظلمت کی جستجو کافی نہیں ہے کیا سند لَا تَفَرَّقُوا
ہے نسخۂ شفا دلِ مجروح کے لیے
حاصل کر اس کو بہرِ روش روح کے لیے
روشن ہے نور شمعِ ہدایت کے واسطے ہے آفتاب غارتِ ظلمت کے واسطے
حاجت نہیں ہے ماہ کو زینت کے واسطے میدان کم نہیں تری وسعت کے واسطے
جاری ہے فیض عام خدا کی کتاب کا
سارے جہان پہ ہے عمل آفتاب کا
قرآن پہ جو قائل قرآں عمل کرے کیا منہ حریف کا ہے جو ردو بدل کرے
باطل گریز پا ہے وہ کیا حق سے بل کرے ممکن نہیں ضیا میں سیاہی خلل کرے
ظلمات میں بھی خضر ڈرے نہ ممات سے
بھرا اپنا جام چشمۂ آب حیات سے
گر تجکو رخت ہستی جاوید چاہیے خضرِ رہِ حیات کی تقلید چاہیے
لطفِ تجلی شفق عید چاہیے اور پا بصدر مسند جمشید چاہیے
ڈھونڈھ اُسکو ہمبر و ہو تری جس کی چاہ سے
شب کو فروغ چرخ دو بالا ہے ماہ سے
ماہِ یگانہ زینت اورنگ کائنات وہ ماہ جو ہے وارث آیات بینات
وہ ماہ جس کی ذات ہے سرچشمۂ حیات وہ ماہ ہے ازل سے ابد تک جسے ثبات
ہاں وہ قمر جو کاشفِ حسن قدیم ہے
جس کا جمال زیورِ عرشِ عظیم ہے
وہ ماہ جس کا فیض ہے جاری جہان پر سکہ ہے جس کے نام کا کون و مکان پر
توحید کا نشان ہے اُسکے نشان پر مصحف گواہ ہے رخ زیبا کی شان پر
عکسِ جمال ماہ یمانی وہی تو ہے
نورِ ازل کا مطلعِ ثانی وہی تو ہے

آغا غلام حسین ارشد

اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(سلسلے کے لیے جون نمبر ملاحظہ ہو)

تین قصیدے خانۂ کعبہ پر ابھی تک لٹک چکے ہیں۔ امرء القیس اور طرفہ اور زہیر کی شاعری آنکھوں میں کھبی ہوئی ہے۔ اگرچہ عرب کے بچے بچے میں اس سرزمین کی تاثیرات آب و ہوا نے شاعری کا مذاق کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہے اور کوئی طبقہ اور گروہ اس مذاق سے خالی نہیں ہے۔ لیکن نظریں جب اٹھتی ہیں تو ان ہی تین شخصوں پر جن کے نام خانۂ کعبہ پر نقرئی اور طلائی حرفوں سے نہایت بیش بہا چیزوں پر لکھے ہوئے آویزاں نظر آتے ہیں اور کیوں نہو ان کی یہ شان و شکوہ جبکہ تمام فصحائے عرب نے ان کو تمغۂ کامیابی پہلے ہی دیدیا ہے۔ اب شعرائے عرب سے ہر شخص کا یہ خیال ہے کہ لاؤ ہم بھی ایسی زوردار نظم ملک میں پیش کریں کہ کچھ نمبر امرء القیس وغیرہ سے بڑھی جائیں یا کم سے کم اتنی ہی مقبولیت تو ضرور حاصل کرلیں۔ جو ان لوگوں کے واسطے ہے۔ مگر اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ قصیدہ انشا کرنے کے بعد ملک میں پیش کرنے کی نوبت بھی نہیں آتی کہ خود ہی طبیعت اپنے عجز کا اعتراف کرلیتی ہے اور بڑھی ہوئی ہمتیں پست ہوکے رہجاتی ہیں۔ اور بعض ناعاقبت اندیش کلام ملک میں پیش کرنے کے بعد ندامت اُٹھاتے ہیں۔ مگر واقعی کیا کہنا ہمت والی قوم کا باوجود ان ناکامیوں کے جو ہر ملت میں بجائے کمزوری کے اور جوش زیادہ ہوتا ہے اور قوت بڑھتی جاتی ہے۔ دنیا میں زندہ رہنے والی قوموں کے یہی آثار ہیں کہ ہمتوں کو کبھی پست نہیں ہونے دیتے آخر کو کامیابی اور حسب دلخواہ کامیابی نصیب ہوتی ہے اور ضرور ہوتی ہے جیسا کہ ان تین شاعروں کے بعد ہوا کہ ملک الشعراء لبید بن ربیعہ بن مالک بن جعفر بن کلاب

ابن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر ابن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن حصفہ بن قیس بن عیلان ابن مضر ابن نزار بن معد بن عدنان کی طبیعت گدائی اور خداساز طبیعت شاعری کا پارہ چڑھنا شروع ہوا آفتاب فکر آسمان شاعری کے افق سے طلوع ہوتا ہوا دائرہ نصف النہار پر آ ہی گیا اور جوش میں اس نے وہ قصیدہ انشا کیا کہ تمام فصحاے عرب کے پتے پانی ہو گئے - چنانچہ ایک یہ بھی بیش بہا موتی اُسی جواہرات کی لڑی میں منسلک کر دیا گیا - اب خانۂ کعبہ پر بجاے تین نایاب قصیدونکے چار عدیم المثال نظمیں نظر آنے لگیں - لبید کا آخری عہد ہے اور طبیعت شاعری کا شباب ہے تمام عربستان کفرستان ہو رہا ہے کہ عرب کے خارزار اور چٹیل وادیوں پر اسلام کا آفتاب چمکا اور تمام مصنوعی روشنیاں عالم کی پھیکی اور ماند ہونے لگیں دیو نژاد کفر کا زور گھٹنے لگا - فصاحت و بلاغت پر ناز کرنے والوں کے مقابل میں خدا کا بھیجا ہوا رسول کلام الٰہی کو پیش کرنے لگا - کاہنوں کے رنگ سونلاسے مدعیان تکلم کی زبانیں لکنت میں آئیں - اعراب کی مایۂ ناز فصاحت و بلاغت کی شمعیں دفعۃً گل ہونے لگیں یہانتک کہ مادہ قابل رکھنے والے تاثیرات کلام الٰہی سے مست ہونے لگے رفتہ رفتہ یہ اثر یہانتک پہنچا کہ لبید کا ایسا فصیح و بلیغ شاعر بغیر اسلام لاسے نہ رہ سکا دیکھو انصاف اسکو کہتے ہیں اور حق پسندی کے یہ معنی ہیں کہ لبید وہ شاعر ہے جسے فصحاء عرب اپنے عہد کا ملک الشعرا اور راس الشعرا سمجھتے ہیں کلام کو مقبولیت بھی اتنی ہے کہ ہر طرف آنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے مگر اسلام لاتے ہی یہ کہکر اپنی مقبول خاص و عام شاعری کو ترک کرتا ہے یکفینی القرآن فھو نعم البدل من الاشعار - اس کا سال وفات سنہ ۴۱ھ ہے باختلاف آراے مورخین اس نے ایکسو پینتیس یا ایکسو چالیس یا ایکسو ستاون برس کی عمر کی - یہ بعد ظہور اسلام چپن برس زندہ رہا - قصیدہ

اسکے بہترین کلام سے سمجھا جاتا ہے مورخین لکھتے ہیں کہ یہ علاوہ ایک باکمال شاعر ہونے کے ایک منچلا سپاہی بھی تھا اصول جنگ پر بھی بخوبی مطلع تھا شجاعت کے ساتھ ہی ساتھ سخاوت کا بھی مادّہ معقول رکھتا تھا۔

نابغہ ذبیانی جو شعراء طبقہ اولیٰ میں ایک رکن سمجھا جاتا ہے اُس نے لبید سے قصیدہ سُننے کے بعد یہ الفاظ مدح میں لبید کے کہے ہیں۔ **انت اشعر العرب**
مختصر یہ کہ یہ قصیدہ لبید نے اُس زمانہ کے مذاق کے موافق بےمثل و بےنظیر کہا ہے قصیدہ بحر کامل میں ہے اور اصول افاعیل اسکے متفاعلن ہے چھ بار۔ لبید نے اس قصیدہ میں مختلف چیزوں پر طبع آزمائی کی ہے اُس زمانہ میں جو چیزیں قابل مفاخرت تھیں اونھیں پر لبید نے بھی زور طبیعت دکھایا ہے چنانچہ کہیں اپنی شرابخواری پر فخر و مباہات ہے کہیں احباب کے لیے اونٹوں کے ذبح کرڈالنے پر تعلیاں ہیں کہیں شجاعت و بہادری کے کارنامے ہیں کہیں فرقت احباب پر یاس آمیز نوحے ہیں۔ اسکے ضمن میں اُس مناظرہ پر بھی روشنی ڈالی ہے جو اس سے بہت کم سنی کے زمانہ میں منذر بن ماءالسما بادشاہ عرب کے بھرے دربار میں اُسی کے مصاحب خاص ربیع بن زیاد عبسی سے ہوا تھا۔ ربیع لبید کا رشتہ میں ماموں بھی تھا کیونکہ اسکی ماں بھی قبیلہ بنی عبس سے تھی۔ بالاختصار اسکا قصہ یہ ہے کہ ایک روز ایک چھوٹی سی جماعت لبید کے قبیلہ سے نعمان بادشاہ عرب کے دربار میں داخل ہوئی جسمیں لبید بھی تھا مگر لبید کا سن اُس زمانہ میں بہت کم تھا جب یہ جماعت اندر جانے لگی تو اُسوقت ربیع نے کچھ نامناسب الفاظ توہین آمیز لہجہ میں اسکے قبیلہ کے متعلق کہے جس کا ایک خاص اثر لبید کے قلب پر ہوا چنانچہ وہ وقت تو کسی نہ کسی طرح ٹلگیا اور آئندہ روز پر بھرے دربار میں مناظرہ کی ٹھن گئی چنانچہ لبید نے بھرے دربار میں ربیع کو ایسے دندان شکن جواب دیے کہ ربیع کو

سوائے اسکے اور کچھ نہ بن پڑا کہ وہ ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو کے دربار سے رخصت ہو جائے میں اسوقت لبید کے قصیدے سے کچھ ابتدائی اشعار پیش کرنے کے بعد وہ اشعار لکھونگا جنمیں اُس مناظرہ کے متعلق لبید نے مفاخرت کی ہے۔

مطلع

عفت الدیار محلها ومقامها بمنیً تابد غولها فرجامها

لبید کہتا ہے کہ ہائے میرے پیارے احباب اور عزیز دوستوں کے وہ مکانات مٹ گئے اور نیست و نابود ہو گئے جو موضع منی میں تھے اور سب کے سب مکان مٹ گئے وہ بھی جو وقتی قیام کے لیے معمولی استحکام کے ساتھ بنائے گئے تھے اور وہ بھی جو ہمیشہ کے لیے یعنی مدتوں کے قیام کے لیے مضبوط و مستحکم بنے ہوئے تھے اور موضع منے کی ویرانی کے ساتھ اسکے ہمسایہ مقامات غول اور رجام بھی ویران اور وحشتناک ہو گئے اور کیوں نہ ہوتے جس کا مونس کوئی نہ رہے گا اُسی کا یہ حال ہوگا

اے جناب اس شعر میں لبید کی شاعری کا تعلق اُن جذبات سے ہے جو ایک دردبھرے دل کے ہوتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ایک آباد محلہ سے اگر کوئی بھرا پورا گھر تباہ و برباد ہو جاتا ہے تو عرصہ تک اہل ہمسایہ پر اُس مکان کی ویرانی اور وحشت کا ایک خاص اثر رہتا ہے اور وہ تو محلہ کا محلہ ٹھو مارا کرتا ہے لبید اس شعر میں اُس اثر کو دکھا رہا ہے کہ اس ویران منزل کی وحشت کا تو کیا ذکر اسکے آغوش میں تو خاک ہی اڑ رہی ہے اسکے ہمسایہ میں جو جو مقامات تھے غول ورجام اُن پر صرف ہمسائگی سے اتنا اثر پڑا ہے کہ وہ وحشتناک نظر آرہے ہیں۔

فمدافع الریان عری رسمها خلقا کما ضمن الوحی سلامها

لبید نے اسمیں ایک خاص سینری دکھائی ہے کہتا ہے کہ کوہ ریان کے وہ گڑھے

لہ منی۔ ایک مقام ہے جو اطراف نجد میں ہے اور اُس زمانہ میں متعلقات بنی عامر سے تھا۔

اور پانی کے مجرے کچھ عجب وحشتناک نظر آرہے ہیں جنکو غبار و ریگ نے عرصہ تک اپنی چادروں میں چھپا لیا تھا اور اب پانی کے سیلوں نے اُنھیں پھر ظاہر کردیا ہے حالانکہ وہ نشانات پُرانے ہیں اور وہ توضامن ہیں مٹ کیا سکتے ہیں جس طرح پتھر کے نشانات لاکھ کہنہ ہوجائیں گر مٹ نہیں سکتے اسی طرح ان مکانوں کے نشانات بھی نہیں مٹ سکتے۔ مقصود یہ ہے کہ لاکھ چھپانے والی چیزیں چھپائیں مٹانے والے حوادث مٹائیں مگر یہ عبرت کی تصویریں صفحۂ ہستی سے مشکل سے مٹیں گی۔

دمن تجرم بعد عہد انیسہا ۔ حجج خلون حلالہا وحرامہا

یہ نشانات جن کو میں دیکھ رہا ہوں اُن گھروں کے نشانات ہیں جن سے مکینوں کو چھوٹے مدتیں ہوگئیں ان پر صاحب مکان کے جدا ہونے کے بعد سال کے سال گذر گئے واقعی لبید کی یہ تخیل بھی کسقدر درد میں ڈوبی ہوئی ہے گویا اسوقت لبید کی نظروں میں ان نشانات نے اس منزل کی صورت سابق کا نقشہ پورا پورا کھینچ کے پیش کردیا ہے اور وہ مدتوں کی بھولی ہوئی صورتیں یاد آ کے دل تڑپا رہی ہیں انتہائے شوق کا مقتضا یہ ہوتا ہے کہ وہ صورتیں جو اسوقت خزانۂ خیال سے حافظہ میں منتقل ہورہی ہیں کسی طرح نظروں کے سامنے واقعی طور پر موجود ہوجائیں اور مایوسی کہتی ہے کہ عقل کے ناخون لے اب وہ کہاں ممکن یہ خیال خام ہے۔ ان منزلوں کو چھوڑے ہوے اُن لوگوں کو مدتیں گذر گئیں۔

رزقت مرابیع النجوم وصابہا ۔ ودق الرواعد جودہا فرہامہا

اس شعر میں لبید اُس حالت کو دکھا رہا ہے جو ابر و باراں سے کھنڈروں کی ہوجاتی ہے کہتا ہے کہ ان شکستہ مکانوں کو ان کھنڈروں کو غذا دی گئی ہے یعنی خود رو سبزے سے آراستہ کردیے گئے ہیں اس طرح پر کہ ابر بہاری تاثیرات کواکب سے اسپر کم و بیش برسا

معمولی اور غیر معمولی گرج اور چمک کے ساتھ اس خیال سے کہ انکے حسرت بھرے ویرانے کی صورت کچھ ہی دنوں کے لیے سبزۂ بیگانہ سے بدلے اور بلدی اس شعر میں ایک باریک بات اور بھی ہے جو توجہ دلانے کے قابل ہے جسکو لبید نے دکھایا ہے وہ ایک عقیدہ ہے اعراب جاہلیت کا جو اُس زمانہ میں ان کو ابر و باد سے تھا۔ چنانچہ مرابیع النجوم سے اُسی طرف اشارہ ہے۔ نجوم سے اس مقام پر مراد انواع ہیں انواع جمع ہے نوء کی یہ مثل سمک اور جوزا وغیرہ کے وہ اٹھائیس تارے ہیں جنکے طلوع و غروب کا سال میں وقت اعراب جاہلیت جانتے تھے یہی تارے اُنکے نزدیک منازل قمری ہیں اور اُن کی شان اعراب جاہلیت کے نزدیک یہ تھی کہ ہر تیرھویں شب کو وقت طلوع سحر ایک تارا اُن میں مغرب کی طرف ٹوٹتا ہے اور اُسی وقت اُسکے مقابل میں ایک تارا مشرق میں طلوع ہو جاتا ہے چنانچہ ان سب تاروں کے طلوع و غروب کے ختم ہونیکے ساتھ ہی ساتھ سال ختم ہو جاتا ہے زمانہ جاہلیت میں اعراب ان ہی تاروں کو بارش اور ہوا کا سبب قرار دیتے تھے کچھ خاص ایسی شناختیں تھیں اُنکو جس سے وہ ایک تارے کے ٹوٹنے اور دوسرے کے طلوع ہونے سے یہ حکم لگا دیتے تھے کہ اب بارش ضرور ہوگی اور ہوتا بھی ایسا ہی تھا اُنکے قیاس اکثر صحیح نکلا کرتے تھے۔ اس سفر میں لبید نے اُسی عقیدہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

من کل ساریۃ[1] وغاد مدجن وعشیۃ متجاوب ارزامھا

ان کھنڈروں کو ان شکستہ مکانوں کو ہر قسم کے بادلوں نے مدد دی ہے صبح کے برسنے والے بادلوں نے الگ گھنگھور سیاہ گھرے برسنے والی گھٹاؤں نے الگ سہ پہر کے برسنے والے بادلوں نے الگ جن کی گرج دوسرے مقاموں سے

[1] واضح رہے کہ عرب میں جاڑے کی بارش اکثر شب کو ہوتی ہے اور ایسا ہی صبح کو ہوتا ہے اور گرمیوں میں سہ پہر

ٹکرا کے اپنا جواب آپ پیدا کرلیتی ہے - گویا منشا یہ ہے کہ ان ویران منزلوں کی دلدہی کم کرنے میں بادلوں نے بڑا حصہ لیا ہے۔

ناظرین اب میں اس مقام کو چھوڑتا ہوں اور کچھ اشعار اُس مقام کے لکھتا ہوں جسمیں لبید نے اپنے اُس مناظرہ پر روشنی ڈالی ہے جو دربار نعمان میں اس سے اور ربیع سے ہوا تھا -

وکثیرۃ غرباءھا مجہولۃ ترجی نوافلھا ویخشی ذامھا

کہتا ہے کہ بہت سے ایسے گھر ہیں جہاں مختلف مقامات سے آ آکے مسافر اُترتے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے ناواقف ہوتے ہیں کوئی کسی کو نہ جانتا ہے نہ پہچانتا ہے ان مسافروں کو بہت کچھ صاحب خانہ سے بخشش کی اُمیدیں بھی ہیں اور اُنکے ساتھ بے عنوانی کی حالت میں اندیشہ بھی ہے - غالباً لبید کا اس سے میری رائے میں یہ منشا ہے کہ ہم لوگوں میں جود و بخشش بھی ہے اور اگر ہمارے ساتھ بدسلوکی کی جائے تو احسان فراموشوں کے لیے عادت سزا بھی ہے یعنی اے ربیع معمولی نظروں سے ہمکو کبھی نہ دیکھنا -

غلب تشذر بالذحول کانھا جن البدی رواسیا اقدامھا

بتاتا ہے کہ میں اُن لوگوں پر غالب رہا ہوں جو بڑے ثابت قدم ہیں لڑائیوں میں اور جنکی گردنیں مثل شیروں کے مستحکم و زبردست ہیں اور جو اپنے کینوں سے لوگوں کو ڈراتے رہتے ہیں -

انکرت باطلھا وبوءت بحقھا عندی فلم یفخر علی کرامھا

کہتا ہے کہ میں نے اُنکی بے بنیاد اور بے اصل باتوں سے مکالمہ کے وقت انکار کیا اور اُنکی حق باتیں تسلیم کیں وہ تو وہ اُنکے بڑے بھی میرے اوپر کسی قسم کا فخر و مباہات نہ کرسکے - مطلب یہ ہے کہ دیانت سے مناظرہ کیا اصول مناظرہ سے الگ ہوکے بے دیانتی کے ساتھ میں نے ربیع کو قائل نہیں کیا -

تاوی الی الاطناب کل رذیۃ مثل البلیۃ قالص اھدامھا

یہ شعر بھی لبید کا مقام فخر میں ہے کہتا ہے کہ میں وہ ہوں اور اُس قوم و قبیلہ کا ہوں جس کے طناب ہائے خیمہ کی طرف ہر غریب و عاجز و شکستہ حال و بوسیدہ لباس والی عورتیں پناہ لیتی ہیں جو کمزوری میں مثل اُس ناقہ کے ہوتی ہیں جو قبر مردہ پر باندھ دیا گیا ہو۔ گویا مطلب یہ ہے کہ ہم ہی وہ ہیں جس میں انسانی ہمدردیوں کی خدا نے روح پھونکی ہے۔

اس تمثیل سے جو ناقہ سے لبید نے دی ہے ایک واقعہ مضمر ہے جو قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ لبید نے اعراب کی اُس رسم پر روشنی ڈالی ہے جو اُس زمانہ میں اعراب میں عقیدت مندانہ حیثیت سے جاری تھے وہ یہ ہے کہ (بلیہ) اعراب اُس ناقہ کو کہتے تھے جو صاحب ناقہ کے مرجانے کے بعد اُسکی قبر پر باندہ دیا جاتا تھا اور وہ مارے بھوک اور پیاس کے دُبلا ہو ہو کے مرجاتا تھا اعراب جاہلیت کا یہ عقیدہ تھا کہ صاحب قبر اسی ناقہ پر سوار ہو کر محشور ہوگا۔ اسیطرح سے ناظرین لبید نے مقام فخر میں بہت سی خصوصیتیں ذکر کی ہیں جن کو میں بلحاظ طول نظر انداز کرتا ہوں اور دو ایک شعر اور لکھکر ختم کرتا ہوں۔

فاقنع بما قسم الملیک فانما　　　قسم الخلائق بیننا علامها

خطاب کرتا ہے اپنے تمام مفاخر اور بزرگیاں بیان کرنے کے بعد کہ اے حاسدان ہماری خصوصیات پر حسد نکر اور قناعت کر اُس تقسیم پر جو قسام ازل نے ہر ایک کے پیمانہ کا اندازہ کرنے کے بعد موافق وسعت ظرف تقسیم کر دی ہے اس لیے کہ وہ ہم سے اور تجھ سے بہتر سمجھنے والا ہے۔

واذا الامانة قسمت فی معشر　　　اوفی باوفی خظها قسامها

یعنی قسام ازل نے وقت تقسیم امانت و دیانت ہمکو وافر حصہ عنایت کیا ہے امانت و دیانت کا گویا مطلب یہ ہے کہ ہم سے حسد فضول ہے یہ تو تقسیم الٰہی ہے جو کچھ تجکو شکوہ و شکایت ہے وہ قسام ازل سے کر اور ہم سے بغض و عناد کو ترک کر دے۔　　(باقی آیندہ)

آشفتہ لکھنوی

غزلیات

حضرت محشر لکھنوی

کبھی جو درد بھرے دل کی ناصحا سنتا
تری ضعیف صدائیں مرا خدا سنتا

صدائے خندۂ ساغر ہے جسکو نیند آئے
وہ مست ناز کسی غمزدے کی کیا سنتا

حیات عشق اسی شوق میں تمام ہوئی
سناتے ہم وہ اگر قصۂ وفا سنتا

رموز عشق غضب ہے جو رہ گئے دل میں
کبھی ہماری بھی اپنی جفا سنتا

بیان غم پہ رہی کچھ رکی رکی سی ہنسی
مری کہانی کو آخر وہ اور کیا سنتا

بھلا ہوا غم فرقت میں چپ رہے محشر
نہ ابتدا کوئی سنتا نہ انتہا سنتا

حضرت حسرت موہانی

شوق پوشیدہ کا اظہار نہ ہونے پایا
داغ دل کوئی نمودار نہ ہونے پایا

دل کچھ اس درجہ ہے اپنے کہ پریشان کوئی
حال سے اپنے خبردار نہ ہونے پایا

غلبۂ حق سے زمانے میں ہے اک شور بپا
اسیر افسوس جو بیدار نہ ہونے پایا

صبر سے مقصد ناکام کی ہمت جو بندھی
وجہ نومیدی بسیار نہ ہونے پایا

شادماں تھا جو ترے دور طرب کا رسے دل
غم دنیا سے گرانبار نہ ہونے پایا

وصل میں بھی رہی بیگانگی حزم و حجاب
راستہ شوق کا ہموار نہ ہونے پایا

دم زدن میں ترے جلوے نے کیا کام تمام
شوق آمادۂ پیکار نہ ہونے پایا

اس سلیقے سے کیا ذبح کہ دامن نکلا
خون عشاق سے گلنار نہ ہونے پایا

بیخود شوق تھے سب ورنہ ترے کوئی
خواہش سے کا گنہگار نہ ہونے پایا

ہم بھی سمجھیں گے ہوس عشق بتاں کو حسرت
حل جو یہ عقدۂ دشوار نہ ہونے پایا

افسر الشعراء حضرت آغا شاعر قزلباش دہلوی

بیہوش ہے۔ بدمست جوانی کی نظر بھی
اب کس کا جگر لاؤں۔ میں اللہ سے ڈر بھی

میں کہتا ہوں مجھ میں تو نہیں کوئی ہنر بھی
دل کہتا ہے خاموش۔ کسی کو ہو نظر بھی

جسکو کہ ملاقی نہیں آتی ہو نظر بھی
کسطرح بتوں اُس سے کروں کیا؟ کوئی گھر بھی

دم بھر کو اگر شمع گُل افشاں ہوی تو کیا؟
ہنسیے تو سہی پھول برستے ہیں ادھر بھی

یکساں ہی رہی عاشق و معشوق کی قسمت
بلبل کا بھی دل چاک ہے تاکرتے گُل تر بھی

کھل جائے گا معیار نظر بازیِ بلبل
رکھ دیجیے عارض کے قریں اک گُل تر بھی

قائل ہوں مُنافق کی سیاست نظری کا
کیا حرف مشدد ہے ادھر بھی ہے اُدھر بھی

ملنے کیلیے کیا کیا تری دیوا۔ سے نیچے
دل ہل گئے۔ لیکن نہ پلا پردۂ در بھی

تم کیا کرو بے برگ سے تم مل نہیں سکتے
میں کیا کروں مجھکو مری ہستی کی خبر بھی

وہ کون سا ناشاد تھا لے شمع شبستاں
اک خاک کی چٹکی بھی ہے ٹوٹے ہوسے پر بھی

لیلیٰ بھی مجنوں سے لگڑے کے برن میں
اب خاک میں تو مل گیا محمل سے اُتر بھی

اب بھی جو گذر جاتی ہے جلتی ہوی صورت
دل کھنچتا ہے دم کھنچتا ہے کھنچتی ہے نظر بھی

اُس آنکھ میں کیا ساغرِ کوثر کی جھلک تھی
دل کہتا ہے ہاں ایک نظر دیکھ تو۔ قمر بھی

آنکھوں میں بھی تصویر ہے آنکھوں سے تو دیکھو
تصویر کے پردے میں ہے وہ آئینہ گر بھی

دنیا میں اب اس مال کا گاہک نہیں شاعر
بہتر تو اس مفت کے سودے سے گذر بھی

حضرت کلیم لکھنوی

پھرا کرتی ہے آنکھوں میں مری تصویر میخانہ
نظر آنے لگی ہر جام میں تعمیر میخانہ

ترقی پر ہے فصل گُل میں یہ جاگیر میخانہ
جہاں کی ہر عمارت ہو گئی تعمیر میخانہ

بھری ہے سر میں مجھ مینوش کے تنویر میخانہ
مری قسمت بھی چمکی ہمرہ تقدیر میخانہ

ٹوگی تاابد پھر حاجت تطہیر میخانہ
عوض پانی کے مے ہو از پئے تعمیر میخانہ

نگاہِ چشم ساقی سے ہوئی تسخیر میخانہ
میں آزادوں سے اچھے قیدیٔ زنجیر میخانہ

صراحی ہے گلا آنکھیں ہیں ساغر ہی محبت سے
مرا ساقی مجسم ہو گیا تصویر میخانہ

غضب دنیا میں آجائیگا ہوگا جو کوئی زہد
بہت اچھی نہیں ہے واعظا تحقیر میخانہ

سر اپنا کیوں نہ جھکیں بادہ کش فصل بہاری میں
در توبہ کھلا ہے بند ہے زنجیر میخانہ

اگر زہاد دیکھیں موج مے فصل بہاری میں
تو پھر پرہیزگاری پر چلے شمشیر میخانہ

نظر جسکی پڑی ہاتھ اُسنے رکھا اپنے سینہ پہ
نگاہِ ناز ہے ساقی کی گویا تیر میخانہ

سجھائی کچھ نہیں دیتا ہے ایسا نشہ ہے مجکو / لیے جاتی ہے ہر گھر کی طرف تعمیر میخانہ
یہ دعوی ہے مراد اعظ ہو یا کوئی ہوا س کیا / وہ آجائے نہو جو قائل تاثیر میخانہ
جو ہوں آزاد وہ جائیں در توبہ تلک سے واعظ / پڑی ہے میکشوں کے پاؤں میں زنجیر میخانہ
جو ساماں میکشی کا خواب میں تھا خواب تھا کیا / سوا عبرت کے کوئی کیا کرے تعبیر میخانہ
دعا یا رب کی بھی مانگوں خدا سے موسم گل میں / ترقی اور بھی ہو وہ کروں تدبیر میخانہ
مری آنکھیں ہیں میرا دل ہیں جتنے ساغر مے ہیں / وہ بے عزت ہے جو ہے منکر توقیر میخانہ
نگاہ چشم دخت رز ہے جلوہ ساغر مے کا / کلیجہ چھان دیگا میکشو نکا تیر میخانہ
ادھر کچھ رات گذری جھپٹ کے پینے والے آپہنچے / برابر کھڑ کھڑائی جاتی ہے زنجیر میخانہ
یہ کیونکر مان لوں میں واعظا بہکاے سے تیرے / بڑا پیر مغاں ہے میکشوں کا پیر میخانہ
ادھر اللہ اکبر ہے ادھر ہو حق کے نعرے ہیں / وہ ہے تکبیر مسجد اور یہ ہے تکبیر میخانہ
دوا کا جام ہے ہر ساغر مے دست ساقی میں / نہ پھر کس طرح صحت بخش ہو تاثیر میخانہ
کلیم اللہ اکبر ہوش میں اپنے نہیں موسی / یہ جلوہ طور کا ہے صورت تنویر میخانہ

گھٹا اٹھی گھٹا کے ساتھ ہی میخوار بھی اٹھے
چمک سے برق کی جچتی ہے کیا تقدیر میخانہ

حضرت عزیز منصور پوری

ہوں کشمکش فراغ سے دور اور شکستہ پر / عنقا صفت ہوں باغ سے دور اور شکستہ پر
اے شمع تیرے روٹھنے سے کیا زیادہ ہے / پروانہ ہے چراغ سے دور اور شکستہ پر
ایک خار ہے کہ پہلوئے گلشن میں جا گرے / بلبل ہے ایک باغ سے دور اور شکستہ پر
ٹھکرا گیا رقیب بڑے سے لیے ہوے / وہ بھی مرے ایاغ سے دور اور شکستہ پر
وعدہ کی شب عدو کا مکاں طائر خیال / کاشانہ فراغ سے دور اور شکستہ پر
شب ہو گئی صیاد کبوتر الٰہی خیر / ہے کوہ و باغ و راغ سے دور اور شکستہ پر
تو لامکان اور قفس میں مرغ دل / ہوگا ترے سراغ سے دور اور شکستہ پر
اڑ کر لبوں سے آہ گئی نارسا رہی / شرمندہ گھر کے داغ سے دور اور شکستہ پر

بلبل نے مرتے دم کے قفس میں کہا عزیز
اے کاش ہوتے باغ سے دور اور شکستہ پر

جناب نواب امجد علی صاحب قیصر لکھنوی

ایسے ناداں سے تغافل کی شکایت کیا ہے
جو نہیں جانتا یہ بھی کہ محبت کیا ہے

جل چکی شمع بھی اور مر گئے پروانے بھی
کہدے اب قصد ترا اے شب فرقت کیا ہے

دیکھ لے اُن کو تو دل تھام کے زاہد بھی کہے
واہ کیا حُسن خداداد ہے صورت کیا ہے

خاک میں ملگیا کہنے کو نشاں باقی ہے
نام ہی نام فقط ہے مری تربت کیا ہے

آپ کا مال ہے آپس میں تکلف کیسا
دل مرا شوق سے لے لیجیے حجت کیا ہے

جس پہ قابو نہ ہو اپنا وہ ہے کس کام کا دل
چل سکے زور نہ جس سے وہ طبیعت کیا ہے

ہم ذرا اسکی حقیقت سے نہیں ہیں آگاہ
تمھیں کچھ سوچ کے کہدو کہ محبت کیا ہے

میری گستاخیوں پر اُنکا یہ کہنا شب وصل
نچلے بیٹھو ابھی جلدی کی ضرورت کیا ہے

نا سمجھ ہو ابھی تم آؤ گلے مل جاؤ
کون سی بات پہ روٹھے ہو شکایت کیا ہے

سچ ہے ایسے ہی یہ مرنے کا مزا ہے اے دل
جو کبھی یہ بھی نہ پوچھے تری حسرت کیا ہے

آپ ہی کی یہ عنایت ہے کروں کیا شکوہ
سوچیے دل میں بلائے شب فرقت کیا ہے

کل تو آئے نہ تھے اور کہتے ہیں ہم آئے تھے
لو ہمیں بنتے ہیں جھوٹے یہ قیامت کیا ہے

میرا دل لے کے مجھی سے وہ یہ فرماتے ہیں
اب ہمیں حضرت قیصر سے ضرورت کیا ہے

جناب نواب میر صدرالدین حسین خاں صاحب رئیس بڑودہ

کب بے کمائیوں پہ وہ شرمائے جاتے ہیں
جھوٹی نمود اپنی وہ دکھلائے جاتے ہیں

بے غیرتی کی داد نہ دی جائے کس طرح
صدہا عیوب پر بھی وہ اترائے جاتے ہیں

ایسے شعور مند ہیں اللہ کی پناہ
ہر نفع بخش کام سے اُکتائے جاتے ہیں

رکھیں نہ بے ہنر کبھی عزت کی آرزو
ہر شغل پُر ضرر پہ جو للچائے جاتے ہیں

ہم آپ کو سمجھتے ہیں دانا سے روزگار
اور بے وقوف اوروں کو بتلائے جاتے ہیں

اہل دغا کی قدر ہے اہل غرض کی جاہ
تو ہم پہ وہ ہزار ستم ڈھائے جاتے ہیں

اُن مفسدوں سے ہم نے بڑھائی ہے رسم و راہ
جو آتش فساد کو بھڑکائے جاتے ہیں

جن کے نہ قول کا نہ چلن کا ہو اعتبار
پھر بھی شریف آپ کو کہلوائے جاتے ہیں

توقیر ہے جہاں میں جاری بس اسقدر
بے اعتبار لوگوں میں کہلائے جاتے ہیں

اس خستہ بختی پر بھی ہیں وہ تن آسانیاں — گویا کہ ہوشیار ہوں میں پڑ کھا کے جا
اولاد بے ہنر کا اُنھیں غم نہیں ذرا — گل باغ نسل قوم کے مرجھائے جا
بچوں کو چھوڑ دیتے ہیں حیوان کی طرح — اوصاف دام و دد کے ہیں پائے
اولاد کی ہے قدر نہ انسانیت کی فکر — ہر نعمت الٰہی کو ٹھکرائے جاتے
راحت رساں امیر ہوں اور بے ریا فقیر — ایسے وجود ہم میں کہاں پائے جا
کرتے ہیں راست گویوں کی کب قدر و منزلت — سچے تو انکی بزم میں جھٹلائے جا

اے صفدر ناصحوں کی ضرورت نہیں انھیں
راہ سلامتی سے جو کترائے جاتے ہیں

حضرت راغب جینائی بدایونی

کرم ہے تو جو کسی پر نگاہ کرتا ہے — وہ ساری عمر پڑا آہ آہ کرتا
تری فریب نگاہی سے آہ کرتا ہے — جو کوئی حال پر اپنے نگاہ کرتا
ستم ہی پر نہیں جب وہ نگاہ کرتا ہے — کچھ ایسی بنتی ہے دل پر کہ آہ کرتا
وہ کہتے ہیں کوئی بیکس جب آہ کرتا ہے — کہ اپنے آپ کو یہ کیوں تباہ کرتا
یہ جی میں آتا ہے بیساختہ کہ مر جائیں — کچھ اس ادا سے وہ نیچی نگاہ کرتا
جتا کے میری وفائیں مجھے سناتے ہیں — کہ بے غرض کوئی کب یوں نباہ کرتا
دھڑکنے لگتا ہے بے اختیار دل میرا — کسی طرف جو وہ ظالم نگاہ کرتا
تمام عالم دل ہو چکا تہ و بالا — ابھی وہ نیچے سے اوپر نگاہ کرتا
وہ ربط دشمن بدخو کے عذر خواہ ہیں یوں — کہ دیکھنا ہے یہ کب تک نباہ کرتا
یہ جی میں آتا ہے رکھ لوں کسی طرح دل میں — کچھ اس طرح کے مزے کی نگاہ کرتا

خدا ہی جانے مصیبت ہے کیا یہ راغب پر
کہ بات بات میں چپکے سے آہ کرتا ہے

ریویوز

ابن مسلم — اس تاریخی ناول نے ہندوستان کے ممتاز ناول نویسوں کی فہرست میں ایک اور شخص کا اضافہ کیا ہے اور وہ سلطان حیدر صاحب جوش علیگ ہیں جنھوں نے ڈھائی سال کی کوشش میں اس ناول کو تیار کیا ہے۔ اسکا پلاٹ ۸۷-۸۸ ہجری سے شروع ہوتا ہے جبکہ بنی امیہ کی خلافت کے زمانہ میں خلیفہ ولید تخت خلافت پر جلوہ آرا ہوا۔ خلیفہ ولید کے زمانہ میں فتوحات اسلامی نے جس جارحانہ شان کا اظہار کیا وہ تاریخ اسلام بلکہ تاریخی دنیا میں نہایت نمایاں ہے۔ خلیفہ ولید کے زمانہ میں اگر ایک طرف گورنر کوفہ و عامل عراق حجاج بن یوسف کے مظالم کی داستانیں تاریخ کے اوراق میں بدنما دھبہ معلوم ہوتی ہیں تو دوسری طرف مسلم کے پانچ بیٹوں کے شجاعانہ کارنامے بھی نظر آتے ہیں جو اسلامی تاریخ کو شاندار بناتے ہیں۔ ان ہی پانچوں بھائیوں میں جنکے زور بازو نے ایران۔ ترکستان اور چین تک کو دائرۂ فتوحات اسلام میں داخل کر لیا تھا ایک عبدالرحمن بن مسلم بھی تھا جس نے صغد کے والی طرخون کی بیٹی شیریں سے شادی کر کے اس مشہور خاندان کی بنیاد ڈالی جو تاریخ کے اوراق میں برامکہ کے نام سے موسوم نظر آتا ہے۔ ابن مسلم میں رزم بزم خلوت جلوت کے پلاٹ کے علاوہ محبت اور سچی محبت کے جلوے کے ساتھ بعض فلسفیانہ اور عالمانہ مضامین بھی ادبی شان لیے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس ناول کی شان اردو کے دیگر ناولوں سے بالکل جداگانہ اور ایک خاص حد تک ممتاز ہے۔ چنانچہ قابل ناول نویس نے ناول شروع کرنے کے قبل "لب لباب" کے عنوان سے ایک باب رکھا جسمیں بتایا گیا ہے کہ ناول میں کن کن مسائل کو حل کیا گیا۔ چنانچہ منجملہ اور باتوں کے "حسن انسان کو بدنام نہیں کرتی بلکہ انسان نما حیوان اسے بدنام کر دیتا ہے"۔ "جذبۂ محبت انسان کو فرشتہ اور حیوان کو شیطان بنا دیتا ہے"۔ تاریخی حیثیت کے علاوہ عشق کا جو کچھ تعلق ناول سے ہے وہ ایک بڑی حد تک دو جملوں کے تحت میں ہے۔ کہ ایک طرف عبدالرحمن نے کس طرح شریفانہ برتاؤ سے شیریں کو رام کیا اور دوسری طرف اسکے رقیب عوزک نے شیریں کو حاصل کرنے کے لیے کیا کیا کمینہ حرکتیں کیں اور شیریں کو جو خود اس سے محبت کرتی تھی دینی طرف سے بددل کر دیا۔ شکر ہے کہ اردو کے بیشتر ناول نویسوں پر اخلاق کو

خراب کرنے والے ناول لکھنے کا جو الزام لگایا جاتا ہے وہ جوش صاحب پر عائد نہیں ہوتا اور یہ یقیناً انکی بہت بڑی کامیابی ہے۔ ناول زبان کے لحاظ سے بھی اچھا ہے۔ کاغذ ولایتی ہونے کے باوجود چھپائی لکھائی اچھی نہیں کہی جا سکتی ۲۰×۲۶ کی تقطیع ۲۲۸ صفحہ کے اس ناول کی قیمت ۱۲ر کچھ زائد نہیں یہ ناول نظامی پریس بدایوں سے مل سکتا ہے۔

سلک مروارید - سید اشتیاق حسین صاحب شوق دہلوی نے قومی اور اخلاقی نظموں کا ایک مجموعہ مذکورہ بالا نام سے مرتب کیا ہے۔ اس مجموعہ کے شروع میں انبیائے عظام صحابۂ کرام عقلا و حکمائے ذیشان کے مقولے جمع کیے ہیں اور آخر میں چند غزلیں بھی درج کی ہیں جنہیں بعض ملک کے ممتاز شعرا کی زور قلم کا نتیجہ ہیں تعجب ہے کہ غزلیات کے انتخاب میں جناب شوق نے ملک کے بعض ممتاز شعرا کی جگہ دوسرے حضرات کو کیوں دی قومی اخلاقی نظموں میں ملک کے قریب قریب تمام مشہور و معروف حضرات کی نظموں کو داخل کیا ہے۔ دیگر اخلاقی اور قومی مجموعوں کے مقابلہ میں اس مجموعہ کی امتیازی شان یہ ہے کہ اسکے شروع میں قابل قدر بزرگوں اور مسلم الثبوت حکیموں کے کارآمد اور مفید اقوال بھی درج ہیں۔ لکھائی چھپائی کے اعتبار سے بھی مجموعہ اچھا ہے اور ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے قیمت ۶ر پتہ جناب اشتیاق حسین صاحب شوق دہلوی لال دروازہ مکان حضرت سائل دہلوی۔

قانون قدرت - سید زوار حسین صاحب سہارنپوری مولوی فاضل ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول باندہ نے اس کتاب کو لکھکر ایک ایسی ضروری کتاب کا کتب اخلاق میں اضافہ کیا ہے جسکے لیے پبلک کو انکا مشکور ہونا چاہیے۔ کتاب میں سچ۔ جھوٹ۔ چوری۔ مکر فریب۔ وغیرہ وغیرہ کے عنوانات علیحدہ علیحدہ قائم کرکے انکے تحت میں آیات قرآنی مع انکے سلیس ترجمہ کے نقل کی ہیں۔ کتاب اہل اسلام کے ہر طبقہ اور ہر گروہ کے لیے یکساں مفید ہے اور ہر مسلمان کے گھر میں ہونی چاہیے۔ اس کتاب کا مطالعہ ہر مسلمان بچے کے لیے بہت مفید ہے۔ ۲۰×۲۶ کی تقطیع پر ۵ جزو کی کتاب کی قیمت ۵ر بہت کم ہے۔ لکھائی چھپائی بھی اچھی ہے۔ پتہ دفتر رسالہ تمدن پل چھادلال لکھنؤ اور سید علی صاحب آشفتہ لکھنوی نیل فرنگی محل لکھنؤ سے مل سکتی ہے۔

برسات کا ترانہ - یہ ۱۲ صفحہ کی چھوٹی سی کتاب جناب ماسٹر باسط علی صاحب باسط بسوانی کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ جناب باسط کو نظم لکھنے کا جیسا مذاق ہے وہ ناظرین تمدن سے پنہاں نہیں ہے اور اس لیے کتاب کے متعلق اس سے زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پی کہاں۔ ساون۔ یاد محبوب۔ یہ وہ تینوں نظمیں ہیں جن کا بیشتر حصہ ایک بڑی حد تک مقبول عام ہو چکا ہے قیمت ۱ر پتہ ماسٹر باسط علی صاحب باسط بسوانی۔ بسواں ضلع سیتاپور۔

ریڈیم ۔۔۔ واچ



نمبر ۲۶ ۔

اس گھڑی میں رات کو گھپ اندھیرے میں ٹھیک ٹائم معلوم ہوتا ہے کیونکہ اسکی سوئیاں منٹ اندھیرے میں روشن ہوجاتے ہیں اور دن میں عام گھڑیوں کی طرح ٹائم دیتی ہے ہماری سچا وقت دینے میں اعلےٰ گارنٹی ۲ سال نکل کیس قیمت سات روپیہ اور قسم اعلےٰ کیس سنہری منقش قیمت نو روپیہ (لعہ)

نمبر ۲ لیور ہیئر جویلدار مضبوط صحیح وقت دینے میں لاثانی نکل ملور کا کیس گارنٹی ۲ سال قیمت [illegible] روپیہ

ہفت روزہ واچ



نمبر ۱ ۶ اس گھڑی میں آٹھویں روز چابی دیجاتی ہے وقت بہت صحیح دیتی ہے لیور مشین جویلدار نیفسی کٹ ڈائل کیس نکل سلور کا ۔ اور سیاہ گارنٹی ۵ سال قیمت چھ روپیہ

نمبر ۳ ۶ ۔ اصلی چاندی کا منقش سیرا کٹ کیس نہایت درجہ کی نفیسی ہفت روزہ چابی کی آٹھ جویلدار گارنٹی ۲ سال قیمت نو روپیہ

اور ہنٹر کیس یعنی ڈھکنے دار قسم اعلےٰ چاندی کا کیس گارنٹی چھ سال قیمت تیرہ روپیہ

خرچہ بذمہ خریدار ہوگا

ریلوے ریگولیٹر واچ



نمبر ۵ ۔ ریلوے مارکہ بیہ چال مضبوطی صحیح ٹائم دینے میں عمدہ نکل کیس قیمت ۳ روپیہ

نمبر ۵ قسم عمدہ جویلدار نکل کیس قیمت پانچ روپیہ

نمبر ۵ ۔ چاندی کا کیس قسم اعلےٰ لیور مشین نکل جویل نہایت درجہ کی مضبوط گارنٹی ۵ سال قیمت دس روپیہ (عشہ)

'الارم دار ٹائم پیس'

نہایت مضبوط صحیح وقت دینے میں اعلےٰ قیمت تین روپیہ

واٹر سیل واچ



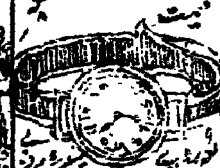
نمبر ۵ ۲ ۔ ہنٹر کیس منقش ڈھکن علیحدہ چابی کی نہایت خوبصورت ہنوا چال مضبوطی صحیح وقت دینے میں لاثانی گارنٹی ۳ سال قیمت چار روپیہ آٹھ آنے (للعہ)

نمبر ۲ ۶ ۔ یہ بھی گھڑی مگر گولڈ گلٹ کی قیمت پانچ روپیہ

عکسی قرآن شریف

وزنی چھ ماشہ طول ایک انچ عرض پون انچ مع لاکٹ و خوردبین اسکی واسطے تلاوت کے موجود ہے ہدیہ ایک روپیہ بارہ آنہ

انگلش شیٹ سیٹ واچ



یہ گھڑیاں نیو فیشن انگلش شیپ کی گنڈہ دار نہایت درجہ کی خوبصورت صحیح وقت دینے والی ہیں گارنٹی ۳ سال نمبر ۴ ۴ سفید اور سیاہ چار روپیہ آٹھ آنے (للعہ)

نمبر ۵ ۶ ۔ چاندی کی بیس روپے نمبر ریڈیم ڈائل کی جو رات کو گھپ اندھیرے میں مانند دن کے ٹائم بتاتی ہے نکل کیس اور سیاہ کی قیمت نو روپیہ

اور چاندی کی قسم اعلےٰ جویلدار گارنٹی ۵ سال قیمت پندرہ روپیہ

زنانی چوڑیدار گھڑی



نمبر ۶۹ ۔ یہ گھڑی ایک [illegible] ور چوڑی میں جڑی ہے [illegible] وگھڑی دونوں پختہ سونے کا ملمع ہے جو بالکل سونے کی معلوم ہوتی ہے گارنٹی ۲ سال قیمت [illegible]

نمبر ۷۰ ۔ موافق نمبر ۶۹ کے لیکن گھڑی کی چوڑی پر ہیرے موتی نیلم یاقوت قابل دید جڑے ہیں قیمت چھ روپیہ

نوٹ ہر قسم کی ہر ایک پارسل کا خرچہ بذمہ خریدار ہوگا اور فرمائش کے ہمراہ پتہ صاف لکھے

پہونچی ۔ جڑاؤ چنپ کا نقشی دانہ سونے ملمع کی ہوا مانند اصلی کے قیمت [illegible]

چوڑیاں [illegible] کٹ کی نقشی [illegible] سونے ملمع [illegible] جوڑی [illegible] قیمت [illegible]

چوڑیاں [illegible] نہایت نفیس [illegible] سونے کا ملمع [illegible]

[illegible]

کڑے نہایت نفیس سونے کا ملمع فی جوڑہ [illegible] روپیہ چار آنے [illegible]

چھلے [illegible] نفیس [illegible]

جالیدار سونے کا ملمع فی جوڑہ [illegible]

اور جڑاؤ نہایت خوشنما فی جوڑہ [illegible]

چتے [illegible] بالکل اصلی سونے کے [illegible]

اور اصلی سونے کا ملمع [illegible]

چمپا کلی نقشی [illegible] بالکل سونے [illegible] قیمت [illegible] ہماری [illegible]

چمپا کلی منقش دانہ بادام کی وضع [illegible] قیمت تین روپیہ [illegible]

ایسا خوشنما [illegible] دو سو [illegible]

ہماری [illegible] قیمت [illegible]

المشتہر مولوی محمد لطف اللہ خاں جنرل مرچنٹ نمبر ۲ عقب کالی مسجد شہر دہلی

ناول

فرائض معلمہ۔ یعنی تربیت اولاد کا ایک دلچسپ قصہ مترجمہ مولوی شیخ جلال الدین صاحب ایم اے صفحات ۵۵ اصل قیمت ۸ر رعایتی ۶ر

تماشا گاہ عالم۔ ہندوستانی زندگی کا ایک نہایت عجیب حیرت انگیز افسانہ مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب اصل قیمت ۱۲ر رعایتی ۱۲ر صفحات ۲۸۸۔

بدگمانی و مہر۔ مجیدہ بیگم کے مصائب اور وفاداری کی داستان۔ شریف النسا کی خوفناک کج ادائیوں کا انجام مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب اصل قیمت ۸ر رعایتی ۶ر صفحات ۱۳۲۔

تاریخ

علمائے سلف۔ مولانا محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ کی مشہور تصنیف جسمیں علماء اسلام کے حالات درج ہیں اصل قیمت ایک روپیہ رعایتی ۸ر

قدیم ہندوستان کی تہذیب۔ مشہور فاضل مسٹر ... کی بیش بہا تاریخ سویلائزیشن آف اینشنٹ انڈیا کا اردو ترجمہ۔ رعایتی قیمت ۱۲ر

تذکرہ امیر۔ امیر عبدالرحمٰن خانصاحب مرحوم کی تحریری مصنفہ منشی محبوب عالم صاحب اصل قیمت ... رعایتی عہ ر

سفرنامہ یورپ بلاد اسلامیہ یعنی منشی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار کا مشہور سفرنامہ روم و شام و مصر اصل قیمت للعہ رعایتی عہ ر صفحات ۹۷۰

طب

ہومیوپیتھک علاج نسوان۔ مولفہ حکیم قادر حسین صاحب شاہ آباد ضلع ہردوئی مجلد اصل قیمت ؎ رعایتی ۱۲ر

قرابادین حسینی مولفہ حکیم ڈاکٹر نور حسین صاحب صابر اصل قیمت عہ رعایتی ۱۲ر

کیا میں تندرست ہوں یا بیمار۔ مشہور ڈاکٹر لوئی کہنی کی تصنیف کا ترجمہ (ہر شخص کے لیے دستی کتاب) رعایتی قیمت ۸ر

ادبی جواہر ریزے

ایک شاعر کا انجام (ناول) حضرت نیاز کی معجزانہ تحریر کا اعلیٰ نمونہ سر پاور دے تڑپا دینے والے تخیلات اور حسن عشق کی نیرنگیاں قیمت رعایتی ۸ر

جذبات بھاشا۔ بھاشا (ہندی) زبان کے شیریں و دلکش نازک تخیلات کا مرقع اردو زبان میں ایک بہترین اضافہ بھاشا زبان کے دلکش و دلفریب اشعار کی توضیح و تشریح اور وہ بھی حضرت نیاز کے دلگداز قلم سے قیمت فی جلد رعایتی ۸ر

عالم خیال۔ (باتصویر) حضرت شوق قدوائی لکھنوی کی چار بے مثل اور بے اضافت نظموں کا دلکش مجموعہ ایسی دلچسپ یعنی خیز نظمیں اردو زبان میں اس سے پہلے شائع نہیں ہوئیں۔ اسکے ساتھ چار ریویو بھی ملک کے منتخب اہل قلم کے شامل ہیں جو نظم کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہیں اور انکی رائے ہے کہ اردو تو اردو مغربی زبانوں (مثلاً انگریزی وغیرہ) میں بھی ایسی اعلیٰ پایہ کی نظمیں موجود نہیں چھپائی دیدہ زیب قیمت فی جلد ۲ ر

دوائیوں کے تیل

مذکورۂ ذیل دوائیوں کے تیل دوائیوں کے تیل کے دو تین بوند
یا آدھ سیر دوا کے فائدہ دیتے ہیں اور کو منہ پینے کی تکلیف سے بچتے ہیں۔
اور آسانی سے پی سکتے ہیں۔

(۱) روغن صندل۔ سوزاک کے لیے نہایت درجہ مفید ہے قیمت فی شیشی ۶ر
محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ۔ ۵ر

(۲) اجوائن کا تیل۔ قے اور بدہضمی کی ایک ہی دوا ہے قیمت فی شیشی ۴ر محصول ۵ر

(۳) روغن سونٹھ۔ یہ بھوک کو بڑھاتا ہے اور ریاح کو خارج کرتا ہے قیمت فی شیشی ۵ر
محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ ۵ر

(۴) روغن سونف۔ پیٹ پھولنا اور دست وغیرہ کے لیے مفید ثابت ہوا ہے قیمت فی شیشی ۱۴ر
محصول ایک سے چار شیشی تک ۵ر

(۵) روغن دال چینی۔ یہ دال چینی کے ملائم چھلکوں سے بنا ہے اور یہ چیز نہایت خوشبودار
ہے۔ قیمت فی شیشی ۶ر محصول ایک سے چار تک ۵ر

(۶) روغن لونگ۔ متلی اور ریاح کو دفع کرتی ہے اور درد شکم و بدہضمی کو مفید ہے۔
قیمت فی شیشی ۴ر محصول ۵ر

(۷) روغن لیمو۔ ہرے گویا ابھی درخت سے ٹوٹے ہوئے لیمو کا خوشبو دیتا ہے۔ قیمت
فی شیشی ۸ر محصول ۵ر

(۸) روغن پیپر منٹ۔ پیٹ کے درد بدہضمی اور ریاح کے خارج کرنے میں یہ ایک بہت
مشہور دوا ہے قیمت فی شیشی ۱۰ر محصول ۵ر

(۹) روغن الائچی۔ متلی اور ہچکی کو بند کرتی ہے اور بھوک بڑھاتی ہے قیمت ۸ر محصول ۵ر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

اگست ۱۹۱۳ء

تمدن

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی۔ اور علمی مضامین کا
مخزن

ایڈیٹر ایم اے قاری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قاری
محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

صفحہ		صفحہ	
خاکستر۔ آصف علی صاحب دہلوی بیرسٹر ایٹ لا	۱	خواتین اسلام کے علمی کارنامے۔ ابوجلال صاحب ندوی	۳۳
پردہ کی گپ	۴	خوف و سوالی۔ مولوی محمد حسین صاحب محوی	۳۸
انگور۔ (نظم) باسط علی صاحب باسط یزدانی	۱۱	فلسفہ طبیعت۔ مولانا احمد اللہ صاحب ندوی	۴۰
ہائے دل۔ حضرت بیدل انصاری	۱۲	شہید ناز کی فاتحہ۔ مقرب حسین صاحب مقرب دہلوی	۴۸
طنز معشوق۔ مولوی محمد تقی صاحب قمر گیاوی	۱۵	حضرات حسرت موہانی۔ عشقی لکھنوی۔ دل شاہجہانپوری۔ آرزو لکھنوی۔ محشر لکھنوی۔ [illegible] صاحب بدایونی۔ اظہر دہلوی۔ ناطق لکھنوی۔ [illegible] لکھنوی۔ بیخود موہانی۔ آشفتہ لکھنوی۔ [illegible]	۴۹
جواب مہا لیقا۔ حکیم مولوی سید علی صاحب			
سالانہ مشاعرہ۔ آشفتہ لکھنوی	۱۷		
مستقبال۔ سلطان حمید صاحب [illegible] علیگ	۲۳		
کچھ [illegible]	۳۱		

ناظم [illegible] نادرن انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا
[illegible]
قیمت [illegible] مقام اشاعت [illegible] لکھنؤ [illegible]

قواعد

(۱) "تمدن" ہر ماہ کی پہلی تاریخ کلکتہ سے شائع ہوتا ہے۔

(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر بُرا اثر پڑے یا ذاتیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے ہوئے ہوں درج تمدن نہیں ہوتے۔

(۳) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۱۶ تاریخ تک آجانے چاہئیں۔

(۴) جو مضمون کسی دوسرے رسالے میں درج ہوچکا ہو اسکو تمدن کے لیے ارسال نہ کرنا چاہیے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی نمبر نہ پہونچے تو اُسی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک طلب کریں ورنہ پھر چار آنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا۔

(۶) ناتمام مضامین درج تمدن نہیں ہوسکتے

عجیب خبر

آلۂ سیرِ عالم کو سرہانے کے نیچے رکھکر سونے سے اندرونی جسم سے باہر نکل کر عالمِ بالا میں پرواز کرتا ہے تم سونے سے پہلے سیرِ عالم سے کہدو اور وہ تمھیں حسبِ منشاء آبشار نیاگرا یا کشمیر کی پُر فضا سرسبز وادیوں یا سوئٹزرلینڈ کے سربفلک پہاڑوں کی سیر دکھادے گا اور تمھیں ایسا معلوم ہوگا کہ گویا ہوا میں اُڑتے اُڑتے وہاں کی سیر کر رہے ہو اور جسم تمھارا گھر میں چارپائی پر پڑا ہوا ہے۔ ان مزے دار سیروں سے ایسی خوشی حاصل ہوگی کہ اسکے مقابل میں دنیا بھر کی خوشیوں کو ہیچ در ہیچ سمجھوگے۔

نوٹ۔ اوپر کی خبر پڑھکر تم آئینۂ حیرت کیوں بنے جاتے ہو۔ دیکھو تمھارے دل میں رفتہ رفتہ شک نے جگہ لینا شروع کی اب تم سچ سمجھے ہو کہ ضرور راقم الحروف کوئی بے وقت کا اپریل فول ہوگا۔ لیکن بھائی جان خدا شاہد ہے اس میں مبالغہ کا نام کو شائبہ نہیں دور کیوں جاؤ آج ہی منیجر علمی مسمریزم ہاؤس بکس ۲۳ لاہور کے نام ایک خط لکھکر آزما دیکھو۔

تمدّن

خاکستر

آج مشرق کی شان کو مٹے تقریباً تین ہزار برس ہوے مگر خوش مذاق اور خوش ظن علماء و انشا پردازان مغرب اس فسانۂ کہنہ کو اپنے خیالستان میں ایک بلند جگہ دیتے ہیں۔ وہ مقدس تعیش جس کی ابتدا اور انتہا۔ الماس و جواہر و زر و سیم۔ موتی و عقیق۔ پر مبنی تھی۔ وہ سربفلک کشیدہ طلائی عبادت گاہیں جنہیں یاقوت و زمرد کے بت تھے اور جن کی عقیق و یشب کی دہلیز اور سیڑھیاں جنہیں اقصائے مغرب و مشرق کے خوش رنگ اور مشام افلاک معطر کرنے والے پھول چڑھائے جاتے تھے۔ جہاں شب و روز روغن زیتون کے چراغ روشن رہتے تھے اور اگر و لوبان اور غنودگی زا عود و عنبر کے بادل ہر وقت چھائے رہتے تھے۔ وہ عشرت گاہیں کہ جن میں بلور کی صراحیاں اور الماس کے ظروف بادۂ گلفام سے بھرے نازک اندام حور وش خدام کے ہاتھوں میں ہر وقت رہتے تھے اور جہاں زر و سیم کے منقش سقف کے پوشیدہ عطر پاشی

مست کرنے والی خوشبوؤں کا مدام ترشح رہتا تھا۔ جہاں کے قالین اور غالیچے شانہ اور نازک پھولوں کی پنکھڑیوں کے ہوتے تھے۔ وہ حمام جن میں نیلم اور پکھراج کے سنگ پا اور الماس و بلور کے حوض جن میں گلاب و موتیا کی مہک دیتا ہوا آب مصفا ہوتا تھا جہاں شمع کافوری کی جگہ گوہر شب چراغ کام دیتا تھا۔ وہ باغ اور پائیں باغ کہ جن کی روشیں لعل بدخشانی اور عقیق رمانی کے ریزوں سے مزین ہوتی تھیں اور جن کی کیاریاں رنگ میں قوس قزح اور ترتیب میں تاروں بھری رات کو منفعل کرتی تھیں۔ وہ مشرق جسکی شان و شوکت جسکی آب و تاب جس کے رات دن اور عیش کی گھڑیوں کے فسانے ہر قوم اور ہر ملک کے افراد کے آج کے دم تک دلنشیں ہیں تین ہزار سال ہوئے کہ زمانہ کی دست و برد کے نذر ہو گیا مگر کیا عظمت و شان تھی اُس ہستی معدوم کی کہ جس کی یاد اس دن تک ہر کس و ناکس کے دل میں تازہ ہے۔ مشرقی شاہوں کا جاہ و جلال اور مشرقی گداؤں کا علم و کمال مشرقی منعموں کے مال سے کسی طرح کم نہ تھا۔ خاور زریں کی سنہری کرنیں اس مشرق کے زرکثیر کے سامنے پھیکی پڑ جاتی تھیں۔ وہ کونسا برج عبادت گاہ کا تھا جسکے کلس سنہری کرنوں کا سر اُبھار اُبھار کے مقابلہ نہ کرتے تھے۔ وہی مشرق تھا کہ جسکے شاہوں کے درباروں میں پہنچکر آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ بابل و نینوا میں اب سوائے خاکستر کے اور کیا باقی ہے مگر وہ تعطر زا نغمے وہ مرواریدنگار مرقع۔ شورانگیز نظمیں اور ناپیدا کنار رقص۔ اور وہ لذت افزا ترحم حواس یعنی سرور جن کی رنگ آمیزی نے اس زمانے کی معاشرت کو ایک شاندار ہستی بخشی تھی کس طرح شمار نہ ہوں گے کہ جن کی آواز بازگشت نے حیات ابدی حاصل کر لی ہے ہاں وہ کہ جسکا حافظہ مستدعی ہے کہ اس زمانۂ لایموت کی یاد کے بارگراں سے

اُسے سبکدوش کیا جاے مجبور ہیں اور زیر بار احسان فراموشی نہیں ہو سکتے متوجہ
بحر کی طرح اس زمانہ کی یاد ان کے خیالستان کو زیر و زبر رکھتی ہے اور وہ تہر
درویش بر جان درویش اُس زمانہ کی عظمت و شان کو مانتے ہیں۔ کہاں ہیں اب
فرمانروایان سوسہ اور کہاں ہیں والیان میمفس پوشادر اور بابل کے نام
مٹ گئے مگر ان کے درباروں کی شان و شوکت اور انکے زمانہ کی طلائی
یادگار آج تک باقی ہے۔

حیرت مگر اس امر کی ہے کہ انشا پردازان مغرب آج تک مشرق کو اس
گئے گذرے طمطراق و تمول کا مرکز خیال کرتے ہیں۔ اور جب کبھی کسی شاندار
موقع کا ذکر آتا ہے تو وہ اسے صفت مشرقیت سے موصوف کرکے
گویا اصل کی شان کا صحیح اندازہ لگاتے ہیں۔

وہ آگ جو زردشت کے آتشکدہ میں روشن تھی مدت ہوی
کہ خاموش ہو چکی عراق عجم و عراق عرب۔ بابل و نینوا شام و روم
مصر و یونان سب شعلہ اجل میں خاک ہوے ہیں وہ الماس و زمرد کے
بت جو صنم خانۂ آذر میں تھے صدیاں گذریں کہ آتش تغیر کا لقمہ ہوگئے
وہ میکدے کہ جن میں بادہ پُر اسرار جامہائے بیقرار میں دمبدم دور میں تھا
ٹھنڈے ہو چکے۔ اگر کچھ باقی ہے تو خاکستر۔

آصف علی

ضروری گذارش "تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست
کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی
رضامندی سمجھی جاے گی اور دوسرے ماہ میں اُن کا نام درج رجسٹر کرکے تیسرے ماہ کا
پرچہ ذریعہ وی۔ پی بھیجا جائیگا جسکا وصول کرنا اُنکا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ مینیجر

پردہ کی گپ

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

جب باہر کی دنیا یا باہر کی غیر قوموں کا اسلامیوں سے سابقہ پڑا تو بقاعدۂ مستمرہ بہت سی باتیں اسلامیوں کی نگاہ میں دوسروں کی بُری معلوم ہوئیں اور بہت سی باتیں اسلامیوں کی دوسروں کو اچھی نہ لگیں یہ کہنا کہ ساری دنیا کی تہذیب ایک ہی سی ہو ایک گپ ہے تہذیب کی اکثر باتوں کا مدار بعض رسوم اور رواجات پر ہی ہوتا ہے اور قوموں کی رسمیں اور رواجات بہت کچھ مختلف ہوتے ہیں اور بعض رسمیں ملکی آب و ہوا کے ماتحت بھی ہوتی ہیں باہر کی غیر قوموں نے مسلمانوں میں پردہ کی رسم کو ایک غیر نظر سے دیکھا اگرچہ اُن میں بھی ایک قسم کا پردہ ہے لیکن چونکہ مسلمانوں سے اُنھوں نے یہ سُنا کہ اُن کا پردہ مذہبی حکم کے ماتحت ہے اس واسطے غیر اقوام نے اپنے مذہبی نقطۂ خیال سے پردہ کی مخالفت کی اور اس کے خلاف بہت کچھ کہا یہاں تک کہ خود بعض مسلمانوں نے بھی متاثر ہو کر مرد ہوں یا عورتیں پردہ کی مخالفت میں بہت کچھ کہا سُنا یہاں تک کہ بعض لوگوں نے پردہ کی مخالفت میں اتنی جلد بازی سے کام لیا کہ اغیار سے بھی بڑھ گئے اور بعض نے صاف طور پر انکار ہی کر دیا کہ اسلام پردہ کا حامی ہی نہیں اور نہ اسلام میں کوئی ایسی تعلیم ہے بعض وقت جلد بازی سے اعتراض کی تہ تک پہنچنے کے بجائے معترض کے ساتھ ہونا بھی ایک جواب سمجھا جاتا ہے ہم اسوقت یہ بحث نہیں کرینگے

کہ اسلامی پردہ کہاں تک ضروری اور عقل وفراست وضروریات کے مطابق ہے اس وقت صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ

اسلام میں پردہ کا کسی نہ کسی رنگ میں حکم ضرور دیا گیا ہے لیکن ہندوستان میں پردہ پر جو اعتراض کیے جاتے ہیں وہ ایسے عامیانہ ہوتے ہیں کہ اُن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معترضین صرف پردہ کا نام ہی سُن کر معترض ہوتے ہیں اُنہیں ہندوستان کی موجودہ کیفیت وحالت کا علم بالکل نہیں ہے بعض خواتین بڑے زور وشور سے پردہ کی شاکی ہو کر معترضانہ مضامین لکھتی ہیں اسی طرح بعض مرد بھی لکھتے ہیں اُنکے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ عملی رنگ میں فیصدی پچانوے مسلمانوں میں پردہ ہے اور شاذ ونادر ہی اس سختی اور صعوبت سے کوئی گھر خالی ہے اگر بعض معترضات اور معترضین اس جلدبازی سے کام نہ لیتے تو پردہ کی مخالفت کے ساتھ ہی اُنھیں یہ بھی کہنا پڑتا کہ اگرچہ اسلام میں صعوبت پردہ ڈالی گئی ہے مگر سرزمین ہند میں اب یہ صعوبت خوش قسمتی سے بہت کچھ کم ہو گئی ہے اور دن بدن کم ہوتی جاتی ہے

مجھے سارے ہندوستان کا تو تجربہ نہیں البتہ صوبہ پنجاب کا ایک بڑی حد تک مشاہدہ اور تجربہ ہے میں ایک ضلع وار بہ قیاس غالب پردہ کی فیصدی ایک فہرست دیتا ہوں اُس سے معترضین بہ خوش اسلوبی یہ جان سکتے ہیں کہ جس پردہ اور صعوبت پردہ پر اسقدر واویلا کیا جاتا ہے اور جسے اسلامی عورتوں کے حق میں ایک بلاے بے درماں سمجھا جاتا ہے اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کا نسوانی عالم ترقی سے رہا جاتا ہے اُس کی اصلی کیفیت کیا ہے

اس نقشہ سے ناظرین معلوم کر سکتے ہیں کہ درحقیقت پردہ کی حقیقت کیا ہے۔

نمبر شمار	نام ضلع	فیصدی پردہ	نمبر شمار	نام ضلع	فیصدی پردہ
۱	لاہور	۷	۱۵	شاہ پور	۳
۲	امرتسر	۵	۱۶	میانوالی	۳
۳	جالندھر	۵	۱۷	لائل پور	۳
۴	لودیانہ	۴	۱۸	کیمبل پور	۴
۵	انبالہ	۵	۱۹	راولپنڈی	۴
۶	کرنال	۷	۲۰	گورداسپور	۷
۷	دہلی	۱۰	۲۱	کانگڑہ	۱
۸	رہتک	۱	۲۲	ہوشیارپور	۴
۹	حصار	۱	۲۳	گوڑگانوں	۳
۱۰	شملہ	۲	۲۴	ملتان	۵
۱۱	فیروزپور	۳	۲۵	مظفرگڈھ	۵
۱۲	گوجراں والہ	۴	۲۶	ڈیرہ غازی خاں	۵
۱۳	گجرات	۴	۲۷	سیالکوٹ	۴
۱۴	جہلم	۴	۲۸	منٹگمری	۳

فیصدی مردم شماری پر نہیں لی گئی ہے بلکہ خانہ شماری پر اندازہ لگایا گیا ہے یہ اندازہ ایک ایسا اندازہ ہے کہ اس میں کمی تو ہوسکتی ہے بیشی کی امید نہیں کی جاسکتی اضلاع ذیل میں نسبتاً مسلمانوں کی آبادیاں زیادہ ہیں دوسری قوموں کی فیصدی مردم شماری کوئی ۷-۸-۹ تک جاسکتی ہے -

(۱) ڈیرہ غازی خاں -
(۲) مظفرگڈھ -
(۳) ملتان -
(۴) گجرات

(۵) جہلم
(۶) راولپنڈی
(۷) کیمبل پور
(۸) شاہ پور
(۹) میان والی

ان اضلاع میں بالخصوص پردہ برائے نام ہے عام مسلمان عورتیں مردوں سے بھی زیادہ آزادی کے ساتھ چلتی پھرتی ہیں اور زمیندارے کے کاموں میں صبح سے لے کر شام تک مصروف رہتی ہیں ہندو عورتوں میں اس قدر آزادی نہیں ہے جسقدر ان میں ہے اور اس کشادہ روئی اور آزادی کی وجہ سے بھی بعض برائیاں ان اضلاع کی عورتوں میں دن بدن بڑھتی جاتی ہیں مثلاً ۹۸ ۴ کے مقدمات کی ایک خاص کثرت ہے ہمسایہ اقوام میں اسقدر اس قسم کے مقدمات نہیں پائے جاتے اور اگر پائے بھی جاتے ہیں تو نسبتاً بہت ہی کم پنجاب کے شہروں اور قصبات میں البتہ پردہ بمقابلہ دیہات کے زیادہ ہے۔

لیکن وہ بھی بہت کچھ رسمی گھر سے برقع پہن لیا اور گلی میں جا کر اُتار دیا جب پھر گھر کے نزدیک آ گئے تو برقع کر لیا۔ بعض گھروں میں برقع کی رسم محض بطور ایک فیشن کے ہو گئی ہے جیسے کہ یونیورسٹی میں جانے کے وقت تبقریب کسی جلسہ کے ڈگری یافتگان عبا پہن لیتے ہیں برقع سے اول پنجاب میں بوکل اور چادر بوجہ کا رواج تھا۔ وہ رفتہ رفتہ بالکل اُڑ گیا ہے اور اس کی جگہ برقع نے بہت ہی کم لی ہے۔

جسقدر مسلمان عورتیں بے پردگی کی حالت میں گھر کا کام کاج کرنے کی عادی ہیں اور جسقدر زمیندار عورتیں کام میں شب و روز منہمک رہتی ہیں اُتنی کوئی دوسری ہمسایہ قوم سوائے ہندو سکھوں اور ہندو جاٹوں

یا شودروں کے نہیں رہتی مسلمان عورتوں کو دیہات میں صبح سے لے کر
شام تک لگاتار کام کرنا پڑتا ہے اور اُن کے سب کام اور سب مصروفیتیں
بے پردگی کی ہوتی ہیں ہاں کبھی کبھی جب وہ گاؤں سے باہر نکلتی ہیں تو اُن میں
سے کوئی کوئی چادر لے لیتی ہے ورنہ فیصدی پچانوے (۹۵) کشادہ روے ہوتی
ہیں یورپ کی عورتیں اس آزادی اور اس کشادہ دلی سے نہیں پھرتی
ہیں جس کشادہ دلی اور جس آزادی سے وہ پھرتی ہیں صرف یہ فرق ہے کہ
یوروپ کی عورتیں جلسوں اور محفلوں میں بھی جا نکلتی ہیں اور انھیں موقع
نہیں ملتا ورنہ اور کوئی فرق نہیں ہے تعجب یہ ہے کہ ہندوؤں میں ایک طرف
پردہ کی سخت مخالفت کی جاتی ہے لیکن اب اُن میں سے بھی بعض عورتیں
برقعہ لے کر باہر نکلتی ہیں۔ اگرچہ یہ شاذ و نادر ہے مگر ہے ضرور۔

پنجاب میں دیہات کی اکثر عورتیں خود بازار سے سودا سلف لاتی ہیں اور
ایک پوری آزادی سے بازاروں اور منڈیوں میں پھرتی ہیں اُنکے دیکھنے
سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ عورتیں کسی پردہ دار قوم میں سے ہیں یا ان میں
بھی کبھی پردہ رہ چکا ہے پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی ۵۴-۵۵ فیصدی
ہے اور منجملہ ان کے ۴۹ یا ۴۸ فیصدی زمیندار مسلمان ہیں اور زمینداروں
میں پردہ کی حالت اُسی نسبت سے ہے جو اوپر کے نقشہ میں دکھائی گئی ہے
بعض وقت پردہ صرف فارغ البالی اور تمول کے تابع ہو کر چلتا ہے جب
فارغ البالی باقی نہیں رہتی تو پردہ بھی اُڑ جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیہاتی
حلقوں میں فارغ البالی کا پیمانہ اعلیٰ نہیں ہوتا تمام دیہاتی عورتیں سوا ے
معدودے چند کھلے مُنہ عدالتوں میں حاضر ہوتی ہیں اور کبھی اُس پر اعتراض
نہیں کیا جاتا اسی طرح میلوں وغیرہ میں بھی رواج ہے۔

بایں حالات پنجاب کی کیفیت سامنے رکھ کر معترضین سے پوچھا جا سکتا ہے کہ آپ لوگ کس قسم کی بے پردگی چاہتے ہیں پردہ کے معنے بامفہوم بظاہر یہی ہوسکتا ہے کہ عورتیں منھ چھپا کر برقع لے کر چادر اوڑھ کر کے بوکل مار کر چلیں عام طور پر مردوں سے مجتنب رہ کر چلیں پھریں گلیوں کوچوں جنگلوں۔ بازاروں اور منڈیوں میں آمد و رفت نہ ہو سو اس کا نقشہ تو آپ اوپر دیکھ چکے ہیں اب صرف ایک ہی کسر ہے کہ

کیوں عورتیں یورپین عورتوں کی طرح یا اُن کے نقش قدم پر مجلسوں محفلوں ٹھیٹھروں۔ تماشوں نمایش گاہوں میں نہیں جاتی ہیں اور کیوں لیکچر نہیں دیتی ہیں کیوں تقریریں نہیں کرتی ہیں کیوں اخباروں میں مضمون نہیں دیتی ہیں کیوں دور دراز ملکوں کا سفر نہیں کرتیں کیوں مردوں کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالکر نہیں پھرتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

میری رائے میں اس کی یا اس نقص کی وجہ دو ہو سکتی ہیں۔

(۱) عام فارغ البالی نہیں ہے۔

(ب) عام تعلیم نہیں ہے۔

جس قوم کی روزانہ آمدنی اوسطاً ایک پائی ہو اُس قوم کی عورتیں یورپین عورتوں کی ایسی کیسے ہو سکتی ہیں جس قوم کی تعلیم کا نمبر پانچ فیصدی سے بھی کم ہو اس قوم کی عورتیں یورپ کی عورتوں کا مقابلہ بعض تہذیبی شعائر کے ماتحت کس طرح کر سکتی ہیں۔

جس قوم کی عورتیں پچپن فیصدی برہنہ پاؤں پھرتی ہوں جس قوم کے گھر رات کے وقت فیصدی پینسٹھ بے چراغ رہتے ہوں وہ مہذب اقوام کی عورتوں کی ایسی کیسے کریں۔

واگر پردہ کسی قدر مسلمان عورتوں میں ہے تو اُن خاندانوں اور اُن کنبوں میں جو کچھ کھاتے پیتے اور فارغ البال ہیں باقی عناصر میں کوئی پردہ نہیں ہے بلکہ بے پردگی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ وہ دن بدن خوفناک ہوتی جاتی ہے

جو بے پردگی اس وقت عام طور پر پائی جاتی ہے اسکی وجہ سے اسلامی نقطۂ خیال سے کسی کو خارج از اسلام نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اگر معدودے چند باقی کی بی بیاں بھی عام اسلامی عورتوں کی طرح بے پردہ ہو جائیں تو اُنھیں کون روک سکتا ہے بعض شریف پردہ دار بیبیاں جو مشکلات پردہ سے تنگ آکر واویلا اور سوزدل سے اپیل کرتی اور جوش میں آکر کوستی ہیں اُنھیں اُن مردوں کو مستثنیٰ کرکے بعض مردوں کو کوسنا چاہیے جن کی عورتیں فیصدی ۹۵ آزاد پھرتی ہیں۔ دراصل اُن کا اپنا قصور ہے یا اُن کے وارثوں کا جب ۹۵ فیصدی مسلمان عورتیں بے پردہ رہتی ہیں تو اُن کا ارادہ سے پردہ اُٹھا دینا کون سی اجنبی بُرائی ہو سکتی ہے۔

بعض پردہ دار بیبیوں کا اپنے پردہ یا اپنے پردہ کی مشکلات سے تنگ آکر یہ خیال کر لینا کہ اُن کی تمام دوسری بہنیں بھی پردہ ہی میں رہتی ہیں صحیح نہیں پردہ پر اعتراض ہونے کی صورت میں جواب یہ ہونا چاہیے کہ ہندوستان میں شرعی یا اسلامی پردہ فیصدی ۵ ، یا ۵ ۹ بھی نہیں ہے جس طرح اس ملک کی اور عورتیں بے پردہ اور آزاد ہیں اسی طرح مسلمان عورتیں بھی ہیں بلکہ میری رائے میں تو مسلمان عورتیں دوسرے مذہب کی عورتوں سے عموماً زیادہ تر آزاد ہیں رہا یہ کہ اُن میں سے بعض مردوں کو دیکھکر مُنھ کیوں چھپا لیتی ہیں یہ بھی ایک نا لیقی فعل ہوتا ہے اس طرح تو ہندو عورتیں بھی مُنھ چھپا لیتی ہیں شاید مسلمان عورتوں میں سے

رفتہ رفتہ اسقدر حجاب بھی ہٹ جائے - پردہ کے متعلق غیروں ہی میں نہیں خود مسلمانوں میں بھی اکثر غلط فہمیاں پھیلی ہوی ہیں جو مسلمان شیخی سے یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم میں ایک عام پردہ ہے وہ بھی غلط راے رکھتے ہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسلمان عورتوں یا مسلمان قوم کو پردہ نے تباہ کیا وہ بھی لاعلمی کی وجہ سے مبالغہ کرتے ہیں' پردہ محض براے نام ہے معترضین کو صاف طور پر کہدینا چاہیے کہ جس شرعی حادثہ کا ڈر ہے وہ کبھی کا دور دقان ہو چکا ہے گیا اوپر کے نقشہ سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ پنجاب کے مسلمانوں میں کوئی پردہ ہے اگر یہی پردہ ہے تو معلوم نہیں بے پردگی کس بلا کا نام ہے۔

ناخن بدل بن مزن اکنوں کہ دریں ساز

تار نفسے بود صدا داشت ندارد

راقم ایک (محقق)

غزل

سر سے پا تک ہمہ تن نور نظر آتے ہیں — چشم بد دور وہ اب حور نظر آتے ہیں

چال مستانہ ہے انکی تو نشیلی آنکھیں — یہ حسیں بے پیے مخمور نظر آتے ہیں

ساقیا جب سے مئے سرخ بھری ہے تو نے — قلقلے ساغر بلّور نظر آتے ہیں

زلف شبگوں پہ چھڑکتے ہیں وہ جب دم افشاں — چاند تارے شب دیجور نظر آتے ہیں

آنکھ اٹھا کر وہ نہیں دیکھتے عاشق کی طرف — دولت حسن سے مغرور نظر آتے ہیں

اے شہ حسن ترے چاند سے رخ کے آگے — چاند سورج مجھے بے نور نظر آتے ہیں

تن بدن کا نہ رہا ہوش رسا کو باقی

نشۂ عشق سے یہ چور نظر آتے ہیں

رسا ہمدانی۔ گیاوی

انگور

آفاق میں تو نام سے مشہور تو ہی ہے　　　کہتے ہیں تجھے رز۔ عنب۔ انگور تو ہی ہے

خوشہ ہے ترا غیرت صد خوشۂ پروین　　　وابستہ ہے دامن سے ترے گوشۂ پروین

لگ جائے کہیں ٹھیس تو خونابہ رواں ہو　　　نازک ہے بدن ایسا کہ شیشے کا گماں ہو

سرسبز بنانے کو تجھے خون سے سینچا　　　پھر بادہ کی صورت میں ترے خون کو کھینچا

لکھتے ہیں اطبا تجھے نسخے کے ورق میں　　　دارو سے شفا بنتا ہے بیمار کے حق میں

صحنِ چمن و باغ میں ٹٹی میں چھپا تو　　　سایہ میں مغاں کے کبھی بھٹی میں چھپا تو

جلوہ ترا ہر شکل میں واللہ غضب ہے　　　گہ دخترِ رز ہے تو گہے بنتِ عنب ہے

دیتا ہے زمانہ میں تجھے کون دلاسا　　　ہر شخص کو دیکھا ہے ترے خون کا پیاسا

رندوں کے لیے ہے مئے گلگونِ تمنا　　　پی لیتے ہیں ظالم وہ ترا خونِ تمنا

شیشے سے نکلکر تو کبھی جام میں چھلکا　　　پہنچا جو لبوں تک دلِ ناکام میں جھلکا

کیا ظلم ہے تو باغ سے جسوقت جدا ہو　　　عالم ہوا سیری کا - بیماری کی ہوا ہو

گھر بیٹھے تجھے دوست منگوائیں مزے سے　　　[illegible] تری چاہ [illegible] مزے سے

پوشیدہ ترا [illegible] سے میں ہے　　　[illegible] کفن ہے

خوبی تری [illegible] سمجھے تری [illegible]　　　پھر شیخ کا یہ قول [illegible] کیا دشمن

[illegible]ے سے تری زاہد کو سروکار نہیں ہے　　　شربت سے مگر اسکو بھی انکار نہیں ہے

اک بات مگر اے مرے انگور بتا دے　　　پردہ جو پڑا ہے اسے للہ اٹھا دے

جلوے یہ نمایاں ہیں ترے آب کے گل کے
[illegible] پہنچے ہیں پھپھولے مرے دل کے

باسط - بسوانی

ہائے دل

یہ دل کمبخت ایسا ہے کہ اسکی بدولت ہزاروں ویران ہوے۔ لاکھوں برباد ہوے۔ کروڑوں نے جان دی۔ ہاے کہیں تبسم کی شکلیں پیدا کرتا ہے کہیں غم و محن کی شکل ہویدا کرتا ہے۔ اللہ غنی اس کی بدولت دنیا میں کیا کیا کچھ نہ ہوا کس کس کو نہ تباہ کیا۔ ارے فلک بن کے تو ٹوٹا۔ پہاڑ بن کے تو گرا۔ زمین میں تیری بدولت لاکھوں پیوند ہوے۔ یہ سب تیرے ہی کرشمے تھے۔ تو ترساتا ہے۔ رولاتا ہے۔ در بدر پھراتا ہے۔ پہاڑوں سے ٹکریں کھلاتا ہے۔ خاک چھنواتا ہے اور اسپر بھی صبر نہیں آتا تو جان سے کرٹلتا ہے ہاے ہاے نہ تجھکو بچہ پر ترس آتا ہے۔ نہ نوجوان پر رحم کرتا ہے۔ نہ بوڑھا تیری بے پناہ نظر سے چھپ سکتا ہے۔ تو للچاتا ہے۔ دکھلاتا ہے۔ پھسلاتا ہے۔ بہلاتا ہے۔ اور بیوفائی کرکے منھ موڑ کر چلا جاتا ہے۔ تیری بلا سے خواہ عاشق ہو یا معشوق تو اسکے ہاتھ سے جانے کے واسطے پیدا ہوا ہے۔ نہ تو کسی کا دوست ہے اور نہ کسی کے قابو کا۔ غرض سخت سے سخت کو بھی پگھلا لیتا ہے۔ اور تڑپاتا ہے۔ جلاتا ہے۔ اور دور ہی دور الگ الگ پھرا کرتا ہے آہ۔ تو نے ہی مجنوں کو دیوانہ بنایا۔ تو نے ہی کوہ کن کی جان لی۔ تو نے ہی عشاق کو پاگل خبطی در بدر مشہور کروا کر رسوا کیا۔ آہ۔ تو ہی حسن و عشق کے درمیان کی رسی بنا۔ تو نے ہی عاشق پر بجلیاں گرائیں۔ معشوق پر ستم ڈھایا۔ کسی کو گھر سے نکالا کسی کو قید کروایا۔ آہ۔ تیری کارستانیاں کہاں تک کوئی بیان کرے۔ ارے تو نے ہی

صغرا کے پہلو میں چٹکیاں لیں باوجود اسکے تیز مزاج ہونے کے تو نے اسکے

جگر پر قابو پایا اور خود آزاد ہوگیا۔ وہ باوجود شریف ہونے کے اور صنف نازک کہلانے کے تیرے ہاتھوں برباد ہوئی۔ بچپن سے اُس میں تیری برداشت کا مادہ نہ تھا۔ آخر کو تو نے اُسکو دھوکا دیا۔ اور سینہ ہی سینہ میں لئیق کا خیال بے زبان بن کر رہا ہے رہی۔ یہ صرف اُسکی نسوانی خو اور شرافت تھی ورنہ تو تو اُسکو بھی رسوا کیے بغیر نہ رہتا۔ آخر کو جب تو نے یوں بھی قابو نہ پایا تو لئیق کو اُکسایا اور اُسکے دل میں بھی اُسکا خیال پیدا کرایا اور لئیق نے کوشش کی کہ وہ مہ جبین سے عقد کرے تو دولت دنیا ہاتھ لگے۔

دونوں کے والدین کو تونے ورغلانا۔ وسواس پیدا کیے۔ اور جب صغرا کے والدین رضامند ہوئے تو تونے لئیق کے باپ کو بھرا۔ انھوں نے صغرا اور اُسکے والدین کو اتنا دق کیا کہ تو صغرا کے پہلو میں نہ رہ سکا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ بدقت تمام کچھ قابو پایا اور صغرا کا عقد لئیق سے ہوا۔ لئیق کو بھی چونکہ صغرا سے محبت تھی لہذا امید تھی تو کچھ ساتھ دے گا۔ اور پہلو میں بار دور ہوگا۔ مگر لئیق نے صغرا کے پہلو میں تجھکو بے قابو پاکر۔ غرور۔ لالچ۔ حرص۔ خودستائی۔ خودمختاری۔ بے مروتی۔ ناسمجھی۔ ناعاقبت اندیشی۔ حماقت اور اپنے باپ کی مرضی مقدم رکھنے سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر وہ وہ ستم ڈھائے کہ آخر کار تجھ میں نئے فوارے چھٹ کر آہ نارسا ہوئے۔ اور فلک سے جا ٹکرائے۔ اور تو

پہلے صد برگ تھا اب ہزارہ ہوگیا

بمشکل صغرا کا ارمان پورا ہوا اور لڑکی پیدا ہوئی جس سے خیال ہوا کہ اب لئیق اولاد کی محبت میں صغرا کی اطاعت اور خاطر کریگا۔ مگر لئیق ایسے بددماغ اور نامعقول طبیعت کو یہ اور گراں گذرا۔ اور اُس نے اس مولود سعید کو ناسعید سمجھا اور بیٹی ثابت کر دکھایا۔ اُس نے صغرا کو طعنے دیئے تشنیع کی اور آخر کار

جوکچھ تو اُسکے پہلو میں رہا سہا باقی تھا وہ بھی چکنا چور ہو گیا۔ اور تیرے چشمہ سے خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ بالآخر تونے صغرا کو یہانتک ستایا اور یہانتک دق کیا کہ وہ پہلے دق ہوکر پریشان ہوی پھر زار و نزار ہوکر جان سے بیزار ہوی اور آخر کار اُس نے اس طرح گُھٹ گُھٹ کر اور بلک بلک کر جان دی۔ اور اپنی ماں اور پیاری ماں۔ دلاری ماں۔ دکھیاری وضعیف ماں کو تڑپتا بلکتا چھوڑا وہ بھی عنقریب اپنی بیٹی کے پاس جانے والی ہے۔ مگر تجھکو کسی طرح رحم نہ آیا آہ "ہائے دل" یہ سب تیرے ہی کرشمے ہیں تونے اُس بیچاری کی جوان جان لی اور اُسکی غریب مصیبت زدہ ماں کو جسکے چودہ اولادوں میں صرف صغرا اور اُس کا بھائی زندہ تھا۔ یوں تڑپتا چھوڑا۔ غرض تیرے کرشمے جسقدر ہیں وہ حد سے گذرے ہوے ہیں۔ خدا کرے تجھ سے کوئی لگاوٹ نہ کرے اور تجھکو ہمیشہ قید رکھے نہ تیری رعایت ہو نہ مروت۔

بیدل انصاری

طنز معشوق

کل اک بت نوعمر نے پوچھا یہ قمر سے
کیوں اب ہے تری قوم گرفتار مصیبت
باطل سے کبھی زور تو حق کا نہیں گھٹتا
وحدت سے ہو ختم جسمیں ہے اسلام کی طاقت
کس ضعف سے یہ قوم مسلماں ہوی بیکس
کیوں آج کسی روح کو ملتی نہیں راحت
ہاں آج مری قوم ہے ممتاز زمانہ
اللہ نے بخشی ہے اسے دولت و ثروت
ہیں دیر میں ایسے کئی انمول جواہر
شاہوں کے خزانوں میں بھی جنکی نہیں قیمت
آرام سے ہوتی ہے بسر زیست ہماری
دیکھی نہ کبھی خواب میں افلاس کی صورت
ہے آٹھ پہر شغل فقط رقص و غنا کا
پُرنور ہے پریوں سے مری محفل عشرت
لیتا ہے کوئی جھوم کے کھماج کی تانیں
سُنتا ہے کوئی شوق سے کافی کی ہر اک گت

معشوق ہے پہلو میں تو ساغر میں مئے ناب
وہ لطفِ شبِ ماہ وہ ہر پھول کی نکہت

دبتے ہیں سلاطین جہاں اہلِ دول سے
محکوم زمانہ ہے وہ دولت میں ہے قوت

افلاس تری قوم کا دیکھا نہیں جاتا
ڈالے نہ عدو پر بھی خدا ایسی مصیبت

ایسے بھی نظر آئے تری قوم میں مفلس
دن رات اٹھاتے ہیں جو فاقوں کی اذیت

اتنا نہیں کوئی کہ غریبوں کی خبر لے
کرتے نہیں اپنے بھی ذرا انکی اعانت

نواب کوئی ہے تو کوئی صاحبِ ثروت
عزت کا وہ خواہاں ہے تو یہ طالبِ شہرت

کہتے تھے مسلمان کہ ہم اہلِ حیا ہیں
جاتی نہیں گھر سے کبھی باہر کوئی عورت

اس رسم کی ڈالی تھی بنا ہند میں ہم نے
پردہ نہیں جس قوم میں اسکی نہیں عزت

اس رسم کے لیکن ہیں وہی آج مخالف
عورات کو دی گھر سے نکلنے کی اجازت

بازار میں وہ آئیں نظر مجھکو عفیفہ
روشن تھی زمانے میں کبھی جنکی شرافت

کی ترک حیا غیر سے ملتی ہیں بصد شوق
باغوں میں بھی جاتی ہیں نہیں اب وہ نزاکت

یہ ڈھنگ ہیں انکے تو خدا حافظ و ناصر
باور نہیں آتا کہ سلامت رہے عصمت

دعوائے مساوات بھی تم سب کو بڑا تھا
کہتے تھے مسلماں کو مسلماں سے ہے الفت

آپس میں تو بھائی ہیں مگر دشمنِ اغیار
اسلام کے قانون میں ہے جذب کی قوت

تم سب میں قیامت کی مگر پھوٹ پڑی ہے
کرتے ہیں مسلمان مسلمان سے نفرت

جلتا ہے مسلماں کی ترقی سے مسلماں
کیا نام اسی کا ہے زمانہ میں محبت

یہ وصف ہے تم میں کہ بڑے چرب زباں ہو
رفتارِ زمانہ نے یہ بخشی ہے طلاقت

ہے علم بھی ایسا کہ وہ خالی ہے عمل سے
لوگوں کے دکھانے کو کتابوں کی ہے کثرت

مذہب کے کئی مسئلہ ایسے بھی چھیڑے ہیں
ہونے نہیں دیتے جو کبھی تم میں مودت

شاخوں کو تم دل سے بھی سینچو تو عبث ہے
جب سوکھ گئی جڑ تو کہاں [illegible] کی صورت

میں نے یہ کہا اے گلِ گلزارِ [illegible]
[illegible]

اک قطرہ لہو کا ہے بشر کا دلِ نازک
کیا اس سے اٹھے حق کا بھلا بارِ امانت

ایمان میں ہو ضعف تباہی میں پڑے ہیں
ہلنے کی بھی اب اپنی جگہ سے نہیں طاقت

حرصِ ہوسِ دنیا ہے فزوں کوہِ گراں سے
یہ بوجھ پڑا دب گئی ایمان کی قوت

نصر گیاوی

اعراب جاہلیت کا سازِ مشاعرہ

(سلسلے کے لیے جولائی نمبر ملاحظہ ہو)

میں نہایت مخلصانہ انداز سے ناظرین تمدن اور بالخصوص ان حضرات کا جنکی خدمت میں مجکو نیاز بھی نہیں حاصل ہے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اعراب جاہلیت کے مشاعرے کے متعلق اپنی خاص دلچسپیوں کا تذکرہ کر کے میری ہمت افزائی فرماتی ہیں۔ میں حتی الامکان آپ حضرات کی تعمیل حکم میں پوری کوشش کروں گا اور اس سلسلہ کو تا اختتام پہنچاؤں گا۔ آشفتہ

مشاعرہ کا

پانچواں دور ہے۔ مذاق شعر میں ڈوبی ہوئی طبیعتیں بالخصوص شعرا اور علی العموم سخن سنج و مذاق سلیم رکھنے والے سامعین نہایت بیتابی سے ساتھ منتظر ہیں کہ دیکھیے اب کے کامیابی کا سہرا کس کے سر رہتا ہے۔ وقت کا انتظار ہے۔ قریب قریب تمام فصحا و بلغاے عرب۔ بڑے بڑے ادیب جمع ہو چکے ہیں اور برابر مختلف مقامات سے آرہے ہیں ہر شاعر ایک محشرستان خیال دماغ میں لیے ہوے ہے بجاے خود اس کے دل و دماغ میں ہے کہ اب کے مشاعرہ میں جیت کے لیجائیں۔ اور کیوں نہوں ایسے وسیع خیالات شعرا قریب قریب سال بھر اسی کوشش میں ختم کرتے ہیں اپنی جانیں لڑاتے ہیں حسب محنت داد بھی پاتے ہیں کچھ مادری زبان بھی ہے مذاق شعر بھی رگ رگ میں اُترا ہوا ہے سرزمین بھی آب و ہوا بھی۔ ان سب پر طرہ حسن و عشق کی گرم بازاری ہر طرف دلدادگان عشق حسن کی دیویوں کے لیے ہاتھوں پر دل گداختہ لیے ہوے پھرا کرتے ہیں

بازارِ حُسن میں متاعِ دل کی قدر اور پوری قدر بھی ہوتی ہے۔ جہاں دیکھیے صحبت حُسن و عشق گرم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قصبہ عکاظ اس وقت اس غیر معمولی چہل پہل سے دُلہن بنا ہوا ہے کہیں آپس میں شعرا میں نوک جھونک ہو رہی ہے کہیں بذلہ سنجی ہے کہیں چھیڑ چھاڑ ہے کہیں نہایت سنجیدہ اور پاکیزہ مذاق ہو رہا ہے جو لفظ باہمی گفتگو میں زبان سے ادا ہوتا ہے وہ نہایت منجھا ہوا اور رچا ہوا ادا ہوتا ہے ہر ہر لفظ پر فصاحت و بلاغت سو سو بار نچھاور ہوتی ہے۔ ایک طرف نقادانِ سخن کی نظریں لڑتی ہوتی ہیں کان لگے ہوئے ہیں باہمی شعرا کی بات چیت سے لطفِ زبان بھی اُٹھاتے جاتے ہیں اور ایک قسم کا اندازہ بھی کرتے جاتے ہیں۔ غرض کہ انھیں دلچسپیوں میں انتظار کا وقت گذر گیا باقاعدہ دورِ مشاعرہ قائم ہوا صحبتِ شاعری گرم ہوئی شعرا نے اپنے اپنے جواہراتِ نظم جوہریوں کے سامنے پیش کرنا شروع کیے نقاد خوبی کلام منصفانہ داد ملنا شروع ہوئی کسی بیچین طبیعت والے نے اہلِ مشاعرہ کے دل برما دیے کسی آتش خو نے آگ لگا دی کسی رنگین طبیعت والے نے ہنسا دیا کسی عاشق مزاج نے دل گداختہ کر دیے رولا دیا کسی نیچری شاعر نے مناظرِ قدرت کی تصویریں نظروں کے سامنے کھینچ دیں کسی نے جذبات یا شوق ابھار دیا کسی نے رزم کے خاکے کھینچے کسی نے بزم کے جربے اتارے۔ ایک لہر تھی کہ شاعروں میں ابھرتی ہی چلی جاتی ہے ایک سے ایک دل کو منجھ سر تیز لیے ہوئے نکلتا ہے کہ یکایک مشاعرہ نے کروٹ بدلی شاعرانہ نزاکتوں کا سمند روچیں مارتا ہوا بڑھا عمرو بن کلثوم کی باری آئی اس نے وہ زور کا قصیدہ سنایا کہ بجائے تعریف و طرائف کے مشاعرہ کو مارنے لگا ایک سناٹا سا پڑ گیا تمام متحرک ہستیاں فطرت خاموش نظر آنے لگیں اب بجائے تعریفوں کی آوازوں کے مشاعرہ میں ایک عام خاموشی ہے جسے دیکھو

وہ کیف کلام سے بیخود بلکہ بیحس ہو رہا ہے وہ بڑے بڑے خوش فکر جو بہت دور دہن میں قصائد نظم کر کے لائے تھے اب ان کی آنکھوں میں اندھیرا ہے دنیا تیرہ و تار ہے یہ سب کچھ ہے مگر انصاف کا خون کوئی نہیں کرتا آجکل کی طرح ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ عمرو ابن کلثوم کی کامیابیوں کا خیر مقدم کیا جا رہا ہے ہر شخص کی زبان پر یہی ہے کہ واقعی آج کامیابی کا سہرا عمرو بن کلثوم ہی کے سر ہے۔ ناظرین عمرو بن کلثوم ایام جاہلیت کے ممتاز خانوادہ سے شمار کیا جاتا تھا یہ شخص قبیلہ بنی تغلب سے تھا۔ اس کا سلسلہ حسب و نسب حسب ذیل ہے۔

عمرو ابن کلثوم بن مالک بن عتاب بن سعد بن زہیر بن جشم بن عمرو بن بکر بن حبیب بن عمرو بن غنم بن تغلب بن وائل اور اسکی ماں لیلے بنت مہلہل بن ربیعۃ التغلبی برادر کلیب بن ربیعہ ہے اور کنیت اسکی ابی الاسود ہے عمرو بن کلثوم اپنے اوائل عمر ہی سے مستعد ہونہار اور ذی اثر تھا کہ اس پندرہ ہی برس کی عمر میں قبیلہ نے اپنا واجب التعظیم سردار مقرر کر دیا تھا اس عہد میں کسی قبیلہ کی سرداری کے یہی معنے تھے جیسے کسی سلطنت کے بادشاہ کے ہوتے ہیں اس نے ایکسو پچاس برس کی عمر کی۔ اور آغانی میں اس قصیدہ کے انشا متعلق ایک خاص واقعہ لکھا ہوا ہے۔ وہ یہ کہ ایک روز عمرو بن ہند کو وہ ابن منذر بن امرالقیس اللخمی ہے اور ماں اسکی ہند بنت عمرو بن حجر آکل المرار ہے یا بنت حارث بن حجر ہے یہ رئیس و حاکم قطین تھا۔ اپنی صحبت میں بیٹھا ہوا تھا اسکے مصاحب بھی حاضر خدمت تھے کہ اسنے اپنے ثروت و جاہ و عالی نسبی کے گھمنڈ میں اپنے مصاحبوں سے یہ سوال کیا کہ کیا تم اعراب میں سے کسی ایسے شخص کو پیش کر سکتے ہو جس کی ماں میری ماں کی خدمت کرنے سے عذر کر سکے۔ یہ

ہن کے مصاحبین میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہاں البتہ وہ عمرو بن کلثوم کی ماں ہے جو نہایت بزرگ خاتون ہے۔ یہ مہلہل ایسے ممتاز کی لڑکی اور کلیب ایسے موقع کی بھتیجی اور کلثوم بن مالک ایسے دانشمند کی زوجہ ہے اور عمرو بن کلثوم بیٹا اسکا سردار ہے قبیلہ تغلب کا۔ یہ سن کے عمرو بن ہند نے عمرو بن کلثوم کو بلوا بھیجا۔ چنانچہ عمرو بن کلثوم ایک جماعت بنی تغلب کے ساتھ مع اپنی ماں لیلے بنت مہلہل کے آیا۔ چنانچہ ماں اسکی لیلیٰ عمرو بن ہند کی ماں ہند کے پاس حرم سرا میں داخل ہوگئی۔ اور خود عمرو بن کلثوم عمرو بن ہند کے پاس جو مقام نشست تھا چلا آیا ہند کو جو درحقیقت نشۂ دولت و ثروت و عزت سے مخمور ہو رہی تھی اس نے لیلے بنت مہلہل سے بعد معمولی صاحب سلامت کے کسی مناسب موقع پر ایک تحکمانہ انداز اور امیرانہ لہجہ سے کہا کہ یہ طبق میرے پاس اُٹھا لا۔ یہ سنتے ہی لیلے کہ عرب کے ایک ممتاز طبقہ کی صرف عورت ہی نہیں تھی بلکہ اُس قبیلہ کے سردار کی ماں بھی تھی اسکے علاوہ اپنے قبیلہ کی شجاعت و بہادری و جمعیت پر بھی نازاں تھی باپ اور چچا اور شوہر بھی خاص وجاہت کا رکھتی تھی فوراً برہم ہوگئی طبیعت جوش میں آئی تیوریوں پر بل پڑ گئے غیظ و غضب سے گورے گورے نرم نرم رخساروں پر ایک شہابی تہ دوڑ گئی۔ اس نے بھی بہت ترش رخ کے جواب دیا کہ تو خود اُٹھالے صاحب حاجت اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے آپ مستعد ہوتا ہے۔ میں کیوں اُٹھاؤں یہ جواب دینے کے بعد بھی لیلے کا غم و غصہ کم نہوا اور آخر کو اس نے اپنی غم و غصہ میں ڈوبی ہوئی آواز بلند ہی کر دی کہ افسوس مہمان ہا کے قبیلہ تغلب کی ذلت کی جاتی ہے۔ اس آواز کا بلند ہونا تھا اور عمرو بن کلثوم کے کانوں تک پہنچنا تھا کہ آنکھیں غیظ میں سرخ ہوکے اُبل پڑیں اور ہمارے بانکے شاعر کے چہرہ پر خون جھلک آیا بغیر کسی انتظار کے

عمرو بن ہند کی تلوار سے جو اس نشست گاہ میں کسی مقام پر لٹک رہی تھی عمرو بن ہند[1] کا خاتمہ ہی کر چھوڑا اسکے بعد اپنے ساتھیوں کو آوازدی جو قبیلہ تغلب کے اسکے ہمراہ تھے اُن سب نے آکے اُس نشست گاہ کو جہاں اسوقت عمرو بن ہند ایسے جلیل القدر رئیس کا سر ٹھوکروں میں پڑا ہوا تھا گھیر لیا۔ ا اُن لوگوں کو محصور کر لیا جو عمرو بن ہند کے درباری اُسوقت موجود تھے اسکے بعد نہایت بہادری اور بانکپن سے اپنی محترم ماں کو بیانہ بیٹیا لیے ہوے اپنے جزیرہ کی طرف مراجعت کر گیا۔

آغانی کہتا ہے کہ یہ قصید عمرو بن کلثوم نے اسی موقع پر جوش شجاعت میں انشا کیا ہے اور اپنے قبیلہ کی بہادری اور شجاعت شرافت اور دیگر اوصاف پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے چنانچہ پہلے اس قصیدہ کو عمرو بن کلثوم نے قصبہ عکاظ میں سالانہ مشاعرہ میں پڑھا جن مشاعروں کے حالات ناظرین کے پیش نظر ہیں اور اسکے بعد موسم حج میں مکہ میں پڑھا۔ یہ قصیدہ بحر طویل میں ہے اور اصول افاعیل اسکے مفاعلتن مفاعلتن مفاعلتن مفاعلتن

مطلع

الا ھبی بصحنک فاصبحینا ولا تبقی خمور الاندرینا

کہتا ہے خطاب کرکے کہ اے مست خواب جوانی ہوشیار ہو اور مجکو شراب صبح بڑے جام میں پلا اور آج میکدہ میں قریہ اندر کی شرابوں سے کوئی شراب باقی نہ بچنے پائے کسی دوسرے شخص کے پینے۔ مطلب یہ ہے کہ ساقی آج جتنی عمدہ او نفیس شراب تیرے پاس موجود ہے وہ سب مجھی کو دیدے اس لیے کہ مجھ ت

[1] عنصر شجاعت کے لیے واقعی اسی قدر غیرت کے مادہ کی ضرورت ہے جن قوموں میں یہ جوہر نہیں وہ کبھی بہادر ہو ہی نہیں سکتیں ؎ شفقت

دائم شرابی اور مستحق اس شراب کا کوئی اور ہو نہیں سکتا۔

مشعشعۃ کأن الحص فیہا اذا ما الماء خالطہا سخینا

اے میرے پیارے ساقی ایسی نفیس شراب آج پلا کہ جس میں یہ معلوم ہوتا ہو کہ زعفران خالص پیس کر ملادی گئی ہے وہ ایسے نفیس اور دلکش رنگ کی شراب ہو کہ جب اُس میں گرم پانی ملا کے پیوں تو میری طبیعت سمندر کی طرح جود و بخشش کی لہریں مارنے لگے۔ ناظرین کرام اعراب خصوصیت کے ساتھ فصل سرما میں شراب میں زعفران و گرم پانی ملا کر عادۃً استعمال کیا کرتے ہیں غالباً یہ وجہ ہے کہ سخونۃ آب اور زعفران کا گرم و خشک مزاج معین سکر ہوتا ہے۔

تجور بذی اللبانۃ عن ہواہ اذا ما ذاقہا حتی یلینا

پھر مدح کرتا ہے شراب کی اور کہتا ہے کہ ایسی شراب پلا تا کہ جس کو صرف چکھنے سے صاحب حاجت اور صاحب فکر و غم اپنی فکر و غم اور حاجت کو بھولجائے نہ کہ پی لینے کے بعد۔ گویا مطلب یہ ہے کہ بہت سریع الاثر شراب پلادے کہ جو حلق سے اُترتے ہی بیخود بنادے۔ (باقی آئندہ)

آشفتہ لکھنوی

جناب[1] زبدۃ مرزا واجد حسین صاحب واقف لکھنوی یادگار جناب اسیر مرحوم

اے سوز غم فراق میں کیا جانے کیا ہوا — رگ رگ میں خون کھول رہا ہے پڑا ہوا
پوچھا سا وار کرنے سے حاصل ہی کیا ہوا — میرا بھلا ہوا نہ تمھارا بھلا ہوا
شکوہ سے کچھ غرض ہے نہ دل پھیرتے ہیں ہم — اچھا معاف کیجیے ہو کچھ ہوا ہوا
میں ضعف سے تھکا ہوا محفل میں یوں رہی — بیٹھا نشان اشک نظر سے گرا ہوا
مار سیاہ زلف صنم کا جو ہے خیال — دل کا چراغ شام ہی سے ہے بجھا ہوا
واقف پسند ہم نہیں کرتے ہیں شعر میں — مضمون مذاق عشق سے ہے جو گرا ہوا

[1] یہ غزل ہمکو جناب آشفتہ صاحب کے توسل سے وصول ہوئی ہے جسکے لیے ہم دونوں حضرات کا شکریہ ادا کرتے

محشرِ خیال

قیس عامری و فرہاد ایرانی: نہ یہ رہا نہ وہ! دنیا چھلانگیں مارتی اسقدر آگے بڑھ آئی کہ مجنون نجدی کی سنہ ۱۹۱۶ء میں کوئی نقل۔ عملاً یا تحریراً۔ اُتارنی چاہے تو وہ نقل بھی "مطابق اصل" نہ ہونے کی وجہ سے صورت مسخ شدہ بن کر رہ جائے گی! مخلوقات بیچاری اس پیرزال کی چڑھی پہ سوار۔ بلا ارادہ و بلا کوشش "رشتہ در گردنم" کی مثال اسکے ساتھ ساتھ چلتی رہی اور آج وہاں نظر آتی ہے جہاں سے پلٹ کر اگر آغازِ سفر۔ سفر تہذیب و ترقی طلب کی طرف دیکھا جائے تو دوربین کے ذریعہ سے بھی نقطۂ آغاز نظر نہیں آسکے گا۔ خیر۔ اس سفر کی مشرح مفصل رام کہانی۔ تاریخ جانے یا وہ جن کو ایک اور ایک گیارہ بنانے کی ترکیب آتی ہے ہماری نظر تو اسوقت موجودہ دنیا پر ہے!

آج سے انیس سو برس پہلے کی معاشرت کے مدّاح تو اب بھی سیکڑوں ترقی یافتہ امور پر خواہ مخواہ نکتہ چینی کے لیے تیار رہتے ہی ستھے مگر وہ درمیانی خیال والے بھی جو آج کے خیال والوں سے محض چند سال۔ ابھی کوئی بیس پچیس سال۔ پیشتر کے زمانہ کے خیالات رکھتے ہیں "ترقی نسوان" پر پہنچتے سے اُکھڑ جاتے ہیں! افسوس یہ ہے کہ دنیا اور اُس کی معاشرت منقلب کو وہ بھی اپنے سنہ ء کی چار دیواری میں مقید کرنا چاہتے ہیں! اور دنیا ایسی نت نئے روپ بدلنے والی نظر فریب معشوقہ ہے جسکے مذہب میں کسی جگہ ٹھہر جانا موت کو کہتے ہیں: وہ جیتے جی مر نہیں سکتی: لہذا بڑھتے جاتی ہے اور اسکی نظر فریبی سے متاثر ہونے والا گروہ اور یہ گروہ عموماً نوجوان ہی ہوگا۔ اسکے پیچھے گردن ڈالے چلا جا رہا ہے! واقعی اگر یہ

روش نہ اختیار کی جائے اور با زمانہ لیبارٹری کے اصول کو توڑ دیا جائے تو اسکے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ دس برس کے بعد کتے صاحب کو۔ عام اس سے کہ وہ حسب نسب کے لحاظ سے اصحاب کہف کے کتوں کی تنہا اولاد ہی کیوں نہوں جس گاڑی کے سایہ میں قدم زن تھے اس کی وصول بھی نظر نہ آسکے گی اور آفتاب کی تیز تیز نظریں جسم کاہل کو جلا دینے میں مصروف ہونگی! ”خدیجہ نسواں تعلیم پائے اور تعلیم کا لطف نہ اٹھائے“ بالکل ایسا ہی خیال ہے کہ ”ہمہ سیر نگاہ مگر دیدہ نہ مٹکا یا“ نہ اس میں قیام، نہ اس میں امکان! جس قسم کی تعلیم ہوگی اور جس رنگ میں دماغ رنگ دیا جائیگا اس سے گریز قوت بشری سے باہر ہے! بعض اوقات قوت ملکوتی سے بھی باہر ثابت ہو چکی ہے! ترقی نسواں کا دار مدار تعلیم کے رنگ پر ہے۔ جس طرح کی بنیاد رکھی جا رہی ہے اُسپر اُسی قسم کی عمارت کی امید بھی رکھنی چاہیے! افسوس اسپر آتا ہے کہ بعض کم فہم۔ بہ راست خیال والے جہالی نزاکت کو بھی اپنی ناعاقبت اندیش نکتہ چینی سے اچھا خاصہ تماشہ بنا دیتے ہیں! اس سے اُس اصل شے کی ترقی و نظر فریبی میں کچھ بھی فرق نہیں آتا۔ البتہ معترض صاحب کی طبیعت کا ”گول مطول“ ہونا یقینی ثابت ہو جاتا ہے!

کل ہی کا ذکر ہے کہ ہمارے ایک انقلاب پسند نے ایک مضمون ضرورت کے عنوان سے ”مشرق“ میں دیا۔ مجھے ایسے مضمون۔ یا وہ اصل اعلان سے نہایت دلچسپی ہوتی ہے! متاع حسن کو خوش معاملگی کے ساتھ دس بھلے مانسوں کے سامنے پیش کش کر دینا اور اسکی قدر لطیف۔ ممکن ہے کہ بیع بالوفا ہو۔ خریداران مستمنی کو سمجھا دینا اول درجہ کی ایمانداری اور خوش معاملگی ہے! جس ”ضرورت“ کا میں ذکر کر رہا ہوں اُسکا جواب بھی اُسی روز میرے ایک عنایت فرما نے لکھا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اڈیٹر صاحب کو روانہ بھی کر دیا۔! پہلے اُس جواب کو ملاحظہ کر لیجیے:۔

ہردوئی
۲ جولائی

مکرم بندہ! تسلیم

آپ کے اخبار مورخہ ۲۷ جون کے صفحہ ۱۲ پر "ایک ضرورت" کی سرخی نے مجھے اسوقت اس تحریر لکھنے پر مجبور کیا ہے! سب سے پہلے مجھے تعجب ہے کہ آپ نے نوجوانوں کی ضروری صفات کو پوری حد تک بیان کر دیا ہے لیکن اُس دوشیزۂ گمنام کا اتا پتا یا اور کچھ مطلق تحریر نہیں فرمایا۔ قاعدہ یہ چاہتا ہے کہ جو چیز۔ عام اس سے کہ ذی روح ہو یا غیر ذی روح۔ کسی رنگ سے بھی خریدار کی متلاشی ہو وہ نگاہ کھینچنے یا نظر فریبی کے لیے اپنی حالت، اپنے اوصاف، اپنا حلیہ اور اپنی ہر قابل اظہار خوبی کو کچھ کھلے اور کچھ ڈھکے الفاظ میں نذر ناظرین کرے! پانیر میں روزانہ [illegible] کی مختلف النوع سرخیوں میں آپ ایسی ہی تفصیل اوصاف و قد و قامت پائیں گے!

خیر! اس بات کو فی الحال تصفیہ طلب مان کر آپ کے اعلان کی طرف متوجہ ہوتا ہوں! میرے احباب میں سے اکثر نوجوان جن میں ہر رنگ اور ہر قامت کے اصحاب شامل ہیں متلاشی مونس ہیں اور میرا فرض ہے کہ میں ان میں سے ہر ایک کے ضروری اوصاف بیان کر دوں اور اس فہرست کو آپ کی نظر انتخاب کے سامنے پیش کر دوں! جس امیدوار کو انتخاب کا فخر حاصل ہوگا وہ میرے ہی ذریعہ سے مطلع کیا جا سکیگا۔ اسقدر آپ کو یقین دلانا ضروری نظر آتا ہے کہ ان مونس طلب احباب میں۔ بفضلہ رقابت یا حسد کسی حد تک بھی نہیں ہے اور نہ آپ کے آزادانہ انتخاب سے پیدا ہوگا۔ اس لیے آپ بلا خوفِ رقابت یا عناد جسکو مناسب سمجھیں پسند کر سکتے ہیں!

(۱) ...... معزز عہدہ دار ہیں۔ ڈھائی سو تنخواہ ہے۔ کشیدہ قامت ہیں۔ گریجویٹ ہیں۔ خوش مزاج ہیں۔ عمر کسی طرح ۲۵ سے زیادہ نہیں ہے۔

ڈاڑھی مونچھوں کو کراپ ریزر کے سر صدقہ کرتے رہتے ہیں۔ میلان طبع یقین دلاتا ہے کہ شادی کے بعد یقینی زن مرید ہونگے۔ البتہ شیخ یا سید نہیں ہیں۔ پٹھان ہیں اور ابتک غیر شادی شدہ ہیں! متلاشی زوجہ ہیں لیکن تعلیم یافتہ بیوی کو ترجیح دینگے! صحت نہایت اچھی ہے۔ ابھی ابھی ایک خوفناک بیماری سے خدا خدا کر کے نپٹے ہیں اس لیے امید ہے کہ آئندہ عرصۂ دراز تک بیمار نہیں ہونگے! نماز پڑھنے کے وقت تکبیر نہایت پٹھانی آواز میں بالجہر پڑھتے ہیں! کالج میں فٹ بال کھیلتے تھے اب ٹینس پر آ گئے ہیں! ظاہرہ نہایت حلیم نیک اور سیدھے معلوم ہوتے ہیں! حقیقی معنوں میں ابتک مجرد نہیں ہیں تو غیر شادی شدہ ضرور ہیں!

(۲)......... گزیٹڈ آفیسر ہیں۔ چھریرہ جسم ہے۔ رنگ سرخ و سفید ہے۔ نقشہ اچھا ہے۔ سنہری عینک انکو نہایت بھلی معلوم ہوتی ہے۔ ڈاڑھی ندارد ہے مگر مونچھیں اسقدر بڑی ہیں کہ [illegible] کی تلاش ہے عمر ۲۶ سال سے زائد نہیں ہے اگرچہ سر وغیرہ کے چند بال نزلہ کی عنایت سے قبل از وقت سفید ہو گئے ہیں! انگریزی مذاق کے دلدادہ ہیں۔ سوٹ نہایت اچھے سلے ہوئے پہنتے ہیں۔ آنکھیں بڑی ہیں اور نظر بازیِ پوشیدہ کی مشتاق ہیں۔ اچھی صورت اور حسن کے ہر وقت متلاشی ہیں۔ لیکن خدانخواستہ دل پھینک نہیں ہیں! امید توی ہے کہ حسین بیوی مل جانے کے بعد اطمینان قلب حاصل ہو جائے گا اور تعلیم یافتہ و مولوی نما حضرات کا بار احسان اٹھانے سے باز رہیں گے! گریجویٹ ہیں مگر اپنی موجودہ اطفانہ سے متنفر ہیں اور نئی چیز کے منتظر! ذات کے لحاظ سے سید ہیں اور عالی نسب ہیں!

(۳)..... سرکاری ملازم ہیں۔ امید ہے کہ سفارش یا قسمت جلد اچھے عہدہ پر پہنچادے۔ حال ہی میں ایک خاندانی موت سے بلا ارادہ وکوشش رئیس بن گئے ہیں۔ صورت حلقہء احباب میں اچھی سمجھی جاتی ہے۔ رنگ سرخ نہیں تو سفید ضرور ہے! آنکھیں بڑی بڑی ہیں اور لارنس اینڈ میو کے ہاں کی پنس نز کی عادی ہیں! عمر کل ۲۳ سال کی ہے۔ صحت اچھی ہے اور جسم ورزش کا ساختہ ہے۔ وزن ماشاء اللہ چشم بددور صرف ۲ من کچھ سیر ہے! اردو انشا میں خاص مہارت ہے۔ نئے مضمون نگاروں میں پسند کیے جاتے ہیں! طبیعت نہایت شوخ پائی ہے حلقہء احباب نے "شیطان" کا معزز خطاب عطا کر رکھا ہے! صنف نازک کی ہر اچھی اور نظر فریب صورت کو سجدہ کرلینا اپنا فرض سمجھتے ہیں! کالج میں ایف۔ اے تک پڑھا ہے اور امید ہے کہ پڑھکر گدھے پر نہیں لادا ہے! بیوی اگرچہ سیدہ موجود ہے اور اس سے محبت بھی کرتے ہیں لیکن اپنی ہرجائی عادت سے مجبور ہیں! اور کم از کم ایک اور بیوی کے لیے بڑی طرح منتظر وقت ہیں! ذات کے شیخ فاروقی ہیں!

(۴)...... ملازم سرکار ہیں۔ سو روپیہ ماہوار پاتے ہیں۔ قد کے معاملہ میں قدرت نے بہت کوتاہی کی ہے مگر اس کمی کو ان کی فتنہ آمیز طبیعت کے عنایت کرنے میں پورا کیا ہے۔ رنگ کہنے کو تو گندمی ہے مگر واقعی ایک تاؤ زیادہ لگ گیا ہے! قد کم ہے مگر ناک خدا کی عنایت سے اچھی خاصی ہے! خوش مزاج ضرور ہیں لیکن بہت جلد بلا کسی نوٹس کے ہو جاتے ہیں! عمر خود تو ۱۸ سال کی بتاتے ہیں مگر ان کی بیوی کی زبانی ۲۵ سال معلوم ہوئی ہے! اسکی تصدیق انکی سیاہ داڑھی سے

بھی ہوتی ہے۔ اگریجویٹ ہیں اور بیوی کی جائز عزت پوری حد تک کرتے ہیں۔ بیوی موجود بھی ہیں تعلیم یافتہ اور لائق بھی ہیں۔ لیکن یہ اب محض جاہل اور گنوار لڑکی کے متلاشی ہیں۔ صحت اچھی ہے جو کچھ نقص تھا وہ عرصہ ہوا کہ آپریشن کے ذریعہ سے رفع کر چکے! ذات کے شیخ انصاری ہیں!

(۵)...... سب انسپکٹر پولیس ہیں عمر ۲۳ سال ہے۔ ایف۔اے تک پاس کیا اور بی۔اے پر حملہ آور بھی ہوئے۔ غیر شادی شدہ ہیں۔ رنگ نمکین ہے۔ جو کچھ مذاق خلاف فطرت تھا اُسکے دور ہو جانے کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ مزاج کے نہایت اچھے اور بیوی کے بڑی طرح متلاشی ہیں! ذات کے شیخ ہیں! شریف بھی ہیں!

(۶)...... سیکنڈ ایر کے طالب علم ہیں۔ بی۔اے تک ارادہ ہے۔ عمر ۱۷ سال ہے۔ صورت۔ خدا نظر بد سے بچائے۔ اچھی ہے! ذہین، طباع، اور ہونہار ہیں [illegible] میں پڑھتے ہیں اور ایف۔اے کے بعد M.A.O. College جائیں گے! ہر طرح مجرد ہیں! شیخ صدیقی اور حنفی المذہب ہیں!

(۷)...... اسی سال میٹرک پاس کیا ہے۔ ذہین اور طباع ہے۔ اتفاق سے سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہوا ورنہ سب کو فرسٹ ڈویژن کی اُمید تھی۔ نہایت نیک اور محنتی طالب علم ہے۔ بی۔اے کے بعد رڑکی جانیکا شائق ہے مگر والدین باوجود حیثیت آگے پڑھانا نہیں چاہتے۔ بی۔اے M.A.O. College سے کرنا چاہتا ہے۔ عمر ۱۸ سال ہے۔ ہاکی کھیلتا ہے۔ صورت موزوں ہے اور جسم اکہرا ہے۔ مجرد ہے! شیخ ہے اور حنفی المذہب ہے! شریف خاندان ہے!

(۸) .... بیرسٹر ہیں! اپنے پیشہ میں کامیاب ہیں! عمر کبھی ۲۲ سے زیادہ نہیں بتاتے! رنگ ملیح ہے مگر خشخاشی ڈاڑھی نے بڑی طرح ظلم کیا ہے! آنکھوں کو بھرے بھرے رخساروں نے چھوٹا کر دیا ہے! جسم انگلستان سے واپس آتے ہی طول و عرض میں بڑی طرح روز افزوں ترقی کر رہا ہے! غیر معمولی بوجھ کی وجہ سے رفتار میں خاص کیفیت پیدا ہو گئی ہے مولوی نہ صرف خود ہیں بلکہ خاندانی ہیں! باوجود نئی تعلیم کے ہر بات میں سنت کا لحاظ رکھتے ہیں۔ دو بیویاں قربان ہو چکی ہیں تیسری کے لیے ہر نماز کے بعد دعا کرتے رہتے ہیں! اگرچہ نئی بیوی کو کچھ زیادہ دق نہیں کریں گے تاہم متلاشی ضرور ہیں! شیخ اور شریف خاندان ہیں! دوستوں کی ہر قسم کی ضرورت کو حتی الوسع پورا کرنے میں کبھی دریغ نہیں کرتے!۔

اگر مذکورۂ بالا میں سے کوئی پسند نہ آئے تو ایک بندہ زادہ بھی حاضر ہے۔ جسکی عمر اسوقت ۱۴ سال ہے اور مڈل میں پڑھتا ہے۔ ذہین اور طباع ہے صورت شکل میں اچھا ہے۔ غیور اور شرمیلا ہے۔ ذات کی نسبت شیخ عثمانی کہدینا کافی ہوگا۔ میری شرافت خاندانی کی نسبت آپ بعد کو خط و کتابت سے دریافت کر سکتے ہیں۔ منتظر جواب رہوں گا۔

امید ہے کہ اگر ہیچ نہو تو اس تحریر کو "مشرق" میں جگہ دیجائیگی! والسلام۔

راقم۔ س۔ ب

مکرر:۔

دوشیزۂ زیر بحث کی صورت شکل نہیں تو کم از کم مزاج، تعلیم، صحت اور حسب و نسب سے امیدواران کو مطلع کرنا ضروری ہے! اڈیٹر صاحب اگر اس تحریر کو "مشرق" میں جگہ دینگے تو میں ممنون ہونگا لیکن امید کیجاتی ہے کہ میرا نام ترک دیا جائیگا۔ سلمہ

اس جواب کو پڑھکر مجھے بے اختیار اپنے عنایت فرما کی قابلیت کی داد دینی پڑھتی ہے! واقعہ یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز کو اُسی روشنی میں دیکھنا چاہیے جسکے اندر وہ اسوقت نظر آتی ہے اور کرۂ کے اُسکے محیطِ اصلی کو خارج کرکے کوئی پُرانا محیط قائم کرنا۔ نہ صرف روح اقلیدس کو آزار دینا ہے۔ بلکہ چلتی گاڑی میں روڑا اٹکانا بھی ہے۔ جسقدر صفائی، سچائی، اور خوش معاملگی سے اُس اعلان یا اشتہار میں کام لیا گیا تھا جو "مشرق" میں نکلا تھا۔ اسیقدر تشریح عیوب و ثواب، مرتبہ و حالت، اور تمام چیزوں کے بیان کرنے میں ہمارے عنایت فرمانے پوری راستبازی اور اظہار حقیقت کا اظہار اپنے جواب میں کیا ہے!

مجھے اس سے بحث نہیں کہ "امیدواران" کے علیہ اور ذاتیات میں بعض لطیف باتیں اب بھی قلم انداز کردی گئی ہیں: ماراچہ ازیں قصہ۔ بقول شخصے۔ کہ گاؤ بہ گاؤ می رسد یا بہ خر! البتہ ایسی صاف صاف لین دین کی توفیق نیک اگر خدا سب سمجھداروں کو عطا کردے تو یقین ہے کہ عدالتوں کا بہت کچھ کام ہلکا ہوجائے اگرچہ اسمیں بھی شک نہیں کہ ہمارے قانونی بھائیوں کی "آمدن" کی گردان۔ متعدی و مجہول حصہ کے حذف ہوجانے سے محض لازمی اور صغیرہ رہ جاوے گی۔ مگر اُس فرقہ ناطق (ناطق اس لیے کہ فی الحقیقت قوت لسانی ہی وہ چیز ہے جو اکثر و بیشتر ان کی دھاک دیکھنے والوں کے دل پر بٹھا دیتی ہے۔) کی حوصلہ سے امید ہے کہ وہ اس نقصان کو اس امید پر برداشت کرے گا کہ آنے والی نسلیں زیادہ آزاد خیال، زیادہ خود مختار، زیادہ مہذب اور ترقی کی برقی روشنی سے معمور ہوں گی!

اس میں شک نہیں کہ ایک ہندوستانی فلاسفر نے انسان کو مختصر خیال

سکنے میں انسان کی ایسی جامع و مانع تعریف کی ہے جو ایک طرف تو اُس کے تمام افعال ارادی و اضطراری کو گھیر لیتی ہے اور دوسری طرف شاعری سے لبریز ہے! اور سچ یہ ہے کہ شعریت کے بغیر کچھ بھی نہیں:-

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

سلطان حیدر جوش (علیگ)

محبت

سمندر، چاند، تارے عشق و الفت کے شرارے تھے — کسی مجنوں کے دل کی چشم حسرت کے نظارے تھے
بگولے ناچتے تھے نجد کی خاک بیاباں میں — محبت مضطرب آتی نظر تھی قلب انساں میں
چمن بے رنگ تھے بیکار تھے تھیں بلبلیں حیراں — خدا کے نور سے تھیں محفلیں عالم کی سب ویراں
یکایک ہو گیا موجود خدا کے نور کا منظر — ہوا عریاں جہاں میں جلوۂ مستور کا پیکر
ہوا بدلی چمن بدلا، گلوں کا پیرہن بدلا — بتوں کے تن میں جان آئی سکوں نے بھی چلن بدلا
پریشاں ہو گئی ہر سو شمیم الفت جاناں — نگاہ ناز کا ہر جلوۂ رنگیں ہوا عریاں
کسی نے تیر کھائے بیدلی میں نیم جاں ہو کر — کوئی ضبط تکلم کر گیا محو فغاں ہو کر
سکون نا آشنائی میں کوئی جان جہاں نکلا — مے بزم محبت کا کوئی پیر مغاں نکلا
چمن میں بن سنور کر سب بتان سیم تن آئے — سبھی شیریں دہن آئے سبھی سیمیں ذقن آئے
جنون فتنہ ساماں نے ہر اک طرز کہن بدلا — ادھر جلاد نے خنجر ادھر ہم نے کفن بدلا
گلوں کو دیکھنے آیا کوئی محمل نشیں ہو کر — حسینوں نے قیامت کی تماشابیں ہو کر

شفق کیا ہے کسی مجنوں کا خوں صبح کے ساغر میں
قمر کا داغ کیا ہے چاند سے رخسار دلبر میں

نذر محمد آکوہر سیالکوٹی

"دیکھوں تو موت ڈھونڈھ رہی ہے بہانہ کیا"

ہائے یہ مصرعہ سُنا اور کس سے؟ ایک جوان رعنا سے۔ ایک ناکام زمانہ سے۔ ایک تصویر غم سے۔ ایک مرقع الم سے جو غربت میں بستر علالت پر پڑا امید و بیم کا تنکا بنا ہوا ہے جسکی غمخواری سوائے خلوت اور تنہائی کے کوئی کرنیوالا نہیں جسکی بالین پر سوائے یاس اور نا امیدی کے کوئی مجمع نہیں۔ جو خود ہی درد ہے اور خود ہی درماں۔ آخر مایوس ہو کر یہ حسرتناک مصرع زباں پر لاتا ہے۔ اس دردبھری آواز نے تیر کا کام کیا۔ سننے والے نے کلیجہ تھام لیا اور یہ دیکھو وہ پھر آہستہ آہستہ کہہ رہا ہے اور اپنے دلی خیالات کا اظہار عجیب وارفتگی اور بیخودی کے عالم میں کر رہا ہے۔ "میں غربت میں۔ کوئی ہمدم و انیس نہیں ہمجلیس نہیں حکیم صاحب توجہ تو بہت کچھ فرماتے ہیں۔ مگر بری قسمت کا کیا کیا جائے کمبخت طبیعت سنبھلتی نظر نہیں آتی۔ دردِ جگر پیچھا نہیں چھوڑتا۔ ظالم نے پہلو میں آفت مچا رکھی ہے۔ قیامت برپا کیے ہے، اب تو مجھے کوئی افاقے کی صورت نہیں نظر آتی۔ بس اب دیر کیا ہے۔ تامل کس بات کا ہے۔ موت کیوں نہیں آتی۔ کیا اب بھی کوئی بہانہ ڈھونڈھنا ہے۔ ہاں حکیم صاحب مجھے تسکین اور تسلی کیوں دیتے ہیں تشفی کیوں فرماتے ہیں۔ اُنکے خیال سے میں بہت اچھا ہوں۔ صرف نام کو مرض باقی ہے۔ ہائے کچھ نہیں سمجھا۔ سمجھا۔ بہت ٹھیک فرمایا۔ اب کچھ ہی دیر ہے کہ میں شاہد اجل سے ہم آغوش ہونگا اپنی تمناؤں اور حسرتوں کو گوشۂ قبر میں لے جاؤں گا۔ ہاں۔ ہاں۔ میں نامراد مروں گا نامراد۔ حکیم صاحب غریب معذور ہیں۔ مجبور ہیں۔ اُن کا کوئی قصور نہیں۔ ٹھیک ہے۔ ع

"چوں اجل آید طبیب ابلہ شود"

ماسٹر باسط۔ بسوانی

خواتین اسلام کے علمی کارنامے

کسی قوم کے ارتقاء تمدن کا اندازہ کرنے کا یہ بھی ایک بہتر طریقہ ہے کہ اس قوم کی خواتین کی حالت کا اندازہ کیا جائے لیکن موجودہ حالت کی بنا پر اسکا فیصلہ کرنا بھی دشوار ہے کہ اسلام نے خواتین کو کچھ حقوق بھی دیے ہیں یا نہیں اسلیے ہمکو مجبوراً قرون ماضیہ پر نظر ڈالنی پڑتی ہے کیونکہ زمانۂ حال کی خواتین کو حضرت عائشہؓ و حضرت فاطمہؓ کا نمونہ خیال کرنا اسی قدر غلط ہے جسقدر موجودہ طبقۂ رجال کو زمانۂ ماضی کے بہترین اور برگزیدہ افراد کا جانشین سمجھنا۔

ابتدائے اسلام میں جس طرح طبقۂ رجال قوم کی ہر مشکل میں کام آتا تھا انہیں کے دوش بدوش عورتیں بھی وہ خدمات انجام دیسکتی تھیں جن کو فطری موانع سے کسی قسم کا لگاؤ نہو، چنانچہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں خواتین اسلام اسیطرح علمی مذہبی اور سیاسی امور میں شریک ہوتی تھیں جس طرح مردوں کو اس قسم کے خدمات انجام دینے ہوتے تھے۔

مثلاً شعر و شاعری کی خدمات زیادہ تر خواتین ہی نے کی۔

اسکی وجہ یہ تھی کہ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت پر انتہا درجہ کا ناز تھا، لیکن جب قرآن شریف کے اعجاز نے انکے دعاوی باطل کردیے تو شعراء جاہلیت کی ہمتیں پست ہوگئیں اور شعر و شاعری کا مذاق تقریباً بالکل ختم ہوگیا چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے لبید شاعر سے چند شعروں کی فرمائش کی تو اس نے قرآن کی چند آیتیں لکھکر بھیجدیں جس کا منشا یہ تھا کہ اس فصیح ترین کلام کے بعد پھر شاعری میں کمال پیدا کرنا فضول ہے کیونکہ اس قسم کی فصاحت

پیدا کرنا بالکل محال ہے۔

قدیم طبقۂ شعرا کے علاوہ جو ذہین افراد مسلمانوں میں پیدا ہوئے انکی توجہ تمام تر مذہبی علوم کی طرف مبذول تھی۔ اور جو لوگ کچھ شعر و شاعری سے بھی شغل رکھتے تھے ان کو کثرت مشاغل اور تنوع خیالات عرب کی بے تکلف شاعری میں کمال حاصل کرنے سے مانع تھے۔

لیکن جب طبقۂ اناث نے دیکھا کہ مرد شعر و شاعری کی طرف سے بالکل بے سروکار ہوگئے تو انھوں نے خود اس فن کی خدمت کرنی شروع کی حتی کہ حریم نبوی میں ایک پردہ نشین خاتون نے لبید کا سارا دیوان ازبر کر لیا تھا اور فقہ و حدیث کے ساتھ اپنی مجلسوں میں شعر و شاعری کا ذکر بھی چھیڑ دیا کرتی تھیں، یہ ہماری برگزیدہ ترین ماں حضرت عائشہ صدیقہؓ تھیں۔

صحابۂ کرام کے بعد ادبی علوم کی خدمت کے لیے مختلف جماعتیں پیدا ہو گئیں جو زیادہ تر خواتین اسلام کی تشویق اور محنتوں کا نتیجہ تھیں چنانچہ خاندان نبوی کی ایک برگزیدہ خاتون سکینہ بنت حسین علیہ السلام شعر و شاعری میں تمام معاصرین پر فوقیت رکھتی تھیں آپکے یہاں ایسی مجلسیں منعقد ہوا کرتی تھیں جس میں مشہور شعراء عرب جمع ہو کر آپ کو اپنے اشعار سناتے تھے لیکن آپ کی عادت بہت زیادہ تحسین کرنے کی نہ تھی اگر آپ کسی شاعر کے ایک شعر کو بھی پسند فرمائیں تو سارے عرب میں وہ شاعر اشعر الشعراء تسلیم کر لیا جاتا تھا[1]، آپ ہی کی تشویق کی وجہ سے فن شعر معدوم ہونے سے بچ گیا۔

مشہور مصنف جرجی زیدان بھی اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ خواتین اسلام نے شعر و شاعری کی خدمت کی لیکن اسکو مذہبی تعصب کی وجہ سے دوسرے رنگ میں پیش کرتا ہے چنانچہ اپنی کتاب تاریخ آداب اللغۃ العربیہ میں خواتین جاہلیت کی

---

[1] ابن خلکان کتاب الاغانی۔

تعریف کرنے کے لیے ایک خاص باب قائم کیا جس میں زیادہ مسلمان خواتین کو کافر قرار دیا نعوذ باللہ من ذلک اسی باب میں ایک جگہ لکھتا ہے[1]

وهناك جماعة بعض فی صدر الاسلام وفیهن مناقب الجاهلیة کن یعقدن المجالس للمذاکرة فی الشعر وانتقاده

ابتدائے اسلام میں خواتین کی ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی تھی جو درحقیقت زیور کفر سے بھی آراستہ تھی

یہ عورتیں مشاعرہ کی مجلسیں قائم کرتی تھیں اور معاصرین کے اشعار پر تنقیدی نظر ڈالتی تھیں۔ اس عبارت کا منشا یہ ہے کہ درحقیقت یہ اسلام کی برکت نہ تھی معلوم نہیں کہ ہمارے مشہور مصنف کو یہ کہاں سے معلوم ہو گیا کہ خواتین کا علمی اور ادبی مجالس منعقد کرنا زمانۂ جاہلیت کی خصوصیت ہے، اور معلوم نہیں وہ کون سے تاریخی واقعات ہیں جنھوں نے فاضل مصنف کو مناقب جاہلیت یعنی زیور کفر کہنے پر مجبور کیا حالانکہ زمانۂ جاہلیت میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ مسلمانوں کی طرح پہلے بھی اسی طرح رجال و خواتین مجتمع ہو کر علمی یا ادبی خدمات انجام دیتے تھیں

اسی زمانہ میں مدینۂ منورہ میں ایک خوبصورت عورت رہا کرتی تھی جس کا نام غالباً عزہ المیلاء ہے، یہ غریب عورت بھی اپنے مکان میں ایسی مجلسیں منعقد کرتی تھی جس میں چھوٹے بڑے ہر قسم کے لوگ جمع ہوتے تھے اور ادبی مسائل میں گفتگو کیا کرتے تھے[1] یہ خاتون اپنے وقت کی نہایت خوش مذاق عورت خیال کی جاتی تھی، اس کو عورتوں کے حسن و قبح تمیز کرنے کا بھی خاص ملکہ تھا۔

اسی مقدس زمانہ میں شعر و شاعری کی خدمت کے لیے ایک اور مجلس منعقد ہوا کرتی تھی جس کی صدر عائشہ بنت طلحہ تھیں یہ عائشہ ام کلثوم بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بیٹی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بھانجی تھیں آپ کی مجلسوں میں

---

[1] تاریخ الآداب اللغۃ العربیہ جلد ۱۔ [2] کتاب الاغانی در ذکر عائشہؓ بنت طلحہ۔

علاوہ شعر و شاعری کے فقہ و حدیث کا تذکرہ بھی ہوتا تھا، انھوں نے مذہبی تعلیم حضرت عائشہؓ صدیقہ سے حاصل کی تھی۔

زمانۂ اسلام میں جسقدر مشہور شعرا گذرے ہیں وہ سب کے سب عائشہؓ اور سکینہؓ کی مجلسوں کے فیض یافتہ ہیں یا اُن لوگوں کے زلہ ربا ہیں جنھوں نے ان مجلسوں سے فائدہ اُٹھایا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان کی شادی اپنے بھتیجے عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر سے کردی تھی جن سے عائشہ کے ایک لڑکا پیدا ہوا اور اسکا نام عمران رکھا گیا۔ چند دنوں کے بعد میاں بیوی میں شکر رنجی پیدا ہوگئی یہ بی بی ناخوش ہوکر اپنی خالہ عائشہ صدیقہؓ کے یہاں چلی آئیں اُم المومنین کو یہ حرکت بہت ناگوار ہوی اس لیے سعادت مند بھانجی نے شوہر کی تمام بے عنوانیوں پر سر تسلیم خم کردیا جب عبداللہ کا انتقال ہوگیا تو مصعب بن زبیر سے نکاح کیا۔ ان میاں بیوی میں اتنی محبت تھی جتنی کسی خوش قسمت بیوی اور پاکذات شوہر میں ہونی چاہیے جب عبدالملک کے زمانہ میں مصعب قتل کیے گئے تو انھوں نے اپنا نکاح عمر بن عبداللہ سے کرلیا

ابتدائی صدیوں میں شعر و شاعری کی خدمت کے لیے ایک اور خاتون نے ایک مجلس قائم کرلی تھی اس خاتون کا نام لیتے ہوئے اس لیے ڈر لگتا ہے کہ ہمارے ہندوستانی شعرا نے لیلٰی عامریہ کو بہت زیادہ بدنام کردیا ہے۔

لیلٰی عامریہ کے یہاں اکثر ایسی مجلسیں منعقد ہوا کرتی تھیں جن میں صرف بنی عامر کے نوجوان جمع ہوکر اپنے اشعار پڑھتے تھے اور اس سے داد طلب کرتے تھے غریب قیس بھی اسی مجلس کا ایک ممتاز رکن تھا، اس میں شک نہیں کہ لیلٰی کو مجنوں سے بہت زیادہ الفت تھی اسی طرح قیس کو بھی لیلٰی سے کافی اُنس تھا لیکن نہ اعتقاد

جتنا فارسی اور ہندوستانی شعراء نے مشہور کر رکھا ہے۔
علیہ علاوہ اسکے کہ ادب اور شاعری میں خاص کمال رکھتی تھی تاریخ سے بھی اچھی طرح واقف تھی اسکی مجلسوں میں زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ اسلام کے واقعات کا تذکرہ بھی ہوا کرتا تھا۔
پہلی صدی کے بعد شعر و شاعری کی خدمت عورتوں میں سے صرف طبقۂ اِماء ( ) انجام دیتا تھا تاہم شریف خاندانوں سے اس کا رواج بالکل اُٹھا نہیں تھا چنانچہ علم دوست شہزادہ ابراہیم بن مہدی کی بہن خلیفہ مہدی کی بیٹی عُلَیّۃ ایک پڑھی لکھی روشن خیال عورت تھی، یہ عورت صاحب باطن اور زاہدہ بھی تھی شعر و شاعری سے اسے خاص لطف تھا[1]
اندلس میں الحاکم دوم کے زمانہ میں تعلیم نسواں کے لیے ایک بہت بڑا مدرسہ قائم تھا جس سے سیکڑوں عورتیں تعلیم پا کر نکلیں، اس مدرسہ میں مریم نامی ایک معزز خاتون تعلیم کے لیے مامور تھیں۔ مریم کو شعر و شاعری کے ساتھ بھی خاص شوق تھا[2]

جلال ندوی

غزل

ضبطِ عاشق آزمانا چھوڑ دے — او بتِ کمسن رولانا چھوڑ دے
دل پہ یوں بجلی گرانا چھوڑ دے — تاک کر دل مسکرانا چھوڑ دے
جلوۂ دیدار کی اُمید سے — کوئی کیونکر آستانا چھوڑ دے
سیکھتا ہے رستی اس سے لبشر — کجروی کیونکر زمانا چھوڑ دے
جب کہا کچھ میں نے وہ کہنے لگے — چھوڑ دے جھوٹا فسانا چھوڑ دے
کیوں جراحت پہ چھڑکتا ہے نمک — زخمیوں کو یوں ہنسانا چھوڑ دے

عجیب سب الزام رکھتے ہیں نصیر
کوچۂ جاناں کا جانا چھوڑ دے

نصیر حیدر نصیر

[1] اغانی [2] ڈاکٹر کرسٹیان لی بان۔

خوفِ رسوائی

مزے کی چیز ہے الفت نہو گر خوفِ رسوائی — دلِ عاشق میں پیدا اس سے ہو جاتی ہے کج رائی
نہو گر خوفِ رسوائی جہاں میں حوصلہ فرسا — تو کوئی ہو نہ خود رفتہ نہ سرگشتہ نہ سودائی
ہمیشہ سے رہا ہے دشمنِ اہلِ تمنا یہ — تعجب ہے حسینوں سے بھی اس نے خاک چھنوائی
اسی کے سر ہے خونِ آرزو ناکامِ الفت کا — اسی نے بیگناہوں سے لیا عہدِ شکیبائی
کسی کے قلب میں رہتا ہے یہ ضبطِ فغاں ہو کر — حیا بنکر کسی دل میں ہے اسکی جلوہ آرائی
کسی کے دل میں عیبِ حسن بنکر یہ سمایا ہے — کسی دل میں ادائے حسن کی صورت جگہ پائی
یہی ظالم ہوا ہے مانعِ اظہارِ حالِ دل — زبانِ شوق سے کی سلب اسی نے تابِ گویائی
کبھی رحم اسکو آیا ہی نہیں حسرت نصیبوں پر — کسی کو راہِ صحرا اور کسی کو قبر دکھلائی
دہانِ عرضِ مطلب پر بنایا یہ مہرِ خاموشی — زبانِ مدعا کو بے زبانی اس نے سکھلائی
بتایا چھپکے چھپکے اس نے رونا بسترِ غم پر — طبیعت جب سکون و صبر سے عاشق کی گھبرائی
کبھی ہمت جو ٹوٹی ضبطِ غم سے قلبِ مضطر کی — بڑھایا حوصلہ اور داستانِ قیس دہرائی
کیا کچھ اس طرح پامال ذوقِ کامیابی کو — کہ پھر کوئی دلِ آشفتہ کی حسرت نہ بر آئی
مٹایا صفحۂ ہستی سے ایسا نوجوانوں کو — کہ جن میں شانِ خودداری رہی باقی نہ رعنائی
تہ و بالا کیا کچھ اس طرح انبوہِ شادی کو — مسرت پھر نہ بھولے سے کبھی ان کی طرف آئی
اسی نے منزلِ مقصود سے ناکام ہی رکھا — یہی پھر بنگیا گردش نصیبوں کا تماشائی
ہماری طرح اکثر بیکسی میں نامرادوں نے — درِ بتخانہ و کعبہ پہ کی ہے ناصیہ سائی
غرض کرتا رہا مجبور مشتاقوں کو یہ لیکن — کسی محبوب کے منھ سے نقاب اس نے نہ سرکائی
نہو گر ننگِ بدنامی دلِ اہلِ محبت میں — سرِ بازار حسن و عشق کی ہو کار فرمائی

نہ دے جان اپنی کوئی ہجر کے صدمے سے تنگ آکر
گوارا بھی نہ ہو مرقد کی ظلمت اور تنہائی

کوئی آمادۂ کوئے تمنا ہو نہ دنیا میں
نہ پھر صحرا نوردی ہو نہ پھر ہو آبلہ پائی

نہ ہو پھر کچھ شکستہ حالی و ذوقِ پریشانی
نہ دل میں داغ حسرت ہوں نہ شوقِ جادہ فرسائی

نہ گریہ زارِ رات دن کا اور نہ ہو ہر دم کی خاموشی
نہ مایوسی، نہ مجبوری، نہ ناکامی، نہ تنہائی

جگر کا خون پانی ہو، نہ چشمِ تر رہے جاری
نہ مٹنے پائے حسنِ صورت و شکلِ ہیولائی

مرض بڑھنے نہ پائے اشتیاقِ دیدِ جاناں کا
دکھائیں حسن اور عشق اپنی اپنی وہ مسیحائی

کچھ ایسا انقلاب آیا ہے اس دنیائے الفت میں
کہ حسنِ دلربا سے عشقِ دلکش کو ہو ہمتائی

حسینانِ جہاں خاطر کریں عاشق مزاجوں کی
ہماری بھی ہو "بزمِ ناز" میں پھر عزت افزائی

حکومت اور دولت کچھ نہ ہو محوی مگر پھر بھی
دکھائیں عشق کی اقلیم میں ہم شانِ دارائی

بجائے سوزِ غم دل میں وفورِ شادمانی ہو
ہماری "بزمِ عشرت" کا فلک بھی ہو تماشائی

تمنائیں دلِ مشتاق کی ساری نکل جائیں
مآلِ کارِ ضبطِ شوقِ پنہاں ہو نہ "رسوائی"

محوی لکھنوی

تصحیح

ہمیں سخت افسوس ہے کہ گذشتہ نمبر میں جناب عزیز صاحب کی نظم (شاعری) میں چند غلطیاں کاتب سے ہوگئیں جن کی ناظرین اس طرح صحت فرمائیں۔

نمبر شعر	غلط	صحیح
۶	شعلہ پانی میں	شعلہ پاتی ہیں
۷ پہلا مصرع	تعبیر طولانی ہیں	تفسیر طولانی ہے
۷ دوسرا مصرع	ہیں	ہے
۱۷	خرمن غفلت پہ گرتی ہے یہ بکر اشتعال	خرمن غفلت پہ گرتی ہے یہ برقِ اشتعال
۲۸	دلکشا منظر نسیم صبح نورانی سے	نورانی سحر
۳۷	نفس معنی خیز	نقش معنی خیز

فلسفہ طبیعہ

فلسفہ طبیعہ جس کا غلغلہ بچہ بچہ تک کے کانوں میں گونج رہا ہے، زبان اُردو ابتک اس مفید علم سے محروم ہے اگرچہ اسکے بعض مضامین کو اُردو کے علمی رسالوں میں کبھی کبھی جگہ دیدی جاتی ہے مگر وہ اسقدر کم کہ ان کا شمار نفی ہی میں ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اُردو داں طبقہ فلسفہ طبیعہ کی تحقیقات سے معتد بہ فائدہ حاصل نہیں کرتا، حالانکہ زمانہ کی ضرورتیں ہمیں اس فن کی طرف توجہ کرنے کے لیے سخت مجبور کر رہی ہے، اگر اسکی مستقل تالیف و تصنیف کے لیے سروست وسائل مفقود ہیں تو کم از کم اسکے نقل و تراجم کا ایک باب کھولدینا چنداں دشوار نہیں ہے، اور یہ خدمت وہ لوگ نہایت آسانی کے ساتھ انجام دیسکتے ہیں جنھوں نے اس علم کو خاص طور سے حاصل کیا ہے اور اردو زبان کے ساتھ ساتھ کسی ایک مغربی زبان میں بھی کامل مہارت رکھتے ہیں اسی ضرورت کی بنا پر میں نے اس عنوان پر قلم اُٹھانے کا ارادہ کیا ہے اگرچہ اسوقت ہمیں کسی مغربی زبان سے مدد نہیں مل سکتی تاہم اس فن کی ایک کتاب ہمارے پیش نظر ہے جو عربی میں ایک مغربی زبان سے ترجمہ کی گئی ہے اگر ناظرین نے اس مضمون سے دلچسپی لی تو آئندہ اس عنوان پر کچھ لکھنے کی جرأت ہوگی۔

چونکہ فلسفہ طبیعہ کے اکثر مسائل اور تجربات آلات کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتے اس لیے اس مضمون میں اُن ہی باتوں کا تذکرہ ہوگا جو ذرا سے تامل کے بعد بآسانی سمجھ میں آجائیں گی۔

فلسفہ طبیعہ کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ جسمیں مادہ کے طبیعی تغیرات سے

بحث کی جائے" اس میں دو لفظ قابل تشریح ہیں۔ مادہ اور طبعی تغیرات، اسمیں کوئی شک نہیں کہ اس علم میں مادہ کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے کیونکہ مادّے ہی پر اسکا تمام دارومدار ہے اور اُسی کے اوصاف وخواص کی رو سے اُسکے قوانین مرتب کیے گئے ہیں۔ لیکن سخت تعجب ہے کہ ابتک اس علم کے ماہرین کا مادہ کی تعریف میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا اور اختلاف کی گرم بازاری ہنوز موجود ہے۔ ایک گروہ نے یہ تعریف کی کہ "مادہ وہ ہے جسے ہم اپنے حواس سے محسوس کرتے ہیں" لیکن اس تعریف پر رنگ، بُو، مزہ، حرارت وغیرہ بھی جن کا احساس کسی نہ کسی قوت حاسہ سے ضرور ہوتا ہے مادہ میں داخل ہو جاتے ہیں، حالانکہ فلسفۂ طبیعہ کے علمائنے اُنکو مادہ تسلیم نہیں کیا ہے اس اعتراض سے بچنے کے لیے دوسرے گروہ نے اُسکی یہ تعریف کی کہ جس میں وزن ہو مگر یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ وزن کشش ارضی کا نتیجہ ہے اور جس مقام پر کشش ارضی ہر طرف سے برابر ہے مثلاً مرکز زمین وہاں وزن کسی کا نہیں ہوتا، الغرض ابتک مادہ کی کوئی صحیح تعریف نہیں کی گئی ہے، البتہ اسکے سمجھانے کے لیے یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ چیز جو مختلف شکل وصورت کی تبدیلیوں کے بعد نا فنا پذیر کہی جاسکے مادہ ہے، مثلاً اگر لکڑی جلائی جائے تو گو وہ جل جائے گی مگر مادہ ایک دوسری شکل کوئلہ بنا باقی رہتا ہے اور اگر کوئلوں کو بھی جلا کر خاک کر دیں تو وہ معدوم ہو جائیں گے مگر مادہ پھر بھی ایک تیسری شکل راکھ میں باقی رہیگا۔

مادہ کے متعلق یہ تحقیق کی گئی ہے کہ وہ نہایت چھوٹے چھوٹے اجزا سے مرکب ہے جنکو دقائق کہتے ہیں اور یہ دقائق بھی چند ناقابل تقسیم جزوں سے مرکب ہیں جنکو جواہر کہتے ہیں مثلاً پانی چند دقائق سے مرکب ہے اور ہر دقیقہ کی ترکیب دو جوہروں سے ہوی ہے ایک آکسیجن دوسرا ہیڈروجن۔

مادہ میں دو قسم کے صفات مانے جاتے ہیں عام اور خاص عام صفات سے

یہ مقصد ہے کہ وہ تمام مادی اشیاء میں مشترک طور سے پائے جاتے ہیں اور خاص صفات کا مطلب یہ ہے کہ وہ خاص خاص اشیاء کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً سونا جسمیں وزن اور لون ذہبی دو صفتیں پائی جاتی ہیں، وزن عام صفت ہے جو کسی خاص شے کے ساتھ مخصوص نہیں، لون ذہبی (سونے کا رنگ) خاص صفت ہے جس سے صرف سونا متصف ہوتا ہے، اور باقی اشیاء اس وصف سے خالی ہوتی ہیں، یا مثلاً شیشہ جس میں شکل اور سریع الانکسار یہ دو وصف پائے جاتے ہیں شکل شیشہ کے ساتھ مخصوص نہیں اسلیے وہ صفت عام ہے اور سریع الانکسار ہونے کی صفت عام چیزوں میں نہیں پائی جاتی اس لیے وہ صفت خاص ہے،

مادہ میں دو نوع کے تغیر ہوتے ہیں طبعی اور کیمیاوی، تغیر طبعی مادہ کے عام صفات میں لاحق ہوتا ہے اور تغیر کیمیاوی خاص صفات میں،

مذکورۂ بالا بیان سے مادہ کے عام وخاص صفات کا اجمالی خاکہ ذہن میں آگیا ہوگا اب ہم اسکے عام صفات کا کسی قدر تفصیلی حصہ بیان کردینا مناسب سمجھتے ہیں، مادہ کے مشہور عام صفات حسب ذیل ہیں،

امتداد، یعنی ہر چیز کسی نہ کسی جگہ اور مکان میں ضرور ہوتی ہے،

عدم تداخل، اسکے یہ معنی ہیں کہ اگر کوئی چیز کسی جگہ میں ہو تو اسوقت دوسری چیز اسمیں نہیں سما سکتی مثلاً ایک میز پر کوئی کتاب رکھی ہوئی ہو اس وقت کوئی دوسری چیز اتنی جگہ میں جسکو وہ کتاب گھیرے ہوے ہے نہیں رکھی جا سکتی، تا وقتیکہ وہ اس مقام سے ہٹا نہ دی جائے، یا مثلاً کسی تنگ منھ کی بوتل میں پانی بھرا جائے تو چونکہ بوتل ہوا سے بھری ہوتی ہے اسلیے اسکی ہوا پانی بھرنے کے ساتھ بلبلوں کی شکل میں نکلتے ہوے جگہ خالی کرتی جائے گی ورنہ ہوا خارج کیے بغیر بوتل میں پانی بھرنا غیر ممکن ہے،

تجزؔی، اسکا یہ مقصد ہے کہ ہر جسم گو کتنا ہی چھوٹا ہو قابلِ انقسام ہے مثلاً ایک تولہ جوہر کچلہ ۱۷۵۰۰۰۰ تولہ پانی میں ملا دیا جائے جب بھی اُسکی تلخی باقی رہتی ہے جسکو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ مقدار مذکور ۱۷۵۰۰۰۰ تولہ پانی میں تقسیم ہو جاتی ہے۔

مسامیت، اسکا یہ مطلب ہے کہ ہر جسم میں خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے مسامات ہیں، جسکا سبب یہ ہے کہ جسم کے اجزا میں کامل التصاق نہیں ہوتا بلکہ درمیان میں چھوٹی چھوٹی کشادگیاں باقی رہتی ہیں، ذیل کے تجربات سے اس کا قطعی ثبوت ہوتا ہے:

(۱) پانی میں جب تھوڑا تھوڑا نمک ملایا جائے تو پانی کا حجم نہیں بڑھتا اگر اسکے بعد شکر بھی ملائی جائے جب بھی حجم نہ بڑھے گا اور یہ اس لیے کہ پانی کے اجزا میں کشادگی ہوتی ہے جس میں نمک سما جاتا ہے اور نمک کے اجزا میں بھی شکر کے اجزا کے لینے کی وسعت باقی رہتی ہے

(۲) سترھویں صدی عیسوی میں اٹلی میں سونے کا ایک مجوف کرہ بنا کر اسکے اندر پانی بھرا گیا پھر اس پہ ہر طرف سے یکساں دباؤ ڈالا گیا تو پانی اس طلائی کرہ سے رسنے لگا حالانکہ سونا تمام دھاتوں سے زیادہ متصل الاجزا ہے مگر اس تجربہ سے معلوم ہوا کہ وہ بھی مسامات سے خالی نہیں۔

(۳) اگر راکھ کے ڈھیر میں آگ کا انگارہ دبا دیا جائے تو وہ ٹھنڈا نہ ہوگا جسکی وجہ یہ ہے کہ راکھ میں مسامات ہوتے ہیں جنکی راہ سے اتنی ہوا پہنچ جاتی ہے جو انگارہ کو مشتعل رکھ سکے۔

(۴) کسی برتن میں کوئی گیس بھری ہو تو اس میں دوسری گیس کے سمانے کی بھی وسعت باقی رہتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ گیس میں ہر چیز سے زیادہ مسامیت ہے۔

استمرار[۱] اسکا مفہوم یہ ہے کہ مادہ ہمیشہ ایک حالت حرکت یا سکون پر رہتا ہے تاوقتیکہ کوئی طاقت اسے متحرک نہ بنائے وہ متحرک نہیں ہوتا اور ساکن نہ کرے تو وہ ساکن بھی نہیں ہوتا اگر کوئی ڈھیلہ اوپر پھینکا جائے تو اسے ہمیشہ متحرک رہنا چاہئے لیکن چونکہ قوت متحرکہ ختم ہو جاتی ہے اسلیئے زمین کی کشش اسے پھر اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

بقا[سلہ]، اس سے یہ غرض ہے کہ مادہ کو فنا نہیں صرف صورتیں و حالات تبدیل ہوتے ہیں کوئی مکان جل جاتا ہے اور خاک کا ڈھیر رہ جاتا ہے تو مادہ فنا نہیں ہوتا بلکہ اسکے جواہر خاکستر میں باقی رہتے ہیں یا کچھ دھوئیں کے ساتھ اوپر چڑھ جاتے ہیں،

انضغاط، یعنی اجسام کے مسامات دباؤ کے ذریعہ تنگ کیے جا سکتے ہیں ٹھوس اجسام پر زیادہ دباؤ کی ضرورت ہے، سائیلات بمشکل دب سکتے ہیں ہوائی چیزیں سب سے زیادہ دب سکتی ہیں،

احمد اللہ

سلہ بقا کا مسئلہ اگرچہ اکثر جدید علماء نے تسلیم کر لیا ہے مگر یہ ایک نظری مسئلہ ہے جس کے متعلق تحقیقات [illegible] کا سلسلہ ہنوز جاری ہے، ڈاکٹر گستاولی بان نے اس عنوان [illegible] اور اس کو فانی ثابت کیا ہے، اسی طرح اور بھی چند باتیں ہیں جن کو ارباب فلسفۂ جدیدہ نے ضرورۃً تسلیم کیا ہے ورنہ ان پر یقین لانے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ مثلاً مادۂ جوہری کے متعلق کسی کتاب میں یہ الفاظ ہیں، وھذہ الجواھر لم یرھا احد [illegible] قطعاً عن وجودھا ولکنھا توافق العلوم ولاسیما علم الکیمیا۔

شہید ناز کی فاتحہ

اس واقعہ کو زیادہ دن نہیں گذرے۔ عشق و محبت کا ایک تڑپا دینے والا منظر ہے۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ سانحہ لفظاً بلفظاً حقیقت سے مملو ہے مگر ہاں بہت کم ایسے واقعات میں اسقدر سچائی ہوگی جتنی اس میں ہے۔ اول تو قدرتی طور پر پلاٹ ہی موثر ہے۔ دوسرے جذبات کی رنگ آمیزی نے ایک قسم کی شوخی پیدا کردی ہے۔ امید ہے کہ ادب لطیف کے دلدادہ اسے شوق کی آنکھوں سے مطالعہ فرمائیں گے۔

مقرب دہلوی

چشم و ابرو کے شہیدوں کی دلادیجیے نیاز تیر کے ٹکڑوں پہ ٹوٹی ہوی تلواروں پر

پیہم ناکامیوں اور متواتر دشواریوں کا کبتک مقابلہ کروں۔ آخر انسان ہوں ایک کے مقابلے کے لیے ایک ہی ہونا چاہیے۔ اور اب تو انسان بھی نہ رہا۔ محبت کی کالی گھٹا نے میرے فرائض کی روشن سطح مستور کردی ہے۔ آہ۔ محبت تیرا بُرا ہو ساری عمر میں آج پہلا موقع ہوا ہے کہ میں نے اپنی والدہ کے شفقانہ جذبات کو استغنا کی کُند چھُری سے ذبح کرڈالا۔ وہ کس وفور الفت میں میری بلائیں لینے آگے بڑھیں تھیں گویا معلوم کرنا چاہتی تھیں کہ اصغر تیرا حال دن بہ دن کیوں غیر ہوتا جاتا ہے آہ او عفریت محبت خدا تجھے غارت کرے تو اُسوقت ایسا سر پر سوار تھا کہ میں نے جھنجھلا کر اُنھیں پرے ہٹادیا قبل اسکے کہ وہ میرے اس مجنونانہ فعل پر نفرین کے بجائے ترحم کریں۔ میں تڑپ کر گھر سے باہر تھا اور وہ روتی رہ گئیں۔ آہ یہ وہ جرم ہے جو ناقابل معافی ہے اور اسکا مرتکب میں نہیں ہوں کسی کی محبت ہے۔ قیامت میں اگر داور محشر نے اس گناہ کبیرہ کی سزا میں فرد جرم

قائم کر دی۔ تو قسم ہے تیری محبت کی تیرا دامن پکڑ لوں گا۔ اُف اُف تیرے عشق نے والدہ کا احترام بھی نسیاً منسیاً کر دیا جسکے متعلق لوگ کہتے ہیں ع

تحتِ قدمِ والدہ فردوس بریں ہے

میں کہ جو والدہ کی فرمانبرداری کو اپنی سعادت سمجھتا تھا اُنکی دلجوئی کے لیے ہمہ وقت حاضرِ خدمت رہتا تھا اُن کے ہر معمولی حکم پر فوراً اُٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ آج تیری بدولت اُن کی شان میں یہ گستاخی۔ کیا تیری چاہت مجھے دنیا سے کھو کر اب دین سے بھی کھونا چاہتی ہے لیکن یاد رکھ ایسا نہیں ہوسکتا " نہیں ہوسکتا " کیا خوب ہوچکا اور پھر کہہ رہا ہوں نہیں ہوسکتا۔ شیخ صنعا جیسے متقی کے قدم جب ڈگمگا گئے تو مجھ جیسے آوارہ ناکارہ کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ خیر جو کچھ ہونا تھا ہوچکا اب آیندہ کے لیے زندگی کی کشمکش کا فیصلہ کیے دیتا ہوں۔ لیکن قبل اسکے کہ فیصلے کے آگے سرِ تسلیم خم کروں ایک بار اور اس غارت گرِ دین و ایمان سے مل لوں۔

جب یہ دردناک منصوبہ اصغر میاں اپنے ذہن میں گانٹھ چکے تو اُن پھول سے رخساروں پر جو غم و الم کی بادِ سموم سے مرجھا گئے تھے ترو تازگی آگئی۔ نقاہت و لاغری کی وجہ سے جو گڈھے پڑ گئے تھے کسی نہ کسی مسرت کے ساتھ بھر آئے۔ چاند سی جبین جو درحقیقت کندن کی طرح چمکنے والی ایک سونے کی چھوٹی سی تختی تھی جسے آتشِ عشق کے تاؤ نے بالکل سیاہ کر رکھا تھا دفعتہً ایسی چمکی کہ محشرستانِ تجلی کا ایک محوِ حیرت نظارہ بن گئی اس ایک دن کے تعجب خیز انقلاب نے صغری کی ماں کو از سرِ نو زندگی بخش دی۔ آہ کسے خبر تھی کہ نگارخانۂ ہستی کی یہ دلفریب صورت بہت جلد مٹنے والی ہے کاش کوئی کہہ دیتا کہ بیمار ہجر نے سنبھالا لیا ہے چراغِ صبح جب بجھنے کو ہوتا ہے تو وہ معمولی روشنی سے زیادہ روشن ہوجاتا ہے لیکن اُسکی عمر ایک سیکنڈ سے زیادہ نہیں ہوتی۔

اصغر کی بیماری کا علم تمام عزیزوں کو معلوم تھا اور اسکے دفعیہ کے لیے بہت کچھ کوشش کی گئی لیکن مشکل یہ آپڑی تھی کہ اصغر کی معشوقہ اُسکے چچا کی لڑکی سلطان جہاں بیگم تھی اور اصغر کے چچا اصغر کے ساتھ اپنی لڑکی منسوب کرنے میں کسی طرح رضامند نہ تھے اور یہ نارضامندی کچھ اس وجہ سے نہ تھی کہ اصغر کی قابلیت اُن کی نظروں میں نہ جچی ہو بلکہ اسکے عشق کا راز طشت از بام ہو چکا تھا۔ پہلے پہل تو اصغر بلا روک ٹوک گھر میں آیا جایا کرتا تھا اور اب مجال نہ تھی کہ اُسکا سایہ یا پرچھائیں تک تو دیواروں پر پھر جاے۔ ایسی حالت میں اصغر کا سلطان جہاں سے ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔

اب اصغر کے سامنے صرف ایک خیال تھا اور وہ خام تھا ایک اُمید تھی اور وہ موہوم تھی ایک کوشش تھی جسکے کارگر ہونے میں بہت کچھ برگشتہ بختی کو دخل تھا وصل کے سینکڑوں پہلو سمجھ میں آے لیکن وہ حباب کی طرح سطح آب پر چند سیکنڈ ٹھہر کر غائب ہو گئے گو اصغر کو ناکامیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ لیکن وہ اس معاملے میں بددل نہوا اور نہ اُسکی جستجو کے تار برابر دوڑتے رہے۔

اندھیری راتیں جب گھٹا ٹوپ ہو کر چھا جاتی ہیں۔ بھیب صحرا جب خوفناک تاریکی میں گم کردہ منزل ہو جاتا ہے ہوا کے غیر معمولی جھکڑ جب سائیں سائیں کرتے ہوے گذرتے ہیں تو ہستی گل کے سامنے جسکی قوت کار کبھی تھکتی نہیں جس کے استقلال میں کبھی فرق نہیں آتا۔ خدا کا دست شفقت جگنو کی چمک بنکر رہبری کرتا ہے یقیناً ناکامیاں ہی کامیابی کی معراج ہیں۔ کون جان سکتا ہے کہ بے سودی میں بہبودی مضمر ہوا کرتی ہے۔ سطحی خیال کے لوگ کبھی باور نہ کرینگے کہ اصغر کو اس کشاکش امید و بیم سے رہائی مل گئی اور وہ ایک ایسے موقع پر آگیا جو اُسکی اُمیدکا

سرچشمہ اور اوا سے مقاصد کی کلید تھا۔ یعنی سلطان جہاں کا کمسن بھائی یامین اصغر سے بہت مانوس تھا اُس نے جو اصغر کو اس ہجوم غم و یاس میں سرنگوں دیکھا تو بہت التجا کے ساتھ سبب دریافت کرنے لگا۔ اصغر نے بہتیرا چاہا کہ اِدھر اُدھر کی باتیں بنا کر ٹالدوں۔ مگر وہ لڑکا کچھ اس طرح پنجے جھاڑ کر لپٹا کہ بے اختیار اصغر کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ سہ

بزم میں رونے لگے یاروں کے سمجھانے سے
راز دل چھپ نہ سکا اشکوں کے بھر آنے سے

یامین بیقرار ہو کر۔ ہائیں ہائیں بھائی جان کیا ہوا روتے کیوں ہو

اصغر۔ جاؤ مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو اپنی قسمت پہ روتا ہوں۔

یامین۔ نہیں میں نہ مانوں گا آپ کو بتانا ہو گا۔

اصغر۔ خدا کے لیے مجھے دق نہ کرو چلے جاؤ۔

یامین۔ ہرگز نہیں میں دریافت کر کے رہوں گا۔

اصغر۔ بعض وقت تمھاری ضدیں بہت ہی بیجا ہوتی ہیں۔ موقع اور وقت دیکھا کرو بہت کسی اور وقت کے لیے اُٹھا رکھو آہ اصغر تو ہمیشہ سے تمھارا ناز بردار ہے۔

یامین۔ ہاتھ جوڑ کر۔ خدا کے لیئے بتادو میں آپ کو ایک لمحہ کے لیے غمگین نہیں دیکھ سکتا

اصغر۔ آہ تم سے میرا کام بن جاتا تو رونا ہی کا ہے کو تھا۔ لیکن ایک

یامین۔ ہاں ہاں فرمائیے۔

اصغر۔ بہت معمولی کام ہے اگر کر دو گے تو احسان ہو گا ورنہ کوئی شکایت نہیں۔

یامین۔ لاحول ولا آپ تو مایوس ہوئے جاتے ہیں میں قسم کھاتا ہوں اگر میری جان بھی آپ کے کام آ جائے تو مجھے عذر نہ ہو گا۔

اصغر۔ تو لو یہ ایک خط ہے .... یہ کسی طرح ..... سلطان جہاں کو.......

دیدو...... اور...... جواب لادو مگر نہایت ہوشیاری اللہ رازداری کے ساتھ۔
یامین- لائیے اور مجھپر بھروسہ رکھیے۔
اصغر نے ایک خط یامین کے حوالے کیا اور چلتے ہوئے کہا ع اجانا بجلی کی طرح آنا نظر کی صورت، یامین نے بہت ہوشیاری کے ساتھ خط کو کوٹ کی جیب میں رکھا اور آناً فاناً نظروں سے غائب ہوگیا گھر پہنچا اور اطمینان کے ساتھ ادھر اُدھر ٹہلتا رہا۔ اتفاق سے سلطان جہاں اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ اس نے جاتے ہی وہ خط اُسکے حوالے کیا اور کہا اسکا جواب اسی وقت دیدو بیلے تو سلطان جہاں اُس خط کو لیتے ہوئے ڈری لیکن یامین نے بہت جلد اطمینان کردیا کہ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں بلکہ دوست ہوں خط کو لیکر پڑھا لکھا تھا - میرے دل کی ملکہ خدا تمھیں سلامت رکھے - چچا جان متمنی ہیں کہ میں دنیا سے نامراد اُٹھ جاؤں میری خواہش کو انھوں نے ٹھوکروں سے ٹھکرادیا۔ لیکن میں اُن کی تمنا کا بیدل سے استقبال کرتا ہوں۔ میری خیر نہیں تو خیر اُن کی آرزو پوری ہو جائے موقع دو کہ ایک بار تم سے مل لوں اور تمھاری چاندسی صورت دیکھ لوں فقط والسلام
تمہارا فدائی "اصغر"

خط پڑھتے ہی سلطان جہاں کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ اور آنکھوں کے سامنے ایک تاریک غبار سا پھیل گیا۔ ترمرے سے اُڑنے لگے۔ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ ہاتھ کپکپا سے اور خط چھوٹ کر گر پڑا۔ یامین نے سنبھالا اور کہا آپ کیا کرتی ہو کسی کو خبر ہو جائے گی تو میری تمھاری دونوں کی آفت آئے گی۔ مجھے جلدی جواب دو بھائی انتظار میں ہونگے۔ غرض سلطان جہاں نے گرتے پڑتے اسی حالت میں حسب ذیل جواب لکھا.... پیارے اصغر
یہ کس خوفناک ارادے پر آمادہ ہو گئے! خودکشی حرام موت ہے۔ خبردار کبھی

ایسا نہ کرنا اور اگر ایسا کیا تو سمجھ لینا کہ ایک اور خون اپنے ذمہ لے چلے ہو سلطان جہاں تمہارے بعد دنیا میں نہیں رہ سکتی عشق میں سوائے تکلیف کے راحت نہیں ہوتی - ابھی سے گھبرا گئے یہ تو پہلی منزل ہے دیوانے بنے ہو تو کڑیاں جھیلنے کے خوگر بنو مجرم عشق ہو تو محبت کی ہتھکڑی کو زیور سمجھکر پہنو - کسی نے خوب کہا ہے

کڑیاں وہی جھیلیں گے جو دیوانے بنیں گے
زنجیر میں لوہے کے چنے دانے بنیں گے

بس صبر و شکر کے ساتھ بیٹھے رہو اور خدا پر بھروسہ رکھو - فی الحال تمہیں یہاں بلانے کا کوئی موقع نہیں دو ایک روز میں شاید کوئی موقع نکل آئے تو اطلاع دوں گی خادمہ سلطان جہاں -

یہ خط لکھکر ماما کے حوالے کیا اور اصغر والا خط اپنے واسکٹ کی جیب میں رکھ لیا چونکہ سلطان جہاں کی طبیعت خط پڑھتے ہی بگڑ گئی تھی اس لیے واسکٹ اُتار کر کھونٹی پر لٹکا دی اور خود پلنگ پر لیٹ گئی - ہزارہا قسم کے خیال اپنی بھیانک صورتوں میں اُسکے سامنے آنے لگے سلطان جہاں نے گھبرا کر آنکھیں بند کرلیں - کچھ تکان اور خستگی بھی تھی - غنودگی آگئی - اور آنکھ لگ گئی -

خاموش کمرہ واقعات مستقبل کا بے صبری کے ساتھ انتظار کر رہا تھا - آسمان جور پر تُلا ہوا تھا قسمت ان کی مسرت سے روٹھ چکی تھی - سلطان جہاں کا طالع سیاہ خوابیدہ تھا - آہ زمانہ اُنھیں پر ظلم توڑتا ہے جو فلک کے ستائے ہوئے ہوتے ہیں - مرتے کو مارنا خدا جانے کہاں کا انصاف ہے یہ تنگی بیداد دیکھیے کہ سلطان جہاں کا بڑا بھائی "معین" کمرے میں داخل ہوتا ہے - بہن کو سوتا پاکر چاہتا ہے کہ پلٹ جاؤں لیکن بدقسمت بہن کی سیہ بختی پھر اُسے کمرے میں ٹھہرنے کی اجازت دیتی ہے - وہ ایک سادہ کاغذ کی دھن میں ادھر اُدھر پھرتا ہے

الماری کو ٹٹولتا ہے کتاب کے اوراق کو اُلٹتا ہے کہ شاید سادہ کاغذ مل جائے لیکن نہیں ملتا واسکٹ کی جیب پر نظر پڑتی ہے کاغذ کا کچھ حصہ باہر نکلا ہوا نظر آتا ہے اُسے نکالتا ہے تو وہ خط ہے اور خط بھی اصغر کا۔ پڑھنے کے بعد غصے سے دانت پیسنے لگتا ہے لیکن خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکلکر سیدھا والد کے پاس پہنچتا ہے اور وہ خط ان کی میز پر رکھدیتا ہے اور کہتا ہے اباجان دیکھیے اصغر ابھی تک اپنی واہیات حرکتوں سے باز نہیں آتا۔ تعین کے والد خط لیے ہوئے سیدھے زنانخانے میں آتے ہیں اور تقاضا ہوتا ہے کہ سلطان جہاں کو بلاؤ ایک ماما دوڑ کر جاتی ہے یہاں آکر دیکھتی ہے تو سلطان جہاں محو خواب ہے

ماما۔ حضور اُٹھیے۔

سلطان جہاں۔ چونک کر۔ کیا ہے۔

ماما۔ آپ کے والد بلاتے ہیں۔

سلطان جہاں۔ ناشدنی یہ کون سا وقت بلانے کا ہے ذرا کی ذرا آنکھ لگی تھی اور تو نے جگا دیا۔

ماما۔ بیوی میرا کیا قصور جیسا حکم ہوا بجا لائی۔

سلطان جہاں۔ اچھا چل میں آتی ہوں۔

یہ سُنکر ماما چلی گئی اور سلطان جہاں نے اُٹھکر مُنھ ہاتھ دھویا۔ بال جو سونے میں بکھر گئے تھے سنوارے۔ چونکہ اصغر کا خیال ہر لمحہ ہر گھڑی پیش نظر رہتا تھا۔ یکایک اُسے ایسا معلوم ہوا کہ اصغر سامنے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے ؎

تم کو آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام

چونکہ شعر کا القا دل میں ہوا تھا لہذا وہ دل ہی میں ؎

تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا

اسکا جواب دینے لگی۔ خیر میری بے خبری کا تو خدا کو علم ہے یا تمھارا دل جانتا ہوگا اللہ علیم ہے کہ کس بےچینی کے ساتھ زندگی کے دن پورے کر رہی ہوں۔ یہ اُسی خیال میں کنگھی چوٹی کر رہی تھی کہ ماما پھر آئی اور کہنے لگی حضور چلیے بہت دیر سے انتظار ہو رہا ہے۔ اس نے چلا کر کہا۔ قطامہ بتاتی نہیں کیا کام ہے۔ بلایا ہے بلایا ہے آخر ہے کیا کوئی میرے لیے سولی تیار ہے۔ یہ ڈانٹی کھا کر ماما تو بالکل خاموش ہوگئی اور اس نے کسی قدر عجلت کے ساتھ سنگار دان کو بالائے طاق رکھا ایک ملگجا سادہ دوپٹہ سر پر اوڑھا اور جھٹ پٹ اُس کمرے میں پہنچ گئی جہاں اسکی والدہ اور والد بیٹھے ہوئے تھے اس نے جھک کر بہت ہی شرمیلی ادا کے ساتھ سلام کیا۔ سلطان جہاں کے والد مسٹر اکرام اللہ خاں غصے میں بھرے بیٹھے تھے آج اُنھوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اگر یہ اصغر کی محبت سے باز نہ آئے گی تو جان سے مار دوں گا۔ لیکن سچ ہے جسے خدا رکھے اُسے کون چکھے حُسن سیاستی ہوگیا مدھرا جوبن اور رسیلی انکھیاں شفاعت کرنے لگیں کہ ہمیں برباد کر کے کیا لوگے۔ بس اتنا کافی تھا۔ محبت پدری آڑے آگئی اور سارا غصہ رفو چکر ہوگیا لیکن پھر بھی کڑے تیور بنا کر اکرام اللہ خاں بولے۔ میں نے اس لیے تمھیں بلایا ہے کہ جو کچھ دریافت کروں اسکا شافی جواب دو۔

سلطان جہاں۔ ابا جان آپ کے حکم کی تعمیل کرنے کو تیار ہوں جس بات کا مجھے علم ہوگا فوراً عرض کروں گی۔

اکرام اللہ خاں۔ کیا اصغر سے تمھاری خط و کتابت ہوتی ہے

سلطان جہاں۔ ہرگز نہیں۔

اکرام اللہ خاں۔ تمھیں معلوم ہے جھوٹ سے مجھے کسقدر نفرت ہے بالکل سچ بتاؤ۔

سلطان جہاں۔ میں حیران ہوں اپنی سچائی کیں کیا عرض کروں۔

اکرام اللہ خاں - خط نکال کر حرّہ دار تیری کذب بیانی کی یہ دلیل ہے دیکھ گریبان میں منہ ڈال۔

سلطان جہاں - میری عقل کام نہیں کرتی یہ خط میرا نہیں ہے نہ اس سے قبل میں نے دیکھا۔

اکرام اللہ خاں - تو نے وہ مثل صادق کردی ع دروغ گویم برروے تو ٹھہرا بھی تو میرے پاس ثبوت میں اور بھی کچھ مصالحہ ہے - ایک مسودہ نکال کر- دیکھ یہ اسکا جواب ہے اور کیا یہ تیرے ہی ہاتھ کا ہے۔

سلطان جہاں اب اپنی بناوٹی بات پہ پانی پانی ہوگئی اب اُسکے پاس کوئی جواب نہ تھا وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ یہ خط انھیں کیسے مل گیا اور اُس وقت کو کوس رہی تھی کہ میں نے پڑھتے ہی کیوں نہ چاک کردیا ادھر اکرام اللہ خاں کی آنکھیں غصے سے سرخ ہوگئیں جواب نہ پاکر چاہتے تھے کہ مارنے کو اُٹھیں کہ سلطان جہاں کی والدہ نے یہ کہہ کے روک لیا جان بیٹی پہ ہاتھ اُٹھانا کس نے بتایا ہے اُسکا پتہ لگاؤ جس نے یہ خط لاکر دیا ہے۔ اس کمبخت کو مارنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ بات معقول تھی۔ خیالات کی جولانیاں پیام بر کی خبر میں سرگرم تلاش ہوگئیں۔ اسباب وعلل کے سلسلے زیادہ وسیع نہ ہونے پائے تھے کہ اکرام اللہ خاں کی حقیقت شناس نظر نے یامین کو انتخاب کرلیا۔ پھر لطف یہ کہ چند شہادتیں بھی گذر گئیں کہ یامین کا ہر وقت اصغر سے میل جول رہتا ہے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ یہ خط اُسی کا لایا ہوا ہو۔ یامین سے پوچھا گیا۔ سچ سچ بتاؤ۔ یہ حضرت کہیں آسانی سے قبول سکتے تھے آخر کفش کاری کی نوبت آئی

گرو او رے یامیں جوتیاں کھائی قبول

مگر راز افشا کرنا تجھے حرام ہوگیا جب اکرام اللہ خاں کو حصول مقصد میں

ناکامی ہوئی تو یامین کو قید تنہائی کا حکم دے کر اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ قاعدہ ہے کہ مرد کی نسبت عورت زیادہ رقیق القلب ہوتی ہے۔ سلطان جہاں کو یامین سے ایک تو فطرتی محبت تھی دوسرے اپنے جرم کی سزا میں وہ ناکردہ گناہ پھنسا ہوا تھا اس لیے وہ یہ تو نہیں کر سکتی تھی کہ یامین کو مار پیٹ سے بچا لیتی یا اُسے قید سے رہا کر دیتی۔ البتہ اُس نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور رونا شروع کیا۔ یہاں تک کہ گوہر اشک نذرانۂ رشوت ہو کر یامین کو قید سے رہا کرنے کا باعث ہو گئے۔

یامین نے آزادی پاتے ہی چاہا کہ سب سے پہلے اصغر کو اس واقعہ کی اطلاع کرنی چاہیے۔ چنانچہ وہ گھر کے لوگوں کو جھائیں چھپا دیکر غائب ہو گیا اور سیدھا اصغر کی بیٹھک میں پہنچا۔ اصغر سلطان جہاں کے خط سے دلچسپی حاصل کر رہے تھے اور گویا اُن کی مردہ تمناؤں میں حیات عارضی کی لہریں لہرا رہی تھیں۔ یکایک یامین کو بدحواس دیکھا تو گھبرا گئے ابھی یہ کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ یامین نے کہا بھائی غضب ہو گیا تمہارا خط پکڑا گیا۔ والد کو خبر ہو گئی پس میں یہ خبر کرنے آیا تھا جاتا ہوں۔

اصغر۔ گھبرا کر۔ کیا ہوا کیوں کر پکڑا گیا۔

یامین۔ اس کے متعلق تو ابھی مجھے بھی علم نہیں۔

اصغر۔ سلطان جہاں پر کچھ تنبیہ کی گئی ہے۔

یامین۔ تنبیہ کیسی ابھی والد تو مارنے کے لیے اُٹھے تھے وہ تو والدہ نے روک لیا پھر مجھے بلایا۔ اور پوچھا یہ خط کون لایا تھا۔ جب میں نے لاعلمی ظاہر کی تو مجھے خوب مارا کرتہ اُٹھا کر دیکھیے یہ تمام پیٹھ پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ جب میں نہ قبولا تو ایک کوٹھری میں بند کر دیا پھر والدہ ہی نے رحم کھا کر مجھے نکالا تو میں سب کی نظروں سے غائب ہو کر آپ کے پاس آیا بس اب میں جاتا ہوں ایسا نہ ہو والد کو خبر ہو جائے۔

اصغر نے بڑھکر یامین کو گلے سے لگا یا اور اُسکی پیٹھ پر جو مار کے نشان تھے انہیں بوسہ دیا اور رونے لگا۔ یامین۔ واہ آپ تو رونے لگے۔

اصغر۔ آہ۔ یہ تیری پیٹھ پر مار کے نشان نہیں ہیں بلکہ نشان وفا ہیں۔

ان سطروں میں اخفائے راز کا حقیقت آفریں سبق ہے۔ تو ہمدردی نبی نوع کا مجسم پتلہ ہے وہ تو ہی ہے جو غیر کی آنچ میں جلنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں آہ اصغر تیرے احسانوں میں جیتے جی دب گیا۔ تیرے نازک جسم نے کیونکران چوٹوں کی سہار کی ہوگی۔ او بات کے پکے او دُھن کے پورے۔ بیشک تو حق رفاقت ادا کر چکا۔ آہ میرے پاس کیا ہے جو تجھے دوں۔ کچھ نہیں ہے تو ضرور کہے گا کہ صفدر احسان فراموش تھا۔ لیکن ساتھ ہی تیرا ضمیر یہ بھی کہے گا کہ اصغر غریب اصغر مجبور و بیکس بھی تھا۔

آ میری جھولی خالی نہیں۔ کچھ دے دوں۔ دعائیں لیتا جا۔ اللہ تجھے خوش رکھے کمند حُسن کی تجھ تک رسائی نہ ہو۔ تیرا گلو خط شمشیر سے بے عیب رہے۔ نہ کسی کا منتظر ہو نہ کسی کی انتظار میں تیری آنکھیں پتھرائیں۔ نرگسی آنکھوں سے نہیں اُن میٹھی چھریوں سے اللہ تیرے کلیجے کو بچائے تیرا معصوم دل محبت کی کوفت اُٹھانے سے محفوظ رہے۔

اتنا کہکر اصغر کی ہچکی بندھ گئی۔ یامین بچہ ہی تھا۔ گھبرا کر خود بھی رونے لگا اصغر نے فرط بیتابی سے پھر یامین کو سینے سے لگایا اور کہا میرے اچھے پیارے اصغر ہمیشہ کے لیے تجھ سے رخصت۔ جا شوق سے گھر جا۔ اب تجھے کوئی نہیں مار سکتا۔ کیونکہ میرے پاس کوئی پیام نہیں رہا۔ آخر دونوں گلے ملکر بہت دیر تک روتے رہے۔ اُسکے بعد اصغر نے ایک پرچہ پر کچھ لکھ کر اُسکا تعویذ بنایا۔ اور یامین کے بازو پر باندھ دیا۔ اور کہا بس یہ لو اور آخری وصیت ہے اسے سُن لو اور گھر جاؤ۔ دیکھو

اس تعویذ کو کبھی اپنے سے جدا نہ کرنا اور نہ کبھی کھول کر دیکھنا۔ ہاں اُس وقت تمھیں اسکا دیکھنا فرض ہوگا۔ جب (خاکم بدہن) سلطان جہاں کی جان پر بنتی ہو بچہ کی عقل کام نہیں کرتی تھی کہ یہ کیا اجرا ہے وہ اسی طرح مبہوت و ششدر کھڑا تھا۔ جب وہ چلنے لگا تو اصغر نے پھر بلایا اور پیشانی پر کئی بوسے دیے اور کہا ہائے اب یہ صورت بھی خواب ہو جائے گی جسمیں سلطان جہاں کی بہت کچھ شبیہ ملتی ہے غرض یامین روتا ہوا بیٹھک سے باہر نکلا اور اصغر نے کواڑ بند کر لیے۔

(باقی آیندہ) مقرب حسین مقرب دہلوی

غزل

کون واقف ہے یہاں قبرِ دل بیمار سے
پوچھتا ہوں بیٹھکر ذرات کوے یار سے

ہو چکی ضد اب بگڑتا ہے نظام روز و شب
بس ہٹا لیں آپ گیسوے پریشاں رخسار سے

کیا کیا جان حزیں سے شوق باطن نے سلوک
پوچھ اے دل رہروانِ کوچۂ دلدار سے

کاٹ کے سر کاٹ دی قید غم ہستی مری
سیکھیے احسان کرنا اپنی ہی تلوار سے

آسے گی کیونکر قیامت دیکھ دنیاے عشق
اُٹھ رہی ہے لاش میری کوچۂ دلدار سے

ہو گیا برباد کس وحشی کا خوں بعد فنا
سُرخ اُٹھتے ہیں بگولے کوچۂ دلدار سے

بس خدا حافظ امیدیں ختم ہیں اے چارہ گر
اب سنبھالا بھی لیا جاتا نہیں بیمار سے

قدر کرنا ہے دل عاشق امین راز عشق
یہ کوئی یوسف نہیں لے آئے جو بازار سے

مر گیا وحشی در زنداں سے کیا ٹکرا کے سر
ایک سناٹا ٹپکتا ہے در و دیوار سے

اس طرح آئے شب وعدہ کہ عالم جاگ اُٹھا
اک قیامت کر دی تم نے شوخیِ رفتار سے

میرے سینہ پر نہیں داغِ غمِ پنہاں عیاں
عشق میں پائے ہیں تمغے حُسن کی سرکار سے

مر گیا بیمار آخر ہو گئی وعدہ کی شب
بل نکلتے ہی نہیں واں گیسوے خمدار سے

لے گیا عالم پہ تشریح اجزائے وفا
میری خاکستر کے ذرے کوچۂ دلدار سے

صدر بچنا اس زمانے کی ہوا اچھی نہیں
دوستوں کی دوستی سے کاوش اغیار سے

صدر الاسلام
صدر

غزلیات

حضرت حسرت موہانی

سخت مشکل ہے عشق یار کی شرط — جان زار و دلِ فگار کی شرط
دیکھ لیتے ہیں اب وہ نامۂ شوق — ہے مگر پھر بھی اختصار کی شرط
سب ہے منظورِ عشق ایک نہیں — سخن تلخ و ناگوار کی شرط
مستیٔ حسن کو ضرور نہیں — مئے رنگین خوشگوار کی شرط
بن گیا کام ہو گئی پوری — کرم یار بختیار کی شرط
کون پوری کرے تمھارے سوا — شوق بے صبر و بیقرار کی شرط

منزلِ عشق طے کرو حسرت
گُل کی یاں شرط ہے نہ خار کی شرط

حضرت صفی لکھنوی

یہ آہیں ناتوانی میں مریضِ بسترِ غم کی — ہوائیں ہیں محبت کے قیامت خیز عالم کی
کہاں تک ہر خوشی کے ساتھ ہو وابستگی غم کی — ذرا شیرازہ بندی دیکھنا اجزائے عالم کی
جو پلکیں سرنگوں ہیں تعزیت ہے کشتۂ غم کی — انھیں کے ہر اشارہ پہ صفیں الٹیں گی عالم کی
تلون ہے مزاجِ یار تجھ میں کس قیامت کا — بدلتی رہتی ہے فہرست موجودات عالم کی
بگڑ جاتے ہیں دیکھ اے چارہ گر ابکی اگر چھیڑا — یہ ٹھنڈی گرمیاں اچھی نہیں خوئے مرہم کی
وہ دمِ بیمار کا ٹوٹا وہ آئی آخری ہچکی — جھٹک کر کھول دی کس نے گرہ گیسوئے پرخم کی
سمجھ لے انتہا مایوسیوں کی چارہ گر اس کو — جگر کے زخم صورت دیکھ کر ہنستے ہیں مرہم کی
کسی بیمار کی ڈوبی ہوئی نبضیں ابھر آئیں — یہ پردہ میں تبسم کے کدھر بجلی سی اک چمکی

بخارات اُٹھے چھایا ابرِ رحمت ہوں متردامن
دہکتی آگ جاکر میں نے گُل کردی جہنم کی

دمِ آخر نہ پوچھو میرے حسرت ناک منظر کو
نظر آتی ہے مجھکو برہمی سی نظمِ عالم کی

جگر اللہ رے تیرے سینۂ لیشان محبت کا
جنھیں تیرِ غضب کے پھاہے سے بو آتی ہے مرہم کی

اُلٹ کر تختۂ گورِ غریباں کیا بلا ظالم
یہ تھی خلوت کی اک صحبت فلک تو نے جو برہم کی

صفی ہم کو زمانہ سے شکایت ہے تو اتنی ہے
ہماری زندگی میں قدر کی لیکن بہت کم کی

حضرت دل شاہجہانپوری

میں تیرہ بخت عکس ہوں گیسوے یار کا
چھایا ہوا ہے رنگ شبِ انتظار کا

تھا لطف آخری یہ نسیمِ بہار کا
گُل کر گئی چراغ ہمارے مزار کا

کُنجِ قفس نصیب ہے افصلِ گُل میں ہائے
رخصت ہوا ہمیں سے زمانہ بہار کا

پہلو میں کون جلوہ نما ہے کوئی نہیں
منہ تک رہا ہوں صبحِ شبِ انتظار کا

دیکھیں نصیب عشق میں ہوتا ہے یا نہیں
ہمکو سنبھالنا دلِ بے اختیار کا

کیا انقلاب ہے کہ وہی درد بنگیا
اب تک سکون تھا جو دلِ بیقرار کا

دیکھا تو شام ہی سے چراغِ سحر ہیں ہم
مشکل گذارنا ہے شبِ انتظار کا

دل کی تڑپ نے بلبلِ مجبور کردیا
عالم ہے اضطراب میں اب اضطرار کا

گذرا جو سر سے ضبط تو نالہ پکار اُٹھا
میں ہوں شریک گریۂ بے اختیار کا

یاد دلا رہی ہے نظر شوخیِ ستمگر
سب سے الگ ہی رنگ دلِ بیقرار کا

چمکے جو ہم تو صبحِ قیامت تھی سامنے
یعنی مآل تھا یہ شبِ انتظار کا

دریائے عشق کا وہ تلاطم زیادہ ہے
ہر موج میں ہے جوش دلِ بیقرار کا

ہیں واقعاتِ عشق کا نقشہ ہوں دیکھ لو
کل حال آئینہ ہے شبِ انتظار کا

خوش [illegible] نصیب
کاغذ پہ کھینچ کھینچ کے نقشہ بہار کا

کہتے ہیں لوگ حضرت دلؔ بھی ضمیر کو
یہ دوسرا ہے نام اسی خاکسار کا

حضرت عزیز لکھنوی

سوزِ غم دل سے اگر رو کے نکالا ہوتا — دیدۂ تر بھی اک اُبھرا ہوا چھالا ہوتا
چارہ سازوں نے تو اپنی سی بہت کی تدبیر — کبھی تم نے بھی مرے دل کو سنبھالا ہوتا
عکس یخ ڈال کے ساقی نے لگا دی اور آگ — شیشۂ مے کو مرے برف میں چھالا ہوتا
نور ہوتا مری آنکھوں کا نہ زائل ہرگز — نزع میں پرتوِ رخ تم نے جو ڈالا ہوتا
دل کو ہم زاویۂ ضبط کا موجد کہتے — جب نہ اس دائرہ سے پاؤں نکالا ہوتا
جمع کرتا میں اگر اپنے حواسِ مختل — چند اوراقِ پریشاں کا رسالا ہوتا
آج وہ حال تھا دل کا کہ الٰہی توبہ — تم نہ آتے تو زمانہ تہ و بالا ہوتا

غیر کو دیکھ کے کرتے وہ نظر کاش عزیزؔ
زنگ خوردہ ہی کوئی تیر نکالا ہوتا

حضرت آرزو لکھنوی

صبحدم نیرنگیِ آفاق کا منظر کھلا — آنکھ اپنی کیا کھلی گویا طلسمی در کھلا
چارہ گر یہ بھی نیا ہے جوشِ سودا کا علاج — جب ذرا بھڑکی کوئی رگ سامنے ہی نشتر کھلا
تیرگی اتنی کہاں تھی اس سے پہلے قبر میں — کس حسیں کے بال بکھرے کس حسیں کا سر کھلا
کونسا رکھا تھا پردہ تو نے یہ اے بیخودی — ہم سے پوشیدہ رہا حال اپنا اور سب پر کھلا
صبح اتنا جانتا ہے بس ترا محوِ جمال — رات بھر بندِ نقاب اکثر بندھا اکثر کھلا
چرچے لوگوں میں مری الفت کے اور مجھکو یہ سوچ — بھید یہ کس طرح پایا راز یہ کیونکر کھلا
بعد مرنے کے بھی برسوں تنگیِ زنداں رہی — جان اُس دن قید سے چھوٹی جو حلقۂ در کھلا
خوب دل بھی مجھکو سونپا حسرتِ دیدار نے — اتنا پردہ خیر آج اے دیدۂ تر کھلا

بے اثر کہتے ہو یوں کیا جذب شوقِ قتل کو — رکھ تو دیکھو تم کسی دن حلق پر خنجر کھلا
روز سے آتی ہے اتنا ہی تو سننے کی للک — پھر تو اس کوچہ میں آیا پھر ترا بستر کھلا

دل نہ اُس گیسو سے دم بھر کو چھٹا اے آرزو
جو ہزاروں مرتبہ کھلکر بندھا بندھ کر کھلا

حضرت محشر لکھنوی

مصیبت دل عارفتہ ایک ہو تو کہوں — مذاق کی نہیں باتیں ہیں سُن سکو تو کہوں
حواس آئیں تو اے چارہ گر سنوں تیری — کہاں یہ درد سے قابو میں سانس ہو تو کہوں
بیان حشر یہ کہتے ہی کہتے دن گذرا — تمہارے ہاتھوں جو گذری اگر کہو تو کہوں
نہ پوچھ چارہ گرو حال ہوں سراپا درد — زبان سے کسی ایذا کا نام لو تو کہوں
بیان حال میں کیونکر زباں کھُلے سرِ بزم — خدا کے واسطے اُٹھکر الگ چلو تو کہوں
کہانی دل کی سُنی چپکے بیٹھ کر تو کیا — کسی جگہ بُری اچھی میں بول اُٹھو تو کہوں
وہ اُنکا روکنا مجھکو اشاروں سے دم حشر — وہ اُن سے میرا یہ کہنا اگر کہو تو کہوں
نہ پوچھو شوق کی حالت جو بیٹھنا ہے خموش — خلاف ہی سہی لیکن جواب دو تو کہوں

وہ کہتے ہیں شب وعدہ کہو تو کچھ محشر
میں کہہ رہا ہوں کہ ارمان ایک ہو تو کہوں

حضرت راغب جیلانی

یہ کیا کہا کہ شکوہ فرقت نہ چاہیے — گویا مجھے خیال مصیبت نہ چاہیے
مانا کہ بیکسوں کو نہیں پوچھتا کوئی — لیکن تمھیں تو ہم سے یہ نفرت نہ چاہیے
الفت کا ترک چاہے جو ناصح تو کیا کہوں — دل ہی نہ چاہیے اگر الفت نہ چاہیے
کہتا ہے ہمارے آئینہ دل کو دیکھکر — کیا ایسی پیاری شکل سے الفت نہ چاہیے
ہنستا بھی دیکھ دیکھ کے دیوانہ پن مرا — پھر کہتے ہیں کہ حسن کی شہرت نہ چاہیے

ایسا نہ ہو کہ طرز جفا بھول جائیں آپ
ایسی ہمارے حال سے غفلت نہ چاہیے

دن میں فراقِ یار میں بدنامیِ حیات
اتنی بھی لے اجل مجھے فرصت نہ چاہیے

بے صبر کرتی ہے مجھے تیری نگاہ لطف
آنکھوں میں اسقدر بھی مروت نہ چاہیے

دل خون ہوگیا ہے مگر کچھ خبر نہیں
شاید ترے خیال سے فرصت نہ چاہیے

جب حسرتیں نگاہ سے ٹپکیں تو کیا کروں
کہتے ہو عرض شوق کی جرأت نہ چاہیے

ہے حسن بے وفا تو حسینوں کا کیا قصور
راغب تمھیں کو حسن سے رغبت نہ چاہیے

حضرت اظہر دہلوی

تم شب وصل جو پہلو سے نہ سرکے ہوتے
ٹکڑے اس طرح نہ ظالم مرے سر کے ہوتے

اک نشانہ ہی میں دل اور جگر چھلنی ہیں
تیر فولاد سے ہے کیا۔ تیرِ نظر کے ہوتے

بعد مرنے کے بھی مٹی میں ملاتے جاتے
کاش با رخصت وہ مجھے دفن بھی کرکے ہوتے

پھر بھی مرتے تو اُسی دشمنِ جاں پر مرتے
زندہ سو بار بھی دنیا میں جو مر کے ہوتے

پھر یہ اسطرح سے رسوائی نہ ہوتی گھر گھر
تم جو لے جان جہاں ایک ہی گھر کے ہوتے

شمس بے نور ہے۔ اُس رخ کی ضیا کے آگے
ماند ہے ماہ مرے رشک قمر کے ہوتے

بے وفائی کے پروں سے جو یہیں اُڑتے ہیں
کاش ان پریوں میں انداز بشر کے ہوتے

زاہدا حسن ہی کچھ دہر شکن ہے اُسکا
پھر فرشتے نہیں کیوں؟ ایسے بشر کے ہوتے

انکو دیوانے کہا کرتے ہیں دیوانہ عشق
کعبہ و دیر گئے۔ جو ترے در کے ہوتے

کاش تم غیر ہی سے بات نباہے جاتے
جو ادھر کے نہ ہوئے تھے تو ادھر کے ہوتے

تیر تیرے ہیں مریجاں مرے مہمانِ عزیز
پھر کہیں جائیں یہ کیوں؟ میرے جگر کے ہوتے

کوئی قیمت نہیں اب جنس وفا کی۔ یعنی
باوفا ہیچ ہے اب صاحب زر کے ہوتے

حسن اور عشق جو دنیا میں نہ ہوتے اظہر

دل کے قصے۔ نہ قضیے یہ جگر کے ہوتے!

حضرت ناطق لکھنوی

ہو گئے جمع خیالات پریشاں ہم سے
آ کے خلوت میں بھی ملتا ہے بیاباں ہم سے

ضبط نے نفس کشی کی جو بنا ڈالی ہے
اپنے جی میں ہیں سب ارماں ہراساں ہم سے

درد نازاں کہ بدلوائی ہے کروٹ ہم نے
ہم ہیں شاداں کہ ہوا کار نمایاں ہم سے

سارا عالم ہوا جاتا ہے فنا کیا معنے
بات یہ ہے کہ ہر اک شے ہے گریزاں ہم سے

عشق میں اتنا زمانہ نہیں گذرا ہے کہ لوگ
پوچھنے آتے ہیں اس درد کا درماں ہم سے

قیس سودائے غم گیسوئے لیلے کے لیے
لیگیا چند خیالات پریشاں ہم سے

ضبط کی جب سے خبر ہو گئی اسکے دل کو
جی میں ناخوش ہے ہمارا غم پنہاں ہم سے

پردہ راز حقیقت ہے حجاب ہستی
روح کے مثل ہے قالب میں وہ پنہاں ہم سے

کوئی ناقوس و جرس کی نہیں کرتا فریاد
ہم جو نالاں ہیں تو ہر شخص ہے نالاں ہم سے

شہرہ کیوں حشر کا اتنا ہے کہ محشر ہے وہیں
ہو گئے جمع جہاں چند پریشاں ہم سے

ایک ہچکی میں ہم آزاد ہیں ناطق لیکن
شرم ہے ہم کو کہ وابستہ ہے زنداں ہم سے

حضرت بلیغ لکھنوی

جان جبتک نہ گئی درد نہ دل کا ٹھہرا
جو ٹھہرتا تھا نتیجہ وہ نتیجہ ٹھہرا

کہیں دم بھر بھی جو دیوانہ تمھارا ٹھہرا
بند گلیاں ہوئیں چلنا ہوا رستا ٹھہرا

پوچھو وحشت نوردوں سے خلش کی لذت
جو کہ تلووں میں چبھا دل میں وہ کانٹا ٹھہرا

انقلابوں نے زمانے کے بہت بدلے رنگ
کسی عالم میں مگر دل نہ ہمارا ٹھہرا

کم حقیقت نہیں سجادہ نشین الفت
یہی کیا کم ہے کہ دیوانہ تمھارا ٹھہرا

نور رخ ہی تھا جو خلوت کدے میں کام آیا
وہ بیاں دوست کے منہ کو کوئی نہ پردہ ٹھہرا

لوٹے قاتل میں کسی روز تو ہو جائینگے قتل   جبکہ اپنا وہی ہر روز کا رستا ٹھہرا

یہ بھی جاتی ہوی دنیا کا ہے اک رنگ بلیغ
وقت بد میں نہ کوئی دوست ہمارا ٹھہرا

حضرت بیخود موہانی

کہے یہ کون مکاں اپنا لامکاں اپنا   ازل کے بعد سے ملتا ہے کچھ نشاں اپنا
کھلا ہے ہم پہ تو عرفاں کی انتہا پہ یہی   یہ تُو نہیں ہے خیال اپنا ہے گماں اپنا
قفس میں بھی جو رہا آشیاں میں دل تو کھلا   قفس تھا وہ جسے سمجھے تھے آشیاں اپنا
نہیں خیال نشیمن ملال ہے تو یہ ہے   کہ ہم نے آپ اُجاڑا ہے آشیاں اپنا
یہ پوچھتا ہے کہ کیوں دل میں ہے اک آگ لگی   یہ دیکھتا نہیں جلتا ہے آشیاں اپنا
گری تھی کوند کے بجلی کبھی مگر تا حشر   یہ دیکھتے رہے جلتا ہے آشیاں اپنا
ہے کچھ تو بات کہ دعوی ہے اک جہاں کا بھی   کہ ہے وہ اپنا زمیں اپنی آسماں اپنا
نظر بھی نامۂ اعمال پہ جم کر نہ سکے   تھا حال اپنا زباں اپنی پھر بیاں اپنا
ہمارے رنج کی گنجایش اور دل میں کہاں   د سر کو پھوڑ کے مر جائے رازداں اپنا
ہر ایک گام پہ ہر سمت میں سجود نیاز   دیار دوست کو جاتا ہے کارواں اپنا
در رقیب پہ سجدے میں آہ دم توڑیں   جو کہتے تھے کہ سر اپنا ہے آستاں اپنا
ہر ایک سانس پہ گھبرا کے دل یہ کہتا ہے   رکے گا کونسی منزل میں کارواں اپنا
ہر ایک حرف پہ ہیں احترام کے سجدے   ہوا ہے پھر دل آگاہ ہم زباں اپنا
عدم سے پہلے کی حالت عدم کے بعد کا حال   مجھی سے پوچھ کہ میں ہی ہوں رازداں اپنا

ابھی جمال سے پردے ہزار باقی ہیں
حریم دوست میں بیخود گزر کہاں اپنا

حضرت آشفتہ لکھنوی

قیامت آئے گی ضد سے جنون فتنہ سامانکی　　اڑیں ہیں کچھ فضا میں دھجیاں میرے گریباں کی
بہت کچھ مطمئن تھا ذبح کرنے میں مرا قاتل　　نگاہ یاس نے لیکن وہ جمعیت پریشاں کی
دلوں کی خیر ہو برہم مزاج حسن ہے شاید　　ادا سکھلا رہی ہے آج یہ زلف پریشاں کی
چلا ہوں امتحاں گاہ وفا میں لیکے اک عالم　　کوئی تصویر لے لے آج میرے ساز و سامانکی
دل بیتاب کے اجزا نے باہم جب رگڑ کھائی　　شب غم ہم نے ہاں ہاں آہ کی اوساہ شونکی
فضا کا ذرہ ذرہ جل گیا جبتک تو نہ دے نکلے　　دل خوں گرم میرے بات ہے کیا آہ سوزانکی

ئلہ خان بہادر جناب منشی سید التفات رسول صاحب تعلقدار آنریری منصف و آنریری مجسٹریٹ سندیلہ بانی مشاعرہ سندیلہ

ہوائے شوق سے جب اعتدال ہوتا ہے　　تو خود مریض کا چہرہ بحال ہوتا ہے
زبان سے تو کب اظہار حال ہوتا ہے　　نگاہ شوق سے پیدا سوال ہوتا ہے
وہ جوش عشق کا وہ ولولے شباب کے ہائے　　یہ جانتے ہی نہ تھے کیا مآل ہوتا ہے
نکل کے آنکھ سے آنسو جواب دیتے ہیں　　وہ مسکرا کے جو پرسان حال ہوتا ہے
تمہیں علاج کرو کچھ مریض الفت کا　　تمہیں کو دیکھ کے چہرہ بحال ہوتا ہے
خرام ناز میں جو محو ہیں وہ کیا جانیں　　کہ کس غریب کا دل پائمال ہوتا ہے
نوید وصل بھی رشک آفریں ہے کس درجہ　　مری خوشی سے جہاں کو ملال ہوتا ہے
وہ خود ہی شوق جفا میں ہیں اسطرح بیچین　　جو چوٹ کھائے ہوئے دل کا حال ہوتا ہے
دکھا کے جلوہ جو حیرت میں ڈالدیتے ہیں　　رگوں میں خون کا دورہ محال ہوتا ہے
یہ کہہ رہے ہیں یک امیدوار کے تیور　　کہ اب زبان پہ اب سوال ہوتا ہے
میں ٹھنڈی سانس بھی اس ڈر سے لے نہیں سکتا　　کہ بدگمان وہ نازک خیال ہوتا ہے
نعل کے جانے کا اے منشی ملال کرو　　کہ صدقہ جان کا دنیا میں مال ہوتا ہے

ئلہ چونکہ صاحب مشاعرہ کی غزل وقت پر نہ آسکی اسلیئے گذشتہ پرچہ میں درج نہ ہوسکی۔

میں ایک کروڑپتی خوبصورت نوجوان ہوں

اور ایک نہایت حسین لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ وہ لڑکی پریجمال صابون استعمال کرتی ہو (حسن دولت سے بڑھکر ہے)

پریجمال صابون کیا ہے!

ایک خاندانی طبیب کی ایجاد ہے!

جو چہرے کو خوبصورت بنانے والا حسن و خوبصورتی پیدا کرنے والا سات روز ملکر نہانے سے کالا رنگ کملایا ہوا چہرہ گلاب کی پتی کے مانند خوبصورت اور مخمل کے مانند ملائم ہو جاتا ہے۔ چہرے کے تمام داغ دھبے جھائیاں جلسے دور ہوکر شنجرف کی سی سرخی آنے لگتی ہے پھوڑے پھنسیاں چند روز کے استعمال سے جاتی رہتی ہیں فی بکس تین ٹکیہ مع صابون دانی ایک روپیہ (عہ)

روغن پری بہار گیسو دراز

یہ لاجواب سر میں لگانے کا خوشبودار پری بہار تیل بالوں کو خوشنما بنا دیتا ہے۔ لمبے و خوبصورت بال مردوں و عورتوں کے حسن و جمال کی رونق بڑھاتے ہیں اسکے استعمال سے بال لمبے اور ریشم کیطرح ملائم ہوکر نرم لچکدار بن جاتے ہیں۔ فی شیشی ۱۰ تولہ ایک روپیہ (عہ)

حب مقوی باہ

اعضائے رئیسہ کو تقویت دے کر قوت باہ پیدا کرتی ہے۔ سستی کو چست کرتی ہیں مختصر ... فی شیشی ۳۲ گولی۔ ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ)

سرمہ مقوی بصر

یہ خاص خاندانی نسخہ ہے۔ اسمیں جواہرات شامل ہیں آنکھوں کے تمام امراض میں مفید ہے بینائی کو قوت دیتا ہے ابتدائی نزول آب میں مفید ہے۔ جالا۔ دھند۔ ظلمت چشم دھلکا کو مفید ہے روشنی بڑھاتا ہے۔ فی شیشی ۶ ماشہ ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ)

بڑی فہرست مفت ملتی ہے

حکیم محمد یعقوب خان مالک دواخانہ نور تن دہلی بازار فراش خانہ

اب بھی جو مریض مبتلائے امراض رہیں تو اسکو بجز بد قسمتی اور کیا کہنا چاہیے

اکسیر حیات فیصد اللہ جو کل امراض پر بموجب ہدایت کے استعمال کرنے سے اثر کیمیاوی کیا بلکہ شل بکلی اندر تین یوم کے مرض چہارم حصہ بھی نہیں رہتا ہے آزمائش شرط ہے کیونکہ اسمیں جو ایسی نباتات کا ہے جو عموماً کمیاب ہے اور انسے ملتی ہے فوائد کے مقابل قیمت کچھ بھی نہیں رکھی گئی ہے مختصراً ذکر کردیا بقیہ کے مشتے نمونہ از خروارے مفصل کے لیے ہمارا نسخہ نامہ جس میں صدہا ادویات نادرہ ہیں پرچہ ترکیب طلب کرکے ملاحظہ کریں۔

مصفی۔ مولد خون۔ مبہی۔ مشتہی۔ مقوی اعضاء رئیسہ۔ مجلی بصارت۔ دافع امراض نا مبارک۔ آتشک۔ سوزاک خرابی خون۔ داد۔ خارشت۔ پھوڑا پھنسی۔ برص۔ جذام۔ سستی وکاہلی۔ درد بدن۔ کمر پیشت۔ شکم۔ ورم اورام بدن۔ دشمن اوجاع مفاصل۔ جریان۔ سرعت انزال۔ احتلام بخار۔ کھانسی۔ دمہ۔ ہیضہ۔ طاعون۔ آشوب چشم۔ ڈھلکا۔ جالا۔ دھند۔ خارشش۔ سرخی چشم۔ لکنت گونگا۔ امراض معدہ۔ استسقا۔ بواسیر۔ دبہ اطفال۔ قاطع سیلان الرحم۔ احتباس النفاس۔ وغیرہ اکسیر حافظہ۔ اکیس ۲۱ خوراک عہ۔ طلبا سے نصف قیمت

المشتہر العباد چودھری دیبی پرشاد بلگرامی شہر لکھنؤ گنگا پرشاد روڈ کوٹھی لال پردہ پوسٹ نمبر ۱۱

تمدن بک ایجنسی لکھنؤ

ناولہائے قاری۔ قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) کے اخلاقی ناول سعید۔ سعادت شاہد رعنا جو دوبار چھپکر قدر دانوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں اب ایک مجموعے کی صورت میں چھپوائے گئے ہیں۔ ۳۰۰ صفحہ کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور جسمیں مصنف کی ایک تصویر بھی ہے قیمت ... ۱۲؎

اسلام بانی قاری۔ قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) سیاح جاپان و انگلستان کے انگریزی زبان میں متصوفانہ مضامین کا مجموعہ یہ مضامین بڑی قدر کے ساتھ امریکہ کے مشہور رسالوں میں چھپے تھے اب دوبارہ چھپاکر نہایت خوبصورت جلد میں ہدیۂ شائقین کیے جاتے ہیں قیمت میں بھی تخفیف کردی گئی ہے اور اب تا اطلاع ثانی اسکی قیمت مع محصولڈاک ۱۲؎ ہے

کتب ذیل کی قیمت میں انتہائی تخفیف کردی گئی ہے

اور ان میں سے بیشتر کسی دوسری جگہ سے اس قیمت پر دستیاب نہیں ہوسکتیں

خیالستان۔ ملک کے بہترین ادیب سید سجاد حیدر صاحب بی۔ اے (علیگ) کے ہردلعزیز مقبول عام مضامین کا مجموعہ جو ہندوستان کے بہترین ادبی پرچوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اصل قیمت ۱۲؎ رعایتی ۱۰؎

ناول

فرائض معلمہ یعنی تربیت اولاد کا ایک دلچسپ قصہ ترجمہ مولوی سید جلال الدین حیدر ایم۔ اے صفحات ۱۵۰ اصل قیمت ۸؎ رعایتی ۶؎

تماشاگاہ عالم۔ ہندوستانی زندگی کا ایک نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز افسانہ مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب اصل قیمت ۱۲؎ رعایتی ۱۰؎ صفحات ۲۸۸

ستم ظریفی دہر۔ حمیدہ بیگم کے مصائب اور وفاداری کی داستان۔ شریف النسائی خوفناک کج ادائیوں کا انجام مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب اصل قیمت ۸؎ رعایتی [illegible] صفحات [illegible]

گودڑی کا لال۔ ایک نہایت دلچسپ اخلاقی تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کا ایک طبعزاد فسانہ کہ جس میں ایک ہندوستانی خاندان کی حسن معاشرت کو نہایت خوبی سے قلمبند کیا گیا ہے جو پہلے سلسلہ وار اخبار شریف بی بی میں کئی سال تک شائع ہوچکا ہے مصنفہ جناب محترمہ والدہ صاحبہ سید محمد افضل علیصاحب بی۔ اے حصۂ اول و دوم صفحات ۹۴۲ قیمت ہر دو حصہ ۱۲؎

تاریخ

علمائے سلف۔ مولانا محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ کی مشہور تصنیف جسمیں علماء اسلام کے حالات درج ہیں اصل قیمت ایک روپیہ رعایتی ۸؎

قدیم ہندوستان کی تہذیب [illegible] آریاسی۔ دت کی [illegible] [illegible] قیمت [illegible]

تذکرۂ امیر۔ امیر عبدالرحمٰن خاں صاحب مرحوم کی سوانح عمری مصنفہ منشی محبوب عالم صاحب اصل قیمت عہ رعایتی عہ

سفرنامہ یورپ بلاد روم وشام ومصر	یعنی منشی محبوب عالم صاحب اڈیٹر پیسہ اخبار کا مشہور

سفرنامہ اصل قیمت للعہ رعایتی عہ صفحات ۹۷۰

طب

ہومیوپیتھک علاج النسواں۔ مولفہ حکیم خادم حسین صاحب شاہ آباد ضلع ہردوئی مجلد اصل قیمت ۱ رعایتی ۱۲ر

قرابادین حسینی۔ مولفہ حکیم ڈاکٹر نور حسین صاحب اصل قیمت عہ رعایتی ۲ر

کیا میں تندرست ہوں یا بیمار	مشہور ڈاکٹر روبی ٹمنی کی تصنیف کا ترجمہ (ہر شخص کیلئے مفید کتاب)

رعایتی قیمت ۱ر

ادبی جواہر ریزے

ایک شاعر کا انجام (ناول) حضرت نیاز کی معجزانہ تحریر کا بہترین نمونہ سراپا وجد بنا دینے والے تخیلات سحر حلال حُسن و عشق کی نیرنگیاں قیمت رعایتی ۸ر

جذبات بھاشا۔ بھاشا (ہندی) زبان کے شیریں و دلکش نازک تخیلات کا مرقع اردو زبان میں ایک بہترین اضافہ بھاشا زبان کے دلکش و دلفریب اشعار کی توضیح و تشریح اور وہ بھی حضرت نیاز کے دلگداز قلم سے قیمت فی جلد رعایتی ۸ر

عالم خیال۔ (با تصویر) حضرت شوق قدوائی لکھنوی کی بے بدل ادبی صناعی کا دلکش مجموعہ ایسی دلچسپ اور معنی خیز نظمیں اردو زبان میں اس سے پہلے شائع نہیں ہوئیں۔ اسکے ساتھ چار ریویو بھی ملک کے منتخب اہل قلم کے شامل ہیں جو نظم کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہیں اور انکی رائے ہے کہ اردو تو اردو اور مغربی زبانوں (مثلاً انگریزی وغیرہ) میں بھی ایسی اعلیٰ پایہ کی نظمیں موجود نہیں چھپائی دیدہ زیب قیمت فی جلد ۲۰۰۶

آئینہ جنگ یورپ۔ موجودہ جنگ مغرب کی ایک مفصل اور مضبوط ڈائرکٹری جس میں اسباب جنگ حریفوں کی جنگی قوتوں وغیرہ متعلقہ امور سے دلچسپ بحث کی گئی ہے صفحات ایکسوا قیمت صرف ۴ر

السنۂ مشرقیہ۔ عربی سنسکرت اور فارسی زبانوں کی دلچسپ تاریخ ہر زمانہ کی ترقی و تغیر اور زبان کے نمونے نہایت عمدہ تحقیق سے لکھے گئے قیمت صرف ۶ر

برکات سلطانی۔ علیا بیگم صاحبہ والی بھوپال کی روشن زندگی کے کارنامے اور ان کی علمی و اسلامی خدمات کا مرقع با تصویر پڑھنے کے قابل کتاب ہے قیمت صرف ۶ر

جذبات مسلم۔ ۸۲ قومی اور معنی خیز منظومات کا دلچسپ اور دلکش مجموعہ ہر ایک مسلمان کے مطالعہ کے قابل بقول ایڈیٹر زمیندار اسلام کے جذبات سالقہ کا ایک دلفریب مرقع حقیقی و ولولہ انگیز اسلامی نظموں کا ایک بہترین مجموعہ۔ مع ضروری حاشیہ مبسوط مقدمہ ظاہری و باطنی خوبیوں کا گنجینہ حجم ۵۰ صفحات اصل قیمت عہ رعایتی عہ

شکوہ۔ ڈاکٹر اقبال کی مشہور معنی خیز نظم قیمت

عذر شکوہ۔ شکوۂ اقبال کا جواب قیمت

پتہ کا دفتر رسالہ تمدن کی صدوں سے

المذہب

اس نام کا ایک ماہواری رسالہ معقول تعداد خریداروں کی مہیا ہونے پر دفتر رسالہ "تمدن" پل جھاؤلال لکھنؤ سے بسرپرستی قاری محمد سرفراز حسین صاحب دہلوی (علیگ) سیاح جاپان و انگلستان - پرائیوٹ مشنری اوف اسلام انشاء اللہ عنقریب جاری کیا جائے گا۔

اس رسالہ میں ایسے مضامین درج ہوں گے جن میں مذہب کی خوبیاں فلسفہ عقلی سائنس اور دیگر جدید علوم کی روسے بیان کی جائیں گی اور تعصب فرقہ بندی اور دل آزاری کی رکیک باتوں سے قطعاً احتراز کیا جائے گا نیز یہ کوشش کی جائے گی کہ جدید علوم کی روشنی میں عقل و نقل کو جمع کر کے انسانوں میں اعلےٰ روحانی اور اخلاقی جذبات پیدا کیے جائیں حقائق و فضیلت اسلام کا ظاہر کرنا اس رسالہ کا ممتاز فرض ہوگا مگر دیگر مذاہب کی خوبیوں سے ہرگز ہرگز چشم پوشی نہ کی جائے گی اور جملہ ادیان و ملل کے ساتھ کماحقہ انصاف کیا جائے گا۔ دراصل یہ رسالہ ایک آئینہ خانہ ہوگا جس میں ہر مذہب کا خط و خال نمایاں ہوگا۔

قیمت سالانہ ؎ نمونہ کے پرچہ کی قیمت ۴؍

فہرست ناظم المذہب پل جھاؤلال لکھنؤ ارسال فرمائی جائیں

دوائیوں کے تیل

مذکورۂ ذیل دوائیوں کے تیل دوائیوں تیل کے دو تین بوند ۳۵ بازآرہ سیر دوا کے فائدہ دیتے ہیں اور کوٹنے پیسنے کی تکلیف سے بچتے ہیں۔ اور آسانی سے پی سکتے ہیں۔

(۱) **روغن صندل** ۔ سوزاک کے لیے نہایت درجہ مفید ہے قیمت فی شیشی ۶ر
محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ ۵ر

(۲) **اجوائن کا تیل** ۔ قے اور بدہضمی کی ایک ہی دوا ہے قیمت فی شیشی ۲ر محصول ۵ر

(۳) **روغن سونٹھ** ۔ یہ بھوک کو بڑھاتا ہے اور ریاح کو خارج کرتا ہے قیمت فی شیشی ۵ر
محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ ۵ر

(۴) **روغن سونف** ۔ پیٹ پھولنا اور دست وغیرہ کے لیے مفید ثابت ہوا ہے قیمت فی شیشی ۴ر
محصول ایک سے چار شیشی تک ۵ر

(۵) **روغن دال چینی** ۔ یہ دال چینی کے ملائم چھلکوں سے بنا ہے اور یہ چیز نہایت خوشبودار ہے قیمت فی شیشی ۲ر محصول ایک سے چار تک ۵ر

(۶) **روغن لونگ** ۔ متلی اور ریاح کو دفع کرتی ہے اور درد شکم و بدہضمی کو مفید ہے
قیمت فی شیشی ۲ر محصول ۵ر

(۷) **روغن لیمو** ۔ ہرے گویا ابھی درخت سے ٹوٹے ہوئے لیمو کا خوشبو دیتا ہے قیمت
فی شیشی ۶ر محصول ۵ر

(۸) **روغن پیپرمنٹ** ۔ پیٹ کے درد بدہضمی اور ریاح کے خارج کرنے میں یہ ایک بہت
مشہور دوا ہے قیمت فی شیشی ۱۰ر محصول ۵ر

(۹) **روغن الائچی** ۔ متلی اور ہچکی کو بند کرتی ہے اور بھوک بڑھاتی ہے قیمت ۸ر محصول ۵ر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

اکتوبر ۱۹۱۶ء
۱۳۳۴-۱۳۳۵ھ
جلد ۲ نمبر ۷

تمدن

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی۔ اور علمی مضامین کا مخزن

ایڈیٹر۔ ایم۔ اے۔ قاری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قاری محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

	صفحہ
حقیقت زمین ۔ "مخمص"	۱
پروانہ (نظم) سید محمد اسمٰعیل صاحب رسا ہمدانی گیاوی	۶
نگاہ بلطف کے امیدوار ۔ م ۔ م	۷
عدالت اسلام (نظم) حکیم مظفر حسین صاحب احسن دہلوی	۱۴
فلسفۂ کشش حسن ۔ حافظ امام الدین صاحب اکبرآبادی	۱۵
واردگیر ۔ ب	۲۰
خانہ جنگی ۔ حکیم مظفر حسین صاحب احسن دہلوی	۲۵
قلب ۔ سید ظفر احسن صاحب علوی	۴۱
ہلال عید (نظم) ۔ مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی	۴۳
واردات فراق پر ایک نظر ۔ ایک ناظر	۴۵
ناجائز تقلید ۔ مسز مرزا حسین علی بیگ صاحب از بیگم	۴۸
بعض مسائل حکمیہ پر ایک نظر ۔ مولانا نیاز محمد صاحب نیاز فتحپوری	۴۹
شہید ناز کی فاتحہ ۔ مقرب حسین صاحب مقرب دہلوی	۵۶
غزلیات ۔ حضرات بیباک شاہجہانپوری ۔ حسرت موہانی ۔ دل شاہجہانپوری ۔ محشر لکھنوی ۔ ثاقب قزلباش لکھنوی ۔ سراج لکھنوی ۔	۶۰

پبلشر محمد عباس حسین قاری
نادرن انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا
پرنٹر نواب علی
قیمت سالانہ ۳ ؎ مقام اشاعت پل چھاؤلال لکھنؤ نمونہ کے پرچہ کی قیمت ۴ ؍

قواعد

(۱) "تمدن" ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے۔

(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر برا اثر پڑے یا ذاتیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے ہوئے ہوں درج "تمدن" نہیں ہو سکتے۔

(۳) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۵ تاریخ تک آ جانے چاہئیں۔

(۴) جو مضامین کسی دوسرے رسالے میں شائع ہو چکے ہوں ان کو "تمدن" کے لیے ارسال نہ کرنا چاہیے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاک خانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی نمبر نہ پہنچے تو اسی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک طلب کریں۔ ورنہ پھر چار آنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا۔

(۶) نا تمام مضامین "تمدن" کے لیے ارسال نہ کرنے چاہئیں۔

تمدن

حقیقت زمین

(حکمائے قدیم کی نقطۂ نظر سے)

ہم لوگ زمین پر رہتے بستے اور چلتے پھرتے ہیں۔ لیکن اس کی حقیقت سے بہت کم واقف ہیں حالانکہ مدتوں سے اس پر بحث ہوتی چلی آئی ہے۔ اور حکمائے قدیم نے بھی زمین کے متعلق مختلف رائیں ظاہر کی ہیں۔ اور جدید حکمائے یورپ نے بھی۔ لہذا ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے بعض اقوال قدیم حکماء کے زمین کے حقیقت کی نسبت لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ الم نجعل الارض مہادا والجبال اوتادا۔ ترجمہ۔ کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناءً۔ ترجمہ اور اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا

اور فرماتا ہے:۔ "واللّٰہ جعل لکم الارض بساطاً" یعنی اللہ نے تمھارے لیے زمین کو بساط (بچھونا) بنایا ہے۔ مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے لکھا ہے کہ مہاد اور بساط اس ہموار اور کشادہ بچھونے کو کہتے ہیں جس پر کوئی چیز ٹھہر سکے اور قرار پکڑ سکے۔ اور اس میں متصرف ہو سکے یعنی اس پر تعمیر مکان وغیرہ ممکن ہو اور کتب لغت میں مہاد۔ بساط۔ فراش۔ کے ایک ہی معنی ہیں۔ چنانچہ صاحب منتخب جہانگیری لکھتا ہے۔ "بساط بفتح زمین فراخ و ہموار و بالکسر گستردنی چون حصیر (چٹائی) و بستر" اور کہتا ہے:۔ "مہاد بالکسر بستر و بساط و فرش" الخ

غرض یہ تو حکیم علی الاطلاق کا ارشاد تھا۔ مگر حکماء نے زمین کی ہیئت و شکل کے بارہ میں بہت اختلاف کیا ہے۔ بعض نے تو کہا ہے کہ زمین مبسوط یعنی فرش کی طرح بچھی ہوئی ہے۔ اور اس کی سطح مستوی یعنی برابر ہے۔ جس طرح لکڑی کا تختہ ہوا کرتا ہے۔ اس کی چار جہتیں ہیں۔ مغرب۔ مشرق۔ جنوب۔ شمال۔ اور بعض حکماء نے خیال کیا ہے کہ وہ دسترخوان کی طرح ہے کہ طول زیادہ اور عرض کم ہے۔ اور انھیں حکماء میں بعض ایسے ہیں جنھوں نے یہ گمان کر لیا کہ وہ طبل یعنی ڈھول کی صورت ہے اور بعض حکماء اس طرف گئے ہیں کہ نصف کرہ سے مشابہ ہے یعنی جیسے قبّہ ہوتا ہے۔ اور آسمان اُسکے اطراف (کناروں میں) جڑا ہوا ہے۔ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ زمین مستدیر یعنی بالکل کرہ کی طرح گول ہے۔ اور آسمان ہر طرف سے اُسکے گرد اس طرح محیط (گھرا ہوا) ہے جس طرح کہ انڈے کا چھلکا اُس کی زردی پر چھایا ہوا ہوتا ہے گویا زمین انڈے کی زردی ہے اور سفیدی

[illegible] ۱۵ [illegible] و زردی [illegible] الدلائل۔

پانی ہے اور چھلکا آسمان ہے البتہ انڈے اور زمین میں فرق صرف اسقدر ہے کہ اول الذکر میں کسی قدر لمبا پن ہوتا ہے اور زمین میں یہ لمبوترا پن نہیں ہے بلکہ وہ گیند کی طرح گول ہے کسی طرف سے اُسکی گولائی میں نقص نہیں ہے۔ نہ لمبا پن ہے نہ چپٹا پن ہے اور وہ یہاں تک سڈول ہے کہ بقول بعض مہندسین اگر زمین کے کسی نقطۂ ریاضی پر ایک جانب سے گڑھا کھودا جائے تو وہ دوسرے رخ تک پار ہو جائے گا۔ مثلاً اگر سرزمین اندلس میں ایک سوراخ بخط مستقیم کیا جائے تو یقیناً وہ سوراخ سرزمین چین تک وار سے پار ہو جائے گا۔

اور بعض حکماء کا خیال ہے کہ زمین ٹھوس نہیں بلکہ مقعر ہے یعنی اُسکے اندر خلا ہے جس طرح آبخورا اندر سے نالی اور اوپر سے گول ہوا کرتا ہے۔

زمین کی تعداد

جس طرح زمین کی ہیئت میں اختلاف ہوا ہے اسی طرح اسکی تعداد میں بھی کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ لیکن حکیم جلیل یعنے اللہ تعالیٰ جس سے بڑھکر سچا اور کوئی نہیں یوں فرماتا ہے الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن اللہ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور اتنی ہی زمین۔ یہ تمثیل جس طرح زمین کے اعداد کے لیے شاہد ہوسکتی ہے اُسی طرح اُسکے طباق یعنی طبقہ بہ طبقہ ہونے پر شاہد ہے یعنی جس طرح کہ آسمان تہ بہ تہ ایک کے اوپر ایک ہے اور مجموعی تعداد اُنکی سات ہے اسی طرح زمین کی مجموعی تعداد اور بنوٹ بھی ایسی ہی ہے جیسے پیاز کا چھلکا ایک کے اوپر ایک ہوا کرتا ہے اور بعض احادیث میں مذکور ہے کہ زمینیں ایک پر ایک واقع ہوئی ہیں اور شالی ہر زمین کی اتنی ہے کہ پانچسو سال کی رفتار میں طے ہو۔ اور ہر ایک طبقۂ زمین کے رہنے والے بھی الگ الگ ہیں اور وہ اپنی ہیئت و صفات کے لحاظ سے بھی عجیب غریب ہیں

اور ہر ایک زمین ایک خاص نام سے موصوف ہے۔ اور زمین کے طبقۂ چہارم
میں اہل دنیا رہتے سہتے ہیں۔

وہب۔ اور کعب و مقاتل وغیرہ کا قول ہے کہ ہر طبقۂ زمین پر
ایک ایسا ہی آدم ہوا ہے جیسا آدم ہمارے ہاں ہوا ہے اور اسی طرح
نوح جیسا ہمارے طبقۂ زمین پر گذرا ہے اسی طرح ایک ایک نوح تمام
طبقات ارض میں ہوا ہے۔ اسی طرح ابراہیم وغیرہ۔ واللہ اعلم اور یہ
اُن فلاسفہ کے قول سے زیادہ تعجب خیز نہیں ہے جن کا یہ مذہب ہے کہ
دنیا میں بکثرت سورج اور کثیر التعداد چاند ہیں۔ گویا ہر اقلیم زمین کے
سورج اور چاند اور ستارے الگ الگ ہیں۔

اور قدماء نے کہا ہے کہ زمین بالکل ایک دوسرے سے مجامد (ملی ہوئی اور
جُڑی ہوئی) سات ہیں اور اُنہیں میں بھی سب کی جداگانہ اور جدا جدا طرز کی ہیں۔

اور بعض کا قول ہے کہ زمین سات ہیں۔ مگر اونچائی نیچائی کے لحاظ سے
جیسے زینے اور سیڑھی کے درجے ہوا کرتے ہیں۔

اور بعض حکماء کا گمان ہے کہ زمین پانچ منطقوں پر تقسیم ہے منطقۂ شمالی
منطقۂ جنوبی۔ منطقۂ مستوی۔ منطقۂ معتدلہ۔ اور منطقۂ وسطی۔

اور اس میں بھی اختلاف ہوا ہے کہ زمین کی آبادی کتنی ہے۔ چنانچہ
مکحول نے کہا ہے کہ اوپر سے نیچے تک پانسو سال کی مسافت میں ہے۔ دوسو
سال کی مسافت (۲) حصۂ زمین سے پانی میں اور دوسو سال اُس حصہ پر
جہاں کوئی نہیں رہتا اور اسی سال کی مسافت اُس حصہ میں جہاں یاجوج
ماجوج ہیں اور بیس سال کی مسافت اُس زمین میں جہاں ساری مخلوق
بستی ہے۔ اور قتادہ نے کہا ہے کہ چوبیس ہزار فرسخ کے دور میں زمین واقع ہے

۱؎ اسرائیلی علماء اسلام ہیں۔ یہاں تک قدر روایات اسلام سے پہلے کی اور خاص کر بنی اسرائیل
سے متعلق ہیں اُنکے راوی زیادہ تر یہی تقریباً لوگ ہیں۔

بارہ ہزار فرسخ کی مسافت میں ملک سوڈان ہے اور آٹھ ہزار کی مسافت میں ملک روم تین ہزار کی مسافت میں ایران و ترکستان۔ اور ایک ہزار فرسخ کی مسافت میں عرب۔ حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ سوڈان کی چوتھائی آبادی ایسی ہے جو کپڑے نہیں پہنتی۔

اور بطلیموس نے زمین کے قطر گہرائی اور گولائی کی مقدار مقرر کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ زمین کی گولائی اسکے محیط کے اندر ایک لاکھ اسی ہزار اسطاریوس کے برابر ہے اور ایک اسطاریوس چوبیس میل کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے گویا زمین کی گولائی ایک کرور چالیس لاکھ فرسخ کی ہے اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور ایک میل تین ہزار ملکی گز کا اور ایک گز تین بالشت کا اور ہر بالشت بارہ انگلی کا اور ایک انگلی پانچ جَو کی جو برابر برابر رکھے ہوں۔ اور ایک جَو کی چوڑائی (عرض) خچر کے ۶ بالوں کے برابر ہوتی ہے۔ اور اسطاریوس بہتر ہزار گز کا ہوا۔ اور زمین کی دبازت یعنی اُس کا قطر سات ہزار چھ سو تیس میل کا ہے جو برابر ہے دو ہزار پانسو پینتالیس اور ایک ثلث فرسخ کے۔ اور زمین کا کل بسط یعنی پھیلاؤ ایک سو تیئیس لاکھ۔ چھ سو میل مربع اور یہ دو لاکھ ۸۸ ہزار فرسخ ہوا۔ لیکن اگر واقعی یہ سچ ہے تو گویا اللہ کی جانب سے بطلیموس پر وحی نازل ہوئی یا الہام ہوا۔ اور اگر محض قیاس اور استدلال ہے تو اگر بالکل سچ نہیں تب بھی سچ سے قریب ضرور ہے اور قتادہ و مکحول کا قول بھی واجب الیقین نہیں ہے کہ اُنکو علم غیب ہوا تھو۔

(باقی آئندہ) الراقم محمص [1]

---

[1] یہ مضمون عربی کی ایک بہت پرانی کتاب سے ماخوذ ہے۔ اُس کے بعد کی اور نیز جدید تحقیقات اس میں شامل نہیں ہے۔

پروانہ

او ننھے سے پتنگے او جان دینے والے — نا فہم ناسمجھ اور ناداں بھولے بھالے
کیا غم ہے تیرے دل میں جو پڑ گئے ہیں چھالے — کیا تو بھی چپکے چپکے کرتا ہے آہ نالے
کیا بات شمع میں ہے جس پر مٹا ہوا ہے
تو آتش محبت سے کیوں جلا ہوا ہے

او چھوٹے سے پتنگے او خون رونے والے — بیتاب ہو کے فرقت میں جان کھونے والے
آپ اپنی رہ میں کانٹے دن رات بونے والے — آتش میں جلنے والے خود خاک ہونے والے
کیوں اپنی جان سے تو بیزار ہو رہا ہے
کیوں عشق تیری گردن کا ہار ہو رہا ہے

جان عزیز اپنی تو نے عبث گنوائی — خود جل کے آگ میں تو ناحق بنا فدائی
تیری وفا شعاری کچھ بھی نہ کام آئی — معشوق کی نظر میں عزت نہ تو نے پائی
پورا کسی طرح تو اترا نہ امتحاں میں
دی جان تو نے پھر بھی رسوا ہوا جہاں میں

لازم تھا رفتہ رفتہ گھل گھل کے غم سے مرنا — یوں چاہیے تھا تجھکو دنیا سے کب گذرنا
آسان نہیں پتنگے دعوائے عشق کرنا — دریائے عاشقی سے مشکل ہے پار اترنا
دم بھر میں جل کے دیدی جان اپنی ہائے تو نے
صدمے مفارقت کے کس دن اٹھائے تو نے

ہے شمع عاشقی میں ثابت قدم زیادہ — رکھتی ہے اپنے دل میں تجھ سے وہ غم زیادہ
بھرتی ہے دمبدم وہ الفت کا دم زیادہ — ترجیح تجھ پہ دیتے ہیں اسکو ہم زیادہ
سوز غم والم سے ہر وقت گل رہی ہے
تا صبح شام سے وہ خاموش جل رہی ہے

رسا ہمدانی گیاوی

نگاہِ لطف کے امیدوار

کرم فرمایم! السلام علیکم۔

زمانۂ موجودہ کی آب و ہوا جنس نازک کی خرید و فروخت اور جنس قوی کی جانچ اور پرکھ کے لیے اسقدر موزوں ہے کہ آئے دن ایک نہ ایک دوشیزۂ شوہر طلب کی جانب سے کوئی نہ کوئی اعلان یا ضرورت شائع ہوتی رہتی ہے! حاجی بلغ العلے صاحب عرصہ ہوا کہ میدان جنگ کی طرف مع اپنے بے نظیر دماغ کے سدھار گئے! ان کے مقلدین اس طویل جدائی کا بوجھ نہایت مغموم و مضطرب دل کے ساتھ بیکاری کے رنگ میں اٹھا رہے ہیں! چند روز ہوئے کہ احباب کی عنایت غیر معمولی کی بدولت قریب قریب تمام حلقہ بگوشانِ حماقت اچانک طور پر ایک جگہ جمع ہوگئے اور مذکورۂ بالا مسئلہ پر بحث چھڑ گئی! بڑی ردو قدح اور پورے غور و خوض کے بعد سب کے سب اس نتیجہ پر پہنچ کر ساکت ہوئے کہ اعلان زوج جو کچھ بھی ہو زوجہ کی طرف سے نہ ہوا کرے!

۱۹۱۶ء کی ضروریات اور خصوصاً موجودہ جنگ عظیم کا قتل عام بھی اسی بات کا مقتضی ہے کہ زوجہ جو حضرات اپنی صفات و عادات کا اعلان کیا کریں اور درخواستیں صنف نازک کی طرف سے موصول ہوا کریں! ہندوستان کی شاعری میں - میرا مطلب ہندی سے ہے - عاشق ہمیشہ صنف نازک ہوتی ہے اور اس میں شعریت کا عنصر غالب ہوتا ہے! ان تمام وجوہات سے میرے ایسے عزیز احباب سخت ناامید [illegible] ہیں جو ضروری صفات کے

اعلان کے لیے بھیجا۔ ذیل کی فہرست اُن ہی احباب کے اصرار کا نتیجہ ہے! الفاظ کا ذمہ دار میں سہی، لیکن خیالات کے ذمہ دار یہ حضرات خود ہیں۔ یا راوی!! مجھے اس سے کچھ تعلق نہیں ہے!

(۱) ..... ملازمت سرکار کی سیڑھیاں چڑھنے میں ریش اسلامی کو نورٌ علیٰ نور بنا چکے ہیں گر چہ بلا خضاب سو دیشی اُس نور کو کالے آدمی کے رنگ میں مبدل کرتا رہتا ہے!! شباب کا زمانہ یک قلم، قلم انداز کر دیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ ذیقن تو درکنار سنت بھی کبھی ہاتھ سے نہیں چھوٹی!! پارسائی کی گارنٹی اس حد تک کی جا سکتی ہے کہ اپنی جیب خاص اور اپنے تنہا ارادہ سے کبھی کانوں اور آنکھوں کو بھی گنہگار نہیں بنائیں گے! رہا دوست احباب کا اصرار ..... تو آپ جانتے ہیں اسلام میں کسی کا سوال رد کرنا اور خصوصاً خاطر شکنی بھی تو گناہ عظیم ہے! قد لمبا، جسم اکہرا، مزاج نہایت سیدھا اور سادہ، معاملہ کے نہایت کھرے، ایسے اعلان عام کرنے کی خاص عادت سے متصف! شادی کی حاجت تو نہیں ہے لیکن اسلامی نقشہ و مزاج والی عورت۔ جو بیعت کرنے کے لیے ہر وقت تیار ہو۔ اگر مل جائے اور دوست احباب کا اصرار بھی شامل حال ہو تو نکاح کے وقت، قاضی کے سامنے "ہرچہ از دوست می رسد نیکوست" کہہ کر خاموشی کے رنگ میں، ہم رضامندی کا اظہار کر دیں گے!

درخواستیں خود ان ہی کے نام آنی چاہئیں۔ درخواست دہندہ عورت مسلمان لازمی ہو۔ عملاً اور قولاً۔ دونوں طرح! اگر عورت کے اسلامی ڈاڑھی کسی حد تک بھی ہو تو سبحان اللہ! جسم قابل لحاظ نہیں، رنگ کیسا بھی ہو، عمر کا مطلق بھی خیال نہ کیا جائے گا! واللہ اعلم بالصواب!!

(۲) ..... کم از کم ایک ضلع کی کھوٹی کھری آمدنی پرکھنے کے ذمہ دار ہیں! ریش سیک خضاب لاجواب کی مرہونِ منت ہے! آنکھوں میں نر مادہ کا سا بیّن فرق ہے: عمر پوچھنا فضول ہے۔ بایں ریش و فش ایک ایسے محلہ میں رہتے ہیں جہاں اچھے اچھے جوان، چوکڑی بھول جاتے ہیں!! نہایت زندہ دل؛ بذلہ سنج؛ سوتے اور جاگتے، ہر وقت سوائے سچ کے اور کچھ نہ بولنے والے؛ سینگ کٹا کر بچھڑوں میں شامل ہونے کے شائق! تمام شرفائے وقت کے حسب و نسب سے واقف! انگریزی لباس کو برا سمجھنے کی وجہ سے پتلون ہمیشہ غرارہ دار اور شرعی پہنتے ہیں! چال۔ ہر قسم کی۔ اپنی نوعیت کی خاص چیز ہے! نقشہ و شکل و صورت آج سے ۲۰ برس بیشتر کی تصویر دیکھنے سے نہایت اچھی اور سجیلی! موجودہ جسم عمر کے بدولت جیسا ہونا چاہئے ویسا ہی!! اہل خانۂ موجودہ سے خائف اور اس درجہ خائف کہ کوئی ایسی ویسی شخصیت آجائے تو رات پھر حساب دینا پڑے! بہر حال غنیمت ہیں!! بیوی کی بنا۔ اں ضرورت نہیں ہے لیکن حال ہی میں ایک مس ڈاکٹر نے زوج کا نسخہ لکھ دیا ہے! نظرباز ہیں اس لیے صورت اچھی پسند کریں گے؛ زیادہ گرگو ترجیح دی جائے گی؛ اگر حسب ضرورت نرم و گرم ہو سکتی ہو تو واہ واہ؛ عمر ۴۰ سے کم نہ ہو مگر ۵۰ سے زیادہ بھی نہ ہو، تمام خط و کتابت ان کے پرانے اسنابق سے ہونی چاہیے، ورنہ جواب نہ ملنے کی ذمہ داری نہیں لی جا سکتی!!

(۳) ..... ابھی جوان مانے جاتے ہیں، غیر معمولی بوجھ نے قبل از وقت پیشانی و چہرے پر جھریاں ڈالنی شروع کی ہیں مگر قسمت نے ساتھ دیا تو بہت جلد اس بوجھ سے سبکدوش ہوئے جاتے ہیں! نئے بال اگر صحت

مل جائے تو اچھے سمجھے جائیں گے۔ صورت باوجود ناسازی طبع اب تک ایک خاص قدر فریبی رکھتی ہے! ناک موزوں، آنکھیں۔ سچ یہ ہے کہ تمام خوبصورتی کی جان، دانت؟ تجربہ کار لوگ اس سے زمانۂ ماضی کی نسبت بہت کچھ نتیجے نکالتے ہیں! طبیعت کے اچھے۔ مزاج کے اچھے۔ افعال کی نسبت نہ ہم کراماً کاتبین ہیں نہ ہمیں معلوم! اسقدر ضرور ہے کہ جو کچھ کرتے ہیں دائیں بائیں کو دیکھکر نہایت ہوشیاری کے ساتھ کرتے ہیں اور ہمیشہ شب تاریک میں کرتے ہیں! بہرحال دوستوں کے دوست ہیں اور کہنے سننے سے مان بھی جاتے ہیں عورت کی سخت ضرورت ہے، تنہائی پریشان رکھتی ہے، ڈاکٹر صاحبان امراض کا علاج بھی رفع تنہائی بتاتے ہیں، عورت کی عمر غالباً کم ہو ممکن ہے کہ نابالغ کو بالغ پر ترجیح دی جائے! صورت کی حسین اور گوری ہو، رنگ کشمیر کی آب ہوا سے پیدا ہونے والی سرخی رکھتا ہو! مذہب کے لحاظ سے ہندو ہو یا اور کچھ۔ مسلمان عورتیں درخواست نہ بھیجیں! اور زیادہ شرائط کی تفصیل آپ کے بیکھا قلی سے دریافت کی جاسکتی ہے!!

(۴) ..... نئے گرفتار شدہ ہیں! ناتجربہ کار نہیں تو ناقابل اعتبار ضرور ہیں! ڈاڑھی مع مونچھوں کے۔ طبیعت غیر مستقل کا شکار بنی رہتی ہے یا ڈاڑھی ہوگی تو غضب کی ورنہ چہرہ شریف مونچھوں سے بھی صاف! بزرگوں کا مقولہ ہے کہ گائے گاہوں میں ورنہ قصائی کے کھونٹے پر" اسی لحاظ سے ڈاڑھی رکھتے ہیں تو ڈاڑھی کی طرح ورنہ مطلق نہیں رکھتے! قد درمیانہ بدن اکہرا، زبان واقعات پر بحث کرنے کی عادی؛ چشم بد دور کسی کی زلف دراز یا آپ کی شب فراق! متلون مزاج بی نہیں "پی جاؤ" کی ڈیوٹی بھی نہایت خوبی کے ساتھ ادا کرتے ہیں! حسن کو مؤنث و مذکر ہر صورت میں

پالینے کا مذاق اعشق رکھتے ہیں! سب کو خوش نہیں تو ناراض ضرور کرسکتے ہیں! اگر اُستاد کو قبلہ و کعبہ سمجھتے رہے تو بہت جلد آٹھوں گانٹھ کمیت بن جائیں گے! شبخون مارنے کی اکثر کوشش کرتے ہیں اگرچہ اسوقت تک ہمیشہ ہاتھ اوچھا ہی پڑا! شعار اسلامی کا خاکہ بھیّا چارہ بڑھانے میں کرتے رہتے ہیں! ایک بیوی کہا جاتا ہے کہ موجود ہے۔ مگر وہ مقامی ہے اور انھیں فی الحال سَفَری کی ضرورت ہے! مسلمان عورت۔ کالے رنگ سے ابلق تک۔ ہر رنگ والی، ۴۰ برس کی عمر تک کی، غیر تعلیمیافتہ دقیانوسی خیال والی پردہ نشین، درخواست کرسکتی ہے! چونکہ سفری کی حاجت ہے اس لیے درخواست دہندہ خود سمجھ لے کہ وہ سَفری بیوی بننے کی قابلیت رکھتی ہے یا نہیں! مثلاً سَفَری کے لیے معمولی سی بات تو یہ ہے کہ وہ تہ ہوسکتی ہو، ہولڈ آل میں لپٹ سکتی ہو، اگر ہینڈ بیگ میں بھی آسکے تو کیا کہنا؟ اس سے زیادہ ہندی کی چندی اُس ملازم سے معلوم ہوسکتی ہے جو ہر لحاظ سے نہایت سعید ہے!

(۵)..... وکیل، شاعر، ناصح، نکتہ چین، یہ اور وہ، غرض سب کچھ ناک منجولی، آنکھیں چھوٹی، گریجویٹ اور خدا جانے کیا کیا؟ شہر کے اندیشے میں قاضی کے مانند ہمیشہ دُبلے!! ایک بیوی کو عالم جاودانی کا راستہ دکھا چکے ہیں دوسری کی رہبری کے لیے تیار ہیں! روزے تیسوں رکھتے ہیں، نماز پابندی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور لوگوں کے خوف سے۔ یا اور کسی وجہ سے۔ جلسوں میں شرکت کی جرأت نہیں رکھتے! مذہب انکے صالح جوان ہونے سے نہایت ممنون منت ہے! بعض مسخرے کہتے ہیں کہ عصمت بی بی از بے چادری ہے دروغ برگردن راوی۔ کہا جاتا ہے کہ صحت بھی اپنے

ہاتھ سے بُری طرح کھو بیٹھے ہیں! اصلاح احباب تشہیر کے ذریعہ سے اکثر کرتے
رہتے ہیں۔ جو کچھ بھی ہو جذبۂ توحید سے سرشار ہیں! اللّٰھم زِد فزد۔ بیوی
ایسی پسند کرینگے جو وزن میں ان سے ہلکی ہو اور قد میں چھوٹی! نہایت
اسلامی اور سنت کا لحاظ رکھنے والی ہو! صحت کی ایسی اچھی نہ ہو کہ ہر
سال اشتہا کم کرنے کے لیے مسہل دینا پڑے! رنگ نمکین ہو، ہاضمہ کی
درست ہو، جلد بار آور ہوسکتی ہو، میاں کو سجدہ کرنا اپنا فرض سمجھتی ہو!
تمام معاملات اُن چند نفوس کے ذریعے سے طے ہوسکتے ہیں جو آپ کے
دولتکدہ کے سامنے والے کھنڈر میں ملیں گے!

(۶) ..... درمیانہ قد، گٹھا ہوا جسم، موزوں آنکھ ناک، بے روک ٹوک
پھیلنے والی ڈاڑھی: معدہ اور صحت کے لحاظ سے قابل رشک! بھلے چنگے
مرد آدمی! ذات کے لحاظ سے نمبر ۲! بیوی کی چٹنی بنانے میں سرگرم ہیں!
دعوت کا انتظام خاص طور پر اسقدر اچھا کرسکتے ہیں کہ مہمانوں کو کھانا
کھانے کی تکلیف مطلق بھی برداشت نہ کرنی پڑے! سر بڑا ہے اور خدا کے
فضل سے جھاڑ جھنکاڑ کی آلائش سے بالکل پاک ہے!! "القرض مقراض
المحبت" کو اچھی طرح جانتے ہیں! بیوی ایسی پسند کریں گے جو "کم خرچ
بالا نشین" ہو۔ اگر مہینہ بھر میں پانچ روپئے اٹھائے تو کیا بات ہے! دن بھر کا
فاقہ ہو جانے پر بھی خدانخواستہ کچھ کھانے کو نہ ملے تو بیوی پر نمک نہ ڈالنے کی
ذمہ داری کوئی نہیں کرسکتا! اس سے زیادہ مطلق نہیں بتایا جائیگا
اور نہ شرائط میں کسی قسم کی رعایت ممکن ہے!!

(۷) ..... بیرسٹر یقینی ہیں، اور چار پانچ سال کے ہیں! بامذاق ہیں
بذلہ سنج ہیں اور ابھی اپنے کو جوان سمجھتے ہیں! سر کے بال خدا جانے

نازنینانِ فرنگ کی دست درازی کے نذر ہوئے یا اغیار کی عنایت سے! فی الحال سراوپے پڑے ہوئے گیہوں کے کھیت سے مشابہ ہے! ناک خاصی آنکھیں اچھی، دہانا موزوں؛ مگر البتہ "کہاں ہے کس طرف کو ہے کدھر ہے؟" کے مصداق شکم مدوّر میں فنافی اللحم ہوگئی ہے؛ انگلستان میں جو کچھ کرنا تھا کر چکے۔ اب قوّتِ حیوانی کے کم ہو جانے سے زبانی لطف اکثر اٹھایا کرتے ہیں! ہنسنے میں فراخ‌دلی کی کھڑکی دیکھنے والوں کو نظر آجاتی ہے! دال بھات کھانے اور کھلانے میں کبھی گریز نہیں کرتے؛ قورمہ والوں کو کبھی آج تک ممنون نہیں کیا ہے! بیوی ایسی پسند کریں گے جو مذہب کے فضول بوجھ سے صاف اور "نصیحت پروف" ہو! ہندی الاصل کو ترجیح دیجائیگی! عمر کچھ بھی ہو نئی ایجادات کی مدد سے یا اور کسی طرح۔ بظاہر ۱۸ برس کی نظر آئے! حسب حاجت کام آسکتی ہو۔ محبت سے واقف ہو۔ ساری سے گاؤں تک ہر چیز استعمال کر سکے! باقی اوصاف اُس شخصیتِ فربہ سے معلوم کیجیے جو ان کے وطن میں جاگزین ہی نہیں ان پر اتالیقی کا حق رکھتی ہے۔ یا ممکن ہے کہ کوئی لیڈی ڈاکٹر ان کے مزاج کی تشخیص کے بعد کچھ زیادہ بتا سکے!!

الراقم

نگاہِ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں

م۔م۔

ضروری گذارش "تمدن" بلاطلب بہت حضرات کی خدمت میں پہونچتا یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمایئے ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں آپ کا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی۔پی بھیجا جائے گا جسکا وصول کرنا آپکا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ منیجر

عدالت اسلام

بنایا خانۂ اللہ اک خجندی نے بحکم حضرت سلطاں مرادِ ذی سطوت
مگر پسند نہیں آئی شاہ کو تعمیر اگرچہ صرف کی معمار نے بہت حکمت
دیا یہ حکم شہنشاہ شیر خصلت نے کہ ہاتھ قطع ہو معمار کا پئے عبرت!

غریب راج کٹے دست ہو گیا تھا وہ گیا جناب میں قاضی کی اب بایں حالت
کہا کہ ظلم کیا آہ مجھ پہ سلطاں نے بلا گناہ مرے سر پہ ڈھائی ہے آفت
توقع آپ سے انصاف کی مگر ہے مجھے کہ آپ فضلِ خدا سے ہیں حاملِ ملت

طلب کیا گیا دار القضا میں اب سلطاں کھڑا تھا روبروئے قاضی کے طاق تھی طاقت!
ڈرا رہی تھی اُسے [illegible] بدن پہ لرزہ تھا اور تھی زبان میں لکنت
کیا جواب طلب جب کہ اس سے قاضی نے کہا یہ شہ نے ہوا ظلم مجھ سے یا حضرت!
میں منفعل ہوں [illegible] اپنی لیکن اب پشیماں ہوں میں خاطی و مجرم ملت!

مگر نکال کے آنکھیں کہا یہ قاضی نے قصاص تم سے لیا جائے گا پئے عبرت!
کہ بندہ و مولیٰ برابر ہیں بحکم قرآں سے نہیں ہے تاج کی اسلام میں کوئی قیمت!
سُنی یہ بات جو سلطان عدل پرور نے نکال ہاتھ کیے قطع اب بہ ایں سطوت!

مگر یہ دیکھ کے چلایا مدعی فی الفور کہ خون ریزی نہیں میرا مدعا حضرت!
معاف کرتا ہوں سلطاں کو میں برائے خدا کہ انتقام میں پاتا نہیں ہوں کچھ راحت!
غرض کہ فتح ہوئی اس طرح خجندی کی شہِ مراد کی گردن جھکی بایں شوکت!

یہ عدل وہ ہے کہ اسلام جس پہ نازاں ہے
یہ وہ جناب ہے جھکتا ہے یاں سرِ نخوت!

حکیم مظہر حسین اظہر دہلوی

فلسفہ کشش حُسن

یہ تو صاف متبادر ہے کہ ہر کشش کا خاصہ اشیاء محاذی کو اپنی طرف کھینچ لینے کا ہے۔ لیکن باستثنائے کشش حُسن جس طرح ہر کشش اپنے اندر مادۂ جاذبیت کی پوری تکمیل نہیں رکھتی، اسی طرح بجز فتادہ دلوں کے محاذات بھی قوت انجذاب سے خالی ہیں۔ مثلاً کشش مقناطیسی، کشش کہربائی یا کشش زمین وغیرہ وغیرہ۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کشش بذات خود کیا شے ہے؟ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک وزن ہے جس کی کثرت و قلت سے باہم کھچاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن حُسن تو کوئی وزنی شے نہیں، پھر کیا سبب کہ اسکی کشش سب سے زیادہ زوردار ہے؟ مزید غور کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسی قوت ہے جو کائنات کی موجد و مظہر ہے۔ کیونکہ متذکرہ بالا کششوں کا انطباق اس قوت سے نہیں ہوتا، بلکہ یہ تمام کششیں اسی کے جزئیات سے پائی جاتی ہیں جس کو آئندہ اب ہم کشش حُسن کہیں گے۔

اگر آپ ان کششوں کے درمیان کوئی چیز حائل کر دیں گے تو نہ تو مقناطیس لوہے کو کھینچ سکتا ہے، اور نہ زمین اپنی بالائی چیزوں کو۔ مقناطیس اور لوہے کے درمیان آپ کسی چیز کو رکھ دیجیے۔ ممکن نہیں کہ طرفین کی قوت زائل نہ ہو جائے۔ اسی طرح کشش کہربائی، اور کشش زمین اپنی پوری قوت سے خالی ہیں۔ زمین پر آپ آگ جلا کر دیکھیے، ممکن نہیں کہ اسکے شعلوں کی پروانہ کو زمین اپنی طرف کھینچ سکے۔ آپ کہیں گے کہ یہ غلط ہے، اور تجارب و مشاہدات اسکے خلاف ہیں۔ کیونکہ

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ لڑکے جب ایک سوئی کو کسی تشتری میں رکھکر، اور مقناطیس کو اسکے زیرین سطح پر لگا کر جس طرف مقناطیس کو گھماتے ہیں، سوئی بھی اُسی کے ساتھ ساتھ گردش کرتی رہتی ہے، اور یہ گردش مقناطیس ہی کے اثر کا باعث ہے۔ اسی طرح جب زمین پر کھڑے ہو کر کوئی چیز آسمان کی طرف پھینکی جاتی ہے تو اُسکی مراجعت بھی ہمیشہ زمین ہی کی طرف ہوئی ہے۔

مانا کہ یہ نوعیات استدلال اپنی تصحیح میں ایک حد تک قابل تسلیم ہیں لیکن اس اعتراف کا بہت جلد استیصال ہو جائے گا، جبکہ آپ مقناطیس اور لوہے کے درمیان بجائے تشتری کے ایک لکڑی یا ایک پتھر حائل کر دیں گے۔ اسی طرح آپ زمین کی کشش کے مدبر اشیاء معلقات کو لیجیے جو ایک غیر محدود عرصہ سے زمین سے متصل ہی نہیں ہوتیں۔ معلوم ہوا کہ کشش ثقل کا قاعدہ غیر مکمل ہے۔

لیکن کیا کشش حسن کو بھی آپ غیر مکمل کہدیں گے؟ اور کیا اس کشش کی قوت کو بھی کوئی حائل شئے زائل کر سکتی ہے؟ اول یہ سمجھ لینا چاہیے کہ حسن کیا چیز ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بذات خود ایک نور ہے، جو کائنات کی تشہیر کا باعث ہے۔ اور جو اب تمام نورانی جزئیات میں مضمر ہے۔ اسکا ثبوت یہ ہے کہ ازل میں مادہ ایک فضائے ظلماتی کے اختلاط میں اس طرح پوشیدہ تھا جیسے عدم وجود کی کسی کو مطلق خبر نہ تھی۔ اس کے اجزائے دیمقراطیسی حالت منفصل میں منتشر تھے، اور ان اجزا کو متحد کر کے اجسام کی صورت میں ترتیب دینا امر محال تھا یکایک ایک پوشیدہ قوت نے (قوت خدائی) جو ابھی تک حالات نا معلوم میں نہاں تھی، اجزائے دیمقراطیسی میں ایک حرکت پیدا کی، جس کے تصادم و تضاد سے حرارت او[illegible] روشنی پیدا ہو گئی۔ اس طرح فضائے ظلمانی کا ہر ہر ذرہ برق پارہ کی طرح چمکنے لگا، اور بیشمار صاحبۃ النجوم پیدا ہو گئے جنکی حرکت و

التہاب کا اندازہ مشکل سے ہو سکتا ہے جب قوت یہ رنگ اختیار کر چکی تو کشش اتصال کی رو سے کشش حُسن نے ان اجزائے منتشرہ کا اپنی طرف کھینچ کر، اپنے پرتو نورانی سے نظام شمسی میں ایک گونہ اضافہ کر دیا۔

لیکن قدرت نے اس کا بیشتر حصّہ انسان کے لیے مناسب و موزوں سمجھ کر اسکو ودیعت کر دیا۔ پس جب یہ حُسن حضرت انسان میں چمکا تو اسکی کشش اپنی حد سے متجاوز ہو گئی، اور ہر انسانی نظر کو اس نے اپنی طرف کھینچنا شروع کیا حتی کہ اس کا اثر دوسری کششوں کی طرح قرب کی چیزوں پر نہیں، بلکہ بعد کی چیزوں پر ہونے لگا۔

آپ دیکھتے ہیں کہ کشش ثقل اپنے قاعدہ کی رو سے اُن ہی چیزوں کو کھینچتی ہے، جو اُسکے قرب میں ہوتی ہیں۔ مگر کشش حُسن کا قانون اسکے برعکس ہے۔ آپ کچھ فاصلہ پر ایک ایسے مکان کے اندر جس میں متعدد در و دیوار بھی ہوں بیٹھکر تصور کیجیے، کہ اس مکان کا الحاق ایک ایسے مکان سے ہے جس میں ایک مجسّم پیکر حُسن مسند ناز پر جلوہ آفرین ہے پھر دیکھیے کہ آپکے فتادہ دل میں کس قدر کھنچاؤ پیدا ہوتا ہے۔ یقینی آپ بیساختہ پکار اُٹھیں گے

یا سے پیش نظر ہیں جو یہ در و دیوار
نگاہ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار

اسکو بھی جانے دیجیے۔ آپ ہزارہا میل کے فاصلے پر ایک ایسی جگہ بیٹھکر اُس شعاع حُسن کا تصور کیجیے جو کبھی آپ کے خرمن ہستی پر برق جمال جہاں سوز بنکر گری ہو اور جس کے درمیان ہزارہا وادی و جھیل بیشمار دشت و جبل بھی حائل ہوں۔ اسکے علاوہ آپ اور رکاوٹیں بھی پیدا کر دیجیے۔ پھر دیکھیے کہ کشش حُسن کو کون سی چیز منتشر کر سکتی ہے؟

چاند کا وہ نور، جو غروب آفتاب کے بعد دنیا ر عالم کے صحن چمن پر اپنی ردائے نقرئی کا فرش کرکے ہر انسانی نظر کے لیے باصرہ نواز ہوتا ہے۔ صبح امید کے آفتاب کی وہ شعاع آتشین جو سمندروں اور دریاؤں کی چادر آب پر پھیل کر ایک شفقہ کار جبین کی تلاش میں غوطہ زنی کرتی ہے اور سیاروں کی وہ ضیا گستر جو اپنی نیم باز آنکھوں سے ہجراں نصیبوں کو چپکے چپکے کچھ اشارہ کرکے اُن کے نشتر تخیلات میں ایک گونہ اضافہ کرتی ہے۔ ہر انسانی نظر کو متذکرۂ بالا روشنیاں کس قدر مرغوب و مطلوب ہوتی ہیں۔ لیکن عین اُس وقت جب کہ ان روشنیوں کا دلفریب نظارہ بھی ہو، آپ اپنی بزم خیالی میں شمع حسن کو بھی روشن کر دیجیے (وہ روشنی جو تمنا کی آگ سے مشتعل ہو کر روشن ہوئی ہو، اور جس سے تحریک کرنے والے شعلوں کی پیدائش لمعان برق کی آمیزش ہو) پھر دیکھیے کہ کون سی روشنی غالب آتی ہے؟

یہ تو حسن کی کشش منفصلہ تھی لیکن اب کشش متصلہ بھی ملاحظہ ہو، جس کا مزید ثبوت قوت لامسہ و قوت باصرہ سے ہے۔

آپ ایک طرف کچھ سنگ خشت رکھیے، دوسری طرف چند یاقوت والماس، ایک طرف برگ ہائے خشک ہوں، دوسری طرف گلہائے رنگین۔ پھر ایک طرف کچھ خس و خاشاک ہو، اور دوسری طرف سنبل و زعفران۔ اس متضاد تقابل کے بعد اندازہ کیجیے کہ آپ کی قوت لمس اور قوت باصرہ کس چیز کی کشش کھینچتی ہے؟ اسی طرح ایک سیاہ فام انسان کے مقابلہ میں کسی پیکر حسن کو بھی سامنے کھڑا کیجیے پھر دیکھیے کہ جاذبیت کی قوت کس میں ہے؟ اس تقابلہ کے بعد کہنا پڑتا ہے کہ دراصل نظام شمسی اور نظام قوت کا وجود حسن اور صرف حسن ہی سے ہے۔ اور حسن بذات خود مجموعہ انوار و تجلیات ہے۔

علم البرق کا سب سے بڑا فلسفی و مکتشف وہ نہیں ہو سکتا، جو عالم جذبات و حسیات کے صدہا مطالب و معانی ہزارہا صفحات پر بالتفصیل لکھ سکے بلکہ وہ ہو سکتا ہے جس کا درس و فہم ایک چشم سخنور ایک نگہِ برق، اور ایک جمال فکر اندیش کے نظارۂ چشم سے وابستہ ہے۔ اور جس کو کسی جمال آتشین کی ناگہانی جلوہ تابی نے خیرہ چشم کر کے اُسکے زمن صبر و شکیب پر برق حسن گرائی ہو۔ ایک تاریک دل اور بے روح انسان میں جذبات لطیفہ نہیں پیدا ہو سکتے جبتک کہ وہ قلمروِ حسن و عالم سیمت وش اس کی آویزش سے مطیع و منقاد ہو کر جذبات متضاد و متباینہ کی کشاکش کے سوانح و حوادث عجائبات و تصادفات و نیرنگیِ انقلابات، اور کششِ حسن کی کرشمہ سازی سے دوچار نہوا ہو کیونکہ اشتابِ حسن کی وہ ضیا، جس نے اپنے پرتو سے فضائے طباقی کے ہر ہر ذرہ کو روشن کر دیا کیا وہ ایک تغافل شعار و مردہ دل انسان کو زندہ دلی کے جامہ سے آراستہ کرکے، اُس میں جلوہ نہیں پیدا کر سکتی؟

حقیقت تو یہ ہے کہ حسن ہی کی جلوہ تابی سے عالم کا ظہور معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ فطرتی طریقہ سے خدائے قدوس کی قدوسیت کا پتہ بھی اسی سے لگتا ہے، جب کبھی ہم کسی پیکر حسن پر نظر ڈالتے ہیں تو فوراً ہمیں اُسکا صانع یاد آجاتا ہے "اَللہُ جَمِیۡلٌ وَیُحِبُّ الۡجَمَالَ" پس اگر کششِ حسن کی جاذبیت قابل قدر ہے تو لائق صد ہزار رشک ہے وہ انسانی ہستی جو اپنے اندر دلدادگی و انجذاب کا مادّہ بھی رکھتی ہے۔

"اچھی صورت کی پرستش یہی ہر ملت میں"
"حسن سب کے لیے اک رشتۂ ایماں نکلا"

حافظ امام الدین اکبرآبادی

داروگیر

(۱) جناب ایڈیٹر صاحب تمدّن۔ تسلیم۔ تمدن نمبر ۵ صفحہ ۲۵ پر بسلسلہ دیگر تحریرات۔ ایک خط جو [illegible] صاحب کا شائع ہوا ہے۔ گویا یہ جواب ہے۔ ایک رنگین و مترنم ضرورت کا جس کا اعلان [illegible] سے قبل اخباری دنیا کو پہنچ چکا ہے مگر وائے بے دردی و بے مذاقی۔ کوئی حضرت [illegible] پوچھے، جناب حسن کی خانگی بارگاہ میں کوئی یوں بے ڈھنگے پن سے بات چیت کیا کرتا ہے۔ "معلوم ہوتا ہے کہ میل ٹرین کے ٹکٹ کا سودا ہو رہا ہے" معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دوست نے تہذیب جدید کے امتحان اعلیٰ میں امتیاز بخش نمبر ہنوز نہیں پائے [illegible] ان کو معذور خیال کر کے نیز اس لحاظ سے [illegible] (اقامت) [illegible] سے معاشت ہوتا ہے۔ سردست جواب پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۲) سائلان [illegible] کی [illegible] "اتا پتا" بتلا دیا جائے بالکل [illegible] مناسب [illegible] درخواست کے [illegible] اگر تہذیب [illegible] سے غیر مانوس ہوتے۔ تو آج کی ڈاک سے فوٹو کی [illegible] ان کو [illegible] کوئی مضائقہ خیال [illegible] مگر [illegible] دوستوں کو [illegible] خارج [illegible] بحث [illegible] اعلان سابقہ [illegible] سلسلہ میں [illegible] غلطی کا ازالہ [illegible]

(۳) [illegible] رکھا جاتا ہے [illegible] سال [illegible] چہرہ نہایت قبول صورت [illegible] قدرناک [illegible] اکثر جاپانی چہروں سے مقابلہ ہو چکا ہے اور نتیجہ [illegible] سب [illegible] بال [illegible] تھے لیکن چند سال تک مسلسل [illegible] سید علوی سے

درست کرالیے گئے ہیں اب ان کا لیول یکساں ہے اور بہت ہی خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ آنکھیں یوروپین معیار پر پوری ہیں بال سر کے سیاہ اور پرورش کے بعد بہت لانبے ہو گئے ہیں۔ ان میں سرخ ریشمی فیتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لیلی شب کی آغوش میں برق کھیل رہی ہے۔ چہرہ میں سنہرا پن جھلکنے سے پر جلال بنا ہوا قیامت کر رہا ہے۔ پان۔ حنا و مسی عطریات۔ سدیشی روغنیات۔ اور الکحل مشارب۔ ملابس سے قطعی نفرت ہے کوئی نام بھی لے دیتا ہے تو سر گرانی ہوتی ہے [illegible] مذاق ہے۔ رنگ سفید زردی مائل رسٹ واچ۔ چشمہ۔ منی بیگ۔ چھتری۔ پوڈر۔ اور پنسل سے بہت شوق ہے۔ اور تحفہ میں زیادہ انھیں کو پسند کیا جاتا ہے۔ فارسی کو پسند نہیں فرماتی ہیں اردو بول لیتی ہیں مڈل تک تعلیم پائی ہے خط و کتابت مادری زبان میں۔ گفتگو انگریزی میں کرتی ہیں۔ پیانو بجانے میں بہت مشہور ہیں گانا اور بال میں ناچنا یہ تو ان ہی کا حصہ ہے اور اسکی داد لکھنؤ ہی میں مسٹر...... سے مل چکی ہے۔ [illegible] کے بہترین ہمدرد نسواں حضرت کی ممنون و ممتاز شاگرد ہیں ٹینس اور [illegible] اللہ کے بندے سے فخر تلمذ ہے جس نے اپنی زندگی کو تبلیغ نسواں اور تفریح نسواں کے لیے وقف کر دیا ہے انگریزی نظم میں مسٹر نائیڈو اور ٹیگور سے [illegible] کیا ہے [illegible] اردو میں رادی ورما سے کچھ درک حاصل کیا ہے۔ ریڈیا اور [illegible] تمام ناولس سبقاً سبقاً خود پڑھے ہیں اور اکثر کو پڑھاتے بھی ہیں نہ صرف انکا مطالعہ ہی کیا ہے بلکہ عملاً بھی بعض سے فائدہ اٹھایا ہے۔ دو کتابیں [illegible] بہار دانش کا ترجمہ اور جان صاحب کا دیوان ہر وقت مطالعہ میں رہتا ہے۔ اخلاق و خیالات نہایت وسیع و آزاد و بلند ہیں نفرت و تعصب کسی مذہب سے نہیں اپنے لیے کوئی مذہب ابھی تک پسند نہیں کیا۔ اسکا فیصلہ شادی کے بعد کیا جائیگا۔ اور شوہر کے مشورہ پر اسکا انحصار ہے۔ ہر وقت ہنستی رہتی ہیں بہت ہی ہنس مکھ ہیں۔ اوقات کی بہت پابند ہیں

اندھیری راتوں میں کم کم [illegible] میں زیادہ۔ سبزہ زاروں آبشاروں کی سیر پسند فرماتی ہیں دریائی سیر و تفریح کی بہت شائق ہیں۔ شہر کی اونچی سوسائٹی میں بہت مشہور و عزیز ہیں۔ مقامی [illegible] آفیسرز سے خاص متعارف ہیں ڈپٹی کمشنر صاحب کی میم صاحبہ سے خاص مراسم ہیں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کی رائے ہے کہ ہندوستانی خواتین میں ایسی تعلیم یافتہ [illegible] خاتون ابھی تک انھوں نے نہیں سُنی۔ مشن اسکول کے جلسوں میں [illegible] حاصل ہے۔

(۴) [illegible] معلومات پیدا ہوجانے کے واسطے ہر امیدوار کے لیے کافی ہیں فوٹو [illegible] وصول ہونے پر روانہ کیا جاسکتا ہے یا کسی کو اگر بچشم خود دیکھنا ہو۔ تو [illegible] میں جاتے ہوئے۔ بطور خود دیکھ سکتا ہے۔ اگرچہ اس طریق پر بچشم خود دیکھنا [illegible] اور خالی از تکلف نہیں۔ لیکن کوشش کرنے والا [illegible] نہیں رہ سکتا۔

(۵) اسی سلسلہ میں [illegible] کے متعلق جواب بھی [illegible] مناسب معلوم ہوتا ہے جن کو [illegible] نے پیش کیا ہے۔

درخواست نمبر۱ ... ملاحظہ ہوئی۔ چونکہ نماز پڑھتے وقت تکبیر تہائی آواز میں جہر سے کہتے ہیں یہ ایسا [illegible] ہے کہ [illegible] نہیں کی جاسکتی۔ خاتون کو اندیشہ ہے کہ انکی سحر خوانی اور دیر بیداری میں [illegible] سخت تکلیف ہوا کرے گی۔ اتحاد مذاق پیدا نہ ہوگا۔ لہذا [illegible]۔

درخواست نمبر۲ ... ملاحظہ ہوئی چونکہ مونچھیں بہت لانبی ہیں جبتک انکے بارے فراغت نہ حاصل کی جائے درخواست قبل از وقت ہے۔ لہذا بجنسہ واپس۔

درخواست نمبر۳ ... ملاحظہ ہوئی۔ چونکہ بیوی موجود ہے۔ اور یہ نہیں ظاہر کیا گیا۔ کہ سائل کو سابقہ بیوی سے نفرت ہے یا نہیں لہذا نامکمل درخواست۔ ہم کوئی نوٹس نہیں

لیا جاسکتا۔ بجنسہ بلا کسی حکم کے واپس ہے۔

درخواست ۴ ۔۔۔۔ ملاحظہ ہوئی۔ یہ سائل دماغی عارضہ میں مبتلا معلوم ہوتا ہے یقیناً دیہاتی ہوگا۔ لہذا نامنظور۔

درخواست ۵ ۔۔۔ ملاحظہ ہوئی۔ سائل کی مالی حالت اچھی نہیں نقل اعمالنامہ شامل ہونی چاہیے تھی۔ نیز اسکے متعلق ایک ضمانت نامہ درخواست کے ساتھ شامل ہونا چاہیے کہ خلاف فطرت مذاق کا فی الحال کوئی اثر تو باقی نہیں ہے اگر ہے تو کسی وقت بذریعہ تحریر۔ یا تقریر یا بطور اشارہ۔کنایہ۔ بواسطہ یا بلا واسطہ۔ یا بذریعہ ترغیب زیور و ملبوسات یا بذریعہ جبر و تخویف جبرانہ سابقہ مذاق کو زندہ کرنے کی کوشش بیگم صاحبہ پر تو نہ کریں گے۔

درخواست ۶ ۔۔۔ ملاحظہ ہوئی۔ چونکہ سائل کی شخصیت جداگانہ طور پر قائم نہیں ہوئی۔ اور مالی حالت کا اظہار نہیں کیا گیا۔ لہذا بلا کسی حکم کے اصل درخواست واپس۔

درخواست ۷ ۔۔۔ ملاحظہ ہوئی ۔۔۔ حسب شرح صدر۔

درخواست ۸ ۔۔۔۔ ملاحظہ ہوئی۔ سائل نے یہ نہیں ظاہر کیا۔ کہ بیرسٹری کی آمدنی اوسطاً کیا ہے۔ اکثر بیرسٹر محض کورے (خدا بخش) ہوتے ہیں قانون دانی سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ہاں یوروپین لائف بسر کرنا ان کو آتا ہے تو اسکی چنداں ضرورت نہیں بیگم صاحبہ اس خاص بارہ میں کسی امداد کی ضرورتمند نہیں۔ سائل کو اپنی آمدنی کے واقعی اعداد لکھنے چاہئیں۔ ڈاڑھی مونچھ صاف کرانی ہوگی۔ بدن ہلکا کرنے کے لیے روزانہ ایک سال تک دو میل دوڑنا ہوگا۔ صبح کی نماز قضا پڑھنی ہوگی۔ تاکہ بیگم صاحب کو تکلیف نہ ہو سحرخوابی میں خرابی نہ پڑے۔ بیگم صاحبہ۔ پیرس کی سوغاتیں چاہتی ہیں اسکے کل اخراجات

فرسٹ کلاس مع ایک ملازم کے شادی سے چھ ماہ بعد بشرطیکہ موجودہ جنگ اندر میعاد ختم ہو جائے - ادا کرنے ہوں گے - اسقدر رعایت دیجا سکتی ہے کہ اگر وہ خود جانا نہ چاہیں تو یہیں رہ جائیں - آمدنی کے دو ثلث بیگم صاحبہ کو ہر ماہ ادا کرنے ہوں گے - اور اس کی تعداد تخمیناً وہی ہونی چاہیے جو اوسطاً آج بتلائی جائے اپنے کسی رشتہ دار کو اس مکان میں وہ نہ رکھ سکینگے جو بیگم صاحبہ کے لیے مخصوص ہوگا - بیگم صاحبہ کی کسی رائے میں دخل دینے کا کوئی حق نہ ہوگا - نیز بیگم صاحبہ کے متعارف افراد کی آمد و رفت پہ کوئی نوٹس نہ لیا جا سکے گا -

درخواست ۹ ... ملاحظہ ہو [illegible] کو ذریعی طور پر بیگم صاحبہ اپنی فرزندی میں بعد شادی - بشرط درخواست بہ قبول کر سکیں گی -

راقم س - ا

مکرر

اڈیٹر صاحب تمدن اس جواب کو تمدن میں جگہ دینگے تو قوم کو فائدہ ہوگا -

۹ہ

غزل

ادھر ہوتے جاتا جو اُس لامکاں سے — تکلف ہے کیا، تم کو اک نیم جاں سے
خبر ہے مجھے، آ رہے ہو جہاں سے — بس اب چپ رہو کچھ نہ کہنا زباں سے
کروں لے کے کیا دل میں ہوس [illegible] — نہ جس کو بیاں کر سکوں میں زباں سے
نہ پوچھو مرا حال میں یوں بھی خوش ہوں — نرالا ہے دکھ میرا سارے جہاں سے
نہیں درخور برق [illegible] قسمت — چمکتی ہے بچ کر مرے آشیاں سے
میسر تو ہوں آشیانے کو تنکے — اجازت بھی لے لینگے ہم باغباں سے
ستاتا تو ہو جاتا دل اُن کو شوقی
اگر آپ آئیں گے کہیے کہاں سے

ظفر حسن صاحب علوی
ناظم دائرۃ الادب دہلی

خانہ جنگی

(سلسلہ کے لیے ستمبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)

(۶)

سلطان محمد اور وہ فوج جو دریا غزنی سے ہرات آئی تھی۔ اور جس کا سپہ سالار یوسف تھا۔ وہ یکم ماہ رمضان المبارک سنہ ۴۲۱ھ کو یہاں پہنچی۔ اور موضع تگیر آباد کے قریب زمین گیر ہوئی

اس فوج کو یہاں بیکار پڑے پڑے کامل ایک ماہ گزر گیا۔ اس تعطل کی ایک وجہ روزہ داری بھی تھی لیکن اس میں شک نہیں کہ اس تساہل سے سپاہی گھبرا گئے۔ اور اس امر کو سلطان محمد غزنوی کی عدم شجاعت اور بے حوصلگی پر محمول کیا۔ فوج میں عام طور پر بددلی پھیل گئی۔

عین عید کے روز جب شاہی لشکر جشن منانے میں مصروف تھا تو ایک خاص واقعہ رونما ہوا جس کو امر اتفاق کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس نے عوام کے دل پر خاص اثر ڈالا یعنی دفعۃً سلطان محمد کے سر سے تاج گر پڑا۔ اور عام سپاہیوں نے اس سے فال زوال لی۔ تمام لشکر میں اس واقعہ کا افسانہ بیان ہونے لگا۔ اور اس پر عجیب و غریب پہلوؤں سے رائے زنیاں ہونے لگیں جن کے انقلابی آثار نظر آئے۔ امراء و سرداران فوج کے تیور بدل گئے۔ بالآخر ان لوگوں نے سلطان کے خلاف سازش کی کھچڑی پکا لی۔

ادھر شہزادہ مسعود کی قابلیت و شجاعت کا نقش دل پر گہرا تھا۔

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ یوسف علی خویشاوند حسن وغیرہ امرائے جو خود سلطان محمد کے دست و بازو تھے اور جن پر سلطان کو اعتماد اور اُن کی خیرخواہی پر ناز تھا۔ سلطان کو اسیر کر لیا۔ اس کی نقد بصارت لے لی اور اُسے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ یہ حادثہ شہر شوال ۴۲۱ھ کو واقع ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہ!

اس کارروائی کے بعد یہ سب سرغنے یوسف۔ علی۔ وغیرہ مع فوج شہزادہ مسعود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم نے یہ کارروائی محض حضور کی خاطر کی ہے۔ آئیے آپ کے لیے تخت غزنی حاضر ہے!

شہزادہ مسعود نے یہ المناک روئداد سنی تو اُسے سخت صدمہ ہوا اس نے کہا کہ تم لوگوں نے یہ بہت بُرا اور میری منشا کے بالکل خلاف کیا۔ میں ہرگز ایسی بے رحمی اور غداری کا روادار نہیں! تم نے اپنے آقا کے ساتھ جب یہ سلوک کیا تو مجھے بھی تم سے محفوظ) اسی قسم کی توقع ہو سکتی ہے! پس شہزادہ مسعود نے ان باغی امرا کو عبرت انگیز سزائیں دے کر بھائی کا انتقام لیا۔ چنانچہ حسن اور علی کو تہ تیغ کرایا اور یوسف کو نظر بند!

بدقسمت سلطان محمد نے گو آٹھ سال سلطنت کی۔ لیکن حکومت کامیاب نہیں ہوئی۔ وجہ یہ کہ عام رائے آغاز ہی سے اسکے خلاف اور شہزادہ مسعود کے حق میں تھی۔ جب اظہار شجاعت کا "وقت" آیا تو سلطان محمد مقابلہ میں لیت و لعل کرنے لگا۔ جسے فوج نے بزدلی۔ اور خوف کا کافی نتیجہ سمجھا۔ لشکر میں بددلی پھیلی۔ حتی کہ بالآخر اسکے ہواخواہوں اور دوستوں ہی نے اسے اسیر کر لیا۔ بدقسمت سلطان کے اس نامبارک انجام سے عام رائے کی قوت کا پتہ لگتا ہے۔

شہزادہ مسعود کا طرزعمل۔صلہ رحم اور اخلاقی ومذہبی نقطۂ خیال سے کتنا ہی مستحسن کیوں نہ ہو۔لیکن سیاسی نقطۂ نظر سے بلاشبہ ایک خوفناک غلطی اور ناقابلِ معافی گناہ تھا۔چنانچہ مسعود کو اس کا خمیازہ اُٹھانا پڑا۔ آئندہ واقعات اس اجمال کی تفصیل ہیں۔

(۷)

مغربی پنجاب کے ایک قطعہ پر جس کا موقع موجودہ جغرافیہ کے مطابق پشاور ہوسکتا ہے۔احمد نامی ایک سردار حکومت کرتا ہے۔یہ اب سے چند ماہ پیشتر تک خزانۂ غزنی میں خراج بھیجتا رہا ہے۔لیکن زمانۂ مسعودی میں اس نے خراج کی ادائیگی بند کرکے اظہار تمرد کیا ہے لہذا اسکی سرکوبی کے لیے مسعودی فوجیں مغربی پنجاب میں خیمہ انداز ہیں۔

یہ احمد دراصل عہد محمودی میں خزانۂ غزنی کا خزانچی تھا۔اس نے تغلب و خیانت کی۔سلطان محمود نے اسے جرمانہ وقید کی سزا دی۔مگر کچھ عرصہ بعد اس کا قصور معاف کرکے اسے پنجاب کے اس حصہ کی حکومت دیدی لیکن یہ شخص نیک طینت نہ تھا۔کہ سلطان کے اس سلوک کا ممنون ہوتا۔اب سلطان مسعود کے عہد میں اس نے اپنی طبیعت کی خباثت ظاہر کی کہ سرکش ہو بیٹھا۔سلطان نے اسکی سرکوبی کے لیے ایک ہندو جنرل ناتھ (ناتھ) کو بہت سی ہندو فوج دے کر اس طرف بھیجا۔

الغرض میدان کارزار گرم ہوا۔شمشیر بہادری نے خوب جوہر دکھائے لیکن بالآخر احمد غالب رہا۔جنرل ناتھ مع اپنی تمام ہندو فوج کے سر میدان اپنے آقا سلطان مسعود ابن سلطان محمود غازی پر نہایت وفاداری

قربان ہو گیا!

یہ المناک اطلاع دار الخلافہ غزنی پہنچی تو سلطان نے اور فوج بغرض انتقام و سرکوبی دشمن بھیجی یہ بھی ہندو فوج تھی اور اسکے جنرل کا نام تولک (تلک) تھا۔

احمد ایک ہی چلتا پرزہ تھا۔ اس نے ان لوگوں کو جو دربار غزنی سے کشیدہ خاطر تھے اپنے ارد گرد جمع کر کے گانٹھا اور انھیں اپنا دست و بازو بنا لیا تھا۔ چنانچہ اس معرکہ میں یہ سب لوگ شریک ہوئے۔

جنرل تلک سے احمد کی معرکہ آرائی شروع ہوئی۔ ایک جانب احمد باغی مع اپنے باغی دوستوں کے سینہ سپر تھا۔ اور یہ سب لوگ مسلمان اور ان لوگوں کی یادگار رہتے جنکا شیوہ احسان فراموشی، تیرہ بختی کفر و ضلالت میں پیش پیش رہا کرتا تھا۔ مگر اب یہ خود اپنے ہاتھ اپنے رستہ کاٹ رہے ہیں اور اپنی حربی طاقت کی کمزوری کے خود باعث ہو رہے۔

دوسری جانب ہندو جنرل تلک ہے جو اپنے مسلمان آقا سلطان مسعود ابن سلطان محمود غزنوی کی حمایت میں جاں فروشی کر کے حق نمک خواری و وفاداری ادا کر رہا ہے۔ ہندو فوج اسکے زیر کمان ہے لیکن مسلمان امرا اسکی پشت پر ہو رہے ہیں۔ الغرض یہ ایک عجیب نظارہ ہے ؎

کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر
اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ

کئی روز خونریز معرکے ہوئے گھمسان کا رن پڑا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ خون کی ندیاں بہ نکلیں۔ آخر کار غزنوی اقبال غالب آیا۔ باغی احمد اور اسکے سرکش رفقا مغلوب و مقہور ہوئے جنرل تلک نے باغی جمعیت کاٹ کر رکھ دی۔ بقیۃ السیف کو اسیر کر لیا۔

احمد دریاے سندھ کو عبور کرتے ہوے اس میں غرق ہوا۔
سلطانی فوج فتح کے نقارے بجاتی ہوی غزنی کو واپس ہوی۔

(۸)

سلطان مسعود اپنے بھائی محمد کی معزولی اور نظربندی کے بعد ۴۲۱ھ میں جلوہ آرا تخت غزنی ہوا۔ اس کا عہد حکومت اندرونی فتنوں کے دبانے، سلاجیق کا زور توڑنے اور مہمات ہند میں صرف ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطان مسعود کو باوجود شجاع اور لائق ہونے کے آغاز حکومت ہی میں ناکامی ہوی اسکی سب سے بڑی وجہ علی خویشاوند اور حسن بن محمد وزیر وغیرہ امرا کا استیصال و سزادہی تھی۔ درحقیقت ان لوگوں نے جو کچھ کیا تھا وہ مسعود ہی کے واسطے کیا تھا۔ اگرچہ اس میں اُن کی اپنی خود غرضی کو بھی دخل تھا۔ اسلیے مسعود کا یہ طرز عمل عجیب و غریب اور ایک سیاسی غلطی تھا۔ ایسے مواقع پر اس مزاج کے امرا کو معاف کر دینا مناسب ہوا کرتا ہے۔ مسعود اس نکتہ کو نہ سمجھا۔ اس نے اپنے حامیوں کو سزا دی جس کا اُسے خمیازہ اُٹھانا پڑا۔ اُن اُمرا کے متعلقین و متوسلین اور اُن سے ہمدردی رکھنے والے تمام سردار دل میں سلطان سے ناراض تھے۔ اگرچہ سلطانی رعب و اقبال نے اُن کی دہن دوزی اور زبان بندی کر رکھی تھی۔ لیکن دل و دماغ بہرحال آزاد رہتے اور برابر اپنا کام کیے جایا کرتے ہیں۔ جذبات پیدا ہوتے اور ترقی کرتے ہیں۔ گو وہ صندوق سینہ سے دہن تک آنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

ان باتوں کا ظاہری نتیجہ یہ تھا کہ قوم کی متفقہ طاقت کا شیرازہ درہم برہم ہو رہا تھا۔ یاد رکھیے اسوقت محمودی زمانہ کا جوش و خروش اور شوق

جانبازی ۔ غزنی میں ڈھونڈے نہ ملتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطان محمود کے بعد اسکا ایک جانشین بھی اس دل ودماغ کا نہ نکلا ؎

قیس سا کوئی بھی اٹھا نہ بنی عامر میں!
فخر ہوتا ہے گھرانے میں سدا ایک ہی شخص

سلطان مسعود غازی نے معاملات ہند کی جانب توجہ ہندوں کی جس میں اسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ چنانچہ قلعہ سرستی (سرسہ) ہانسی ۔ سونی پت (نواح دہلی) سر کر لیے ۔ اور اس طرح قلب ہند میں وہاں تک جا پہنچا جہاں اس سے قبل مجاہد نہ پہنچ سکے تھے ۔ اسی طرح کوہستان ہمالیہ کی ایک ریاست پر حملہ کر کے اسکے راجہ رام کو رام (مطیع) کیا۔

ان واقعات کے بعد سلطان نے اپنے فرزند شہزادہ ابو المجد کو حکومت لاہور پر مامور کر کے خواجہ ایاز کو اسکا اتالیق اور مدار المہام مقرر کیا ۔ اور خود غزنی واپس چلا گیا ۔ اسلیے کہ سلاجیق سر اٹھا رہے تھے ۔

حقیقت یہ ہے کہ سلاجیق نے سلطنت غزنی کی جڑیں ہلا دیں ۔ سلجوق ابتداً ایک خانہ بدوش قبیلہ تھا رفتہ رفتہ اس نے طاقت اور پھر پولیٹیکل اہمیت اختیار کی ۔ امیر سبکتگین کے عہد تک حکومت ان لوگوں سے نرم وگرم سلوک کرتی رہی ۔ اور یہ بھی پالیسی سے کام نکالتے رہے ۔ چنانچہ اتفاق سے کئی بار سزائیں اور معافیاں روی گئیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ ارباب حل وعقد انکو خانہ بدوش غارتگروں سے زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے ۔ مگر یہ غلطی تھی ۔ کیونکہ اس طرح انھیں ترقی کا موقع مل گیا ۔ اور پھر انھوں نے زیادہ ہاتھ پاؤں نکالے ۔ حتیٰ کہ سلطان محمود غازی کو بذات خاص حملہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ چنانچہ سلطان نے اپنی دانست میں ان کی طاقت کو پامال کر دیا ۔ بقیۃ السیف سلاجیق طالب

امان ہوے اور سلطان نے ان کا قصور معاف کرکے انھیں خراسان کے مشرقی حصہ میں آباد کردیا۔ لیکن یہ ایک خوفناک سیاسی غلطی تھی۔ خراسان کے آرام طلب اور کمزور باشندے ان شورہ پشتوں سے کب عہدہ برا ہو سکتے تھے۔

سلطان مسعود غازی بھی مثل اپنے بزرگوں کے سلاجیق کو محض ناقابل التفات سمجھتا رہا۔ لیکن یہ جن دنوں ہندوستانی مہمات میں مصروف تھا۔ تو ان لوگوں نے سخت سر اٹھایا۔ یعنی ماوراءالنہر اور خراسان میں ہنگامہ تاخت وتاراج گرم کیا۔ سلطان کو اطلاع پہنچی تو ان کی سرکوبی کے لیے بلخ کی جانب کوچ کیا لیکن یہ مہم فی الحال ملتوی کرنی پڑی۔ اور اس نے پہلے قدرخان (والی ترکستان) کے ملک پر جو ابھی ابھی فوت ہوا تھا۔ لشکر کشی کرنا ضروری سمجھا۔ اور اس میں متوقع کامیابی حاصل کی مگر اس تعویق سے سلجوقیوں کو اجتماع افواج کا موقع مل گیا۔ ان لوگوں نے زور شور سے فوجی تیاریاں شروع کیں۔ ساتھ ہی ساتھ بلخ میں تاخت وتاراج شروع کردی۔ اس لیے سلطان نے بلخ کو کوچ کیا۔

یہ دیکھکر سلجوقیوں کا سپہ سالار جعفر بیگ مرو کی سمت پسپا ہو گیا۔ سلطان اسکے تعاقب میں گیا۔ لیکن اس نے اپنے میں طاقت مقابلہ نہ دیکھکر مصالحت کرلی۔ گو یہ محض دفع الوقتی تھی۔

اس اثنا میں ایک مکروہ حادثہ واقع ہوا۔ جس سے غزنویوں کے مستقبل پر سخت اثر پڑا۔ ان دنوں دارالامارت (غزنی) بالکل خالی تھی دشمنوں نے موقع تاکا۔ طغرل بیگ سلجوقی سپہ سالار یلغار کرتا ہوا غزنی آپہنچا اور غیر معمولی دلیری اور جرأت کرکے شاہی اصطبل کو لوٹ لیا۔ عہد مسعودی کا یہ ایک نامسعود واقعہ ہے۔ اس سے آیندہ کے لیے دولت کی بے رعبی ہو گئی

اس حادثہ سے دولت غزنویہ کی بد اقبالی اور سلجوقیوں کی اقبال مندی کی فال لی گئی۔

سلجوقی اب بھی شرارت سے باز نہ آئے۔ اُن کی ایک جماعت نے دفعتہً سلطانی فوج پر حملہ کرکے اُسے نقصان پہنچایا مگر گرفتار ہوئے اور ان کو مع زن و فرزند تہ تیغ کرکے مقتولین کے سر گدھوں پر لاد کر سردار ترکمان (بیغو) کے پاس بھیجے گئے۔ بیغو نے اس واقعہ سے لاعلمی ظاہر کی اور اظہار تاسف کرکے طالب معافی ہوا۔

سلطان نے طوس پہنچ کر سلجوقیوں کو ایک شکست فاش دی۔ اور اب طغرل بیگ کی سزا دہی پر آمادہ ہوا جس نے غزنی پر چھاپہ مارنے کی جرأت بیجا کی تھی۔ لیکن طغرل پہاڑوں کے درّوں میں سر چھپاتا پھرا اور سامنے نہ آیا۔ دراصل یہ ایک جنگی چال تھی۔

اسوقت غزنی کی فوجیں طوس میں گھری ہیں۔ باوجود سلطان کے دعوت جنگ دینے کے سلاجقہ مقابلہ کو نہیں نکلے۔ موسم خوب سرد ہے برف باری نے ہر طرف راستے مسدود کر دیے ہیں حالت یہ ہے کہ اگر سلطانی فوج غزنی کو واپس جانا چاہے تو یہ ناممکن ہے۔ اس فوج کا سلسلہ غزنی اور تمام چھاؤنیوں سے منقطع ہو چکا ہے۔

اس موسمی تغیرات نے جنگی حالات بھی بالکل تبدیل کر دیے۔ گویا نقشہ ہی بدل گیا۔ یا تو سلاجقہ چوہوں کے مانند بلوں میں سر چھپاتے پھرتے تھے یا اب حشرات الارض کے مانند گویا شکم زمین پھاڑ کر نکل آئے۔ گویا وہ نہایت ہوشیاری سے مناسب موقع کے منتظر رہے تھے۔ ان لوگوں نے ہر طرف سے سلطانی فوج کو گھیر لیا۔ اگر موقع ہوتا تو اس وقت مقابلہ سے گریز کیا جاتا

کیونکہ دشمنوں کی تعداد کثیر تھی - لیکن جب سلطانی فوج گویا دشمنوں کے محاصرے میں آئی ہوئی تھی تو پھر سوائے مقابلہ کے اور کیا چارۂ کار تھا؟

الغرض لشکر آرائی - اعلان جنگ، اور پھر مقابلہ و مقاتلہ شروع ہوا - مگر نہایت زور شور سے فریقین نے نہایت دلیری اور بے جگری دکھائی - خون کی ندیاں بہ نکلیں - جن میں بہادروں کے سر - اعضاے بریدہ اور نعشیں غوطے کھا رہی تھیں - کامل تین روز تک موت کا بازار گرم رہا - ہزاروں بہادر مولی گاجر کے مانند کٹ گئے -

مقابلہ کانٹے کی تول ہو رہا تھا کسی فریق کا پلہ اُٹھا ہوا نظر نہ آتا تھا - کہ دفعتہً سین بدل گیا - تیسرے روز چند غزنوی اُمرا جو کسی نہ کسی وجہ سے سلطان سے ناخوش تھے - دشمنوں سے جا ملے - گو یہ واقعہ بجائے خود کچھ کم اہم نہ تھا لیکن اس نے توقع سے زیادہ اہمیت اختیار کی - ان نمک حرام اُمرا کے چلے جانے سے دوسرے سرداروں اور امیروں کے جذبات بدل گئے فوج میں بالعموم بددلی پھیل گئی جس کا ابتدائی نتیجہ یہ تھا کہ بہادروں کے ہاتھ اُٹھتے تھے - لیکن بیدلی سے رُک جاتے تھے - اُنکے دلوں میں پہلا سا جوش نہ تھا! اسکے مقابلہ میں دشمن کا دم خم وہی تھا - بلکہ وہ غزنویوں میں سستی کے آثار دیکھکر اور زیادہ دلیری کا اظہار کر رہے تھے -

میدان کا رنگ بدلا دیکھکر سلطان کی رگ حمیت بھڑکی - خون کھولنے لگا اس نے بنفس نفیس دشمنوں پہ حملہ کیا - اور کئی خونخوار دشمنوں کو آناً فاناً خاک و خون میں ملا دیا -

لیکن باایں ہمہ غزنی فوج کی مجموعی حالت اچھی نہ تھی - بہت سے بہادر خوفناک دشمن کی تلوار سے کٹ گئے - بقیۃ السیف کے پاؤں میدان سے اُکھڑ گئے -

اور اُس نے فرار اختیار کیا۔ ان لوگوں کے سر پر ایسی وحشت سوار ہوئی کہ انھیں اپنے سلطان کی حفاظت جان کا بھی خیال نہ رہا۔ سلطان کے اردلی رسالہ کا سپہ سالار اور سپاہی بھی میدان میں نہ ٹھہرے اور سلطان مسعود کو دشمنوں کے نرغہ میں تنہا چھوڑ گئے۔

سلطان تن تنہا میدان جنگ میں کھڑا تھا۔ ہزاروں دشمن اُسکے چاروں طرف تھے۔ لیکن باین ہمہ اُسکے تیور ذرا بھی میلے نہ تھے۔ اُسکے دل میں نام کو تشویش یا خوف نہ تھا۔ بلکہ وہ استقلال کا پتلا نظر آتا تھا۔ اس نے اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرنا چاہا۔ سلطان نے عزم کیا کہ دشمنوں کے نرغہ سے نکلے۔ چنانچہ اُس نے گھوڑے کو ایڑ بتائی اور معجزانہ طریق پر اپنا گرز گراں چاروں طرف گھماتا ہوا دشمنوں کے نرغہ سے چل دیا۔

سلطان کی ذاتی شجاعت و دلیری ضرب المثل تھی۔ سلاجقہ ہزار بہادر ہوں۔ لیکن شاہی رعب بھی اپنا کام کر رہا تھا۔ سلطان برابر گھوڑا دوڑائے چلا جاتا تھا۔ لیکن کسی سلجوقی کی مجال، کسی جرات نہ تھی کہ بڑھکر اُسے روکتا۔ اُسکا گھوڑا جس طرف پہنچتا تھا۔ دشمن وہاں سے خود بخود ہٹ جاتے اور راستہ چھوڑ دیتے تھے۔ گویا اُس کا اقبال اُسکے آگے آگے راستہ صاف کرتا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ سلطان میدان جنگ سے صحیح سلامت۔ مرو جا پہنچا۔

(۹)

آج کی رات قاتلوں کے دل کے مانند غیر معمولی طور پر سیاہ۔ تاریک۔ خوفناک اور بھیانک ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا قریب تک کی چیز نظر نہیں آتی۔ زوال ماہ قمری کی انتہائی تاریخ پھر ابر سیاہ کا آسمان پر تسلط مزید برآں۔

نصف سے زیادہ شب گذر چکی ہے۔ دنیا میں تاریک پردہ پڑا ہوا ہے، ہر طرف سناٹا۔ ہو کا عالم اور خاموشی ہے۔ پتہ تک کھڑکنے کی آواز نہیں سنائی دیتی۔ ہاں کبھی کبھی بجلی، چمک کر، اور کڑک کر لحظہ بھر کے لیے اس خاموش اور تاریک سین میں خلل انداز ہوتی ہے، مگر پھر بدستور سناٹا ہو جاتا ہے۔

اس وقت قلعۂ غزنی کے اندر شاہی محلات سے بہت فاصلہ پر ایک مکان کے اندر تین آدمی بیٹھے ہوئے۔ باہم گفت و شنید کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنے چہرے مہرے اور خط و خال سے اعلیٰ طبقے کے رکن معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے تیوروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی خوفناک منصوبہ کی کھچڑی پکا رہے ہیں۔

ایک۔ یہی ایک طریق ہے کہ ہم اپنے دشمن سے انتقام لے سکتے ہیں۔

دوسرا۔ مگر معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور کر لینا چاہیے!

تیسرا۔ خوف کا کوئی مقام نہیں سلیمان! (پہلے شخص کا نام) ہم لوگوں کا بال تک بیکا نہ ہوگا! اس کا ذمہ دار میں ہوں۔

سلیمان۔ ہاں شہزادہ صاحب! (احمد بن سلطان محمود) جب آپ یہ فرماتے ہیں تو پھر ہمیں کیا اندیشہ؟!

شہزادہ احمد۔ آپ لوگ بالکل مطمئن رہیں۔ سب ٹھیک ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ خود حضرت ظل سبحانی ہم لوگوں کے مددگار رہیں گے۔ کیونکہ اسی میں ان کا فائدہ ہے کہ یہ ہستی صفحۂ دنیا پر نہ رہے۔

ابن علی خویشاوند۔ (تیسرا شخص) قسمت سے یہ موقع بھی خوب ہے۔ کیسی تاریک رات ہے۔ ایسا ہی وقت ایسے نازک کاموں کی انجام دہی کے لیے موزوں ہوتا ہے۔ گویا اس وقت قدرت ہماری تائید اور امداد کر رہی ہے۔ شہزادہ صاحب! باقی باتوں کا انتظام آپ نے کر لیا ہوگا؟!

شہزادہ - ہاں ہاں! تمام کام بلا مزاحمت ہو جائیگا - تمام انتظام کر لیا گیا ہے -
سلیمان - تو پھر اب تاخیر نہ کرنی چاہیے!
ابن علی - بہتر - بسم اللہ!

یہ کہہ کر ان تینوں شخصوں نے لباس تبدیل کیا - چنانچہ وہ سرتاپا سیاہ ملبوس میں پوشیدہ ہو گئے - حتیٰ کہ ان کے ہاتھوں میں سیاہ دستانے، اور چہروں پر سیاہ نقاب پڑے ہوئے تھے - ان لوگوں نے تیز خنجر لباس کے اندر چھپا لیے تھے -

یہ لوگ پیچیدار راستوں اور تاریک گلیوں سے گذر کر شاہی محلات کے قریب جا کھڑے ہوئے - یہاں پہنچ کر وہ لمحہ کے لمحہ رُکے - اور پھر باہم کچھ اشارہ کر کے جانب مشرق چلے - اور ایک عظیم الشان عمارت کے پھاٹک پر جا کر ٹھٹکے اب شہزادہ آگے بڑھا - اس نے دیکھا کہ پھاٹک کے پہرہ دار سنتری - گہری نیند میں غرق خراٹے لے رہے ہیں - احمد اپنے ساتھیوں کے پاس آیا - اور ان کو بھی اپنے ساتھ لے گیا -

شہزادہ نے جیب میں ہاتھ ڈالا - اور ایک کنجی نکالی اور اُسے پھاٹک کے قفل میں داخل کیا - پھر نہایت آہستہ سے پھاٹک کے دروازے کھولے گئے - اور جب یہ تینوں آدمی اندر داخل ہو گئے تو پھاٹک اندر سے بند کر لیا گیا - یہ تمام کارروائی ایسی تیزی، ایسی عجلت، اور ایسی احتیاط سے عمل میں آئی کہ بہ حالات ظاہر پہرہ دار سنتری اس سے بالکل بے خبر تھے - اور ہنوز گہری نیند میں غرق!

اس عمارت کے اندر جو درحقیقت شاہی بندی خانہ ہے اور جس میں پولیٹیکل قیدی رکھے جاتے ہیں ایک چراغ نہایت دھیمی روشنی سے

جل رہا تھا۔ اندر داخل ہونے والوں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا اور نحیف شخص جس کا چہرہ اس حالت میں بھی نہایت رعب دار اور چمکدار ہے پلنگ پر پڑا بے خبر سورہا ہے! نوواردوں نے اندر کے سین کو ایک ہی نظر میں بھانپ لیا۔

ان لوگوں کا پہلا کام یہ تھا کہ انھوں نے چراغ کو ٹھنڈا کردیا۔ اب چاروں طرف بلا کی تاریکی تھی۔ سین پر پردہ پڑ گیا تھا۔ لمحہ بھر کے بعد وشپ شپ کی آواز سنائی دی! اور اسکے بعد ایک دردانگیز انسانی چیخ کی آواز، پھر بدستور سابق۔ بالکل خاموشی اور سناٹا!

پھاٹک احتیاط سے کھولا گیا اور اسکے اندر سے تینوں آدمی باہر نکل کر بے تحاشا بھاگے! شاید اسی آہٹ سے پہرہ دار سنتری بیدار ہوگئے چند منٹ کے بعد جب آنکھیں ملنے سے فارغ ہوے تو پھاٹک کھلا دیکھکر چور چور کا غل کرکے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ مگر چور نکل چکے تھے۔ اب وہ ڈرتے ڈرتے پھاٹک کے اندر داخل ہوے اور بڑی دشواری سے چراغ جلایا مگر اب انکی آنکھوں کے سامنے قیامت کا سین تھا۔ وہ غش کھا کر گر پڑے اور بے اختیار ان کی زبان سے نکلا۔ خون! اُف سلطان کا خون!"

سلطان مسعود کو سلجوقی قوم میں نا کامی ہوئی۔ غزنوی تاریخ میں یہ ایک خاص واقعہ تھا۔ تاہم سلطان اپنی بے نظیر ذاتی شجاعت اور دلیری کی بدولت اپنی جان دشمنوں سے عزت سے بچا لایا۔ سلجوقیوں کو آفتاب کی جرأت ہوئی۔ سلطان مرو جا پہنچا اور وہاں اکثر مفرور سپاہی اس سے

آملے۔

سلطان مسعود کوچ کرتا ہوا بخیریت تمام غزنی جا پہنچا۔ اور اپنی فوج کے اکثر مفرور سرداروں کو ہندوستان کے قلعوں میں نظر بند کیا۔ یہ سب کچھ صحیح لیکن فتنہ سلاجیق کا نتیجہ غزنویوں کے حق میں نامبارک نکلا۔ تمام ممالک محروسہ میں بے رعبی پھیل گئی۔ یہی واقعہ زوال غزنویہ کی تمہید بنا۔ اور آخرکار ایک روز سلجوقی خانہ بدوش دہقان سے سلطان بن گئے۔

فتنہ سلاجیق ایک طرف، دوسری جانب امراے غزنوی کا تمرد اور نااتفاقیاں ملک کے امن وامان کو سوخت اور سلطان مسعود کی حکومت کو ناکام ثابت کر رہی تھیں۔ سلطان موجودہ حالات میں شریروں کی قرار واقعی سرکوبی نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا اُسکے دماغ نے ایک جدید منصوبہ سوچا۔ اس نے عزم کیا کہ لاہور (ہندوستان) پہنچکر اور وہاں سے فوجی جمعیت لے کر سلاجیق وغیرہ سرکشان غزنی کا قلع قمع کرے۔ اُسے اپنے کئی ماتحت اور دوستدار ہندو راجگان و اُمراے سے بھی امداد کی توقع ہوگی۔ ہندو فوج اور ہندو سپہ سالاروں پر وہ کامل اعتماد رکھتا تھا۔ جو سلطان محمود کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک بیشمار مواقع پر جاں نثاری اور وفاداری کا ثبوت دے چکے تھے۔ لیکن آیندہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ ایک افسوسناک اور خطرناک مغالطہ تھا۔

سلطان نے فی الحال معاملات غزنی کا یہ انتظام کیا کہ اپنے فرزند اکبر امیر مودود کو حکومت بلخ پر مامور کیا۔ علٰے ہذا شہزادہ ایزد یار کو حکومت غزنی اور امیر کو ملتان کی حکومت سپرد کی۔ اور ان انتظامات سے فارغ ہو کر خود ہندوستان کی جانب کوچ کیا۔ تمام قیمتی ساز و سامان اور شاہی

خزانہ، اونٹوں پر بار سلطان کے ہمراہ تھا۔ اور لاہور منزل مقصود۔

سلطان مع اپنے ہمراہیوں کے کوچ کرتا ہوا نواح راولپنڈی تک آپہنچا۔ لیکن جب وہ موضع مارگلہ کے قریب پہنچا تو ایک نہایت افسوسناک واقعہ رونما ہوا۔ یعنی ہمرکاب غلاموں نے (زیادہ ہند و کم ترک) خزانہ، اور قیمتی مال و اسباب، لوٹنا شروع کیا۔ حتّٰی کہ تمام زر و جواہر قبضہ میں کرلیا۔ سلطان کے ہمراہی اُمرا، اور سپاہی، اس واقعہ کو خاموش دیکھا کیے۔ ان میں سے کسی نے اُنگلی تک نہ ہلائی۔

سلطان مسعود، اپنے معذور و معزول (سلطان) بھائی (محمدؐ) کو بمقتضائے سیاست اپنے ہمراہ لایا تھا وور اندیشی یہ کی تھی کہ اس کی غیرحاضری میں ناراض اُمرا وغیرہ کہیں اُسے تخت غزنی پر قابض نہ کرادیں لیکن اس کا ساتھ لانا اور بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ سلطان کے ہمراہی غلاموں اور اُمرا نے محمدؐ کو آزاد کرکے اُسے سلطان بنایا۔ اور اب ان لوگوں نے سلطان مسعود کے خیمہ پر حملہ کردیا!

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام معاملات کی پیشتر ہی سے سازش اور پختہ ہوچکی تھی اور مخالف پارٹی نے پہلے ہی ہر طرح کا انتظام کرلیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان جیسا شخص، جو سلجوقیوں سے بچ کر نکل آیا تھا۔ بہ آسانی اس جال میں پھنس گیا۔

سلطان مسعود کو فی الحال سوائے اسکے چارہ کار نہ نظر آیا کہ سرائے مارگلہ میں محصور ہو جائے چنانچہ اس نے یہی کیا۔ مگر اُمرا نے حق رفاقت ادا نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسیر کرکے نابینا بادشاہ محمدؐ کے روبرو پیش کیا گیا اور اسے نظربندی کا حکم ہوا۔

معزول سلطان مسعود اس حالت میں زیادہ عرصہ تک نہیں رہا - بلکہ زمانہ اسیری سے بہت تھوڑے عرصہ بعد بندی خانہ میں شہید کیا گیا - اسکے قاتل سلیمان بن یوسف - ابن علی خویشاوند - اور شہزادہ احمد بن سلطان محمدؐ تھے - جیسا کہ مذکور ہوا - سلطان محمدؐ اس سازش قتل سے بے خبر اور ناواقف تھا -

سلطان مسعود نے سلیمان کے باپ یوسف اور علی خویشاوند سے جس قسم کا سلوک کیا تھا اُس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے ان لوگوں نے اس طرح اپنا اپنا انتقام لیا - اور شہزادہ احمد بن محمدؐ کو بھی اپنا شریک حال کیا کہ دارو گیر سیاست سے محفوظ رہیں - اور اس طرح سلطان مسعود ابن سلطان محمود غازی جیسی اہم ہستی کا خاتمہ ہوا -

اقبال محمودی اور زوال مسعودی کے اسباب و علل کی تلاش بجائے خود دلچسپ اور مستقل بحث ہے - لیکن یہ ہمارا افسانہ اس طویل اور خشک تاریخی بحث کا متحمل نہیں ہو سکتا ! وہ مضمون مستقل فرصت چاہتا ہے !!

حکیم مظفر حسین آظہر دہلوی

غزل

شاید نصیب ہوں بت ایماں شکن کے پاؤں — چھوتا ہوں جا کے دیر میں میں برہمن کے پاؤں
دیکھا ہے اس نے کس گل رعنا کو باغ میں — حیرت سے رک گئے ہیں جو سرو چمن کے پاؤں
کرنا ہے امتحان کشش حسن کا اسے — رکھتی نہیں ہے شمع جو باہر لگن کے پاؤں
نقش قدم سے نقشۂ گلزار کھنچ گیا — کیا گل کھلا گئے ہیں مرے گلبدن کے پاؤں
باسط سہا ہو طالع ناساز گار یوں
اپنا سر نیاز ہو اس سیمتن کے پاؤں — باسط بسوانی

قلب

قلب یوں تو مخروطی شکل میں گوشت کا ٹکڑا ہے، لیکن اب اسکو کیا کہیے کہ حضرت رب العزت نے اپنے لیے اسی کو پسند فرمایا ہے۔ ایسی زبردست پسند پر کس کو مجال سخن ہے۔

تفہیم کلام کے لیے، اسکو تین اقسام میں منقسم فرما لیجیے۔

الف صحیح (زندہ)

ب علیل۔

ج مردہ۔

صحیح اور زندہ کو "سلیم" بھی کہتے ہیں اسکی تعریف میں اہل دل نے مختلف تقریریں کی ہیں، مگر ماحصل کلام یہ ہی ہے کہ وہ قلب جو ذوالجلال والاکرام کی مرضی میں ہمہ وقت مصروف و مشغول ہو کر غیر اللہ کی رضا جوئی سے بے نیاز ہو جسکا اکل و شرب جسکی نقل و حرکت یا جسکا عزم و ارادہ سب اللہ ہی کے واسطے ہو جسکا سب باتوں میں دستور العمل وہی ہو جو سرکار دو عالم فداہ امی و ابی نے اپنے اسوۂ حسنہ میں اپنے غلاموں کے لیے چھوڑا ہے "قلب سلیم کہلاتا ہے اور یہی ایک چیز ہے جو ہم سے حقوق اللہ کے سلسلے میں مانگی جائے گی اور کام آئے گی" (یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم) مال یا اولاد کچھ کام نہ آئے گا مگر قلب سلیم"

اکابرین سلف کہہ گئے ہیں کہ ہر چھوٹے بڑے کام کے متعلق دو سوال ہونگے (ایک یہ ہوگا کہ کیوں کیا، دوسرا یہ ہوگا کیونکر کیا)۔ پہلا اس پر مبنی ہے کہ کرنے کی غرض کیا تھی یعنی رضائے معبود مقصود تھی یا رضائے عبد، دوسرا اس پر مبنی ہے کہ طریق عمل اسوۂ محمدی کی تعلیم سے ماخوذ تھا یا ایجاد بندہ بھی شامل تھی کیونکہ حکم یہ ہے کہ بس اتباع شریعت فوت نہ ہونے پائے (یا ایہا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ) اے ایمان والو آگے نہ بڑھو اللہ اور اسکے رسول سے پس ان دونوں سوالوں کے واسطے، ہر شخص کو اپنے پہلو میں قلب سلیم کی جستجو چاہیے، جسکے قلب پر

عملاً تلاش موجود ہے وہی قلب سلیم ہے۔

علیل وہ ہے جس میں موت کے آثار بھی پائے جائیں (ایسا قلب کبھی روشن ہو جاتا ہے کبھی تاریک جب زندگی سے مانوس ہوتا ہے تو اسوقت صبر و شکر حمد و ثنا ذکر شغل میں مصروف ہوتا ہے جب موت کی کیفیت اسپر محیط ہوتی ہے تو معبود کو بھول کر عبد کی پرستش کرتا ہے۔ اس مقام پر یہ غور کرنا اچھا ہے۔ کہ ہم دل کی بیماری میں تو مبتلا نہیں۔

مردہ وہ ہے جو شیطان جسم کی بد فریبیوں کا شکار ہو کر اپنے خالق سے باغی ہو جاتا ہے مردہ دل کو اسکی پروا نہیں ہوتی کہ مجکو کبھی مرنا بھی ہے اپنے اقوال و افعال کی جوابدہی بھی کرنی ہے کیونکہ موت سے غفلت پیدا ہو جانا اسکا نام مردہ دلی ہے!

مذہب کہتا [illegible] زندہ دلی ہی مقصد آفرینش ہے۔ وہ حضرات جو آج دنیا میں زندگی کی پکار مچا رہے ہیں ان سے پوچھنا چاہیے کہ تمھارے پہلوؤں میں دل بھی زندہ ہے؟
لعنۃ اللہ علی الکاذبین"

اکثر وہ حضرات جو ہر وقت قومی ترقی کا ہنگام راگ سنایا کرتے ہیں انپر حیرت ہوتی ہے کہ کیونکر مسیحائی کا دعوی ان لوگوں کو زیب دیتا ہے اور ہنسی آتی ہے کہ سویا ہوا سوتے ہوئے کو بیدار کرنے کا خواہاں ہے مگر خود بیدار نہیں ہوتا۔

کیا مسلم کی زندگی یہ ہے کہ وہ حالات حاضرہ کے موافق ہر وقت ان خیالات میں پھنسا رہے جو اسکو زندگی سے محروم کیے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی ترقی یہ تو نہیں ہے کہ ہم دنیاوی ضروریات و مصالح کے بنا پر اپنی حسیات کو ٹھکرا دیں کاش ہم میں اب تو کچھ وہ لوگ پیدا ہوں جو ہر وقت ہمکو زندہ دلی کی جانب بلاتے رہیں کہ قومی ترقی کا راز اسی زندہ دلی میں پوشیدہ ہے۔

تعجب ہم اپنے اسلاف کے کارناموں پر فخر تو کرتے ہیں لیکن اسکا کبھی خیال بھی نہیں ہوتا کہ عزت و ترقی کی معراج تک پہنچانے والی ہماری پالیسی اور روباہ بازی نہ تھی بلکہ وہ زندہ دلی اور حق پسندی تھی جس نے ساری دنیا کی حکومت جسنے ساری بادشاہت و ریاست ہمکو بخش دی تھی۔ پس آج مسلم ہستی کے لیے کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ صرف وہی سادہ اسلامی زندگی ہے جو دنیاوی ملونیت [illegible] سے متخاصم ہو۔ اور قلب سلیم پیدا کرنے والی ہو

المرسل

سید ظفر حسن علوی ۔ ناظم دائرۃ الادب دہلی

ہلال عید

یہ جلوہ نما جو طغرائے عید کے ہلال — فلک کے شیشۂ دل میں پڑا ہوا ہے بال
یہ کس حسین نے پھینکا ہے کاٹ کر ناخن — کہ حل عقدۂ دل میں نہیں رہا اشکال
حجاب ناز سے کس نے دکھا دیا ابرو — لڑی ہوئی ہیں نگاہیں جھکے ہوئے ہیں خیال
یہ کون اشارۂ انگشت سے بلاتا ہے — کہ دل یکایک نظر آنے میں آج ہو بحال
جھکی ہوئی ہے یہ چھوٹی سی شاخ نخل طور — زمانہ ہے ادنیٰ [illegible] سال
یہ کس کے ابروئے خمدار کے اشارہ سے — ہوا ہے شیشۂ دل ریزہ ریزہ ہلال ہلال
یہ کس نے میکدۂ چرخ میں جماہی لی — شراب ناب شفق میں پڑا ہوا ہے ابال
مگر اشارۂ ابرو سے کہہ رہا ہے فلک — کسی کی حلقۂ [illegible] وصال
مگر یہ ماہی دریائے نور وحدت ہے — شناوری میں جسے [illegible] کمال
مگر یہ ناخن دیدۂ فلک تو نہیں — دکھا رہا ہے ہمیں [illegible] بشکل ہلال
مگر یہ نون کو لکھا ہے خط طغرائی — نوید عید سناتے کو ہے [illegible] شوال
خراش ناخن وحشت نے [illegible] کری — بٹے ہوئے ورق دل [illegible] ہلال
بچھا ہے جال ستاروں کا چرخ نیلی پر — کہ حسن ماہ نے سینہ کو کر دیا غربال
گلے میں ڈال کے باہیں کسی سے عید ملو — لکھا ہوا ہے [illegible] سے ملاؤ وصال
ابھی تو جام ہلالی میں ہے شے سرجوش — [illegible] ماہ کمال
کمال حسن کے دفتر میں چار چاند لگیں — اگر آج آئینہ دیکھے کوئی پری تمثال
یہ اتفاق کہ برسات میں پڑی ہے عید — بگو بہ ساقی پیماں شکن تعال تعال
دلوں میں نور کا دریا بڑھا اٹھیں موجیں — جبین صاف تھی ساقی کی غرۂ شوال

نگاہِ مست نے بھیجا ہے ایک استفتا بتائیں حضرت مفتی کہ آج تو ہے حلال؟
یہ جوش عیش یہ حال طرب یہ کیف نشاط ملیں جو حضرت واعظ تو پوچھوں کیف الحال
جناب شیخ بھی ساقی سے کہہ اٹھے آخر ہے بوسہ چینی رخ آج افضل الاعمال
بتا کے فرق مے ناب و آب پاک مصفٰی ملا کے جام میں واعظ نے پی کئی مثقال
جمال روئے دل افروز صبح عید عزیز
ہلال ہے اگر ابرو تو رخ دعائے ہلال

عزیز لکھنوی

کام کی باتیں

جو غائب ہے وہ معشوق ہے جو مقابل ہے وہ عاشق ہے۔ اگرچہ علم صرف کے رو سے خلاف [illegible] ہو جاتا ہے مگر وہ ہمیشہ خادم ہی رہتا ہے۔

آنکھ سب کو دیکھ سکتی ہے مگر [illegible] اپنے عیب کو نہیں دیکھ سکتی۔

تم [illegible] چاہیے [illegible] سکتا۔

موت سے زیادہ [illegible] یقینی نہیں پھر کسی کی وفات پر یہ سمجھنا کیوں ہو زندگی تعجب ہو تو بیجا نہیں [illegible]

[illegible] حیات [illegible] اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

حیوان ناطق [illegible] انسان مطلق یہاں سے بڑھکر کوئی فضیلت نہیں کہ وہ گذشتہ واقعات سے اطلاع رکھتا ہے۔ وہ سیکڑوں عقلا کے تجربے سے ایک فرد واقفیت رکھتا ہے۔ اور یہ صرف علم کی وجہ سے۔

دنیا میں دوستی سے بڑھکر کوئی نازک رشتہ نہیں ہے اس بلائے جاں سے آتش دیکھیے کیونکر نبے ✚ دل سوا شیشے سے نازک دل سے نازک خوئے دوست ✚ قرابت مندی کے رشتے ٹوٹ ہی نہیں سکتے چاہے ہزار بے لطفی ہو۔ دوستی کے رشتے کو مضبوط رکھنے والے بڑے مرد ہیں ہے خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم ✚ انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینہ کو ✚

مولانا ئے خیر و بھنگوی

واردات فراق پر ایک نظر

ماہ جون کا رسالہ تمدن پہنچا۔ واردات فراق کا مضمون نہایت قابلیت سے لکھا گیا ہے۔ مجھے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس مضمون کو پڑھتے ہوئے میں جہاں جہاں اٹکا گیا۔ اسے قلمبند کروں۔

صفحہ ۱۹ پر ام سلمہؓ کی عمر سلہ ہجری میں اندازاً تیئں سال بتلائی گئی ہے۔ ہم کو عمر کا حساب اسطرح نکالنا چاہیے۔ کہ سنہ وفات ۵۹ھ بعمر ۸۴ سال ہے اسلیے سلہ ہجرت میں انکی عمر ۲۶ سال ہونی چاہیے۔

(۲) صفحہ ۲۱ پر ام سلمہؓ نے اپنی زبان سے اپنی ماں کا نام عاتکہ بنت عبدالمطلب بتلایا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مضمون نگار نے صاحب روضۃ الاحباب کا تتبع کیا ہے۔ انکی ماں کا نام عاتکہ ضرور ہے۔ مگر یہ عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ ہیں۔ عاتکہ بنت عبدالمطلب نہیں۔ یہ صاحب روضہ کا سہو قلم ہے۔ منشاء غلطی یہ ہے کہ عاتکہ بنت عامر اور عاتکہ بنت عبدالمطلب ایک ہی شوہر کے گھر میں تھیں۔ عبداللہ ابن ابوامیہ کی والدہ عاتکہ بنت عبدالمطلب ہیں۔ اور ام سلمہ کی والدہ عاتکہ بنت عامر ہیں۔ یعنی عبداللہ اور ام سلمہ علاتی بہن بھائی ہیں۔ مہاجر رضی اللہ عنہ حضرت ام سلمہ کے برادر شفیق ہیں۔ یہ حارث بن عبد کلال حمیری کے پاس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سفارت لیکر گئے تھے۔

(۳) صفحہ ۲۲ پر سولھویں سطر سے آخر صفحہ تک۔ و صفحہ ۲۳ پر آٹھویں سطر سے بارھویں سطر تک ام سلمہؓ غائبانہ [illegible] تحریر میں اگر یہ کوئی روایت ہے۔ تو حوالہ درج کردینا ضروری تھا۔ ورنہ [illegible] اختلافات فقہیہ میں صرف تخیل سے کام نہیں لینا چاہیے۔

(۴) صفحہ ۲۲ پر ابو سلمہ کا رونا۔ نبی صلعم کے چشمان مبارک میں پانی بھر آنا بیان کیا گیا ہے۔ کاش یہ کوئی روایت ہوتی۔ ورنہ دربار نبی ادب کب اجازت دے گا۔

(۵) صفحہ ۲۶ پر ام سلمہ کا منہ پر نقاب ڈالے آنا بیان کیا گیا ہے۔ گویا سلہ ہجری میں آیت ستر کا نزول ہو چکا تھا۔

(۶) ام سلمہؓ کا ابو ایوب کے گھر میں بحضور نبوی صلے اللہ علیہ وسلم حاضر ہونا بیان کیا گیا ہے۔ ابو ایوب کے گھر میں حضور کا قیام صرف ۷ ماہ تھا۔ اور ام سلمہؓ کی مدت فراق کتابوں میں ایک سال لکھی ہے۔ پس اگر حضوری کی یہ روایت صحیح ہے تو جمع روایات کا طریق ظاہر کردینا تھا۔

ایک ناظر

ناجائز تقلید

سب سے پہلے کہ میں کچھ لکھوں اپنے معزز بھائی بہنوں سے معافی چاہتی ہوں کہ اگر کوئی جملہ کسی کے ناگوار خاطر گذرے تو معاف کریں۔ آجکل عموماً اکثر تعلیم یافتہ گھروں میں یہ دیکھا جا رہا ہے کہ ماں باپ نانا دادا کی تقلید باعث فخر سمجھتے ہیں اپنی ذات میں تقلید کوئی بری چیز نہیں ہے مگر جب ہم بری چیزوں کی تقلید کرنے لگتے ہیں تو وہی چیز جو اچھی چیزوں کے لیے استعمال کی جاتی لوگوں کی نگاہوں میں بری ٹھہرتی ہے۔ ہمارے بھائی بہن اُن اچھی باتوں کی تقلید نہیں کرتے جو ان کے بزرگوں میں قابل فخر اور قابل تقلید تھیں بلکہ ہمیشہ بری باتوں کی تقلید کی طرف مائل ہوتے ہیں سنت نبوی بالائے طاق رکھکر اپنے بزرگوں کی تقلید فرض سمجھنے لگے ہیں۔ میں کچھ مردوں ہی کو نہیں کہتی بلکہ اکثر تعلیم یافتہ بہنوں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے جو بہت ہی قابل افسوس ہے اور اس کا اثر اولاد پر بھی برا پڑتا ہے شوہر پرستی تو بہت کم دیکھی جاتی ہے بلکہ شوہر کو دبا کر رکھنا آجکل فیشن میں داخل ہے۔ حال کا ذکر ہے کہ میں ایک روز کسی بہن کے پاس ملنے کے لیے گئی تھی تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ باہر آدمی نے آواز دی کہ نصیبا سرکار آگئے ہیں اور چاء باہر منگوائی ہے جلد بھیجدیجیو اور کچھ گلوریاں بھی بنوا کر ے آؤ ڈپٹی صاحب بھی بیٹھے ہوے ہیں نصیبا نے بیگم صاحب سے آن کر کہا بیگم صاحبہ بالکل بے پرواہی سے سنکر چپ ہوگئیں تھوڑی دیر بعد پھر دوسری آواز آئی اس پر بیگم صاحبہ نے بہت ہی جھنجھلا کر ماما سے کہا کہدے ٹھہر جا ایسی کیا جلدی پڑی ہے۔

اسقدر زور سے کہا کہ آواز باہر تک گئی۔ میاں دل میں بہت ہی نادم ہوئے
چونکہ بازار قریب ہی تھا آدمی بھیج کر چار وغیرہ منگوا لی۔ تھوڑی دیر بعد
پھر ماما نے آن کر کہا کہ بیگم صاحبہ بہت دیر ہوگئی ہے کچھ گلوریاں بنا دیجیے
آدمی پکار رہا ہے۔ بس اتنا کہنا تھا کہ بیگم صاحبہ آگ بگولا ہوگئیں ماما کو بہت
سخت سُست کہا گھر سے نکال دیا۔ میں نے کہا کہ بہن اُسکا کیا قصور ہے
کیوں بیچاری پر ظلم کرتی ہو تو کہنے لگیں کہ بہن وہ بہت گستاخ ہوگئی ہے اور
ماسوائے اسکے مردوں کو زیادہ سر پر نہ چڑھانا چاہیے اماں جان تو ابا کو
مُنہ نہیں لگاتیں اماں جان جو کہتی ہیں وہ ابا فوراً سُن لیتے ہیں اُنکی
بہت ہی اچھی عادت ہے آخر وہ بھی تو مرد ہیں۔ واہ کیا خوب؟ مطلب یہ ہے
کہ جیسا اماں نے ابا کو رکھا ہے ویسا میں بھی رکھوں گی۔ استغفراللہ کیسے افسوس
کی بات ہے کہ ایسی تعلیم یافتہ پڑھی لکھی لڑکی کے دل میں ایسے خیالات ہوں گے
ایک یہ ہی نہیں بلکہ میں ہزاروں لڑکیوں کو بتلا دوں گی کہ جن لڑکی کو
شوہر پرست خدمتگذار سُنتی ہیں نظرِ حقارت سے دیکھتی ہیں اور فخر یہ اپنی
سہیلوں سے کہتی ہیں کہ میں نے اُن کو ایسا رکھا ہے جو کہتی ہوں وہ مانتے
ہیں اور میرے کام میں کچھ دخل نہیں دیسکتے غرض ایک ایک طرح سے
شیخی مارتی ہیں اُن کی دیکھا دیکھی دوسروں کو حرص اُٹھتی ہے بعض کامیاب
ہوجاتی ہیں بعض اپنا سا مُنہ لے کر رہ جاتی ہیں۔ اکثر مردوں کی بھی یہی حالت
ہے کہ باپ دادا کی تقلید پر مٹے ہوئے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے باپ دادا
میں چند خوبیاں ہوں گی۔ ہم اُسکی کیوں نہ تقلید کریں جس میں کل اوصاف
موجود ہوں۔ وہ کون ہے؟ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جن میں دنیا بھر کی
اچھی اچھی خوبیاں موجود تھیں اور جن کی تقلید بھی ہم مسلمانوں پر فرض ہے۔

اُن بھائی بہنوں کو جو تقلید کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں دیکھنا چاہیے کہ پیغمبر خدا کا برتاؤ اپنی بیویوں سے کیسا تھا اور بیویاں کیسی خدمتگزار تھیں یہ ایسی تقلید ہے کہ اسکو ہر انسان کرسکتا ہے. بادشاہ سے لے کر فقیر تک اور بچے سے لے کر بوڑھے تک ان کی تقلید کرسکتے ہیں۔ کیونکہ جو بادشاہ بن کر رعایا کو خوش رکھنا حکومت کرنا سیکھے تو رسول خدا سے سیکھے. جو فقیری سیکھے وہ رسول خدا سے سیکھے. جو بزرگوں کی اطاعت سیکھے وہ رسول خدا سے سیکھے اولاد کی محبت وہ رسول خدا سے سیکھے. بیویوں سے محبت وہ رسول خدا سے سیکھے اور بیویاں ان نیک بیویوں سے سیکھیں مہماں نوازی وہ رسول خدا سے سیکھے کہ آپ مہمانوں کے ساتھ کیسے پیش آتے تھے۔ احسان کرنا یا احسان ماننا وہ رسول خدا سے سیکھے۔ تہذیب وہ رسول خدا سے سیکھے۔ غرض کہ کل اوصاف ہمارے پیشوا نبی صلے اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے۔ بتلائیے دنیا میں تقلید کے لیے ہمارے واسطے اور کوئی ایسا نمونہ مل سکتا ہے ہرگز نہیں۔ کیا ہمارے باپ دادا میں یہ خوبیاں اتنی نہ سہی اس میں سے دو چار بھی مل سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پھر کیا وجہ ہم ان کی تقلید کو فخر سمجھیں یہ کم عقلی ہے؟

ہم کو خدا کا لاکھ لاکھ شکرگذار ہونا چاہیے کہ اُسنے ایسا بہتر نمونہ دنیا میں ہمارے لیے چھوڑا ہے کہ جس کی دوسری نظیر ملنا محال بلکہ ناممکن ہے پس ہم کو بھی ویسی ہی چال اختیار کرنی چاہیے نہ کہ باپ دادا اماں کی اندھی تقلید۔

مسز مرزا حسین علی بیگ فرحت
(علیگ)

بعض مسائل حکمیہ پر ایک نظر

دنیا میں اعتقاد بھی عجیب و غریب چیز ہے۔ ہم اگر کسی چیز کی طرف کوئی خیال قائم کرلیں تو اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ پھر اسکے متعلق ہماری تمام معلومات اسی خیال کے ماتحت ہوں گی۔ ایک شخص کو ہم اچھا یقین کرتے ہیں اب یہ ہماری اعتقادی مجبوری ہے کہ اسکی طرف سے اپنی قوتِ نقد کو ضعیف و کمزور پاتے ہیں، اس شخص کی ہر بُری بات بھی ہمیں اچھی معلوم ہوتی ہے اور جو کوئی دوسرا بھی اپنی راے کے خلاف کہتا ہے تو اسکی کوئی نہ کوئی تاویل اپنے ذہن میں کرلیتے ہیں۔ برخلاف اسکے اگر کسی شخص کی طرف سے بُرا خیال بدقسمتی سے قائم ہوگیا ہے تو پھر ہم اس شخص کے اندر کوئی اچھی بات نہیں پاتے، یہانتک کہ ہم بداہت کے ساتھ اسکے بعض محاسن کو دیکھتے ہیں، لیکن سمجھتے ہیں کہ اسمیں بھی کوئی مکرو فریب ہے ورنہ اس شخص میں بھلائیاں کہاں سے آئیں۔ دنیا میں بہت کم افراد اس طبیعت کے ہوں گے کہ باوصف کسی چیز کی طرف کوئی خاص اعتقاد رکھنے کے وہ اپنی قوت انصاف کو قائم رکھ سکیں، ورنہ اکثر صورت میں یہی دیکھا جاتا ہے کہ اعتقاد حقیقتاً ایک حجاب ہے جو چہرۂ صداقت پر ڈال دیا جاتا ہے اور پھر اسکا اُٹھنا مشکل ہوجاتا ہے۔

اس عہد حکمت و فلسفہ میں بھی اسکا فقدان نہیں ہے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جیسی مضرتیں اسکی پہلے کسی زمانہ میں رہی ہوں گی، ایسی ہی اب بھی ہیں اور چونکہ ان مضرتوں کا اثر بہت عام ہے اسی لیے مذہب بھی اس سے نہیں بچ سکا اور اسکو بھی سخت صدمہ پہنچ رہا ہے۔ اسوقت مذہب کے

متعلق دو خاص گروہ ہیں۔ ایک تو وہ جو اُسے مع تمام حشو و زوائد کے بھی صحیح سمجھ رہا ہے اور چونکہ یہ اسکا اعتقاد کامل ہے اس لیے کوئی صورت اسکو اس خیال سے ہٹا نہیں سکتی اور نہ کوئی دلیل اسپر کارگر ہو سکتی ہے، دوسرا گروہ وہ ہے جو مذہب کی ہر بات کو غلط سمجھتا ہے خواہ وہ کتنی ہی صحیح کیوں نہو اور اسی طرح وہ بھی کسی برہان کے سامنے سر عجز خم کرنے کے لیے آمادہ نہیں۔ اول الذکر طبقہ میں عام جہلا شامل ہیں اور دوسرے طبقہ میں آج کل کے فلاسفرز یا پھر اُن سے بھی زیادہ وہ نوجوان طلبہ جنھوں نے کالجوں میں رہ کر سوا اسکے کچھ حاصل نہیں کیا کہ مذہب لغو ہے، مذہب بیہودگی ہے، مذہب درندگی کو کہتے ہیں، مذہب ایک بیجا پابندی کا نام ہے اور مذہب مجموعہ ہے خلاف عقل و حکمت باتوں کا چونکہ یہ خیال اُنکے دماغ میں اعتقاد کی حد تک مرتسم ہو جاتا ہے اسلیے وہ اپنے عقیدہ کے خلاف کسی بات کو سُننا گوارا نہیں کرتے اور ان کا ذہن چونکہ یہ یقین کر چکا ہے کہ موجودہ فلسفہ و حکمت سے زیادہ سچائی کسی میں نہیں ہے اس لیے وہ اسکے خلاف کسی امر کو نہیں مان سکتے خواہ اسکا تسلیم کرانے والا مذہب ہو یا کوئی اور چیز وہ سمجھتے ہیں کہ جو بات ہکسلے یا ڈارون کے مُنہ سے نکل جائے وہ کبھی جھوٹی ہو ہی نہیں سکتی اور جس امر کو یوروپ والے تسلیم کرلیں اسکو نہ ماننا سخت جہل و حمق ہے۔ اگر کوئی بات ایسی ہوتی ہے کہ اسپر ان کا فلسفہ اور مذہب دونوں اتفاق کرتے ہیں تو وہ صرف اس وجہ سے اُسے تسلیم کریں گے کہ فلسفہ ایسا کہتا ہے نہ کہ اس وجہ سے کہ مذہب یہ بتاتا ہے اور یہ بیہودگی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ واقعات تاریخ کو بھی ہم اس سے مستثنٰے نہیں کرتے اور خود اپنے اوپر طاری ہونے والی کیفیات کا بھی اسوقت تک یقین نہیں کرتے جبتک یوروپ اسکی تصدیق نہ کرے۔ اور اس کی مثال میں بہت سے ایسے حضرات مل جائینگے

جو رسول اللہؐ کے حالات سے صرف اس وجہ سے اور اس حد تک واقف ہیں کہ وہ کسی Life of Mahomed لائف آف محمد میں درج ہیں نہ اس لحاظ سے کہ ان میں کسی عربی سیرۃ یا خود اپنی مادری زبان کی تاریخ کا اعتبار ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج کل یہ عام خبط ہو رہا ہے کہ مذہب سے صرف اس حد تک اعتنا کیا جائے جس حد تک وہ فلسفہ و حکمت کے مطابق ہو۔

یا اگر کسی نے مذہب پر بڑا رحم کیا تو اس طرف تھوڑی سی توجہ ہوی کہ مذہب کو فلسفہ و حکمت کے مطابق ثابت کیا جائے۔ حالانکہ یہ دونوں سخت غلطیاں ہیں قبل اس کے کہ مذہب فلسفہ کا زیر بار احسان بنایا جائے ہمارا فرض یہ ہے کہ پہلے خود اصول فلسفہ کو دیکھا جائے کہ وہ بھی صحیح ہیں یا نہیں، اور پھر اگر وہ یقینی طور سے صحیح ثابت ہوجائیں تو کوئی مضائقہ نہیں کہ مذہب سے اسکو انٹرڈیوس کرایا جائے، ورنہ اسکی کیا ضرورت ہے۔ اب اس مسئلہ پر غور کیجیے کہ تحقیقات حکمت کس حد تک قابل یقین ہے۔ سو اس کا حال تو یہ ہے کہ اسکا ہر زمان میں ناقابل یقین ہونا ہی حکمت کی ترقی کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر آج کوئی مسئلہ حکمت جدیدہ کا ایسا نکل آئے کہ اسپر ہر طرح یقین کرنا ضرور ہو تو اسکے معنی یہی ہیں کہ اب فلاسفر اسکی آیندہ تحقیق کی طرف سے عاجز ہو گئے ہیں۔ اس لیے فلسفہ کا عجز نام ہے یقین کا نہ کہ تکمیل حکمت باعث ہوتی ہے کسی مسئلہ کے صحیح باور کرانے کی۔ اور ہم آج کی صحبت میں اسکو اجمال کے ساتھ بیان کرینگے کہ واقعی اصول فلسفہ کس حد تک اعتبار و یقین کے لائق ہیں۔

حکمت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حکمت نظری ہے دوسری عملی۔ حکمت نظری تو وہ جسکی تحقیق صرف ہمارے معلومات میں اضافہ کا باعث ہو جیسے کرہ ہا ے

آفتاب و ماہتاب وغیرہ کا علم اور حکمت عملی وہ جو ہماری زندگی کے لیے مفید ہو مثلاً علم طب، علم الکیمیا، علم جرثقیل وغیرہ۔ پھر چونکہ دنیا میں دو طرح کی چیزیں ہیں محسوس و غیر محسوس، اسلیے حکمت چار قسموں میں منقسم ہوی :-

(۱) حکمتِ نظری متعلق بہ اشیا رمحسوسہ (۲) حکمت نظری متعلق باشیا رغیر محسوسہ
(۳) حکمت عملی متعلق بہ اشیا رمحسوسہ (۴) حکمت عملی متعلق باشیا رغیر محسوسہ

اور ان چاروں کی بنیاد اس زمانہ میں استقرار Induction پر قائم ہے ہرچند پہلے زمانہ میں بھی استقرار اصل بنیاد فلسفہ کی تھی لیکن اسپر اسقدر انحصار نہ تھا جیسا آجکل ہے اور اسمیں کلام نہیں کہ بدون استقرار و تفحص کے کسی قسم کی ترقی نہیں ہو سکتی لیکن سوال یہ ہے کہ ہم کو اس استقرار پر کس حد تک اعتبار کرنا چاہیے اور کس حد تک وہ یقین کے لائق ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ اصول کلیہ بنانے کے لیے ضرورت ہے کسی ایسی تحقیق کی جو ہر زمان اور ہر حال میں یکساں طور سے صحیح ثابت ہو اور اگر کوئی ایک مثال بھی دنیا میں ایسی مل جائے جو مستثنےٰ ہو سکے تو وہ اصول کلیہ نہیں یہ منطق (Logic) کا مشہور مسئلہ ہے اور ہر شخص اس سے واقف ہے۔ اب غور کیجیے کہ کیا کسی ایسے علم میں جس کی بنیاد صرف استقرار پر ہے ہم کوئی اصول کُلّی قائم کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ جس وقت تک استقرار تام (   ) نہ ہو اسوقت تک ہم کبھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں بات تمام افراد میں اسی طرح پائی جائے گی۔ اور جس وقت تک کوئی حکم تمام افراد و جزئیات پر حاوی نہو۔ اسے حکم عام یا اصول کلیہ میں داخل نہیں کر سکتے۔ اشیا رغیر محسوسہ میں تو استقرار کا گذر بہت کم ہے بلکہ نہونے کے برابر ہے اس لیے حکمت کی دو قسمیں تو بداہتہً ناقص قرار پائیں۔ رہگئیں اشیا رمحسوسہ سو ان کا بھی چونکہ استقرار تام نہیں ہو سکتا

اس لیے باقی دو قسمیں بھی ناکمل ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ استقرار لغو و بیکار چیز ہے بلکہ مدعا صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اسپر اعتبار کرکے کوئی قطعی حکم کسی چیز کے بابت نہیں لگایا جا سکتا اور نہ قانون فطرت (Laws of nature) کلا اسپر منحصر ہو سکتا ہے زیادہ سے زیادہ اگر ہم کہہ سکتے ہیں تو صرف اسقدر کہ Inductive conclusion is merely more probable) نتائج استقرار اغلباً صحیح ہیں" اور اس صورت میں اسکا ضعف و نقصان ظاہر ہے اب ہم چند مثالوں سے سمجھائیں گے کہ استقرار میں کسقدر تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اور اسکے نتائج کتنے تغیر پذیر ہیں۔

(۱) ایک زمانہ تھا کہ ترکیب جسم صرف چار عناصر سے سمجھی جاتی تھی، لیکن اب استقرار نے ثابت کیا کہ یہ غلط ہے بلکہ ۶۴ اشیاء بسیط و مفرد ایسی دریافت ہو چکی ہیں جو عناصر میں شامل ہیں۔ لیکن کیا اب یقینی طور سے کہا جا سکتا ہے کہ صرف اسقدر اجزاء ہیں اور ان میں اضافہ ممکن نہیں۔ جس طرح چار سے ۶۴ ہو گئے اسطرح بالکل ممکن ہے کہ مزید استقرار انھیں سیکڑوں کی تعداد میں ثابت کر دے۔

(۲) پہلے یہ بات مسلمات میں داخل تھی کہ کل حیوان یحرک فکہ الاسفل (یعنی ہر جاندار کھانے کے وقت اپنے نیچے کے جبڑے کو حرکت دیتا ہے) لیکن ایک زمانہ کے بعد تلاش سے معلوم ہوا کہ تمساخ (مگرمچھ) سب جانوروں کے خلاف اپنا اوپر کا جبڑا ہلاتا ہے۔ چلیے یہ کلیہ بھی ٹوٹا۔ اور ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ صرف یہی ایک جانور ایسا ہے یا اور بھی بہت سے ایسے ہیں چونکہ ہم دنیا کے تمام جانوروں کو نہیں دیکھ سکتے اس لیے ہمارا استقرار اس مسئلہ میں ہمیشہ ناقص رہے گا۔

(۳) یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ شرط رویت نور و روشنی ہے۔ یعنی جبتک

روشنی نمو اس وقت تک رویت کا حصول نہیں ہو سکتا۔ لیکن امریکہ میں ایک عورت ابھی تھوڑے زمانہ ہوا ایسی ہوی ہے جو اندھیرے میں سخت تاریکی میں اور آنکھ بند کرکے اچھی طرح دیکھ سکتی تھی چونکہ ایک مثال ایسی ملگئی ہے اس لیے یہ بھی کلیہ نہ رہا۔ اسپر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ اسکا ایسا کرنا کسی خاص عمل مسمریزم کی وجہ سے تھا کیونکہ وجہ جو کچھ بھی ہو بہرحال یہ کلیہ بھی ٹوٹتا ہے جسکو ہم قانون فطرت سمجھے ہوے ہیں۔

(۴) ایک زمانہ تک یہ بات یقینی طور سے صحیح سمجھی جاتی تھی کہ مقناطیس سے اسکی کشش کسی وقت زائل نہیں ہو سکتی۔ وہ ہر وقت اور ہر حال میں جاذب ہے مگر بعد کو تحقیق سے معلوم ہوا کہ زلزلہ کے وقت اسکی جاذبیت جاتی رہتی ہے اور اسکی کہربائیت سلب ہو جاتی ہے۔

(۵) کسی جاندار شے کے اگر ہم ٹکڑے کردیں تو وہ زندہ نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی اصول حکمت میں داخل ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایک جانور ایسا بھی ہے جو ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے بعد بھی زندہ ہو جاتا اور مدت تک جیتا رہتا ہے۔ اور وہ جانور ہیدرا ہے کہ اگر اسکے ٹکڑے ٹکڑے کردیں تو تھوڑے عرصہ کے بعد ہر ٹکڑا بڑھکر ایک مستقل کیڑا ہو جاتا ہے اور رینگنے لگتا ہے۔ اسی طرح مینڈک کی خاک بارش میں ہزاروں مینڈک پیدا کردیتی ہے۔ اسلیے وہ اصول وبقا فنا جو ہم نے قائم کیے ہیں وہ بھی صحیح نہیں ہیں اور نہ اسکے متعلق قانون فطرت وہ ہے جو ہم نے سمجھا ہے

یہ بہت معمولی معمولی سی باتیں ہیں جن سے اصول فلسفہ ومسلمات حکمت مجروح ہوتے ہیں لیکن ممکن ہے کہ کوئی شخص کہے کہ یہ باتیں اصول میں داخل نہیں ہیں اسلیے ہم ان کو اب زیادہ پیش نہیں کرتے اور آیندہ صحبت میں خاص ان مسائل پر گفتگو کرینگے جو سب کے نزدیک مسلمات میں داخل ہیں اور دکھائینگے کہ ان پر

کتنے شبہات وارد ہوسکتے ہیں اور ایسے شبہات جن کا رد ممکن نہیں مثلاً ہوا کا ثقل زمین کی کشش وغیرہ اور پھر اسکے بعد ہم دکھائینگے کہ ہمارے وہ معتقدات جو خالص مذہبی تعلیم کا نتیجہ ہیں کسقدر مستحکم اور غیر متزلزل ہیں۔

نیاز فتحپوری

لکھنؤ سے روزانہ اخبار

کسی دوسری جگہہ ہم ایک اعلان شائع کرتے ہیں جو سید جالب صاحب دہلوی ایڈیٹر روزنامہ "ہمدم" نے اشاعت کے لیے ارسال کیا ہے۔ اسکے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ لکھنؤ سے "ہمدم" نامی ایک روزانہ اخبار نکلنے والا ہے۔ سید جالب صاحب کی ذات کو جو کچھ شہرت اخباری دنیا میں حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں آپ تقریباً ۲۵ سال سے اخباری دنیا میں کام کرتے ہیں اور ہندوستان کے بیشتر قابل قدر اور مشہور اخبارات کی ایڈیٹری کر چکے ہیں جتنی وسیع معلومات جناب میر صاحب کی اخباری معاملات میں ہے اسکی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ روزنامہ "ہمدم" موجودہ اخبارات میں انشاءاللہ چند روز میں اپنی امتیازی شان قائم کرے گا۔ آجکل کا زمانہ اخباری دنیا کے لیے جتنا مخدوش ہے وہ ناظرین "تمدن" سے مخفی نہیں۔ مگر میر صاحب کا طرز تحریر اور معاملات کو نہایت خوشگوار صورت میں پیش کرنا غالباً "ہمدم" کو بہت سے خطرات سے محفوظ رکھے گا۔ ہمدم کی ایڈیٹری جن قابل قدر ہاتھوں میں دیگئی ہے اُن سے اس امر کی امید رکھنی کچھ بیجا نہیں کہ ہمدم بہت جلد ایک وسیع حلقہ آبادی کو اپنے زیر اثر کرے گا۔ جس وقت تک "تمدن" کا موجودہ نمبر خریداروں کے پاس پہنچے اُسوقت تک "ہمدم" کے کئی نمبر نکل چکے ہوں گے۔ ہم "ہمدم" کی ناظرین "تمدن" سے خصوصیت کے ساتھ خریداری کے لیے سفارش کرتے ہیں "ہمدم" کی سالانہ قیمت ۱۲ روپیہ ششماہی ۷ روپیہ سہ ماہی ۴ روپیہ اور ماہانہ ۱؍ ہوگی۔ پتہ :- دفتر روزنامہ "ہمدم" ۲۷ لاٹوش روڈ لکھنؤ۔

شہید ناز کی فاتحہ

(سلسلے کے لیے ماہ ستمبر کا نمبر ملاحظہ ہو)

آہ میری بیس برس کی کمائی لٹ جائے گی۔ گو تم رشتے میں مجھ سے چھوٹی ہو لیکن اب میں چھوٹی بن کر تم سے بھیک مانگنے آئی ہوں میرا کشکول بھر دو۔ میں اپنے بچے کی خاطر یہ سر تمھارے قدموں میں رکھنے کے لیے تیار رہوں جو سوائے خدا کے کسی کے آگے نہیں جھکا لیکن میری اچھی بہن اب مجھے ناکام نہ واپس بھیجو۔

جواب میں وہی ناک بھوں چڑھی ہوئی تھی وہی مرغے کی ایک ٹانگ والی مثل پر نہایت سختی سے عملدرآمد کیا جا رہا تھا۔ کہا جا رہا تھا کہ چاہے دنیا ادھر سے اُدھر ہو جائے لیکن یہ نسبت تو قیامت تک منظور نہیں کی جائے گی۔ ہم اپنے ہاتھوں لڑکی کو زندہ گاڑ دیں گے یا جان سے مار دیں گے مگر تم یہ چاہو کہ اصغر سے شادی ہو کبھی نہیں ہو سکتی۔

بوا کوئی اصغر میں کیڑے پڑے ہیں کوئی چوڑا چمار ہے یا اُٹھائی گیرا بدمعاش ہے

ہاں ہاں وہ بہت اچھا ہے لائق ہے فاضل ہے مگر ہمیں اُسکے ساتھ شادی نہیں کرنا ایک دفعہ کہدیا ہزار دفعہ کہدیا۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں جو کسی نے آکر اصغر کی والدہ سے کہا۔ یہاں بیٹھی ہوئی کیا کر رہی ہو گھر جاؤ اصغر میاں تو جنت کو سدھار گئے۔ آہ کسی پر بجلی گرتی ہوتی تو وہ بھی اتنا متحیر اور ساکت نہوتا ہوگا جسقدر اصغر کی والدہ اپنے بیٹے کی خبر مرگ سُن کر تصویر حیرت بن گئی لیکن یہ سکتے کا عالم چند سکنڈ ہی رہا ہوگا کہ آنکھوں میں گریۂ بے اختیار کا ہنگامۂ محشر نما متلاطم ہوا۔ آگ بھڑکی اور خاکستر سے شعلے

اُٹھنے لگے۔ غریب ضعیفہ چلائی اور کہا۔ لو خوش ہو جاؤ۔ اب تو ٹھنڈک پڑگئی ہوگی مجھے برباد کرکے چین آگیا۔ سکون اور آرام حاصل ہوگیا۔ وہ پھانس جو کھٹکا کرتی تھی نکل گئی۔ وہ درد جو پریشان رکھتا تھا دور ہوگیا وہ ناسور جو تراوش ریز تھا بند ہوگیا خیر میں کچھ نہیں کہتی اللہ اس ستم کا بدلے گا۔ جیسا تم نے مجھے دلگیر کیا ہے خدا چاہے تو ایسا ہی تمہارا بھی حال ہوگا۔ ڈولی آئی اور یہ روتی ہوئی سوار ہوگئیں۔

اصغر کے چچا اکرام اللہ خاں آخر عزیز ہی تھے خون ملا ہوا تھا فوراً دوڑتے ہوئے گئے دیکھا تو واقعی اصغر رخصت ہوچکا تھا۔ لاش کے پاس عورتوں کو جانے کی سخت ممانعت کردی یہاں تک کہ ایک بچہ بھی بیٹھک میں نہ گھسنے پایا۔ اس اچانک موت کی وجہ ہیضہ قرار پائی اور یہ ایسی اچھی وجہ تھی جسے باور کرنے میں ہر شخص کو چارہ نہ تھا۔ باوجود یکہ عورتوں کی تعداد معقول تھی مگر کیا مجال جو بین یا نوحہ کرنے کی آواز آئی ہو۔ بس یہ معلوم ہوتا تھا ایک سناٹا سا چھایا ہوا ہے۔ عصر کا وقت قریب تھا جو جنازہ اُٹھا سبز چادر جس پر کلمۂ شریف جا بجا لکھا ہوا تھا شامیانۂ رحمت ہوکر میت پر سایہ فگن تھی۔ ہزاروں آدمی جنازے کے ساتھ تھے۔ یامین کی یہ حالت تھی کہ سر ٹپک رہا تھا۔ ہر شخص کا دل اُمڈا چلا آتا تھا۔ آنکھیں اس کثرت سے موتی برسا رہی تھیں کہ وہ سڑک جس پر سے جنازہ گذر رہا تھا نم ہوتی جاتی تھی۔ نماز جنازہ تین بار پڑھی گئی اب قبرستان قریب آگیا تھا یامین نے جلد جلد قدم بڑھائے اور جنازے کے آنے سے پہلے لحد پر پہنچ گیا۔ دو کنستر گلاب کے اُسکے ہاتھ میں تھے چنانچہ ایک کنستر قبر کی خشک زمین پر چھڑک دیا پھر گورکن سے کہنے لگا میں نے سُنا ہے تم لوگ کفن کی خاطر مردے کو برہنہ کر دیتے ہو۔ اسکے عوض تم جو چاہو مجھ سے لے لو مگر دیکھو میرے بھائی جان کا کفن نہ گھسیٹنا۔ گورکن نے پوچھا صاحبزادے یہ کون صاحب تھے۔ یامین نے کہا آہ یہ مت پوچھو بس

اتنا جان لو یہ وہ شخص تھا جسکے دم سے ہماری زندگیاں تھیں۔

جنازہ لحد پر لاکر رکھا گیا۔ اور اقربا نے مل کر قبر میں اُتارا۔ دوسرا کنٹر گلاب کا کفن پر چھڑک دیا۔ سلیں پٹ گئیں مٹی دینے کے لیے ہزاروں ہاتھ تھے۔ آناً فاناً میں وہ چاند سی شکل روپوش ہوگئی۔ فاتحہ پڑھکر دعاے مغفرت مانگی۔ پھر یہ ہنگامہ منتشر ہونا شروع ہوگیا۔ سب لوگ چلے آئے صرف یامین رہ گیا اور جو کچھ اُسے یاد تھا پڑھ پڑھ کر ثواب پہنچاتا رہا۔

اکرام اللہ خاں کے گھر میں سے تقریباً سب اصغر کے ہاں جمع ہوگئے صرف سلطان جہاں کو قصداً گھر میں چھوڑدیا گیا تھا۔ یہ تو ممکن ہی نہ تھا کہ اصغر کے مرنے کی اُسے خبر نہ ہو۔ چنانچہ اُسکے کانوں نے جب یہ ہولناک خبر سُنی تو دل کا قصر متزلزل ہوکر گر پڑا۔ مگر خوف رسوائی اُسکا گلا گھونٹ کر درد دل کے اظہار کا موقع نہ دیتی تھی آنکھوں سے کہدیا تھا کہ خبردار آزمائش کا وقت ہے ایک آنسو نہ گرے۔ لیکن جب گھر خالی ہوگیا اور یہ صرف تن تنہا رہ گئی تو اسنے اپنے بال نوچ ڈالے کپڑے پھاڑ ڈالے چوڑیاں توڑ دیں اور کہا اصغر مجھے خبر نہیں تھی کہ تم میرے ساتھ ظلم کروگے۔ تمھیں یاد ہوگا جب ہم تم ایک مکتب میں پڑھتے تھے اور محبت کا بیج بویا جا چکا تھا تو تم نے ایک دن دیوان حافظ پڑھتے پڑھتے میری توجہ اس شعر کی طرف دلائی تھی ؎

ترا حیا و مرا آب دیدہ شد غماز
وگرنہ عاشق و معشوق رازدارانند

تو میں نے کہا تھا کہ عورت کی خلقت میں حیا ہے اس لیے وہ مجبور ہے مگر ساتھ ہی حیا کبھی غمازی نہیں کرتی بلکہ دوشیزگی و عفت کی حفاظت کرتی ہے لیکن آج دس برس گذرنے کے بعد کہتی ہوں کہ وہ حیا جس پر ہر شریف

خاتون کو ناز کرنا چاہیے تم میرے ہاتھوں سے چھین رہے ہو۔ ہاں میں سمجھ گئی اب تم مجھ سے محبت کا امتحان لیتے ہو مگر میں تو پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ سلطان جہاں تمھارے بعد زندہ نہیں رہ سکتی۔ صرف۔

آرزو یہ تھی کہ نکلے دم تمھارے سامنے
تم ہمارے سامنے ہو ہم تمھارے سامنے

ہاں تم تو نہیں مگر دنیا دیکھے گی کہ ایک دوشیزہ لڑکی کس طرح وفا کا امتحان دیتی ہے کس ثابت قدمی سے جادۂ الفت میں گام زن ہوتی ہے لیکن میں جس طریقے سے امتحان دوں گی وہ دنیا سے نرالا ہوگا۔ تمھاری طرح سے نہیں کہ زہر پی کر یا ہیرے کی کنی کھا کر سو رہوں۔

یہ کہنا کوہکن سے کہ مرنا نہیں کمال
مر مر کے ہجر یار میں جینا کمال ہے

(باقی آئندہ)

مقرب حسین مقرب دہلوی

مزار غالب

آجکل پھر مزار مرزا غالب مرحوم کی مرمت کے متعلق اخبارات اور رسالہ جات میں مضامین شائع ہونے شروع ہوگئے ہیں اور بعض صاحبان کام کو پورا کرنے کے لیے کتابوں کو فروخت کر کے اُنکی قیمت میں سے کچھ روپیہ دینے پر آمادہ ہوگئے۔ چونکہ ہم "تمدّن" کو بھی اس نیک کام میں شریک کرنا چاہتے ہیں اسلیے اعلان کرتے ہیں کہ دفتر رسالہ تمدّن کی تو طبع دو کتابیں یعنی اخلاقی ناول سعید۔ سعادت۔ (مصنفہ) جناب قاری سرفراز حسین صاحب کی جسقدر جلدیں ماہ اکتوبر و نومبر میں فروخت ہونگی اُن کی قیمت میں سے ۴۰ فیصدی ہم اس فنڈ میں دینگے سعید کی قیمت علاوہ محصول ۳؍ اور سعادت کی قیمت علاوہ محصول ۴۰ ؍ ہے

المشتہر منیجر رسالہ "تمدّن" پل جھاؤلال لکھنؤ۔

غزلیات

حضرت بیباک شاہجہانپوری

مٹا ہے ساتھ سب دل کے ہر گلہ دل کا / کیا وہ عشق میں قسمت نے فیصلہ دل کا
کچھ اس طرح کی مصیبت ہے جان عاشق پر / اک آسمان ہے گویا ہر آبلہ دل کا
وہ وصل پر نہیں راضی تو خاک ہی میں ملائیں / کسی طرح تو نکل جائے حوصلہ دل کا
طریق عشق میں منزل ہوئی نہ کس کو نصیب / چلا ہے خاک میں ملنے کو قافلہ دل کا
عجیب چیز ہے الفت میں داغ ناکامی / یہی وہ تحفہ عنایت کریں صلہ دل کا
وہ لطف ہی نہیں کچھ حال زار ایسا ہے / وہ بات ہی نہیں تھا جس سے ولولہ دل کا
جو سرگذشت شب غم کہوں تو خاک کہوں / شکایت اپنی سمجھتے ہیں وہ گلہ دل کا
یہ کیا بلا ہے الٰہی کہ اب محبت میں / جگر کو ہاتھ لگاتا ہے آبلہ دل کا
جو روز حشر بھی انکا ہو تو [illegible] / کسی نے کیا ابھی دیکھا ہے حوصلہ دل کا
مٹا سکی نہ یہ دوری نگاہ حسرت بھی / وہی رہا دل و دلبر میں فاصلہ دل کا
ہر آرزو نظر آتی ہے جاں بلب شب غم / پڑا ہوا ہے تباہی میں قافلہ دل کا
وہ فرط ضعف ہے قوت خیال میں بھی نہیں / رہا نہ عشق میں اب کوئی مشغلہ دل کا
جو بیقرار سے دیکھا تو کچھ [illegible] آئی / خدا سے حشر میں کرنے لگے گلہ دل کا
اثر کی جان ہے گویا فغان بے تاثیر / یہ دیکھیے تو محبت میں حوصلہ دل کا

اگرچہ محو تصور رہیں پھر بھی لب بیباک
بنا ہے چشم تمنا ہر آبلہ دل کا

حضرت حسرت موہانی

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے / ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانا یاد ہے

سلہ ؎ تعقیہ ان اجرات -

باہزاران اضطراب و صدہزاران اشتیاق
تجھسے وہ پہلے پہل دل کا لگانا یاد ہے

بار بار اُٹھنا اُسی جانب نگاہ شوق کا
اور ترا غرفے سے وہ آنکھیں لڑانا یاد ہے

تجھکو جب تنہا کبھی پانا تو از راہ لحاظ
حال دل باتوں ہی باتوں میں جتانا یاد ہے

جب سوا میرے تمہارا کوئی دیوانہ نہ تھا
سچ کہو تم کو بھی کچھ وہ کارخانا یاد ہے

غیر کی نظروں سے بچکر سب کی مرضی کے خلاف
وہ ترا چوری چھپے راتوں کو آنا یاد ہے

آگیا گر وصل کی شب بھی کہیں ذکر فراق
وہ ترا رو رو کے مجھکو بھی رلانا یاد ہے

دوپہر کی دھوپ میں میرے بلانے کے لیے
وہ ترا کوٹھے پہ ننگے پانوں آنا یاد ہے

کھینچنا وہ میرا پردے کا کونا دفعتاً
وہ ترا فرط حیا سے منہ چھپانا یاد ہے

تجھسے کچھ ملتے ہی وہ بیباک ہو جانا مرا
وہ ترا دانتوں میں اُنگلی کا دبانا یاد ہے

آج تک نظروں میں ہے وہ صحبت راز و نیاز
اپنا جانا یاد ہے تیرا بلانا یاد ہے

میٹھی میٹھی چھیڑ کر باتیں نرالی پیار کی
ذکر دشمن کا وہ باتوں میں اُڑانا یاد ہے

دیکھنا مجھکو جو برگشتہ تو سو سو ناز سے
جب منا لینا تو پھر خود روٹھ جانا یاد ہے

چوری چوری ہم سے تم آکر ملے تھے جس جگہ
مدتیں گذریں پر اب تک وہ ٹھکانا یاد ہے

شوق میں مہندی کے وہ بے دست و پا ہونا ترا
اور مرا وہ چھیڑنا وہ گدگدانا یاد ہے

باوجود شغل پاک آرزو حسرت مجھے
آجتک عہد ہوس کا وہ فسانا یاد ہے

حضرت ولی شاہجہانپوری

کیوں جوشِ فغاں ضبط کے قابل نہیں رکھتا
لاشے ہے اگر دل صفت دل نہیں رکھتا

جی ڈوب گیا جب یہ حقیقت ہوئی ظاہر
جس بحر میں کشتی ہے وہ ساحل نہیں رکھتا

لیلےٰ ہی کو بس پردۂ محمل ہو مبارک
وہ زینت دل حاجت محمل نہیں رکھتا

دشوار ہے ضبطِ خلشِ ناوکِ قاتل
یہ دل یہ جگر سینۂ بسمل نہیں رکھتا

ہر وادیِ پُرخار میں تسکین ہے حاصل
پابندِ جنوں حسرتِ منزل نہیں رکھتا

مل جائے اُسے تو یہی بس حسرتِ دل ہے
کچھ اور تمنا ترا سائل نہیں رکھتا

مقتل میں یہ ہے مجمعِ عشاق کا عالم
تلوار کبھی میان میں قاتل نہیں رکھتا

قاتل نے عجب بات کہی چھوڑ کے ناوک
یہ اُسکے مقدر میں ہے جو دل نہیں رکھتا

ہر وقت وہی دُھن ہے اُسی کا ہے تصور
یہ عشق کسی کام کے قابل نہیں رکھتا

اُنکے لیے اک کھیل ہے ناوک کا چلانا
سمجھے ہیں کہ پہلو میں کوئی دل نہیں رکھتا

سوز و الم و درد ہی سرمایۂ دل ہیں
ہیں ان کے سوا اور کچھ اے دل نہیں رکھتا

حضرت محشرؔ لکھنوی

ترا اے چرخ دورِ انقلاب ذرا نہیں رکتا
کسی ناکامِ عشقِ دوست کا نالا نہیں رکتا

یہ کن نظروں سے تم نے چاہنے والے کو دیکھا تھا
کوئی محفل ہو یا خلوت کبھی رونا نہیں رکتا

مرے فصاد کو نشتر زنی میں مشق کامل تھی
مگر اب روکے سے خونِ رگِ سودا نہیں رکتا

رُلایا ہم کو جس نے دے وہی تسکیں بھی آکر
وگرنہ زندگی بھر اشکِ غم افزا نہیں رکتا

نہیں رکتا چلا جب کوئی وحشی بزمِ جاناں میں
گزر جائے وہ کچھ بھی روکنے والا نہیں رکتا

اُٹھاتے ہو عبث اے رہروانِ کوچۂ جاناں
کسی کا اک ہماری ذات سے رستا نہیں رکتا

یہ کہنا چارہ گر کا شرح ہے زخمِ محبت کی
بہت تدبیر کی لیکن لہو دل کا نہیں رکتا

جہاں بیٹھا بنا افسانہ حسن و عشق کا چھیڑا
ہزاروں میں تمہارا چاہنے والا نہیں رکتا

یہ کہتا ہے کوئی درباں سے وقتِ زینتِ محفل
ارے تجھ سے ذرا سی جان پروانہ نہیں رکتا

حجابِ حشر ہے وسعت تجلی گاہِ جاناں کی
خدائی جمع ہو جانے پہ بھی رستا نہیں رکتا

مقابل عشق کی قدرت کے کیا ہو قوتِ انساں
فرشتے کے بھی روکے تیرا دیوانہ نہیں رکتا

شبِ فرقت میں طولِ غم کی آخر انتہا محشرؔ
سحر ہونے کو آئی اور ترا نالا نہیں رکتا

حضرت ثاقب قزلباش لکھنوی

پھنسے فریاد میں گیسوئے خوباں دیکھنے والے / ڈرے ہیں مدتوں خوابِ پریشاں دیکھنے والے
غروبِ مہرِ دل کے ڈوبنے کا ایک نقشہ ہے / سحر دیکھینگے اب کیا شامِ ہجراں دیکھنے والے
ہیں ایسے بھی جو کانٹا پاؤں میں چبھنے نہیں دیتے / اُنھیں دیکھے تڑپتے دل میں پیکاں دیکھنے والے
مرے ہاتھوں سے اُنکے ہاتھ کی قوت زیادہ ہے / نظر دل پر کریں چاکِ گریباں دیکھنے والے
بہت آسان ہے دل توڑنا اب ہر گلِ تر کا / قفس میں جا بسے گلچیں کا داماں دیکھنے والے
میں تڑپوں یا نہ تڑپوں امتحاں میں وقت نازک ہے / اِدھر دل دیکھنے والا اُدھر جاں دیکھنے والے
شہادت گاہِ دل اچھی ہے ناکامی کی منزل سے / بہت روئینگے ہنسکر کوئے جاناں دیکھنے والے
علاجِ سوزِ دل اور اُنکے جلنے سے نہیں ہوتا / جلائیں شمع پھر کیا شامِ ہجراں دیکھنے والے
تمناؤں کی کثرت اک مجھے ہلنے نہیں دیتی / چلے جاتے ہیں محشر کا بیاباں دیکھنے والے
میں وہ آئینۂ عبرت نما ہوں بزمِ ہستی میں / نظر کرتے ہی ہو جاتے ہیں حیراں دیکھنے والے
مری فرقت کی شب کٹتی نہیں شکوہ کروں کس سے / پڑے سوتے ہیں اس مشکل کو آساں دیکھنے والے
مزار کے۔ دل آفت رسیدہ کی طرح شق ہے / اِدھر دیکھ اُدھر دیرِ ستم کے ساماں دیکھنے والے
مرا رونا شبِ فرقت تماشا گاہِ انجم ہے / مگر ڈوبیں گے آخر کو یہ طوفاں دیکھنے والے
سپیدی پھوٹ نکلی صبحِ محشر کی مبارک ہو / بدل لیں کروٹیں اب شامِ ہجراں دیکھنے والے
میں گم ہوں صحنِ عالم سے تو قاتل چھپ نہیں سکتا / لگا لینگے پتا۔ اُسکو پشیماں دیکھنے والے
کہے جا بندہ چلا ہے داستاں کا رنگ محفل میں / مری سننے لگے ہیں روئے جاناں دیکھنے والے
دو روزہ حسن عیبِ گل چھپاتا ہے مگر پھر بھی / کھٹک جاتے ہیں یہ داماں بہ داماں دیکھنے والے
شبِ فرقت کی تاریکی نہ دیکھی ایک نے آکر / بہت ہیں جلوہ ہائے داغِ سوزاں دیکھنے والے
صباحِ حشر کیا کہنا کہ یکساں کر دیا سب کو / نہیں ملتے مرا چاکِ گریباں دیکھنے والے
غزالِ دشت کوسوں دور ہیں صحرا میں عنقا ہے / کہاں تک آ گئے سیرِ بیاباں دیکھنے والے
فراقِ خواب بس کر انتظارِ شوق اب دم لے / تھکے جاتے ہیں طولِ شامِ ہجراں دیکھنے والے

مری میت اُٹھانا ہے تو کوئی یوں ندا کر دے
کہاں ہیں آج میرے جسم بیجاں دیکھنے والے

اکیلا تیرے دروازے کو میں تکتا ہوں اور مجھکو
بہت سے ہیں ترے در پر نگہباں دیکھنے والے

کوئی صحرائے محشر خیز ہوگا دیکھ ہی لینگے
ڈرینگے کیا جنون فتنہ ساماں دیکھنے والے

ید بیضائے موسیٰ یہ نہیں ہے داغ پنہاں ہے
نظر نیچی کریں جیب و گریباں دیکھنے والے

زبردستی کی خصلت اہل دل نشتر سمجھتے ہیں
خود اُٹھے جاتے ہیں دنیا کو جہاں دیکھنے والے

اندھیرا ایک سا تھا زندگی بھی راہ بھولی تھی
چلے آئے لحد تک شام ہجراں دیکھنے والے

قتیلوں کی رگوں پر جو گذرتی ہے گذرنے دیں
کھڑے ہوں دور ہی لطف چراغاں دیکھنے والے

بیان ماجرائے عشق سے کیا فائدہ ثاقب
یقیں کرتا نہیں کوئی۔ مگر ہاں دیکھنے والے

جناب سراج الحسن صاحب سراج لکھنوی

عذر کیسا خود کرینگے آرزو تعزیر کی
تم ادا سے پھر کہو ہاں تو نے یہ تقصیر کی

اسطرح خاموش ہے گویا زباں رکتی نہیں
یہ شرارت ہے کہ عادت ہے تری تصویر کی

تم ہجوم یاس و حسرت دیکھکر غمگیں نہو
دل میں وسعت ہے جگہ ہو جائیگی اک تیر کی

مرتفع الامر گیا اب عذر و حیلہ کیا ضرور
آپ نے تاخیر کی اور جان کر تاخیر کی

موت تک نے قید ہستی سے اُسے بخشی نجات
بیخبر اب تو خبر لے بستۂ زنجیر کی

شیشۂ دل سنگدل سنگ تغافل سے نہ توڑ
اُس نے آہ نارسائی بھی تو کیا تقصیر کی

اے خیال دید جاناں تا کجا مایوسیاں
کاش کچھ نقطے ہیں پڑھ لیتا خط تقدیر کی

پھاڑ ڈالو اپنا دامن اسقدر غصہ نہ ہو
قدر کیوں کرتے ہو مٹھی خاک دامنگیر کی

زلف جاناں کا تصور خود ہے زندان بلا
اس پریشاں خواب کو حاجت نہیں تعبیر کی

اے دل آئینہ اور اُس بت میں یہی تو فرق ہے
بات ہی کرتی تو پھر کیا بات تھی تصویر کی

ہائے رے بے اختیاری اُف ری ناکامی سراج
عمر بھر میں آہ بھی اک کی تو بے تاثیر کی

روزنامہ "ہمدم"

جو چمنستان ہند اودھ کے مشہور و معروف دار السلطنت اور زبان اردو کے عظیم الشان مرکز لکھنؤ سے ہفتہ عشرہ میں نظر افروز شائقین ہونے لگے گا۔ اس اخبار کے لیے سرمایہ کی بہم رسانی کا انتظام ایسے اصحاب نے کیا ہے جو اپنے قانونی پیشہ یا آبائی ترکہ کی بدولت بفضل خدا تجارتی سرگرمیوں کی ضرورت سے مستغنی ہیں اور محض خدمت ملک اور قوم کی ہمدردی کے جذبات اور وقت کی ضروریات کے احساس نے انھیں اس نازک وقت میں اجراء اخبار کی اہم ذمہ داری اپنے سر لینے پر آمادہ کیا ہے۔ اس کی ایڈیٹری اور انتظام قابل اور تجربہ کار ہاتھوں میں سونپا گیا ہے۔ اور ملک کے نامور انشا پردازوں قابل قدر ماہرین سیاست اور عمدہ وقائع نگاروں سے مستقل قلمی امداد حاصل ہوتے رہنے کا انتظام ہوا ہے۔

روزنامۂ "ہمدم" انشاء اللہ جملہ اخباری لوازم کو بطریق احسن پورا کرنے اپنے پرچوں کو حسب الشیوع لٹریچر کا بہترین نمونہ بنانے اور ہر طبقہ و فرقہ آبادی کی دلچسپی اور استفادہ کا سامان بہم پہنچانے کے علاوہ سیاسی۔ تمدنی۔ اخلاقی۔ اقتصادی اور کاروباری لائنوں پر ملک اور اہل ملک کی ترقی کے لیے مفید اور کارآمد مشورہ پیش کرنے اور ملک کے فرقہائے آبادی میں رابطہ اتحاد کو استحکام بخشنا اس کا نصب العین ہوگا خاص اہل اسلام کو مذہب کے جادۂ مستقیم پر لانے اور سیاست کے نظر فریب مگر خطرناک گڑھوں سے بچانے میں کوشش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریگا۔ نمونہ کا پرچہ ضرور منگا لیجئے اور خریداری و ایجنسی و اشتہارات کے لیے ذیل کے پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

المشتہر منیجر روزنامہ ہمدم نمبر ۲ لاٹوش روڈ لکھنؤ

مزارِ غالب

مکرمی ایڈیٹر صاحب رسالہ "تمدن" تسلیم

اگرچہ خدائے سخن مرزا غالب مغفور کے شکستہ مزار کے مرمت کی تحریک عرصہ ہوا کہ شروع کی گئی تھی۔ مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اب اسکا وقت آگیا ہے۔ (کل امور مرھون بہ اوقاتہا) خاکسار کو اس تحریک کے ساتھ کامل ہمدردی اور دلچسپی ہے اور اپنی بساط کے مطابق کچھ عملی حصہ لینا چاہتا ہے۔

غالباً جناب کو معلوم ہوگا کہ خاکسار نے ہندوستان کے قومی شعرا کے کلام کا مجموعہ بنام عطر سخن (جذبات مسلم) شائع کیا ہے۔ تمام منظومات اسلامیات سے متعلق ہیں۔ اس مجموعہ میں شبلی۔ حالی۔ اکبر۔ اقبال۔ ظفر۔ نیرنگ۔ شفق۔ اسمعیل۔ سرسید۔ نیاز۔ آغا حشر۔ اور دیگر مشہور و غیر مشہور شعرا کی (۸۵) منظومات مشتمل ہیں۔ لکھائی چھپائی بھی اعلےٰ ہے۔ یہ کتاب بالعموم بنظر پسندیدگی دیکھی گئی ہے مسٹر مظہر الحق بالقابہ نے اسے پسند فرمایا ہے۔ انڈیا آفس (لندن) نے بھی اسکی ایک کاپی طلب کی تھی اکثر احباب کی رائے ہے کہ اسکی ایک جلد ہر مسلم کے گھر میں ہونی چاہیئے۔

میں اعلان کرتا ہوں کہ ماہ اکتوبر میں جذبات مسلم کی جسقدر جلدیں فروخت ہونگی انکی قیمت کی رقم میں سے پچیس فیصدی مزار غالب فنڈ میں دونگا۔ اگر اس سلسلہ میں کم از کم چار صد کتابیں نکل گئیں (جو بہ لحاظ غالب پرست اردو کے مقابلہ میں معمولی بات ہے) تو خاکسار اس سرمایہ میں مبلغ یکصد روپیہ دینے کی سعادت و مسرت حاصل کر سکیگا۔ کتاب کی اصل قیمت عہ ہے۔ لیکن اس اعلان کے سلسلہ میں صرف ایک روپیہ قیمت لی جائیگی۔ احباب عجلت فرمائیں۔ نسخے کم ہیں علاوہ احباب میں بھی تحریک کیجیے اور اسی طرح نام نیکو شان کو شائع کرنے کے التزام سے بری ہو جیے۔ خاکسار (ظہر دہلوی)

فرمائشات ذیل کے پتہ سے آنی چاہیئیں

کارخانہ علی تاش لاہور

اب بھی جو مریض مبتلائے مرض رہیں تو

اس کو بجز بدقسمت اور کیا کہنا چاہیے

اکسیر حیات فیصد للعہ، جو کل امراض پر بموجب بدرقہ کے استعمال کرنے سے اثر کیمیائی کیا بلکہ مثل بجلی اندر تین یوم کے مرض چہارم حصہ بھی نہیں رہتا ہے آزمایش شرط ہے کیونکہ اس میں جز ایسی نباتات کا ہے جو عموماً گنگا نربدا کنارے ملتی ہے فوائد کے مقابل قیمت کچھ بھی نہیں رکھی گئی ہے مختصراً ذکر کر دیا بقولے کہ مشتے نمونہ از خروارے" مفصل کے لیے ہمارا نرخ نامہ جس میں صدہا ادویات نادرہ ہیں پرچہ ترکیب طلب کرکے ملاحظہ کریں۔ مصفی۔ مولد خون۔ مبہی۔ مشتہی۔ مقوی اعضائے رئیسہ۔ مجلی بصارت۔ دافع امراض نامبارک۔ آتشک۔ سوزاک۔ خرابی خون۔ داد۔ خارشت۔ پھوڑا پھنسی بہق۔ جذام۔ سستی و کاہلی۔ درد بدن۔ کمر لیشت۔ شکم۔ محلل اورام بدن۔ دشمن اوجاع مفاصل۔ جریان۔ سرعت انزال۔ احتلام۔ بخار۔ کھانسی۔ دمہ۔ ہیضہ۔ طاعون۔ آشوب چشم۔ ڈھلکا۔ جالا۔ دھند۔ خارش۔ سرخی چشم۔ لکنت۔ گونگا۔ امراض معدہ۔ استسقا۔ بواسیر۔ دبہ اطفال۔ قاطع سیلان الرحم۔ احتباس النفاس وغیرہ۔ اکسیر حافظ اکیس خوراک عہ، طلبا سے نصف قیمت۔

احقر العباد چودھری دیبی پرشاد بلگرامی شہر لکھنؤ گنگا پرشاد روڈ

کوٹھی لالل پردہ پوسٹ نمبر ۱۱

تمدن بک ایجنسی لکھنؤ

ناولہائے قاری - قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) کے اخلاقی ناول سعید - سعادت شاہد رعنا جو دو بار چھپکر قدردانوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں اب ایک مجموعے کی صورت میں چھپوائے گئے ہیں ۴۰۰ صفحہ کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے - اور جس میں مصنف کی ایک تصویر بھی ہے قیمت .... ۴؍

اسلام بائی قاری - قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) سیاح جاپان و انگلستان کے انگریزی زبان میں متصوفانہ مضامین کا مجموعہ یہ مضامین بڑی قدر کے ساتھ امریکہ کے مشہور رسالوں میں چھپے تھے اب دوبارہ چھاپ کر نہایت خوبصورت جلد میں ہدیۂ شائقین کیے جاتے ہیں قیمت میں بھی تخفیف کردی گئی ہے اور اب تا اطلاع ثانی اسکی قیمت مع محصولڈاک ۱۲؍ ہے -

کتب ذیل کی قیمت میں انتہائی تخفیف کردی گئی ہے اور ان میں سے بیشتر کسی دوسری جگہ سے اس قیمت پر دستیاب نہیں ہوسکتیں

خیالستان - ملک کے بہترین ادیب سید سجاد حیدر صاحب بی - اے (علیگ) کے ہردلعزیز و مقبول عام مضامین کا مجموعہ جو ہندوستان کے بہترین ادبی پرچوں میں شائع ہوچکے ہیں - اصل قیمت عہ؍ رعایتی ۱۲؍

ناول

فرانسیسی ... یعنی تربیت اولاد کا ایک دلچسپ قصہ مترجمہ مولوی سید ... صاحب ایم اے صفحات ... اصل قیمت ۸؍ رعایتی ...

تماشا گاہ عالم - ہندوستانی زندگی کا ایک نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز افسانہ مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب اصل قیمت عہ؍ رعایتی ۱۲؍ صفحات ۲۸۸

نیرنگئ دہر - مجیدہ بیگم کے مصائب اور وفاداری کی داستان - شریف النسا کی خوفناک کج ادائیوں کا انجام مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب اصل قیمت ۸؍ رعایتی ۴؍ صفحات ۱۳۲ -

تاریخ

علمائے سلف - مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شیروانی رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ کی مشہور تصنیف جسمیں علمائے اسلام کے حالات درج ہیں اصل قیمت ایک روپیہ (عہ) رعایتی آٹھ آنہ (۸؍)

قدیم ہندوستان کی تہذیب - مشہور فاضل مسٹر آر سی دت کی بےمثل تاریخ سویلائزیشن آف انشنٹ انڈیا کا اُردو ترجمہ رعایتی قیمت ۱۲؍

تذکرۂ امیر - امیر عبدالرحمن خاں صاحب مرحوم کی سوانحعمری مصنفہ منشی محبوب عالم صاحب اصل قیمت ۱۲؍ رعایتی عہ؍

سفرنامہ یورپ و بلادِ روم و شام و مصر - یعنی منشی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار کا مشہور سفرنامہ اصل قیمت للعہ؍ رعایتی عہ صفحات ۹۰۰

طب

ہومیوپیتھک علاج نسواں - مولوی حکیم خادم حسین صاحب شاہ آباد ضلع ہردوئی مجلد اصل قیمت ۱۲؍ رعایتی ۱۲؍

قرابادین حسینی - مولفہ حکیم ڈاکٹر نور حسین صاحب مشابہ اصل قیمت عہ ر عایتی ۱۲

کیا میں تندرست یا بیمار ہوں } مشہور ڈاکٹر لوئی کوہنی کی تصنیف کا ترجمہ (ہر شخص کے لیے دستی کتاب) - رعایتی قیمت آٹھ آنے (۸)

ادبی جواہر ریزے

ایک شاعر کا انجام - (ناول) حضرت نیاز کی معجزانہ تحریر کا اعلے نمونہ - مرقع دیدہ زیب ادب دینے والے تخیلات سحر حلال حسن عشق کی نیرنگیاں قیمت رعایتی ۸

گودڑ کا لال (ناول) ایک نہایت دلچسپ اخلاقی تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کا ایک طبع زاد فسانہ کہ جس میں ایک ہندوستانی خاندان کی حسن معاشرت کو نہایت خوبی سے قلمبند کیا گیا ہے - یہ پہلے سلسلہ وار اخبار شریف بی بی میں کئی سال تک شائع ہو چکا ہے مصنفہ جناب محترمہ والدہ صاحبہ سید محمد افضل صاحب بی - اے حصہ اول و دوم صفحات ۲۴۴ قیمت ہر دو حصہ عہ

جذبات بھاشا - بھاشا (ہندی) زبان کے شیریں و دلکش نازک تخیلات کا مرقع اردو زبان میں ایک بہترین اضافہ بھاشا زبان کے دلکش و دلفریب اشعار کی توضیح و تشریح اردو میں حضرت نیاز کے دلکش قلم سے قیمت فی جلد رعایتی ۸

عالم خیال - (باتصویر) حضرت شوق قدوائی لکھنوی کی چار بیدل اور بے اضافت نظموں کا دلکش مجموعہ یعنی دلچسپ اور معنی خیز نظمیں اردو زبان میں اس سے پہلے شائع نہیں ہوئیں اسکے ساتھ چھاپ

ریویو بھی ملک کے منتخب اہل قلم کے شامل ہیں جو نظم کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہیں انکی رائے ہے کہ اردو تو اردو اور مغربی زبانوں (مثلاً انگریزی وغیرہ) میں بھی ایسی اعلے پایہ کی نظمیں موجود نہیں چھپائی دیدہ زیب قیمت مجلد ۱۲

آئینہ جنگ یورپ - موجودہ جنگ مغرب کی ایک مفصل اور مضبوط ڈائرکٹری جس میں اسباب جنگ حریفوں کی جنگی قوتوں وغیرہ متعلقہ امور سے دلچسپ بحث کی گئی ہے صفحات ایکسو قیمت صرف ۴

السنۂ شرقیہ - عربی سنسکرت اور فارسی زبانوں کی دلچسپ تاریخ ہر زمانہ کی ترقی و تغیر اور زبان کے نمونے نہایت عمدہ تحقیق سے لکھے گئے قیمت صرف ۶

برکات سلطانی - علیا بیگم صاحبہ والی بھوپال کی روشن زندگی کے کارنامے اور ان کی علمی و اصلاحی خدمات کا مرقع (باتصویر) پڑھنے کے قابل کتاب ہے قیمت صرف ۴

شکوہ - ڈاکٹر اقبال کی مشہور و معنی خیز نظم قیمت ۱

جذبات مسلم - ۹۲ قومی اور معنی خیز منظومات کا دلچسپ اور دلکش مجموعہ ہر ایک مسلمان کے مطالعہ کے قابل القول ایڈیٹر زمیندار اسلام کے جذبات سابقہ کا ایک دلفریب نمونہ حقیقی و ولولہ انگیز اسلامی نظموں کا ایک بہترین مجموعہ مع ضروری حاشیہ مبسوط مقدمہ ظاہری و باطنی خوبیوں کا آئینہ حجم ۱۵۰ صفحات اصل قیمت عہ رعایتی عہ

مسدس حالی مولانا حالی کی زندۂ جاوید تصنیف مدوجزر اسلام جس نے مسلمانوں میں نئی زندگی پیدا کی مع سوانح عمری حالی و حاشیہ - کاغذ و لکھائی چھپائی اعلے سرورق رنگین مجلد ۱۲ غیر مجلد ۸

دفتر رسالۂ تمدن پل چھاؤلال لکھنؤ

جذبات بھاشا

تقطیع ۲۰×۲۶/۱۶ (۱۷ سطری) کاغذ ولایتی سفید ۳۶ پونڈ۔
نہایت خوشخط قیمت صرف ۱۲؍

اسکو کتاب نہ کہیے۔ سنگ چقماق ہے جس سے شرر جھڑتے ہیں جو الفت و زخم خوردہ دلوں کو سرتا سر پھونکدیتے ہیں مشہور انشاپرداز مولانا نیاز نے مصور جذبات بھاشا زبان۔ کے ان مشہور سحر نگار شاعروں کا جنکو دنیا سے رخصت ہوئے ہزارہا برس پانچسو سال ہوئے خاص خاص کلام انتخاب کرکے اُردو کے بیبا بازار میں اپنے انداز خاص پر سجایا ہے پھر اسکی پوری تشریح و توضیح اُردو میں کی ہے نیز اُردو اور بھاشا شاعری پر دیباچہ میں فلسفیانہ تاریخی انداز پر نہایت معرکہ خیز بحث کی ہے ہر ہر سطر پر دل تڑپ جاتا ہے ادبی دنیا میں اپنی عنوان میں یہ پہلی مثال ہے اسکے مطالعہ کے بعد یہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ شاعری درحقیقت کس چیز کا نام ہے اور یہ سحر کسقدر پُر آشوب ہے۔

انتخاب زوج

تقطیع ۲۰×۲۶/۱۶ + کاغذ سفید ولایتی + ۲۲ پونڈ + سطر ۱۹ سطری
قیمت تین آنہ ۳؍

دہلی کی ایک مشہور انشاپرداز خاتون کی قلم کا یہ نازہ کارنامہ ہے بلحاظ انشاء و حسن قلم و انداز بیان یہ لاجواب ہے اس میں قابل مصنفہ نے اپنے طبقہ کی جانب سے جنس ذکور کی خدمت میں اپیل کیا ہے کہ شوہر کے انتخاب میں اس غریب کی رائے کو بھی قابل وقعت سمجھکر حاصل کر لیا جایا کرے۔ جسکے واسطے شوہر کا انتخاب عمل میں آتا ہو۔ تو ہزاروں معیشتی خرابیاں اور معاشرتی تکالیف کا خاتمہ ہو جائیگا۔ بلاشک یہ پُر زور اپیل۔ بدون جگہ اسکے عملی کامیابی کو مصنفہ نے رسمین کسی ایسے حق کی سفارش نہیں کی جسکو تعلیم اسلامی طبقہ اناث کو نہایت

فراخدلی سے بخش چکی ہو۔ مطالعہ کے اہمیت کو سمجھانے کے واسطے جو ڈراما۔ پیش کیا گیا ہے یہ خیالی قصہ نہیں بلکہ امر واقعہ ہے۔ جس پر ناموں کا نقاب ڈالدیا گیا ہے لیکن یہ حقیقت اسقدر پُر اندوہ و الم خیز ہے کہ ہر آنکھ مطالعہ کے بعد اشکبار ہو جاتی ہے اور دل مصنفہ کے جانب دوٹ پیش کر دیتا ہے + قیمت تین آنے ۳؍

ایک شاعر کا انجام

تقطیع ۲۰×۲۶/۱۸ کاغذ سفید ولایتی ۲۴ پونڈ (سطر ۱۹ سطری)
قیمت بارہ آنہ ۱۲؍

آج اُردو میں چھوٹے بڑے ہزاروں ناول موجود ہیں۔ مگر ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ بلحاظ ندرت جذبات و طرز ترکیب و شوکت الفاظ حسن تشبیہات و ندرت عبارت کوئی ناول بھی اسکے سامنے نہیں ہو سکتا۔ جناب نیاز نے اپنے پروردہ عشق دوست کی پُر آشوب اُفتاد کو اپنے جادو بھرے الفاظ میں ایک مرقع بنا کر پیش کیا ہے نتیجہ کے اعتبار سے بھی لاجواب چیز ہے۔ اسکے مطالعہ سے یہ ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ موجودہ تعلیم و تہذیب نسواں ہم کو کدھر لے جا رہی ہے ایک صفحہ دیکھ لینے کے بعد بدون ختم کئے کوئی چھوڑدے تو ہم جانیں یہ ناول اپنی نوعیت میں آجکل کے اُردو ناولوں پر فخر کر سکتا ہے۔

مکافات عمل

اخلاقی تعلیم حاصل کرنے کے واسطے اس سے زیادہ کوئی دلچسپ کتاب اسقدر سہل اور سادہ الفاظ میں نہیں پیش ہوئی ناکثر شرعی احکام اور خاص خاص ضروری مسائل کو قصہ کے پیرایہ میں سمجھایا گیا ہے۔ از تصنیف مولانا ممتاز حسین صاحب۔ قیمت ۱۲؍

سید ظفر حسن علوی ناظم دائرۂ ادبیہ دہلی

نومبر ۱۹۱۶ء

جلد ۱ — نمبر ۵

تمدن

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی۔ اور علمی مضامین کا

مخزن

ایڈیٹر۔ ایم اے قاری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قاری
محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

	صفحہ		صفحہ
شہر نو سو برس پہلے۔ محمد اسمٰعیل صاحب ایم اے	۱	شباب۔ آرشٹ	۳۱
تہذیب اخلاق۔ ضیاءالدین احمد صاحب بی اے	۹	طلوع فجر (نظم) مولوی محمد حسین صاحب لکھنوی	۳۹
خلقت انسان۔ (نظم) حضرت اشہر لکھنوی	۱۹	انقلاب جاہلیت	۴۱
شقیقہ عشاکا بیان۔ خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب	۲۰	سالانہ مشاعرہ۔ خواجہ الیاس صاحب	۵۱
بحر خیال کی لہریں۔ سید علی ظہیر صاحب بی اے	۲۰	اصفہان کی فاتحہ۔ منظور حسین صاحب ۔۔۔	۵۵
تذکرۃ الاولیا سنجر۔ عطار چراغ ایک نظر۔ حضرت عزیز لکھنوی	۲۳	حضرت مرزا آفتاب غزل لکھنوی۔ حضرت سوہانی۔ آرزو لکھنوی	
ہیر رنجھا کا ایک نظم۔ سید سلام اللہ لکھنوی		شاہجہانپوری۔ باسط بسوانی	۶۱

پبلشر محمد حامد حسین قاری — نادرن انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا — پرنٹر نواب علی

قیمت سالانہ ۔ — مقام اشاعت بل چوہان لال لکھنؤ — نمونے کی قیمت ۔

قواعد

(۱) "تمدن" جریدہ کی پہلی تیج کو کھوت شائع ہوتا ہے ان کو "تمدن" کے لیے ارسال نہ کرنا چاہیے

(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر برا اثر پڑے یا ذاتیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے ہوئے ہوں درج "تمدن" نہیں ہو سکتے۔

(۳) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ تک آ جانے چاہئیں۔

(۴) جو مضامین کسی دوسرے رسالہ میں شائع ہو چکے ہوں

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاک خانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی نمبر نہ پہنچے تو اسی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک طلب کریں۔ ورنہ پھر چار آنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا۔

(۶) ناتمام مضامین "تمدن" کے لیے ارسال نہ کرنے چاہئیں۔

تمدن

لکھنؤ

شہر مصر نو سو برس پہلے

۹۰۰

زمانہ کی نیرنگی دنیا کے انقلابات ایسے نہیں جو دنیا کی کسی چیز پر بھی اپنا اثر کیے بغیر رہ سکیں۔ دنیا کی ہر چیز ہر روز کچھ نہ کچھ تبدیل ہوتی رہتی ہے حتی کہ شجر حجر وغیرہ سب اس تبدیلی سے مستفید ہوتے ہیں جو رفتار زمانہ کا اقتضا ہے۔ ذی روح افراد کی ترقی تو اسقدر نمایاں ہے کہ ایک جانور چھ ماہ کے بعد اپنے قد و جسم۔ اعضا کے بڑھتے جانے کا بہت نمایاں ثبوت پیش کر دیتا ہے گو آج کے بعد کل اس کی ترقی اتنی نمایاں نظر نہ آئے مگر چھ ماہ کے بعد کی نمایاں ترقی اسی آج کل کی ترقی کا مجموعہ ہے۔ جانوروں کے بعد درختوں کا نمبر آتا ہے۔ ایک پودا آٹھ روز بعد کچھ بڑا معلوم ہونے لگتا ہے۔ وہ بھی اس آٹھ دن میں آٹھویں دن ایک مرتبہ چھوٹے سے بڑا نہیں ہو گیا بلکہ وہ روز تھوڑا تھوڑا بڑھتا رہا۔ غیر ذی روح اشیا کا ترقی پذیر اور تنزل پذیر ہونا اکثر اوقات

بہت عرصہ میں محسوس ہوتا ہے چنانچہ دریا پہاڑ کی تبدیلی گو اب کبھی کبھی محسوس ہو جاتی ہے مگر اتنی جلد نہیں جتنی کہ ذی روح چیزوں کی۔ جن لوگوں کو یہ علم نہیں کہ بعض جغرافیہ دانوں کے نزدیک جو سائنس وعقل سے کسی ملک یا کسی جگہ کی ماہیت کے متعلق اندازہ کرنے کے عادی ہیں یہ واقعہ ہے کہ کسی زمانہ میں دنیا کا سب سے بڑا پہاڑ کوہ ہمالیہ پہلے سمندر کی تہ میں تھا وہ اس بات سے بہت متعجب ہوں گے مگر جو ثبوت ایسے حضرات اپنے دعوے کی دلیل میں پیش کرتے ہیں وہ ایسے نہیں ہیں جن کو فوراً ہی رد کر دیا جائے۔ اسی طرح نہ صرف ہمالیہ پہاڑ پر زمانہ کے انقلاب نے اپنا اثر کیا اور اس کو پستی سے دنیا کی انتہائی بلند جگہ پر پہنچا دیا بلکہ دنیا کے ہر ملک ہر مقام پر تبدیلی کرنے میں زمانہ نے اپنے فرض کو انجام دیا ہے۔ اگرچہ اس نے بعض جگہ اپنے فرض کو کسی کو نیست و نابود کرنے اور بعض جگہ کسی مقام کو معراج ترقی پر پہنچانے میں پورا کیا مگر یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص بھی کسی ملک۔ کسی مقام۔ یا کسی ذی روح کی بابت یہ کہہ سکے کہ اس میں دس بیس برس میں کچھ فرق نہیں پیدا ہوا۔ ذیل کے حالات سے آپ کو معلوم ہوگا کہ کم از کم مصر زمانہ سابق میں کیا تھا۔

ایک سیاح حکیم ناصر خسرو جس نے ۴۳۹ھ میں سفر کیا تھا لکھتا ہے کہ مصر اونچی سطح پر آباد ہے۔ دیکھنے والے کی نگاہ جب دور سے یکایک اس پر پڑتی ہے تو غلطی کر جاتی ہے۔ اور دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کوئی بلند پہاڑ ہوگا۔ آبادی اس طرح بتدریج مرتفع ہوتی چلی گئی ہے کہ چودہ

طبقے یکے بر دیگرے نظر آتے ہیں۔ یہاں زیادہ تر سات سات منزل کے عالیشان مکانات ہیں۔ معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا کہ ایک شخص نے ساتویں منزل پر نہایت خوشنما باغ لگایا تھا، اور ایک گائے کا بچہ اوپر کے درجہ پرلے جا کر پالا تھا جب یہ پورا بیل ہو گیا تو اُسے چرخی میں جوت کر کنوئیں سے پانی کھینچتا اور باغ کو سیراب کیا کرتا تھا۔ اس باغ میں ترنج نارنج اور کیلے امرود ناسپاتی غرض ہر قسم کے ہرے بھرے پھل دار درخت اور طرح طرح کے پھول دار پودے اور لہلہاتے ہوے سبزہ مرغزار تھے۔ ایک معتبر تاجر نے یہ بھی بیان کیا کہ یہاں ایسی کئی سرائیں ہیں جن کا ایک ایک کمرہ تیس تیس ہاتھ مربع ہے اور ہر ایک سرائے میں ساڑھے تین تین سو آدمی بخوبی رہ سکتے ہیں۔ بہت سے گلی کوچے اور بازار ایسے ہیں جن میں مکانات کی بلندی کی وجہ سے آفتاب کا گذر نہیں ہوتا اور بسبب تاریکی اور کثرت آمد و رفت ان مقامات میں دن رات لالٹینیں روشن رہتی ہیں۔

شہر کے مشرقی جانب ایک نیچا پہاڑ (پچھار) ہے اور بیرون شہر مسجد طولون ہے یہ مسجد ٹیکرے پر بنائی گئی ہے۔ در و دیواریں اس درجہ مستحکم دیکھنے میں آئیں جو مضبوطی اور استحکام کے اعتبار سے آیٔ صوفیا اور میافارقین[1] کی دیواروں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ یہ دیواریں کسی خلیفہ عباسی کی تعمیر کردہ ہیں مگر بامر اللہ کے ہاتھ طولون کی اولاد نے اس مسجد کو تیس ہزار مغربی دینار کے عوض میں بیچ ڈالا تھا۔ کچھ دنوں بعد یہ لوگ پھر آئے اور ظاہر کیا کہ فلاں منارہ منہدم کر کے فروخت کریں گے۔ خلیفہ نے مطلع ہو کر اُن سے کہا جب ہم نے مسجد کو خرید لیا تو منارہ منہدم

[1] میافارقین آرمینیا میں ہے۔

کرنے کا تعین کیا حق ہے" وہ کہنے لگے" ہم نے مسجد بیچی ہے نہ کہ منارہ" مجبوراً بادشاہ نے پانچہزار دینار اور دے کر اپنا پنڈ چھڑایا۔

باستثنائے قاہرہ خاص مصر میں سات دار العلوم (یونیورسٹیاں) ہیں اور ان دونوں شہروں میں پندرہ جامع مسجدیں ہیں۔ امیر معاویہ کے عہد میں عاص رضؓ نے جب کہ وہ مصر کے (والی) گورنر تھے وسط شہر میں مسجد باب الجوامع تعمیر کی تھی جس کی خصوصیت یہ ہے کہ چار سو مستحکم ستونوں پر مسجد قائم ہے اور محراب والی دیوار سنگ رخام کی ہے۔ اور اس دیوار پر پورا کلام مجید نہایت پاکیزہ خط میں کندہ ہے۔ یہ مسجد اس قرینے سے بنائی گئی ہے کہ اس کے چوطرفہ بازار ہیں اور ہر بازار کی جانب مسجد کے دروازے ہیں۔ مصر میں یہ مسجد تفریح کا مقام اور عمدہ سیرگاہ سمجھی جاتی ہے۔ مسافر۔ سیاح، طالب علم، چک نویس، قبالہ نویس، غرضکہ مختلف قسم، مختلف مذاق، اور مختلف طبیعتوں کے کثیر التعداد لوگ ہر وقت یہاں جمع ہوتے ہیں۔ جن کی تعداد پانچ ہزار سے کسی طرح کم نہیں ہوتی۔ بانیِ مسجد حضرت عمرو بن عاصؓ کے انتقال کے بعد اُن کی اولاد معیشت سے تنگ آکر خدیو مصر کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ہم ضرورتمند ہیں اور یہ مسجد ہمارے باپ کی بنا کردہ ہے اگر اجازت ہو تو ہم اسکو فروخت کرکے روپیہ اپنے کام میں لائیں اس پر حاکم وقت نے ایک لاکھ دینار میں اُسے خرید لیا اور عجیب و غریب عمارات کا اس میں اضافہ کیا۔ منجملہ دوسرے عجائبات کے ایک چاندی کا فتیل سوز یا قندیل بنایا۔ یہ فتیل سوز سو پہلو (ضلع) کا ہے اور ہر ضلع کا عرض ڈیڑھ ہاتھ ہے اس حساب سے فتیل سوز کا کل دور ڈیڑھ سو ہاتھ کا ہوا۔ سات سو چراغ اُس میں جلتے ہیں

اور خصوصیت کے ساتھ متبرک راتوں میں اسے روشن کیا جاتا ہے۔ اکتیس[31] من چونتیس[34] سیر اس کا وزن ہے۔ لوگ کہتے تھے جب چراغدان بن کر تیار ہوا اور مسجد کے اندر لیجانا چاہا تو بڑے سے بڑے دروازہ سے بھی نہ جا سکا۔ مجبوراً چوکھٹ اُکھیڑ کر اندر لے گئے اُس کے بعد چوکھٹ نصب کی گئی۔ اس مسجد میں ہر شب ستو قندیلوں سے زیادہ روشن کی جاتی ہیں۔ قاضی القضاۃ کا اسی مسجد میں اجلاس ہوتا ہے۔ اور اس محکمہ کا دفتر بھی یہیں ہے۔

مسجد سے شمال کی جانب ایک بازار سوق القنادیل کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے بہتر اور با قرینہ بازار یقین ہے کسی شہر کا نہ ہوگا عمدہ سے عمدہ اور اعلےٰ سے اعلےٰ ہر چیز جو دنیا میں ہو وہ یہاں ملے گی۔ وہاں میں نے عمدہ قسم کا بلور دیکھا پوچھنے پہ معلوم ہوا کہ یہ مغرب سے آتا ہے۔ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ یہاں دریائے قلزم میں ایک کان نکلی ہے جس کا بلور صفائی اور خوبی میں مغربی بلور سے بھی بدرجہا بہتر ہوتا ہے۔ میں نے ایک ہاتھی دانت دیکھا جس کا وزن دو من سے کہیں زیادہ تھا۔ ایک گائے کی کھال دیکھی جو چیتے کی کھال سے بہت کچھ مشابہت رکھتی تھی۔

مصر میں مٹی کے برتن نہایت نفیس بنتے ہیں۔ اگر اُسکے اوپر ہاتھ رکھا جائے تو اندر سے ایک ایک انگلی شمار کی جاسکتی ہے۔ اُن کے اوپر مختلف قسم کے رنگ اور بیل بوٹے بنائے جاتے ہیں۔ مصر میں کانسی پیتل کے برتن پانی بھرنے کے لیے زیادہ استعمال کیے جاتے ہیں۔ اور صرف ایک عورت کی ملک میں پانچ ہزار پیتل گھڑے ہیں جو شہر میں کرایہ پر دیے جاتے ہیں۔

مصر کے سامنے دریائے نیل کے وسط میں ایک جزیرہ نظر آتا ہے۔ اسکے متعلق کہا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہاں ایک شہر آباد تھا۔ ایک جامع مسجد

اور چند باغ قدیم زمانے کی یادگار ابتک باقی ہیں۔ اس جزیرہ میں جانے کے لیے چھتیس کشتیوں کا نہایت مضبوط پُل بنا ہوا ہے۔

مصر کے تاجر دوکاندار بیوپاری خریدار اور گاہک سے سچا اور بے لاگ معاملہ کرتے ہیں کیونکہ اگر کوئی اسکے خلاف کرے تو وہاں کا دستور ہے کہ اُسے اونٹ پر بٹھا کر تمام شہر میں پھرایا جاتا ہے۔ اُسکے ہاتھ میں گھنگرو ہوتے ہیں اور وہ گھنگرو بجا بجا کر باآواز بلند پکارتا جاتا ہے کہ میں نے جھوٹ بولا تھا اور بدمعاملگی کی تھی اُسکی سزا بھگت رہا ہوں اور جو شخص ایسا کریگا اُسکی یہی سزا ہوگی۔

اہل شہر عموماً متمول اور دولتمند ہیں۔ جب میں وہاں مقیم تھا محل شاہی میں شاہزادہ پیدا ہوا۔ اہل شہر نے اس درجہ خوشی منائی مکانوں اور دوکانوں کو ایسا آراستہ پیراستہ کیا کہ اگر اسکا پورا حال لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے اور سننے والوں کی حیرت کی انتہا نہ رہے۔ اور اس سچی بات کو لوگ لاف زنی پر محمول کریں مختصر یہ کہ حلوافروں نے اپنی دوکانوں کو جواہرات، چاندی، سونے، روپیے اور اشرفیوں سے خوب خوب آراستہ کیا تھا۔ بزازوں کی دوکانیں نفیس نفیس قیمتی کپڑوں سے سجائی گئی تھیں۔

سلطان مصر کے عدل وانصاف، رحمدلی اور حسن انتظام کی بدولت رعایا بڑا یا خوش خرم ہے۔ ادنی سے ادنی درجہ کا شخص ایسا مالدار اور دولتمند ہے کہ اگر اسکی دولت کا اندازہ لگایا جائے تو اہل عجم یقیناً اُسے صریح جھوٹ سمجھیں۔ صرف ایک آتش پرست کی دولت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ مصر میں ایک مرتبہ خشک سالی ہونے سے قحط پڑا اور وزیر نے اس سے بُلا کر کہا "آجکل رعایا کی پریشانی کی وجہ سے سلطان نہایت متفکر ہیں تم کسقدر غلہ سے امداد کر سکتے ہو۔ جسقدر غلہ دوگے اسکی قیمت خزانہ شاہی سے

مل جائے گی! اور اگر منظور ہو تو بطور قرض کے دیدو" اُس نے کہا "سلطان کے اقبال اور خدا کے فضل سے میرے پاس اسقدر غلہ ہے کہ اہل مصر کو چھ سال تک کفایت کرسکتا ہے۔ مصر کی آبادی اسوقت اسقدر تھی کہ نیشاپور جیسے عظیم الشان شہر کی آبادی اسکے مقابلہ میں ⅕ کی نسبت بھی نہیں رکھتی تھی۔ اب اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جس شخص کے پاس اسقدر صرف غلہ ہو وہ کسقدر دولتمند ہوگا۔

پھر سلطان کے عدل و انصاف اور اسکی نیک نیتی کو ملاحظہ کیجیے جس کی حکومت میں ایسے ایسے متمول موجود ہوں نہ اُن پر کوئی ٹکس ہے نہ خراج بلکہ سب لوگ نہایت آزادی اور حریت کی زندگی خوشی خرمی سے بسر کرتے ہیں اور دولت کے اظہار میں تامل اور عادل فرمانروا سے کسی چیز کا چھپانا ناپسند نہیں کرتے

شاہی دسترخوان مصر کے دستور کے موافق ہر سال دونوں عیدوں کے موقعوں پر سلطان کی طرف سے ایک عام دعوت دی جاتی ہے۔ خاص لوگ بارگاہ سلطانی میں باریاب ہوتے تھے اور عوام الناس علیٰ حسب مراتب دوسری جگہ بٹھائے جاتے تھے۔

میرے دل میں ہمیشہ سے یہی ہوس تھی کہ ایسے جلسہ کو کسی طرح دیکھا جائے حسن اتفاق دیکھیے اسی اثنار میں میری ملاقات ایک مصاحب شاہی سے ہوگئی اور رفتہ رفتہ بہت کچھ مراسم بڑھ گئے۔ میں نے اُن سے کہا "سلطان محمود غزنوی اور شاہ مسعود وغیرہ بادشاہان عجم کے دربار کو اکثر دیکھے ہیں اور شریک بھی ہوا ہوں لیکن شاہان مصر کی مجلس دیکھنے کا مجھے بہت اشتیاق ہے جس صورت سے ممکن ہو سکے دکھلائیے" اُس نے ایک اور شخص سے میرا تعارف کراتے ہوئے سفارش کردی کہ "آپ انھیں ضرور شریک جلسہ کریں" جب میں شخص مذکور کے ساتھ شاہی محلسرا میں داخل ہوا عالیشان عمارات اور تعریف کے قابل دیوانخانہ

قطرت گذست جنکو دیکھکر میں محو حیرت تھا اور دل پر رعب داب کا سکہ بیٹھا جاتا تھا۔ یہانتک کہ کئے لیے۔ دیگرے بارہ محلات کے اندر میرا گذر ہوا۔ ہر محل با اعتبار خوبی اور آرایش کے دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ منجملہ دوسرے عمدہ مکانات کے ایک ساٹھ ہاتھ کا مربع کمرہ تھا جسکے اندر چار گز اونچا ایک تخت بچھا تھا اور یہ تخت تین جانب سے طلا کار تھا۔ جس پر جا بجا دست استاد نے قدرتی سین مثلاً جنگل۔ پہاڑ دریا۔ جھاڑیاں۔ شکارگاہ وغیرہ وغیرہ دکھلائے تھے۔ تخت کا جو تھا کنارہ جو دیوار سے ملا تھا نقرئی تھا اور نہایت پاکیزہ خط میں فقرات اور قطعات لکھے ہوئے تھے اس کمرہ میں جسقدر فرش تھا وہ سب دیباے رومی کا تھا۔ غرضکہ یہ تخت ایسا نفیس اور اسقدر قیمتی تھا کہ ضبط تحریر میں نہیں آسکتا۔ اس مکان کے آس پاس طلائی جنگلا لگا تھا۔ اس دعوت میں ایک ہزار دو سو ساٹھ من صرف شکر کا خرچ ہے۔

دستر خوان پر ایک ترنج کا درخت بنایا تھا جسکے پھل پھول پتے دیکھنے سے بہت تعجب ہوتا تھا اور کمال یہ تھا کہ ان پر چڑیاں بٹھائی گئی تھیں جو بالکل اصلی اور زندہ معلوم ہوتی تھیں اور لطف یہ تھا کہ یہ درخت صرف شکر کا بنا ہوا تھا۔

باورچیخانہ شاہی اس قدر بڑا ہے کہ پچاس آدمی باورچیخانہ میں ملازم ہیں اور محلسرا میں ایک سرنگ ہے جو باورچیخانہ میں نکلی ہے۔ سلطانی شربت خانہ میں روزانہ بارہ اونٹ برف خرچ ہوتا ہے باورچیخانہ سے اکثر امرا اور خواص کے خوان مقرر ہیں۔ اہل شہر کے بہت شفاخانے ہیں جنمیں دوا مفت دی جاتی ہے اور ہر قسم کے روغنیات بھی مثل روغن بلسان وغیرہ مستحقین کو بغیر معاوضہ کے دیے جاتے ہیں۔

(باقی آیندہ)

محمد اسمعیل۔ ہاتف

تہذیب الاخلاق

(سلسلے کے لیے ستمبر نمبر ملاحظہ ہو)

(۲)

اس طریقہ سے انسان اُس مطمح نظر پر پہنچ سکتا ہے جسکے حاصل کرنے کی اسکے دل میں خواہش موجود ہے۔ اس کے لیے دو باتوں کی ضرورت ہے: اول یہ کہ جو جو دن گذرتے جائیں، دن بدن اپنے مطمح نظر کو قائم کرلے۔ اور دوسرے اسکے مطابق عمل کرے۔ خواہ کچھ ہی اس کا نتیجہ نکلے۔ ہمیشہ یہ بات یاد رکھیے کہ محکم کیرکٹر صرف اسی شخص کا ہوسکتا ہے جو موجودہ خوشی کو آیندہ کی بھلائی کے لیے قربان کردے۔ اگر وہ اپنے آئیڈیل پر کاربند رہیگا تو کچھ دنوں یا کچھ سالوں بعد وہ اسے حاصل کرے گا جس طرح سے کہ ڈینٹی نے حاصل کیا جو اپنی محبوبہ کی تلاش میں کوبکو پھرتا رہا اور آخرکار بہشت کے دروازوں پر وہ اُسے مل گئی، اسی طرح بالآخر وہ اپنے آپ کو ان ہی دروازوں کے قریب پائے گا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زندگی محض تفریح طبع کے لیے نہیں ہے بلکہ اُس اعلےٰ روحانی سچائیوں کے حصول کے لیے ہے جو ایک شخص حاصل کرسکتا ہے، اس شریفانہ کیرکٹر کے بنانے کے لیے ہے جو ایک شخص بنا سکتا ہے اور نیز سب سے بڑی خدمت کے لیے جو ایک شخص زیادہ سے زیادہ بنی نوع انسان کی کرسکتا ہے۔ اس سے ہمیں سچی خوشی مل سکتی ہے کیونکہ اسی میں سچی خوشی مضمر ہے۔ جو شخص آسان طریقوں یا کسی اور ذریعہ اس خوشی کو حاصل کرنا چاہتا ہے اسے بالآخر معلوم ہوجائے گا کہ اسکی آخری حالت ابتدائی حالت سے بھی بدتر ہے اور اگر اور طریقوں کے

ذریعہ سے سچی خوشی حاصل کرنے کی کوشش میں وہ شخص لگا رہے گا تو اسے یہ بات جلد معلوم ہو جائے گی کہ اسے سچی اور پائدار خوشی ہرگز حاصل نہیں ہو سکے گی۔

سوال یہ نہیں ہے کہ ہماری زندگی کے حالات کیا ہیں؟ بلکہ یہ کہ ہم ان حالات کا مقابلہ کس طریقہ سے کرتے ہیں؟ اور خواہ حالات کچھ ہی ہوں یہ امر دانشمندی سے بعید ہے کہ ہم ان کی شکایت کرتے رہیں اس لیے کہ مصیبت کے اک اک سے احوال کہنے کا نتیجہ اداسی ہوگا اور اداسی اُس اسپرٹ کو کمزور کر دے گی اور ممکن ہے کہ وہ اسے بالکل مار ہی دے یعنی اس طاقت کو جو ہمیں اس قابل بنا سکتی ہے کہ ہم اپنی زندگی میں بالکل نئے حالات پیدا کریں۔

میں اپنی پوائنٹ کو واضح کرنے کی غرض سے اپنے ذاتی تجربات سے ایک مثال پیش کروں گا خود میری زندگی میں مختلف موقعوں پر ایسے حالات پیدا ہوئے ہیں جن سے کہ مجھے اداسی، شرم اور تکلیف محسوس ہوئی۔ لیکن چونکہ اب ان واقعات پر کافی وقت گذر چکا ہے میں گذشتہ زمانہ کی طرف دیکھتا ہوں اور اب مجھے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس تجربہ کا میری زندگی میں کیا حصہ تھا میں نے اس تجربہ سے وہ سبق لے لیا ہے جو میرے لیے ضروری تھا۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہے کہ میں ان افسوسناک تجربوں میں سے ایک کو بھی جدا نہیں کر سکتا خواہ تمام دنیا ہی مجھے اسکے عوض میں دیدی جائے۔ اور جو سبق میں نے سیکھا ہے وہ یہ ہے کہ خواہ حالات آج کچھ ہی ہوں، اور خواہ وہ میرے لیے کتنے ہی ناموافق کیوں نہوں، میں بغیر شکایت کے انھیں قبول کر لوں گا اور نہایت ہی دانشمندانہ طریقہ کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کی کوشش کروں گا، اور ساتھ ہی یہ جانوں گا کہ وہ بہترین حالات ہیں اور یہ کہ اگرچہ میں یہ نہیں معلوم کر سکتا کہ وہ میری زندگی میں کیوں موجود ہیں، اور اگرچہ میں یہ نہیں پہچان سکتا کہ ان کا اثر میری زندگی پر کیا

پڑیگا تاہم جب وہ مجھپر آ ہی پڑیں گے اسوقت میں ان کا مقابلہ کروں گا اور خدا کا شکر ادا کروں گا کہ اُس نے مجھے ان حالات میں رکھا۔

ہر شخص یہ خیال کرنے کا عادی ہے کہ اسکے اپنے حالات، اپنے مصائب اور مشکلات رنج اور کشمکشیں عام بنی نوع انسان کے مصائب سے بہت زیادہ ہیں اور ممکن ہے کہ اسکی مشکلیں اتنی ہوں کہ جتنی دنیا میں کسی اکیلے شخص کی نہوں یہ خیال کرتے وقت اسے یہ بات یاد نہیں رہتی کہ ہر شخص کی راہ میں مختلف قسم کی مشکلات یا عادتوں پر قابو پانے کی کشمکشیں حائل ہیں اور یہ کہ اسکی یہی حالت باقی تمام بنی نوع انسان کی حالت کے مانند ہے۔ یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم ہر وقت اپنی ہی نا مالیوں یا مخالفانہ حالات کا زیادہ خیال کرتے رہتے ہیں اور دوسروں کی مصیبتوں کا کچھ بھی خیال نہیں کرتے اور یہی وجہ ہے کہ ہم ان کی مشکلوں کو اپنے برابر نہیں سمجھتے ہر آدمی کو مخصوص اور مختص مسائل حل کرنے پڑتے ہیں اور سوائے اسکے انھیں اور کوئی حل نہیں کرسکتا۔ ہر شخص کو یہ سوچنا چاہیے کہ وہ کون سے اسباب ہیں جو ان ناموافق حالاتِ زندگی کے پیدا کرنے کا باعث ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی ہر شخص کو یہ قوت اور طاقت پیدا کرنی چاہیے کہ وہ ان ناموافق حالات کا مقابلہ کرسکے اور پھر بتدریج بالکل جدید حالات پیدا کرے۔ مشورہ کے ذریعے اور اعلےٰ قوانین سے واقفیت رکھنے کے سبب ممکن ہے کہ ہم ایک دوسرے کو امداد دے سکیں، تاکہ دوسرا شخص بھی وہ کام آسانی سے کرسکے جو ہم کرنے کے عادی ہیں۔ لیکن کام ہر شخص کو علحدہ طور پر خود کرنا پڑے گا۔

اور اس طرح سے ہر بُری عادت سے (جس میں ہم ارادةً یا بلا ارادہ مبتلا ہوگئے ہیں) چھٹکارا پانے کا ذریعہ یہ ہے کہ ہم پہلے اسباب پر غور کریں اور اس قانون کو معلوم کریں جس کی بدولت وہ حالات رونپذیر ہوئے ہیں۔ اور جب

ہم قانون کو دریافت کریں گے تو اس وقت ہمیں قانون کی روگردانی نہیں کرنی چاہیے اور نہ اسکے خلاف کچھ کرنا چاہیے بلکہ اسکے مطابق ہمیں کام کرنا چاہیے اگر ہم قانون کی متابعت میں کام کریں گے تو اس سے ہمیں بے انتہا فائدہ پہنچیگا اور ہم اپنے مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ اگر ہم اس کی مخالفت کریں گے۔ اگر ہم اسکا مقابلہ کریں گے یا اسکے ساتھ ہو کر کام کرنے سے قاصر رہیں گے تو بالآخر وہ ہمیں کچل ڈالے گا۔ قانون کی کارروائیاں امٹ ہیں اسکی مطابقت کرو گے تو پھر ساری مرادیں پوری ہو جائیں گی۔ اور جہاں اسکی مخالفت کی تکلیف درد نقصان اور تباہی نظر آئے گی۔

چند دن ہوئے میں ایک قابل لیڈی سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس کے خاوند کا کچھ سال پیشتر انتقال ہو چکا تھا جو اگرچہ نیک طبیعت اور محنتی آدمی تھا مگر تقریباً اپنی ساری آمدنی شراب کی نذر کر دیا کرتا تھا۔ جب اسکا انتقال ہوا تو اسکی زمین سے جو پانچ ایکڑ پر مشتمل تھی کسی قسم کی آمدنی نہیں تھی اور اسلیے بیوی بظاہر کسی معقول سہارے کے بغیر رہ گئی اور حالت یہ تھی کہ اسکے ساتھ چند بچے بھی تھے۔ بجائے اس بدقسمت حالت سے ہراساں ہونے کے اس نے بہادری کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا مگر ساتھ ہی یہ یقین بھی رکھتی تھی کہ ایسے طریقے ضرور موجود ہیں جن کی بدولت وہ اپنی حالت سدھار سکتی ہے اگرچہ وہ طریقے اسے فی الحال معلوم نہیں ہیں۔ اس نے فوراً اپنے بار کو سنبھال لیا اور بہادرانہ طور پر آگے بڑھتی گئی کئی سال تک ان طلبا کی نگرانی کرتی رہی جو گرمی میں وہاں قیام کرنے کے لیے آتے تھے۔ ان دنوں میں وہ صبح ساڑھے تین بجے جاگتی اور رات کے دس بجے تک کام کرتی رہتی۔ جاڑے کے ایام میں جب یہ ذریعہ آمدنی منقطع ہو جاتا ہے وہ گاؤں میں بطور نرس کے کام

کرتی تھی۔ اس طریقہ سے اس نے عرصہ تک کام کیا یہاں تک کہ اسکا کھیت اب معقول آمدنی پیدا کر رہا ہے۔ اسکے سب بچے اسکول میں تعلیم پا رہے ہیں اور وہ کم و بیش اسکا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ ایسا کرنے میں اس نے کسی قسم کے خطرات کا اظہار نہیں کیا۔ اس نے ان بُرے حالات کو بُرا بھلا نہیں کہا جنکے باعث اسکی حالت خراب تھی بلکہ وہ اس قانون کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتی گئی جس سے متضاد قسم کے حالات پیدا ہونا ممکن تھے وہ ہر حالات میں خندہ پیشانی کے ساتھ کام کرتی رہی ہے اور خواہ اسکے حالات کچھ ہی ہوں دنیا میں بالضرور ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جو اس سے زیادہ زدہ حالت میں ہیں اور جنکی وہ کم و بیش خدمت کرنے کے قابل ہے۔

وہ اس واقعہ کو دیکھکر بہت خوش رہتی ہے کہ اب میرا بورڈنگ کا ذرا آمدنی پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ یہ بورڈنگ اسلیے اور بھی زیادہ قیمتی ہے کہ یہ میری ہی کوششوں سے بالآخر ایسا بنا ہے لیکن ان چند سالوں میں جو اچھائیاں اسمیں پیدا ہوگئی ہیں یعنی کیرکٹر کی طاقت اور شرافت طبیعت کی خندہ پیشانی، دوسروں کے لیے ہمدردی اور نگہبانی اور سچائی، دیانت داری اور پاکیزگی کی آخری فتح کا یقین وغیرہ ایسی صفات ہیں جو اُن ہزارہا اور لکھو کھا مرد عورت کے لیے جو بظاہر آرام و آسایش کی زندگی بسر کر رہے ہیں، قابل رشک ہیں۔ اور اگر وہ چھوٹا بورڈنگ بھی اس سے چھین لیا جائے تو بھی وہ نفع میں رہی ہے اس لیے کہ اس نے ایسی صفات حاصل کرلی ہیں جنہیں کئی ایکڑ زمین بھی نہیں خرید سکتی۔ جس طریقے سے اس نے اپنے کام کو سرانجام دیا ہے اور جس طور پر اس نے اپنے بار کو اٹھایا ہے اس سے اس کے سارے متعلقین کو آرام ملا ہے اور اب وہ سمجھتی ہے کہ اسکا

کام فی الحقیقت سچی خوشی کا ذریعہ ہے۔
اب ہم تھوڑی دیر کے لیے اس امر پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ ایک کم عقل عورت جو اس نیک بخت عورت کی طرح دور اندیش نہیں ہے کس طرح ان حالات کا مقابلہ کرتی۔ غالباً کچھ عرصہ تک وہ بالکل مضمحل رہتی ہر قسم کے خطرات اسکے دل میں جاگزین ہوتے اور وہ یہ خیال کرنے لگ جاتی کہ اب اسکی حالت ایسی ہوگئی ہے کہ کوئی چیز اس کے لیے فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ان حالات کے خلاف لڑتی اور دنیا سے اسکی طبیعت متنفر ہو جاتی، اور رفتہ رفتہ ان لوگوں سے بھی بیزار ہو جاتی جو اس کے قریبی عزیز ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ یہ خیال کر بیٹھتی کہ چونکہ وہ خود ان حالات کا مقابلہ کرنے کے ناقابل ہے لہذا کوئی ایسا مددگار ضرور ہونا چاہیے جو اسے ان مشکلات سے رہائی دلوائے ایسے خیالات ہوتے ہوئے مطلوبہ نتائج کے حصول کی طرف کوئی ترقی نہیں ہو سکتی اور وہ ہمیشہ اپنے خراب حالات ہی کے سوچنے میں لگی رہتی گویا کہ اور کوئی مشغلہ باقی نہیں رہا۔ اس صورت میں وہ اپنے بورڈنگ کے لیے بھی کچھ نہ کر سکتی اور نہ اپنے لیے اور نہ دوسروں کے کام آ سکتی یہانتک کہ وہ بالکل ہر چیز اور ہر شخص سے متنفر ہو جاتی۔
اس لیے اب یہ سوال نہیں رہتا کہ ایک شخص کی زندگی میں کیا حالات ہیں بلکہ یہ کہ وہ ان حالات کا کس طرح سے مقابلہ کرتا ہے جو اسے پیش آتے ہیں۔ اس بات کے جان لینے سے سب کچھ سدھر سکتا ہے کیونکہ سب امور پر اسکا اثر پڑے گا۔ اور اگر کسی وقت ہم یہ خیال کرنے لگیں کہ ہماری اپنی قسمت سب سے زیادہ خراب ہے اور کوئی شخص ایسا نہیں جس کی قسمت ہم سے خراب ہو تو اس وقت ہمیں چاہیے کہ ہیپلائے کیرکٹر کا

مطالعہ کریں۔ اور پھر اسکا مطالعہ کرنے کے بعد خدا ے برتر کا شکریہ ادا کریں کہ اس نے ہمیں بہتر حالات میں پیدا کیا ہے اور پھر ان حالات کو عمل میں لانے کا خیال کریں جس کی ہم بہت زیادہ خواہش کرتے ہیں۔

ضیاءالدین احمد برنی بی۔اے

اخباری لغات

پر

معتمد اخبارات کی رائیں

لیڈر: کتاب ایک نہایت اچھی کوشش ہے۔

علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ: الفاظ کی تشریح بہت سلیس اور عام فہم اُردو زبان میں کی گئی ہے۔ یہ کتاب اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے اور ہماری راے میں بہت مفید بھی ہے۔

مشرق: انگریزی نہ جاننے والوں کو اپنے پاس رکھنا چاہیے۔

پیسہ اخبار: اُردو اخبار بینوں کے حق میں بہت مفید ہے۔

الفضل: کتاب اپنی نوعیت میں بڑی مفید ہے اور لٹریچر کے اندر ایک ضروری اضافہ۔ قیمت ۱۰؍ علاوہ محصول۔

ضیاءالدین احمد برنی۔ ٹیچر تھیوسوفیکل اسکول۔ کانپور سے ملتی ہے۔

ضروری گذارش۔ تمدن بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی عزیز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائیگی اور دوسرے ماہ میں اُن کا نام درج رجسٹر کرکے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جائے گا جسکا وصول کرنا اُنکا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ منیجر

فطرتِ انسان

حسن نے جب خود پرستی کا بڑھایا ولولہ　　دستِ قدرت نے لیا صورت گری کا مشغلہ
کیا ہے انساں ایک پتلا ہے عدم کی خاک کا　　جسکی ہستی آئینہ حالات حیرتناک کا
علمِ فطرت میں کبھی یہ پیکر تصویر تھا　　بزمِ وحدت کی حضوری کا تماشا گیر تھا
دیکھتے ہو جسم میں انسان کے جو خال ہے　　دستِ قدرت کی ہنرمندی کا استدلال ہے
لوح میں ایجاد کی اک نقش سرافراز ہے　　کن کے دریا کی صدف کا گوہر ممتاز ہے
اک گہرِ زینت دہِ دامانِ امکاں کر دیا　　واہ رے قدرت تری مٹی کو انساں کر دیا
قوتیں دیں مختلف ہر ایک کو انصاف سے　　متصف پھر کر دیا اپنے تمام اوصاف سے
روح کیا ہے صنعتِ بے مثل کی آواز ہے　　مل رہا ہے اس سے جولا علم کا ساز ہے
شک نہیں اسمیں اگر سمجھے یہ عقلِ خاک زاد　　نفس میں موجود ہے کسبِ ریاضت کا مادہ
متفق اس قول میں ہیں جملہ اصحابِ نظر　　بے تعلق ہو تو پھر دنیا کی ملتی ہے خبر
کیا عجب برقِ انا نکلے دلِ ذرات سے　　ڈھونڈیے موجودِ واجب کو جو شمعِ ذات
بزمِ عرفانی میں ہے گر باریابی کی ہوس　　عقلِ دنیا ساز کو پہلے بنا لے نکتہ رس
قدرتی آرائشوں کی سیر کرنا چاہیے　　قلبِ حیرت زاد کو چشمِ تماشا چاہیے

حل بآسانی ہوا جاتا ہے سارا مسئلہ
فطرتِ انساں کا ہے یہ مختصر سا فیصلہ

اشہر لکھنوی

تنقید اعتقادیات

آئینہ خاطریم ولیکن زچند گاہ
در خاکدانِ دہر غبارے گرفتہ ایم

ہم اکثر یہ بھول جاتے ہیں کہ
بری چیزوں۔ اور غلط واقعات میں بھی کچھ نہ کچھ صداقت اور سچائی کی روح ہوتی ہے۔
بمصداق۔ تا نہ باشد چیزکے مردم نگویند چیزہا۔

جبکہ ہم ذہنی ممکنات کی تحت میں پڑتے ہیں تو کسی نہ کسی حد تک یہ تسلیم کرتے جاتے ہیں کہ ان میں کچھ نہ کچھ صداقت بھی ہوتی ہے یا ہونی چاہئے مگر جب کبھی دوسرے لوگوں کی باتوں۔ اعتقادات اور خیالات کو زیر بحث لاتے ہیں تو اس ذہنی امکان کا خیال نہیں رکھتے اور تھوڑے سے شک یا مغالطہ پر یہ فتوا لگا دیتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے محض نادرست اور غلط ہے اگرچہ اپنے پہلے، عقائدی رنگ میں کسی جلد بازانہ تنقید پر ایسا فتویٰ لگا دینا مشکل نہیں مگر تنقیدی رنگ میں یہ غلطی اور ایسی جلد بازی قابل معافی نہیں اس جلد بازی اور اس غلطی کا صریحی نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک غور کرنے والا اور ایک نقاد فریب کھاتا ہے بلکہ یہ کہ اس فتویٰ بازی میں بہت سی باتیں اور بہت سی حقیقتیں حجاب میں رہ جاتی ہیں اور ایسی کاوش اور بے رخی ہمارے ارد گرد گھر جاتی ہے جس کا اثر

اس کائنات کی بہت سی خوبیوں کے واسطے ایک حاجب اور ایک مہلک صورت ہوتی ہے۔

جب ایک خیال خصوص وہ خیال جس کی طرف ایک عام مخلوق کسی نہ کسی رنگ میں اُڑی آرہی ہے اور جس کے ماننے والے بہت سے لوگ ہیں ہمارے سامنے پیش ہوتا ہے تو اُسکے سُننے کے بعد ہمیشہ ہمارا یہ فرض نہیں ہے کہ اُس سے ایک اعتقادی جوش میں انکار کر دیں کیونکہ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ
کس چیز اور کس خوبی نے اسقدر لوگوں کے دلوں کو اس طرف متوجہ کیا ہے اور وہ کون سی چیز ہے جو اس کشش کا باعث ہوتی ہے یقیناً کوئی نہ کوئی چیز اسکی جڑ میں ہوگی اور ہم یہ بھی خیال کر سکتے ہیں کہ ضرور کسی واقعہ کسی اجتہاد اور کسی بات کی حقیقت دنیا کے اور واقعات اجتہادات سے بھی مشابہت رکھتی ہوگی اگرچہ ایسی مشابہت کیسی ہی پیچیدہ گول مول اور غیر تشفی بخش ہی کیوں نہ ہو۔

چھوٹی سی چھوٹی بات کی تہ میں بھی کبھی ہی نہیں بلکہ اکثر دفعہ کسی نہ کسی حقیقت کا پتہ مل جاتا ہے اگر بعض امور کے اندر کوئی ایسی حقیقت نہ ہوتی تو اُس بات کا اس رنگ میں پیش ہونا کوئی ہستی نہ رکھتا جب ہمارے سامنے ایک فرضی تصویر بھی پیش کی جاتی ہے تو ہم اُس سے باوجود اُس کی فرضیت کے بھی یہ باتیں نکال سکتے ہیں۔

(۱) ایک مصور یا ایک نقاش کی چابکدستی اور لطافت

(۲) ایک مصور اور ایک نقاش کا مذاق۔

(۳) یہ بات کہ انسان کا مذاقِ حسن اور مذاقِ لطافت کہاں تک پرواز

کر سکتا ہے۔

(۴) اور یہ بات کہ اس کائنات میں اس قسم کا نقشہ بھی پایا جانا ممکن ہے

(۵) اور حسن اشیا کی بے حد انتہائی ہے۔

یہ باتیں ایسی نہیں ہیں کہ ہم انھیں اثبات اور نفی کی صورت میں اپنے دائرہ تحقیقات اور اعتقادیات سے خارج کر دیں کیونکہ ان کے خارج کر دینے سے ہم اُن حدود تحقیقات کو تنگ کر دیتے ہیں جو ہماری بہت سی دینی اور مادی فتوحات کے واسطے لازمی ہیں اور جن سے ہم کام لیتے ہیں

اگر ایک ناتجربہ کار مصور اپنے حوصلے کے مطابق ایک شخص کی تصویر بناتا ہے تو وہ اس میں حتی الامکان پوری نقل اُتارنے کا زور لگاتا ہے لیکن اُسکی خامی طبیعت اُسے اس پر کامیاب نہیں ہونے دیتی لیکن اُسکے پیش ہونے سے یہ قیاس کرنا ہمیشہ درست نہیں ہوگا کہ اُسکی کوئی حقیقت ہی نہیں۔

ہماری زندگی میں مندرجۂ ذیل اقسام کے خیالات ہمارے پیش نظر ہوتے ہیں۔ جن سے ہمیں سابقہ پڑتا ہے۔

(۱) خیالات عامہ۔

(۲) خیالات اعتقادی۔

(۳) خیالات حکمی۔

(۴) خیالات تمدنی

(۵) خیالات تہذیبی۔

عام خیالات کی نسبت ہمیں کسی خاص وقت میں چھان بین اور بحث مباحثہ کا موقع ملتا ہے کیونکہ اُن پر باقی کے چار قسم کے خیالات کا

چنداں ہوا نہیں ہوتا عام خیالات محض یومیہ یا عارضی خیالات ہوتے ہیں جیسے دنیا کی کتاب میں بعض تفریحی تذکرات یا محض حکایات چونکہ ان پر انسانی زندگی کی اہم ضروریات کا مدار نہیں ہوتا اس واسطے اُنکی پرواہ بھی کچھ نہیں کی جاتی صدہا ایسے خیالات زیر بحث آتے اور صدہا نسیاً منسیاً ہو جاتے ہیں کہ جن کا کوئی نشان اور کوئی علامت بھی باقی نہیں رہتی طلوع آفتاب کے ساتھ نشو و نما پاتے ہیں اور غروب کے ساتھ ہی مٹ بھی جاتے ہیں گو ان میں سے بھی بعض خیالات رفتہ رفتہ ایک اہمیت اور وقعت اختیار کر لیتے ہیں اور اُن کی ہستی بھی بعض اوقات مختلف اوطیجنول - واقعات اور کیفیات کی باعث ہوتی ہے لیکن پھر بھی اُنکی عام ضرورت ایک عام اہمیت کا بھی ثبوت دیتی ہے -

نہ اُن کے صدق کی چندان بحث ہوتی ہے اور نہ اُنکے کذب کی وہ ایسی بحث کا موقع ہی نہیں دیتے بالفاظ دیگر وہ محض ایک مشغلہ یا رواں خیالات ہوتے ہیں خاص کر کسی اصول کے تابع نہیں ہوتے ان کا عدم وجود محض عارضی ہوتا ہے ۔

انسانی زندگی دو جسے رکھتی ہے -

۱ معادی - اور

۲ معاشرتی

معادی شعبہ ایک بڑی حد تک ایسا ہی وسیع اور زبردست واقع ہوا ہے کہ بہت دفعہ اُسکے سامنے معاشرتی شعبہ کو جھکنا اور دبنا پڑتا ہے اور اُسکے بعد ملکی اور تہذیبی شعبہ ہے جس میں شعبۂ تمدنی بھی مل گیا ہے اور اگر ہم ذرا اور وسعت سے کام لیں تو کہنا پڑے گا کہ ملکی - تمدنی اور

تمدنی صورتیں بھی ایک اعتقادی صورتیں ہیں بعض دفعہ انسان معادی اعتقادات یا معادی خیالات کو چھوڑنے پر بخوشی تیار ہوجاتا ہے لیکن رسمی اور رواجی یا دیگر اعتباری خیالات کے چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتا۔ یہ قرار دیتے ہوئے ہم یہ بحث صرف اعتقادیات کے نام سے کرنا زیادہ تر مناسب سمجھتے ہیں۔

بریں اصول اور نقطۂ بحث ہم یہ کہیں گے کہ ہر قسم کے انسانی اعتقادات میں بھی اگرچہ وہ کسی قسم اور کسی نوع کے ہوں اور کیسے ہی بظاہر سقیم اور غلط معلوم ہوتے ہوں کوئی نہ کوئی حقیقت مستتر ہوتی ہے یا اُن کا شروع ہی کسی نہ کسی حقیقت سے ہوتا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم ہر ایک قسم کے انسانی اعتقادیات کی تنقید کے واسطے یہ ایک عام قاعدہ بنا لیں کہ۔ ہر اعتقاد میں کوئی نہ کوئی اصلیت اور حقیقت ہوتی ہے یا ہر ایک انسانی عقیدے میں کسی نہ کسی قسم کی حقیقت کا ساتھ ہوتا ہے اور اُس سادہ فلاسفی کی پیروی کریں جو ایک مشرقی شاعر نے ذیل کے مصرع میں بیان کردی ہے۔

تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا

تنقیدی اصول کے ماتحت یہ مصرع ایک ایسی فلسفی ہے جو اپنے اندر اور اپنی تہ میں بہت کچھ رکھتی ہے جب ہم اس قسم کی بحثوں میں مصروف ہوں تو ہمارا یہ فرض ہے کہ ہماری دماغی حالتیں اور دماغی کیفیتیں اُن نشیب فراز سے محفوظ رہیں جن کی وجہ سے ہم بعض دفعہ اکثر حقائق کے انکشاف اور استدادت ٹھوکر کھاتے اور محروم رہ جاتے ہیں۔ اور ہمیں چاہیے کہ ہم یہ سمجھنے کی بھی کوشش کریں کہ۔

" انسانی اعتقادات کس طرح درست ہوتے ہیں اور انکا شروع کس طرح ہوتا
" اور کس طرح اُن میں غلطی پڑ جاتی ہے - اور ساتھ ہی اسکے یہ بھی
سوچا جائے - بلکہ ایک طرف یہ قاعدہ بھی بنا لیا جائے کہ -

" ہر ایک جو بات کہتا ہے وہ سچی ہوتی ہے -
" اور زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو -

اور دوسری طرف یہ قرار دیا جائے کہ

" کثرت رائے میں عموماً غلطیاں بھی ہوتی ہیں -

ہمیں یہ تمام قواعد ٹھہراتے ہوئے یہ ذہن نشین کر لینا فرض ہے کہ - ایسی تمام باتوں - خیالات اور اعتقادیات کی واجبی قیمت کیا ہے یا کیا ہونی چاہیئے -

جو کچھ اس وقت تک ہر ایک قسم کی روایات ہم تک پہنچ چکی ہیں اُن میں سے مذہبی اعتقادیات بھی بڑی زبردست روایات ہیں - ایسی روایات کہ جن کی طنابیں صرف اس جہان یا اس زندگی میں ختم نہیں ہو جاتیں بلکہ ان کی رفتار ایک دوسرے جہان تک بھی چلی جاتی ہے اگرچہ اُس جہان کی کیفیت اب تک ہم میں سے کسی نے واپس آکر بیان نہیں کی بلکہ ہم میں سے بہتوں کو اس طرح اُسکا اعتقاد ہے کہ گویا اُسپر ایک عینی مشاہدہ کے بعد یقین کیا گیا ہے -

دنیا کے مذاہب میں سے ہر ایک مذہب باوجود ایک مذہب ہونے کے دوسرے مذہب کی ایک بڑی حد تک تکذیب اور تردید کرتا ہے ہر مذہب اسکا مدعی ہے کہ جو کچھ درگاہ خدائی سے اُسے ملا ہے اور کسی کو نہیں ملا ہے جو کچھ اُس نے پایا ہے اور کسی کے حصہ میں نہیں آیا ہے -

ہر مذہب اسقدر مختلف روایات کے ماتحت چل رہا ہے کہ اگر ایک مذہب خود ہی اپنی روایات کی تنقید کرنے بیٹھے تو بہت ساحصتہ روایات کا اُسے نکالنا پڑے گا اور اس بات کا اعتراف کرنا ہوگا کہ روایات میں سے بہت سی روایات فضول ہی نہیں ہیں بلکہ محض دروغ بانی بھی ہے۔

ایک مذہب دوسرے مذہب کے ساتھ جب مکالمہ مناظرہ کرتا ہے تو ہمیشہ اس بات پر تیار رہتا ہے کہ اُسے سرے سے لے کر اخیر تک سراسر کذب و دروغ ثابت کرکے چھوڑے مناظرین ہمیشہ اس خوشی اور دھن میں رہتے ہیں کہ اُنکی دلائل اور براہین کے زور سے بالمقابل مذہب ناکارہ ۔ ہیچ ثابت ہو کر رہے۔

ایسا خیال مناظرین کے دل و دماغ میں صرف اس واسطے مرتسم ہوتا ہے کہ

شروع مناظرہ اور شروع بحث میں ہی بعض لوگ مدمقابل مذہب کو از سرتا پا جھوٹ اور کذب و دروغ سمجھ لیتے ہیں اور اُن کے خیال میں سوائے اُنکے اپنے مذہب اور مسلمات مذہب کے کوئی دوسرا مذہب کچھ بھی صداقت اور اصلیت نہیں رکھتا یہی خیال ہے کہ جو دن بدن مذاہب میں نفرت پھیلاتا اور ایک کو دوسرے سے زیادہ تر بدظن کرتا ہے لوگ تطبیق مذاہب میں کوشش کرنے کے عادی نہیں ہیں بلکہ مذاہب میں ایک اور بھی دوری اور نفرت پھیلانے یا پیدا کرنے کی ہمیشہ ایک ایسی سبیل نکالی جاتی ہے جو ایک مذہب کو دوسرے مذہب سے بہت کچھ فاصلہ پر کردے۔ یہ صرف اس واسطے ہوتا ہے کہ ہم خوش فہمی سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ صرف ایک ہی مذہب شروع کی حقیقت اور صداقت رکھتا ہے باقی کے مذاہب میں

کوئی صداقت اور کچھ حقیقت نہیں ہو سکتی۔

آؤ اب ہم ذرا اپنے مذہبی تعصبات اور رسمی اعتقادات سے الگ ہو کر دیکھیں کہ فی الحقیقت معاملہ کیا ہے۔ صحیح اصول تنقیدی کے ماتحت ہر ایک مذہب دنیا پر غور کرنے کے بعد ہمیں مان لینا چاہیے یا مان لینا پڑے گا کہ پردہ دنیا پر کوئی بھی ایسا مذہب نہیں۔ جسمیں سچائی کی روح درحقیقت نہ ہو۔ مذہب کا بڑا بھاری اوزار اور بڑی بھاری حقیقت وجود خدائی ہے کیا کوئی مذہب بھی اس سے خالی ہوتا ہے۔ کوئی مذہب بھی ایسا نہیں ہو سکتا جس میں اس حقیقت کا اعتراف نہ کیا جاتا ہو اگرچہ اس حقیقت کے اقبال اور اعتراف کا رنگ جداگانہ ہوتا ہے مگر ہوتا ضرور ہے۔ غایت درجہ ہم دہریت کو پیش کر کے اس کا ابطال کر سکتے ہیں لیکن وہ بھی ایک طرح سے یہ حقیقت رکھتا ہے ایک دہریہ یا تو اس سارے زمانہ ہی کو خدا جانتا ہے اور یا خود اپنے تئیں اس حقیقت سے متصف قرار دیتا ہے دونوں صورتوں میں خدائی بحث بیچ میں آ پڑتی ہے اور دونوں حالتوں میں اس کا پتہ لگتا ہے۔

مذہب یا مذاہب کا تعلق براہ راست نفوس اور ضمائر سے ہے اور اگر دوسرے الفاظ میں کہو تو مذہب بھی ایک طبعی خاصہ اور طبعی جذبہ ہے مذہب کا جزو اعظم خدا ہے اور کوئی ہستی سوائے اس خدائی خیال کے باقی اور خالی نہیں رہ سکتی یہ جدا بات ہے کہ اس خیال کے ساتھ رفتہ رفتہ یا بعد میں چند ایسے خیالات بھی مل جاتے ہوں کہ جو اس خیال کی روشنی کے دھندلا کرنے کے واسطے ایک کافی ذریعہ ہوں۔

بت پرستی بعض لوگوں کے خیال میں خدا پرستی کا شروع سے

یعنی بت پرستی سے رفتہ رفتہ یا بتدریج انسان خدا پرستی تک پہنچا ہے لیکن میری رائے میں یہ صحیح نہیں جب کہ ہم خدائی خیال کو انسان کا ایک طبعی خیال کہتے ہیں تو پھر یوں کہنا چاہیے کہ خدا پرستی یا خدا پرستی کے خیال سے ہی انسان گرتے گرتے بُت پرستی تک پُہنچ گیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ جس طرح انسان کئی درجوں سے ترقی کرتے کرتے انسانیت سے فائز ہوا ہے اسی طرح بت پرستی سے خدا پرستی پر آیا ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ یہ قصہ ابھی تک اس درجہ تک ثابت نہیں کہ اُس پر یوں ہی آمنا وصدقنا کہا جائے۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے تو پھر بھی یہ کہا جائے گا کہ انسان کے دل میں اس وقت خدا پرستی کا خیال آیا کہ جب وہ خدا پرستی کا جامہ پہن چکا تھا اور ایسی حالت میں اُسکے دل ودماغ میں اپنی پوزیشن موجودہ کے مطابق لازمی تھا کہ شروع شروع میں خدا ہی کا خیال مرکوز ہوتا۔

ہم اس کی تائید میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسان فطرتاً گنہگار اور عاصی نہیں بنایا گیا اُسکی فطرت میں پاکیزگی اور اچھائی رکھی گئی ہے وہ اس فطرتی اقتضا کے بعد ہی گناہوں میں آلودہ ہوا ہے اور اب بھی جب کبھی اُسے موقع ملتا ہے اُسی فطرتی پاکیزگی کا متلاشی رہتا ہے وہ ہی فطری تڑپ اُسے جا بجا لیے پھرتی ہے اور اُسی رنگ میں وہ رنگا جانا پسند کرتا ہے اگر یہ تڑپ عارضی ہوتی اور اُسمیں فطری تقدس اور فطری جوش نہ ہوتا تو اس طرف انسان اسقدر شدومد سے متوجہ بھی نہ ہوتا۔

نہ ہستی تا خوشی ہا دیدم وساز عدم کردم
ہوائے غربتم نا ساز شد سوئے وطن رفتم

خدا نے انسان کو اس دنیا میں اُس کی درخواست کے بغیر بھیجا اس پر اگر وہ بھی اس کی طبیعت میں ایک نہ دور ہونے والا مادہ گناہ کا رکھ دیتا تو وہ الزام سے کس طرح بچ سکتا ہے خود ہی ہمیں گناہ سیرت اور عصیان فطرت بناتا ہے اور خود ہی غلط کاری پر ہم سے جواب طلب کرتا ہے۔ اس بات کی کسی دیوی دیوتا سے تو امید کی جا سکتی ہے۔ خدائے قدیر سے کس طرح ایسی ناانصافی اور ایک رخی کی امید ہو سکتی ہے۔ ہماری فطرت پاک صاف بنائی گئی ہے اور ہمیں یہ موقع دیا گیا ہے کہ ہم پاک فطرت کی مدد سے پاکیزگی میں ترقی کریں جب ہم پاکیزہ فطرت ہیں تو پاکیزگی فطرت کا سب سے اعلےٰ اور روشن تر پہلو یہ ہے کہ وہ انسان کو اُس راہ پر لگاتے جو خدائی ذات کی منزل تک لے جاتی ہے اور جس سے اُس ذاتِ حمیدی کا درشن ہوتا ہے۔

امید نوازش از فلک بود
آخر بہ زمیں نواخت مارا

جب خدا پرستی خداشناسی ہمارا ایک فطری خاصّہ ہے تو پھر یہی کہا جائے گا کہ انسان کی فطرت نے شروع ہی میں انسان کو خدائی راہ پر لگایا ہے اور انسان بعد میں خارجی اغلاط کی وجہ سے خداشناسی سے دور دور ہوتے پتھروں اور اصنام تک پہنچا ہے۔ یہ فطرت کی بات ہے کہ جب ہم ایک دفعہ کسی عجوبہ ہستی اور کسی پُرفریب طاقت سے آشنا ہو جاتے ہیں تو بعض وقت اُس کے فقدان پر اُس کے قائم مقام بنانے میں کوشش کرتے ہیں اور اپنی عارضی طمانیت کے واسطے اُن وسائل اور اُن ذرائع سے کام لیتے ہیں جو اُس اصلیت سے بہت دور ہوتے ہیں۔

ایک طالب کا مطلوب کی تصویر رکھنا اور اُسے رات دن دیکھتے رہنا

گیا ہے ایک بہانہ ہی تو ہے کیا تصویر میں وہ بات بھی ہوتی ہے جو اصل میں ہوتی ہے ضرور ایک خاکہ تو ہوتا ہے مگر وہ بولتی چالتی حقیقت کہاں اور وہ بات کہاں۔ اور باوجود اس کے بھی ایک طالب اُس سے ایک قسم کی طمانیت پاتا اور دلاویزی حاصل کرتا ہے۔

مجنوں مرا بہ سلسلۂ عشق واگذاشت
خود از میانہ پائے کشید و مرا گذاشت

جب ہم خداشناسی اور خدا پرستی کے فطرتاً عادی ہیں اور خدا ہی سب مذاہب کی جڑ یا سب مذاہب کا عنصر اولیں ہے تو پھر ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ

دنیا میں صرف ایک مذہب ہی صداقت لے کر آیا تھا یا خدا نے صرف ایک ہی قوم اور ایک ہی مسلک کی فطرت میں یہ جوہر خداشناسی ودیعت کیا تھا اور ایک ہی قوم اس کی سزاوار بھی تھی یہ تو خدا کی ناشکرگذاری یا خدا پر الزام دینا ہے۔ خدا نے ہر فطرت میں یہ جوہر رکھا ہے اور ہر فطرت اس کی سزاوار ہے اگر ہم راست بازی سے یہ مان لیں تو پھر ہمیں اس کے ساتھ ہی یہ اقرار بھی کرنا پڑے گا کہ

ہر مذہب میں باوجود رطب و یابس روایات اور عقائد کے بھی ایک صداقت ہے۔ ایسی صداقت جو ہمیں اُس حقیقۂ صداقت کی طرف لے جاتی ہے جو ہماری فطرت بننے میں رکھا گیا ہے اور جس سے کوئی فطرت بھی خالی نہیں

ہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیدا است

دیکھو اس خیال کے ذہن نشین کرنے سے کہ ہر مذہب میں ایک صداقت موجود ہے اور کوئی مذہب شرع کی صداقت سے خالی نہیں ہم اس نفرت

اور اُس بیزاری سے کس قدر دور جا رہتے ہیں جو ہمیں مناظرہ اور بحث یا مطالعہ مذاہب کے وقت پیش آتی ہے یہ وہ طریقہ ہے جو ہمیں تطبیق مذاہب میں بہت کچھ مدد دیتا ہے اور ہمارا دل خواہ مخواہ کے تعصبات سے خالی ہو جاتا ہے جو ہر وقت ہمارے سدِّ راہ رہتے ہیں اور ہم اس مرحلے پر پہنچ جاتے ہیں کہ الہامی فیضان کنجوسی سے نہیں ہوتا سب قومیں اسکی باری باری حصہ دار ہیں کسی قوم کی خصوصیت نہیں اور کوئی قوم اس خوان الہام سے محروم نہیں رہ سکتی۔

جس طرح خدا رازق ہے اور سب کو رزق دیتا ہے اسی طرح یہ معادی فرق بھی ہر قوم کے حصہ میں دیا گیا ہے تا کہ سب قومیں معادی رنگ میں ایک کمی میں نہ رہیں۔

ہر رنگ جلوہ دارد با چشم آشنائے
آن حسن خود نما را من خوب می شناسم

بایں حالات ہم ایک طرف اگر ایک مایوسی کی سے حسرتمندانہ نگاہوں سے بعض مذاہب کی روایات میں ایک کمزوری ایک اُلجھن اور ایک نقص اور ایک بے ترتیبی پاتے ہیں تو دوسری طرف اُس میں ایک شروع کی صداقت بھی پاتے ہیں، اس پر دہ دھندلا نور بھی دیکھتے ہیں جو شروع شروع میں اُس پر نازل اور روشن ہوا تھا اور جس کی کرنوں میں اُس نے بہت سی روحوں کی رہنمائی کی تھی اور جواب تک اُسی روشنی کی دھندلی سی کرنوں میں اُس صداقت کے پاس میں غلطیاں دبی چھپی ہوئی ہیں۔

ایک ظلمت اکثر اپنے ساتھ نور بھی رکھتی ہے ایک کذب میں صدق بھی ہوتا ہے صداقت کو طالب اس واسطے کہا جاتا ہے کہ وہ باو

غلبۂ ظلمت سے کبھی نہ کبھی سطح پہ آجاتی ہے جیسے یہ کہتے ہیں کہ تاریخ کبھی نہ کبھی خود کو دہراتی ہے ایسے ہی یہ بھی کہا جائے گا کہ صداقت بھی کبھی نہ کبھی تہ ظلمت میں سے جلوہ کناں ہوتی ہے۔

ہر مذہب خصوصاً وہ مذہب جو بعد میں آتا ہے یہ چاہتا ہے کہ پہلے مذاہب اُس سے تطبیق کی ٹھہرائیں اور یہ دیکھیں کہ وہ پہلوں سے کیا کچھ نسبت رکھتا ہے جیسے کہ سب سے پیچھے آنے والے مذہب اسلام نے کھلے کھلے الفاظ میں یہ اعلان کیا ہے -

تعالوا الیٰ حکمةٍ واحدةٍ

اس فقرۂ قرآن سے بھی یہ استدلال ہوسکتا ہے کہ منشا اس کا یہی ہے کہ اُس صداقت کی تلاش میں ہو کر اُس کا خیر مقدم کرو جو شروع میں ہی انسان کے حصے میں رکھی گئی ہے اور جس پہ تمام مذاہب کا مدار ہے اور جو گویا مذاہب کا لب لباب اور عنصر اعظم ہے۔

بوئے تو ز بوئے گل شناسد
آن را کہ دماغ بو شناس است

سلطان احمد

[illegible]

فنڈ کی امداد کے لیے ہم اعلان کرتے ہیں کہ دفتر رسالہ "تمدن" کی دو عمدہ کتابیں یعنی اخلاقی ناول سعید۔ سعادت۔ (مصنفہ جناب قاری محمد سرفراز حسین صاحب) کی جسقدر جلدیں ماہ اکتوبر و نومبر میں فروخت ہونگی اُن کی قیمت میں سے ۲۵ فیصدی ہم اس فنڈ میں دیدینگے سعید کی قیمت علاوہ محصول ۱۲ اور سعادت کی قیمت علاوہ محصول ۱۲ روپے۔

المشتہر منیجر رسالہ تمدن پیل جھاؤ لال لکھنؤ

بحرِ خیال کی لہریں

۱۔ صناع عالم نے اس جہان کو بھی ایک عجیب مجموعہ عجائبات بنایا ہے۔ اور ہمیں اپنی صناعی کے عجیب عجیب حیرت انگیز کرشمہ دکھائے ہیں۔ لیکن ہر ایک دل ایسا نہیں جو ان عجائبات کو دیکھکر ضرور متحیر ہی ہو۔ اور وہ کرشمے ایسی چیز ہی نہیں جنھیں وہ خواہ مخواہ نگاہ تعجب ہی سے دیکھے۔ ایک بہت بڑی تعداد بندگان خدا کی اس حیرت زا عالم میں پیدا ہوتی ہے اور اپنی قید زندگی کے دن کاٹ کر عدم کو روانہ ہو جاتی ہے۔ اور کبھی اس کے دل میں یہ خیال بھی نہیں گذرتا کہ ان تمام اشیار کو کسی نگاہ تعمق سے دیکھے۔ اور ان سے کسی قسم کا سبق حاصل کرے۔

۲۔ کون ایسا شخص ہوگا جس نے کبھی دریا اور اس کی روانگی کو نہ دیکھا ہوگا لیکن وہی دریا ہے جو حقیقۃً ایک ہی چیز ہے مگر ہر دیکھنے والا اس سے ایک مختلف طریقہ سے متاثر ہوتا ہے۔ ہر وہ شخص جو اسکے قریب سے گذرتا ہے اور اس پر ایک سرسری نگاہ بھی ڈال دیتا ہے۔ اس کے دماغ میں فوراً کسی نہ کسی طرح کے خیالات کا دریا ضرور موج زن ہونے لگتا ہے۔ اگر کوئی پیاسا آنکلتا ہے تو اپنے پیاس ہی بجھانے کی سبیل سوچنے لگتا ہے۔ اگر کوئی تھکا ماندہ مسافر آ جاتا ہے تو دریا کا منظر دیکھتے ہی اس کے پژمردہ دل میں ٹھنڈک سی پڑجاتی ہے۔ اگر کوئی راہ رو اُدھر سے گذرتا ہے تو کم سے کم اس کو یہ سوچ کر بڑی راحت ہوتی ہے کہ منزل مقصود یہاں سے اب اتنے فاصلہ پر ہے۔ اور یہ خیال بہت سے ان شکوک کو جو فاصلہ کے غیر معین ہونے سے اس کے دل میں ہیجان

ہرپا کیے ہوئے تھے رفع کردیتا ہے لیکن بعض ایسے لوگ بھی ہیں جنکے دلوں پر اس کا اثر کسی ناصح کی نصیحتوں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے اور اس کی بے زبانی سے وہ سبق حاصل ہوتا ہے جو ہزار ہا زبان والے برسوں میں نہیں دیسکتے۔

دریا یہ نہیں کہتا کہ تم متلون مزاج ہو۔ استقلال اور صبر سیکھو۔ بلکہ وہ اپنے صبر اور استقلال کی ایسی بین مثال پیش کرتا ہے کہ انسان بغیر متاثر ہوئے نہیں رہ سکتا۔ دریا منبر پر بیٹھ کر وعظ نہیں سناتا کہ مشکلات سے ڈرنا سخت کمزوری ہے۔ بلکہ وہ اپنی زندگی کا ایک نمونہ پیش کرتا ہے۔ اور گویا زبان حال سے کہتا ہے کہ دیکھو میں اگر پہاڑوں کو پہاڑ سمجھتا اور پتھریلی زمین کی سختیوں سے ڈرتا تو آج کاہے کو اس سبزہ زار میں بہ کر اپنی برق شمائل لہروں سے نیلے آسمان کے زیور کہکشاں کو شرمندہ کرتا۔ دریا ان میں دس مرتبہ وقت کی قدر کرنا سکھا کر وقت ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ وہ نہایت آہستگی سے گوش عقل میں یہ کہہ دیتا ہے کہ وقت کی رفتار بالکل میری ایسی ہے۔ اور جس طرح میں ہر وقت سمندر میں گر کر اپنی ہستی کو مٹا رہا ہوں۔ اسی طرح یہ عزیز وقت جو تمھارے لیے مجھ سے کہیں زیادہ بیش قیمت ہے بحر عدم میں داخل ہو کر تم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہا ہے۔ دریا زندگی کے مصائب بیان کر کے انسان کے رولا دینے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی زندگی کا نقشہ دکھا کر کہتا ہے کہ دیکھو مجھے ہمیشہ باد مخالف کے تند جھونکوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہر ہر قدم پر ہزار ہزار دقتیں پیش آتی ہیں۔ لیکن یہ میری رفتار پر کوئی برا اثر پیدا نہیں کرتیں۔ بجائے اس کے جس قدر رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں اسی قدر مجھ میں تیزی آتی جاتی ہے۔ دریا آئینہ خاطر کے صاف رکھنے کا سبق کچھ دقیق الفاظ اور بے معنی نصیحتوں سے نہیں دیتا۔ وہ اپنا پاک سینہ

آپ کے سامنے پیش کرتا ہے جس کو ایک لمحہ بھی کسی قسم کے خس و خاشاک سے مکدر کرنا اسے گوارا نہیں۔ اور ہر وقت ان کے دفع کر دینے کی کوشش میں سرگرم رہتا ہے۔

وہ مخلوق خدا کی دل سے قدر کرنے والا بندہ جس کے لیے ہر خوبصورت شے اور ہر حسین صورت ایک عجیب دلکش اثر رکھتی ہے۔ اور جو خدا کی نعمتوں سے اپنے آپ کو محروم رکھ کے کفران نعمت کرنا نہیں چاہتا۔ جب حضرت ناصح کی باتوں سے گھبرا اٹھتا ہے تو کنارہ دریا میں ہمدردی اور تسکین کی امیدیں دل میں لیے ہوئے آکر دم لیتا ہے۔ اور کنارے پر پہنچتے ہی حسب امید دریا اس کے استقبال کو بڑھتا ہے اور آہستہ آہستہ ہوا کے ٹھنڈے جھونکوں سے اس کے چہرہ سے رنج و پریشانی کے آثار۔ اور دل سے گرد ملال اور تپش غم کی گرمی دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن جب وہ غریب ان اٹکھیلیوں سے گھبرا اٹھتا ہے اور صحرا نوردی کی دھن اس کے منتشر دماغ میں سماتی ہے۔ اس وقت دریا اس کے سامنے اپنے تمام راز دل کا دفتر کھول دیتا ہے۔ اور راہِ محبت کے چھالے، قلب کی ناقابلِ سکون بیتابی اور ہزار ہا جگر کے ناسور، دکھا کر اپنے صبر کی داد خواہی کرتا ہے۔ اور جادۂ محبت کے طے کرنے کا راستہ بتاتا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر اس کا دل بھر آتا ہے اور عرصہ تک اپنا خونِ دل آنسوؤں کی شکل میں بہا کر دریا کا ساتھ دیتا ہے۔ اور بالآخر اپنے اس ہمدرد سے رخصت ہو کر ایک نہایت مضبوط دل کے ساتھ دنیا کے مصائب برداشت کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

سید علی ظہیر۔ بی۔ اے۔

تذکرۃ الاولیا مصنفہ عطارؒ پر ایک نظر

خواجہ فریدالدین عطارؒ اکابر صوفیہ سے ہیں ۵۱۳ھ میں بمقام کدکن پیدا ہوئے اور ۶۲۷ھ میں بمقام نیشاپور کسی نامعلوم تاتاری کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

آپ عطار کی دوکان کرتے تھے اور شاید اسی مناسبت سے عطار تخلص کیا تھا۔ آپ طبیب بھی تھے اور آپ کا مطب مرجع مریضان تھا۔ آپ کے مذہب فقر و تصوف اختیار کرنے کا ایک عجیب قصہ بیان کیا جاتا ہے ایک دفعہ آپ دوکان میں بیٹھے تھے کہ ایک فقیر آیا اور دوکان کی آرائش و سجاوٹ کو غور سے دیکھنے لگا آپ نے کہا کیوں وقت ضائع کر رہے ہو اپنا رستہ لو۔ اُس نے کہا مجھے جاتے کیا دیر لگتی ہے تم اپنی فکر کرو۔ یہ تو میں چلا یہ کہہ کر وہ زمین پر لیٹ گیا۔ آپ نے نزدیک جاکر دیکھا تو تمام ہوچکا تھا۔ اس واقعہ کا آپ پر اتنا اثر ہوا کہ آپ نے کھڑے کھڑے دوکان لٹادی اور دنیا سے کنارہ کیا۔

آپ کی جلالت شان و رفعت مدارج ذیل کے اشعار سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔

عطار روح بود و سنائی دو چشم او — ما از پس سنائی و عطار آمدیم
نہ تنہا من دریں مے خانہ مستم — جنید و شبلی و عطار شد مست

آپ نے مولانا روم کو بچپن میں دعا دی تھی اور کہا جاتا ہے کہ مثنوی شریف جناب عطار کی منطق الطیر کو سامنے رکھ کر لکھی گئی۔ آپ کے حین حیات میں فتنۂ تاتار کی ابتدا ہوچکی تھی اور آپ بھی اسی مسلمان کش فتنہ کے

شہید ہیں۔

تذکرۃ الاولیا کے دیباچہ میں اس کا سبب تالیف یہ بتایا گیا ہے کہ بزرگوں کے کلام کو جمع کیا جائے اور بزرگوں کے کلام کے پڑھنے اور سُننے کے فائدے تحریر کیے ہیں۔ یہاں کلام سے مراد اقوال ہیں۔ اس کتاب میں ۹۶ بزرگوں کا کلام جمع کیا ہے اور ضمناً کہیں کہیں مختصر حالات بھی لکھ دیے ہیں۔ مگر اکثر بزرگوں کے سنین ولادت و وفات بھی درج ہیں۔ بعض حکایات سے ان بزرگوں کے سوانحات عمری پر ایک ہلکی سی روشنی پڑتی ہے اور ان بزرگوں کی زندگی کی ایک جھلک نظر آجاتی ہے۔ کلام صوفیانہ ہے مشتمل بر مذمت دنیا و مدح ترک دنیا۔

کُل ۹۶ بزرگوں کے اقوال جمع کیے ہیں ان ۹۶ بزرگوں کی بہ حیثیت قوم و وطن حسب ذیل تقسیم ہو سکتی ہے

عرب =	۸
عراق عرب =	۳۱
ایران =	۴۴
شام =	۵
مغرب و مصر =	۸
	۹۶

حضرت امام جعفر صادق رح — خالص عرب
" ابو حازم مکی رح — حسب قول بزرگ
" اویس قرنی رح — ہیں

حضرت امام شافعیؒ

" خواجہ محمدؒ

" عمر بن عثمان مکیؒ

" ابو بکر کستانیؒ

عراقی بزرگوں میں بھی عربی الاصل بہت کم ہیں۔

ان بزرگوں کا حصہ کثیر غیر عرب ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صدر اول اور اس سے ملے ہوئے زمانے کے عربوں میں مذہب فقر نے اچھی طرح رواج نہ پایا تھا۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہے کہ عرب چونکہ اس زمانہ میں حکمراں قوم تھی بالطبع مذہب فقر کو پسند نہ کر سکتی تھی مذہب فقر کی اول شرط ہے ترک تعلقات دنیاوی حتی الامکان اور حکومت حاوی ہے کل تعلقات دنیا پر۔ یا یہ ہو سکتی ہے کہ عربوں نے مذہب فقر کو اسلام سے مانوس نہ پایا۔ عرب اول مسلمان ہیں اور اول داعی اسلام۔ سچے اسلام کو کوئی دوسری قوم ان سے زیادہ سمجھنے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

ان ۹۶ بزرگوں میں بعض ایسے ہیں جن کا کسی سے بیعت ہونا ثابت نہیں۔ جیسے امام ابو حنیفہؒ۔ امام شافعیؒ۔ امام احمد حنبلؒ۔ عبد اللہ بن مبارکؒ سفیان ثوریؒ ابراہیم ادہمؒ رابعہ بصریؒ وغیرہ۔ جناب عطار نے ان حضرات کی بڑی تعریف کی ہے اور تصوف میں کامل اکمل بتلایا ہے۔

اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ جناب عطار مذہب فقر و تصوف کے لیے باقاعدہ ارادت ضروری نہیں جانتے ہیں۔

حضرت ابراہیم ادہمؒ کو لکھا ہے کہ بلخ کے بادشاہ تھے اور بادشاہت ترک کرکے فقیری اختیار کی۔ یہ واقعہ مشکوک معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم ادہمؒ ہمعصر تھے امام ابوحنیفہؒ اور خلیفہ معتصم کے۔

	ولادت	وفات
امام ابوحنیفہ رح	۸۰	۱۵۰
خلیفہ معتصم رح	۱۸۰	۲۲۷

جلوس ۲۱۸

عہد خلافت بنی عباس میں اول اول تین خاندان صوبجات میں خودمختار ہوئے۔

پہلا خاندان آل طاہر ۲۰۵ سے ۲۵۹ھ تک ان کا مورث اعلےٰ طاہر ذوالیمینین مامون کے وقت میں خراسان کا عامل مقرر ہوا

دوسرا خاندان۔ صفاریہ ۲۵۹ سے ۲۹۰ تک۔ بانی یعقوب بن لیث صفاری۔

تیسرا خاندان آل سامان ۲۷۹ سے ۳۹۵ تک۔

حضرت ابراہیم ادہمؒ کا کسی ایک خاندان سے ہونا ثابت نہیں پھر معلوم نہیں بلخ میں کون سا سلسلہ خاندان حکمراں رہا جس کے آپ رکن تھے

جناب عطار کے زمانہ تک صوفیوں میں فرقہ بندی نہ شروع ہوئی تھی یعنی صوفی خود کو کسی سے منسوب نہ کرتے تھے جیسے آجکل کہ کوئی چشتی ہے کوئی قادری وغیرہ وغیرہ۔

صدر اول میں تو اس کا خیال تک نہ تھا۔ اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ

اس زمانہ میں شخصی عظمت کا خیال پیدا نہ ہوا تھا اور انسانی روح کی بزرگی برقرار تھی۔

بزرگوں کی قبروں کی نگہداشت کا خیال نہ پیدا ہوا تھا اور نہ عرسوں کی بنیاد پڑی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض بزرگوں کی قبروں کا اب پتہ بھی نہیں ہے

صدر اول اور اس سے ملے ہوئے زمانہ میں گانا بجانا مذموم سمجھا جاتا تھا جیسا کہ مندرجۂ ذیل حکایات سے ظاہر ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ ایک شب گورستان سے آتے تھے ایک نوجوان جو بسطام کے بزرگ زادوں سے تھا طنبورہ بجاتا آرہا تھا جب آپ کے قریب ہوا تو آپ نے لاحول پڑھی نوجوان نے طنبورہ اٹھا کر آپ کے سر پر دے مارا۔

حضرت حسن بصریؒ نے ایک مرتبہ سعید بن جبیر کو بطور نصیحت کے فرمایا کہ ہرگز راگ گانا مت سنیو اگرچہ تو مردوں میں مردانگی کا درجہ رکھتا ہو اس لیے کہ آفت سے خالی نہیں اور آخر کار اپنا اثر پیدا کرتا ہے

حضرت رابعہ بصری پہلے گاتی بجاتی تھیں اور پھر توبہ کی۔

ان ۹۶ بزرگوں کا ایک معتدبہ حصہ سماع نہیں سنا کرتا تھا مثلاً

حضرت حسن بصریؒ	حضرت بایزید بسطامیؒ
حضرت رابعہ بصریؒ	حضرت سہل تستریؒ
حضرت فضیل عیاضؒ	حضرت معروف کرخیؒ
حضرت ابراہیم ادہمؒ	حضرت سری سقطیؒ
حضرت ذوالنون مصریؒ	حضرت شجاع کرمانیؒ

حضرت جنید رح	حضرت حسین بن منصور حلاج رح
حضرت محمد علی حکیم الترمذی	حضرت شبلی رح

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع کا رواج بہت پیچھے چل کر ہوا ہے۔ اس کی تاریخ بڑی دلچسپ ہوگی کہ سماع کس طرح صوفیوں کے نزدیک داخل عبادت ہوگیا۔

بہت سے بزرگ مجرد ہے مثلاً ذوالنون مصری رح۔ بایزید رح۔ سہل رح۔ معروف رح سری رح۔ شبلی رح وغیرہ

گویا خیر القرون سے ملے ہوئے زمانہ تک ہی رہبانیت کا خیال پیدا ہوگیا تھا اور سنت کے خلاف عمل فرض ہوگیا تھا۔

ہر کس و ناکس کو مرید نہیں کیا جاتا تھا بلکہ بیعت لینے کے آگے ایک عرصہ دراز تک آزمائش کی جاتی تھی۔

اس سے ظاہر ہے کہ تصوف کا سلسلہ عام ہر کس و ناکس کے لیے نہ تھا۔

جناب عطار نے اپنی کتاب کے ماخذ نہیں بتلائے اور نہ انتخاب کلام کا طریقہ بتلایا۔ ائمہ مجتہدین اربعہ میں سے امام مالک رح کا ذکر نہ کیا اور کیوں نہ کیا وجہ نہ بتلائی۔ اور ائمہ محدثین میں سے امام بخاری امام مسلم و بقیہ صاحبان صحاح ستہ کا ذکر نہیں کیا شاید جناب عطار کو ان کا صوفیانہ کلام ملا نہیں۔ مگر سخت تعجب ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی رح کا بھی ذکر نہیں حالانکہ جناب عطار نے یہ کتاب شیخ کی وفات کے بعد ہی لکھی ہے۔

شیخ کی ولادت ۴۷۱ھ اور وفات ۵۶۱ھ میں ہوئی۔ شیخ کی وفات کے وقت جناب عطار کی عمر ۴۸ سال کی تھی۔ کتاب تذکرۃ الاولیا غالباً جناب عطار کی اخیر عمر کی تصنیف ہے۔

شیخ عبد القادر جیلانی بقول ان کے تذکرہ نویسوں کے اپنی حین حیات ہی میں محی الدین مشہور ہو گئے تھے اور آنجناب کوئی غیر معروف شہرت والے بھی نہ تھے بلکہ بغداد میں تھے جو اُس زمانہ میں اسلام کا مذہبی علمی تمدنی اور سیاسی مرکز تھا۔ اور شیخ کی کتابیں فتوح الغیب وغیرہ متداول ہو ساری ہو چکی تھیں۔ اس لیے بہت تعجب ہے کہ جناب عطار نے شیخ کا ذکر نہیں کیا۔ اس کی کوئی وجہ ہونی چاہیے۔

عزیز نظامی

غزل ظرافت

قبر کی محمل میں بی لیلا جو پنہاں ہو گئیں　　آرزوئیں قیس کی غول بیاباں ہو گئیں
باعث آبادیِ گور غریباں ہو گئیں　　بستیوں میں جب پلیگ آیا تو ویراں ہو گئیں
آہ کی ضربیں مری راحت کا ساماں ہو گئیں　　مشکلیں اتنی پڑیں آخر کہ آساں ہو گئیں
عشق کا جادو بنا دیتا ہے ماداؤں کو نر　　دل میں جتنی آرزوئیں تھیں سب ارماں ہو گئیں
جوش وحشت میں بہت تشبیہ کرتی ہیں اُسے　　اب تو لیلا کی ادائیں قیس کی ماں ہو گئیں
اب وہ ہرگز لکھا نہیں سکتا زمانے کی ہوا　　ہچکیاں حلقِ مریضِ غم کی درباں ہو گئیں
اسقدر پھیلی پریشانی کہ دامن بن گئی　　سختیوں نے یوں گلا گھونٹا گریباں ہو گئیں
قحط کا مارا اثر معشوق ہی کے مر گیا　　کال کی ماری ہوئی زلفیں پریشاں ہو گئیں
اسقدر پھیلا دہن تیرا کہ گھونگا بن گیا　　اسقدر سمٹیں تری آنکھیں کہ ڈبیاں ہو گئیں

یاد آیا ہے کہ ان زلفوں میں اُلجھے تھے ظریف
اب تو تارِ عنکبوت طاقِ نسیاں ہو گئیں

اسیر قفس کا نالۂ غم

نظر سے دیکھا ہے جلتے جو آشیاں صیاد
مثال درد جگر سے اُٹھا دھواں صیاد

نظر میں پھرتا ہے اب تک وہی سماں صیاد
کیا تھا جب مرا برباد آشیاں صیاد

اسیر تازہ ہوں کیونکر قفس میں چین آئے
مری رگوں میں جنوں ہے ابھی نہاں صیاد

فریب حُسن خدا جانے کیا غضب ڈھائے
ہوا ہے پھر مری حالت پہ مہرباں صیاد

میں ایک جان حزیں اور سینکڑوں دشمن
نسیم۔ درد جگر۔ برق۔ آسماں۔ صیاد

مرے قفس کو چمن ہی میں رکھ خدا کے لیے
کہ چند روز کا ہوں اور مہماں صیاد

چھٹا ہے جب سے نشیمن ہوں خانماں برباد
کبھی رہا نہ گھڑی بھر بھی شادماں صیاد

وہ بدنصیب ہوں راحت مجھے کہیں نہ ملی
جہاں گیا وہیں اک دام تھا نہاں صیاد

چمن تو چھوٹ گیا کیوں قفس چھڑاتا ہے
خدا کے واسطے رہنے دے اب یہاں صیاد

اسیری مجھے جب کر لیا تو پھر کیا ہے
قفس ہو صحن چمن ہو کہ آشیاں صیاد

جگر میں۔ سینے میں۔ پہلو میں۔ دل میں او ظالم
نہ پوچھ درد رہا ہے کہاں کہاں صیاد

جو ذبح کرتا ہے بازو ہی کھول دے میرے
کہ وقت نزع تڑپ لوں میں نیم جاں صیاد

دعائیں دوں گا کہ مظلوم ہوں خدا کے لیے
دکھا دے ایک نظر اور آشیاں صیاد

نہ صفدر چین قفس میں نہ آشیاں میں ملا
وہاں تھی دشمن جاں برق اور یہاں صیاد

سید صفدر رضوی

رباعی

برسوں کے سفر کیے زمانا دیکھا
ہر ملک کی سرزمیں کا نقشا دیکھا
جب میں نے کہا دل میں کہ دنیا دیکھی
ذرّوں سے صدا آئی ابھی کیا دیکھا

بیخود موہانی

شباب

گرچہ پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر
کہ سحر گہ ز کنار تو جواں برخیزم

"ناظرین فلسفۂ اجتماع و فلسفۂ جذبات کی اذیت آفرینی اور پیرانہ اثر سے تنگ آ کر اک جدید فلسفہ حسن و شباب کے متمنی ہوں گی۔ جو ایک طرف تو لطافت و رنگینی کا معلم اور دوسری طرف تقشف و افسردگی کا دشمن ہو ہم کو مصنف فلسفۂ جذبات سے صرف یہ شکایت ہے کہ انھوں نے جذبات جیسے زندہ۔ لطیف اور غیر محدود خیال کو ضبط تحریر اور معرض انضباط میں لانے کی کوشش کی ہے اور شمشیر منطق سے گلا گھونٹ کر نظام فلسفہ میں دفن کرنا چاہا ہے۔ یہ نہ سمجھے کہ یہ نخل شیریں فضائے عقلیات میں کبھی سرسبز نہیں ہو سکتا بلکہ اس کی نشو و نما کے لیے سرزمین جمالیات کے آب و ہوا کی ضرورت تھی۔ اب جبکہ مصنف موصوف کی شادی ہو چکی ہے۔ ہم کو امید ہے کہ جدید فلسفۂ شباب کی روشنی میں موضوع جذبات پر وہ دوبارہ قلم اٹھائیں گے اور ناظرین کے دماغ سے وہ اثر پژمردگی دور کر دیں گے جو فلسفیت کا لازمی نتیجہ ہے"

ایک مصور اپنے تصویر خانہ میں بیٹھا ہوا ایک دلکش تصویر کے نظارہ میں مصروف ہے۔ کمرہ قالین ایرانی سے مزین اور گلہائے رنگا رنگ کی خوشبو سے معطر ہے۔ ہنگام بہار ساحل بحر عرب۔ اور عالم تنہائی تحریک تخیل کے بہترین معاون ہیں۔ مرکز نظام شمسی وسط فلک پر ضیا پاش ہے۔ اک سکوت گراں

طاری ہے - اور صرف ایک یکہ و تنہا آواز یعنی خروش عصا فیر اس خموشی مطلق کو توڑ رہی ہے - کمرہ کے آگے ایک چمن ہے - درختان گلاب کی شاخہائے لرزاں کو دیکھکر یہ حیرت ہوتی ہے کہ حُسن شعلہ آسا کے بار کی حامل وہ کیونکر ہوتی ہیں کھڑکیوں کے پردہ ہائے ریشمیں پر تیتری کے پرواز کا عکس ان مصوران جاپان کی یاد کو تازہ کرتا ہے جو اپنے فن غیر متحرک کے توسط سے سرعت و حرکت کا اثر پیدا کرنا چاہتے ہیں مصور کی چشم خنداں کو دیکھکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصویر اسکے لیے اک وحی ہے جو سما ر فلک سے ابھی اُتری ہے - یہی تصویر اس کے ہر تصور کو صورت عمل سے آراستہ اور اسکے ہر خواب کو جامۂ حقیقت سے مزین کرتی ہے - تصویر کیسی ہے - محویت افزا صبر ربا - عناصر محبت کی ترکیب - حیرت انگیز دلاویزی کا نمونہ - اور بہترین تناسب جسمانی کا پیکر ہے -

ادہم آتا ہے اور مصور کو یوں مخاطب کرتا ہے -

ہارون - یہ کس کی تصویر ہے"

ہارون " میں اس کا نام ہرگز نہ بتاؤں گا - کیونکہ میرا اصول ہے کہ میں جس چیز کو پسند کرتا ہوں اسکو کسی پر ظاہر نہیں کرتا - میں جب کبھی دیہاتی زندگی کا لطف اٹھانے کے لیے شہر سے باہر جاتا ہوں تو گھر میں کسی سے کہکر نہیں جاتا کیونکہ مجھے خوف ہے کہ میں نے ظاہر کیا کہ میرا لطف سفر کم ہو گیا

ادہم - اخفا پسندی راز شادمانی ہے - زندگی جدید کی دلاویزی اسی پر مبنی ہے

ادہم " شاید تم بھول گئے کہ میری شادی ہو چکی ورنہ اس موضوع پر میری سمع خراشی نہ کرتے - کیا شادی سے بہتر تمھارے دعوے کے ثبوت کی کوئی اور مثال مل سکتی ہے - بیوی اسی لیے تو دلچسپ ہوتی ہے کہ راز آشنا اور

اخفا پسند طبیعت رکھتی ہے۔ اچھا بتاؤ تو اس تصویر کا نام کیا ہے"

ہارون: "میں نشاط کا نام ہرگز نہ بتاؤں گا"

ادہم: "اچھا تو اس کا نام نشاط ہے"

دوران گفتگو میں نشاط آجاتا ہے۔ مصور متحیر ہو کر اپنے دوست سے نشاط کا تعارف کراتا ہے۔

"آپ میرے دوست مسٹر ادہم اور آپ مسٹر نشاط"

ادہم اپنے تئیں اک جدید فلسفۂ مسرت کا بانی سمجھتا ہے اور ایک ایسی اعجوبہ اور نادر شخصیت کی تلاش میں ہے جس پر اپنے فلسفۂ خیالی کا عملی تجربہ کر سکے۔ نشاط سے ملاقات ہونی تھی کہ دفعتہً اسکے دل میں لذت حُسن اور شباب پر لکچر دینے کا خیال موجزن ہوا۔

نشاط ایک ہیژدہ سالہ جوان معصوم ہے۔ لذائذ دنیوی سے مطلقاً بے بہرہ اور مکروہات عالم سے بالکل نا آشنا۔ مصور کی صحبت کا اثر اس کی اخلاقی زندگی پر نہایت اچھا پڑا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہارون در پردہ نشاط کی پرستش کرتا ہے۔ لیکن یہ پرستش خواہش نفس کی آسودگی کے واسطے نہ تھی بلکہ فن مصوری کی تکمیل کے لیے۔ کیونکہ وہ نشاط کو وحی مجسم اور اپنے فن کی قوت عامل سمجھتا تھا۔

ادہم: "مسٹر نشاط کل مسز حامد آپ کا ذکر کرتی تھیں اور آپ کے خصائل حمیدہ کی از حد معترف تھی۔

نشاط: "مسز حامد۔ ارے میں سخت شرمندہ ہوں میں نے اُس سے وعدہ کیا تھا کہ آج ہم دونوں ساتھ یتیم خانہ چلیں گے لیکن افسوس ہے کہ اب وقت گذر گیا"

ادہم: "نقض عہد اگر نہ ہو تو دنیا سے لطف انفعال جاتا رہے قطع نظر اس کے

آپ تو اسقدر دلکش ہیں کہ صعوبات زندگی سے آپ کو ہمدردی ناممکن ہے پھر یہ
خیال کیونکر پیدا ہوا؟"
ہارون۔ نشاط میں تم کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ اوہم کی باتوں کا اثر میرے
سوا اسکے سامعین پر نہایت بُرا پڑتا ہے"
نشاط کو اوہم ایک غیر معمولی شخصیت کا انسان نظر آتا ہے اسکی باتوں میں
عجیب دلکشی ہے۔

نشاط:" مسٹر اوہم کیا یہ صحیح ہے کہ آپ کی گفتگو کا اثر سامعین پر بُرا پڑتا ہے"
اوہم:" اس دنیا میں ایسی کوئی چیز نہیں جسکو اثر نیک کہتے ہوں سائنس کے
نقطۂ خیال سے دیکھا جائے تو ہر اثر بد ہے"
نشاط:" میں سمجھا نہیں اپنے دعوے کو ذرا اور واضح کیجیے"
اوہم۔ کسی پر اثر ڈالنے کے معنے یہ ہیں کہ اپنے نفس کو دوسرے کے نفس پر
غالب اور اس کی قوت ارادی کو مسخر کیا جائے۔ وہ شخص جس میں اثر پذیری
بہت ہے۔ جذبات فطری نہیں رکھتا۔ اسکے خیالات ذاتی خیالات نہیں
ہوتے۔ اس کے محاسن حقیقی محاسن نہیں۔ اس کے معاصی (اگر دنیا میں ایسی
بھی کوئی چیز ہے جس کو معاصی کہتے ہیں) یہ بھی مستعار ہوتے ہیں۔ وہ شخص
دوسروں کے نغمکی آواز بازگشت اور دوسروں کے پارٹ کا ایکٹر ہے مقصد
زندگی ترقی نفس ہے۔ حصول حیات اصل آفرینش ہے لیکن حیرت یہ ہے
کہ لوگ آجکل خود اپنے سے خائف ہیں۔ فرض اولیں یعنی فرض نفس کو بھولے
بیٹھے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ صاحب بذل و سخا ہیں۔ بھوکوں کو
کھانا اور فقیروں کو کپڑے دیتے ہیں۔ لیکن حیف ہے ایسی سخاوت پر جبکہ خود
اپنے نفس کی عریانی اور فاقہ مستی کا خیال نہیں۔ ہمدردی ہماری قوم سے

جاتی رہی - شاید ہم میں کبھی تھی ہی نہیں - خوف سوسائٹی جو بنیاد اخلاق ہے خوف خدا جو بنیاد مذہب ہے - یہی دو چیزیں ہم پر حکمرانی کر رہی ہیں - اور پھر بھی میرا تو ایمان ہے کہ اگر ہم اپنی زندگی کو بہ تمام و کمال بسر کرنا چاہیں - ہر جذبہ کو شکل - ہر خیال کو اظہار اور ہر خواب کو حقیقت سے مبدل کر دیں تو اس دنیا کہن کو وہ تازہ اور جدید لطف شادمانی حاصل ہو کہ قرون وسطےٰ کی تکالیف فراموش ہو جائیں - ہمارا مطمع نظر نصب العین یونانی سے بھی زیادہ بلند اور لطیف تر ہو جائے اور ہم حافظ شیراز کے ہمزبان ہو کر اک نئے عالم عشرت کے متلاشی ہوں

(شعر) بیا تا گل برافشانیم و می در ساغر اندازیم　　فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم
اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقاں ریزد　　من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم

لیکن افسوس تو یہ ہے کہ ہم میں سے شجاع ترین انسان بھی خود اپنے ہی نفس سے خائف اور اسی کو توڑنے اور زیر کرنے پر آمادہ ہے - یہ نہیں سمجھتا کہ نفس کشی اور مجاہدہ جس نے ہماری زندگی کو تباہ کر رکھا ہے - وحشیان قدیم کی آزار پسندی کا ایک مہذب پس ماندہ ہے - ہم کو ہمارے منفیانہ طریق عمل کی سزا ملتی ہے - ہر خواہش جو پوری نہیں ہونے پاتی دماغ میں جاگزیں ہو کر سمیت پیدا کرتی ہے - گناہ کر لینے ہی جسم پاک صاف ہو جاتا ہے - کیونکہ فعل خود اک عمل تزکیہ ہے - پھر ایک لذت یا افسوس کی یاد کے سوا اور کچھ نہیں باقی رہتا - خواہشات پر غالب آنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان سے مغلوب ہو جاؤ - مدافعت کی کہ تمہارا دل اشیاء ممنوعہ کے حصول اور امور ناجائز کے جواز کی تمنا میں مریض ہوا - مسٹر تم نے اپنے شباب گلگوں کے زمانہ میں بہت سی امنگیں محسوس کی ہونگی جن سے تم ڈر گئے ہونگے - تمہارے دل میں بہت سے خیالات آئے ہوں گے - جنھوں نے خوف پیدا کر دیا ہوگا - حالت بیداری و غیر بیداری میں تم نے

بہت سے خواب دیکھے ہوں گے جن کی محض یاد تمھارے عارض پر عرق انفعال لانے کے لیے کافی ہوگی۔

نشاط "بس بس مسترادہم - بس - تم مجھکو حیرت زدہ کیے دیتے ہو - میں کچھ کہنے پر قادر نہیں ہوں - تمھاری باتوں کا کچھ جواب ضرور ہے لیکن مجھکو ملتا نہیں ہے اب کچھ نہ کہو مجھکو سوچنے دو بلکہ بہتر یہ ہے کہ میں کچھ نہ سوچوں۔"

نشاط طلسم الفاظ سے مسحور ہو کر بے اختیار ہو جاتا ہے اور دل میں کہتا ہے "موسیقی نے البتہ مجھکو اس طور پر بیقرار کیا تھا - موسیقی نے البتہ مجھکو کئی بار ستایا تھا - لیکن موسیقی میں زبان نہ تھی - الفاظ - محض الفاظ - کیا قیامت خیز کتنے صاف - پُرشوکت اور ستم انگیز تھے - ان الفاظ میں اک لطیف جادو بھی تھا ان کا ترنم ترنم نے سے زیادہ شیریں تھا - کیا دنیا میں ایسی بھی کوئی حقیقی چیز ہے جیسی الفاظ"

ہاں عالم طفلی میں اسکو بہت سے واقعات پیش آئے تھے جن کو وہ سمجھ نہ سکا تھا اب ان کو پوری طور پر سمجھتا ہے - زندگی اسکے لیے شعلہ رنگ ہوگئی ہے۔

ادہم اک سکوت آمیز تبسم کے ساتھ نشاط کو دیکھ رہا ہے اور دل ہی دل میں کہتا ہے "میں نے تو ایک تیر ہوا میں چھینکا تھا کیا وہ نشانہ پر پڑ گیا" اسکو اپنے الفاظ کے اثر نا گہانی پر ایک تحیر ہے

دوران تقریر میں مصور برابر نشاط کی تصویر کھینچنے میں مصروف رہا - وہ اس خموشی سے بالکل بیخبر تھا - تصویر کھنچکر تیار ہوگئی ہے اور مصور نشاط سے مخاطب ہوتا ہے۔

ہارون - نشاط تم نے اس سے اچھی تصویر آج تک نہیں کھنچوائی - تم بالکل بے حس و حرکت تھے - جو اثر میں چاہتا تھا وہ مجھے مل گیا یعنی چشم سوزش طلب

ہم وا- معلوم نہیں کہ ادہم تم سے کیا باتیں کرتا رہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نے تمھارے چہرہ پر اک حیرت انگیز کیفیت پیدا کر دی۔

نشاط- اب میں باہر جاتا ہوں مجھے گرمی معلوم ہوتی ہے

ادہم- دیکھنا تمھارے عارض شعاع آفتاب سے متاثر نہ ہو جائیں۔

نشاط- مجھکو اس کی کیا پروا۔

ادہم- تمھیں کو تو اس کی پروا ہونی چاہیے۔

نشاط- کیوں۔

ادہم- کیونکہ تمھارے پاس اک نادر اور حیرت انگیز شباب ہے اور شباب ہی تو ایک چیز ہے جو اس عالم میں رکھنے کے قابل ہے۔ شباب ایک قسم کی شراب ہے جسکو ابر نیساں نے موسم بہار میں آغوش عنب میں پالا ہے۔ شعر-

تاک را سیراب دارلے ابر نیساں در بہار قطرہ تامے میتواند شد چرا گوہر شود

نشاط- مسٹر ادہم میں تو یہ نہیں خیال کرتا۔

ادہم- نہیں آج تم کو اسکا خیال نہ ہوگا لیکن ایک دن وہ آئے گا جب کہ تم ضعیف و بدمنظر ہو جاؤ گے جب کہ فکر تمھارے عارض انور پر گرہ ڈال دے گی۔ البتہ اس وقت تم اسکو محسوس کرو گے اور نہایت کرب و اضطراب کے ساتھ محسوس کرو گے اسوقت تم جہاں کہیں جاتے ہو دنیا کو مسخر کر لیتے ہو۔ کیا یہ ہمیشہ رہے گا۔ مسٹر نشاط تم کو خدا نے اک حیرت آفریں حُسن عطا کیا ہے حُسن ایک قسم کی قوت ابتہاج ہو بلکہ اس سے بھی بلند تر ہے حُسن دنیا کے واقعات عظیمہ میں سے ہے۔ جیسے موسم بہار ضیاء آفتاب۔ یا بحر سیاہ میں ماہ سیمیں کا عکس سفید حُسن تنقید سے مستغنی ہے۔ اسکو ازلی حق جہانبانی حاصل ہے صاحبان حُسن شہزادگان عالم ہیں۔ تم ہنستے ہو حسن کے ضائع ہونے کے بعد تم کو ہنسی نہ آئے گی۔ لوگ بعض اوقات کہتے ہیں کہ حُسن محض اک سطحی چیز ہے ممکن ہے

یہ صحیح ہو۔ لیکن حسن اتنا سطحی تو ہرگز نہیں جتنی عقل ہے۔ میرے نزدیک حسن عجائب العجائب ہے۔ وہ کم نظر ہیں جو صورت ظاہری سے اندازہ نہیں کر سکتے۔ دنیا کا حقیقی راز عالم نمایاں ہے نہ کہ عالم پنہان۔ ہاں مسٹر نشاط تمہارے ساتھ خدا نے خاص مہربانیاں کی ہیں۔ تمہارے پاس صرف چند سال ہیں جس میں تم کو تمامی حقیقی اور کامل زندگی بسر کرنا ہے۔ شباب کے ساتھ ہی تمہارا حسن زائل ہو جائے گا اس وقت تم کو یکایک معلوم ہوگا کہ تمہاری فتوحات کا زمانہ ختم ہوگیا۔ یا ان بے مایہ اور ذلیل خوشیوں پر قناعت کرنی پڑے گی جس کی یاد ناکامیوں اور ہزیمتوں سے زیادہ تلخ ہوگی زمانہ تم پر رشک کرتا ہے اور تمہارے لالہ و گلاب سے برسر پیکار ہے۔ تم زرد ہو جاؤ گے گالوں میں گڈھے آنکھوں میں حلقے پڑ جائیں گے۔ تم کو سخت تکلیف ہوگی۔ مسٹر نشاط ساغر جوانی کی شراب سے لطف اٹھاؤ۔ دولت عمر کو ضائع ہونے دو۔ جمیع لطائف زندگی سے لذت یاب ہو۔ صحبت ناجنس سے اجتناب۔ جہل۔ عامیانہ روی اور پیش پا افتادگی سے احتراز کرو۔ کسی حظ کو غیر محسوس نہ چھوڑو۔ ہمیشہ نئی احساسات کے متلاشی رہو۔ کسی چیز سے خوف زدہ مت ہو۔ اک جدید فلسفۂ مسرت پرستی۔ ہماری صدی کو بس اسی کی ضرورت ہے تم اسکے پیکر نمایاں ہو جاؤ۔

مسٹر نشاط تم اپنی شخصیت کے سمیت دنیا میں کیا نہیں کر سکتے۔ دنیا ایک موسم کے لیے تمہاری ہے میں جس وقت تم سے ملا۔ میں نے دیکھا کہ تم اپنی صلاحیتوں سے بالکل بیخبر اور اپنے امکانات سے بالکل ناآشنا ہو۔ تم میں اسقدر دلاویزی تھی کہ دفعۃً میرے دل میں یہ خیال ہو آیا کہ میں تم سے تمہارے متعلق کچھ نہ کچھ بتادوں۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ میری خموشی مجھ کو ایک فرض کی انجام دہی سے قاصر رکھے گی۔ یہ کتنا المناک ہوگا اگر تم کہیں ضائع ہو گئے۔ کیونکہ وہ تازہ بہار شادمانی

جس کو شباب کہتے ہیں محض عارضی اور وقتی چیز ہے۔ معمولی صحرائی پھول مرجھا جاتے ہیں لیکن پھر کھلتے ہیں۔ یہ ہر تم (ایک انگریزی پھول ہے) آیندہ جون میں ایسی ہی شاداب پھر ہوگی جیسی کہ اسوقت ہے۔ لیکن افسوس شباب جاکر واپس نہیں آتا وہ نبض مسرت و شادمانی جو عنفوان شباب میں تیز رفتار تھی سُست پڑجاتی ہے۔ ہمارے اعضا کمزور۔ ہمارے حواس مختل اور ہماری صورتیں ہیبت ناک ہو جاتی ہیں۔ ہمارا دماغ ان خیالات گذشتہ کی یاد پیہم کا آماجگاہ اور ان ترغیبات لطیف اور ہوا و ہوس شیریں کا نشانہ بن جاتا ہے جن سے عالم شباب میں ہم بیحد ڈرتے تھے اور جن کی اطاعت پذیری کی ہم میں ہمت نہ تھی۔ شباب۔ شباب۔ کیا دنیا میں ایسی بھی کوئی چیز ہے جیسی شباب۔

بگرد میکدہ ہا گردم و نمی یابم		ازاں شراب کہ در ساغر جوانی بود

(آرٹسٹ)

طلوعِ سحر

بساطِ چرخ پہ چھٹکے ہیں جسقدر تارے		جھپک رہے ہیں بہت نیم خواب کی صورت
نکلنے والا ہے خورشید صبح مشرق سے		چھپا بیگانہ اُٹھا اب نقاب کی صورت

زمیں کے فرش پہ جو چاندنی ہے نور افشاں
یہ تھوڑی دیر میں ہوجائے گی نظر سے نہاں

قریب آ ہی گیا وقت رخصت شب کا		ضیائے ماہ منوّر بھی پڑ گئی دھندلی
تمام شب جو کواکب رہے تھے بزم افروز		اب آسمان پہ اُن کی چمک دمک نہ رہی

عروسِ لیل بدلنے کو ہے نیا جوڑا
وہ زرنگار۔ مرصّع۔ وہ نور کا جوڑا

نمودِ خسروِ خاور کا وقت آ پہنچا یہ کس ادا سے سر بام چرخ آیا ہے
اسی سے کسبِ ضیا شب کو کرتے ہیں انجم اسی سے حُسنِ قمر بھی فروغ پاتا ہے

فضائے دہر پہ ضوگستری اسی کی ہے
زمیں طلائی ہے یہ زرگری اسی کی ہے

گئی وہ رات جو بیمارِ غم پہ بھاری تھی نسیم لائی یہ مژدہ کہ دن نکل آیا
مٹی سیاہیِ قسمت کی طرح ظلمتِ شب نصیب جاگ اُٹھے منہ سحر نے دکھلایا

جہاں میں روشنیِ آفتاب پھیل گئی
ہر ایک چیز پہ رونق سی آگئی ہے نئی

شفق فلک پہ ہے یا خُم میں ہے شرابِ رحیق یہ پوچھتی کہ در میکدہ ہوا ہے باز
لیے ہے ہاتھ میں گردوں پیالۂ رنگیں کہ رند رکھے ہے ساقی کے در پہ فرقِ نیاز

شعاع مہر سے نکلی کرنے جھلکتی ہے
نگاہِ مست کی ہے نشہ میں بہکتی ہے

عروسِ مہر نے پہنی ہے لعل گوں پشواز ٹکا ہے گھیر پہ لچکا شعاعِ زریں کا
چلی ہے صبح سے کیا بن سنور کے جانبِ غرب اُڑا لیا اس سے حسینوں نے رنگ تزئیں کا

خدا نے حسن کے سانچے میں اسکو ڈھالا ہے
مگر یہ حُسن سرِ شام ڈھلنے والا ہے

نسیم چلتی ہے محوی جو سمت مغرب سے چمن میں کرتی ہے اٹھکھیلیاں بوقتِ سحر
شگوفے محوِ تبسم تو خندہ زن گل ہیں لچک رہی ہیں جو شاخیں تو ہل رہے ہیں شجر

طیورِ باغ نکل آئے آشیانوں سے
تمام صحنِ چمن گونجی اُٹھا ترانوں سے

محوی لکھنوی

اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(سلسلے کے لیے ستمبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)

ہمیں افسوس ہے کہ خواجہ الیاس صاحب کا مضمون پچھلے پرچہ میں اس وجہ سے شائع نہ ہو سکا کہ وہ پرچہ مرتب ہو جانے کے بعد ہمیں ملا اور یہ تاخیر خواجہ صاحب کے سفر حیدرآباد کی وجہ سے ہوئی ایڈیٹر

ناظرین آپ واقف ہیں کہ میرے عزیز دوست مولانا آشفتہ اس مشاعرہ کے پانچ دور لکھ چکے ہیں جن کا تتمہ میں گذشتہ نمبر میں پیش کر چکا ہوں اب صرف دو دور باقی ہیں جس کے لیے چار نمبر کافی ہوں گے ہاں اگر تفکرات زمانہ نے مہلت دی تو شاید میں اسکو اور وسیع کر سکوں۔ آج میں چھٹے ہیرو کے حالات مع ایک تمہیدی مضمون کے پیش کرتا ہوں آیندہ نمبر میں اسکے کلام پر تنقیدی نظر ڈالوں گا۔ الیاس

میرا عقیدہ ہے کہ جملہ فنون بلکہ دنیا کی ہر چیز فطرت کے تابع ہے اور اُس کا کمال نیچر کی موافقت میں مضمر ہے لیکن اس نیچرل توافق کے مراتب ہیں جو اشیا کی استعدادات کے مطابق قائم کیے جاتے ہیں جس چیز میں جتنی نیچرل استعداد موجود ہوتی ہے اُسیقدر فاضہ فطرت کا اسپر ہوتا رہتا ہے چنانچہ یہی باہمی تفاوت انکے حدود کمال کو یکے بعد دیگرے قائم کرتا چلا جاتا ہے حتی کہ جذبات انسانیہ جہاں تک کہ فطرت کے موافق ہوتے چلے جاتے ہیں انسان برابر معراج کمال پر پہنچتا جاتا ہے اور جسقدر دوری کہ انسانی جذبات کو فطرت سے ہوتی جاتی ہے اسیقدر وہ پستی کی طرف میلان کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ آخر میں انسان کامل یا حیوان جاہل ہو کر رہ جاتا ہے یہی حال خاندانوں اور قوموں کا بھی ہے

وہی قوم زندہ کہی جا سکتی ہے کہ جو اصول فطرت کے تابع ہے اگر کوئی قوم عالمگیر سلطنت اور ہمہ گیر طاقت حاصل کرنا چاہتی ہے تو اس کو سب سے پہلے نیچر کے آگے سر تسلیم خم کرنا چاہیے۔ جس طرح کوئی قوم سراپا فطرت ہونے کے بعد ایک زندہ اور متمدن قوم کہی جا سکتی ہے اُسی طرح ہر ایک فن فطری جذبات کا ذخیرہ جمع کر کے کامل اور مفید بن سکتا ہے خصوصاً ایسا فن کہ جس کو فطرت اور قدرتی جذبات انسانیہ سے کوئی نسبت قریبی اور گہرا تعلق ہو مثال کے طور پر ہمارے زیر نظر فن شاعری کو لیجیے کہ جو بالکل فطری جذبات کے تابع ہے اور ہر سرزمین میں خودرو طور پر پیدا ہو جایا کرتا ہے نہ اسکے لیے کسی معلم کی ضرورت ہے اور نہ کسی سواد کی حاجت ثبوت کے لیے عرب کے ابتدائی دور اور جاہلیت کے سارے زمانے کی تاریخ اُٹھا کر دیکھیے تو آپ کو آسمان شاعری پر نابغۂ ذبیانی اور امرؤالقیس ایسے صدہا ستارے اپنی ہلکی اور تیز روشنی کے ساتھ چمکتے نظر آئیں گے۔ شاعری کو جسقدر ترقی اس سادے دور میں ہوئی کیا اُسکی نظیر ابتک کوئی قوم یا ملک پیش کر سکا ہے خود عرب ہی اُس دور کے بعد اُسکا جواب تو درکنار اُسکے برابر نیچرل شاعری نہ پیش کر سکے یورپ کو اپنی موجودہ نیچرل شاعری پر بہت ناز ہے (جو ایک حد تک بجا ہے) لیکن کیا یورپ کی موجودہ شاعری اُسوقت کی عربی شاعری کا جواب ہو سکتی ہے اس کا جواب منصف مزاج طبیعتیں خود دے سکتی ہیں میں اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کجا روزانہ پیش آنے والے واقعات کا جملہ جو بہول کے ساتھ قید نظم میں لانا اور کہاں نیچر کے عطا کیے ہوے ہزاروں آبشاروں یا جوں اور درختوں کے مبالغہ آمیز اوصاف میں حد اعتدال سے بڑھ کر خواہ مخواہ بڑھتی ہوئی شاعری کو پیچھے ڈھکیل دینا۔ اُس زمانہ کی عربی شاعری کا بڑھتا ہوا سیلاب عربی مردوں ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ صدہا عربیہ عورتیں بھی ایسی گذری ہیں

کہ جنکی فصاحت و بلاغت کا شہرہ آج تک شاعری کی دنیا میں موجود ہے۔ بکثرت مرثیے اور گیت انھوں نے ایسے نظم کیے کہ جو آج تک بطور مثال یا نظیر کے پیش کیے جاتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو جب اُنھوں نے فطری جذبات میں فصاحت و بلاغت کے موتی اور آویزے پرو دئے تو سمجھدار اور پرکھنے والے پر اُنکی قدردانی بھی ضروری اور لازمی ہو گئی۔ عربی شاعری کا وہ پہلا دور کہ جسکے ہیرد آسمان شاعری پر سبع سیارہ ہو کر چمکے اور دنیائے شاعری کی ہفت اقلیم پر چھا سکے چھا گئے آج کل پورے عروج پر ہے پانچ مشاعرے ختم ہو چکے اب نئے سال کے لیے چھٹے مشاعرے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس سادے زمانہ میں نہ تو دعوتی کارڈ کی ضرورت ہے نہ قوافی و ردیف کی قید بلکہ عربوں کی بڑھتی ہوئی طبیعتیں خود اپنے لیے ردیف تجویز کر لیا کرتی ہیں اُن کا ہر شاعر اس دُھن میں ہے کہ کعبہ کے دروازہ پر چھٹی جگہ میرے ہی قصیدہ کو ملے قصیدہ پر قصیدے نظم ہو رہے ہیں لیکن کوئی میزان شاعری پر پورا نہیں اُترتا۔ کسی کو اپنی تشبیب پر ناز ہے تو کوئی ساقی نامہ پر فخر کر رہا ہے ایک اپنے کلام کی سادگی پر نازاں ہے تو دوسرا استعارات پر داد طلب کرتا ہے غرض کہ اسی دُھن میں پورا سال گذر گیا اور وہ زمانہ بالکل قریب آگیا کہ جس میں کھرے کھوٹے کا تمیز ہونے والا ہے عکاظ کے بازار میں جہاں اور لوگ اپنے دیگر مشاغل میں مصروف ہیں وہاں ایک گروہ مشاعرہ کا اہتمام کر رہا ہے مسلم الثبوت اساتذہ کے کلام سے محفل کو زینت دی جا رہی ہے میز بانی کے سامان مہیا ہو رہے ہیں۔ اطراف و جانب سے بڑے بڑے نامی گرامی شعراء آ آ کر جمع ہو رہے ہیں اور ہر شخص یہی خیال کرتا ہے کہ ابکی مشاعرہ میرے ہی ہاتھ رہے گا۔ مشاعرہ شروع ہوتا ہے اور یکے بعد دیگرے لوگ اپنا اپنا کلام پڑھکر سامعین کو محظوظ کرتے ہیں اور حسب دستور

داد پاکر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں کوئی معشوق کا سراپا اس انوکھے پن سے بیان کرتا ہے کہ شوقین مزاج طبیعتوں کو تڑپا دیتا ہے کوئی ہجر کی مصیبتوں کا خاکہ کھینچ کر ہجراں نصیب عشاق کے دلوں کو برباد دیتا ہے کہیں بنت العنب کی توصیف پر لوگ جھوم رہے ہیں تو کوئی گروہ اپنے نسب اور اپنی نبرد آزمائیوں پر فخر کر رہا ہے ایک آگ ہے جو مشاعرہ میں لگی ہوئی ہے کہ یکایک مشاعرہ کا رنگ بدلا اور شاعرانہ نازک خیالیاں ایک نجدی نوجوان کے قدموں پر نثار ہونے لگیں اس نے ایسا زبردست قصیدہ پڑھا کہ تمام مشاعرہ پر ایک سناٹا سا چھا گیا بڑے بڑے خوش فکر شعراء نے اپنے قصیدہ چاک کر ڈالے اور اُنکی بڑھتی ہوئی امیدوں کی دنیا اُن کی آنکھوں میں تیرہ و تار نظر آنے لگی چاروں طرف اس نوجوان کے متعلق سرگوشیاں ہونے لگیں ناواقف دریافت حال میں پڑ گئے اور واقف کار کیف شاعری میں مبہوت و بیخود ہو گئے۔ ہر طرف سے داد شاعری ملنے لگی اور فیصلہ کر دیا گیا کہ اس مشاعرہ کا سہرہ اسی نوجوان کے سر رہا غرض کہ سب کی سالہا سال کی امیدیں خاک میں مل گئیں اور خانہ کعبہ کے دروازہ پر چھٹی جگہ اسی منچلے شاعر کے قصیدہ نے پائی۔ ناظرین کرام! آپ اس منچلے اور نازک خیال شاعر کے حسب و نسب اور حالات سننے کے لیے بیقرار ہوں گے اب میں آپ کو انتظار کی زیادہ تکلیف نہیں دیتا اور بتائے دیتا ہوں کہ میرے اس مضمون کا ہیرو عنترہ بن شداد ابن معاویہ ابن قراد العبسی ہے۔ اسکے ابتدائی نسب کے روایات مختلف ہیں بعض اسکو معاویہ اور بعض عمر کا لڑکا لکھتے ہیں لیکن معتبر اور ممتاز روایت وہی ہے جسکا میں نے اوپر تذکرہ کیا اسکے اجداد میں عبس بن بغیض ایک شخص گذرا ہے جسکی طرف یہ منسوب ہے۔

الیاس قریشی ۔ از حیدرآباد ترپ بازار

شہید ناز کی فاتحہ

(سلسلے کے لیے اکتوبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)

دیکھو اگر میرے جذب میں کچھ اثر ہے تو میں جلاؤں گی اور تمھیں جینا ہوگا اب روٹھ کے قبر کی گود میں سوتے ہو مگر وقت آرہا ہے کہ میں تمھیں ہوشیار کروں گی اٹھا کر بٹھاؤں گی اور تمھیں میری خاطر سے اٹھنا ہوگا۔ گھر سے نکلتی ہوں مگر آہ یہ میرے لیے شرم کی بات ہے میں ننگ خانداں ٹھہروں گی۔ لوگ مجھے بیحیا بتائیں گے۔ میں بے شرمی کے لیے مثال کے طور پر پیش کی جاؤں گی خاندان کی عزت پر میری وجہ سے حرف آئے گا مگر کیا کروں والدین تمھارے نام پر ساری عمر گھر میں نہ بٹھائیں گے اور یہ میں نہیں چاہتی کہ میرا پلہ تمھارے بعد کسی دوسرے سے بندھے۔

ہاں اب مجھے جلدی کرنی چاہیے ایسا نہ ہو کوئی آجائے۔ یہ کہکر سلطان جہاں نے مردانے کپڑے زیب تن کیے سر کے بالوں کو عمامہ کے پیچوں میں چھپا دیا۔ کچھ نقدی لی اور ایک مرتبہ گھر کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور روتی ہوئی کسی سمت چل دی۔

طلبی اور جستجو

رات کے گیارہ بجے تھے جو اکرام اللہ خاں حاضری کے کھانے سے فارغ ہو کر گھر آئے کپڑے اتارے ضروریات سے فارغ ہو کر اطمینان سے بیٹھے تھے کہ دونوں لڑکے معین اور یامین بھی آگئے۔ اکرام اللہ خاں نے یامین سے کہا کہ جاؤ ذرا اپنی بھاوج سلطان جہاں کو بلا لاؤ۔ خبر نہیں اُسکا کیا حال ہے

صبح سے اُس نے کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔ یامین یہ سُنتے ہی اوپر پہنچا کمرے میں گیا ادھر دیکھا اُدھر دیکھا۔ آپا آپا کہکر دو چار مرتبہ آواز دی۔ وہاں کوئی ہوتا تو بولتا۔ آخر اُسی پریشانی کے عالم میں نیچے آیا اور کہنے لگا

ابا جان آپا تو اوپر نہیں ہیں۔

اکرام اللہ خان۔ اوپر نہیں ہیں تو کہاں گئیں دیکھ اندر کسی کوٹھری میں ہونگی۔

یامین۔ (سب کوٹھریوں کو دیکھکر) یہاں سب جگہ دیکھ لیا کہیں پتہ نہیں۔

اکرام اللہ خاں۔ (غصہ سے) پھر کیا آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی (معین سے) تم دیکھو۔

معین نے گھر کا کونہ کونہ چھان مارا مگر حقیقت میں سلطان جہاں کا پتہ نہ تھا آخر اُسے بھی وہی کہنا پڑا جو یامین نے کہا تھا۔

اب تو اکرام اللہ خاں کی سٹی گم ہو گئی ہوش جاتے رہے۔ کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔ یامین کو اصغر مرحوم کے مکان پر بھیجا کہ دیکھو شاید وہاں تو نہیں چلی گئیں۔ پھر خود کہنے لگے ابھی تو میں وہاں سے آرہا ہوں آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ چوری چھپے تلاش شروع کی اس پر بھی کنبہ رشتہ میں کچھ پتہ نہ چلا۔ تو معین کو دوڑایا کہ شہر کے گلی کوچوں میں دیکھ اسٹیشن پر مسافر خانہ میں تلاش کر ایک دیرینہ خادم خدا بخش کو اصغر کی قبر پر بھیجا اور سمجھا دیا کہ خبردار کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ یامین نے جاتے ہی اپنی والدہ سے تذکرہ کیا۔ وہ سُنتے ہی ایک چیخ مار کے بیہوش ہو گئیں بس پھر کیا تھا یہ خبر سارے گھر میں پھیل گئی اب ایک آتی ہے دوسری آتی ہے۔ غریب کو گھیر لیا ارے کیا ہوا تھا کیونکر غائب ہو گئیں کس وقت غائب ہوئیں۔ اُسے کچھ خبر ہو تو بتائے۔ گُم سُم بیٹھا ہوا ماں کو ہوشیار کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ کوئی

آدھ گھنٹے کے بعد یامین کی والدہ نور جہاں کو ہوش آیا آنکھیں کھولیں اور ہائے میری لڑکی" کہنا اور پھر بیہوش ہوگئیں - ماتم میں یہ دوسرا ماتم بپا ہوگیا - ایک سرے سے سب عورتیں متعجب تھیں سلطان جہاں کے غائب ہونے پر سب کو حیرت تھی - مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ اصغر کی محبت خالی خولی نہ تھی آخر رنگ لائی پرلائی کچھ عورتیں ایسی بھی تھیں جو نور جہاں کی حالت پر متاسف تھیں اور اُسکی ہمدردی کرنا چاہتی تھیں اور کثرت سے ایسی تھیں جنکا یہ خیال تھا کہ اب اپنے کیے کا خمیازہ بھرو - ممکن ہے نور جہاں برس میں دو برس میں سلطان جہاں کو بھول جائے کیونکہ ماشاءاللہ دو داولادیں اور سامنے ہیں مگر غریب اصغر کی ماں کیونکر جیئے گی جس کی عمر بھر کی کمائی ایک ہی لعل ہو اور عین شباب میں موت اُسکے ہاتھوں سے چھین لے -

اسوقت نور جہاں حد سے زیادہ پریشان ہے اُس نے جانے کے لیے ڈولی منگائی ہے مگر اصغر کی ماں اُسے برابر تسلی و دلاسہ دیے جاتی ہے کہ بہن گھبراؤ نہیں اللہ کے کرم پر بھروسہ رکھو وہ جامع المتفرقین ضرور تمھاری لڑکی تم سے ملادے گا - آہ ایک وہ وقت تھا کہ اصغر کی ماں ازحد مایوس ہوکر اپنے لڑکے کے لیے بھیک مانگ رہی تھی اور یہ مغرورانہ لہجہ میں اُسکے سوال کو ٹھکرا رہی تھی آج وہ خود دل خستہ ہے مگر کیا انسانیت کا برتاؤ اُسکے ساتھ کیا جارہا ہے - ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا -

نور جہاں اپنے گھر آئیں خاوند کو دیکھا تو عجیب حالت ہے غصہ سے چہرہ سرخ ہے آنکھیں لال ہیں ماتھے کی شکنیں چڑھی ہوئی ہیں واہی تباہی جو کچھ منھ میں آتا ہے کہہ رہے ہیں -

میری عزت برباد کردی - میں تباہ ہوگیا - شہر میں کسی کو منھ دکھانے کی

صورت نہ رہی لوگ پوچھیں گے تو میں کیا کہوں گا۔ ہمارے خاندان کے نام کو
بٹہ لگا دیا۔ کاش یہ پیدا ہوتے ہی مر جاتی۔ بیوی نے سمجھایا۔ اے عقل کے
ناخن لو۔ گھر میں بیٹھکر رونے دھونے سے کیا ہوتا ہے تلاش کرو۔ ڈھونڈو۔ خدا
میں جانا ہے وہ تو بہتر ہے سمجھ میں آگئی۔ اٹھے۔ شہر میں جسقدر عزیز رہتے تھے
سب جگہ گئے دیکھا بھالا۔ باہر جو قریب تھے انھیں تار دے دیے۔ ساری
بات گذر گئی دن تمام ہو گیا۔ مگر کچھ پتہ نہ ملا۔ معین اور یامین ڈھونڈتے ڈھونڈتے
تھک گئے تھے۔ انجمن بھی ناکام واپس آیا۔ دوسرے روز رات کو اکرام اللہ خاں
نے یامین کو علیحدہ لے جا کر سمجھایا۔ بیٹا تمھیں ضرور اپنی آپا کا حال معلوم ہوگا
سچ بتاؤ وہ کہاں گئی۔

یامین۔ ابا جان سچ عرض کرتا ہوں مجھے بالکل معلوم نہیں کہ آپا کہاں غائب
ہو گئیں نہ انھوں نے مجھ سے کچھ کہا

اکرام اللہ خاں۔ بیٹا میں تمھیں کچھ بھی نہ کہوں گا صرف پتہ دیدو۔

یامین۔ خدا گواہ ہے مجھے پتہ نشان کچھ معلوم نہیں۔

اکرام اللہ خاں۔ تو ہر بات کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے حالانکہ یہ سب تیری کارستانی ہے

یامین۔ آپ مختار ہیں جو چاہیں فرمائیں۔

اکرام اللہ خاں۔ اچھا تم نہیں بتاتے تو جاؤ آج سے گھر میں نہ آنا جہاں
اُسے رو دھو کر صبر کر لیا ہے تمھیں بھی کر لوں گا۔

یہ سن کر یامین اٹھ کھڑا ہوا۔ اکرام اللہ خاں نے کوئی جواب نہ دیا اور
یامین چلدیا در حقیقت اکرام اللہ خاں سوقت گہرے سوچ میں پڑ گئے تھے وہ
اپنے طرز عمل پر سخت پچھتا رہے تھے کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ بھتیجے کی اسکی
دل شکنی کی کہ وہ خودکشی کر بیٹھا بیٹی کے حسیات و جذبات کا مطلق

پاس نہ کیا۔ آخر وہ دل رکھتی تھی اُسے محبت کرنے کا حق تھا اُسکے تعلقات ناجائز نہ تھے بیشک وہ میرے قابو میں تھی مگر اُسکا دل نہ اُسکے قابو میں تھا نہ میں اُسپر قابو پاسکتا تھا میں نے اسکے ارمانوں کا خون کیا بیشک قیامت کے روز مجھ سے بازپرس ہوگی۔ افسوس تیری جان کی اندھی تقلید نے مجھے گنہگار بنایا اور دونوں کو میرے ہاتھ سے کھویا یامین کا اس میں کیا قصور ہے میں ناحق اُسپر شبہ کر رہا ہوں۔

اس اُدھیڑبن میں اکرام اللہ خاں ایسے مستغرق تھے کہ انھیں یامین کے جانے کی بالکل خبر نہ ہوئی مگر جب ان کے دوست مولوی برکت اللہ تشریف لائے تو اُن کے سلام کی گرج نے انھیں ہوشیار کیا۔

مولوی صاحب۔ کہیے خاں صاحب لڑکی کا کچھ پتہ ملا۔

اکرام اللہ خاں۔ کچھ نہیں اور میری حالت بگڑتی جاتی ہے۔

مولوی صاحب۔ صبر کیجیے اسکا پھل ضرور ملیگا۔ ان اللہ مع الصابرین

اکرام اللہ خاں۔ ہاں صبر نہ کریں تو کیا کریں ہمارے کچھ زور میں بھی نہیں دراصل مجبوری کا نام ہماری اصطلاح میں صبر ہے اور اسکا آخرت میں کوئی نتیجہ نہیں۔

مولوی صاحب۔ نہیں اس مجبوری کا ثواب ملیگا بشرطیکہ گریہ وزاری نہ کی اور یہ سمجھا کہ رضا الٰہی یوں ہی تھی۔

اکرام اللہ خاں۔ اچھا جناب مولانا صاحب آپ ایک کام تو میرا کیجیے۔

مولوی صاحب۔ فرمائیے۔

اکرام اللہ خاں۔ فال دیکھیے، استخارہ کیجیے یا جفر کے حساب سے معلوم کیجیے کہ لڑکا کہاں ہے زندہ ہے یا مردہ مجھے کبھی ملیگا یا نہیں۔

مولوی صاحب۔ بھلا یہ کام کوئی میرے بس کا ہے۔

اکرام اللہ خاں۔ جی ہاں آپ کے بس کا ہے۔

مولوی صاحب - کوئی درویش صاحب حال بزرگ کرسکتا ہے میں گنہگار ہوں
او خود گم است کرا رہبری کند

اکرام اللہ خاں - نہیں مولانا آپ کسر نفسی کا اظہار نہ فرمایئے اچھا اس بات کے لیے استخارہ تو آپ لے سکتے ہیں -

مولوی صاحب - ہاں یہ فعل حسن ہے کوئی مضایقہ کی بات نہیں میں آج ہی استخارہ لوں گا -

اکرام اللہ خاں - ذرہ نوازی ہوگی -

اسکے بعد کچھ دیر تک مولوی صاحب بیٹھے رہے وعظ و نصیحت فرماتے رہے پھر کل آنے کے وعدے پر رخصت ہوے -

(باقی آیندہ)

مقرب حسین مقرب دہلوی

غزلیات

حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

زیر مزار جا کے ڈرتا فلک سے کیا میں
یوں مٹ کے رہ گیا ہوں جیسے کبھی نہ تھا میں

اُن کی رضا پہ مرنا اک قسم زندگی تھی
اپنے دلِ حزیں سے پھر کیوں ہوا خفا میں

صیاد نے چھڑایا مجھ سے وہ آشیانہ
اک عمر جس کی خاطر تنکے چُنا کیا میں

کھل جائے گی حقیقت اس عاریت سرا کی
جس دن اُتار دوں گا یہ جامۂ فنا میں

اظہار حسرت و غم اب کیوں مری لحد پر
گو آج میں نہیں ہوں لیکن کبھی تو تھا میں

کچھ بولتا تو کھلتے کاہے کو راز عالم
شمع خموش بن کر سب کی سُنا کیا میں

ناز و ادا کی چوٹیں سہنا تو اور شے ہے
زخموں کو دیکھ لیتا کوئی تو دیکھتا میں

دنیا کے اہل عبرت پڑھ لیں گے یہ کتابت
مٹی پہ چھوڑتا ہوں اک نقش بوریا میں

میرے لہو کا ڈر کیا محشر میں جب ملیں خوش ہوں
تم کو حجاب کیوں ہے کر لوں گا سامنا میں

جو ہمسفر تھے انکو اتنی خبر نہیں ہے
آگے نکل گیا ہوں یا پیچھے رہ گیا میں

برق جمال وحدت تو ہی مجھے بتا دے
شعلہ تو دور بھڑکا پھر کس لیے جلا میں

دل لے سکا نہ کروٹ تیرا نظارہ کر کے
بزم جہاں میں دیکھوں کس کو ترے سوا میں

ہجراں نصیب دل کو وصلت کا ہوش کب تھا
کہتا ہے مجھ سے کوئی تجھ سے قریب تھا میں

محشر نما تھا عالم اس تنگنا سے دل کا
وہ بھیڑ حسرتوں کی دیکھی کہ کھو گیا میں

ثاقب غزل نہیں تھی یہ ماجرائے دل تھا
جو کچھ تھا راز الفت باتوں میں کہہ گیا میں

حضرت حسرت موہانی

پردہ سے اک جھلک جو وہ دکھلا کے رہ گئے — مشتاقِ دید اور بھی للچا کے رہ گئے
گم کردۂ راہِ عشق فنا کیوں نہ ہو گیا — احساں جو اس پہ خضر و مسیحا کے رہ گئے
آئینے میں وہ دیکھ رہے تھے بہارِ حسن — آیا مرا خیال تو شرما کے رہ گئے
جب عاشقوں سے صدمۂ ہجراں نہ اٹھ سکا — آخر کو ایک روز وہ سم کھا کے رہ گئے
جب وہ چھٹا تو کچھ نہ رہا دل میں - اک مگر — داغِ فراق اُن گلِ رعنا کے رہ گئے
ملنے کی اُن سے ایک بھی صورت نہ بن پڑی — سارے منصوبے دلِ دانا کے رہ گئے
ٹوکا جو بزمِ غیر سے آتے ہوئے انھیں — کہتے بنا نہ کچھ وہ قسم کھا کے رہ گئے
بیباک تھا زبسکہ مرا اضطرابِ شوق — شرما کے وہ کبھی کبھی جھنجھلا کے رہ گئے
دل کی لگی بجھا ہی وہ سکتے تو بات تھی — یہ کیا ہوا کہ آگ ہی بھڑکا کے رہ گئے
آئے بھی وہ چلے بھی گئے وہ مثالِ برق — دل ہی میں حوصلے دلِ شیدا کے رہ گئے
کیا دل میں آ گئی تھی جو راہِ کمالِ رحم — دعوے وہ میرے قتل کا فرما کے رہ گئے
چاہے تو میرا خون بہایا خوشی خوشی — پھر کیا وہ خود ہی سوچ کے پچھتا کے رہ گئے

دعوائے عاشقی ہے تو حسرت کرو نباہ
یہ کیا کہ ابتدا ہی میں گھبرا کے رہ گئے

حضرت ناطق لکھنوی

اے شمع تجھ پہ رات یہ بھاری ہے جس طرح — میں نے تمام عمر گزاری ہے اس طرح
دل کے سوا کوئی نہ تھا سرمایہ اشک کا — حیراں ہوں کام آنکھوں کا جاری ہے کس طرح
اس طرح خوفِ مرگ نہ ہوگا عدو کو بھی — جان اپنی مجھکو وصل میں پیاری ہے جس طرح
عشاق دھر پوچھتے ہیں مجھ سے نزع میں — فرقت میں تم نے عمر گزاری ہے کس طرح

راحت طلب نہ تھا کبھی ناطقؔ تو اسقدر
عشق اُس پہ آج دیکھیے طاری ہے کس طرح

حضرت دل شاہجہان پوری

شام شبِ جدائی جو تھا قلق نزا تھا — تسکین دینے والا اک دردِ لا دوا تھا
ہمدرد بن کے ناصح افشا کیا وہ تو نے — جو رازِ عشق دل میں اب تک چھپا ہوا تھا
ہنگامِ خوش خرامی کہتے ہیں وہ مثل کر — کیوں جی یہی وہ دل ہے جس دل میں مدعا تھا
ہیں آجتک نظر میں آدابِ دشتِ وحشت — حدِ جنوں کے اندر جو تھا برہنہ پا تھا
وہ بن سنور رہے تھے کیا جانے کس غرض سے — آئینہ وقتِ زینت منہ انکا تک رہا تھا
دریائے غم بھی اسکی ہنگامہ خیز موجیں — موجوں کے جزر و مد میں اک دردِ آشنا تھا
دل سے ہے عشق قائم ہیں حسن و عشق ہمدم — اے اہلِ دل بتانا جب دل نہ تھا تو کیا تھا
مقتل میں رنگ لائی آخر مری خموشی — ہر قطرہ خونِ دل کا اک شرحِ مدعا تھا
کوئے بتاں سے آخر برباد ہو کے اُٹھے — وہ ہم جو اہلِ دل تھے وہ دل جو باوفا تھا
زخموں کے چھیڑنے کو نشتر وہ بن گیا ہے — اے چارہ گر جو ناخن اب تک گرہ کشا تھا
لطفِ وصال کیا تھا حسنِ خیالِ عاشق — در اصل جانِ دلبر اک دردِ لا دوا تھا
محمل نشیں کے دل میں چبھتے تھے خارِ صحرا — پیشِ نگاہ جب تک قیس برہنہ پا تھا
پہنچی جو پیشِ دلبر صورت بیانِ غم کی — اپنا سکوت بیحد اظہارِ مدعا تھا
قطعہ
اے اہلِ درد ہم سے یہ ماجرا نہ پوچھو — کمبخت دل کا آنا ہم کیا کہیں کہ کیا تھا
وہ بیخودی کا عالم وہ بیکسی کا منظر — افسوس کوئی ہمدم مونس نہ آشنا تھا
ذوقِ نظر نے ہم کو صورت عجب دکھائی — دل جس کی ہر ادا پر قربان ہو رہا تھا
وہ منظرِ قیامت وہ سرزمینِ کلیر — مستِ مئے جوانی اک شوخ دلربا تھا
وہ طرزِ خوش خرامی وہ دل کی پائمالی — ہر وقت ہم کو گویا محشر کا سامنا تھا
امیدِ وصل کیسی دم بھر رہا نہ خستہ غم نے — اُس دل کو پیس ڈالا جس دل میں مدعا تھا
ہونگے تو یہ حقیقت ہم پر ہوئی ہویدا — دل دے کے رنج پانا قسمت ہی میں لکھا تھا

اے دل یہ چند روزہ ترکیب جسم و جاں تھی
ترکِ لباس ہستی در اصل مدعا تھا

حضرت باسط بسوانی

عشق کا کام ہے قربانِ رضا ہو جانا
شیوۂ حُسن ہے سرگرم جفا ہو جانا

آستانے پہ ترے ناصیہ سا ہو جانا
فرض الفت میں سمجھتا ہوں ادا ہو جانا

موت سے کم نہیں بیمارِ محبت کے لیے
آخری وقت مسیحا کا خفا ہو جانا

نارسائی کا شب ہجر میں رونا کب تک
زلف سے سیکھ لے اے آہ رسا ہو جانا

دم آخر بُتِ کافر نے یہ بالیں پہ کہا
اب تو بہتر ہے توکل بخدا ہو جانا

نہ کرم کی ہو تمنا نہ ستم کا شکوہ
شیوۂ عشق ہے راضی بہ رضا ہو جانا

موت سے مجھکو ہم آغوش کرے گا اے دل
عید کے روز مسیحا کا خفا ہو جانا

جمع ہیں سیکڑوں مشتاق شہادت در پر
آج تم ضد سے نہ مصروف حنا ہو جانا

شمع رویوں سے اگر لو ہے لگانا باسط
سیکھ پروانۂ محفل سے فنا ہو جانا

ریویو

ٹیلر صاحب کا انگلش ٹیچر

اس نام کی ایک کتاب ہمارے پاس ریویو کے لیے آئی ہے یہ کتاب ان لوگوں کے لیے بہت مفید ہے جو انگریزی سیکھنا چاہتے ہیں اگر کوئی شخص غور سے اس کتاب کو اول سے آخر تک پڑھے تو وہ حقیقتہً اس قابل ہو جائے گا کہ اسے انگریزی کا کچھ نہ کچھ علم ہو جائے۔ سبق نہایت اچھی طرح مرتب کیے گئے ہیں۔ ٹائپ میں صاف چھاپی گئی ہے۔ قیمت عہ/

پتہ ٹنڈن برادر لاہور

قابل دید کتب

خاص رعایت

ناولہاے قاری - قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) کے اخلاقی ناول سعید - سعادت شاہد رعنا جو دو بار چھپ کر قدردانوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں اب ایک مجموعے کی صورت میں چھپوائے گئے ہیں ۴۰۰ صفحہ کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور حسین مصنف کی ایک تصویر بھی ہے قیمت ۱۲/

اسلام بائی قاری - قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) سیاح جاپان و انگلستان کے انگریزی زبان میں متصوفانہ مضامین کا مجموعہ یہ مضامین بڑی قدر کے ساتھ امریکہ کے مشہور رسالوں میں چھپے تھے اب دوبارہ چھاپ کر نہایت خوبصورت جلد میں ہدیۂ شائقین کیے جاتے ہیں قیمت میں بھی تخفیف کردی گئی ہے اور اب تا اطلاع ثانی اس کی قیمت مع محصولڈاک ۱۲/ ہے۔

کتب ذیل کی قیمت میں انتہائی تخفیف کردی گئی ہے اور ان میں سے بیشتر کسی دوسری جگہ سے اس قیمت پر دستیاب نہیں ہوسکتیں

آدلیس - روحۃ الکبریٰ کا ایک خاص قصہ ناول کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے نہایت دردناک و پرتاثیر قصہ ہے - قیمت ۸/

اوتوپیا - اس ناول میں سر ٹامس مور نے ایک خیالی ملک و قوم کے نظم و نسق کا بیان کرکے اہل انگلستان کو بیدار کرنا چاہا ہے قیمت ۴/

ناول

معلم سی یعنی تربیت اولاد کا ایک عجیب قصہ مترجمہ مولوی سید جلال الدین حیدر صاحب ایم اے صفحات ۱۵۵ اصل قیمت ۸/ رعایتی ۲/

تماشا گاہ عالم - ہندوستانی زندگی کا ایک نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز افسانہ مصنفہ منشی عبد الغفور صاحب اصل قیمت ۱۲/ رعایتی ۱۲/ صفحات ۲۸۸

نیرنگئی دہر - مجیدہ بیگم کے مصائب اور وفاداری کی داستان شریف النسا کی خوفناک کج ادائیوں کا انجام مصنفہ منشی عبد الغفور صاحب اصل قیمت ۸/ رعایتی ۴/ صفحات ۱۳۲

تاریخ

علماے سلف - مولانا محمد حبیب الرحمن خان صاحب شیروانی رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ کی مشہور تصنیف جس میں علماے اسلام کے حالات درج ہیں اصل قیمت ایک روپیہ (عہ) رعایتی آٹھ آنے (۸/)

قدیم ہندوستان کی تہذیب - مشہور فاضل مسٹر آر سی دت کی جلیل تاریخ سویلائزیشن آف اینشنٹ انڈیا کا اردو ترجمہ رعایتی قیمت ۴/

تذکرۂ امیر - امیر عبد الرحمن خان صاحب مرحوم کی سوانحعمری مصنفہ منشی محبوب عالم صاحب اصل قیمت ۴/ رعایتی ۲/

سفرنامہ یورپ بلاد اسلامیہ یعنی روم و شام و مصر - منشی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار کا مشہور سفرنامہ اصل قیمت للعہ رعایتی ۴/ صفحات ۹۰۰

طب

ہومیوپیتھک علاج نسواں - مرتبہ حکیم خادم حسین صاحب شاہ آباد ضلع ہردوئی مجلد اصل قیمت ۲/ رعایتی ۱/

قرابادین حسینی - مؤلفہ حکیم ڈاکٹر نور حسین صاحب صابر
اصل قیمت عہ رعایتی ۸ر

کیا میں تندرست ہوں یا بیمار - مشہور ڈاکٹر لوی کہنی کی تصنیف کا ترجمہ (ہر شخص کے لیے دستی کتاب ہم ہدایتی
قیمت آٹھ آنے (۸ر)

ادبی جواہر ریزے

ایک شاعر کا انجام - (ناول) حضرت نیاز کی معجزانہ تحریر کا اعلےٰ نمونہ سراپا درد تڑپا دینے والے تخیلات سحر حلال حسن و عشق کی نیرنگیاں قیمت رعایتی ۶ر

گودڑ کا لال - (ناول) ایک نہایت دلچسپ اخلاقی تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کا ایک طبع زاد فسانہ کہ جسمیں ایک ہندوستانی خاندان کی حسن معاشرت کو نہایت خوبی سے قلمبند کیا گیا ہے - جو پہلے سلسلہ وار اخبار شریف بی بی میں کئی سال تک شائع ہو چکا ہے مصنفہ جناب محترمہ والدہ صاحبہ سید محمد فضل صاحب بی۔ اے حصہ اول و دوم صفحات ۹۴۲ قیمت ہر دو حصہ عا

عالم خیال (یا تصویر) حضرت شوق قدوائی لکھنوی کی چار بے بدل اور بے اضافت نظموں کا دلکش مجموعہ ایسی دلچسپ اور معنی خیز نظمیں اُردو زبان میں اس سے پہلے شائع نہیں ہوئیں اسکے ساتھ چار ریویو بھی ملک کے منتخب اہل قلم کے شامل ہیں جو نظم کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہیں اور اُنکی مماسنہ کا اردو تو اردو اور مغربی زبانوں (مثلاً انگریزی وغیرہ) میں بھی ایسی اعلےٰ پایہ کی نظمیں موجود نہیں چھپائی عمدہ نفیس قیمت فی جلد ۱۰ر

آئینہ جنگ یورپ - موجودہ جنگ مغرب کی ایک مفصل [illegible] تاریخ جس میں اسباب جنگ حریفوں کی جنگی قوتوں وغیرہ متعلقہ امور سے دلچسپ بحث کی گئی ہے صفحات ایک سو قیمت صرف ۴ر

السنہ مشرقیہ - عربی سنسکرت اور فارسی زبانوں کی دلچسپ تاریخ ہر زمانہ کی ترقی و تغیر اور زبان کے نمونے نہایت عمدہ تحقیق سے لکھے گئے قیمت صرف ۶ر

برکات سلطانی - علیا بیگم صاحبہ والی بھوپال کی روشن زندگی کے کارنامے اور ان کی علمی و اسلامی خدمات کا مرقع (با تصویر) پڑھنے کے قابل کتاب ہے قیمت صرف ۶ر

شکوہ - ڈاکٹر اقبال کی مشہور و معنی خیز نظم قیمت ۱ر

جذبات مسلم ۸۲ قومی اور معنی خیز منظومات کا دلچسپ اور دلکش مجموعہ ہر ایک مسلمان کے مطالعہ کے قابل مقبول اڈیٹر زمیندار اسلام کے جذبات سابقہ کا ایک دلفریب نمونہ حقیقی و ولولہ انگیز اسلامی نظموں کا ایک بہترین مجموعہ مع ضروری حاشیہ مبسوط مقدمہ ظاہری و باطنی خوبیوں کا گنجینہ حجم ۱۵۰ صفحات اصل قیمت عہ رعایتی عہ

مسدس حالی - مولانا حالی کی زندۂ جاوید تصنیف مدوجزر اسلام جس نے مسلمانوں میں نئی زندگی پیدا کی مع سوانحعمری حالی و حاشیہ کاغذ و لکھائی چھپائی اعلےٰ سرورق رنگین مجلد ۱۲ اور بے جلد ۸ر

سلطنت برطانیہ کا مستقبل - یہ اسم بامسمی کتاب ایک جاپانی مدبر کی تصنیف ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے قیمت ۴ر

شباب لکھنؤ - اگر آپ گذشتہ لکھنؤ کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریئے - ایک انگریز سیاح نے سلطنت اودھ کے عروج کے زمانہ کے چشم دید حالات نہایت دلکش پیرایہ میں قلمبند کیے ہیں مترجمہ منشی محمد [illegible] صاحب بی۔ اے قیمت ۱۲ مجلد ۱ر

علوم طبعیہ کی تاریخ - علوم طبعیہ کی اُن تمام دریافتوں اور ایجادوں کی تشریح جو ساتویں صدی قبل مسیح سے لے کر انیسویں صدی تک وقتاً فوقتاً عمل میں آتی رہی ہیں - مسائل کی تحقیقات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قدیم و جدید حکما نے ان علمی دریافتوں اور ایجادوں میں کیا کیا حصہ لیا - نہایت مفید اور ضخیم کتاب ہے - مضامین کی وضاحت کے لیے صدہا تصویریں دی گئی ہیں قیمت ہر دو جلد عہ مجلد ۴

سورج چاند ستارے - اجرام فلکی کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور مفید کتاب ہے جسمیں چاند سورج، ستاروں سیاروں دمدار تاروں، ٹوٹنے والے تاروں کی زمین سے دوری، انکی وسعت، جسامت باہمی تعلقات گردش کیفیت، اثرات، روشنی، حرارت، برودت، وغیرہ معمولی کیفیات تحریر کرنے کے علاوہ بعض ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو بالکل نئی معلوم ہوتی ہیں - زمین پر رہ کر آسمان کی سیر کرنا منظور ہو تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمائیں حجم ۳۰۰ صفحات قیمت صرف مجلد ۱۲

تاریخ مذہب - اسمیں مذہب کی ابتدا و ترقی کا حال اور نیز بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابل اور اسوریہ مصر اور چین اور دیگر ممالک و اقوام کے مذاہب کی مختصر تاریخ درج ہے -
قیمت ۸ مجلد ۱۰

داستان مریخ - سیارہ مریخ کی جسقدر اسوقت تک تحقیقات ہو چکی ہے اسکو اختصار کے ساتھ اس میں قلمبند کر دیا ہے، قابل دید کتاب ہے قیمت ۱۰

جان ہیلفکس جنٹلمین - اس کتاب میں ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہیں کہ کیونکر وہ ادنیٰ حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی کے باعث ترقی کر کے دولتمند ہوگیا - نوجوانوں کے لیے نہایت مفید ہے - قیمت ہر دو جلد عہ - مجلد عہ

بچوں کی پرورش - مصنفہ علیا حضرت سرکار عالیہ فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا و ظلہا - ۲۱۵ صفحہ کی کتاب ہے جسمیں وہ تمام باتیں نہایت وضاحت سے درج کی گئی ہیں جن کا جاننا مستورات پر لازم و فرض ہے بچوں کے رکھ رکھاؤ کے متعلق نہایت مفید کتاب ہے - قیمت عہ

رسول عربی - پیغمبر اسلام کی جامع سوانحعمری اور سچے حالات - حجم ۱۵۴ صفحہ - کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ قیمت ۸

بنت الرسول - سیدۃ النسا حضرت فاطمہ کی مکمل لائف اس کتاب کو حضرت سیماب (اکبرآبادی) نے لڑکیوں اور مستورات کے لیے لکھا ہے حجم ۴۹ صفحات - قیمت ۵

کفایت شعاری - سموئل اسمائلز کی مشہور و معروف کتاب "تھرفٹ" کا خلاصہ و انتخاب - قیمت ۸

آئینہ ہارمونیم - مصنفہ پروفیسر نندن لال صاحب ہارمونیم سیکھنے والوں کے لیے یہ کتاب بڑے کام کی چیز ہے -
قیمت ہر دو حصہ (رعایتی) ۱۲

قاسم و زہرہ - منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی اس منظوم ڈرامے کے مصنف ہیں - شروع سے آخر تک زبان شستہ خیالات پاکیزہ، طرز ادا انتہا کا دلاویز شوخی اور بانکپن کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہے، فقرے چست، لطیفے برجستہ، باینہمہ کہیں رکیک مذاق سے خالی نہیں - معاشرت کے سین مطابق فطرت دکھائے ہیں - نیچرل کیفیات و جذبات میں سرتاپا ڈوبا ہوا ہے - قیمت ۸

رباعیات انیس و دبیر - اس کتاب میں ہندوستان کے ان مشہور قادر الکلام و سحر بیان سخنوروں کی عارفانہ اور اخلاقی رباعیات کا قابل قدر انتخاب درج ہے حجم ۱۰۰ صفحہ قیمت عہ

رباعیات دبیر - حضرت دبیر کی رباعیات کا قابل قدر مجموعہ جسمیں سات سو سے زیادہ رباعیات درج ہیں - دیکھنے کی چیز ہے قیمت عہ

رباعیات حالی- مولانا حالی کی رباعیات کا یہ جدید ایڈیشن مسدس کی تقطیع پر چھپا ہے۔ ہر صفحہ میں دو رباعی درج ہیں قیمت ۳ر

وصال- منشی درگا سہائے صاحب سرور مرحوم کی دلکش تصنیف قیمت ۸ر

ہاکی- ایک مشہور انگریزی کتاب کا ترجمہ جسمیں نہایت عمدگی کے ساتھ ہاکی کھیلنے کے اصول و طریق بیان کیے گئے ہیں جابجا ہاف ٹون تصاویر چسپاں کی گئی ہیں جنکی تعداد ۲۰ ہے کھلاڑیوں کے لیے عمدہ کتاب ہے قیمت ۱۲ر

مندرجہ ذیل کتابیں بہت تھوڑی تعداد میں موجود ہیں اور اُنکی قیمت میں خاص رعایت کردی گئی ہے اگر درخواستوں میں دیر ہوگی تو اُنمیں سے اکثر کتابیں نہ مل سکیں گی -

کلیات نظیر اکبرآبادی جسمیں دیوان نظیر و گلستان نظیر ہر دو حصہ شامل ہیں اور جسکو پروفیسر محمد عبد الغفور صاحب شہباز نے مرتب کیا ہے قیمت رعایتی ۳ر

حق بحقدار- (ناول) ہندوستانی زندگی کا ایک نہایت دلکش اور عجیب فسانہ مصنفہ منشی محمد عبد الغفور صاحب مصنف تماشاگاہ عالم وغیرہ صفحات ۲۶۰ قیمت رعایتی عہ

حیات حافظ جسمیں لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں اور اُنکی شاعری پر نہایت تفصیل سے بحث کی گئی ہے قیمت رعایتی عہ

یادگار دربار اسلام یعنی اسلامی تاریخی مخزن (اسلامی انسائیکلوپیڈیا) دو جلد میں قیمت فی جلد ۴ر

اُردوئے معلی - حصہ اول و دوم یعنی کارنامہ فصاحت و سرمایہ بلاغت رقعات اردو نجم الدولہ دبیر الملک مرزا نوشہ اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ المتخلص بہ غالب قیمت رعایتی ۳ر

الہارون سوانحعمری خلیفہ ہارون رشید اعظم مع نقشہ

سلطنت عباسیہ و منظر دار الخلافت بغداد قیمت رعایتی ۱۲ر

صلاح الدین یعنی ابو المظفر الملک الناصر سلطان صلاح الدین یوسف فاتح بیت المقدس کی سوانح عمری رعایتی قیمت ۸ر

تصانیف سر سید احمد علیہ الرحمہ

خطبات احمدیہ - (مجلد) قیمت ۴ر

اسباب بغاوت ہند - قیمت ۶ر

تصانیف شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد صاحب

مرأت العروس - ۴ر

چند پند - ۴ر

منتخب الحکایات - ۴ر

توبۃ النصوح - ۴ر

سلسلہ آصفیہ - ۱۲ر

تصانیف نواب محسن الملک بہادر

تہذیب الاخلاق ہر سہ جلد ۱۲ر

مکمل تحریرات } دو حصہ قیمت

روس جاپان } فی حصہ ۱۲ر

زہرا- ایک ترکی ناول کا ترجمہ مترجمہ سید سجاد حیدر صاحب بی - اے - قیمت ۸ر

چمنستان عرب ۱ر

پروفیسر ویمبری کا سفرنامہ - خیوہ - بخارا ایران و کردستان وغیرہ ۱۲ر

تاریخ مسجد الحرام ۸ر

گنج شائگان ۴ر

حیات نورالدین ۶ر

یادگار سعدی علیہ الرحمہ ۴ر

ملنے کا پتہ دفتر تمدن پل جھاؤ لال لکھنؤ

نظارہ

یہی وہ نظارہ ہے جسکی تاب حضرت موسیٰ نہ لا سکے!

یہی وہ نظارہ ہے جسکے پردہ میں قدرت کی تجلیاں مخفی ہیں۔ دنیائے علم کے تماشائی کہاں ہیں آنکھیں کھولیں اور اس جام جہاں نما کی سیر کریں۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ ادبی۔ معاشرتی مناظر کا نظارہ نظارے ہی کے صفحات سے ہوتا ہے جو ہر مہینے آفتاب عالمتاب کی طرح میرٹھ سے نکلتا ہے اور دنیا میں ایک نئی روشنی پھیلاتا ہے۔

اہل نظر نظارے کو آئینہ کی طرح سامنے رکھیں اور علم کی جیتی جاگتی تصویروں کا (جنکو ملک کے مشہور اہل قلم مختلف رنگوں میں نظارے کے اوراق پر کھینچتے ہیں) تماشا دیکھیں۔

قیمت کچھ بھی نہیں صرف تین روپے بھیجنے پر نظارہ کی سیر ایک سال تک گھر بیٹھے ہو سکتی ہے۔ نمونہ پانچ آنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

منیجر رسالہ نظارہ میرٹھ



ایک نفع رسان اپنی قسم کی پہلی ایجاد

دل و جان سے بے حد محنت کرنے اور مشرق و مغرب کی طبوں جیسے اصولوں سے فائدہ اٹھانے کے بعد مالک کل جسیم کے فضل سے

کوی آنود وید پنڈت ٹھاکر دت شرما ویدید

اس قابل ہوا کہ وہ مخلوق خدا کی تکالیف دور کرنے کیواسطے ایک ایسی دوائی تیار کریں جو اکیلی ہی تقریباً تمام امراض کا جو گھروں میں بوڑھوں بچوں جوانوں مردوں یا عورتوں کو ہو جاتی ہیں جسکی علاج ثابت ہوئی ۔

امرت دھارا

واقعی اپنی قسم کی پہلی ایجاد ہے ۔ اس کی خوبی اس سے بڑھکر اور کیا تعریف ہو سکتی ہے کہ جگہ جگہ لوگ اس کی نقلیں بنانے کی کوشش میں ہیں ۔ قدم قدم پہ لوگوں کو امرت دھارا کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کسی کو کوئی تکلیف ہو جھٹ امرت دھارا سے نکلتی ہے ۔

جس گھر میں یہ موجود ہے ایک لائق وید موجود ہے بلکہ کہ بندگان خدا اس ایجاد سے فائدہ اٹھا چکے ہیں ۔ آپ بھی فوراً اسکو منگائے

تمام امراض امرت دھارا دور کرتی ہے

ہر قسم کی درد سر ۔ کھانسی ۔ دمہ ۔ نزلہ ۔ آشوب ۔ ملیریا ۔ بخار ۔ دست ۔ دکام [illegible] ۔ اپھارہ ۔ بدہضمی ۔ قے ۔ اسہال ۔ پیچش ۔ درد معدہ و کل امراض معدہ سے لے کر [illegible] دانت ۔ دانتوں کا ہلنا ۔ [illegible] وغیرہ کل امراض دانت ۔ درد کان ۔ [illegible] کان ۔ [illegible] وغیرہ و کل امراض کان ۔ [illegible] ۔ بچوں کے [illegible] ۔ [illegible] چشم ۔ [illegible] وغیرہ امراض [illegible] ۔ پھوڑا پھنسی ہر قسم کا زخم ۔ [illegible] ۔ آتشک ۔ گٹھیا ۔ درد مفاصل ۔ [illegible] ۔ [illegible] امراض دل ۔ [illegible] جگر ۔ [illegible] امراض [illegible] ۔ [illegible] وغیرہ امراض زنانہ ۔ [illegible] ۔ [illegible] بچھو ۔ [illegible] وغیرہ امراض [illegible] ۔ خارش خشک و تر ۔ [illegible] ۔ جلنا وغیرہ وغیرہ امراض کو گھنٹے دو گھنٹے سے دور کر دیتی ہے ۔

بیس ہزار استعمال کرنیوالوں کی متفقہ آواز ہے

کہ امرت دھارا ہر گھر کو ہر جگہ موجود رہنی چاہیئے ۔ جہاں کہیں کوئی تکلیف ہوئی فوراً اسکو لگاؤ ۔ امرت دھارا کی قیمت فی شیشی [illegible] نصف شیشی [illegible] محصول ڈاک [illegible]

احتیاط

امرت دھارا نے [illegible] ۔ [illegible] امرت دھارا [illegible] ۔ [illegible] صاحب [illegible] ۔ [illegible]

خط و کتابت و تار کے لئے پتہ "امرت دھارا" لاہور

ڈاکٹر ایس کے برمن کی سخت امراض کی آسان دوائیاں

دوائیوں کے مفصل حالات کی فہرست جس میں چالیس سخت امراض کی آسان مجرب اور آزمودہ دوائیں کا اندراج ہیں بلا قیمت و محصول منگا لیجیے ....

TRADE MARK

دوا خریدتے وقت ہمارا رجسٹری شدہ پانچ کون سیاہ ستارہ ضرور دیکھ لیجیے۔ کیونکہ دوائیوں کی نقل بہت ہو گئی ہیں

جینا کیا ہے جو ایک دوسرے کو آرام نہ پہونچا سکے

اسی خیال پر ڈاکٹر ایس کے برمن کی دوائیں بنی ہیں اور اُنکے امول فائدہ کے حساب سے بہت سستی بکتی ہیں یہی سبب ہے کہ ان دوائیوں کے فائدہ دینے سے اعتبار روز بروز بڑھتا جاتا ہے

آزمائشی بکس



نمونہ کی دوائیوں کے لیے چونکہ روزمرہ کثرت سے خطوط آتے ہیں۔ اسلیے ایک آزمائشی بکس بنایا گیا ہے جس میں چھ نہایت مجرب اور آزمودہ دوائیاں ہیں۔ اگر آپ خود ڈاکٹر بن کر اپنے عزیزوں اور ہمسائیوں کو وبائی امراض کے زمانہ میں محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو اس بکس کو ضرور اپنے پاس رکھیے اس میں مفصلہ ذیل دوائیاں ہیں جو آپ کے ہر وقت اور ہر موقع پر کام آئیں گی۔

تفصیل ادویات

عرق کافور ہیضہ گرمی کے دست کی ایک ہی دوا ہے دمہ کی دوا۔ کولا ٹانک ہر ایک کے لیے طاقت بڑھانے کی دوا۔ مقوی باہ گولیاں جیسا نام ویسا کام۔ جلاب کی گولیاں۔ آسانی سے پیٹ صاف کرتی ہیں۔ عرق پودینہ سبز درد شکم و ریاحی درد کی دوا قیمت فی بکس محصولڈاک

ادویات ہر جگہ دوکانداروں اور دوا فروشوں سے ملیں گی ورنہ کارخانہ سے منگائیے

ملنے کا پتہ ڈاکٹر ایس کے برمن ۵ تاراچند دت اسٹریٹ

شمارہ ۵

دسمبر ۱۹۱۶ء

تمدن

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی۔ اور علمی مضامین کا مخزن

ایڈیٹر ایم اے قاری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قاری محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
مذہبی خیال۔ قاری محمد سرفراز حسین صاحب	۱
احتیاج۔ ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی اڈیٹر ذخیرہ	۹
عشق حقیقی (نظم) محمد باسط علی صاحب باسط	۱۶
منقبہ۔ "رجائی"	۱۷
شہر مصر نو سو برس پہلے۔ محمد جمیل صاحب آفت	۲۸
بزم شیخ و شباب (نظم) محمد باسط علیصاحب باسط	۳۱
عالی ظرفی کی ایک عجیب مثال محمد امین صاحب	۳۳
شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ حرانی۔ مولوی محمد یعقوب صاحب راغب	۳۶
ابر سفید۔ (نظم) چودھری رحم علیصاحب ہاشمی	۳۹
نشاط۔ ارنسٹ	۴۱
اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ۔ مولوی الیاس صاحب برنی	۴۹
حالت قوم (نظم) منشی عبدالخالق صاحب خلیق دہلوی	۵۵
غزلیات۔ حضرات آبر لکھنوی۔ حسرت موہانی۔ عشرت لکھنوی۔ راغب بدایونی۔ افسر میرٹھی۔ وصف لکھنوی۔ قیصر لکھنوی	۵۸

مہتمم محمد عبدالحسین ...

نارورن انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا

پرنٹر ذوالفقار علی

قیمت سالانہ ۲ع

مقام اشاعت ... لکھنؤ

نمونہ کے پرچہ کی قیمت ۴ر

قواعد

(۱) تمدن ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے
(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر برا اثر پڑے یا ذاتیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے ہوئے ہوں درج "تمدن" نہیں ہو سکتے۔
(۳) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۵ تاریخ تک آجانے چاہئیں۔
(۴) جو مضامین کسی دوسرے رسالہ میں شائع ہو چکے ہوں ان کو "تمدن" کے لیے ارسال نہ کرنا چاہیے۔
(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاک خانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی نمبر نہ پہنچے تو اسی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک طلب کریں۔ ورنہ پھر چار آنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا۔
(۶) ناتمام مضامین "تمدن" کے لیے ارسال نہ کرنے چاہیے۔

تمدن
لکھنؤ

مذہبی خیال

(۱)

ابتداء آفرینش سے لیکر زمانہ حال تک مذہبی خیال کی تاریخ لکھنے کے لیے ایک مستقل کتاب کیا متعدد مستقل کتابیں درکار ہیں اور کسی نہ کسی حیثیت سے موجود ہیں۔ مگر اس مختصر مضمون میں ایک ایسا خاکہ کھینچنے کی نیت ہے جس سے بادی النظر میں معلوم ہو جائے کہ مذہبی خیالات اور عقائد کی ابتدا کس طرح پڑی اُن میں ترقی اور تنزل کس کس طرح ہوا اور انسانی زندگی پر اچھا یا بُرا کیا کیا اثر پڑا تفصیلی اور طولانی بحثوں میں پڑنے کے بجائے ہم پہلے مذہبی خیال کی حدود قائم کرنا چاہتے ہیں اور وہ مختصراً اور مجملاً حسب ذیل ہیں۔

(ا) ایک ہستی واحد و حی و قیوم کا تسلیم کرنا۔

(ب) اُسے کائنات کا منبع و مرجع ماننا۔

(ج) یہ یقین کرنا کہ اسکا منشا یہ ہے کہ انسان بیشمار مراحل ترقی طے کرے اور پاکیزگی اور میل جول کے ساتھ زندگی بسر کرے۔

(د) اس سے یہ لازمی نتیجہ نکالنا کہ کسی نہ کسی عنوان سے انسان کو اپنے خالق کے سامنے اپنے اعمال کا حساب کتاب دینا ہے۔ اور یہ چند روزہ دنیاوی زندگی اس سارے ڈراما کا انجام نہیں ہے بلکہ اسکے بعد بھی کچھ اور باقی ہے۔

(ہ) نیز یہ کہ ان سب کا مقصود نجات ہے اور نجات کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے انسانی فرائض کی انجام دہی میں پاس ہو جائے یا پاس کر دیا جائے۔

(و) فرائض انسانی کا کماحقہ علم حاصل کرنے اور نیز بخوبی عمل کرنے کی قدرت حاصل کرنے کے لیے صرف انسانی عقل اور انسانی مشاہدہ یا تجربہ کافی نہیں ہے بلکہ ایک طرف تو اس فوق الفطرت ذات کی طرف سے جسکے منشاء کے موافق زندگی گذارنی مقصود ہے بین اور روشن ہدایات موجود ہوں اور دوسری طرف کچھ مکمل اور معتمد انسان ایسے دکھائی دیں جن کی ذات میں وہ ہدایات عملی طور سے جلوہ گر ہوں اور وہ انسان اوروں کے لیے نمونہ اور مشعل راہ ہدایت ہو سکیں۔

۲- اب ہم مذہبی خیال کی تاریخ پر اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔ اور اسکی تقسیم اس طرح کرتے ہیں۔

اولاً- فلسفۂ قدیم نے اس پر کیا روشنی ڈالی۔

ثانیاً- اُن مذاہب نے اس مسئلہ پر کیا روشنی ڈالی جنکا ظہور اسلام سے قبل ہوا

ثالثاً- اسلام نے اسے کہاں تک پہنچایا۔

رابعاً- سائنس اور فلسفۂ جدید کی روشنی میں زمانہ کا رخ اب کیا ہے

۳- فلسفۂ قدیم میں یونانی فلسفہ خاص امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ انہیں مذہبی خیال

کی بنیاد اس سوال سے قائم ہوئی کہ آخر اس کائنات کی جڑ یا اصل کیا ہے
جدّ فلاسفہ یونان Thales نے اپنی عمر کا بڑا حصہ ترک و تجرید اور فکر و
تفکر میں گذارا اور خیال کیا کہ جو کچھ اس کائنات کی اصل ہوگی وہی خدا ہوگا
بہت غور و فکر کے بعد وہ مرد میدان اس نتیجہ پر پہنچا کہ کائنات کی اصل نمی یا پانی
ہے۔ اس فلاسفر کے بعد دوسرا فلاسفر anax immes آیا اور اس نے
یہ رائے قائم کی کہ میرے اندر جو قوت متحرکہ یا روح ہے وہ ہوا ہے اور چونکہ
ہوا باہر یعنی فضائے عالم میں بھی موجود ہے اور ہر وقت متحرک ہے اور کل اجزاء
کائنات میں ساری اور طاری ہے اور جو ہوا انسان میں ہے وہ ہوا فضائے عالم
کی ہوا کا جزء ہے بنا برآں ہوا کائنات کی جڑ بنیاد ہے۔

دیوجانس نے اس نظریہ پہ یہ اضافہ کیا کہ روحی ہوا یا ہوائے روحی صرف
قوت متحرکہ ہی نہیں ہے بلکہ نہیں ادراک بھی ہے کیونکہ وہ صرف تحریک ہی
نہیں پیدا کرتی بلکہ وہ ہدایت بھی بخشتی ہے۔

miletas ساکن anaximindan نے یہ اعتقاد قائم کیا
کہ جو کچھ بھی اصل اوّل ہے وہ ازلی اور ابدی ہے۔

فیثاغورث نے کائنات کُلّیہ یعنی ہمہ میں اوست کا اقرار کیا۔ اور بتایا کہ وحدت
سے کثرت ظاہر ہوتی ہے۔ توحید میں دوئی نہیں سما سکتی۔ سوائے واحد
کے باقی اعداد نسبتی ہستی رکھتے ہیں لہٰذا احد کی شان مطلق ہے۔

xenafhen نے کمال ہستی واحد کا سراغ لگایا اور اس عقیدہ کی
بنیاد ڈالی کہ خدائے بزرگ اپنی ذات اور صفات میں کامل ہے اس نے یہ
بھی بتایا کہ خدا قائم بالذات اور ازلی اور ابدی ہے۔

Heraabtus نے خدا کو آگ سے تعبیر کیا ہیں خیال کہ آگ حیات

اور ادراک کا مظہر ہے۔

Heraclitus کے بعد Anaxagorus تشریف لاے اور انھوں نے ارشاد فرمایا کہ خدا وہ قوت ہے جو عالم میں نظم ونسخ کرتی ہے۔ سقراط نے خدائے واحد کو سرچشمہ اخلاقِ حسنہ مان کر مذہب اور اخلاق کی بنیاد ڈالی اور افلاطون الہٰی نے اسمیں محبت کی چاشنی ملائی بنابراں اس مشترک تعلیم سے یہ عقیدہ جاری ہوا کہ خدا نہ تنہا اپنی ذات میں نیکی مطلق ہے بلکہ وہ بندوں سے محبت کرتا ہے اور اسکے شایاں ہے کہ بندے بھی اُس سے محبت کریں یہ لُب لباب ہے اُس حیرت انگیز عقلی کوشش کا جسکی بدولت فلاسفہ یونان پانی ہوا۔ آگ وغیرہ سے گذر کر خدائے واحد وحی وقیوم تک پہنچے۔

۴۔ اب ہم تعلیم حکمائے ہند پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں عقائد انسان کی سب سے قدیم محفوظ اسناد وید مقدس ہیں۔ وید مشتق ہے وِد سے جس کے معنے علم یا دانستن ہے۔ وید کا مفہوم وہ مجموعہ علم ودانش ہے جسمیں اُس کی حقانیت کی شہادتیں خود اُسکے اندر موجود ہیں۔ ویدوں کے متعلق یہ عقیدہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ ہستی کائنات کے دوش بدوش ہستی رکھتے ہیں اور خود ہستی کائنات کا ظہور کسی سابق ویدکے اصول وقواعد کے مطابق ہوا۔ وید منتشر تھے اور عرصہ دراز کے بعد ایک رشی نے اُن کو جمع کرکے اُنکی موجودہ حیثیت قائم کی۔ بنابراں جس بزرگ نے انکو جمع کیا اُسکو دیاس یعنی ترتیب دینے والے کا مقدس لقب دیا گیا۔

وید مقدس نے خدائے واحد کی پرستش کی تعلیم کا جو طریقہ اختیار کیا وہ نہایت عجیب وغریب معلوم ہوتا ہے۔ قدیم رشی لوگ قدرت کی طاقتوں مثل پانی ہوا۔ آگ وغیرہ کو پوجتے تھے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ انکو علیٰحدہ علیٰحدہ

خدا مانتے تھے مگر نظرِ تعمق سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ان صفات کو مظہرِ ذات مانتے تھے۔ انسان کے ابتدائی عقائد میں بظاہر ایسے خدا وحدہٗ لاشریک کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی جو صفاتِ انسانی سے منزہ ہو۔ بلکہ وید کی عام تعلیم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عناصر پرستی سے شروع کر کے خدائے بزرگ و برتر کی پرستش تک پہنچ جانا مقصدِ اعلےٰ تھا۔ سورج۔ مینہ۔ آگ وغیرہ کی پرستش ہوتی تھی مگر اس زمانے کے لوگ اسی میں سے خدا کا عنصر غالب پا لیتے تھے عرصۂ مدید کے بعد وید کی سادہ تعلیم پر فلسفیانہ نظر ثانی شروع ہوئی جسکے صلہ میں آج ہم وہ قیمتی خزانہ فلسفہ الٰہیات کا پاتے ہیں جنکو اوپانشد کہتے ہیں اُپنشد کی تعلیم کو حدّ فلاسفۂ ہند یعنے شنکراچارج نے حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے اور دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے

"جو لوگ نجاتِ اُخروی کے طالب ہیں اور جنھوں نے لذاتِ فانیہ اور دنیا اور مافیہا سے مُنہ موڑ لیا ہے اور اس سائنس کو حاصل کیا ہے جسے اوپنشد کہتے ہیں اُن کو جہل اور اُن بُرائیوں سے نجات ملے گی جو آوا گون (تناسخ) کا باعث ہیں۔ کیونکہ اس وقت اُن بُرائیوں کا قلع و قمع ہو جائے گا"

اصول تعلیم اوپنشد عرفان ذات باری تعالیٰ ہے۔ منازلِ عرفان بذریعۂ اعمالِ حسنہ۔ مراقبہ و مجاہدہ وغیرہ طے کرائی جاتی ہیں۔ وید اوپنشد اور دیگر کتب کی بنا پر فلاسفۂ ہنود کے مشہور و معروف چھ درشن یا شاستر وجود میں آئے جنمیں باعتبار عُلوِ روحانی سب سے ممتاز ویدانت شاستر ہے جو اپنے لغوی معنوں کی حیثیت سے منتہائے وید ہے۔

یہاں بھی آپ ایک مستقل اور کامیاب کوشش پاتے ہیں جسکے ذریعہ سے انسان کو درخت پتھر سورج ہوا پانی آگ وغیرہ سے شروع کر کے نہ صرف اقرار ہستیِ وحدہٗ لاشریک تک پہنچا دیا گیا ہے بلکہ جسکے ذریعہ سے عرفانِ ذاتِ باری

لقائی حاصل کرنا مقصود اصلی معلوم ہوتا ہے سری کرشن جی مہاراج جنکا مذہب ہنود کے اوتاروں مین نہایت ممتاز پایہ ہے اُن کی مقدس تعلیم کا لب لباب اُس نادر الوجود کتاب مین موجود ہے جو ساری دنیا مین گیتا کے نام سے مشہور ہے یہ کتاب نہایت خصوصیت کے ساتھ عرفان ذات کی ہدایت کرتی ہے لہذا یہ نتیجہ نکالنا غلط نہوگا کہ اصولاً ہنود کی روحانی تعلیم کا منشا خدا شناسی تھا اور اس ہی کے اوتاروں نے بالواسطہ یا بلا واسطہ اسی تعلیم کا رواج دیا۔ بالواسطہ تعلیم دینے والوں میں اُن بزرگ اوتاروں کا شمار ہے جنہوں نے خدا کا ذکر کرکے خدا تک پہونچنے کے عقیدے اور اعمال بتائے۔ بلاواسطہ تعلیم دینے والا وہ مشہور اوتار ہوا ہے جسکا نام نامی ساکھی سنگھ گوتم بدھ ہے۔ اسکی تعلیم کو بلاواسطہ تعلیم اسلیئے کہا گیا ہے کہ اُس نے خدا کا نام تو نہیں لیا مگر ایک جدید قاعدے اور ضابطہ کے ساتھ ذاتی جسمانی اور خواہش نفسانی حتیٰ کہ عقل کی بھول بھلیوں اور قلب کی لغزشوں اور لرزشوں غرض سب کا قلع قمع بتایا ہے اور انتہا سے لیکر ابتدا تک فنا ہی فنا بتا کر نروان یعنی فنائے ابدی کا سبق پڑھایا۔

بدھ مذہب کی تعلیم کے موافق نروان یعنی فنائے ابدی اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس نے خواہشات جسمانی اور لذات کو بالکل خیرباد کردیا ہو اور جسکے دل مین رحم اور محبت کے سوا کسی کی برائی کی گنجائش نہو اور جسکی عقل صاف اور پاک ہوگئی ہو۔ نروان لامحدود ہے۔ اور حدود عقل انسانی سے ماوراء ہے۔ جس دل مین لوث ہو وہ اسے حاصل نہین کرسکتا۔ نروان سے غیر محدود علم حیات ابدی کا حاصل ہوتا ہے اور یہ علم قیود جسمانی کے ٹوٹنے یعنی موت کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔

ہم اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ گو الفاظ یہی نہ کہا جائے مگر ماسوا کی فنا سے

بقاءِ الٰہی کا دروازہ خود بخود کھل جاتا ہے اور کیا عجب ہے کہ بدھ جی مہاراج کا منشا یہی ہو۔

۵۔ زردشت اور کنفیوشس کی تعلیموں میں جہانتک ہمارا محدود اور ناقص علم رہبری کرتا ہے کوئی ایسا فلسفہ شامل نہیں جسکا موازنہ یا مقابلہ اصولاً فلسفۂ یونان یا فلسفۂ ہندوستان سے کیا جائے۔ ہم نہایت ہی ممنون ہوں گے اگر ناظرین المذہب میں سے کوئی باخبر بزرگ ان تعلیموں پر روشنی ڈالیں گے۔ کنفیوشس تو مثل منوجی مہاراج کے ایک زبردست اور مقدس مقنن تھے مگر زردشت کی تعلیمات کا امتیازی پہلو قلبِ انسان کی اُس دائمی کشمکش سے وابستہ معلوم ہوتا ہے جو نیکی و بدی میں امتیاز کرنے اور ایک کو اختیار اور دوسرے کو ترک کرنے میں پیش آتی ہے۔ غالباً زردشت نے ان دونوں قوتوں کو قائم بالذات مانا ہے مگر مگر اُسکی روحانی تعلیم کا منتہا نور معلوم ہوتا ہے اور یہ نور جملہ رذائل نفس وغیرہ کو جلانے اور مثل نار کے ہروقت روشن اور شعلہ زن رہنے سے حاصل ہوتا ہے یا یوں کہیے کہ جس طرح آگ جملہ خس وخاشاک کو جلا کر آپ الگ تھلگ منور رہتی ہے اسی طرح شعلہ صدق وصفا جملہ رذائل کو جلا کر نورِ حقیقی کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ یہ شعلہ صدق وصفا جسے ہماری اصطلاح میں عشق کہتے ہیں جملہ متعلقات فانیہ کو جلا دیتا ہے۔ بقول۔ العشق نارٌ یحرق ما سوا اللہ (عشق ایک آگ ہے جو سوا اللہ کے باقی سب کو جلا دیتی ہے۔)

۶۔ جو کچھ اب تک بیان ہوا اُس سے یہ اخذ کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ سالہا سال کی کوششوں اور نفس کشیوں کے بعد دنیا نے خواہ عقل خواہ جذبۂ روحانی سے خدا کا پتہ لگایا۔ اُسے بتدریج قادر مطلق۔ خالق حقیقی ازلی و ابدی مانا۔ اُسکی ذات کو سرچشمۂ علوم مانا۔ اُسے ہمہ تن نیک محبت والا اور محبت کے قابل سمجھ کر دیا

میں نیکی اور محبت سے رہنے کے اصول کو تسلیم کیا۔ اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی
بنیاد ڈال کر نفس انسانی کی تقسیم درجہ بدرجہ [illegible] کی۔ ان بزرگوں سے یہ علوم پہنچے اور
جنھوں نے یہ دشوار گذار راستے انسانوں کو طے کرائے اُنکی عزت کی گئی۔ کہیں اُنکو
فلاسفر مانا گیا۔ اور تاریخ [illegible] کہیں کچھ۔ کہیں کچھ اور دینی حدود جسمانیت نفسانیت
کو نا کافی سمجھ کر خودی کی چار دیواری بندشوں کو توڑنا اور خدا اور خدا والوں کو ماننا انسان
نے کچھ نہ کچھ سیکھ ہی لیا۔ اب ہم یہاں سے اُس [illegible] تعلیم کی طرف [illegible] پیش
کرتے ہیں جسکی بنیاد فلسفہ عقلی پر نہیں [illegible] ہوتی بلکہ [illegible] سے قطع نظر کر کے
وھبی طور پر بذریعہ وحی و الہام براہ راست خدائے واحد سے ہدایت حاصل ہوئی ہے
اُسنے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک اس سے ہے شور محبت عاشقان زار کا
ان تعلیموں کے بانی رسول اور پیغمبر یعنی خدا کے بھیجے ہوئے مانے جاتے ہیں جن کتابوں میں
اُنکی تعلیمیں درج ہیں وہ کتب سماوی کہلاتی ہیں اور ان تعلیموں یا مذہبوں کے پیرو وجدانی
طور پر خدا کو مانتے ہیں اور اُسکے فضل و کرم کے اُمیدوار اور اُسکی رضا کے خواہاں رہتے ہیں
ان جملہ مذاہب کا متحد عقیدہ یہ ہے کہ ایک ذات واحد بزرگ و برتر ہے۔ اُسی نے دنیا
ومافیہا کو پیدا کیا اور اُسی کے حکم سے ایک دن یہ سب کچھ نیست و نابود ہو جائیگا۔ نیکی
خدا کو پسند ہے اور بدی ناپسند۔ پیغمبروں کا اتباع نیکی کو پہنچاتا ہے اور بدی سے بچاتا
ہے نیز انسان کو اپنے خالق و مالک کے سامنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا اور
اُس حساب کتاب کے بعد اُسی کی نظر فضل و کرم کا نام نجات ہے۔

ان مذہبوں کی تقسیم از آدم تا این دم اس طرح پر ہے۔

(۱) از آدم تا حضرت موسیٰؑ۔
(۲) عیسویت۔
(۳) اسلام۔

(باقی آئندہ)

سرفراز حسین قادری

احتیاج

منعم ہو یا مفلس احتیاج سب کو ہے پھر کیا بات ہے کہ مفلس ہی محتاج کہلاتے ہیں۔ کیا مُنعم کو حاجتیں نہیں ہوتیں؟ اُن کو تو مفلس سے زیادہ ہوتی ہیں مگر زر کی وجہ سے مُنعم کی حاجتیں بہ آسانی بر آتی ہیں اور بے زری سے مفلس کے حاجات مشکل سے بھی نہیں نکلتے۔ اُس پر مفلسوں کی کثرت ہے اور اہل زر کی قلت۔ مفلسوں کے یہاں زر کی قلت ہوتی ہے اور اہل زر کے یہاں کثرت مفلسوں کو رفع ضروریات کے لیے بھی زر نہیں ملتا اور مُنعموں کو رفع ضروریات کے علاوہ رفع خواہشات کے لیے بھی زر کی کمی نہیں مُنعموں کی حاجتیں زرداری کی وجہ سے نکلتی رہتی ہیں اور مفلسوں کی حاجتیں بے زری اور اہل زر کی بے توجہی سے نہیں نکلتیں مُنعم مفلسوں کی حاجت روائی پر اپنی خواہشات کی تکمیل کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک مُنعم دوسرے مُنعم کی توجہ سے مستغنی ہوتا ہے اور ایک مفلس دوسرے مفلس کی اعانت سے مجبور۔ مفلسوں میں اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ ہے۔ ؎

کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند کس کی حاجت روا کرے کوئی

تاریخی ورق گردانی کیجیے یا صورت حال کو مشاہدہ کر لیجیے تو غرض مند زیادہ اور بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اہل زر کی خود غرضی اُن کے لیے اتنی مضر نہیں ہوتی جتنی نو دولتوں کی خود غرضی مفلسوں کے حق میں نقصان بخش ہوتی ہے کیونکہ ایک نو دولت (جو افلاس کی تلخیوں سے واقف ہے) دوسرے مفلس کی دامے، درمے، سخنے، قدمے جیسی اور جتنی اعانت ہو سکے نہ کرے

اور اپنی ہی مطلب براری میں منہمک رہے تو افلاس کی افزونی مفلسوں کو ہمیشہ کے لیے محتاج ہی بنائے رکھے گی۔ دنیا کے کام چلتے ہیں تو کسی کی دولت اور کسی کی محنت سے اور سچ پوچھو تو محنت ہی سے دولت ہے مگر حالت زمانہ یہ ہے کہ منعم مفلسوں سے لاپروا رہتے ہیں اور جو مفلس محنت کر کے دولت کماتا ہے وہ اپنے کو اہل دولت میں شامل کر لیتا ہے اور مفلسوں سے بے پروا ہو جاتا ہے اگر مفلس مالدار بننے پر بھی مفلسوں کو نہ پوچھے تو اہل زر کو حقیقی راحت نہیں مل سکتی جس کے وہ متمنی اور متوقع ہیں کیونکہ روپیہ سے اگر خزانہ بھرا پڑا ہے تو وہ روپیہ انسان کو کوئی آرام نہیں پہنچا سکتا جب تک اس کا مصرف انسانی محنتوں مشقتوں اور انسانی ریاضتوں کی شکل میں نہ حاصل کیا جائے۔

منعم تو زرداری کے نشہ میں اپنے ہی عیش و صلاح حال میں منہمک ہیں لیکن اگر مفلسوں پہ نظر ڈالیے تو وہ بھی اپنے ہی صلاح و فلاح کی فکر میں مصروف ہیں۔ اسی نااتفاقی و خود غرضی کی بدولت افلاس و فلاکت ایک بڑی جماعت کی جماعت کو احاطۂ تنزل سے آگے قدم بڑھانے نہیں دیتی۔

منفردہ کوشش فلاح نہ ایک فرد ہی کو آرام پہنچاتی ہے نہ اور افراد کے ہی کچھ کام آتی ہے۔ غرض خود غرضی و نااتفاقی کی وجہ سے محتاجی ایک عالمگیر مرض متعدی ہے تو اب اس مرض کے دفعیہ کی کیا تدبیر ہے؟ کیا اسکو معاملۂ تقدیری سمجھ کر خاموشی اختیار کی جائے؟ نہیں یہ تقدیری معاملہ نہیں ہے۔ اس میں خاموشی اختیار کرنی گناہ ہے! تدبیر کے ہاتھ میں بہت سے کام ہیں۔ تدبیر کرنی چاہیے۔ اس میں خاص لوگوں کی توجہ اور عام لوگوں کی کوشش چاہیے۔ پھر اس کا فائدہ خاص و عام سب کو پہنچے گا اتفاق بہ

عوام کے ساتھ خواص شامل نہ ہوں تو کچھ زیادہ نفع کی توقع نہیں ہوسکتی۔ ایک دوسرے کی ممکنہ اعانت کی جائے تو محتاجی کی یہ حالت نہ رہے۔خود غرضی کی جگہ ہمدردی کی حاجت ہے!! دوسروں کی حاجت روائی کے ضمن میں اپنی حاجت براری عمدہ بات ہے اور اس طرح کی حاجتیں اچھی طرح پوری بھی ہوا کرتی ہیں۔ لوگ اس بات کو سمجھیں کہ بنی نوع انسان کے ساتھ احسان اپنے حق میں احسان ہے مگر لوگ اسکو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور اپنی ہی فکر میں لگے رہتے ہیں اس لیے اُن کو اپنی حاجت براری میں بھی دقت ہوتی ہے اور دوسروں کی احتیاج بھی باقی رہتی ہے۔ کیا یہ اچھی بات نہیں ہے کہ اپنے ساتھ دوسروں کا بھی کام نکلے؟ جس طرح لوگ دوسروں کے کام پر اپنے کام کو ترجیح دیتے ہیں اور دوسروں کا کام جبراً رکوا کر کام نکالتے ہیں اس طرح دوسرے اس فکر و تردد میں رہیں گے کہ نکلا ہوا کام دوسرے ہی پر منتقل ہوجائے اور نا اتفاقی سے ہوتا بھی یہی ہے اور نتیجۃً محتاجی بدستور قائم رہتی ہے۔

احتیاج باقی نہ رہنے کے لیے اتفاق کا ہونا لازمی ہے اور اتفاق کے لیے ہمدردی۔ جو لوگ آسایش و آرام میں ہیں وہ مصیبت زدہ اور غرضمندوں کے حالات پر مطلق غور نہیں کرتے۔ اس سے زیادہ قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ جو لوگ مصیبت کے بعد راحت پاتے ہیں وہ بھی اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کو بھول جاتے ہیں اور ان سے غافل رہتے ہیں اس کا نام بیدردی ہے۔ یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ دنیا میں شادی و غم توام ہیں رنج کے ساتھ مسرت ہے، تکلیف کے ساتھ راحت ہے، عسرت کے ساتھ یُسر ہے لیکن یہ ضرور نہیں کہ ایک کے ختم ہونے کے ساتھ ہی دوسرے کا دورہ ہو۔ ہم نے

دیکھا ہے کہ اگر خوشی کا دورہ ہے تو وہ ایک عرصہ تک رہا ہے اور اگر کوئی مصیبت کا شکار ہوا ہے تو اُسکا بھی تانتا ہی سلسلہ برسوں تک چلا ہے بسا اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ صورت ثانیہ سے نجات ہی نہیں ملی۔ اور دم واپسین تک انسان اسی مصیبت میں مبتلا رہا۔ لہٰذا اگر مرفہ الحال لوگ ضرورتمندوں کی تکلیف و رنج کا احساس کریں اور وقت پر اعانت کو دریغ نہ کریں تو اگر غم سے بالکلیہ نجات نہ ہو تو کم از کم تھوڑا بہت دُکھ تو کم ہو جائے۔

احتیاج سب کو ہے اور دنیا کے کُل کام ایک دوسرے ہی کی مدد سے چلتے ہیں۔ اگر کوئی اپنے کام ہی سے کام رکھے تو دوسرے کو کیا پڑی ہے کہ اس کو آرام پہنچائے خود غرضی کی وجہ سے ذرا سے کام تو نکل جاتا ہے مگر خاطر خواہ آرام خود غرض کو میسر نہیں ہوتا ایک دوسرے کو آرام نصیب ہونے کے لیے ہمدردی کی قطعی ضرورت ہے۔ ایک حاکم ہمدرد ہوگا تو محکوم بھی اطاعت و ہمدردی سے اُس کی خدمت کریں گے جس سے دونوں کو آرام حاصل ہوگا۔

خود غرضی ایک طرح کا ظلم بلکہ دوسروں کے حقوق کا خون ہے اور یہ ایسا عام ظلم ہے کہ بیشمار اشخاص رات دن لوگوں کے حقوق کے خون میں اپنے ہاتھ رنگے جاتے ہیں اور پھر اپنے فعل کو ظلم نہیں سمجھتے اور یہ مسلم ہے کہ ظلم نہایت ہی بُرا فعل ہے منطق صغریٰ و کبریٰ سے اس مسئلہ پر اس طرح سے روشنی ڈالی جا سکتی ہے:۔

صغریٰ۔ خود غرضی ایک طرح کا ظلم اور اتلاف حقوق ہے۔

کبریٰ۔ ظلم اور اتلاف حقوق نہایت عیب اور مضرت رسانی ہے۔

نتیجہ۔ خود غرضی نہایت عیب اور مضرت رسانی ہے۔

لہٰذا جب یہ امر مسلم ہو گیا کہ خود غرضی ایسی بُری چیز ہے جس سے حقوق العباد تلف ہوتے ہیں تو پھر خود غرض انسان اس گناہ سے کیونکر بری الذمہ ہو سکتا ہے

خود غرضی کے ظلم سے لوگ کام نکال کے کس طرح خوش وخرم رہ سکیں گے اسی ظلم کی وجہ سے کثیر التعداد بندگان خدا کی محتاجی کا سلسلہ جاری رہتا ہے چونکہ خود غرضی میں بیدردی ہوتی ہے اس لیے خود غرضوں سے کام نکالنے میں محتاج کو بڑی بڑی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اُس وقت وہ اپنے کو نہ صرف محتاج ہی سمجھتا ہے بلکہ محتاجی کی بدولت تمام عیوب سے متصف بھی ہوجاتا ہے اسی سبب سے کہا گیا ہے کہ ؎

آنکہ شیراں راکند روبہ مزاج احتیاج است احتیاج است احتیاج

فی الحقیقت محتاجی بڑی ذلت ہے۔ احتیاج کے وقت انسان کے کمال پر تاریکی کے پردے پڑجاتے ہیں۔ وہ آفتاب ہو تو ذرہ ہوجاتا ہے یہ احتیاج ان کے لیے مخصوص ہے جو محتاج کہلاتے ہیں ورنہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے احتیاج اسکے خلاف بھی اثر کرتی ہے غرض محتاجی کے عجب کرشمے ہیں ہاں احتیاج کے اثرات سے وہ حضرات متاثر نہیں ہوتے جو راضی برضا شاکر وصابر اور اہل اللہ کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے محتاج ہوتے ہیں خدا ان کی حاجتوں کو برلاتا ہے اور غور کرکے دیکھو مفلس ہوں یا منعم سب خدا کے محتاج ہیں۔ دنیا میں جس طرح مُنعم کم ہیں اور مفلس زیادہ۔ اسی طرح اچھے لوگ بہت کم ہیں اور بُرے زیادہ اور پھر اچھوں میں اہل اللہ بہت کم گویا شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ خدا کی عبادت اور اُس کے واجب الاحترام احکام کو اپنا فرض سمجھتے ہیں اسی لیے وہ اپنی ضروریات سے مستغنی ہوتے ہیں اور وہ لوگ خوب سمجھے ہوئے ہیں کہ ؎

کارساز ما۔ بہ فکر کار ما فکر ما در کار ما۔ آزار ما

بحث تو اُن لوگوں سے ہے جو معاملات دنیوی میں اپنا زیادہ وقت

صرف کرتے ہیں جن کو دین سے زیادہ دنیا ہی کی فکر ہوتی ہے۔ اگر خود غرضی دلوں سے اُٹھ جائے یا کم از کم اُس میں ایک نمایاں تخفیف ہو جائے اور ہمدردی بے دردی پر غالب آ جائے تو دنیا میں احتیاج کے معاملات میں اتنی مصیبتیں نہ اُٹھانی پڑیں جتنی محتاجوں کو اُٹھانی پڑتی ہیں ہمدردی دلوں میں پیدا ہونے کے لیے درستیِ اخلاق کی ضرورت ہے جو شخص عقل سلیم رکھتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اچھی باتیں ضرور فائدہ بخش ہوتی ہیں تو فائدہ بخش امور سے اعراض کر کے مضر امور کی طرف رغبت و رجحان عالم و عقلمند آدمی کا کام نہیں ہے۔ عالم و عاقل وہ ہے جو خود بھی بچے اور دوسروں کو بھی بچائے ورنہ جاہل و ناداں تو نہ خود آفت سے بچ سکتا ہے نہ دوسرے کو بچا سکتا ہے۔ اگر جاہل زردار ہو اور ایک عالم بے زر ہے تو عالم جاہل کے پاس ضرورت و احتیاج لے کر جائے گا' اس وجہ سے کہ وہ زر کی قدر و منزلت سے خوب واقف ہے کیونکہ اس سے تمام دنیوی کام انجام پاتے ہیں۔ مگر جاہل عالم کے یہاں علم کی دولت حاصل کرنے کے لیے اس وجہ سے نہیں جاتا کہ وہ اپنے جہل کے باعث علم کی فضیلت سے ناواقف ہوتا ہے۔ پس محتاجی نوعیت اور ضرورت کے لحاظ سے تکلیف و راحت کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اگر محتاج صابر و قانع اور خوددار ہو تو اپنی حاجت براری میں ہرگز ذلیل و خوار نہ ہوگا افسوس ہے کہ بہت سے لوگ احتیاج کے وقت خودداری سے کام نہیں لیتے مفلس ہو تو منعم کی خوشامد کرتے کرتے زبان خشک کر لیتا ہے۔ عالم ہو تو جاہل کی منت کرتے کرتے اپنے آپ کو ذلیل و خوار بنا لیتا ہے' مثلاً اُستاد ہو تو شاگرد کے سامنے زانوے ادب تہ کر کے بیٹھتا ہے مرد ہو تو احتیاج سے عورت کے آگے نامردی کا شیوہ اختیار کر لیتا ہے۔ پھر بھی نہ تو حاجت ہی

پوری ہوتی ہے اور نہ عزت ہی باقی رہتی ہے۔ ع

بات بھی کھوئی التجا کرکے

محتاجو! تم اپنے کو دیکھو کہ تم میں جوہر کمال کیا ہے اور احتیاج کس بات کی ہے اگر کمال اعلےٰ ہے اور احتیاج ادنیٰ۔ تو ادنیٰ احتیاج کے لیے اپنے جوہر کمال کو معرض مذلت میں نہ ڈالو۔ اپنے گوہر کمال کو کوڑیوں کے مول نہ بیچو کامل ہوکر ناقص کے آگے ذلیل و خوار نہ ہو۔ اپنے کمال کی اہانت نہ کرو اس وجہ سے کہ یہ جوہر بہت گراں بہا ہے اور عقیل و فہیم لوگ اسکو بیش مہنگے داموں خریدنے کے لیے تیار ہیں۔ کمال کی بدولت تم اس قابل ہو کہ عقل سلیم تمھاری عزت کرتی ہے اس لیے جاہلوں کی نظروں میں اپنے آپ کو ذلیل اور اپنی وقعت کو کم نہ کرو۔ تمھاری خواہشیں پوری ہوں نہ ہوں مگر اپنی علم و کمال کی عزت کے پورے طور سے محافظ رہو۔ تمھاری ضروریات کا بھی پوری کرنے والا ہے جس نے تمھیں اس مرتبہ پر پہنچایا ہے۔ عزت کا بے بہا موتی دے کر ذلت کا ٹھیکرا نہ لو۔ تم اہل جوہر و اہل کمال ہو اس لیے تمھارے لیے بھیک باعث ذلت و توہین ہے۔

منعمو! تم دولتمند ہو۔ خدا نے تم کو ایک بڑی نعمت دی ہے جو تمھیں بیش بہا ہے۔ مگر خدا کی دی ہوئی نعمت کے شکریہ میں تم کو چاہیے کہ خدا کے بندوں کو اپنی طرح آسایش و آرام سے محروم نہ رکھو اور خدا کے احکام پر عمل کرو۔ اگر تمھارا یہ اعتقاد ہے کہ اس طرح کے سلوک میں ہم بھی محتاج ہو جائیں گے تو خدا کے احکام پر عمل کرنے کے لیے یہ تمھارا ایک حیلہ ہوگا جسکے جواب دہ تم خود ہوگے۔

کس نشنود یا نشنود من گفتگوے می کنم

ہوش بلگرامی

عشق حقیقی

ایک ہے اے غافلو وہ پاک یزداں ایک ہے / خالق ارض و سما و جن و انساں ایک ہے
بالیقیں بے مثل و یکتا واحد اُسکی ذات ہے / بزم کثرت میں بھی وحدت سے عیاں کیا بات ہے
ہاں وہی قابل عبادت کے ہے وہ معبود ہے / آستاں پر اسکے سر خم ہو وہی مسجود ہے
جسم میں کون و مکاں کے جان عالم جان ہے / ان بتوں میں بھی اسی کافر ادا کی شان ہے
برگزیدہ بندگان حق کا دامن تھام لے / وہ تو ساقی ہیں مے وحدت کا اُن سے جام لے
رہبر کامل ہیں وہ اُنکے موافق کام کر / چھوڑنا ہرگز نہ غافل اُنکا دامن تھام کر
چھوڑ دے لذات نفسانی نہ تو گمراہ ہو / چاشنیِ بادۂ وحدت کی دلمیں چاہ ہو
سامنا رحمت سے اسکی بعد مرگ اے یار ہے / دوزخ و جنت کی ہستی سے عبث انکار ہے
اسقدر وابستگی نقش و نگار دہر سے / ہائے غافل تو نہیں ڈرتا خدا کے قہر سے
دیکھکر صنعت کو صانع کیوں نہ یاد آیا تجھے / حسن دنیائے دو روزہ کس طرح بھایا تجھے
ہیچ ہے عشق حسیناں جہاں سب ہیچ ہے / زلف پیچاں کی گرہ قسمت کا تیری پیچ ہے
دور کر دل کی سیاہی جلد غافل دور کر / شمع وحدت سے تو اپنے قلب کو مسرور کر
نور عرفاں ڈھونڈ اب جا ضلالت سے نکل / خواہش پاکیزگی ہے تو کثافت سے نکل

عشق مولا چاہیے یا وصل مولا چاہیے
جب خدا ہی مل گیا باسط تو پھر کیا چاہیے

ماسٹر باسط بسوانی

مغنیہ

ہم ذیل میں حضرت "رجالی" کا مضمون اور اُن کے خط کا ایک حصہ مع "یلدرم" اور "نسائی" کے مضامین کے جن سے حضرت "رجالی" کے مضمون کا بہت کچھ تعلق ہے ناظرین "مخزن" کی ضیافت طبع کے لیے درج کرتے ہیں اور حضرت "رجالی" کی اس سبک قلمی کی داد دیتے ہیں جس نے اُنھیں چھ برس میں اس مضمون کو ختم کرنے میں مدد دی۔ ایڈیٹر

"آپ کا تقاضا کہ مضمون بھیجو اور میں مضمون لکھنے کے نا قابل تاہم تعمیل ارشاد میں ایک مضمون جسے میں نے مخزن میں دو مضمون دیکھنے کے بعد تقریباً چھ برس ہوئے شروع کیا تھا ختم کرکے بھیجتا ہوں چونکہ میرا مضمون بغیر اُن ہر دو مضامین کے بالکل ناممکن ہوگا اس لیے پہلے اُنھیں نقل کرتا ہوں۔ "رجالی"

آہ یہ نظریں

(ایک ہندوستانی مغنیہ کو)

تھکی ہوئی تمام شب ہائے عشق کی بقیہ مست مخمور تھکی ہوئی نظریں تیری آنکھوں سے جو سرمست وشید اور پرلطف دقیقے زیست کے دعدے کرتی ہیں ان آنکھوں سے نکلنے والی ہلکی نظریں!

ان سیاہ آنکھوں کی سوزاں ظلمتوں میں ایک ایسا مبہم اشارہ دعوت پاتا ہوں کہ میری روح ان نیوتوں کو دیکھ دیکھ کے حرص سے لرزنے لگتی ہے۔

جب تک کہ تیرا لطف خریدا جاتا ہے تو چاہے جتنی اونچی ہو جتنی چاہے اونچی بن حسب الحصول نظر آئیں بھی اک پوری رات، اک لمبی رات، تیرے یاسمنی سینے میں گذارنا چاہتا تھا، مگر میرے شوق، میری آتش اشتیاق کو جو تیرا کل وجود و روح چاہتی ہے، تیری بے ہیجانی تیری بے حواسی، تیری بے محبتی زائل کر دیتی ہے، بجھا دیتی ہے۔

تیرے چاہنے والے جو تیرے دل تک ذرا نہیں پہنچ سکتے، جو پیسہ دے کر تجھ تک پہنچتے ہیں انکے لیے تیرے نغمے کس قدر بارد، تیرا اظہار شوق کس قدر جھوٹا، اور تیرا گلے ملنا کس قدر پر استکراہ، تیرے بوسے کس قدر پھیکے اور سست ہیں۔

یہ جانتا ہوں مگر پھر وہی یہ آنکھیں، یہ سیاہ آتش سے بھڑکنے والی سیاہ آنکھیں،

اور اُن کی متلاشی ظلمتیں جو متجسس معلوم ہوتی ہیں یہ خانماں سوز ستانت ہیں۔ ان کی تپش میں جب میں اپنے تئیں پاتا ہوں تو میں بھی یہ چاہنے لگتا ہوں کہ چاہے کچھ ہو میں بھی ان آنکھوں کی ظلمتوں میں ڈوب جاؤں، میں بھی اس آتش سے اپنے تئیں جلاؤں، ایک رات تو ان آنکھوں سے مست آلام ہوں۔

اور اگر تو کہیں اصلی محبت کرے، اُف! کہیں تو اک ذرا چاہے۔ اُس وقت دیکھتی ہو، اُس وقت کو سوچ کے اور اپنے پر نظر ڈال کے، اپنی روح کو دیکھ کے، میں اس طرح ڈرنے لگتا ہوں جس طرح اک پُر طوفان رات کی پُر شور تاریکی سے کوئی ڈرے۔

نہیں، نہیں، جا، جا، میں نہیں چاہتا۔ اور اپنے ساتھ اپنی اُس آواز کو بھی لیجا جو میری روح کو زیر و زبر کر رہی ہے، اور اُس تھکے ہوئے نشے کو بھی ساتھ لے جا جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی محترص بغلگیری سے حاصل ہوا ہے۔

اتنی دور جا کہ تیری آواز کو، تیرے گانے کو نہ سُن سکوں، تجھے نہ دیکھ سکوں۔ اور تو بھی اے موسیقی، آہ! اے موسیقی، تو بھی چپ ہو جا۔ وہ غزل نہ گا، وہ راگ نہ گا، جو مجھے زندگی کی سب سے بہتر اک رات کی یاد دلاتا ہے۔ اُن حرارتوں کو، اُن شعروں کو جو میری روح میں مستور ہیں، بحران و ہیجان نہ دے۔

کیونکہ میں خود اپنے سے، اپنی طاقت تحمل سے شبہ کرنے لگا ہوں، کیونکہ میں ڈرنے لگا ہوں کہ میں اس عورت کے لیے سب کچھ کر گزروں گا۔ میں ڈرتا ہوں کہ میں اپنی متانت کھو بیٹھوں گا، اپنی سلامتی، اپنی انسانیت جسے میں اب تک قائم رکھ سکا ہوں، ہاتھ سے دے بیٹھوں گا

چپ رہ، دیکھ میں کانپ رہا ہوں، دیکھ میں مرا جا رہا ہوں۔

یلدرم

مجھے دیکھا کیوں

(ایک ہندوستانی مغنیہ کی طرف سے)

آہ! یہ نظریں! بتں کہنے والے سے خدا ہی سمجھے۔ اس سے تو میں اندھی ہوتی کہ نہ کوئی صاحب میری نگاہوں پر فریفتہ ہوتے نہ یوں بھگو بھگو کر ستاتے۔ شکوہ شکایت تو آگے چل کر ہو گی جناب پہلے تو یہ بتائیے کہ آپ نے مجھے دیکھا کیوں۔ یہ وعظ و نصیحت منظور تھی تو آپ نے اس طرف رُخ ہی کیوں کیا

پھر پوچھتی ہوں منت سے پوچھتی ہوں۔ کہ آپ نے مجھے دیکھا کیوں کاش مجھے یہ اختیار حاصل ہوتا کہ پوچھتی آپ نے۔ مجھے۔ دیکھا۔ کیوں۔ شاید مجھے شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ آپ نے میری آنکھوں کو دیکھا اور تعریف کی۔ مگر صدمہ تو اس بات کا ہے کہ آپ نے میرا دل نہ دیکھا۔ اس کے زخم نہ دیکھے اس کا جنازہ نہ دیکھا۔ اس کی بے نشان قبر نہ دیکھی۔ اور تو اور اسکے دوامی عرس کا جو زندہ اشتہار ان کالی کلوٹی آنکھوں میں تھا۔ اسے بھی نہ دیکھا۔ حیف! حیف!

جی ہاں "شب ہائے عشق کی بقیہ مسرت مخمور سے تھکی ہوئی نظریں" سبحان اللہ۔ کس قدر اچھا کہا ہے! پھر فرمائیے گا؟ "مسرت مخمور" اس خوشی کا فشہ کہ چند بیدردو تنگنہ چین۔ آوارہ مزاج۔ فدائی خمار "زرمیخورم" کی ضرورت سے "آئیے" "بیٹھیے" "خوب" "بہت خوب" "سبحان اللہ" "واہ واہ"۔ کہیں؟ مجھ بدنصیب کی خوشی اور وہ بھی مخمور کر دینے والی خوشی کا اندازہ کس قدر صحیح کیا گیا ہے بس مجھے کچھ اور کہنا نہیں بھر پائے۔

"میری سیاہ آنکھوں کی سوزان ظلمتوں میں اک مبہم اشارہ دعوت پایا" ٹھیک پایا۔ میں بلاتی تھی کہ کوئی آئے اور میری بیکسی کو دیکھے میری بے بسی پر رحم کھائے۔ میرے زخم جگر پر مرہم لگائے مجھے اس قعر بدنامی سے جو عورت کے لیے موت سے بدتر ہے نکالے ذرا سا سہارا ہی دیدے۔

مگر میری تقدیر دیکھنے والے کی روح ہمدردی سے بیچین ہونے کے بدلے "حرص سے لرزنے لگی" اور طرہ یہ کہ یہ بھی میرا ہی قصور ہے سچی بات آدھی لڑائی ہوتی ہے۔ میں بھی لڑتی۔ مگر چپ ہو رہنا اور دل کو مار لیتی ہوں۔ کہ جی ہاں میرا لطف خریدا جا سکتا ہے"۔ اور اسی سبب سے دیکھنے والے کا سارا شوق بجھ جاتا ہے۔ میری "بے ہیجانی" "بے حرارتی" "بے محبتی" اسے زائل کر دیتی ہے۔ "بجھا دیتی ہے"۔

اسے بھی جانے دیجیے۔ غضب تو یہ ہے مجھے بالکل مردہ سمجھ لیا۔ میرا اظہار شوق جھوٹا"۔ میرا گلے ملنا پر اسکراہ "میرے "بوسے تھکے ہوئے اور سست"۔ پیارے دیکھنے والے برائے خدا دو چار گالیاں اور دیدو۔ کہ کوئی ارمان باقی نہ رہ جائے۔ فرمائیے۔ تیرا مرنا شعبدہ روحانی۔ تیرا جنازہ ایک خالی مچاند۔ تیری برسی پر تیری قبر پر ٹھکرانا۔ تیرا شعر فقر پیر و پیٹ کا سانگ۔

افسوس!! افسوس!! - مدت بعد ایک شخص ملا۔ مگر راز دل سے نا آشنا!

وائی علیدم بہت کچھ کہنے کو جی چاہتا ہے۔ مگر مایوسی کہتی ہے۔ صبر کر خاموش ہو جا کیونکہ

آپ اس قدر بیزار ہوئے کہ ذرا سی دیر میں دور دور کرنے لگے۔ مَیں بھی مردود۔ میری آواز بھی مردود۔ میرا گانا بھی مردود۔ اور میرے ساتھ موسیقی اور شاعری سب مردود۔ بڑے سنگدل ہو! شاید بلیدم کے معنے ہی سنگدل کے ہوں۔

اچھا اے کُل بلیدمو۔ (آج سے مَیں ہر سنگدل مرد کو بلیدرم کہا کروں گی) سنو۔ گوشِ ہوش سے سنو۔ کہ مَیں کون ہوں۔ میری حالت کیا ہے اور کس کس کی گردن پر میرا خون ہے۔ پہلا گناہ مَیں نے یہ کیا کہ عورت بن کر دنیا میں آئی۔ بدظنی کا آماجگاہ بنی۔ رقابتوں کا مرکز ٹھہرائی گئی یہ سب میرا قصور ہے۔ مرد کا اس میں قصور نہیں ہے! بدصورت ہوتی تو یہی نیک سیرت مرد زندہ درگور کردیتے۔

اب جو خیر ذرا چار آدمیوں میں بیٹھنے کے قابل ہوں تو میری کیا کیا ہجو کی جاتی ہے۔ نظریں تو نظریں کلے ملنے اور بوس و کنار تک کے طعنے دیے جاتے ہیں۔ مَیں گانا نہ سیکھتی کہ نہ مغنیہ ہوتی اور نہ مردوں میں بلائی جاتی۔ مگر کیا مَیں نے اپنے شوق سے ایسا کیا؟ کیا مردوں کے دلی جذبات کی طلب صادق نے مجھ میں یہ حس پیدا نہیں کی؟ سنگدل مرد کیا اسے بھی مَیں اپنا ہی قصور تسلیم کروں؟ اور ہو مجھے اب اپنا اصلی قصور معلوم ہوگیا۔ عورت بھی ہوتی۔ خوبصورت بھی ہوتی گانا بھی سیکھتی۔ مردوں سے بھی ملتی۔ مگر اپنا دل نکال کر پھینک دیتی!

ورنہ میری "بے حرارتی" "بے محبتی" وغیرہ کی کیوں شکایت ہوتی بات یہ ہے کہ سب سے زیادہ ظلم عورت پر اور اس کی غنائی ہستی پر مقدس نما لوگوں کی طرف سے ہوا۔ انھوں نے خدا کا تو یقین کیا۔ مگر خدا کے بعد جیسا کہ حق تھا۔ عورت کا یقین نہ کیا۔ اکثروں کو بند کرکے اُنکی زندگی بے مزہ کردی اور اُنکے اور علم موسیقی کے درمیان ایک ایسا دبیز اور موٹا پردہ حائل کردیا۔ جو نہ اُٹھائے سے اُٹھے نہ پھاڑے سے پھٹے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آج مَیں ہوں اور میرا بدنام فرقہ ہے ہمارے کلیجے ہیں اور بلیدرموں کے تیر۔

ہم بھی انسان تھے۔ ہم بھی دل رکھتے تھے۔ ہمیں یوں "بارہ پتھر باہر" نہ کیا جاتا تو ہم بھی گھروں کی بستی ہوتے۔ مردوں کے غمگسار رہتے۔ ہم میں بے حرارتی۔ اور بے محبتی نہ ہوتی۔ ہمارا اظہارِ شوق جھوٹا نہ ہوتا۔ حیف اب ہمیں لوگ دیکھتے ہیں تو کس کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس وقت دیکھتے تو ضرور یوں دیکھتے۔ ؎

دیکھنے کا تو مزہ یہ ہے سراپا دیکھے
دیکھکر پاؤں ترا منھ نہ کسی کا دیکھے

دیکھو مسٹر یلدرم - ایک نصیحت میری مانو کہ آج سے کسی مغنیہ کو نہ دیکھنا اور یہ سزا اس قصور کی ہے کہ آپ نے مجھے دیکھا کیوں۔ "بقلم نسائی"

ہاں دیکھا

(ایک ہندوستانی مغنیہ کو)

(یلدرم کی طرف سے)

ہاں دیکھا - تم کو دیکھا - تمھاری آنکھوں کو دیکھا - آنکھوں کی تعریف کی - کوئی گناہ کیا؟ اگر کیا تو اُس کی سزا تم نے تجویز کر دی۔ اُس کا خمیازہ ایک نہیں بہت سی راتوں کو بھگتنا پڑا - تم کہتی ہو کہ "لکھنے والے سے خدا ہی سمجھے" میں کہتا ہوں "مجھے دیکھا کیوں" کہنے والے کو خدا انصاف دے۔ تم پوچھتی ہو "مجھے دیکھا کیوں" میں جواب دیتا ہوں تم نے مجھے دیکھنے کو کیوں دیا؟ کیوں تم نے مجھے دیکھنے کے لیے دعوت دی؟ اور مجھ سے کہا کہ دیکھو - سنو - مسرور ہو۔ اُس پر میں نے دیکھا تو چند روز کر کہتی ہو "مجھے دیکھا کیوں" میں نے دیکھا - ہاں دیکھا - یہ بتاؤ کہ تم نے جوابی نظروں سے میری نظروں کا استقبال کیوں کیا؟ اگر کیا تھا اور یہ چاہا تھا کہ میں تمھیں دیکھوں اور تم اپنی جوابی نظریں ڈال کر مجھے پریشان کرو تو پھر یہ سوال کیسا؟ کون سا انصاف اسکی اجازت دیتا ہے؟ مگر انصاف کی کیا دُہائی دوں انصاف تمھاری سرشت میں نہیں - انصاف کی پرچھائیں تمھارے سایہ تک سے بھاگتی ہے - اچھا انصاف نہیں رحم - واہ رحم کیا کبھی کسی مغنیہ نے رحم کیا ہے؟ - ہاں بچے برباد - گھر بار تباہ - کن لوگوں کی وجہ سے ہوتے ہیں - خاندانی ثروت - دولت عزت کی چادر کو کون لوگ کو نا پکڑ کر اُلٹ دیتے ہیں "تم" "تم" - اس لیے رحم کا بھی گذارہ نہیں - خیر اب میں تمھاری ہی دُہائی دیتا ہوں تمھیں بتاؤ جو کچھ تم نے لکھا وہ سچ تھا یا جھوٹ؟

تم کہتی ہو کہ شاید مجھے شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ آپ نے میری آنکھوں کو دیکھا اور تعریف کی "ماشاءاللہ کیا بھولا پن ہے"۔ جی نہیں تم کو تو شکوہ شکایت کرنی چاہیے تھی اور تم نے کی ہی۔ یہ میں کیا کہوں کہ تم کو کیا چاہیے تھا اور کیا کیا۔ مگر تم کہتی ہو کہ "آنکھیں دیکھیں میرا دل نہ دیکھا"۔ جی ہاں آنکھیں دیکھیں دل کیا دیکھیں وہ دل جس میں سیکڑوں ہزاروں کی خود مطلب اور خود غرض محبت کے تابوت رکھے ہیں جن میں سے گو ہر ایک جداگانہ رنگ کا ہے مگر ان سب کی کشش ایک مقصد کی طرف ہے جب ضرورت ہوتی ہے تو جس تابوت کو آپ کے حضرت دل ٹھوکر لگا دیتے ہیں اُس میں سے آہ و بکا کی سُریلی آواز نکل کر حشمت آلود دیویوں کو حکم دیدیتی ہے اور آپ کا خود غرضانہ کام بن جاتا ہے۔ جب آپ کے حضرت دل چاہتے ہیں تو کسی تابوت کو چھیڑ دیتے ہیں اور اُس تابوت والے سے سب کچھ اُف کرا لیتے ہیں اور اُسکی نعش کے لیے تابوت تک نہیں چھوڑتے اور اُن شان و شوکت والوں کی نعش جو نقیبوں پر تھوک کر بازاروں میں نکلتے تھے بے گور و کفن پڑی رہتی ہے مگر اُس تابوت والے کے بے تابوت ہوتے ہی اُسکی جگہ کوئی دوسرا لے لیتا ہے اور آپ کی لیلا سے دل محمل عفّیہ میں بدستور دلہن بنی ہوئی تشریف فرما ہوتی ہیں۔ آپ کے "دل" کو کوئی کیا دیکھے؟ اُسکے "زخموں" پر کوئی کیا نظر ڈالے؟ اُسکا "جنازہ" دیکھ کر کوئی کیا کرے؟ اُسکی "بے نشان قبر" پر کوئی کیا فاتحہ پڑھے؟ تمھارے دل کے زخم کیا ہوں گے تم لوگ ایسے تیر انداز ہی نہیں جو اپنے تیر لگانے میں اسقدر مستغرق ہو جاتے کہ دوسرے کا تیر بھی اثر کر جائے۔ تمھارے دل میں زخم ہوں گے تو اُن تیروں کے جو دوسروں کے پاک دلوں کو نہ چھید سکے ہوں اور اگر تمھارے ہی دل میں ناکامی کا زخم لگا یا ہو۔ جنازہ ہوگا تو کس کا؟ انھیں تیروں کا۔ بے نشان قبر ہوگی تو کس کی؟ اُنھیں تیروں کی۔

اپنے دل کا جنازہ مجھے دکھاتی ہوتی تو یہ تھا کہ خود دیکھتیں اور سبق لیتیں
تم کہتی ہو کہ میری خوشی کا اندازہ کسقدر صحیح کیا گیا ہے مجھے "کچھ کہنا نہیں پھر پایا" جی نہیں تمھاری خوشی کا اندازہ بالکل غلط کیا گیا۔ مجھے بھی افسوس ہے تمھاری خوشی کا صحیح اندازہ تو یہ ہوتا کہ تم جس سے ملتی ہو دل سے ملتی ہو۔ خوشی سے ملتی ہو۔ زرطلبی کی خواہش سے نہیں دل طلبی اور محبت طلبی کی خواہش سے ملتی ہو اگر کوئی تمھاری خوشی کے اندازہ میں کچھ بھی دھوکا کھاتا تو تم کہتیں واہ واہ جزاک اللہ کیا ذہن رسا پایا ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ مغنیہ ہونا ممکن ہے مگر دل سے محبت کا جوش عشق کی اُمنگ کا مفقود ہونا ناممکن۔ اگر وہ اندازہ صحیح نہیں تھا اس پہ چوٹ کرتی ہو نام دھرتی ہو تو میں تمھاری خاطر سے کہے دیتا ہوں کہ تمھاری خوشی کا یہ اندازہ جائز اور ٹھیک صحیح۔ اب تو خوش ہو اب تو سچ مچ بھر پایا پایا اب بھی کوئی کسر باقی ہے؟

تمھارے نزدیک تمھاری آنکھوں میں اشارۂ دعوت نہیں تھا اچھا میں بھی کہتا ہوں کہ اشارۂ دعوت نہیں تھا مگر اشارہ عداوت تھا جس کو بعض دیدن و فولاد نرم کے عامل اشارۂ دعوت کہہ دیتے ہیں۔ میں نے اشارہ دعوت اس لیے کہا کہ تمھاری آنکھوں سے وہ قاصد نظر دعوت کا پیغام ہی لے کے چلا تھا مگر اسکی "سوزاں ظلمتوں" میں عداوت کا زہر اس طرح بنا سنوار کے چھپا دیا گیا تھا جس طرح تم اپنا دل اور اسکا بھید چھپائے رکھتی ہو۔

تم کہتی ہو کہ میں بلاتی تھی کہ کوئی آئے اور میری بیکسی کو دیکھے میری بیکسی پر رحم کھائے میرے زخم جگر پر مرہم لگائے مجھے اس تعریف نامی سے جو عورت کے لیے موت سے بدتر ہے نکالے ورنا سہارا ہی دیدے۔ واللہ بہت خوب بلانے کا کیا اچھا مقصد تجویز کیا ہے۔ کسی ہادی کی تلاش تھی۔ کسی پیر مرد کی جستجو تھی۔ بہت اچھا

خدا نیک ہدایت دے - اسی لیے مجھے بلاتی تھیں - افسوس ہے میں نہ سمجھا میری سمجھ کا قصور ہے تمھاری نیت اچھی تھی کیوں صاحب یہ جو آپ کے ہاں لوگ آتے ہیں ان میں سے کتنی ہادی کتنے مرشد اور کتنے ولی ہوتے ہیں - انھیں بھی تو تم پہلی دفعہ اس غرض سے بلاتی تھیں کہ تم معصوم فرشتہ کو قعر بدنامی سے نکال لیں مگر تم میں وہ اوصاف قدرت نے نہیں بلکہ تمھاری بے حیا بے حمیت بے شرم بے حجاب زندگی نے پیدا کر دیے تھے - کہ ان سے تمھاری ہدایت نہ ہو سکی اور تم ان کی گمراہی کا سبب بن گئیں - انھوں نے ممکن ہے تم کو کچھ سہارا دیا ہو مگر تم اس کا توڑ جانتی تھیں تم نے اُن ان کو زمین پر دے ٹپکا - تم کو قعر بدنامی سے نکالنے کے لیے آئے تھے اور بقول تمھارے تم نے اسی لیے بلایا تھا مگر اُلٹے قعر بدنامی و بدنامی میں گر پڑے -

تمھاری "تقدیر" تمھاری نیت اور تمھارے پوشیدہ ارادے کو دیکھنے والے کی روح ہمدردی سے تیمین ہونے کے بدلے حرص سے لرزنے لگی" جی ہاں حرص سے نہ لرزتی تو کیا ہوتا - ہمدردی کرتے تو کیفر کردار کو پہنچتے بھلائی کا بدلہ بُرائی ہوتا - اگر سچ مچ تم یہ چاہتیں کہ کوئی آئے تم کو قعر بدنامی سے نکالے تو یہ کیوں کہتیں " اگر یہ وعظ و نصیحت منظور تھی تو ادھر کا رخ ہی کیوں کیا" تم کہتی ہو کہ سچی بات آدھی لڑائی ہوتی ہے میں بھی لڑتی مگر چپ ہوں دل کو مارتی ہوں" گو تم اپنے دل سے سچی محبت سچی ہمدردی کو دور دور پرے پرے کرتی ہو مگر سچائی کا وہ جوہر جو قدرت نے ہر ایک میں ودیعت کیا ہے اتنی احتیاط کے پردوں میں بھی جھلک دکھا دیتا ہے اور راز کو فاش کر دیتا ہے جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے - خود تم ہی سے تمھارے دعوے کو باطل ثابت کرا دیا - بتاؤ کہ تمھارا اصلی مقصد کیا تھا - خود قعر بدنامی سے نکلنا یا دوسرے کو

تعرِ بے نامی میں دھکا دینا۔ تمھارے نزدیک تمھارا "لطف خریدا" نہیں جا سکتا
یہی ہاں سچ ہے۔ جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ کر دکھانا تمھارا ہی کام تھا۔ دیکھنا
بھی لطف خریدنا چاہتا تھا مگر اس کا شوق "محبت آلود" "محبت آمیز" لطف کو
محبت سے خریدنا چاہتا تھا مگر اسکو معلوم ہو گیا۔ جو دل آنکھوں پہ رکھنے کی چیز
ہے وہاں ایک سیاہ پتھر رکھا ہوا ہے وہ تہ کو پہنچ گیا اور جس طرح بھاری پتھر
کو چوم کر چھوڑ دیتے ہیں اس نے دیکھا سونگھا اور ٹھکرا دیا۔ اب بتاؤ کہ اگر اس کا
"شوق بجھا" تو ٹھیک بجھا یا غلط۔

تم شاکی ہو کہ تمھیں "بالکل مردہ سمجھ لیا گیا" تمھارے "اظہار شوق کو جھوٹا کہا گیا"
تمھارا "گلے ملنا" پر استکراہ خیال کیا گیا" تمھارے بوسے تھکے ہوئے اور سست
بتائے گئے جی نہیں تم زندہ اور ایسی زندہ کہ ہزاروں زندوں کو زندہ درگور کر دو
تمھارا "اظہار شوق" سچا۔ تمھارا "گلے ملنا" محبت کی شان۔ تمھارے بوسے بادِ صبا
کی طرح دلفریب اور شیریں۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ تم محبت میں سچی ہر ایک کو سچے دل
سے پیار کرنے والی۔ ہر ایک کے لطف کو دوبالا کرنے والی۔ مگر للہ یہ تو بتاؤ کہ
ہر ایک۔ کو سکا کیا جواب تمھارے پاس ہے۔ کیا قدرت نے تمھارے دل میں
وہ گنجائش دی ہے کہ وہ ہر ایک کا ہو کر ایک۔ ایک کا ہو سکتا ہے۔ یا تم کو
کوئی سو دو سو دل دیے گئے ہیں جو الگ الگ خانہ میں ہر ایک کے ایک ایک
ہو کر الگ الگ ہو کر رہتے ہیں۔ اگر اس کا جواب مل گیا تو میں قائل۔ میں جھوٹا
تم سچی تمھارے دعوے قابل تسلیم، تمھاری محبت قابل ستائش اور تم قابل
پرستش۔ تم نہایت پیار سے لہجہ میں "گالیاں دینے" کی فرمائش کرتی ہو کہ پھر کوئی
ارمان باقی نہ رہ جائے، پھر لاہور مان تو یہ تھا کہ کاش تمھارے پاس ایک دل اور
صاف دل ہوتا اور صرف ایک کے لیے ہوتا جب ہم دیکھتے کہ کون سا پلہ دم

تمھارے لیے "تیغ بکف" نظر آتا۔

تم مجھے کیا خوب فرمائش کرتی ہو کہ میں کہوں تیرا مرنا "شعبدۂ روحانی" تیرا جنازہ ایک "خالی مچان" تیری قبر ہاتھی پکڑنے کا گڑھا تیرا حشر "نشتر" بہروپیے کا سانگ۔ جی نہیں تمھارا مرنا دنیا کے لیے عبرت کا تھیٹر۔ تمھارا جنازہ اخلاقی سبق حاصل کرنے کی مجلد کتاب۔ تمھاری قبر عذاب الٰہی کا عجائب خانہ۔ تمھارا حشر نشتر۔ دوزخ میں جانے والوں کے لیے تسکین کا ساماں۔ افسوس افسوس تم کو مدت کے بعد ایک شخص ملا اور وہ ایسا سنگدل کہ تم نے اسکے ہم ناموں کو بھی سنگدل ٹھہرایا۔ تم کو شکر کرنا چاہیے تھا کہ ایک شخص ایسا ملا جس نے تمھارے وجاہت پرست دل کو ایک ٹھیس لگائی اور تم کو یہ خیال تو آگیا کہ میری زندگی نیکی میں بسر ہوتی تو وہ کیسی ہوتی۔ تم کہتی ہو کہ میں تمھارے ساتھ ذرہی دیر میں دنیا کی اور لطیف چیزوں حتیٰ کہ موسیقی اور شاعری کو نفرت کی نظر سے دیکھنے لگا او بدنصیب عورت دیکھ اور غور کر صرف تیری وجہ سے دنیا کی لطیف چیزیں بھی ٹھکرائی جانے لگیں کیونکہ وہ تیرے قبضہ میں ہیں کاش کہ تو سنگدل ہوتی تو موسیقی۔ شاعری۔ آنکھوں پر بٹھانے کی چیز ہوتی اور رہے ہی۔ جہاں تو اور وہ ساتھ نہیں ہیں وہاں یہ چیزیں کس قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ افسوس تو انسان ہو کر وہ چیز ہے کہ تیرے قبضہ میں آجانے سے دنیا کی نعمتوں کو بھی مردود کیا جاتا ہے۔ تو نے اپنا تو جو کچھ بگاڑا سو بگاڑا دنیا کی لطیف چیزوں کی بے عزتی اور ہتک کی جو حشر کے دن تیرے گریبان میں ہاتھ ڈال کر خدا سے فریاد کریں گی، تو اپنا خون مردوں کی گردن پر رکھنا چاہتی ہے مگر یہ جب سچ ہوتا جب اپنی گردن کو اس سے زیر بار پاکر بقیہ حصہ اُن بدنصیب مردوں کی گردن پر ڈال دیتی جو مرد کہلاتے ہیں اور نامرد ہیں۔ جو انسان کہلا کر انسانیت اور شرافت انکے

جو ہر سے کوسوں دور ہیں۔ جو تیرے دل کا غلط اندازہ کرتے ہیں۔ جو تیرے دھوکے اور فریب میں آجاتے ہیں۔ تو کہتی ہے کہ "سب سے بڑا قصور میں نے یہ کیا کہ عورت بن کر پیدا ہوئی" یہ قصور نہیں وصف ہے۔ رحمت ہے اگر تو عورت ہوتی اور۔ تُو نہ ہوتی۔ یہ بالکل غلط ہے کہ "اگر ایسی صورت نہ ہوتی تو مرد زندہ درگور کر دیتے" اگر تو عفت اور عصمت کی بعض پابندیوں کو جو ایک گھر کی عورت کو مغنیہ کے مقابلہ میں کرنی پڑتی ہیں "زندہ درگور" ہونا خیال کرتی ہے تو جہاں ہے وہیں رہ اور جو کچھ جس کسی کے جی میں آئے کہے تو سُن اور مسکرا۔ ورنہ نیچے اتر اور دیکھ کہ تو کیا تھی اور کیا ہو گئی۔ تو اپنے آپ کو عالم بالا پر پہنچا ہوا سمجھتی ہے مگر تجھکو معلوم ہوگا کہ جہاں تو ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے کتنی گہرائی میں واقع ہے

تو کہتی ہے کہ "مردوں کے دلی جذبات کی طلب صادق نے مجھ میں یہ حسن پیدا کر دیا"۔ واہ واہ ماشاءاللہ کیا خوب۔ اب آئندہ کبھی کہنے کی ضرورت پڑے تو یوں کہنا۔ نااہل مردوں کی طلب کاذب اور ہوسناکی نے ہم میں یہ حس پیدا کیا۔ اس میں شک نہیں کہ ایک حصہ تم کو اس قعر بدنامی میں ڈالنے میں ان کا بھی ہے اور ضرور ہے۔

"تقدس نما" لوگوں کو مجرم قرار دینا میرا ہی کام تھا باقی دبی زبان سے اس کا اعتراف مجھے بھی ہے کہ انھوں نے ظلم کیا اور سخت ظلم کیا۔ عورت اور موسیقی دونوں کو الگ کر کے دنیا میں بہتیرے فرقہ کی بنیاد ڈالی اور دنیا کو خرابی کے جال میں پھانسا۔ اب بھی اگر تو عورت اور موسیقی ایک ساتھ چاہو عورت کے دلدادہ اور موسیقی کے شیدا بہتری کی طرف رجوع کریں تو تم لوگ بہت کچھ اچھے ہو سکتے ہو مگر شرط یہ ہے کہ موسیقی اور تم کی معجون مرکب میں کوئی دوسرا عنصر شامل نہ ہو۔ پھر تم ضرور ایک آدھ پلٹے کے بعد اس قعر ذلت سے

نکل جاؤ گی جس کو تم اپنی جنس کے لیے موت سے تعبیر کرتی ہو اور ایک زمانہ آئے گا کہ تمھارا دیکھنے والا تمھارا چاہنے والا تم سے محبت کرنے والا کہے گا

دیکھنے کا تو مزہ یہ ہے سراپا دیکھے
دیکھ کر پاؤں ترا منھ نہ کسی کا دیکھے

تم آخر میں یلدرم کو نصیحت کرتی ہو کہ اب کسی مغنیہ کو نہ دیکھنا۔ وہ دیکھیں گے ضرور دیکھیں گے مگر دل کو قابو میں رکھیں گے اور تم کو اس قعر بدنامی سے نکالیں گے۔ دیکھو اس دیکھنے سے یہ فائدہ تو ہوا کہ تم کو اپنی زندگی پر غور کر کے معلوم ہوا کہ تمھارا صحیح مصرف کیا تھا اور اب تم کیا ہو۔

اگر تم نے یہ سب باتیں چند را کر لکھی تھیں تو تم کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ یلدرم آیندہ کسی مغنیہ کو نہ دیکھنا اگر دیکھنا تو دل کو قابو میں نہ رکھنا۔

"رجالی"

شہر مصر نو سو برس پہلے

(سلسلے کے لیے ۱۰ نومبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)

غرضکہ اہل مصر بہت اطمینان اور امن و امان میں زندگی بسر کرتے تھے۔ ہزاروں صرافوں اور جوہریوں کی دوکانوں پر خرید فروخت کی ہر وقت گرما گرمی رہتی تھی۔

ایک دولتمند یہودی جوہری سلطان کا مقرب تھا اس پر سلطان کو اتنا بھروسا تھا کہ جواہرات خریدنے کی خدمت اسکے سپرد کر رکھی تھی۔ ایک دن اس یہودی کو فوجی سپاہیوں نے مار ڈالا۔ پبلک میں یہ واقعہ اہم سمجھا گیا اور مجرمین بھی اپنی حرکت سے نادم و خائف ہوئے۔ عام طور پر جب اور فوجی سپاہیوں کو یقین ہو گیا کہ اس جرم کی سزا بھگتنا پڑے گی تو بیس ہزار سوار مجرموں کو لیکر شہر سے باہر نکل گئے

اور ایک میدان میں جمع ہوئے۔ اس مجمع کا باشندگان شہر پر بڑا اثر پڑا لوگ خائف ہونے لگے مقتول یہودی کے بھائی کا بھی بُرا حال ہوا اس نے گھبراہٹ میں آؤ دیکھا نہ تاؤ بارگاہ سلطانی میں عرضی اس مضمون کی پیش کر دی کہ۔

"میں اپنی جان ومال کی بچاؤ کے عوض میں شاہی خزانہ کی چالیس ہزار دینار مغربی سے خدمت کر سکتا ہوں"

اس درخواست سے سلطان کا مزاج برہم ہوا حکم دیا کہ درخواست مجمع کے سامنے لے جا کر پھاڑ ڈالی جائے کہ نہ تمھاری جان سے کسی کو دشمنی ہے اور نہ مال کی پروا تم اپنے کو ہر طرح امین سمجھو۔ اس کے بعد متمرد سپاہیوں کے متعلق حکم ہوا خادم فوجی مجمع کے سامنے آکر کہنے لگے "تم لوگ اطاعت کروگے یا نہیں" سپاہیوں نے اک زباں ہو کر جواب دیا" ہم سلطان کے مطیع اور فرمانبردار خادم ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم سے قصور ہوا جس کی تہ دل سے معافی چاہتے ہیں جب دوبارہ خادموں نے آکر معافی قصور کا شاہی فرمان سُنایا تو یہ لوگ مارے خوشی کے اچھل پڑے اور بصدق دل دوبارہ اطاعت کا حلف اُٹھایا۔ اور اس طرح فتنہ رفع دفع ہوا۔

شہر مصر ہی میں نہیں بلکہ ملک شام سے لے کر قیروان تک سلطانی عملداری کے جن جن شہروں اور قصبوں میں میرا گذر رہا وہاں کی ہر مسجد کے کل اخراجات کا بار سلطانی خزانہ عامرہ پر تھا۔ روشنی کے لیے چراغوں کا تیل فرش کے لیے چٹائی بوریے وغیرہ کا اعلےٰ انتظام اور امام مؤذن فراش کی تنخواہیں اور انعام سب سلطان کی طرف سے تھا۔ ایک سال شام کے گورنر نے رپورٹ کی "زیتون کی کمی ہے اگر حکم ہو تو روغن ترب وشلجم فراہم کیا جائے" اس پر حکم ہوا "جس چیز کا تعلق خدا کے گھر سے ہے اس میں کانٹ چھانٹ اور ردوبدل جائز نہیں"

ہر قاضی کی تنخواہ دو ہزار دینار مغربی ماہوار مقرر تھی تاکہ کسی کے مال و دولت پر لالچ کی نگاہ نہ ڈالے اور دولتمندی دیکھکر حرص و ہوس کی آگ مشتعل نہو سکے۔

باغ لگانا اگر کوئی شخص باغ بنانا چاہے تو ہر فصل میں بنا سکتا ہے کیونکہ جن پودوں کی باغ لگانے میں ضرورت ہوتی ہے وہ سب ہمیشہ آسانی سے مل سکتے ہیں۔ خواہ پھل دار ہوں یا پھول دار یا بغیر پھل پھول کے۔ بہت لوگ پودے بیچنے کا ہی پیشہ کرتے ہیں۔ اور ہر قسم کے پودے ان کی معرفت مل سکتے ہیں۔ یہ اپنے بلند مکانوں کی چھتوں پر ہر قسم کے پودے ہر وقت اُگا رکھتے ہیں۔ اُن کی چاندنیاں اچھا خاصا باغ ہوتی ہیں جس میں نارنگی، شفتالو، انار، سیب، بہی وغیرہ اور ہر قسم کے پھلدار درخت ہوتے ہیں جس کو ضرورت ہوتی ہے مناسب قیمت پر خرید کر مزدوروں پر لدوا کے لے آتا ہے۔ محافظت کے لیے جڑوں کو گیلی مٹی سے لپیٹ دیتے ہیں تاکہ ہوا لگ کر اُگنے کے ناقابل نہو جائے۔ جہاں لگانا ہوتا ہے پہلے سے وہاں گڑھا کھود رکھتے ہیں اور پودے کو گاڑ کر مٹی برابر کر دیتے ہیں یہ لوگ کئی بار ایک پودے کو ایک جگہ سے دوسرے مقام پر منتقل کر کے لگا سکتے ہیں اور اس آہستگی اور ہوشیاری سے کہ درخت کو بھی خبر نہو نقصان پہنچے کو اس قسم کے ماہر فن باغبانی کسی دوسرے شہر میں میں نے نہ کبھی دیکھے نہ سنے یہ لوگ اپنے ہنر میں بے نظیر مہارت رکھتے ہیں۔

مطالب اہل مصر ان لوگوں کو مطالب کہتے ہیں جو مصر کے پہاڑوں میں خزانے اور دفینے تلاش کریں۔ ممالک شام مصر اور مغرب سے بیشمار اشخاص اس سودے کو سر میں لے کر یہاں آتے ہیں اور بہت کچھ صرف کر کے اکثر بوجہ ناکامی مفلس ہو کر واپس جاتے ہیں کسی خوش قسمت کو کبھی کوئی دفینہ مل بھی جاتا ہے جس سے اُسکے دن پھر جاتے ہیں۔ عام طور پر یہاں یہ بات مشہور ہے کہ ان اضلاع میں فرعون کی دولت و مال مدفون ہے جس کو دفینہ مل جاتا ہے وہ پانچواں حصہ حسب قاعدہ بحق سلطان

خزانۂ شاہی میں داخل کرتا ہے اور چار حصہ اُسکی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔

محمد اسمعیل ہاتف

بزم شیخ وشاب

غم سے گو خلوت میں رہتا ہوں میں پیچ وتاب میں
فرق گو کرتا ہے مشکل مجھ میں اور سیماب میں
دل بہل جاتا ہے لیکن محفل احباب میں
بیٹھ جاتا ہوں میں دم بھر جبکہ شیخ وشاب میں

مجمع احباب میرا اور میں ہوں مغتنم
ایک ہے اپنی نظر میں جلوۂ دیر وحرم

دوستی سے دوستی ہے بیر سے یاں بیر ہے
کام ہے باغ محبت کی انوکھی سیر سے
بڑھکے یوں اہل حرم ملتے ہیں اہل دیر سے
جس طرح اپنا سمجھکر کوئی ملتا ہے غیر سے

ہاں تعصب مذہبی نظروں میں اپنی ہیچ ہے
تنگ چشموں کے مقدر کا وہ بیشک پیچ ہے

یاں محبت میں جسے دیکھو سراسر فرد ہے
سچا ہم مشرب ہے وہ ہمراز ہے ہمدرد ہے
میرا نالہ سُن کے اسکے لب پہ آہِ سرد ہے
شکل محزوں دیکھکر چہرہ بھی اسکا زرد ہے

ایک ہی الفت ہے سب کو سب وفا کوشوں میں ہیں
ایک ہی میخانے کے ہم سب بلا نوشوں میں ہیں

بادۂ الفت کا بھی ہوتا ہے کیا سچا خمار
مرگ کی تر شی سے بھی ممکن نہیں جسکا اُتار
ہم نے مانا چار دن کی زیست کا کیا اعتبار
بعد مرنے کے ملیں گے پھر بھی ہم روز شمار

ہم جدا ہو جائیں لیکن دل جدا ہوتا نہیں
اس محبت کی بدولت ہائے کیا ہوتا نہیں

شرکت شادی میں اک جانب جو دہ تیار ہیں
دوسری جانب ہمارے غم میں بھی غمخوار ہیں
یہ بھی الفت حب صادق کے یہی آثار ہیں
ایک دوا پیتے ہیں گر تو غیر بھی دو چار ہیں

امتیاز دین و ملت کی ضرورت کون ہے
اس سے بڑھ کر وصل صادق کی ضرورت کون ہے

چندر موہن[51] کے ہے دل میں داغ الفت کا پڑا — پریم کا اوتار ہے بیشک کرشن[52] باوفا
ہے محبت سے بھری گرجا[53] کی بھی ہر ہر ادا — خلق سے ملتے ہیں جوتی[54] اور پتو[55] بھی سدا

بامروت دیکھئے ہے ہر طرح احمد حسین[56]
اور ننگو[57] کو بھی فرقت میں نہیں پڑتا ہے چین

ہے فدا عشاق ہر اک پر سدا پروانہ وار — کیا کہوں بانکے بہاری[58] کی محبت کی بہار
بھول کر آتا نہیں دلمیں لطافت[59] کے غبار — خوش نصیبی سے ملے ہیں کیسے کیسے غمگسار

سوز الفت دل میں ہے۔ غمخوار ابراہیم[60] ہے
آگ میں جل مرنے کو تیار ابراہیم ہے

جوش الفت نے ہوے ہیں سب کے سب شیر و شکر — اب جدائی کا نہیں باقی ہے دلمیں کچھ اثر
بزم میں بیٹھے ہیں سب اسطرح حلقہ باندھکر — منسلک ہوں جس طرح سے ایک رشتہ میں گہر

کچھ عجب محفل ہماری بزم شیخ و شاب ہے
مختلف پھولوں کا اک گلدستۂ نایاب ہے

کام باسط وہ کرو موقع ہو جس سے ناز کا — اپنے دل میں لطف پیدا کر لو سوز و ساز کا
بات کہدوں بھید کی۔ پردہ اٹھادوں راز کا — یاد رکھو یہ مقولہ شاعر شیراز کا

"حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام"

ماسٹر باسط علی باسط بسوانی

۵۱ بابو چندر موہن لال صاحب عرف راجہ ۵۲ پنڈت رام کرشن صاحب ماسٹر۔ ۵۳ بابو گرجا پرشاد صاحب عرف مسٹر متعلم بی۔ اے کلاس کرسچین کالج لکھنو۔ ۵۴ بابو جوتی سروپ صاحب متعلم بی۔ اے سی کلاس جمنا مشن الہ آباد۔ ۵۵ بابو اودھ بہاری لال صاحب عرف پتو ۵۶ مسٹر احمد حسین صاحب عرف چھمی ۵۷ بابو نرائن سروپ صاحب عرف ننگو۔ ۵۸ بابو بانکے بہاری لال صاحب عرف منشی ۵۹ مسٹر لطافت علی خاں صاحب عرف نتھون ۶۰ مسٹر محمد ابراہیم صاحب۔

عالی ظرفی کی ایک عجیب مثال

جس زمانے میں اسلام کا آفتاب عالمتاب اسپین کے طول وعرض کو اپنی تنویر سے منور کر رہا تھا اور عربوں کی زبردست حکومت اس سرزمین میں قائم تھی اُسی زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک اسپینی سے (جو عیسائی تھا) اور ایک نوعمر مسلمان عرب سے کسی بات پر لڑائی ہوگئی بیچارے عرب کے زخم کاری لگا اس لیے وہ جانبر نہ ہو سکا اور اُسی وقت جاں بحق تسلیم ہوگیا۔

اس قتل کی خبر بجلی کی طرح محلہ والوں اور شہر کے لوگوں میں پھیل گئی اور سب لوگ اپنے اپنے کاروبار چھوڑ کر قاتل کو قتل کرنے کے لیے بے تحاشا دوڑ پڑے قاتل بھاگا وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اپنے گھر پہنچ جائے مگر ہر ایک راستہ کی ناکا بندی کرلی گئی۔

قتل کا محل وقوع ایک باغیچہ تھا چاردیواری باغیچہ کی جانب چھوٹی تھی مگر دوسری جانب گہری تھی، اسپینی دوڑتے دوڑتے فصیل کے پاس پہنچا اور دوسری جانب کود پڑا۔ اتفاق کی بات کہ وہاں گھورا تھا اس نے گھبراہٹ میں اسی کو غنیمت سمجھا اور لیٹ کر اپنے کو کوڑے کرکٹ میں چھپا لیا۔ اسوقت اس کی عجیب حالت ہو رہی تھی وہ زور زور سے ہانپ رہا تھا، اسکے پیٹ میں سانس نہیں سماتی تھی، خوف کے مارے زبان خشک ہوا جاتا تھی حواس باختہ ہو رہے تھے اور اپنے کو اب بھی اس کی جگہ میں نہیں سمجھتا تھا۔ یہ اسی حیص بیص میں تھا کہ ادھر ایک بوڑھے عرب کا گذر ہوا جس کا مکان یہاں سے چند قدم کے فاصلہ پر تھا اور اپنی آن بان سے غیرمعمولی جوانمرد معلوم ہوتا تھا، قاتل کو اسوقت جو

دھن بندھی تو لپک کر اُس کے قدموں پر گر پڑا۔ عرب نے اس اچانک حرکت پر
متحیر ہو کر اُس سے پوچھا۔ کیوں کیا معاملہ ہے۔ کس لیے تم اپنے آپے سے گذرے گئے ہو؟
وہ بے اختیار چلانے لگا، امان! امان! اے پیر مرد امان! اس وقت مجھ سے
ایک گناہ سرزد ہو گیا ہے، لوگ مجھے ڈھونڈھتے پھرتے ہیں اگر انھوں نے مجھے
پالیا تو ضرور مار ڈالیں گے، اس واسطے آپ سے رحم کا خواستگار ہوں، امان دیجیے
عرب نے اُسے غور سے دیکھ کر کہا، گھبراؤ مت ڈرو۔ چونکہ تم اپنے بُرے فعل سے
پشیمان ہو کر مجھ سے التجا کرتے ہو اس لیے میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمھیں
چھپانے، اور تمھاری جان بچانے میں کسی ممکن کوشش سے دریغ نہ کروں گا
میرے گھر چلے چلو وہاں آرام سے رہو۔ قاتل نے شکریہ ادا کیا اور عرب کے
مکان میں آ کر چھپ رہا۔

آدھ گھنٹے کے بعد عرب کو خبر ہوئی کہ کسی اسپینی کے ہاتھ سے جو شخص
مارا گیا ہے وہ ہمارا ہی بیٹا ہے۔ یہ خبر بجلی کی طرح اُس کے ہوش حواس پر گری
اور تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ اُس کی جو ناگفتہ بہ حالت ہوئی اُسکا
اندازہ کرنا الفاظ کی رو سے ممکن نہیں۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ میرے بیٹے کا مار ڈالنے
والا یہی شخص ہے جس کو میں نے پناہ دی ہے، اس کا یہی اکلوتا بیٹا تھا جو
نور نظر لخت جگر، اور اُس کی [illegible] کا آخری سہارا تھا۔ تھوڑی دیر تک سکوت
اور حیرت کے عالم میں رہا۔ جیسے ہی انتقام کا جذبہ اسکے دل میں پیدا ہوا
لیکن اسکی عالی ظرفی، حمیت، مہمان نوازی اور راستبازی نے اجازت
نہیں دی کہ [illegible] اور اسی حالت میں
قاتل سے جا کر مخاطب ہوا [illegible] حرکت سے جو تم نے
ابھی میرے ساتھ کی ہے [illegible] نہیں رہا۔ اسواسطے کہ ایسے

ناگوار موقع پر تمام عہد و پیمان پس پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔ خیریت اسی میں ہے کہ یہاں سے بہت جلد چلے جاؤ۔" قاتل نے اس تسکین بخش گفتگو سے خوش ہو کر عرب کے قدموں پر سر رکھ دیا اور ہاتھ چومنے کی کوشش کی عرب نے ہاتھ جھٹک کر نہایت حقارت سے گھورا، اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے غصہ کے مارے کانپنے لگا، اور کہا ملعون، مردود، خبیث، اُن ناپاک ہاتھوں سے جن میں میرے لخت جگر کا گرم خون ابھی ٹھنڈا بھی نہیں ہوا ہے کس جسارت سے میرے ہاتھ چھوتا ہے، جا ہٹ جا۔ نابکار۔ میری خون فشاں آنکھیں تیری منحوس صورت دیکھنا نہیں چاہتیں۔ اسپینی اس غضبناک گفتگو سے سہم گیا خوف کے مارے اس کے جسم کا خون برف کی طرح جم گیا اور حسرت سے عرب کی صورت دیکھنے لگا اس کو یقین ہو گیا کہ میں نے اسی عرب کے لڑکے کو قتل کیا ہے۔ اس وقت یہ اپنی زندگی سے بالکل نا امید ہو کر موت کا انتظار کرنے لگا، بدن میں لرزہ ہاتھ پاؤں میں رعشہ پیدا ہو گیا وہ سمجھنے لگا کہ موت نے مجھے انتقام کے جال میں پھنسا دیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد عرب نے کہا "اے عیسائی اس گناہ کبیرہ نے جو تجھ سے ابھی سرزد ہوا ہے اگرچہ میرے قلب رنجیدہ کو جاودانی عذاب میں مبتلا کر دیا ہے، میری فطرت و طبیعت انتقام چاہتی ہے مگر میرا وجدان اور میرا ظرف مجھ کو بدلہ لینے سے باز رکھتا ہے جو عہد میں کر چکا ہوں اسے توڑنا نہیں چاہتا اور اس مقدمہ کو عدالت الٰہی کے سپرد کرتا ہوں جس نے دنیا والوں کی عیب پوشی کے لیے رات کی تاریکی کا پردہ موجود کیا ہے پیشتر اس کے کہ صبح نمودار ہو تو یہاں سے چلا جا۔"

چونکہ عرب کے نوجوان اپنے چہیتے لڑکے کے خون سے ... اونٹ بھی قاتل کی سواری کے واسطے دیا تاکہ وہ آرام سے اپنے گھر پہنچ جائے اس عالی ظرفی پر تو یہ ہے کہ عربوں کے سوا دنیا کی کسی قوم میں اس عالی ظرفی کی مثال نہیں مل سکتی فاعتبروا یا اولی الابصار۔

محمد اسمٰعیل۔ ہاتف

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ حرانی

(نام ونسب) تقی الدین ابو العباس احمد ابن شیخ شہاب الدین ابو المحاسن عبد الحلیم ابن شیخ مجد الدین ابو البرکات عبد السلام ابن شیخ ابو محمد عبد اللہ ابن شیخ ابو القاسم خضر ابن محمد ابن الخضر ابن علی ابن عبد اللہ ابن تیمیہ۔

ابن تیمیہ کی وجہ تسمیہ

ابن تیمیہ کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ انکے جد امجد محمد ابن خضر حج کرنے کے لیے گھر سے نکلے تو انھوں نے دروازہ تیما[1] پر ایک لڑکی کو دیکھا جو انھیں بہت پیاری معلوم ہوئی پھر جب وہ گھر لوٹے تو انھیں خبر ملی کہ انکے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے جس کو انھوں نے اے تیمیہ اے تیمیہ کہکر پکارا۔ بعض کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ کی دادی محمد کی ماں کا نام تیمیہ تھا اور وہ بڑی واعظہ تھی شیخ چونکہ بہت بڑے واعظ اور فصیح اللسان تھے لہذا اس مناسبت سے ابن تیمیہ کے لقب سے مشہور ہوئے میرے خیال میں یہی وجہ موجہ تھی اور میں اسی قول کو ترجیح دیتا ہوں۔

(ولادت) شیخ پیر کے دن دسویں تاریخ ربیع الاول ۶۶۱ھ[2] میں شہر حران میں پیدا ہوئے یہ وہ زمانہ تھا جب خدا کے غضب کی تلوار مسلمانوں پر کھنچ گئی تھی اور فتنۂ تاتار تمام عالم اسلام میں آسمانی قہر و غضب بن کر چھا گیا تھا تاتاریوں کی خصوصیت سفک دم اتنی عام تھی اور ان کے وحشیانہ مظالم کی خبریں اسقدر دور دور تک پھیل گئی تھیں کہ اس وقت ایشیا میں کوئی ایسا

[1] تیما مدینہ شریف سے آٹھ کوس دور ایک جگہ کا نام ہے۔ [2] الکوکب الدری۔

شہر [illegible] آبادی [illegible] زدہ اور زندگی سے بیزار نہو اور تاتاریوں کے
شہر میں آ [illegible] جانے کے لیے تیار نہ ہوگئی ہو۔ حران میں
جب [illegible] کی خبریں پہنچیں تو تمام آبادی میں کھلبلی پڑ گئی
حران [illegible] وطنی ہجرت کا مقدس مرحلہ ہر شخص کے
پیش نظر [illegible] تو دس برس تھا کہ ۶۶۷ھ میں انکے والد کو اپنے
اہل وعیال کے ساتھ [illegible] سے حران چھوڑنا پڑا اور شیخ اور انکے
بھائی اپنے پیارے وطن کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوے۔ یہ مختصر سا قبیلہ جو بڑی
بے سروسامانی میں گھر سے نکلا تھا تاتاریوں کے خوف سے رات کو چلتا تھا اور
دن بھر جنگلوں اور ویرانوں میں سر چھپاتا پھرتا تھا اسقدر جلد سفر کی تیاری
کرنا پڑی تھی کہ کسی سواری کا بھی انتظام نہو سکا تھا صرف شیخ کے خاندان
کا علمی خزانہ یعنی کتابیں بجاے رخت سفر ہمراہ تھیں اگرچہ اس سفر میں
دشمن سے بچنے اور اس علمی خزانہ کے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن احتیاط پر کافی
غور خوض کر لیا گیا تھا اور دشمن سے دور رہنے کے لیے ہر ایک مشہور رہگذر گاہ
اور عام سڑکیں چھوڑ دی گئی تھیں مگر پھر بھی خدا کی قدرت ایک مقام پر تاتاریوں
سے مڈبھیڑ ہو گئی اور [illegible] ظالموں کے پنجہ میں اسیر ہو جائیں لیکن خدا کا
فضل شامل حال [illegible] انھوں نے رب السموات سے فریاد کرنا اور
گڑگڑا کر دعائیں مانگنا شروع کیا ادھر تاتاریوں کو ان کی بے سروسامانی
دیکھکر رحم آگیا [illegible] سے بچ کر ۶۶۷ھ میں دمشق پہنچ گیا
دمشق میں [illegible] باطنی کی نشو و نما ایسے اعلے پیمانہ پر
ہوئی کہ [illegible] سے دیکھ لیا شیخ کا بچپن بھی محیر العقول
عجیب [illegible] ذکی اور فہیم تھے۔ ان کا ابتدائی درس

مطالعہ بھی مجتہدانہ انداز و خصوصیات اپنے اندر رکھتا تھا اُنھوں نے بہت تھوڑے زمانہ میں قرآن کو ختم کر لیا اور حدیث و فقہ و عربیت کے تو تُرو تفقہ اور حفظ و ذکر میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ ان علوم میں اُن کا پایہ متقدمین کے مرتبہ کو پہنچ گیا وہ اپنے تمام اقران اور اماثل پر سبقت لے گئے وہ اُدھر تو حدیث سُنتے تھے اور ادھر اُسکو یاد کر لیتے تھے اُنھوں نے اکثر کتابیں اپنے شیخ کے سوا مختلف مشائخین سے بھی سُنی تھیں[۱] چنانچہ انکے مشائخین کی تعداد دو سو سے زائد تھی سب سے پہلی کتاب جو اُنھوں نے حدیث میں حفظ کی وہ امام حمید مکی کی کتاب الجمع بین الصحیحین تھی شیخ نے حدیث کی بڑی کتابوں میں مسند امام احمد صحیح بخاری و صحیح مسلم ابن ماجہ دار قطنی نسائی کئی دفعہ سُنی بلکہ اُن کے علاوہ معجم طبرانی کبیر بھی اُن کی سُنی ہوئی تھی انھوں نے نہ صرف حدیث کو سُنا تھا بلکہ اُسکو لکھا اور پڑھا تھا وہ نحو میں کتاب سیبویہ پر کچھ دنوں غور کرتے رہے یہاں تک کہ اُنھوں نے نحو کے تمام مسائل پر عبور حاصل کر لیا اور وہ اس فن کے بھی امام نظر آنے لگے پھر وہ تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے تمام معاصرین سے آگے نکل گئے اسی طرح فقہ اور اصول فقہ میں اُن کا علم و فضل حد درجہ بڑھا ہوا تھا حالانکہ ابھی بیس برس بھی نہیں ہوئے تھے کہ اُس زمانہ کے علما اور فضلا ان کی جدت و جودت اور کمال ذکاوت دیکھکر حیران تھے اور اُن کی روانی طبیعت اور قوت حفظ اور سرعت ادراک کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا تھا - ابن قدامہ کہتا ہے کہ اُن کے کمال حافظہ کی خبر سُن کر حلب کے ایک شیخ دمشق آئے اور شہر میں پوچھنا شروع کیا کہ کوئی بچہ احمد ابن تیمیہ یہاں رہتا ہے کہ جسکے حافظہ کا شہرہ مجھے یہاں تک کھینچ لایا ہے اور اُسکے دیکھنے کے قصد سے اتنی منزلیں طے کر کے آیا ہوں کوئی مجھے اُسکا پتہ بتائے تاکہ میں اُسکو دیکھ سکوں

[۱] ابن قدامہ ترجمہ شیخ ابن تیمیہ -

ایک درزی نے اُنکو دیکھا اور اُنکی بات سن کر اُنھیں بتایا کہ یہی راستہ ابن تیمیہ کے کاتبوں کے مکان کا ہے اور وہ ابھی تک ادھر سے نہیں گذرا ہے آپ ایک آدھ گھنٹہ یہاں بیٹھیے وہ آپ کے سامنے ادھر سے نکلے گا یہیں آپ کی ملاقات ہو جاے گی شیخ درزی کی دوکان پر بیٹھے ابن تیمیہ کی راہ دیکھ رہے تھے کہ درزی نے پکارا وہ دیکھو وہ جو بڑی سی لوح لیے ہوے ہے یہی ابن تیمیہ ہے شیخ نے ابن تیمیہ کو آواز دی اور بڑھکر اُن سے ملے پھر اُنکے ہاتھ سے وہ لوح لے کر گیارہ یا تیرہ حدیثیں لکھدیں اور ابن تیمیہ سے کہا کہ پڑھو ابن تیمیہ نے شیخ کے لکھتے وقت جو ایک نظر اُن حدیثوں پر ڈالی تھی وہ اُنکے حفظ کرنے کے لیے کافی تھی چنانچہ وہ سب حدیثیں شیخ کو حفظ سنادیں پھر شیخ نے متعدد اسانید منتخبہ تحریر کیے اور ابن تیمیہ نے اُنھیں ایک نظر ڈال کر پہلے کی طرح حفظ سنادیے شیخ یہ دیکھکر بیساختہ پکار اُٹھا کہ اگر اس لڑکے نے عمر پائی تو ایک بڑی چیز ہوگا میں نے اسکے مثل کوئی نہیں دیکھا اور واقعی یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ مین نے اسکی شہرت سُنی تھی۔ (باقی آیندہ)

راغب جیلانی

ابرِ سفید

اے فلک تجھ سے ہیں اتنی دور ہم ۔۔۔ تو سنے کیونکر ہمارا درد و غم
آہ میں اب میری یہ طاقت کہاں ۔۔۔ سامنے تیرے کرے جا کر فغاں
مدتوں سے مے نہیں ساقی نہیں ۔۔۔ شیشہ و ساغر بھی اب باقی نہیں
تیرے قاصد اے فلک اب ہیں کہاں ۔۔۔ برق و باد و رعد یہ سب ہیں کہاں
عشق میکش کی گرہیں سب بے اثر ۔۔۔ روئے ساقی پر تو کرلے اک نظر
ہاتھ اُٹھائے شیخ ہیں بہر دعا ۔۔۔ برہمن ناقوس کو ہے پھونکتا
چپ کھڑا دہقاں ہے اپنے کھیت پر ۔۔۔ العطش چلاتے ہیں جن و بشر

تیری ہی جانب نگاہ دہر ہے
او ستم پرداز یہ کیا قہر ہے

ہاں وہ دیکھو آ گیا ابر سفید
شادمانی کی کوئی لے کر نوید

ٹکڑا ابر آ ذرا دل میں مرے
آگ دوزخ کی بجھا تسکین دے

راحت قلب و جگر آرام جاں
قوت نامیہ پیر و جواں

سیکڑوں کے سر پہ ہے رحمت تری
دل میں ساقی کے محبت ہے تری

نامیہ کچھ بھی نہیں تیرے بغیر
دست بے باک خزاں کو تجھ سے بیر

روح تو نے پھونک دی گلزار میں
جل تھل سی اک پڑ گئی اشجار میں

آج ہے باد بہاری کا مزاج
ہوا بھی تیز تر چلتی ہے آج

کان میں یہ کیا صبا نے کہہ دیا
غنچۂ گل کیوں کھلا کر ہنس پڑا

ہر شجر ہے باغ کا نخل امید
کوہ و صحرا میں بھی اب آئی ہے عید

رنگ میخانہ تو کچھ آج اور ہے
بدمستی کا نرالا طور ہے

بعد مدت کے ملی میکش کو مے
خم کے خم خالی ہوئے ہیں پے بہ پے

لڑکھڑاتے آ رہے ہیں شیخ جی
اے برہمن تھوڑی سی لے تو بھی پی

ہاں بتا دے یہ ذرا ابر سفید
بھر دیے ہیں تجھ میں کیا خالق نے بھید

جس نے دیکھا تجھ کو وہ بے بس ہوا
آج تو خوش ہر کس و ناکس ہوا

رونق عالم کا تو ہی قوام ہے
ہاں یہ دست فیض تیرا عام ہے

مال سے تو خانۂ دہقاں بھرے
موتیوں سے بھر دیے پایاں بھرے

کوہ و دشت و شہر پر تیرا کرم
باغ کے اشجار پر تیرا کرم

ذرۂ عنصر ہے تجھ سے بامراد
آب ہو آتش ہو یا خاک و باد

شرق سے تا غرب ہے رحمت تری
چار سوئے عالم میں شہرت ہے تری

کس کو دنیا میں نہیں تجھ سے امید
تو ہی بتلا دے ذرا ابر سفید

عاشقان زار پر بھی اک نگاہ
ہاں ذرا ابر کرم بہر الٰہ

جس کا تو ہے حکم اس کا واسطہ
ہاشمی پر بھی رہے دست [illegible]

چودھری رحیم علی الہاشمی

نشاط

(سلسلے کے لیے گذشتہ نمبر ملاحظہ ہو)

نشاط اُس مضمون کا ایک سلسلہ ہے جو پچھلے پرچہ میں بعنوان شباب شائع ہوا تھا چونکہ یہ مضمون اک ممتاز انگریزی انشا پرداز اسکر وائلڈ کی مشہور تصنیف "مرقع ڈورین گرے" سے ماخوذ ہے بلکہ ادہم کی تمام تر گفتگو بڑی حد تک ترجمہ ہے اور ڈورین گرے کا دوسرا نام "نشاط" رکھا گیا ہے اس لیے شباب کے بجائے نشاط زیادہ موزوں ہوگا۔

اس موقع پر ناظرین سے یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے۔ ممکن ہے کہ مضمون کے بعض فقرے خاص محاورات اُردو کی معیار پر پورے نہ اتریں۔ لیکن چونکہ مصنف کے اُن خیالات کو بجنسہٖ زبان اُردو میں ادا کرنا ہے جو کہ اُس نے کتاب مذکور کے لکھتے وقت مدنظر رکھے ہیں۔ لہٰذا وہ حضرات مجھے معذور رکھیں جو اُردو علم ادب کو ایشیائی طرز ادا تک محدود اور یورپین تخیل سے بے نیاز رکھنا چاہتے ہیں واقعی مخالفت سے عموماً اور اپنے ایک دوست محترم جن کی تنقید معاندانہ نے مجبوراً جواب دینے پر آمادہ کیا ان سے خصوصاً یہ التماس ہے کہ

حریف کاوش مژگاں خوں ریزش نہ ناہ
بدست آور رگِ جانے ونشتر را تماشا کن

ہم اپنے دوست کا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے لیکن ان کی خصوصیات سے ناظرین کو ناواقف رکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ ہمارے دوست کا نام مجموعۂ متناقضات ہے یعنی ایک طرف تو منت پذیر عظمت ہے اور دوسری طرف ثمرۂ کشش انکسار بھی جناب قاضی بھی ہیں اور حافظ بھی مولوی بھی ہیں اور وکیل بھی لیکن ان پر

یہ الزام ہرگز نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ منت کشِ فنِ ادب بھی ہیں - قاضی اس لیے کہ خاندانِ قضاۃ سے تعلق رکھتے ہیں - حافظ اس لیے کہ جان صاحب اور چرکین کے دیوان حفظ ہیں - مولوی اسلیے کہ داڑھی بہت لمبی ہے - وکیل اس لیے کہ مختلف اضلاع میں وکالت کر چکے ہیں -

ادہم - نشاط تم میری ملاقات سے یقیناً خوش ہو گے -

نشاط - بیشک - اسوقت تو ہوں لیکن کیا ہمیشہ رہوں گا -

ادہم - ہمیشہ ! یہ تو ایک خطرناک لفظ ہے - نہ محض خطرناک بلکہ مہمل بھی - میں اس لفظ کو سن کر لرز جاتا ہوں - عورتیں اسکو استعمال کرنے کی بیحد شائق ہیں - ہمیشگی کی تمنا میں ہر لطف کو برباد کر دیتی ہیں - جذبۂ دوامی اور تلون میں صرف یہ فرق ہے کہ تلون نسبتۃً کچھ زیادہ دیرپا ہے -

نشاط کی نظر اپنی تصویر پر پڑتی ہے - اسکو دیکھکر محوِ حیرت ہو جاتا ہے اور کہتا ہے -

نشاط - ارے - کیا یہ میری ہی تصویر ہے -

ہارون - ہاں یہ تمھاری ہی تصویر ہے - آج تمھاری طرزِ نشست میں کیا شانِ عظمت اور حسن آفرینی تھی میں تمھارا بیحد مشکور ہوں -

ادہم - یہ سب صرف میری وجہ سے - نشاط کیا یہ جھوٹ ہے -

نشاط کوئی جواب نہیں دیتا ہے اور تصویر کے سامنے خاموش کھڑا ہے - القا کے مانند اسکو اپنے حسن کا ایک نیا احساس ہوتا ہے - جو اس سے پہلے اسکو کبھی محسوس نہیں ہوا تھا ہارون کی تحسین و ستائش اسکی نظر میں محض دلکش دوستانہ مبالغہ معلوم ہوتی تھی - وہ ان کو سن چکا تھا ان پر مضحکہ کر چکا تھا اور بھول بھی گیا تھا - لیکن اسکی طبیعت ان سے متاثر نہیں ہوئی تھی - اسکے بعد ادہم کی نوبت آئی جس نے جوانی پر اک حیرت انگیز لکچر اور اسکے ماتم انگیز اختصار سے متنبہ کیا - اس لکچر نے البتہ اس پر اک عارضی اثر پیدا کیا تھا -

لیکن اب وہ خود اپنی رعنائیت کے عکس کے سامنے موجود ہے۔ ادہم کی تقریر اپنی اصلی حقیقت میں اسکے پیش نظر ہے۔ ہاں ایک دن وہ ضرور آئے گا جبکہ اسکے چہرہ پر جھریاں پڑجائیں گی۔ اسکی بصارت میں فرق آجائے گا۔ اسکی دلربائی کو سخت صدمہ پہنچے گا اسکے لبوں کی سُرخی اور بالوں کی سیاہی زائل ہوجائے گی۔ زندگی کے سال وماہ اسکے جسم کو برباد کردیں گے۔ وہ وحشتناک بدقوارہ اور بھدا ہوجائے گا"

یہ خیال آنا تھا کہ یہ معلوم ہوا کہ کسی نے اسکے قلب پر برف کی اک قاش رکھدی اس کی آنکھین پرنم ہوگئیں۔

ہارون۔ نشاط کی خموشی سے بیقرار ہوکر "کیا تم کو یہ تصویر پسند نہیں آئی۔

ادہم۔ پسند نہ آنے کی کیا وجہ۔ یہ تصویر زمانۂ حال کے فنون لطیفہ کی بہترین چیزوں میں سے ہے اسکے لیے جو تم مانگو میں دینے کے لیے تیار ہوں۔

ہارون۔ ادہم یہ میری ملک نہیں ہے۔

ادہم۔ پھر یہ کس کی ملک ہے۔

ہارون۔ نشاط کے سوا اور کس کی ہوسکتی ہے۔

ادہم۔ نشاط کیا ہی خوش قسمت ہے۔

نشاط۔ لیکن یہ کتنا حیرت انگیز واقعہ ہے کہ میں تو ضعیف۔ بدنما اور ہیبت ناک ہوجاؤنگا مگر یہ تصویر ہمیشہ جوان رہے گی۔ اس کی عمر جون کے اس خاص دن سے زیادہ کبھی نہوگی کاش کہ صورت حال اسکے برعکس ہوتی۔ کاش میں ہمیشہ جوان رہتا اور یہ تصویر ضعیف ہوتی جاتی اسکے واسطے مَیں [illegible] دوں گا۔ [illegible] دنیا میں ایسی کوئی شے نہیں جو مَیں اس پر قربان نہ کردوں گا۔ میں اسکے لیے اپنی جان تک دے دیدوں گا۔

ادہم۔ ہارون یہ انتظام شاید تم کو پسند نہ آئے کیونکہ اس سے تمھاری تصویر کا حُسن زائل ہوجائے گا۔

ہارون۔ اوہم میں تمہاری اس طرز تقریر کا سخت مخالف ہوں۔

نشاط پلٹ کر ہاروں کی طرف دیکھتا ہے اور کہتا ہے۔

نشاط۔ "مجھکو یقین ہے کہ تم اپنے آرٹسٹ کو اپنے دوستوں سے زیادہ عزیز رکھتے ہو میں تمہاری نظر میں پتھر کی تصویر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ بلکہ شاید اس سے بھی کم ہوں"

ہارون متحیر ہو کر نشاط کا منھ تکنے لگتا ہے۔

نشاط ایسی باتیں تو کبھی نہیں کرتا تھا۔ یہ طرز گفتگو اسکی طبیعت کے بالکل منافی تھا

نشاط۔ واقعہ یہ ہے کہ میں تمہارے نزدیک تمہاری Hermes اور Faun سے کم ہوں تم ان کو ہمیشہ عزیز رکھو گے لیکن مجھکو کب تک پسند کروگے۔ غالبا اُسی وقت تک جبتک میرے چہرہ پر پہلی شکن نہ پڑے گی۔ مجھکو اب معلوم ہوا کہ اچھی صورت کے ضائع کرنے کے بعد انسان دنیا کی ہر چیز کھو بیٹھتا ہے۔ تمہاری تصویر نے یہ مجھکو سکھایا ہے۔ اوہم بالکل سچ کہتا ہے جوانی ہی تو ایک چیز ہے جو اس عالم میں رکھنے کے قابل ہے

ہاروں زرد ہو گیا اور نشاط کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا "نشاط اس طرح کی باتیں مت کرو تمہارا جیسا دوست نہ آج تک مجھکو ملا ہے اور نہ آیندہ کسی کو ملے گا۔ تم کو مادی چیزوں پر رشک ہرگز نہ کرنا چاہیے۔ تم ان سب سے لطیف تر ہو"

نشاط۔ میں ہر اُس چیز پر رشک کرتا ہوں جس کا حُسن کبھی ضائع نہ ہوگا۔ میں اس تصویر پر رشک کرتا ہوں جو تم نے کھینچی ہے۔ ہر لمحہ جو گذرتا ہے مجھ سے کچھ نہ کچھ لے اور اسکو کچھ نہ کچھ دے جاتا ہے۔ کاش واقعہ اسکے برعکس ہوتا۔ کاش تصویر متغیر ہوتی رہتی اور میں ہمیشہ ایسا ہی رہتا جیسا کہ اس وقت ہوں۔ تم نے یہ تصویر کیوں کھینچی۔ ایک دن یہ مجھپر مضحکہ کرے گی اور مجھکو نظر حقارت سے دیکھے گی۔

اُسکی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ ہاتھ کھینچ کر قالین پر اپنے تئیں گرا دیا اور اس طور پر اپنا منھ تکیہ میں چھپا لیا گویا کہ وہ دعا مانگ رہا ہے۔

ہارون۔ نہایت غضبناکی کے ساتھ ۔ ادہم یہ سب تمھاری حرکت ہے۔

ادہم۔ متبسم ہو کر یہی تو اصلی اور حقیقی نشاط ہے

ہارون۔ ہرگز نہیں۔

ادہم۔ نہ ہی سہی۔ تو آخر میں نے کیا کیا۔

ہارون۔ میں اپنے دو دوستوں سے ایک وقت میں لڑ نہیں سکتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ تم دونوں نے مل کے میری بہترین صنعت کی طرف سے میرے دل میں نفرت پیدا کر دی۔ میں اسکو برباد کر دوں گا۔ یہ کیا ہے۔ صرف کاغذ اور رنگ کی آمیزش۔ میں محض اسکی وجہ تین زندگیوں کو ناخوشگوار نہ ہونے دوں گا۔

نشاط نے اپنا منہ تکیہ سے اٹھایا ہے اور یہ دیکھکر کہ مصور تصویر کو چاقو سے ہلاک کرنا چاہتا ہے چیخ اٹھتا ہے خبردار ہارون۔ خبردار یہ تو ایک قسم کا قتل ہوگا اور چاقو چھین کر کمرہ کے باہر پھینک دیتا ہے۔

ہارون۔ خیر یہ دیکھکر مجھکو خوشی ہوئی کہ آخرکار تم نے اس تصویر کی قدر کی مجھکو ہرگز خیال نہ تھا کہ تم اسکی قدر کرو گے۔

نشاط۔ قدر؟ میں تو اسکے لیے بہت محبت ہوں یہ تو میری ہستی کا اک جز ہے میں اسکو پورے طور پر محسوس کرتا ہوں

اب چار بجے کا وقت ہے۔ چاء آئی ہے۔ نشاط۔ ادہم اور ہارون باہم متکلم اور مصروف چاء نوشی ہیں

ادہم۔ آج شام کو تھیٹر کیوں نہ چلیں آج نہایت اچھا تماشا ہونے والا ہے میں نے آج طلعت سے اسکے ہاں کھانے کا وعدہ کیا ہے لیکن یہ وعدہ ایک قدیم دوست سے ہے میں اسکو تار دے سکتا ہوں کہ میں بیمار ہو گیا اس وجہ سے نہیں آ سکتا۔ یا یہ کہ تم سے وعدہ کرنے کے بعد میں دوسرے صاحب سے زبان ہار گیا میرے نزدیک یہ نہایت معقول اور شوخ عذر ہوگا۔ اس میں تمام تحریر صاف گوئی مضمر ہے

نشاط۔ میں آپ کے ساتھ تھیٹر چلنے کو تیار ہوں۔

ادہم۔ ہارون، پھر تم کو بھی چلنا پڑے گا۔

ہارون۔ میں نہیں جا سکتا۔ مجھکو اور بہت سے ضروری کام ہیں۔

ادہم۔ اچھا۔ چلو نشاط۔ ہم تم تنہا چلیں گے۔

ہارون لب دبا کر افسوس کے ساتھ یہ کہتا ہوا ہٹ گیا "میں اپنے حقیقی نشاط کے ساتھ رہوں گا جو مجھ سے کبھی خفا نہ ہوگا اور ہمیشہ وفادار رہے گا۔

ادہم۔ وفاداری۔ وفاداری۔ لوگوں نے وفاداری کے متعلق کیا شور مچا رکھا ہے۔ یہ تو محض جذبات کا اک مسئلہ ہے۔ اسکا کوئی تعلق ہماری قوت ارادی سے نہیں ہے اک نوجوان چاہتا ہے کہ وہ وفادار رہے لیکن نہیں ہو سکتا۔ اک بڈھا چاہتا ہے کہ وہ بیوفائی کرے لیکن نہیں کر سکتا بس یہ ہے اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ کہا جا سکتا ہے۔

نشاط۔ بہت دیر ہوگئی۔ اب میں جاتا ہوں۔ سلام علیک ہارون و ادہم۔

ادہم۔ میں بھی چلتا ہوں۔ تم میرے ساتھ چل سکتے ہو میری گاڑی باہر کھڑی ہے میں تم کو مکان پر اُتار دوں گا۔ نشاط یہ سہ پہر بھی کیا دلچسپ سہ پہر تھا۔

نشاط اور ادہم کے چلے جانے کے بعد ہارون سوفہ پر لیٹ گیا۔ اسکے چہرہ پر آثار ملال نمایاں تھے۔

ساڑھے آٹھ بجے رات کا وقت ہے مسز حامد کے یہاں دعوت ہے۔ نشاط ادہم مسز انور اور مولوی حجت اللہ زمرۂ مہمانان میں نمایاں نظر آتے ہیں کھانا ختم ہو چکا ہے۔ مسز حامد ادہم کو یوں مخاطب کرتی ہے۔

مسز حامد: ادہم تم نے میرے یتیم خانہ میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔

ادہم۔ میں ہر چیز سے ہمدردی کر سکتا ہوں بجز تکلیف کے۔ میں تکلیف سے ہرگز ہمدردی نہیں کر سکتا۔ وہ بہت ہی بدنما۔ بہت ناشائستہ اور تکلف ہے زمانۂ حال کی ہمدردی آلام میں عنصر صحت کی آمیزش نہیں۔ یہ ایک مریضانہ کیفیت دماغی ہے۔ اک شخص رنگ حسن اور مسرت زندگی سے ہمدردی کر سکتا ہے۔ مصائب حیات کا ذکر جتنا کم ہو اتنا ہی بہتر ہے۔

مسز انور۔ مسز حامد جب مجھ سے یتیم خانہ کے متعلق باتیں کرتی تھیں تو مجھکو شرمندہ ہونا پڑتا تھا کیونکہ مجھکو اسکے یتیم خانہ سے کوئی دلچسپی نہیں لیکن آج شام میں بغیر کسی انفعال کے باتیں کر سکتی ہوں۔

ادہم۔ مسز انور مجلس لطیف میں انفعال ہی تو اک موزون و دلاویز چیز ہے۔

مسز انور: ایام جوانی میں نہ کہ عالم ضعیفی میں۔ ادہم کیا تم مجھکو بتا سکتے ہو کہ دوبارہ

جوان ہونے کا راز کیا ہے۔

ادہم کچھ دیر تک سوچتا رہا اسکے بعد متبسم ہو کر پوچھا۔

"مسنر انور تم کو کچھ یاد ہے کہ تم نے اپنی عمر میں کبھی کوئی بہت بڑی غلطی کی ہو۔

مسنز انور۔ بہت سی۔

ادہم۔ پھر اُنکا ارتکاب کرو۔ شباب کو دوبارہ حاصل کرنا محض اپنی حماقتوں کا اعادہ کرنا ہے۔

مسنز انور۔ کیا مزے کی تھیوری ہے میں اس پر ضرور عمل کروں گی۔

مولوی حشمت اللہ۔ یہ ایک نہایت خطرناک نظریہ ہے۔

ادہم۔ مولوی صاحب واقعہ یہ ہے کہ یہ تھیوری زندگی کے اسرار عظیمہ میں سے ہے۔ آجکل لوگ ہوشیاری اور دانائی کے پیچھے جان دیے دیتے ہیں لیکن یہ عقل کہ جس چیز کا انسان کبھی افسوس نہیں کرتا وہ صرف اسکی گذشتہ حماقتیں ہیں اُن کو اس وقت آتی ہے جب کہ ان میں خود قابلیت ارتکاب باقی نہیں رہتی۔

میز کے گرد ایک قہقہہ کی آواز گونج گئی۔

ادہم اس خیال کے ساتھ کھیلتا ہے اور اس پر تکرار کرتا ہے۔ اسکو ہوا میں اُچھالتا ہے اور پھر ہاتھ میں لے کر اسکی برزخ کو بدل دیتا ہے۔ اسکو چھوڑ دیتا ہے اور پھر گرفتار کر لیتا ہے ذخائر تخئیل سے کام لیکر اس طائر خیال کے بازو میں شوخیوں کے پر لگا دیتا ہے۔ تحسین حماقت رفعت فلسفہ پر پہنچ جاتی ہے پیر فلسفہ خود ایکبار جوان ہو جاتا ہے اور طرب کے نغمۂ دلربا سے مسرور اور جامۂ رندی و خراباتی سے مبرہن ہو کر لباس تقشف کو نذر گل افشاں کر دیتا ہے۔ کبھی بکیش[۱] کے مانند البرز حیات پر رقصاں۔ کبھی فیثا غورث اور افلاطون کے دبدبا لبس پر طعنہ زن اور کبھی دیوی نغمہ سے حالت مستی میں یوں سرگرم خطاب ہوتا ہے کہ

چو در دست است رودے خوش بزن مطرب سرودے خوش * کہ دست افشاں غزل خوانیم و پاکوباں سر اندازیم

واقعیت اسکے سامنے سے بھاگ جاتی ہے کبھی دانائے خیام کی کرسی عظمت کا طواف کرتا اور اس کے پایۂ رنگین کو چومتا ہے اور کبھی قلزم عنب میں وفور مسرت سے غوطہ لگاتا ہے یہانتک کہ اُس کا چہرہ فروغ مے سے گلفشاں ہو جاتا ہے۔

یہ اک غیر معمولی بدیہہ آفرینی اور برجستہ خیالی تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ نشاط کی آنکھیں برابر اسی کی طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے ہیں اور یہ ادراک کہ سامعین میں ایک شخص ایسا ہے

[۱] شراب کی دیوی۔

جس کی طبیعت کو وہ مسخر کرنا چاہتا ہے اسکی ظرافت میں شوخی اور اسکے تخیل میں رنگ پیدا کرتا تھا۔ وہ غیر ذمہ دار۔ شوخ۔ اور فضاء تخیل میں طیراں تھا۔ وہ اپنے سامعین کو اپنی دلاویزی اور رنگیں بیانی سے خود فراموش کردیتا تھا سب اس کے نغمہ کو تبسم کناں سنتے تھے نشاط نے اپنی نگاہ اسکی طرف سے مطلق نہ ہٹائی بلکہ اک شخص مسحور کے مانند بیٹھا رہا اسکی آنکھوں میں تحیر پیدا اور لبوں پر تبسم پنہاں کے آثار آشکارا تھے۔

آخر کار رواقیت لباس عمر پہنے ہوئے ملازم کی شکل میں کمرہ کے اندر نمودار ہوئی اور مسز انور کو معلوم ہوا کہ اسکی گاڑی آگئی ہے۔

مسز انور دست افسوس مل کر اپنے شوہر کی ناوقت تکلیف دہی پر خشمگین ہوتی ہوئی رخصت ہوئی۔

مسٹر ادہم آپ تو نہایت مزہ دار آدمی ہیں کسی نہ کسی دن شام کو میرے یہاں دعوت کیوں نہ قبول کیجیے۔ اچھا منگل کی شب۔ منگل کو آپ کو فرصت ہے۔

ادہم۔ تمھارے لیے میں ہر شخص کو چھوڑ سکتا ہوں۔

مسز انور۔ خیال تو خوب ہے لیکن غلطی پر مبنی ہے اچھا تو اسکا خیال ضرور رکھیے گا۔ وعدہ فراموشی نہ ہونے پائے

مولوی حجت اللہ۔ جناب ادہم۔ آپ تو غضب کے آدمی ہیں کتاب کی کتاب بول جاتے ہیں اک کتاب لکھتے کیوں نہیں۔

ادہم۔ مجھکو کتابوں کے پڑھنے کا اسقدر شوق ہے کہ لکھنے کی پروا نہیں لیکن میں اک ناول ضرور لکھونگا ایسا خوشنما جیسے قالین ایرانی اور ایسا ہی حقیقی لیکن مجھکو کوئی ادبی پبلک نہیں ملتی۔

حجت اللہ۔ جناب ادہم آپ بالکل صحیح فرماتے ہیں مجھکو بھی ادبی تمنائیں تھیں بلکہ یوں کہیے کہ اقیانوس ادب میں شناوری اور غواصی کے ارادے تھے لیکن اسی خیال سے میں نے عرصہ ہوا ان کو ترک کردیا۔

ادہم ہنستا ہوا اٹھتا ہے اور پارک جانے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے۔ دروازہ سے باہر نکل رہا ہے کہ اتنے میں نشاط کا ہاتھ اس کے شانہ پر پڑتا ہے۔ میں بھی آپکے ساتھ چلونگا لیکن وعدہ کیجیے کہ آپ راستہ بھر مجھ سے باتیں کرتے ہوئے چلینگے۔ تم کیسی حیرت انگیز باتیں کرتے ہو کوئی نہیں کرتا

ادہم۔ متبسم ہو کر آج کے لیے میں کافی باتیں کرچکا۔ اب میں منظر حیات کو دیکھنا چاہتا ہوں تم بھی چلے چلو اور میرے ساتھ نظارہ حیات میں مصروف ہو۔

آرٹسٹ

اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(سلسلے کے لیے ماہ نومبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)

عنترہ کی کنیت ابو المغلس اور لقب فلحاء تھا اور دونوں میں اُسکی بدصورتی ملحوظ تھی سیاہ فام ہونے سے ابو المغلس کنیت پڑی اور حبشیوں کی طرح موٹے اور شگافتہ ہونٹوں کے باعث فلحاء لقب قرار پایا۔

بنی تغلب سے ایک کامیاب لڑائی لڑا تو شریح تغلبی نے اپنے ایک شعر میں اسکی بہادری کا اعتراف کرتے ہوے اس کا لقب ذکر کیا ہے۔

وعنترۃ الفلحاء جاء مُلأَّماً   کانہ فِنْدٌ من عَمایۃ اسودُ

یعنے عنترۃ الفلحاء نے زرہ پوش ہوکر جب میدان کارزار میں قدم رکھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جبل عمایہ کا ایک بہت بڑا کالا ٹکڑا سامنے آگیا۔

اسکی ماں زبیبہ نامی ایک حبشن کنیز تھی جسکو اس کے باپ نے کسی لڑائی میں حاصل کیا تھا۔ ماں کی طرف سے اس کے چند بھائی تھے اور سب غلام اپنے کلام میں ایک جگہ کہتا ہے۔

یقدمہٗ فتیً من آل عبس   اخوہ وامہ من نسل حام

گھوڑے کو بنی عبس کا وہ جوان بڑھا رہا ہے جس کی ماں اور بھائی حام ابن نوح کی نسل سے ہیں۔ چونکہ حبشی حام کی نسل سے تسلیم کیے گئے ہیں اسلیے عنترہ نے اپنے مادری نسب کو اس پیرایہ میں ظاہر کیا۔

ماں کی سیاہی نے بیٹے میں اثر کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ عنترہ بالکل حبشی بچہ معلوم ہوتا تھا اس لیے عرب والے اُس کو سیہ فامی پر طعنہ دیا کرتے تھے چنانچہ ایک موقع پر خود کہتا ہے۔

یعیبون لونی بالسواد جہالۃ — ولولا سواد اللیل ما طلع الفجر
وان کان لونی اسود افخصائلی — بیاض ومن کفی یستنزل القطر

لوگ اپنی جہالت سے میری سیاہ فامی کو بُرا سمجھتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اگر رات کی سیاہی نہ ہوتی تو کبھی صبح نمودار نہوتی اگرچہ میرا رنگ کالا ہے لیکن میرے خصائل نہ اچھے ہیں اور میرے ہاتھ داد و دہش میں لگے رہتے ہیں۔

ہمارے منچلے شاعر نے اپنے پہلے شعر میں تو بالکل شاعرانہ استدلال کیا ہے لیکن ہاں دوسرے شعر سے اپنے طعنہ زنوں کی زبانیں بند کردیں کیونکہ ہمیشہ خوش سیرتی بدصورتی کے عیوب کو نظرانداز کرادیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم بھی آج عرب کے ایک کالے کوّے کی بدصورتی سے قطع نظر کرکے اُس کے محاسن سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ عرب کے تین کالے کوّے مشہور ہیں۔ عنترہ۔ خفاف سلیک اور تینوں میں اُن کی مادری سیاہی نے اثر کیا۔

عرب کی کثرت طعنہ زنی سے مجبور ہوکر ایک جگہ اور کہتا ہے۔

لئن اک اسود افالمسک لونی — وما لسواد جلدی من دواء
ولکن تبعد الفحشاء منی — کبعد الارض من جو السماء

مانا کہ میں کالا ہوں لیکن کوئی ہرج نہیں کیونکہ مشک ایسی عمدہ چیز کا رنگ میرے رنگ کے موافق ہے اور اسکے میری اس سیاہ فامی کا کوئی علاج بھی نہیں لیکن ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ میری سیرت اسقدر اچھی ہے کہ بُری باتیں مجھسے اُسی قدر دور ہیں جتنا کہ زمین آسمان سے۔

یہاں بھی عنترہ کا طرز استدلال پہلا سا ہے لیکن اتنی زیادتی ہے کہ اپنی بدصورتی کے دفعیہ پر لاچاری کا اظہار بھی کررہا ہے ساتھ ہی اس کے دونوں جگہ اپنے حسن سیرت کے

غرور میں اپنی بدصورتی کے عیب کو قابل توجہ نہیں سمجھتا۔

اعراب جاہلیت کا دستور تھا کہ کنیز سے جو لڑکا پیدا ہوتا تھا اُسکو غلام بنالیتے تھے اگر شرافت و نجابت کے آثار اُس میں پائے تو اپنا لڑکا تسلیم کرکے آزاد کردیتے تھے ورنہ اُسی طرح غلام بنائے رکھتے تھے۔

عنترہ بھی اُن کی اس رسم کا شکار ہوا چنانچہ ابتداءً اُسکے باپ نے اُس سے انکار کیا اور محض اس وجہ سے اُس کو اپنا لڑکا نہیں ظاہر کیا کہ وہ لونڈی کے پیٹ سے تھا لیکن بعد کو وہ اپنی جوانمردی اور ہنرمندی سے خاندان عبس کا ایک رکن اور مایۂ فخر و ناز تسلیم کیا گیا۔

چنانچہ ابتداءً عنترہ اپنے باپ کے پاس غلاموں کی زندگی بسر کرتا تھا اور ایک زمانہ تک دوسرے غلاموں کے ساتھ اونٹ چراتا رہا۔ باوجودیکہ وہ اپنے اس کام کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا لیکن مجبور تھا کچھ نہ کرسکتا تھا آخر کار وہ زمانہ آیا کہ جس میں عنترہ بنی عبس میں ستارہ ہوکر چمکا۔

عرب کے بعض قبائل نے بنی عبس پر حملہ کردیا سیکڑوں مردوں کو قتل کیا اور صدہا عورتوں کو گرفتار کرلیا تمام مال و متاع لوٹ لیا۔ عبس والوں نے لاکھ کوشش کی لیکن دشمن پر غالب نہ آسکے۔ عنترہ الگ کھڑا یہ سب تماشا دیکھا کیا کیونکہ وہ بنی عبس میں شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ اتفاقاً عنترہ کا سامنا اُسکے باپ سے ہوگیا اُس نے عنترہ کو خطاب کرکے کہا کھڑا دیکھتا کیا ہے حملہ کر عنترہ نے جواب دیا میں غلام ہوں حملہ کرنا کیا جانوں میں تو اونٹنیوں کا دودھ دوہنا اور اُنکے تھنوں کا باندھنا خوب جانتا ہوں باپ نے کچھ گھبراہٹ میں اور کچھ اپنی غرض سے کہدیا کہ ارے حملہ کر تو آزاد ہے تجھکو غلام کون کہتا ہے۔ بس پھر کیا تھا عنترہ اپنے باپ سے یہ خوشخبری سُن کر ایسا مست ہوا کہ اُسکی شجاعت دونی ہوگئی حریف کے

خون نے رگ وپے میں دوڑنا شروع کیا اپنے قبیلہ کو جمع کرکے ایسا زبردست حملہ کیا کہ دشمن کے قدم اُکھڑ گئے۔ عنترہ نے تعاقب شروع کیا صدہا مردوں کو قتل کردیا اور بکثرت عورتوں کو قید کرلیا اپنا تمام مال ومتاع مع اموال غنیمت کے واپس لیا ایسی زبردست اور نمایاں فتح حاصل کی کہ اُسی وقت سے تمام عرب میں نام ہوگیا باپ نے جب دیکھا کہ ایک ہزیمت خوردہ اور منتشر فوج نے کہ جس کے دل ٹوٹ چکے تھے عنترہ کی ماتحتی میں ایسے کارہائے نمایاں کیے کہ جنگ کا رنگ بالکل بدل دیا کہاں وہ مدافعانہ کارروائی اور کہاں عنترہ کے جارحانہ حملے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ کہاں وہ پہلی شکست اور کہاں عنترہ کی فتح وظفر" تو اُسکے دل میں عنترہ کی وقعت ومحبت پیدا ہوئی اور اُس نے تمام قبیلہ کے روبرو نہایت فخر کے ساتھ اُسکے فرزند ہونے کا اقرار کیا اور اُسی وقت سے عنترہ نے خاندان عبس کے ایک رکن کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا شروع کی۔ بعض مورخین عنترہ کے خاندان عبس میں شریک ہونے کا واقعہ یوں لکھتے ہیں کہ بنی عبس نے قبیلہ طے کے لوگوں پر حملہ کرکے اُن کا مال واسباب اور جانور سب لوٹ لیے عنترہ بھی اس موقع پر بنی عبس کا شریک تھا۔ لوٹ مار کے بعد جب تقسیم کرنے بیٹھے تو سب نے مل کر عنترہ سے کہا کہ ہم تم کو اپنے حصوں کے برابر حصہ نہ دیں گے کیونکہ تم غلام ہو اس میں بات بڑھی اور نوبت تکرار تک پہنچ گئی۔ طے والوں نے موقع پاکر ان پر حملہ کردیا عنترہ یہ کہہ کر الگ ہوگیا کہ تم اُن سے تعداد میں کم نہیں ہو خود سمجھ لو میں کچھ نہیں جانتا طے والوں نے ان کو مار کر اپنے تمام اونٹ واپس لے لیے اور یہ عنترہ کے کم ہوجانے سے اُن کا کچھ نہ بنا سکے۔

عنترہ کے باپ نے جب یہ کیفیت دیکھی کہ سب کی کرائی محنت اکارت جاتی ہے تو چلا کر کہا اے عنترہ بڑھ کر دیکھتا کیا ہے حملہ کر اُس نے جواب دیا کہ میں غلام ہوں

لڑنا کیا جانوں۔ باپ نے کہا غلام کوئی اور ہوگا تو آزاد ہے حملہ کر۔
عنترہ نے یہ خوشخبری سُن کر نہایت بے جگری سے حملہ کیا اور پھر تمام اونٹ بنی طے سے چھین لیے۔ اب کیا تھا باپ اُسکے نسب کا اقرار کر چکا تھا اُسکو بھی سب کے برابر حصہ ملا اور اُسی وقت سے عنترہ خاندان عبس میں شریک کر لیا گیا۔
عنترہ کی اس ابتدائی غلامانہ بسر اوقات کے بعد اُسکی زندگی کا وہ روشن اور کامیاب حصہ شروع ہوتا ہے کہ جس میں بجز جنگ و جدال اور الفت و محبت کے کچھ نہیں نظر آتا چنانچہ اُسکا تمام کلام انھیں دو باتوں سے بھرا ہے اور وہ بھی اس طرح باہم مخلوط ہے کہ ایک کا دوسرے سے جدا کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔
اُسکے عاشقانہ جذبات اور جنگ و جدال کے مختلف حالات پر میں تنقید کلام کے وقت نظر ڈالونگا فی الحال دیگر دلچسپ واقعات اور اُسکے عشق کے اجمالی سلسلہ کو بیان کر کے اس نمبر کو ختم کرتا ہوں۔
عنترہ خاندان عبس میں داخل ہونے کے بعد اپنے چچا مالک کی بیٹی عبلہ پر عاشق ہوگیا اور اکثر اپنے کلام میں اُسکا تذکرہ کیا ہے بلکہ کوئی قصیدہ عبلہ کے ذکر سے خالی نہیں۔ مالک اپنی خوبصورت لڑکی کو اسکی بدصورتی کے باعث اسکے ساتھ بیاہنا نہیں چاہتا تھا۔ بہت ٹالا لڑکی کو ہمراہ لے کر مارا مارا پھرا لیکن عنترہ نے پیچھا نہ چھوڑا۔ عنترہ کے فراق کے زمانہ میں مختلف لوگ عبلہ پر عاشق ہوئے لیکن کوئی کامیاب نہوا اور آخر کار عبلہ عنترہ ہی کے عقد میں آئی۔
خود عبلہ عنترہ کو پسند نہیں کرتی تھی چنانچہ ایک جگہ کہتا ہے۔

وان عابت سوادی فھو فخری		لانی فارس من نسل حام

اگر وہ (عبلہ) میرے سیاہ فام ہونے کو معیوب سمجھتی ہے تو یہ میرے لیے باعث فخر ہے کیونکہ میں اولاد حام کا ایک شہسوار ہوں۔

دوسرے موقع پر اُس کی ناپسندیدگی اس طرح ظاہر کرتا ہے۔

ضحکت عبیلۃ اذا رأتنی عاریا خرق القمیص وساعدی مخدوش

میری پھٹی ہوئی قمیص اور زخمی کلائی کو ننگا دیکھکر عبلہ ہنس پڑی۔

عنترہ ظہور اسلام سے سات سال قبل نوّے برس کی عمر میں قتل کردیا گیا اور عبلہ بھی اُسکے بعد تھوڑے ہی زمانہ تک زندہ رہی۔

اغانی میں ابن عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے عنترہ کا یہ شعر پڑھا

ولقد ابیت علی الطوی واظلہ حتیٰ انال بہ کریم الماکل

یعنے میں نے کئی کئی راتیں اور دن اسی انتظار میں فاقہ سے گذار دیے ہیں کہ کریمانہ طور سے کچھ کھانے کو ملے تو کھاؤں۔

اور فرمایا کہ عنترہ کے علاوہ کسی اور اعرابی کا ذکر سُن کر مجھکو اُسکے دیکھنے کا شوق نہیں پیدا ہوا۔

اغانی میں مذکور ہے کہ عنترہ سے کسی نے پوچھا کیا تم تمام عرب میں سب سے زیادہ بہادر اور زبردست ہو اُس نے جواب دیا کہ نہیں! اُس شخص نے کہا کہ آخر پھر تم اسقدر مشہور کیوں ہو عنترہ نے جواب دیا کہ میں قاعدہ اور قرینہ سے لڑتا ہوں اگر پیش قدمی کا موقع دیکھتا ہوں تو آگے بڑھتا ہوں اور اگر دیکھتا ہوں کہ یہاں رکنا مناسب ہے تو رُک جاتا ہوں خواہ مخواہ آگے بڑھ کے ہلاکت میں نہیں پڑتا اور کسی ایسی جگہ نہیں جاتا کہ جہاں سے نکلنے کا راستہ پہلے ہی سے میں نے نہ دیکھ لیا ہو۔ بہادر اور بزدل میں بہت جلد تمیز کرلیتا ہوں۔ اور پہلے کمزور کو مار کے بہادر کے دل پر اپنا رعب جما لیتا ہوں پھر اُسکو بھی آسانی سے مار لیتا ہوں۔ (باقی آیندہ)

الیاس قریشی

حالتِ قوم

کچھ خبر ہے تمھیں اسلام کی حالت کیا ہے — کیسے اعمال ہیں افعال ہیں عادت کیا ہے
ہیں بڑے آپ زمانے کی شکایت کیا ہے — دل میں سوچو تو سہی قوم کی عزت کیا ہے
مست و مدہوش بدل شاد نظر آتے ہیں
میکدے آپ سے آباد نظر آتے ہیں

شوکت و حشمت و اجلال کی تابش ہی نہیں — عقل کیا خاک بڑھے علم کی خواہش ہی نہیں
زندہ اقوام میں اس قوم کی پرسش ہی نہیں — کوئی سنتا دلِ نالاں کی گذارش ہی نہیں
ایک بھی اپنے بزرگوں کی نہیں خو ہم میں
ہاں ابھی تک ہے امیری کی وہی لو ہم میں

گردشِ چرخِ ستمگر نے دکھایا نیرنگ — حوصلے پست ہوئے جوش نہ ہمت نہ اُمنگ
حسرت و یاس و تمنا نے کہ ہے دل تنگ — کوئی غمخوار ہے اپنا نہ کوئی ہم آہنگ
دن مصیبت کے بسر کرتے ہیں گمنامی میں
موت بھی پاس پھٹکتی نہیں ناکامی میں

باپ دادا کی کمائی ہوئی دولت کھو دی — صاحبِ حشمت و اجلال تھے ثروت کھو دی
سارے عالم میں حکومت تھی حکومت کھو دی — وہ فصاحت وہ بلاغت وہ فضیلت کھو دی
عدل و انصاف کی دنیا میں ترازو ہم تھے
کون حکمت میں ارسطو تھا ارسطو ہم تھے

اہلِ یونان کو تہذیب سکھائی ہم نے — ملک جاپان کو تادیب سکھائی ہم نے
رزم میں فوج کی ترتیب سکھائی ہم نے — بزم میں عیش کی ترکیب سکھائی ہم نے
اہلِ صنعت ہمیں اُستاد کہا کرتے تھے
فرسٹ یورپ کی نمائش میں رہا کرتے تھے

لے تہذیب و تمدن کی نشانی ہم تھے — منبعِ چشمۂ صد فیض رسانی ہم تھے

نظم میں نثر میں اعجاز بیانی ہم سے تھے　　　دہر میں اہلِ زباں اہلِ معانی ہم تھے
اب وہ پہلے کی نہیں ایک بھی عادت ہم میں
ہے شرافت نہ فضیلت نہ حمیت ہم میں

اہلِ اسلام کے آئے ہیں بُرے دن از حد　　　میل آپس میں نہیں پھیل گیا بغض و حسد
ہائے اپنوں سے بھی ہوتی نہیں اپنوں کی مدد　　　محسن الملک جہاں میں ہے نہ سید احمد
مر گئے قوم ترے ناز اُٹھانے والے
بیکسوں کے لیے آواز اُٹھانے والے

یوں تو بدلے ہیں زمانے نے ہزاروں فیشن　　　اپنی تقدیر کے پیچوں میں وہی ہے اُلجھن
سارے مفقود ہوئے اُنس و محبت کے چلن　　　بھائی سے بھائی کی تکرار عداوت ان بن
نام نیکی کا نہیں دل میں بدی آئی ہے
کیسی ادبار و نحوست کی صدی آئی ہے

نازنینوں کی ملاقات کے دلدادہ ہیں　　　جلوۂ بزمِ خرابات کے دلدادہ ہیں
رند بدمست ہیں برسات کے دلدادہ ہیں　　　ناچ کا شوق ہے ہر بات کے دلدادہ ہیں
رخنہ اندازیاں غمازیاں سب آتی ہیں
راستبازی کے سوا بازیاں سب آتی ہیں

چھا گیا قوم میں اندھیر سیہ کاری سے　　　حال برباد ہے افلاس سے ناداری سے
عقل چکر میں رہی روزہ کی میخواری سے　　　عشق بازوں کو نہیں چین دل افگاری سے
کیوں نہ پستی میں ہوں اقبال مسلمانوں کے
قابلِ شرم ہیں اعمال مسلمانوں کے

اور قوموں کو ترقی ہے تنزل ان کو　　　لا سکا راہ پہ قندھار نہ کابل ان کو
دیکھتا ہے نگہِ قہر سے ہر گل ان کو　　　چھیڑتے رہتے ہیں گلزار میں بلبل ان کو
عزت و حرمت و تعظیم کو کھو بیٹھے ہیں
جب سے قرآن کی تعلیم کو کھو بیٹھے ہیں

دل کے ارمان نکالے سے نکل بھی نہ سکے　　　اور قسمت کے نوشتہ کو بدل بھی نہ سکے

آنسوؤں کی طرح دامن میں مچل بھی نہ سکے — اپنے نظروں سے گرے ہم کہ سنبھل بھی نہ سکے

خاک سے اپنے یتیموں کو اٹھایا نہ گیا
تھپکیاں دے کے کلیجے سے لگایا نہ گیا

بجلیاں دل پہ گراتا ہے بلکنا ان کا — اپنے ماں باپ کی فرقت میں بھٹکنا انکا
دردمندوں کی طرف یاس سے تکنا ان کا — تھام کر دامن امید لٹکنا ان کا

ہائے کملائے ہوئے پھول سے چہرے انکے
گرد آلودہ ہوئے دھول سے چہرے انکے

قوم کی گود سے ہوتے ہیں جدا وائے نصیب — سرپرست ان کا کوئی ہے نہ معلم نہ ادیب
حیف کرتے ہیں گذر بھیک کے ٹکڑوں پہ غریب — کون امداد کرے کون سکھائے تہذیب

رحم کہتا ہے کلیجے سے لگا لو ان کو
دُرِّ نایاب ہیں دامن میں اٹھا لو ان کو

اپنے انجام پہ اب غور کرو غور کرو — کامرانی کا نئے سر سے کوئی طور کرو
کام اس وقت تمھیں چاہیے فی الفور کرو — ساری دنیا میں تجارت کے لیے دور کرو

گو سلطنت کی سی نہیں شان مسلمانوں میں
پھر بھی باقی ہے ابھی جان مسلمانوں میں

نوجوانوں میں اگر جوش حمیت آئے — قوم کے نام پہ ہر شخص کو غیرت آ جائے
علم کے نور سے اخلاق و محبت آئے — آپ گھر بیٹھے ہی اسلام کی دولت آئے

نیّر حشمت و اقبال چمکتا ہی رہے
اختر بخت زمانے میں دمکتا ہی رہے

اے خلیق جگر افگار دعا مانگ یہ آج — رحمتیں چھائی ہیں بدلا ہے زمانے کا مزاج
اہل اسلام کو حاصل ہو جہاں میں معراج — ساری قوموں کی بنے قوم ہماری سرتاج

نام و دولت کی ترقی ہو مسلمانوں میں
پھول اتفاق کے کھل جائیں مسلمانوں میں

خلیق دہلوی

غزلیات

(جناب سید محسن علی خاں صاحب آثر لکھنوی اڈیٹر معیار)

درد شکووں میں بس اب کیا دل ناشاد بھرے
نالہ وہ کھینچے ہوئے لب فریاد بھرے

امتحاں عشق میں اب صبر و رضا کا ہے ختم
حوصلہ نکلیں وہ سب جتنے ہوں بیداد بھرے

جب یہ ہو تنگ قفس جب ہو یہ روحانی قید
سانس پھر کیا کوئی بہ مرضیِ صیاد بھرے

کوئی قاتل سے یہ بسمل کی تمنا کہہ دے
اور دو ہاتھ وہی زور خدا داد بھرے

ہاں سر حشر ہوں صف بستہ ستمگر اک سمت
شکوہ سنج آتے ہیں اب دامنِ فریاد بھرے

داد خواہ آج بس اتنا ہوں میں اے مالک حشر
اک دم سرد ہی مجھ پر کوئی جلاد بھرے

تیر ہے تیر ہے اب تو کسی سائل کی صدا
اور کیا زور اثر اک دلِ ناشاد بھرے

کوہ و صحرا میں وہ سب لالہ پر داغ بنے
جتنے ذرات تھے خونِ سر فرہاد بھرے

دم تسلیم و رضا یوں ہو تقرب حاصل
دیکھکر مجھ کو ہر اک دل میں تری یاد بھرے

مٹ چلے مٹ چلے سب نقش و نگار ہستی
ہاں نئے رنگ پھر اب عالم ایجاد بھرے

رگِ سودا کی دھمک آثر ہے نشتر کے خلاف
نہ دم چارہ گری آج سے فصاد بھرے

(حضرت حسرت موہانی)

حائل تھی بیچ میں جو رضائی تمام شب
اس غم سے ہم کو نیند نہ آئی تمام شب

کی پاس سے ہوس نے لڑائی تمام شب
تم نے تو خوب راہ دکھائی تمام شب

پھر بھی تو ختم ہو نہ سکی آرزو کی بات
ہر چند ہم نے ان کو سنائی تمام شب

بیباک ملتے ہی جو ہوئے ہم تو شرم سے
آنکھ اس پری نے پھر نہ ملائی تمام شب

میں خوب جانتا ہوں کہ تم کس خیال سے — کرتے رہے عدو کی بڑائی تمام شب
پھر شام ہی سے کیوں وہ چلے تھے چھڑا کے ہاتھ — دُکھتی رہی جو اُن کی کلائی تمام شب

حسرت سے کچھ وہ آتے ہی ایسے خفا ہوئے
پھر ہو سکی نہ اُن سے صفائی تمام شب (بہ تقلید انداز جرات)

جناب خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی

ہمارا جذب اُنھیں کھینچ لائے گا گھر سے — یہ کب امید تھی بھولے ہوئے مقدر سے
شہید کون ہوا قتلگہ میں خنجر سے — لہو جو روتی ہے تلوار چشم جوہر سے
بلائے جاں ہے بخیلوں کے واسطے دولت — ہلاک ہو گیا قارون کثرتِ زر سے
وہ دو گھڑی جو عیادت کو میری آئے تھے — ابھی تک آتی ہے بوئے عروس بستر سے
مٹے نہ سوزشِ دل آہ سرد سے یارب — یہ شمع بزم نہ ٹھنڈی ہو بادِ صرصر سے
غم فراق سے کیوں دل نہ ٹکڑے ٹکڑے ہو — کہ چور چور ہو شیشہ لڑے جو پتھر سے
جگر میں زخم کوئی پڑ گیا نیا شاید — لہو ٹپکتا ہے ہر وقت دیدۂ تر سے

جواب نامہ بھی بھیجا نہ یار نے عشرت
بہت خجل میں ہوا اپنے قلب مضطر سے

حضرت راغب بدایونی

عیش آزادی کے منظر کی ہوس کب تک کریں — اے اجل فریاد پابندِ قفس کب تک کریں
کھل گیا اُن شوخ نظروں کا تبسم کھل گیا — زخم پنہاں کا رفو تارِ نفس کب تک کریں
باغ میں صیاد آیا تھا تو سمجھے میہماں — اب گلہ قسمت کا مہمانِ قفس کب تک کریں
دامنِ جاں اور اُس میں آتشِ یاقوتِ دل — زخم اے دردِ دل ضبطِ نفس کب تک کریں
ہر نظر ہے بے پروبالی میں اپنا مرثیہ — دیکھنا ہے وادیِ کنجِ قفس کب تک کریں
ہر خزاں ہے دست حسرت ہر نفس ہے سینہ کوب — ماتمِ دل اس طرح اے ہم نفس کب تک کریں

عمر گذری سوزِ غم سے شمعِ دل ہے شعلہ ریز
راغب اُن کی بزمِ عشرت کی ہوس کب تک کریں

جناب حامد اللہ صاحب افسر میرٹھی

شبِ غم آنکھ لگ جاتی تو پھر دیدار ہو جاتا
وہ آتے خواب میں طالع مرا بیدار ہو جاتا

اگر ہم سے مقدس آج ہیں بادہ خواریاں کرتے
تو جائے ذکرِ حق خانہ خمار ہو جاتا

نہ رکھتا میں اگر اپنے دل و دیدہ میں پوشیدہ
تو عالم محوِ دیدارِ جمالِ یار ہو جاتا

نقاب اُٹھتی تو مستی آنکھوں سے لاکھوں لُوٹ لیتا
وہ اک عالم کو غافل کر کے خود ہشیار ہو جاتا

مصیبت ہی اُٹھانی تھی تو مر کر کیوں اُٹھانی تھی
نہ ہوتا عشق چاہے اور کچھ آزار ہو جاتا

اب آخر اس سے کیا سمجھوں کہ دیکھا جائے گا دیکھو
یہ بے چینی ہی کیوں ہوتی اگر انکار ہو جاتا

نظر تجھ پر اگر دیوانۂ وحشت جنوں کرتے
تو پھر آباد تو اے دامنِ کہسار ہو جاتا

میں اک لذت شناس بیخودی عشق ہوں ورنہ
یہ ایسی بات ہی کیا تھی کہ میں ہشیار ہو جاتا

جو گرتا بھی تو بن کر آسمانِ حسن کا تارا
اگر اے اشک تو عرقِ جبینِ یار ہو جاتا

وہ شاید آ ہی جاتے پرسشِ حالِ دلِ جاں کو
کچھ ایسی مجھ پہ آ بنتی کہ میں بیمار ہو جاتا

اگر موقع تری طاعت کا دیتی گنہگاری
تو بخشش کا سہارا اے مرے غفار ہو جاتا

اب آنکھوں میں سمانے سے میں چونکہ دیکھ لوں تم کو
جو پردوں سے نکل آتے تو پھر دیدار ہو جاتا

نہ ہوتی میرے قاتل کی نظر میں یہ اگر افسر
تو پھر میں اپنی جانِ زار سے بیزار ہو جاتا

جناب مرزا محمد وصی علی خاں صاحب وصت لکھنوی

آسماں ٹھہر گیا رنگ جہاں کا ٹھہرا
وائے نا مطمئنی دل نہ ہمارا ٹھہرا

اللہ اللہ وہ بیتابیِ دل بعدِ فنا
ایک جا بھی نہ مری خاک کا ذرّا ٹھہرا

پرسشِ عشق کی تشریح شہادت نے جو کی
رگِ جاں میں نہ کوئی خون کا قطرا ٹھہرا

شعلۂ حسن ہوا باعث توہین حجاب — جذب کامل ہوا جس وقت نہ پردا ٹھہرا
قطع ہرگز نہ ہوا سلسلۂ بیتابی — دل جو ٹھہرا تو نہ پہلو میں کلیجا ٹھہرا
طور پر لے گئی تھی دل کی کشش اے موسیٰ — کیجیے تو حسن محبت میں بھلا کیا ٹھہرا
میرا ارادہ کے تڑپنا وہ الٰہی توبہ — چشم ہر ذرۂ مشہد کو تماشا ٹھہرا
اثر عشق نے کی ضعف میں راحت طلبی — رگ ہر سنگ میں خون سر سودا ٹھہرا
ہائے تحریک محبت کا بُرا ہو یا رب — کم ہوا درد مگر دل نہ ہمارا ٹھہرا
کس سے ناکامی قسمت کی شکایت کیجیے — غرق دریا ہوا جب میرا سفینا ٹھہرا

درد میں ہو گئی گو سعی سے تخفیف اے وصف
وائے نا مطمئنی دل نہ ہمارا ٹھہرا

جناب کشوری لال صاحب قمر لکھنوی ایڈیٹر انوار قمر

کرکے زخمی دل جگر آخر پشیماں ہو گئیں — خود وہ نظریں چشم کے گوشہ میں پنہاں ہو گئیں
حال کی میرے رعایت کی تری زلفوں نے بھی — دیکھ کر میری پریشانی پریشاں ہو گئیں
قتل عاشق کے لیے لائے تھے جنکو کام میں — بیٹھ کر دل میں وہی نظریں رگ جاں ہو گئیں
جن کے سودے نے پریشاں ہمکو رکھا تا بہ زیست — آج ماتم میں وہی زلفیں پریشاں ہو گئیں
وہ لٹیں بکھری ہوئی شانوں پہ زلف یار کی — وہ بھی میری پریشانی کا ساماں ہو گئیں
مدتوں بزم حسیناں میں مرا ماتم رہا — سیکڑوں زلفیں مرے غم میں پریشاں ہو گئیں
وہ ادائیں دلستاں تیری وہ مستانہ روش — بس یہی آخر میری بربادی کا ساماں ہو گئیں
بدلیاں برسات کی تھیں کیا یہ دل کی حسرتیں — مجتمع دم میں ہوئیں دم میں پریشاں ہو گئیں
مرحبا اے عشق تیرے دم کی ہے یہ روشنی — جلتے جلتے ہڈیاں تک شمع سوزاں ہو گئیں
بن گیا دست زلیخا دست گستاخ نسیم — گُل کی کلیاں حضرت یوسف کا داماں ہو گئیں

روتے ہو معمورۂ دل کے لیے کیا اے قمر
سیکڑوں آبادیاں ہوں گی جو ویراں ہو گئیں

ایک نظر

اُردو کانفرنس "انجمن ترقی اُردو" محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اسوقت تک ایک شعبہ تھا اور اب بھی ہے مگر ملک کے بیشتر حامیان اُردو کو کانفرنس مذکور کی طرف سے ایک عرصہ سے یہ شکایت پیدا ہوگئی تھی کہ وہ اپنے اس شعبہ کے ساتھ بہت سرد مہری کا برتاؤ کر لی ہے جس کے ثبوت میں "انجمن ترقی اُردو کے لیے رقم مقررہ (مبلغ دو سو روپیہ سالانہ) کا کانفرنس کے دفتر سے وصول ہونا اسکو" سالانہ اجلاس تک میں بہت کم وقت دیا جانا" اور اس کے علاوہ کانفرنس کی طرف سے ترقی اُردو، تحفظ اُردو۔ اور توسیع اُردو کے لیے کسی خاص کوشش کا نہ کیا جانا وغیرہ باتیں پیش کی جاتی ہیں۔ جن کے صحیح ہونے میں بہت کم شبہ کیا جا سکتا ہے ان امور کو مدنظر رکھکر اور ان کے علاوہ اس خیال کو پیش نظر رکھتے ہوے کہ اُردو جیسی ہندوستان کی مشترکہ زبان کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک شعبہ قرار دینے کے یہ معنی ہیں کہ یا تو ہندو حضرات کو ترقی اُردو سے علیحدہ رکھا جائے یا انھیں ترقی اُردو کے لیے کسی دوسری انجمن بنانے کا موقع دیا جائے یہ مناسب معلوم ہوا کہ اُردو کی ایک جداگانہ انجمن قائم کی جائے یہ عرض کرنا غالباً برادران وطن کے ناگوار نہ ہوگا کہ انجمن ترقی اردو کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک شعبہ بنانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بجاے اسکے کہ ہندو حضرات اُردو زبان کو اپنا حق جانتے اور اسے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس سے علیحدہ کراکے "مذ اُردو کانفرنس" کے آزادانہ قیام پر زور دیتے اُنھوں نے قریب قریب اُردو کو چھوڑ دیا۔ اور مادر ہند کی اس ہر دلعزیز بیٹی کو صرف مسلمانوں کی ملک گردان لیا برادران وطن کا یہ رویہ اُن کے اس احساس وطن پرستی پر ضرور حرف لاتا ہے جس کے ماتحت اُن پر ہندوستان کی بہترین پیداوار (اُردو) کی خدمت لازم آتی تھی۔ ان حضرات میں سے ایک حصہ اُردو کو اپنی مادری زبان ماننے سے بھی منحرف ہونے لگا اور بجاے اُس کی حمایت کے اُس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا۔

ان وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوے حضرات لکھنؤ نے "ایک آزاد اُردو کانفرنس" قائم کرنے کا خیال کیا اور اُس کا ایک جلسہ تعطیلات دسمبر میں لکھنؤ میں منعقد کرنا قرار دیا۔ اس کانفرنس میں مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو نے شریک ہونا منظور کر لیا ہے جن کی ذات چند سال سے انجمن ترقی اُردو کے قائم رہنے اور کچھ نہ کچھ ترقی کرتے رہنے کا باعث ہوئی ہے اس کانفرنس سے متعلق دو جلسے منعقد ہو چکے ہیں جس میں سے پہلا باشندگان لکھنؤ کا ایک عام جلسہ ۱۲ نومبر کو قیصر باغ بارہ دری میں منعقد ہوا

اس جلسہ میں استقبالیہ کمیٹی کے اراکین مقرر کیے جانے کے علاوہ حسب ذیل اصحاب مجلس استقبالیہ کے عہدہ دار منتخب کیے گئے۔

صدر ۔ جناب نواب ذوالقدر جنگ بہادر ایم اے بیرسٹرایٹ لا سابق جج ہائی کورٹ حیدرآباد دکن۔

نائبین صدر۔ آنریبل راے بہادر منشی پراگ نرائن صاحب مالک نولکشور پریس۔ جناب سید التفات رسول صاحب ہاشمی تعلقدار سندیلہ۔ جناب نواب سلطان علی خاں صاحب عرف باسو صاحب رئیس لکھنؤ۔ جناب نواب آغا محمد شفیع خاں صاحب رئیس لکھنؤ جناب پنڈت منوہر لال زتشی صاحب ایم اے ہیڈ ماسٹر جوبلی ہائی اسکول لکھنؤ۔ جناب مولانا سید کرامت حسین صاحب سابق جج ہائی کورٹ الہ آباد جناب پروفیسر مرزا محمد ہادی صاحب رسوا بی اے۔ جناب مولوی نظام الدین حسن صاحب ایم اے بی ایل پنشنر ڈپٹی کمشنر جناب مولانا سید علی نقی صاحب صفی۔ جناب مولوی سید سلیمان صاحب ندوی۔

معتمدین جناب پنڈت برج نرائن صاحب چکبست بی اے۔ جناب ڈاکٹر ناظر الدین حسن صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی۔ جناب مولانا عبد الحلیم صاحب شرر۔

مددگاران معتمد۔ مسٹر عبد الولی بی اے۔ مسٹر عباس حسین تاری ایڈیٹر تمدن۔ مولوی صبغت اللہ شہید ایڈیٹر النظامیہ۔ ظفر الملک علوی ایڈیٹر الناظر۔ مولوی اکرام اللہ خاں ندوی ایڈیٹر الندوہ۔

( ) طے پایا کہ بیس ارکان کی ایک ایگزیکٹو کمیٹی (کارکن مجلس) تمام انتظامی امور کے انصرام کے لیے مقرر ہو سب عہدہ داران مندرجہ بالا بھی کارکن مجلس میں شامل رہیں گے۔ چنانچہ اصحاب ذیل اسی وقت رکن منتخب ہوے۔

(۱) پنڈت کشن پرشاد صاحب کول ایڈیٹر ہندوستانی و رکن انجمن خدام ہند (سرونٹ آف انڈیا سوسائٹی)

(۲) سید سجاد حیدر صاحب بی اے پرائیوٹ سکرٹری راجہ صاحب محمود آباد۔

(۳) مسٹر عبد الماجد بی اے۔

(۴) سید جالب صاحب ایڈیٹر ہمدم۔

(۵) منشی ممتاز حسین صاحب ایڈیٹر اودھ پنچ۔

(۶) منشی سخاوت علی صاحب وائس چیرمین میونسپل بورڈ لکھنؤ۔

(۷) راجہ غلام حسین صاحب۔ سب ایڈیٹر آئی ڈی ٹی۔

( ) طے پایا کہ مجلس استقبالیہ کے کارکن معتمد ظفر الملک صاحب علوی ایڈیٹر الناظر مقرر ہوں۔

( ) طے پایا کہ انعقاد جلسہ کی تاریخ اور جگہ کا تعین کارکن مجلس کی رائے پر چھوڑا جائے جس کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

دوسرا جلسہ استقبالیہ کمیٹی کا تھا جو ۲۰ - نومبر کو منعقد ہوا جس میں جناب نواب نصیر حسین صاحب خیال (پٹنہ) کو صدارت کے لیے منتخب کیا گیا جو حضرات اردو سے دلچسپی لیتے ہیں اُن سے توقع کیجاتی ہے کہ وہ اس کانفرنس کو ہر پہلو سے کامیاب بنانے کی کوشش فرمائیں گے۔

اردو پریس کانفرنس | لکھنو کے بعض اُردو اخبار نویس امسال اجتماع دسمبر کے موقع پر ہندوستان کے اردو اخبار نویسوں کو ایک کانفرنس کی صورت میں جمع کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں "اردو پریس کانفرنس" کے قیام کی تحریک سے کلی اتفاق ہے۔ اپنے ہمعصروں سے توقع ہے کہ وہ "اردو پریس کانفرنس" کی ضرورت کا احساس کرتے ہوے اس کانفرنس کا خیر مقدم کریں۔

گفتار بیخود | یعنی وحید العصر حضرت منشی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی جانشین حضرت داغ دہلوی کا پہلا دیوان ہمارے پاس ریویو کے لیے آیا ہے۔ حضرت بیخود دہلی کے ممتاز ترین شعرا میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اور آپ کا کلام دہلی کی زبان کا بہترین نمونہ کہا جاسکتا ہے۔ یوں تو آپ داغ کے جانشین ہیں مگر آپ کے کلام میں دیگر اساتذۂ فن کے کلام کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ ہم اپنے ناظرین کے لیے آپ کے دیوان ، شاعری کا ایک عمدہ مجموعہ بتاتے ہوے اپنے ریویو کو حضرت ثاقب قزلباش لکھنوی کے اس شعر پر ختم کرتے ہیں جو حضرت بیخود کے دیوان کی تاریخوں میں شائع ہوا ہے۔

کیا نہیں سب کچھ ہے اس میں نکتہ رس دل کے لیے
سادگی۔ بیساختہ پن۔ روزمرہ۔ بول چال

یہ شعر جناب بیخود کے دیوان کے متعلق مبالغہ سے بالکل پاک ہے بلکہ اس کے اوصاف اس سے بھی کچھ زیادہ ہیں۔ یہ دیوان (گفتار بیخود) حضرت مصنف کے پتہ پر مٹیا محل دہلی سے ۱۲ میں مل سکتا ہے۔

انگلش ٹیچر | ٹنڈن برادرز کے انگلش ٹیچر کے ریویو میں جو نومبر کے تمدن میں شائع ہوا تھا پتہ میں بجاے آگرہ کے لاہور شائع ہوگیا ہے۔ صحیح پتہ ٹنڈن برادرز آگرہ ہے۔

اب بھی جو مریض مبتلائے مرض رہیں تو ان کو بجز بد قسمت اور کیا کہنا چاہئے

اکسیر حیات شفید للعرہ جو کل امراض پر بموجب بدقہ استعمال کرنے سے اثر کیمیائی کیا بلکہ شل بجلی اندر تین یوم کے مرض چہارم حصہ بھی نہیں رہتا ہے۔ آزمائش شرط ہے کیونکہ اس میں جز دیسی نباتات کا ہے جو عموماً گنگا۔ زبدا کنارے ملتی ہے۔ فواید کے مقابل قیمت کچھ بھی نہیں رکھی گئی ہے مختصر ذکر دیا بقولے کہ "مشتے نمونہ از خروارے" مفصل کے لئے ہمارا نرخ نامہ جس میں صدہا ادویات [illegible] ہیں چھپے ترکیب طلب کر کے ملاحظہ کریں۔ مصفے۔ مولد خون۔ مہبی۔ مشتہی۔ مقوی اعضائے رئیسہ۔ مجلی بصارت۔ دافع امراض نامبارک۔ آتشک۔ سوزاک۔ خرابی خون۔ داد خارش۔ پھوڑا پھنسی۔ برص۔ [illegible] سستی و کاہلی۔ [illegible] بدن۔ کمر [illegible] محلل۔ اورام بدن۔ [illegible] اوجاع مفاصل۔ جریان۔ سرعت انزال احتلام۔ بخار۔ کھانسی۔ دمہ۔ ہیضہ۔ طاعون۔ آشوب چشم۔ ڈھلکا۔ جالا۔ دھند۔ خارش۔ سرخی چشم۔ لکنت۔ گونگا۔ امراض معدہ۔ [illegible] بواسیر۔ [illegible] اطفال۔ قاطع سیلان رحم۔ احتباس انفاس وغیرہ۔ اکسیر حیات [illegible] خوراک [illegible] قیمت

المشتہر

احقر العباد چودھری [illegible] پرشاد بلگرامی شہر لکھنؤ۔ گنگا پرشاد روڈ۔ کوٹھی لال [illegible]

قابل دید کتب

خاص رعایت

ناولہائے قاری۔ قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) کے اخلاقی ناول حسید سعادت، شاہد رعنا جو دو بار چھپ کر قدر دانوں کے ہاتھوں میں پہونچ چکے ہیں اب ایک مجموعے کی صورت میں چھپوائے گئے ہیں۔ ۴۰۰ صفحہ کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور جسمیں مصنف کی ایک تصویر بھی ہے قیمت عہ

اسلام یا نیچر قاری۔ قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) سیاح جاپان و انگلستان کے انگریزی زبان میں متصوفانہ مضامین کا مجموعہ یہ مضامین بڑی قدر کے ساتھ امریکہ کے مشہور رسالوں میں چھپے تھے اب دوبارہ چھپوا کر نہایت خوبصورت جلد میں ہدیہ شائقین کئے جاتے ہیں قیمت میں بھی تخفیف کردی گئی ہے اور اب تا اطلاع ثانی اسکی قیمت مع محصولڈاک ۱۲ اسر ہے

کتب ذیل کی قیمت میں انتہائی تخفیف کر دیگئی ہے اور ان میں سے بیشتر کسی دوسری جگہ سے اس قیمت پر دستیاب نہیں ہوسکتیں

آویس روضۂ اکبری کا ایک خاص واقعہ ناول کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے نہایت دردناک و پر تاثیر قصہ ہے قیمت ۸ر

اتوپیا اس ناول میں سر ٹامس مور نے ایک خیالی ملک قوم کے نظم و نسق کا بیان کر کے اہل انگلستان کو بیدار کرنا چاہا ہے قیمت ۱۲ر

ناول

نعمائے سعیہ یعنی تربیت اولاد کا ایک دلچسپ قصہ ترجمہ سلوتی ... جلد ... صفحات ۵ ... قیمت رعایتی ۸ر

تماشاگاہ عالم۔ ہندوستانی زندگی کا ایک نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز افسانہ مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب اصل قیمت عہ رعایتی ۱۲ر صفحات ۲۰۸

نیرنگئی دہر مجیدہ بیگم کے مصائب و وفاداری کی داستان شریف النفس کی خوفناک کج ادائیوں کا انجام مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب اصل قیمت ۸ر رعایتی ۴ر صفحات ۱۳۲

تاریخ

علمائے سلف مولانا محمد حبیب الرحمن خانصاحب شیروانی رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈہ کی مشہور تصنیف جسمیں علمائے اسلام کے حالات درج ہیں اصل قیمت ایکروپیہ عہ رعایتی آٹھ آنہ (۸ر)

قدیم ہندوستان کی تہذیب مشہور فاضل مسٹر آر سی دت کی بیشل تاریخ سویلائزیشن آف اینشنٹ انڈیا کا اردو ترجمہ رعایتی قیمت عہ

تذکرۂ امیر امیر عبدالرحمن خان صاحب مرحوم کی سوانحعمری مصنفہ منشی محبوب عالم صاحب اصل قیمت عہ رعایتی ۱۰ر

سفرنامہ یورپ و بلاد اسلامیہ منشی محبوب عالم صاحب روم و شام و مصر ایڈیٹر پیسہ اخبار کا مشہور سفرنامہ اصل قیمت للعہ رعایتی للعہ صفحات ۹۰۰

تاریخ اودہ۔ نواب برہان الملک سعادت خان کے عہد سے ابد شاہ کی معزولی تک کے مفصل حالات درج ہیں یہ مستند و نایاب کتاب تواریخ سے مرتب کیگئی ہے اسکے مولف ...

نجم الغنی صاحب رامپوری تحقیقات اور صحیح تاریخ اخذ کر کے غیر معمولی شہرت حاصل کر چکے ہیں اور تاریخ اودھ انکا ایک کارنامہ ہے جس پہ نبان اردو کو بجا ناز ہے یہ تاریخ فرمانروایان اودھ کے دربار کی پوری تصویریں دکھاتی ہے اور دلچسپی میں فرضی افسانوں سے کہیں بڑھی ہوئی ہے۔ مکمل چار جلدوں کی قیمت ننے ؍ دوچھ روپیہ علاوہ محصولڈاک

ادبی جواہر ریزے

ایک شاعر کا انجام (ناول) حضرت نیاز کی سحر انہ تحریر کا اعلیٰ نمونہ سراپا درد تڑپا دینے والے تخیلات سحر حلال حسن و عشق کی نیرنگیاں قیمت رعایتی ۶؍

گودڑ کا لال (ناول) ایک نہایت دلچسپ اخلاقی تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کا ایک طبع زاد فسانہ جس میں ایک ہندوستانی خاندان کی حسن معاشرت کو نہایت خوبی سے قلمبند کیا گیا ہے۔ جو پہلے سلسلہ وار اخبار شریف بی بی میں کئی سال تک شائع ہو چکا ہے۔ مصنفہ جناب محترمہ والدہ صاحبہ سید محمد افضل صاحب بی۔ اے حصہ اول و دوم صفحات ۲۲۴ قیمت ہر دو حصہ عہ

عالم خیال (یا تصویر) حضرت شوق قدوائی لکھنوی کی چار بے بدل اور بے اضافت نظموں کا دلکش مجموعہ ایسی دلچسپ اور معنی خیز نظمیں اردو زبان میں اس سے پہلے شائع نہیں ہوئی ہیں اسکے ساتھ جار ریویو بھی ملک کے مشہور ایل کے شامل ہیں جو نظم کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہیں اور انکی رائے ہے کہ اردو تو اردو اور مغربی زبان (مثلاً انگریزی) وغیرہ کو میں بھی ایسی اعلیٰ پایہ کی نظمیں موجود نہیں چھپائی دیدہ زیب قیمت فی جلد ۶؍

آئینہ جنگ موجودہ جنگ مغرب کی ایک مفصل اور مضبوط تاریخ جس میں اسباب جنگ جوانوں کی جنگی فنون وغیرہ متعلقہ امور سے دلچسپ بحث کی گئی ہے صفحات ایک سو قیمت صرف

السنہ مشرقیہ۔ عربی سنسکرت اور فارسی زبانوں کی دلچسپ تاریخ ہر زمانہ کی ترقی و تغیر اور زبان کے نمونے نہایت عمدہ تحقیق سے لکھے گئے ہیں۔ قیمت صرف ۶؍

برکات سلطانی علیا بیگم صاحبہ والی بھوپال کی روشن زندگی کارنامے اور ان کی ملکی و اسلامی خدمات کا مرقع (با تصویر پڑھنے کے قابل کتاب ہے) قیمت صرف ۸؍

شکوہ ڈاکٹر اقبال کی مشہور و معنی خیز نظم قیمت ؍

جذبات مسلم ۲۰ قومی اور معنی خیز منظومات کا دلچسپ اور دلکش مجموعہ ہر ایک مسلمان کے مطالعہ کے قابل مقبول اڈیٹر زمیندار اسلام کے جذبات سابقہ کا ایک دلفریب نمونہ حقیقی ولولہ انگیز اسلامی نظموں کا ایک بہترین مجموعہ مع ضروری حاشیہ مطبوعہ مقدمہ ظاہری و باطنی خوبیوں کا گنجینہ حجم ۱۵۰ صفحات اصل قیمت ۸؍ رعایتی عہ

مسدس حالی مولانا حالی کی زندہ جاوید تصنیف مد و جزر اسلام جس نے مسلمانوں میں نئی زندگی پیدا کی مع سوانحعمری حالی و حاشیہ کاغذ و لکھائی چھپائی اعلیٰ سرورق رنگین مجلد ۱۲ اور بے جلد ۸؍

سلطنت برطانیہ کا مستقبل یہ اسم بامسمیٰ کتاب ایک جاپانی مدبر کی تصنیف ہے۔ جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے قیمت ۱۲؍

شباب لکھنو۔ اگر آپ گذشتہ لکھنؤ کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمایئے۔ ایک انگریز سیاح نے سلطنت اودھ کے عروج کے زمانہ کے چشم دید حالات نہایت دلکش پیرایہ میں قلمبند کئے ہیں مترجمہ منشی محمد امیر علی صاحب بی۔ اے قیمت ۱۲؍ مجلد عہ

علوم طبیعی کی تاریخ علوم طبیعیہ کی ان تمام دریافتوں اور ایجادوں کی تشریح جو ساتویں صدی قبل مسیح سے لیکر بیسویں صدی تک وقتاً فوقتاً عمل میں آتی رہی ہیں۔ مسائل کی تحقیقات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قدیم و جدید حکما نے ان علمی دریافتوں اور ایجادوں میں کیا کیا حصہ لیا۔ نہایت مفید اور ضخیم کتاب ہے مضامین کی وضاحت کیلئے سو تصویریں دی گئی ہیں قیمت ہر دو جلد عہ مجلد ۱۲ر

سورج چاند ستارے اجرام فلکی کے متعلق ایک نہایت دلچسپ و مفید کتاب ہے جس میں چاند، سورج، ستاروں، سیاروں، دمدار تاروں، ٹوٹنے والے تاروں کی زمین سے دوری، انکی وسعت، جسامت، باہمی تعلقات، گردش، کیفیت، اثرات، روشنی، حرارت، برودت، وغیرہ معمولی کیفیات تحریر کرنے کے علاوہ بعض ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو بالکل نئی معلوم ہوتی ہیں۔ زمین پر رہ کر آسمان کی سیر کرنا منظور ہو تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمائیں حجم ۲۰۰ صفحات قیمت عہ مجلد ۱ر

تاریخ مذاہب اسمیں مذہب کی ابتدا و ترقی کا حال اور نیز بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابلی اور اسوریہ مصر اور چین اور دیگر ممالک اور اقوام کے مذاہب مختصر تاریخ درج ہے قیمت ۸ر مجلد ۱ر

داستان عجم سیاسی تاریخ کی جس قدر اس وقت تک تحقیقات ہو چکی ہے اس کو اختصار کے ساتھ اسمیں قلمبند کر دیا ہے، قابل دید کتاب

جان ہیلفکس جنٹلمین اس کتاب میں ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہیں کہ کیونکر وہ ادنیٰ حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی کے باعث ترقی کر کے دولتمند ہو گیا۔ نوجوانوں کیلئے نہایت مفید ہے قیمت ہر دو جلد عہ مجلد ۱۲ر

بچوں کی پرورش مصنفہ علیا حضرت سرکار عالیہ فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا و ظلہا ۳۱۵ صفحوں کی کتاب ہے جس میں وہ تمام باتیں نہایت وضاحت سے درج کی گئی ہیں جن کا جاننا مستورات پر لازم و فرض ہے بچوں کے رکھ رکھاؤ کے متعلق نہایت مفید کتاب ہے قیمت عہ

رسول عربی پیغمبر اسلام کی جامع سوانحعمری اور سچے حالات حجم ۴۰۵ صفحہ کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ قیمت ۸ر

بنت الرسول سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کی مکمل تالیف اس کتاب کو حضرت سیماب اکبرآبادی نے لڑکیوں اور مستورات کیلئے لکھا ہے حجم ۹۴ صفحات قیمت ۵ر

حکایات شعاری مسٹر سمائلز کی مشہور و معروف کتاب "تھرفٹ" کا خلاصہ و اخذ قیمت ۸ر

آئینہ ہارمونیم مصنفہ پروفیسر نند لال صاحب ہارمونسٹ ہارمونیم سیکھنے والوں کیلئے یہ کتاب بڑے کام کی چیز ہے قیمت ہر دو حصہ (یکجائی) ۱۲ر

قاسم و زہرہ منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی ایک منظوم ڈرامے کے مصنف ہیں۔ شروع سے آخر تک زبان شستہ، خیالات پاکیزہ، طرز ادا انتہا کا دلاویز، شوخی اور بانکپن کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہے فقرے چست، لطیفے برجستہ، باایں ہمہ دلکشی حکیمانہ مذاق سے خالی نہیں، معاشرت کے نقشے مطابق فطرت دکھائے ہیں، نیچرل کیفیات و جذبات میں سراپا یہ ڈراما ڈوبا ہوا ہے قیمت ۸ر

رباعیات انیس و دبیر اس کتاب میں ہندوستان کے مشہور نادر الکلام و معجز بیان سخنوروں کی عزائیہ و اخلاقی رباعیات کا انتخاب ... حجم ۱۰۰ صفحہ قیمت ۸ر

رباعیات دبیر حضرت دبیر کی رباعیات کا مکمل مجموعہ اسمیں سات سو سے زیادہ رباعیات موجود ہیں۔ ۱۲ر

رباعیات حالی مولانا حالی کی رباعیات کا یہ جدید ایڈیشن مسدس کی تقطیع پر چھپا ہے ہر صفحہ پر ۴ رباعی درج ہیں ۲ر

وصال منشی درگا سہائے صاحب سرور مرحوم کی دلکش تصنیف ۸ر

ہاکی ایک مشہور انگریزی کتاب کا ترجمہ جسمیں نہایت عمدگی کے ساتھ ہاکی کھیلنے کے اصول و طریق بیان کئے گئے ہیں بجا ہاف ٹون تصاویر چھاپی گئی ہیں جنکی تعداد ۲۰ ہے کھلاڑیوں کے لئے عمدہ کتاب ہے ۱۲ر

مندرجہ ذیل کتابیں بہت تھوڑی تعداد میں موجود ہیں اور انکی قیمت میں خاص رعایت کردیگئی ہے اگر درخواستوں میں دیر ہوگی تو انمیں سے اکثر کتابیں نہ ملسکینگی

کلیات نظیر اکبرآبادی جسمیں دیوان نظیر و نظیرستان نظیر بہر دو حصہ شامل ہیں جسکو پروفیسر سید محمد عبد الغفور صاحب شہباز نے مرتب کیا ہے رعایتی ۴ر

حق بحقدار (ناول) ہندوستانی زندگی کا ایک نہایت دلکش اور دلچسپ فسانہ مصنفہ منشی محمد عبد الغفور صاحب مصنف تماشاگاہ عالم وغیرہ ۲۰۰ صفحات رعایتی قیمت ۴ر

حیات حافظ جسمیں لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی کے حالات زندگی بیان کئے گئے ہیں اور ان کی شاعری پر نہایت تفصیل سے بحث کی گئی ہے ۸ر

یادگار دربار سلام یعنی اسلامی تاریخی عمارات اسلامی انسائیکلوپیڈیا) دو جلدوں میں فی جلد ۴ر

واقعات آزوبی یعنی ہاکوبی کا پیدا ہوں کو ایک مشہور ناول کا ترجمہ مع کلیات مقدمہ کہ جسمیں ہندوستان کی تاریخ اور غیب پر مفصل بحث کی گئی ہے مترجمہ جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی اے سیکرٹری ایجوکیشنل کانفرنس۔ قابل دید کتاب ہے قیمت

ملنے کا پتہ ۔۔۔

الہارون سوانحمری ہارون رشید مع نقشہ ۱۲ر

صلاح الدین یعنی ابو المظفر الملک الناصر سلطان صلاح الدین یوسف فاتح بیت المقدس کی سوانح عمری ۱۹ر

تصانیف سر سید احمد علیہ الرحمہ

خطبات احمدیہ مجلد ۴ر

اسباب بغاوت ہند ۲ر

تصانیف شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد صاحب

مراۃ العروس ۱۴ر

چند پند ۱۶ر

منتخب الحکایات ۴ر

توبۃ النصوح ۴ر

سلسلہ آصفیہ ۱۲ر

تصانیف نواب محسن الملک بہادر

تہذیب الاخلاق

مکمل محاربات روس جاپان } دو حصہ قیمت فی حصہ ۱۲ر

زہرا ایک ترکی ناول کا ترجمہ مترجمہ سید سجاد حیدر صاحب بی اے ۔ ۴ر

چمنستان عرب ۱۰ر

پروفیسر ومبری کا سفرنامہ خیوہ بخارا ایران و کردستان وغیرہ ۱۲ر

تاریخ مسجد الحرام ۲ر

گنج شائگان ۴ر

حیات نور الدین ۴ر

یادگار سعدی علیہ الرحمہ ۸ر

دفتر تمدن بل چھاؤلال لکھنؤ

ایک نفع رساں اپنی قسم کی پہلی ایجاد

دل وجان سے مدت تک محنت کرنے اور مشرق و مغرب کی ... بیدہ اصولوں سے فائدہ اُٹھانے کے بعد مالک کل جسم کے فضل نے

کوی تو ویدبھوشن پنڈت ٹھاکردت شرما وید کو

اس قابل کیا کہ وہ خلق اللہ کی تکالیف رفع کرنے کے واسطے ایک ایسی دوائی تیار کریں جو کیلی ہی تقریباً تمام امراض کا جو گھروں میں بوڑھوں۔ بچوں جوانوں مردوں یا عورتوں کو ہوتی رہتی ہیں حکمی علاج ثابت ہوئی۔

امرت دھارا



واقعی اپنی قسم کی پہلی ایجاد ہے۔ اس لیے۔ اسکی خوبی اس سے بڑھکر اور کیا تعریف ہو سکتی ہے کہ جیسا۔ لوگ اس کی نقلیں بنانے کی کوشش میں ہیں۔ قدم قدم پر لوگوں کو امرت دھارا کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کسی کو کوئی تکلیف ہو جھٹ امرت دھارا منہ سے نکلتی ہے جس گھر میں یہ موجود ہے ایک لائق وید موجود ہے۔ لکھوکھا بندگان خدا اس ایجاد سے فائدہ اُٹھا چکے ہیں۔ آپ بھی فوراً منگائیے۔

تمام امرض جو امرت دھارا دور کرتی ہے } ہر قسم کی درد سر۔ کھانسی۔ دمہ ذات الجنب۔ نمونیا۔ پیٹ درد۔ زکام۔ ہیضہ۔ اروچی۔ اپھارا۔ درد دانت۔ قولنج۔ اسہال پیچش۔ قراقر معدہ۔ کل امراض معدہ۔ قے درد دانت۔ دانتوں کو پانی لگنا۔ خون یا ناسور دندان وغیرہ کل امراض دہنت۔ درد کان۔ زخم کان۔ کرم و ورم گوش۔ بہرہ پن وغیرہ وکل امراض کان و اسیر ناک چھینک بدبو سے بینی وغیرہ کل امراض ناک۔ درد چشم۔ دھندھلا وغیرہ امراض آنکھ۔ پھوڑا پھنسی ہر قسم کا زخم کالا سنا۔ داد چنبل پھڑ مکھی وغیرہ کا ڈنک۔ بخار ہر قسم۔ سوزاک آتشک گلٹیاں۔ بد۔ درد مفاصل۔ ورم۔ تمام اندرونی و بیرونی چوٹ۔ بواسیر۔ کمزوری دماغ۔ طاعون۔ سل۔ تپ دق۔ پرسوت۔ امراض دل۔ امراض جگر۔ بائی گولا۔ پردر۔ احتباس حیض۔ خنازیر وغیرہ امراض بچگاں۔ نکسیر۔ سوج زبان۔ درد ڈاڑھ۔ گلے پڑنا۔ آواز بیٹھنا۔ درد دل وغیرہ امراض کی۔ بھگندر۔ درد گردہ۔ درد خانہ۔ زخم کا پھوٹنا وغیرہ امراض زنان۔ لکھن پاؤ۔ پنڈلی کا پھوٹنا پتی۔ خارش خشک و تر چھپاکی۔ کثرت پسینہ۔ تیزاب وغیرہ سے جلنا وغیرہ وغیرہ امراض کھانے و لگانے سے دور کرتی ہے۔

پچیس ہزار استعمال کرنیوالوں کی متفقہ آواز ہے ۔ کہ امرت دھارا ہر گھر بلکہ ہر جیب میں موجود رہنی چاہیے جہاں کوئی تکلیف ہوئی فوراً اسکو لگا دو اور کرشمہ دیکھو قیمت فی شیشی عہ نصف شیشی عمہ۔ نمونہ صرف ۸ ر

احتیاط امرت دھارا نے بغیر کسی کرپا سے بہت نام پایا ہے۔ اسکی اتنی بکری ہے کہ امرت دھارا بھون میں امرت دھارا نام سے ایک ڈاکخانہ کھولا گیا ہے پاس کی سڑک کا نام بھی امرت دھارا سڑک رکھا گیا ہے امرت دھارا بھون کی رسم افتتاح بھی ڈپٹی کمشنر صاحب لاہور کے ہاتھوں سے ہوئی تھی۔ امرت دھارا کی اسقدر مشہوری کے باعث جھوٹے اشتہار باز عجیب چلتے نام رکھکر اشتہار دے رہے ہیں اسواسطے دھوکے سے بچو اور کوئی نقل نظر پڑے اگر کبھی قیمت کا خیال ہو تو امرت دھارا کی نقل سمیات ۱۲ ر فی شیشی کے حساب سے ہم سے بھی خرید سکتے ہیں جو ان نقالوں سے بہتر ہوگی۔

خط و کتابت و تار کے لیے پتہ "امرت دھارا" لاہور

... پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ دوا لحظہ میں اسکو پانی کردیتا ہے۔ دردریاح جیسے ٹیک ... لہر کنپٹی سے چاہے جسقدر تکلیف ہو اس دوا کے استعمال سے ... ہے درد سر کے واسطے بھی اس دوا کا ایسا ہی فائدہ ہے۔ نصف سر میں ہو یا ... کسی وجہ سے کیسا ہی درد ہو اس دوا سے رفع ہوجاتا ہے صرف یہی نہیں اگر سر کٹا جاتا ہو اُڑا جاتا ہو اس دوا سے فوراً آرام ہوجاتا ہے۔ ان دنوں لوگ ذرا ذرا ... میں سر دکھایا کرتے ہیں کام میں یا مفت کی باتوں میں فکر و تردد میں عیش و عشرت میں ... کو رات ... کو دن بنانے میں کل شکایتیں سر پر آجاتی ہیں اور سارے رسے درد سر ... ہیں۔ ڈاکٹر برمن کی دوا ایسے لوگوں کے لیے۔ دوا کے استعمال سے فوراً درد میں آرام ہوجاتا ... عام کو یہ دوا اپنے پاس رکھنا لازم ہے قیمت ۱۲ ٹکیوں کی ایک شیشی ... ایک سے چھ ڈبیہ تک پانچ آنہ (۵) بارہ ڈبیا تک چھ آنہ - (۱۷)

داد کا مجرب مرہم

... لگانے سے کبھی بھی ہوجاتی ہے دو تین مرتبہ کے لگانے سے ایک دم اچھا ہوجاتا ہے۔ ... ایک ڈبیہ سے ۶ ڈبیہ تک پانچ آنہ (۵) اور بارہ ڈبیہ تک چھ آنہ (۶)

... سال کی دوا

یہ دوا اکتیس ۳۱ سال سے سارے ہندوستان میں استعمال کی جاتی ہے۔ اگر آپ ... قسم کے علاج کرا کے تنگ آگئے ہوں تو اس دوا کو ایک مرتبہ ضرور استعمال کریں ... لاجواب ہیں یہ ملیریا بخار ... کو نابود کردیتی ہے اسلئے کہ اس کی چار یا پانچ خوراک ... ہے اور یہ خون کو گاڑھا کردیتی ہے اور تلی کو گلادیتی ہے قیمت بڑی شیشی ... دو شیشی تک آٹھ آنہ (۸) قیمت چھوٹی شیشی ... آنہ (۳) محصول ڈاک ایک ... پانچ آنہ (۵) دو شیشی تک (۲۰)

کھانسی کی دوا

یہ دوا چاہے کیسی کھانسی و کف کی بیماری ہو اسکو آرام کرتی ہے اسمیں یہ فوائد ہیں (۱) سردی کو دفع ... (۲) کھانسی کو دبانا (۳) کف کو پتلا کرنا (۴) کف کو نکالنا (۵) سوکھی کھانسی کو روکنا قیمت بڑی شیشی ... بتیس خوراک قیمت ایک روپیہ ... پیکنگ و محصول ڈاک چھ آنے دو شیشی تک ... شیشی سولہ خوراک قیمت ... پیکنگ و محصول ڈاک ... شیشی تک ... مہاراجہ صاحب کی رائے ... چیف ... اسسٹنٹ ... لکھتے ہیں جناب میں آپکی روانہ کردہ کھانسی کی دوا ... جوں اس دوا سے ہماری کھانسی بالکل دفع ہوگئی۔ مجھے صرف سات خوراک سے زیادہ پینے کی درکار نہ ہوئی۔ کھانسی کو اس دوا نے بہت جلد اثر دکھایا۔

ڈاکٹر ایس۔ کے برمن نمبر ۵ و ۶ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ